منگل 29 رمضان المبارک 1445 ہجری 09 اپریل 2024 عیسوی

بسم اللہ الرحمان الرحیم ط

الحمد للّٰہ رب العالمین۔

اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمدٍ و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ و بارک و سلِّم ط (تین مرتبہ)

ربّنا یسّرلنا ھٰذالکتاب و لا تُعَسِّرْہُ و تَمِّمْہُ بالخیرِ و بک نستعین یا فتّاحُ یا علیمُ (تین مرتبہ)

آمین ثم آمین

اللھم صل علیٰ سیدنا و مولانا محمدٍ و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ و بارک و سلِّم ط (تین مرتبہ)

علامہ ابن حاجب نے کافیہ کو مفصّل سے اخذ کیا ہے۔

مصنف رح کے حالات: صاحب کافیہ کا نام عثمان کنیت ابو عمرو اور لقب جمال الدین ہے۔ آپ 570 ھجری میں مصر کی بستی (اسنانہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی شہرت ابن حاجب رح کے نام سے ہے۔

حاجب عربی زبان میں سیکرٹری کو کہتے ہیں، اور نیز دربان کو بھی کہتے ہیں۔ آپکے والد رح گورنر کے سیکرٹری تھے۔ اسی لئے آپ ابن حاجب رح کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ (حاجب: رکاوٹ)

آپ نے اپنے وقت کے مشہور علماء سے علم حاصل کیا۔ علم فقہ، اُصول فقہ، اور نحو وغیرہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپکے درس کی بے انتہا شہرت تھی۔ علماء اور طلباء دور کا سفر طے کر کے آپ کے درس میں حاضر ہوا کرتے۔ مذہب کے اعتبار سے آپ مالکی ہے۔ اور جامعہ دمشق کے زاویہ مالکیہ کے اندر یہ درس دیا کرتے تھے۔ فقہ اور اصول فقہ کے بڑے ماہر تھے۔ بڑے فصیحُ الِّسان تھے۔

آپ نے علم نحو کے اندر کافیہ جیسی عظیم الشان کتاب لکھ کر علمی اور فنّی دنیا میں تہلکہ مچادیا۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے بے انتہا مقبولیت نصیب فرمائی۔ اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ علماء نے سو کے قریب اسکے حواشی اور شروح لکھے ہیں۔ اور سینکڑوں سال گزرنے کے باوجود اسکی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی۔ اور آج بھی مدارس اسلامیہ میں داخل درس ہے۔

اسی طرح آپ نے صرف کے اندر شافیہ نامی کتاب لکھ کر علم کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کردیا۔ یہ صرف کی مشکل ترین کتابوں میں سے ہے۔

آپکی وفات 16 شوّال 646 ھجری میں ہوئی۔ اللہ ہم سب کو اُن جیسا تقویٰ، علم اور مقبولیت نصیب فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

ھٰذا ھوالمرام واللہ اعلم بحقیقۃ الکلام۔

درس 2۔

الف لام کی اقسام: الف لام دو قسم پر ہے۔ الف لام اسمی اور الف لام حرفی۔

الف لام اسمی: الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہوتا ہے۔ یہ دراصل اسم موصول ہوتا ہے جو الف لام کی صورت میں آتا ہے۔ تو چونکہ یہ اسم موصول ہے اس لئے اسے الف لام اسمی کہتے ہیں۔ پس "الضَّارِبُ" بمعنیٰ

"الذی یَضرِبُ" کے ہے، یعنی "وہ جو کہ پٹھائی کرتا ہے۔" اور "اَلْمَضرُوبُ" بمعنیٰ "اَلّذی یُضرَبُ" کے ہے۔ یعنی وہ جسکی پٹھائی کی جاتی ہے۔

الف لام حرفی: الف لام حرفی وہ ہے جسکے ذریعے کسی اسم کو معرفہ بنایا جاتا ہے۔ اس کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ یہ چار قسم پر ہے۔ الف لام جنسی، الف لام استغراقی، الف لامی عہد خارجی اور الف لام عہد ذہنی۔

1۔ الف لام جنسی۔ الف لام جنسی وہ ہے جس کے ذریعے کسی جنس، ماہیت اور حقیقت کی طرف اشارہ کیا جائے، اور اس سے افراد مراد نہیں ہوتے۔ جیسے "الرجلُ خیرٌ من المرأۃِ" یعنی جنس رجل جنس امرءۃ سے بہتر ہے۔ یہاں افراد مراد نہیں۔ اگر افراد مراد ہو تو پھر یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ جنس امرأۃ کے بہت سے افراد مردوں سے بہتر ہیں۔ جیسے حضرت عائشہ صدیقہ[رض] ، کہ اُن کا مقام تو اتنا اعلیٰ اور ارفع کہ بعض والا کوئی مرد بھی اُن کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ یا جیسے ایک مومنہ عورت کہ وہ تمام دنیا کے کافر مردوں سے بہتر ہے۔

2۔ الف لام استغراقی۔ وہ ہے جس کے ذریعے کسی جنس کے تمام افراد کی جانب اشارہ کیا جائے، جیسے قرآن مجید میں ہے، "اِنَّ الانسانَ لفی خُسْرٍ ؕ اَلّالذین اٰمَنُوْا۔۔" یہاں الانسان پر الف لام استغراقی ہے۔ ترجمہ۔ یقیناً تمام انسان خسارے میں ہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے۔

3۔ الف لام عہد خارجی۔ وہ ہے جس کے ذریعے کسی جنس کے متعین فرد یا افراد کی طرف اشارہ کیا جائے مثلاً آپ کہتے ہیں، جاءَنی رجلٌ فاکرمتُ الرجلَ۔ یعنی میرے پاس ایک آدمی آیا، تو میں نے اُس آدمی کا اکرام کیا۔ یہاں پہلے جملے میں رجلٌ کا ذکر آیا اور رجلٌ نکرہ ہے، تو اب وہ متعین ہو گیا تو دوسرے جملے میں الرجل (الف لام کے ساتھ) اسی متعین رجل کی طرف اشارہ کیا گیا۔

4۔ الف لام عہد ذہنی۔ وہ ہے جس کے ذریعے کسی جنس کے فرد غیر معین کی طرف اشارہ کیا جائے۔ جیسے قرآن میں ہے۔ "اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَہُ الذِّئْبُ" پارہ 12 سورۃ 12 آیت 12۔

حضرت یعقوب[ع] نے اپنے بیٹوں سے حضرت یوسف[ع] کے بارے میں فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ اسے کوئی بھیڑی کھا جائے گا۔ تو یہاں "الذِّئبُ" پر الف لام عہد ذہنی ہے۔ یعنی ذہن میں جنس بھیڑئیے کے ایک فرد کا تصوّر کر کے الف لام کے ذریعے اسکی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

نیز یہ بات یاد رکھئے کہ وہ اسم جس پر الف لام عہد ذہنی داخل ہو، وہ لفظوں کے اعتبار سے تو معرفہ ہو جاتا ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے نکرہ ہی رہتا ہے۔ لہذا الذئبُ کا ترجمہ "کوئی ایک بھیڑیا" ہے۔

کبھی کبھار الف لام حرفی کو صرف لفظ کو مُزَیَّنْ کرنے اور خوبصورت و حسین بنانے کے لئے لایا جاتا ہے۔ جیسے نام ہے علی، اس پر الف لام داخل کر کے العلی کہتے ہیں۔ یا جیسے الزبیر۔ تو الف لام حرفی تو لفظ کو معرفۃ بنانے کے لئے لاتے ہیں لیکن زبیر اور علی وغیرہ جیسے نام یہ تو پہلے ہی معرفۃ ہے، تو یہاں الف لام کو صرف لفظ کو مُزَیَّنْ کرنے کے لئے لایا گیا۔

ھٰذا ھو المرام واللّٰہُ اعلمُ بحقیقۃِ الکلامِ۔

درس 3۔

مبتدا خبر میں مطابقت کے لئے چار شرائط ہیں۔

شرط اوّل۔ خبر مشتق کا صیغہ ہو۔ اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبه، اسم تفضیل، ظرف، اسم آله وغیرہ۔ لہذا "الکمة لفظٌ" کا اعتراض ختم ہوا۔ که الکلمة مبتدا مؤنث ہے اور لفظٌ خبر مذکر ہے۔ کیوں که یہاں پہلی شرط نہیں پائی جاتی۔ کیونکه لفظ مشتق نہیں بلکه مصدر ہے۔

شرط ثانی۔ اُس مشتق میں کوئی ضمیر ہو جو اُس مبتدا کی جانب لوٹ رہی ہو۔ مثلًا زینبُ قائمَةٌ۔ یہاں قائمةٌ اسم فاعل کا صیغه ہے جو که مشتق ہے۔ پہلی شرط پوری ہوئی۔ اور قائمَةٌ کے اندر ھی ضمیر ہے جو که زینب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ دوسری شرط بھی پوری ہوئی۔ قائمةٌ خود اسم فاعل ہے اور ھی ضمیر اسکا فاعل ہے۔ فعل معروف کے لئے فاعل اور فعل مجہول کے لئے نائب الفاعل چاهئے، اور وہ اُس کے اندر ھو ضمیر ہوگی۔ لیکن کبھی کبھار ضمیر اس میں نہیں ہوتی جب فاعل یا نائب فاعل آگے خود آ جائے۔ جیسا که ضَرَبَ زیدٌ ۔ اب ضربَ کے اندر ضمیر نہیں اور آگے اسم ظاہر اسکا فاعل خود آ رہا ہے۔

ضُرِبَ کے اندر ھو ضمیر نائب الفاعل ہے۔ اور ضُرِبَ زیدٌ میں اب ضُرِبَ کے اندر کوئی ضمیر نہیں کیونکه زید نائب الفاعل خود آ رہا ہے۔ اسی طرح اسم فاعل کا صیغه بھی فاعل کو چاہتا ہے اور اسم مفعول کا صیغه نائب الفاعل کو چاہتا ہے۔ تو ضاربٌ کے اندر ھو ضمیر اس کا فاعل ہے۔ اور مضروبٌ کے اندر ھو ضمیر اس کا نائب الفاعل ہے۔ اور کبھی کبھی ضاربٌ کے لئے اسم ظاہر فاعل بنتا ہے اور مضروبٌ کے لئے بھی اسم ظاہر نائب الفاعل بنتا ہے۔ اسی صورت میں انکے اندر ضمیر نہیں ہوتی۔

زیدٌ ضاربٌ۔ زیدٌ مبتدا، ضاربٌ صیغه اسم فاعل اسکے اندر ھو ضمیر جو که لوٹ رہی ہے زیدٌ مبتدا کو۔ تو دونوں شرطیں پوری ہوئی۔ کیونکه ضاربٌ مشتق کا صیغه بھی ہے اور اسکے اندر ضمیر بھی ہے جو که لوٹ رہی ہے مبتدا کو۔

زیدٌ ضاربٌ ابوهُ۔ زیدٌ مبتدا، ضاربٌ صیغه اسم فاعل اور آگے ابوهُ اسکا فاعل آ رہا ہے، اور ضاربٌ کے اندر ضمیر نہیں۔ ابو مضاف ها ضمیر مضافٌ الیه، مضاف اور مضافٌ الیه ملکر فاعل۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبه جمله ہو کر خبر۔

خبر دراصل ضاربٌ ہے جو که مشتق ہے۔ پہلی شرط پائی گئی۔ اور ضاربٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں تو دوسری شرط نہیں پائی گئی۔ معلوم ہوا مطابقت شرط نہیں ہے۔ اگر ہو رہی ہو تو الگ بات ہے۔

زیدٌ ضاربَةٌ اُمُّهُ : ضاربَةٌ کے لئے اُمُّهُ فاعل۔

نوٹ۔ فاعل اگر مذکر ہو تو اسم فاعل بھی مذکر لانا پڑے گا، جیسا که ابوهُ فاعل مذکر ہے اسی لئے ضاربٌ مذکر لایا۔ اور اُمُّهُ فاعل مؤنث ہے تو اسم فاعل کو بھی مؤنث لایا۔ اگر کوئی اعتراض کرے که "زیدٌ ضاربَةٌ اُمُّهُ" یه جمله غلط ہے۔ کیونکه اس میں مبتدا "زیدٌ" مذکر ہے اور خبر "ضاربَةٌ" مؤنث ہے۔ اسکا جواب یه ہے که ضاربَةٌ میں یہاں کوئی ضمیر نہیں جو مبتدا کو لوٹے، جب یه دوسری شرط پوری نه ہو تو اب مطابقت بھی شرط نہیں۔

مثال: زیدٌ ضاربَۃٌ ۔ یہاں ضاربَۃٌ مشتق کا صیغه ہے۔ پہلی شرط پوری ہے۔ ضاربۃ کے اندر ایک ضمیر ہے جو که لوٹ رہی ہے زید کو۔ دوسرا شرط بھی پورا ہوا۔ لیکن وہ ضمیر "ھِیَ" مؤنث کا ضمیر ہے اور زید مذکر ہے۔ ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں۔ لہذا یہ جملہ صحیح نہیں ہے۔

شرط ثالث۔ وہ مشتق ایسا وصف نہ ہو جو خاص ہو مؤنث کے ساتھ۔ مثلاً "الامرأۃُ طالقٌ" وہ عورت طلاق والی ہے۔ یہاں تیسری شرط نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ یہ وصف مؤنث کے ساتھ خاص ہے۔ لہذا طالقة لکھنے کی ضرورت نہیں۔ لہذا اب بھی مطابقت ضروری نہیں۔ اسی طرح "الامرأۃُ حاملٌ" بھی ہے۔

شرط رابع۔ وہ مشتق ایسا صیغه نہ ہو جو مذکر اور مؤنث کے لئے یکساں رہتا ہو۔ اور وہ مشتق جو مذکر اور مؤنث کے لئے یکساں رہتے ہیں چار ہیں۔

1۔ وہ فَعِیل جو بمعنیٰ مفعول کے ہو۔ جیسے جَرِیحٌ بمعنیٰ مجروحٌ یعنی زخمی۔

2۔ وہ فعول جو بمعنیٰ فاعل کے ہو۔ جیسا صَبُوْرٌ بمعنیٰ صابر۔ یعنی صبر کرنے والا۔

3۔ مبالغه کا صیغه جیسے ضَرَّابٌ۔ ضاربٌ میں مبالغه کرنے سے ضَرَّاب بنتا ہے۔

4۔ وہ اسم تفضیل جو مِنْ کے ساتھ استعمال ہو۔

نوٹ۔ اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبه اور اسم تفضیل ان کے اندر ضمیر ہوتے ہیں، جو که مبتدا کی طرف لوٹتے ہیں۔

1۔ الامرأۃ جریحٌ، الرجلُ جریحٌ (جریحٌ بروزن شریفٌ)

یہاں پہلا شرط پورا ہے، کیونکہ یہ مشتق کا صیغه ہے۔ دوسری شرط بھی پورا ہے، کیونکہ اس میں ایک ضمیر ہے جو که لوٹ رہی ہے مبتدا کو۔ (جریحُ صفت مشبه کا صیغه ہے۔) تیسری شرط بھی پوری ہے کیونکه جریحٌ مؤنث کے ساتھ خاص نہیں۔ لیکن چوتھی شرط اس میں نہیں پایا جاتا کیونکه یہ ایسا صیغه ہے جو مذکر اور مؤنث کے لئے یکساں ہے۔ لہذا یہاں مطابقت ضروری نہیں۔

2۔ الرجلُ صبورٌ، الامرأۃ صبورٌ۔ 3۔ الرجل ضرابٌ، الامرأۃُ ضرَّابٌ،

4۔ الرجلُ اَکْبَرُ منْکَ، وہ آدمی تم سے بڑا ہے۔ اور "الامرأۃ اکبرُ منکَ" وہ عورت تجھ سے بڑی ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے که الامرۃ مؤنث ہے۔ یہاں اکبرُ (مذکر) کی جمع کُبْریٰ (مؤنث) کا صیغه استعمال کرو۔ تو اسکا جواب یہ ہے که اسم تفضیل جب مِنْ کے ساتھ استعمال ہو جائے تو مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے یکساں ہوں گے۔ نیز یہ مذکر، مؤنث، مفرد، تثنیه، جمع سب کے لئے ایک جیسا ہوگا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئیگی۔لہذا "الصلوٰۃ خَیْرٌ مِنَ النوم" کا اشکال ختم ہوا۔ الصلوٰۃ مؤنث ہے اور خیر مذکر ہے۔ یہاں "خیر" اسم تفضیل مِنْ کے ساتھ آ رہا ہے اور جب اسم تفضیل مِنْ کے ساتھ ہو تو وہ سب کے لئے یکساں ہوتا ہے۔

درس 4۔

بسم اللہ الرحمانِ الرحیم ط

الکلمۃُ لفظٌ مصنف علامه ابن حاجب رح نے بسم اللہ کے بعد "الکلمۃُ لفظٌ" کہا۔ جبکه ہمارے باقی مصنفین کا جو طریقه ہے، وہ بسم اللہ کے بعد الحمد للہ کو ذکر کرتے ہیں۔ اُس نے الحمد للہ کو ذکر نہیں کیا اسکی کیا وجه ہے؟ کیونکه حدیث شریف آتی ہے جو که بسم اللہ کے بارے میں بھی ہے اور الحمدللہ کے بارے میں بھی ہے۔ "کلُّ امرٍ ذی بالٍ لم یُبْدَاُ فیه ببسم اللہ فھو اَبْدَاُ" اور اسی طرح "کلُّ امرٍ ذی بالٍ لم یُبْدَاُ

فیه بالحمد للہ فھو ابتر"۔ جواب یہ کہ مصنفؒ نے یہاں کتاب میں ذکر نہیں کی لیکن یقینًا اُس نے زبان سے ضرور پڑھی ہوگی۔

الکلمۃُ لفظٌ وُضِعَ لِمَعْنًی مفردًا۔ا لْکلمۃُ کے اندر الف لام حرفی ہے۔ اور یہ الف لام جنسی ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ کلمہ کی تعریف ہو رہی ہے اور تعریف جنس کی ہوتی ہے، حقیقت کی ہوتی ہے، ماہیت کی ہوتی ہے افراد کی نہیں۔ جبکہ استغراق، عہد ذہنی اور عہد خارجی سے افراد مراد ہوتے ہیں۔ لفظٌ نکرۃ ہے۔ اور جب نکرۃ کے بعد فعل آتا ہے تو وہ نکرہ موصوف بنتا ہے اور وہ فعل صفت بنے گا۔ اور اسی طرح نکرۃ کے بعد جار مجرور آ جائے تو وہ بھی عمومًا اُس نکرۃ کے لئے صفت بنے گا۔ تو یہاں بھی وُضِعَ پورا جملہ صِفَتْ بنے۔اور یاد رکھے موصوف صفت کا ترجمہ کرتے وقت موصوف سے پہلے عمومًا "ایسا" یا "ایسی" کا لفظ لاتے ہیں۔

(نوٹ۔ صِفَۃٌ عربی میں تائے تانیث سے ماقبل ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔)

الکلمۃُ لفظٌ: کلمہ ایسا لفظ ہے۔ لفظٌ موصوف ہے، اس لئے اس سے پہلے "ایسا" کا لفظ لایا۔ وُضِعَ : کہ اُسے وضع کیا گیا ہو۔ لمعنًی: ایک معنیٰ کے لئے، مُفْرَدٍ جو مفرد ہو۔یہاں معنًی موصوف ہے اور مفردٍ اسکی صفت ہے۔ لمعنًی مفردٍ: ایسے معنیٰ کے لئے جو مفرد ہو۔ یہاں مفرد مرکب کے مقابلے میں آیا ہے۔ مفرد میں یہاں تینوں اعراب پڑھنا جائز ہے۔ یعنی مفردًا، مفردٌ اور مفردٍ۔

اگر آپ اسکو مفردٌ پڑھتے ہیں تو پھر یہ صفت بنے گا لفظٌ کی۔ تو پھر لفظٌ موصوف، وُضِعَ لمعنیً صفت اوّل اور مفردٌ صفت ثانی بنے گا۔ اب ترجمہ یوں ہوگا، "کلمہ ایسا لفظ ہے جسے وضع کیا گیا ہو ایک معنیٰ کے لئے، اور (کلمہ) ایسا لفظ ہے جو مفرد ہو"۔

اور مفردٍ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ تو پھر یہ **معنیٰ** کی صفت بنے گا۔ **معنیٰ** پر لام جارّہ داخل ہوا ہے جس کی وجہ سے **معنیٰ** مجرور ہوا۔ تو **معنیٰ** موصوف ہے مجرور ہے تو اسکی صفت **مفردٍ** بھی مجرور ہوا۔ اب عبارب یوں ہوا۔ "الکمۃُ لفظٌ وُضِعَ لمعنًی مفردٍ" کلمہ ایسا لفظ ہے جسے وضع کیا گیا ہو ایسے **معنیٰ** کے لئے جو مفرد ہو۔

معنًی سولہ اقسام میں اسم مقصور ہے۔ اسم مقصور وہ ہوتا ہے جس میں الف مقصورۃ آ جائے۔ الف مقصورۃ کبھی لفظًا ہوتا ہے اور کبھی تقدیرًا۔ یہاں "**معنیً**" میں الف مقصورۃ تقدیرًا موجود ہے۔ اور موسیٰ کے اندر الف مقصورۃ لفظًا موجود ہے۔ معنًی اصل میں معنَیٌ بروزن مَفْعَلٌ تھا۔ یاء متحرک ماقبل فتحہ کو الف سے بدلا تو مَعْنَانْ ہوا۔اب الف اور نون کے درمیان التقائے ساکنین علیٰ غیر حدّہٖ آیا جس میں اوّل ساکن مدّہ تھا تو اسے گرایا تو مَعْنًی رہ گیا۔

اسی طرح فَتًی، عصًا یا عصًی اسم مقصور ہے۔ الف لام کے آنے سے وہ تنوین گرے گا تو اَلْمَعْنٰی، اَلْفَتٰی، اَلْعَصٰی وغیرہ رہ جائے گا۔ مَعْنَیٌ پر جب الف لام داخل ہوا تو نون تنوین گر گیا اور اَلمَعْنَیُ رہ گیا۔ پھر یاء متحرک ماقبل فتحہ کو الف سے بدلا تو اَلْمَعْنٰی ہوا۔ اسم مقصور کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔

تیسری ترکیب۔ مفردًا کی صورت میں یہ حال بنے گا۔ اور آگے چل کر صاحب کافیہ بتلائے گا کہ "حال" فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرتا ہے۔ اور حال کا اعراب منصوب ہوتا ہے لہذا اسکو مفردًا پڑھیں گے۔ اب یہ کس سے حال ہے؟ تو دیکھو وُضِعَ کے اندر ھو ضمیر ہے جو کہ اس کا نائب الفاعل ہے۔ اور وہ ھو ضمیر لفظٌ کو راجع ہے تو اُس ھو ضمیر سے مفردًا حال واقع ہو رہا ہے۔ اس صورت میں ترجمہ ہوگا۔ " کلمہ ایسا لفظ ہے جس وضع کیا گیا ہو اس حال میں کہ وہ مفرد ہو"۔ یعنی وہ لفظ مرکب نہ ہو۔

چوتھی ترکیب۔ یا مفردًا کو حال بنا دے معنیٰ سے۔ پھر وُضِعَ لِمعنًی مفردًا اُس کو وضع کیا گیا ہو ایک معنیٰ کے لئے اس حال میں کہ وہ معنیٰ مفرد ہو۔

اشکال۔ اوپر گزرا کہ حال، فاعل یا مفعول کی حالت بیان کرتا ہے۔ لیکن یہاں معنًی نہ فاعل ہے اور نہ مفعول ہے بلکہ مجرور ہے۔

جواب۔ یہ مفعول بہ ہے۔ یاد رکھو فعل متعدی مفعول کو نصب دیتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ہم نے فعل کو متعدی کرنا ہوتا ہے ایک مفعول کی طرف لیکن وہ فعل اُسکو براہ راست نصب نہیں دے سکتا، اس لئے کہ وہ فعل لازم ہوتا ہے۔ اب چونکہ فعل لازم مفعول کو چاہتا نہیں۔ لیکن ایک چیز ہے جسکو ہم مفعول بنانا چاہتے ہیں مثلًا مَرَّ: گزرنا، یہ فعل لازم ہے۔ مَرَرْتُ: میں گزرا، یہ فعل لازم ہے۔ یہ کسی مفعول کو چاہتا نہیں لیکن میں بتلانا چاہتا ہوں کہ میں زید پر گزرا۔ اب میں زید کو مفعول بنانا چاہتا ہوں لیکن مَرَرْتُ زید کو نصب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ فعل لازم ہے۔ اب مجبوری بن گئی، میں زید کو مفعول بنانا چاہتا ہوں وہ بن نہیں سکتا۔ یعنی مَرَرْتُ زیدًا کہہ نہیں سکتا میں۔ پھر حروف جارّہ کی مدد لیتے ہیں۔ اب ایک حرف جر "با" لے آؤ اور اسکو زید پر داخل کرو تو بِـزَیدٍ بن گیا۔ اب یہ مَرَرْتُ کے ساتھ جُڑ سکتا ہے۔ یعنی مَرَرْتُ بزیدٍ: میں زید پر سے گزرا۔

اب یاد رکھو کہ یہ حروف جارّہ جن پر داخل ہوں اور وہ جس فعل وغیرہ سے متعلق ہو تو یہ بھی دراصل مفعول ہیں لیکن حرف جر کے واسطے سے مفعول ہیں۔

اسی طرح مثال کے طور پر میں کہتا ہوں کہ میں نے زید کی لاٹھی سے پٹھائی کی۔ ضربتُ زیدًا: میں نے زید کی پٹھائی کی۔ اب میں اس لاٹھی کو بھی مفعول بنانا چاہتا ہوں، لیکن ضَرب متعد ہے ایک مفعول کی طرف اور وہ ایک مفعول زید آ چکا ہے اور میں عصٰی کو بھی ضرب کے لئے مفعول بنانا چاہتا ہوں تو اس صورت میں حرف جر کی مدد لینا ہوگا۔ تو جملہ یوں ہوگا۔ "ضربتُ زیدًا بالعَصٰی"۔ اب یہ عصیٰ ضربتُ کا مفعول بنا لیکن براہ راست نہیں بلکہ بواسطہ حرف جر کے۔

تو یہ جو جو حروف جارّہ کے مدد سے متعلق ہوگا کسی فعل وغیرہ سے، تو یہ اُس فعل وغیرہ کے لئے مفعول ہوگا لیکن مفعول بہ غیر صریح۔ ایک جس پر نصب آ رہا ہے وہ مفعول بہ صریح ہوتا ہے۔ زیدًا یہاں مفعول بہ صریح ہے۔ اور بالعصٰی مفعول بہ غیر صریح ہے۔ پس مجرور مفعول بہ غیر صریح ہوتا ہے۔

پس لِمَعْنًی مُفْرَدًا میں مَعْنًی بھی مفعول بہ ہے لیکن مفعول بہ غیر صریح ہے۔ اور مفعول بہ سے حال آیا کرتا ہے اور اس سے بھی مفردًا حال کا آنا صحیح ہوا۔

درس 5۔ جملہ کا اعراب محلًا ہوتا ہے، کیونکہ جملہ مبنیات میں سے ہے۔ اور جب آپ جملہ کو کسی سے جُڑنا چاہتے ہو تو درمیان میں ربط لے آؤ۔ اور اس ربط کو عائد کہتے ہیں۔ مثلًا لفظٌ موصوف تھا اور "وُضِعَ

لمعنًی" پورے جملہ کو ہم لفظٌ کے لئے صفت بنانا چاہتے ہیں تو وُضِعَ کے اندر جو ضمیر ہے اُسکو لفظٌ کی طرف لوٹاؤ۔ عائد عام طور پر ضمیر ہوتا ہے۔

الکمۃ میں الف لام جنسی تھا جس نے کلمہ کی ماہیت بتا دی۔ اب کلمہ کے افراد کون کونسے ہیں۔ تو وہ اسم ہے، فعل ہے اور حرف ہے۔

و ھی اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ ھِیَ ضمیر راجع ہے الکلمۃُ کی طرف۔ یہاں ھِیَ مبتدا ہے اور اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ اس کے لئے خبر ہے۔ یہاں مبتدا مؤنث ہے اور خبر مذکر۔ اسمٌ مذکر ہے۔

مؤنث کی چار علامتیں ہیں۔ 1۔ تائے ملفوظہ، 2۔ تائے مقدرۃ، 3۔ الف مقصورۃ، 4۔ وہ الف ممدودۃ جو تانیث کے لئے ہوتے ہیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی خبر کے اندر موجود نہیں۔

تو یاد رکھو جب ضمیر ، خبر اور مرجع کے درمیان آ جائے تو یہاں پر مرجع کی رعایت رکھنا بھی جائز اور خبر کی رعایت رکھنا بھی جائز ہے۔ یہاں مرجع "الکمۃ" مؤنث ہے تو ضمیر آپ مؤنث بھی لا سکتے ہیں، اور خبر ہے مذکر یعنی اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ تو ضمیر آپ مذکر بھی لا سکتے ہے۔

اب یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، وَ ھِیَ اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ میں ھِیَ جو کہ الکلمِۃ کو راجع ہے۔ یعنی کلمہ اسم اور فعل اور حرف ہے۔ یعنی ایک ہی چیز اگر اسم بھی ہو، فعل بھی ہو اور حرف بھی ہو تو وہ کلمہ ہے ورنہ کلمہ نہیں۔ اور کلام عرب میں ایسا کوئی کلمہ نہیں جو بیک وقت اسم بھی ہو، فعل بھی ہو اور حرف بھی ہو۔

جواب اسکا یہ ہے کہ تقسیم دو قسم پر ہے۔

1۔ تقسیم الشئ الی اَجْزَائِہٖ، 2۔ تقسیم الشئ الی افرادہٖ

1۔ مثلاً چائے، دودھ اور چینی اور پتی اور پانی کا نام ہے۔ یہ ساری چیزیں چائے کی اجزا ہے۔ تو یہ تقسیم الشئ الیٰ اجزائِہٖ ہے۔ اور یاد رکھو جب شے کی تقسیم اجزاء کی طرف ہو تو عطف مقدم ہوتا حکم پر یا حمل پر۔ حکم اور حمل کا ایک معنیٰ ہے۔ چائے مبتدا ہے، اور دودھ اور چینی اور پتی اور پانی اسکا خبر ہے۔ اور یہ تقسیم الشئ الیٰ اجزائہٖ ہے۔ تو پہلے عطف کرنا ہوگا۔ یعنی سب کو ملانا ہوگا پھر اس کا حمل مبتدا یعنی چائے پر ہوگا۔

اگر ہم حمل کو مقدم کرے عطف پر اور یوں کہے کہ چائے دودھ ہے، تو یہ صحیح نہیں۔ یا چائے پتی ہے وغیرہ تو یہ صحیح نہیں بنتا۔

تو تقسیم کی اسی صورت میں عطف سے پہلے حمل کرنا جائز نہیں۔ پس جب شے کی تقسیم اجزا کی طرف ہوتا ہے تو عطف مقدم ہوتا ہے حمل پر۔

2۔ اور یاد رکھو جب شے کی تقسیم اُس کے افراد کی طرف ہو تو پھر حمل مقدم ہوتا ہے عطف پر۔

اور یہاں وَ ھی اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ میں کلمہ کی تقسیم ہوتی ہے افراد کی طرف۔ اسم بھی کلمہ کا فرد ہے، فعل بھی اور حرف بھی۔ تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ اسم کلمۃ ہے۔ فعل کلمۃ ہے۔ حرف کلمۃ ہے۔ اور یہ مطلب نہیں کہ تینوں ملکر کلمہ بن جاتا ہے۔ یعنی یہ اجزاء کی طرف تقسیم نہیں کیونکہ یہاں افراد کا حمل

صحیح بنتا ہے۔ اور پہلی مثال میں اجزاء کا حمل درست نہیں بنتا۔ تو اِس صورت میں پہلے حمل ہوگا اور بعد میں عطف۔

درس 6۔

لِاَنَّهَا اِمَّا اَنْ تَدُلَّ عَلٰى معنًى فى نَفْسِهَا اَوْ لَا: یہاں سے مصنفؒ دلیل حَصَرْ ذکر کر رہے ہیں۔ حَصَرْ کا معنیٰ ہے بند کرنا۔ پیچھے مصنفؒ نے بتایا ھی اسمٌ و فعلٌ و حرفٌ یعنی کلمۃ کی تین قسمیں ہیں۔ تو کلمہ کو تین قسموں میں بند کر دیا۔ اب دلیل فرما رہے ہیں کہ کلمہ کو کیوں تین قسموں میں بند کیا۔ لِاَنَّهَا میں هَا ضمیر راجع ہے کلمہ کو۔ اس لئے کہ کلمہ جو ہے، اِمَّا اَنْ تَدُلُّ یا تو وہ دلالت کرے گا، عَلٰى معنًى فِى نَفْسِهَا ای عَلٰى معنًى ثابتٍ فِى نفسها، یہ فِى نفسها جار مجرور ہے اور نکرہ کے بعد جب جار مجرور آتا ہے تو عموماً یہ اس کے لئے صفت بنتا ہے۔ ترجمہ: "اس لئے کہ کلمہ یا تو وہ دلالت کرے گا ایسے معنٰی پر جو اُس کی ذات میں ہوگا"۔ اَوْ لَا ای اَوْ لَا تَدُلُّ یا دلالت نہیں کرے گا۔ جیسا کہ مِنْ یہ ابتدا کے لئے آتا تو ہے لیکن اگر اکلا ہو تو پھر ابتدا پر دلالت نہیں کرے گا۔

الثانی الحَرفُ جو دلالت نہیں کرتا وہ حرف ہے۔ پھر جو دلالت کر رہا ہے ود حال سے خالی نہیں۔ اُس کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ ملا ہوا ہوگا یا نہیں۔ اگر زمانہ ملا ہوا ہو تو یہ فعل ہے اور اگر زمانہ نہیں ملا تو اسم ہے۔ تو یہ وجہ حصر ہے۔

حصر دو قسم پر ہے۔ ایک حصر عقلی دوسرا حصر استقرائی۔ حصر عقلی وہ ہے جو دائر ہو بین النفی و الاثبات۔ استقراء کا معنیٰ ہے تلاش و جستجو۔ تو حصر استقرائی وہ ہے کہ ایک چیز کو آپ چند اقسام یا انواع میں بند کر دے۔ اس لئے کہ تلاش کرنے کے بعد آپ کو یہی قسمیں ملی۔ آپ نے تلاش کیا لیکن کوئی اور قسم نہیں ملا۔ اور یہاں مصنفؒ نے حصر عقلی بیان کیا۔ کیونکہ حصر عقلی میں نفی یا اثبات ہوتا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے فرمایا کہ کلمہ ایسے ذات پر دلالت کریگا جو اُس کے ذات میں ہوں یا دلالت نہیں کریگا جو اُس کے ذات میں نہ ہو۔ تو یہ نفی اور اثبات آیا۔ تو یہ حصر عقلی ہے۔

وَ الاوّلُ اِمَّا اَنْ يَقْتَرِنَ باحد الازمنة الثلاثة اور اوّل جو دلالت کر رہا ہے یا تو ملا ہوا ہوگا تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ اَوْ لَا یا تین زمانوں کے ساتھ ملا ہوا نہیں ہوگا۔ الثانی اَلْاسمُ ثانی اسم ہے۔ اس کو "الثانی لِسْمُ" پڑھنا ہے۔ کیونکہ الف لام کا ہمزہ بھی وصلی ہے اور اِسْم کا ہمزہ بھی وصلی ہے۔ تو درج عبارت میں دونوں گر گئے۔ اور لام کو کسرہ کی حرکت دی۔ وَ الْاَوَّلُ الْفِعْلُ اور پہلا فعل ہے۔ و قد عُلِمَ بِذَالِكَ اور تحقیق جان لیا گیا اسکے سبب سے۔ ذالک کے ذریعے دلیل حصر کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی دلیل حصر کے ذریعے سے اس کو جان لیا گیا۔ حدُّ كُلِّ واحدٍ منها اُس میں سے ہر ایک کی تعریف۔ حد: تعریف، جامع مانع تعریف حد کہلاتی ہے۔ یعنی اسم، فعل اور حرف تینوں کی تعریف جان لیا گیا، اس دلیل حصر سے۔ یعنی حرف جو ہوگا وہ ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرے گا جو اُس کے ذات سے حاصل ہو۔ اور اسم اور فعل دلالت کرے گا۔ پھر اسم کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ اُس کے ساتھ ملا ہوا

نہیں ہوگا۔ اور فعل کے ساتھ تین زمانوں میں سے کوئی زمانہ اُسکے ساتھ ملا ہوا ہوگا۔ دلیل حصر کے ذریعے ہمیں اس کا پتہ چلا۔

جامع مانع: تعریف کا جامع مانع ہونا ضروری ہے۔ جامع: جمع کرنے والی، مانع: منع کرنے والی، یعنی جامع ایسی تعریف ہو جو سارے افراد کو جمع کر دے۔ کوئی بھی فرد خارج نہ ہو، آپ اسم کی تعریف کرتے ہیں تو ایسے لفظ لائیں کہ وہ دنیا کے ہر اسم پر صادق آئے۔ گویا آپ نے سارے اسم اُس تعریف میں جمع کر دئیے۔

مانع: اور تعریف مانع ہونی چاہئے۔ کوئي غیر اس میں نہ آئے۔ اور ایسا تعریف نہ کرو کہ کوئی فعل اسم کی تعریف میں داخل ہو۔ یعنی تعریف ایسا ہونا چاہئے کہ اپنوں کے لئے جامع اور غیر کے لئے مانع۔

قیمتی نُکتہ: اَلْاَزْمِنَۃُ الثلٰثۃُ آیا۔ یہاں اَلْاَزْمِنَۃُ موصوف ہے اور الثلثۃُ اُسکی صفت۔ یہ گول تا اکثر تانیث کے لئے آتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی تذکیر کے لئے بھی آتی ہے۔ ثَلٰثَۃ سے لے کر عشرۃ تک جو تاء ہے یہ تذکیر کے لئے ہے۔ جیسا کہ تین آدمی ثَلٰثَۃ رجالٍ اور تین عورتیں ثَلٰثُ نِسْوَۃٍ۔ پانچ کتابیں خَمْسَۃُ کُتُب، چونکہ کتاب مذکر ہے۔ کُراسۃٌ کاپی یہ مؤنث ہے۔ تین کاپیاں: ثَلَاثُ کُرَّاسَاتٍ۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ ثَلاثۃ سے لے کر عَشَرَۃ تک یہ تاء تذکیر کے لئے ہے۔ اور صرف یہ تاء ہے جو کہ تذکیر کے لئے آ رہا ہے۔ اب دیکھو اَلْاَزْمِنَۃُ میں یہ تاء تانیث کے لئے ہے اور الثَلٰثۃ میں یہ تاء مؤنث کے لئے ہے۔ اب موصوف، صفت میں مطابقت نہ رہا۔ یعنی موصوف مؤنث آئی اور صفت مذکر۔

جواب یاد رکھو جب یہ عدد صفت بن کر آتا ہے تو موصوف کے مفرد کے تابع ہوتا ہے۔ یہاں موصوف ازمنۃ ہے اور اَزمنۃ کا مفرد زَمَانٌ ہے۔ اور زَمانٌ چونکہ مذکر ہے اس لئے الثلثۃ بھی مذکر لے کر آیا۔

مؤنث موصوف کی مثال: المسلماتُ الثلاثُ: یہاں مسلماتٌ کا مفرد مسلمۃ جو کہ مؤنث ہے الثلاثُ بھی مؤنث تو موصوف صفت میں مطابقت آئی۔

درس 7۔ اب مصنفؒ کلام کے بارے میں بتلائے گا۔ تو کہتے ہیں، الکلامُ ما تَضمَّنَ کلمتَیْنِ بالاسنادِ کلام وہ لفظ ہے (ما سے مراد لفظ ہے) جو مُتَضَمِّنْ ہو دو لفظوں کو اسناد کے ساتھ ہو۔ یعنی دو کلمے ہوں گے تو کلام حاصل ہوگا۔ اور وہ دو کلمیں اسناد کے ساتھ ہو۔ تب کلام حاصل ہوگا۔ ایک مبتدا بن جائے گا اور دوسرا ضمیر۔ یا ایک فعل بن جائے گا اور دوسرا فاعل۔

اور وہ کلمیں کبھی حقیقتًا پائے جائیں گے اور کبھی حُکْمًا ہوں گے۔ حقیقتًا جیسے زیدٌ رجلٌ۔ مبتدا خبر۔ اور حکمًا دو کلموں کی مثال جیسے اِضْرِبْ۔ اضرب ایک فعل ہے اور اسکے اندر ایک فاعل انت چھپا ہوا ہے، جو کہ اس کا فاعل ہے۔ تو فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ بن رہا ہے۔

اسناد: وہ نسبت کرنا ہے ایک کلمہ کی دوسرے کلمہ کی طرف اس طور پر کہ مخاطب کو فائدہ تامّہ حاصل ہو۔ زیدٌ رجلٌ میں رجل کا اسناد کیا کیا زید کی طرف۔ اور اس سے ایک خبر معلوم ہوا۔ اسکو اسناد کہتے ہے۔ کلمتین سے مراد یہ ہے کہ کم از کم دو کلمیں ہونی چاہئے۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ کلام جتنا بھی لمبا ہے آخر میں یا تو مبتدا خبر بنے گا یا اسی طرح فعل اور فاعل سے کلام پورا ہوگا۔ باقی چیزیں تو زائد ہیں۔ تو دراصل دو چیزوں سے کلام بنا۔ وَ لَا یَتَاَتّٰی ذالک اور حاصل نہیں ہوتا کلام اِلَّا

فی اسمین او اسمٍ و فعلٍ مگر یہ کہ کلام دو اسموں میں ہو یا ایک اسم اور فعل میں ہو۔ کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ اسم، فعل اور حرف۔ اور کلام دو کلموں سے مل کر بنتا ہے تو یہاں چھ صورتیں بن جاتی ہیں۔ یعین "دونوں اسم"، "دونوں فعل"، "دونوں حرف"، "اسم اور فعل"، "اسم اور حرف"، اور "فعل اور حرف"۔ ان چھ صورتوں میں سے صرف دو صورتوں سے کلام بن سکتا ہے۔ یعنی یا تو دونوں اسم ہو یا ایک اسم اور دوسرا فعل۔

اس لئے کیونکہ کلام میں ایک مسند ہوتا ہے اور ایک مسند الیہ۔ اسم مسند بھی ہو سکتا ہے اور مسند الیہ بھی۔ اور فعل مسند تو بن سکتا ہے لیکن مسند الیہ نہیں بن سکتا۔ اور حرف نہ مسند بن سکتا ہے اور نہ مسند الیہ۔ کلام کے لئے مسند الیہ ضروری ہوتا ہے۔ یعنی اسم کلام کے لئے ضروری ہوا۔ اب مسند کی ضرورت ہے کلام کو پورا کرنے کے لئے تو مسند فعل بھی ہو سکتا ہے اور اسم بھی۔ (اِسمینِ کا ہمزہ وصلی ہے۔ یتاتّی: حاصل ہونا، ذٰلک سے مراد کلام ہے۔)

اَلْاسمُ اسم وہ ہے مَا دلَّ جو دلالت کرے علیٰ معنًی ایسے معنیٰ پر فی نفسِہٖ جو اُس کی ذات میں ہو، غیرِ مُقْتَرِنٍ باحدِ الازمنۃِ الثلٰثۃِ اور ملا ہوا نہ ہو تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کے ساتھ۔ اسم کی یہی تعریف دلیل حصر سے معلوم ہوئی تھی۔ وَ مِنْ خَوَّاصِہٖ اور اسم کے خواص میں سے ہیں۔ خوّاص یہ خاصّہ کی جمع ہے۔ خاصّۃ: الخاصّۃُ ما یُوْجَدُ فی الشّیِٔ و لَا یُوْجَدُ فی غیرِہٖ۔ خاصہ اُسے کہتے ہے جو ایک چیز میں پایا جائے اور دوسرے چیزوں میں نہ پایا جائے۔

مصنفؒ نے پہلے اسم کی تعریف کی، اب اسم کی خواص ذکر کریں گے۔ پہلے تعریف کی۔ تعریف سے ایک چیز ذہن میں ممتاز ہو جاتی ہے۔ اور خاصّے سے خارج میں ممتاز ہوتی ہے۔ یعنی تعریف سے ذہن میں پہچان آ جاتی ہے اور خاصّوں سے یعنی کچھ علامتوں میں سے خارج میں اسم کی پہچان ہو جائے گی۔ علماء نے اسم کے تقریبًا بیس (20) خاصّے ذکر کئے ہیں۔ لیکن صاحب کافیہ یہاں چند ایک کو ذکر فرمائیں گے۔

دُخُوْلُ اللامِ و الْجَرِّ و التَّنْوِینِ وَالاِضَافَۃِ والاسنادُ الیہ اور اسم کے خواص میں سے ہیں لام کا داخل ہونا، یعنی لام تعریف کا داخل ہونا، و الجرِّ ای دُخُول الجرِّ۔ جر کا عطف لام پر کرے۔ اور اسم کے خاصّوں میں سے ہے جر کا داخل ہونا۔ والتنوینِ ای دُخول التنوین، عطف اُسی لام پر، اور اسم پر تنوین کا آنا۔

والاضافۃِ اس کا عطف دُخول پر کرنا ہے لام پر نہیں۔ یعنی اسم کے خاصّوں میں سے اضافت ہے۔ یعنی اسم کی اضافت کی جاتی ہے۔ اور وہ مضاف بنتا ہے۔ الاضافۃ کی عطف اللام پر نہیں کی جاتی۔ ورنہ معنیٰ میں خرابی آئے گا۔ جیسا کہ دُخُول الاضافۃِ کرے تو اس کا معنیٰ ہوگا۔ اسم کے خاصّوں میں سے ہے اضافت کا داخل ہونا۔اور اضافت اسم پر داخل نہیں ہوتی بلکہ اسم کی اضافت کی جاتی ہے۔

لام تعریف، جرّ اور تنوین اسم پر داخل ہوتے ہیں۔ داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یا شروع میں آئیں گے یا آخر میں۔ اور اسم کی اضافت کی جاتی ہے۔

وَ الاسنادُ الیه اور اسم کی طرف اسناد کیا جاتا ہے۔ یعنی اسم مسند الیه واقع ہوتا ہے۔ اس کا عطف بھی دُخول پر ہوا۔ یہاں الجر اور التنوین اسکو آپ مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں اور مرفوع بھی۔ مرفوع ہونے کی صورت میں اسکا عطف دُخول پر ہوگا۔ مجرور ہونے کی صورت میں اللام پر عطف ہوگا۔

قیمتی بات۔لام تعریف اور اضافت اسم کے بڑے خاصّے شمار ہوتے ہیں۔ ان دونوں کو بڑے خاصّے اس لئے کہتے ہیں کہ یہ اسم کو بدلتے ہیں۔ مثلًا غلام: کوئی غلام، یہ اسم ہے، نکرۃ ہے اور ہر ایک غلام پر صادق آتا ہے۔ اور اَلْغُلَام: وہ غلام، اس سے کوئي خاص غلام مراد ہوگا۔ ہر غلام نہیں۔ تو الف لام سے اسم کے مدلول میں تبدیلی آئی۔ پہلے اسکی دلالت عام تھی اب اس کی دلالت خاص ہوئی۔

اضافت سے بھی مدلولِ اسم بدل جاتی ہے۔مثلًا غلام: کوئی غلام، یہ ہر غلام پر صادق آتا تھا، اب اسکی اضافت کرو جیسا کہ غلام زیدٍ۔ اب یہ خاص ہوا اور ہر غلام پر صادق نہیں آئے گا۔ جبکہ باقی خواص سے مدلول میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

مصنفؒ نے اسم کا آخری خاصّہ یہ ذکر کیا کہ اسم مسند الیه واقع ہوگا۔

اشکال: ضربَ فِعْلٌ: ضربَ فعل ہے۔ میں ضربَ مسند الیه واقع ہوتا ہے حالانکہ ضربَ تو فعل ہے۔ اور "فی حرفٌ": فی حرف ہے۔ اس مثال میں "فی" مسند الیه واقع ہوا، حالانکہ "فی" تو حرف ہے۔

جواب۔ یہاں ضَرَبَ اور فی تاویل لفظ کے ہیں۔ یعنی یہ والا لفظ ضربَ جو ہے اور فی جو ہے۔

اگر ضربَ فعلٌ میں ضربَ سے مراد فعل لیا جائے تو پھر اس کا ترجمہ یوں بنے گا۔ "اُس نے پٹھائی کی فعل ہے"۔ حالانکہ ہم نے لکھا ضرَبَ فعل ہے۔ اور ضربَ کا ترجمہ نہیں کیا، تو ضربَ سے مراد یہاں اسم ہے۔ تو ضربَ فعلٌ ای هٰذا اللفظُ فعلٌ۔ اور هٰذا یہ بھی اسم ہے۔ اللفظُ یہ بھی اسم ہے۔ لہٰذا مسند الیه ہوا۔

فی حرفٌ: فی حرف ہے۔ یہاں بھی فی سے هٰذا اللفظ مراد ہے۔ اگر لفظ مراد نہیں ہوتا اور فی حرف مراد ہوتا تو پھر ترجمہ یوں بنتا "میں حرف ہے"۔ کوئي بھی اسکا ترجمہ ایسا نہیں کرتا۔ معلوم ہوا یہاں فی بطور حرف نہیں آیا بلکہ فی کا لفظ مراد ہے۔ بلکہ یوں سمجھو کہ وہ جو عبارتوں میں حرف "فی" استعمال ہوتا ہے اُس کا نام ہم نے "فی" رکھا۔ اب یہ علم بن گیا۔اور علم اسم ہوتا ہے۔

اسی طرح وہ جو عبارتوں میں "ضرب" آتا ہے اس کا نام ہم نے "ضرب" رکھا۔ اب ضرب علم بن گیا اور علم اسم ہوتا ہے۔ اب یہ نام ہے اور نام میں کوئي تبدیلی نہیں کی جاتی۔ مثلاً زیدٌ قائمٌ : زید کھڑا ہے۔ زید کا کوئی ترجمہ نہیں ہوا۔ اسی طرح ضربَ فعلٌ میں ضربَ کا کوئی ترجمہ نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ مسند الیه اسم ہی بن سکتا ہے کوئی فعل یا حرف مسند الیه نہیں بن سکتا۔

و هو معربٌ و مبنیٌّ اسم دو قسم پر ہے۔ ایک معرب اور ایک مبنی۔

درس 8۔

فالمُعْرَبُ المرکب الذی لم یُشْبِهْ مَبْنِیَّ الاصلِ پس معرب ایسا اسم ہے جو جوڑا گیا ہے۔ مرکب سے مراد جوڑا ہوا۔ یعنی غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ وہ ایسا اسم ہے جو مبنی الاصل کے مشابه نہیں۔ معرب کے لئے دو شرطیں ہیں جو غیر کے ساتھ جوڑا گیا ہو، یعنی ترکیب میں واقع ہو، اور مبنی الاصل کے مشابه نه ہو۔ اور ایسے ترکیب میں واقع ہو جس میں اسکے ساتھ اسکا عامل بھی ہو۔ پس معلوم ہوا جس اسم کو غیر کے

ساتھ نہیں جوڑا گیا وہ معرب نہیں۔ مثلاً لفظِ غلام۔ اس وقت مبنی ہے، کیونکہ ترکیب میں واقع نہیں۔ اور غلامُ زیدٍ میں نے غلام پر رفع پڑھا ہے۔ حالانکہ کوئی عامل موجود نہیں جو غلام کو رفع دے سکے۔ لہٰذا غلامُ زیدٍ میں غلامُ کہنا درست نہیں۔ اور زیدٍ کہنا درست ہے کیونکہ اس کا عامل غلام موجود ہے۔ تو صحیح غُلَام زیدٍ ہوگا۔ نیز غلام پر نصب اور جر بھی نہیں پڑھ سکتے کیونکہ عامل موجود نہیں۔ پس غلام کے میم کو ساکن پڑھیں گے۔

یہ تو پہلا شرط ہوا کہ معرب ایسا اسم ہو جو ترکیب میں ایسا واقع ہو کہ اسکا عامل بھی اُسی ترکیب میں موجود ہو۔

دوسرا شرط یہ ہے کہ معرب مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو۔ مبنی الاصل تین چیزیں ہیں۔ 1۔ فعل ماضی، 2۔ امر حاضر معروف، 3۔ تمام حروف۔ ہر مشابہت مراد نہیں بلکہ کچھ خاص مشابہتیں مراد ہیں۔

مثلًا معرب بھی لفظ ہے اور مبنی الاصل بھی لفظ ہے۔ تو لفظ ہونے میں مشابہت آئی لیکن یہ مشابہت مراد نہیں۔ اور ایک مشابہت ہے محتاج ہونے میں۔ حرف جو کہ مبنی الاصل ہے، اپنی معنیٰ ادا کرنے میں غیر کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی طرح اسم موصول صلہ کا محتاج ہوتا ہے اور اسم اشارہ مشارٌ الیہ کا محتاج ہوتا ہے۔ تو محتاج ہونے میں اسم اشارہ اور اسم موصول کا مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت آئی۔ لہٰذا یہ دونوں بھی مبنی بن جائیں گے۔

مثلا جاء ھٰؤُلَاءِ: یہ آئے۔ میں ھٰؤُلَاءِ ترکیب میں واقع ہے یہ جاء کے لئے فاعل ہے لیکن یہ معرب نہیں بلکہ مبنی ہے۔ لہٰذا دوسرا شرط نہیں پایا گیا۔ اگر یہ مفعول بن جائے تب بھی ھٰؤُلَاءِ ہوگا اور اگر مجرور بھی بن جائے تو تب بھی ھٰؤُلَاءِ ہوگا۔ جیسا رَأیْتُ ھٰؤُلَاءِ اور مررتُ بھٰؤُلَاءِ۔

لہٰذا یہاں دو شرطیں ہیں۔ ایک وجودی یعنی ترکیب میں ہونا اور دوسرا عدمی شرط ہے یعنی مبنی کا نہ ہونا۔ عدمی کا مطلب ہے نہ ہونا۔

وَ حُکْمُهُ اَنْ یَّخْتَلِفَ اٰخِرُهُ باختلافِ العواملِ لفْظًا اور تقْدِیْرًا۔ **وَ حُکْمُهُ** اور معرب کا حکم **اَنْ یَّخْتَلِفَ اٰخِرُهُ** کہ مختلف ہوگا معرب کا آخر **باختلافِ العواملِ** عوامل کے بدلنے سے **لفْظًا اور تقْدِیْرًا** یا لفظًا تبدیل ہوگا یا تقدیرًا تبدیل ہوگا۔ لفظًا تبدیلی کی مثال: جاءَ زیدٌ، رَأیْتُ زیدًا، مررتُ بزیدٍ

تقدیرًا تبدیلی کی مثال: جاءَ موسیٰ، رَاَیْتُ موسیٰ، مررتُ بموسیٰ۔ **الاعرابُ ما** اعراب وہ چیز ہے۔

اِخْتَلَفَ اٰخِرُهُ کہ بدلتا ہے معرب کا آخر **بِهٖ** اُس چیز کی سبب سے، یعنی اعراب وہ ہے جس سے معرب کا آخر بدلتا ہے۔ **لِیَدُلَّ** تا کہ یہ دلالت کرے، **علی المعانی المُعْتَورِة** ایسے معانی پر: المعتورِة اسم فاعل پڑھنا بھی صحیح ہے اور المعتوَرَة اسم مفعول پڑھنا بھی صحیح۔ مُعْتَوِرَة: پے در پے آنے والے، مُعْتَوَرَة: پے در پے لائے گئے۔ جو پے در پے آ رہے ہیں۔ **علیه** اُس معرب پر۔ جیسا کہ جاء زیدٌ میں زید پر رفع ہے تو اس رفع نے فاعلیت پر دلالت کی۔ رایتُ زیدًا میں نصب نے مفعولیت پر دلالت کی۔ اور مررتُ بزیدٍ میں جر نے مضاف الیہ ہونے پر دلالت کی۔

وَ اَنْوَاعُهُ رفعٌ و نصبُ و جرٌّ اور اسکے انواع رفع، نصب اور جر ہیں۔ ہمارے پاس تین قسم کے نام ہیں۔

1۔ ضَمٌّ، فَتْحٌ، کَسْرٌ 2۔ ضَمَّةٌ ، فَتْحَةٌ ، کسرۃٌ 3۔ رَفْعٌ، نَصْبٌ، جَرٌّ۔ یہ پہلا ضم، فتح اور کسر خاص ہے مبنی کے ساتھ۔ یہ استعمال ہوتے ہیں مبنی کے ساتھ۔ اور رفعٌ، نصبٌ اور جرٌّ یہ خاص ہے معرب کے ساتھ۔ اور ضمۃ، فتحۃ اور کسرۃ یہ دونوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔

فالرَّفْعُ عَلَمُ الفاعِلِيَّةِ پس رفع علامت ہے فاعل ہونے کی والنَّصْبُ عَلَمُ المفعُوْلِيَّةِ اور نصب علامت ہے مفعول ہونے کی وَالجرُّ عَلَمُ الاِضافةِ اور جر علامت ہے اضافت کی یعنی مضافٌ الیہ ہونے کی۔

نوٹ۔ یہاں فاعلیۃ اور مفعولیۃ کے آخر میں یاء اور تاء ملائی گئی ہے۔ کبھی کبھی مصدر کے آخر میں یاء اور تاء ملائی جاتی ہے اور وہ صفت بن جاتا ہے۔ جیسا کہ خَصَّ یَخُصُّ خُصُوصًا اسکے آخر میں یاء اور تاء ملاتے ہیں تو خُصوصِیۃ بن جاتا ہے۔ اور کبھی صفت کے آخر میں یاء اور تاء ملائی جاتی ہے تو وہ مصدر بن جاتا ہے۔ جیسا کہ ضارب: پٹھائی کرنے والا، ضاربیۃ: ضارب ہونا، ضارب کے ساتھ یاء اور تاء ملائی گئی تو مصدر بن گیا۔ اسی طرح مضروب: جس کی پٹھائی کی جائے اور مضروبیۃ: مضروب ہونا، یعنی جس کی پٹھائی کی گئی ہو وہ ہونا۔ پس مضروبٌ صفت تھی اور آخر میں یاء اور تاء ملنے سے مصدر بن گیا۔

پس فاعلیۃ اور مفعولیۃ یہ دونوں مصدر ہیں۔ کیونکہ فاعلٌ اور مفعولٌ کے آخر میں یاء اور تاء ملائی گئی ہے۔ اور اسکا ترجمہ بھی "فاعل ہونا" اور "مفعول ہونا" بن گیا۔

اشکال: اس پر اشکال ہوتا ہے کہ فاعلیۃ اور مفعولیۃ کے اندر یاء اور تاء آخر میں لائے گئے اور اضافۃ کے اندر آخر میں یاء کیوں نہیں گیا تاء کے ساتھ۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اضافۃٌ پہلے سے مصدر ہے۔ اَضَافَ یُضِیْفُ اِضَافَۃً۔: پس وہ (فاعلیۃ اور مفعولیۃ) تو مصدر نہیں تھے اس لئے اس کے آخر میں یاء اور تاء لگائی مصدر بنانے کے لئے۔ اور یہ (اِضافۃ) تو پہلے سے مصدر ہے اس لئے یاء اور تاء لگانے کی ضرورت نہیں۔

درس 9۔ سولہ اقسام جو نحو میر میں تھے، صاحب ہدایۃ نے اُسے نو (9) قسموں میں تقسیم کیا تھا۔ اُستاد محترم محمد زہیر روحانی بازی مدظلہ العالی نے یہ درس ہدایۃ النحو سے پڑھایا۔ جسکو میں نے صفحہ نمبر 8 سے لے کر صفحہ نمبر 12 تک ہدایۃ النحو میں تفصیل سے لکھیں ہیں۔

درس 10۔ والعَامِلُ مَا عامل وہ چیز ہے بِهٖ یَتَقَوَّمُ کہ جس کے ساتھ قائم ہوتا ہے، یعنی جس کے ذریعے حاصل ہوتا ہو، المعنٰی وہ معنیٰ، اور وہ معنیٰ یا تو فاعلیت والا ہے، یا مفعولیت والا اور یا مضافٌ الیہ والا۔ المُقْتَضِی جو تقاضا کرنے والا ہو۔ اور یہ معنیٰ یعنی فاعلیت، مفعولیت اور مضافٌ الیہ ہونا تقاضا کرتا ہے۔ یعنی یہ اعراب کا تقاضا کرتا ہے۔ لِلْاعْرَابِ اعراب کا، عامل وہ ہے جس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے وہ معنیٰ جو اعراب کا تقاضا کرتا ہے۔

مثلا جاءنی زیدٌ، میں جاء کی وجہ سے زید میں فاعلیت آئی۔ اور اِس فاعلیت نے تقاضا کیا کہ اس پر رفع آنا چاھئے۔ تو یہ جاء عامل ہے۔ کیونکہ اسکی وجہ سے زید پر فاعلیت آئی اور پھر اس فاعلیت نے آگے رفع کا تقاضا کیا۔ اسی طرح ضربتُ زیدًا میں ضربتُ کی وجہ سے زید میں مفعولیت کا معنیٰ آیا۔ اور پھر اس

مفعولیت نے تقاضا کیا کہ زید پر نصب آنا چاہئے۔ اور مررتُ بزیدٍ میں بھی اسی طرح ہے۔اور یہ زید جو مضافٌ الیہ ہوا یہ با کے سبب سے ہوا اور آگے اس مضافٌ الیہ نے جر کا تقاضا کیا۔

آگے مصنفؒ اعراب کی قسمیں بیان فرما رہے ہیں۔ نحو میر میں ہم نے سولہ قسمیں پڑھی تھی۔

[1،2] فَالْمُفْرَدُ الْمُنْصَرِفُ پس مفرد منصرف جو ہے۔ صاحب کافیہ نے مفرد منصرف کہا۔ اس میں صحیح اور قائم مقام صحیح دونوں آ گئے۔ جبکہ صاحب ہدایۃ النحو نے مفرد منصرف صحیح اور مفرد منصرف جاری مجریٰ صحیح میں تقیسم کیا تھا۔ [3] والْجَمْعُ الْمُكَسَّرُ المنصرفُ اور جمع مُکَسَّر منصرف جو ہے۔ بالضمۃِ رفعًا ای بالضمَّۃِ حالَ کونہٖ مرفوعًا: رفعًا حال ہے۔ یعنی ان تینوں کا اعراب حالت رفعی میں ضمۃ کے ساتھ ہوگا۔ و الفتحۃِ نصبًا ای بالفتحۃِ حالَ کونہٖ منصوبًا۔ اور ان تینوں کا اعراب حالت نصب میں فتحۃ کے ساتھ ہوگا۔ والکسرۃِ جرًا ای بالکسرۃِ حالَ کونہٖ مجرورًا۔ اور ان تینوں کا اعراب حالت جرّی میں کسرۃ کے ساتھ ہوگا۔

رفعًا مصدر ہے اور مصدر کبھی اسم فاعل کے معنیٰ میں آتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اور یہاں مرفوعًا اسم مفعول کے معنیٰ میں آیا۔ رفعًا ای مرفوعًا، نصبًا ای منصوبًا، جَرًّا ای مجرورًا۔

[4] جمعُ الْمُؤَنَّثِ السَّالمُ المؤنث مضاف الیہ ہے اس لئے اس پر کسرۃ پڑھو، اور السّالمُ یہ جمعُ کی صفت ہے۔ کیونکہ وہ جمع سالم ہونا چاہئے۔ اگر یہاں مراد یہ ہوتا کہ مؤنث سالم ہے تو پھر یہ مؤنث کی صفت بنتا۔ اور جمع مرفوع ہے تو السّالم بھی مرفوع ہوگا۔ جمع نکرۃ تھا لیکن معرفت کی طرف اضافت کرنے سے یہ بھی معرفۃ بنا، پس اس کا صفت "السالم" بھی معرفۃ لایا۔ جمع کی مؤنث، ایسی جمع جو کہ سالم ہو۔ ان کا اعراب بالضمۃِ والکسرۃِ ان کا اعراب ضمۃ اور کسرۃ کے ساتھ آئے گا۔ بالضمۃِ رفْعًا ای بالضمۃِ حالَ کونہٖ مرفوعًا، والکسرۃِ نصْبًا و جرًّا ای والکسرۃِ حالَ کونِہٖ منصوبًا و حالَ کونِہٖ مجرورًا۔

[5] وَ غیرُ المنصرفِ بالضمۃ والفتحۃ بالضمۃِ رفعًا والفتحۃِ نصبًا و جرًّا ای بالضمۃِ حالَ کونِہٖ مرفوعًا والفتحَۃِ حالَ کونِہٖ منصوبًا و مجرورًا۔ غیر منصرف کا اعراب حالت رفعی میں ضمۃ کے ساتھ اور حالت نصبی اور جرّی میں فتحۃ کے ساتھ ہوتا ہے۔

اسمائے ستہ، مُکَبَّرہ، مُوَحَّدَہ مضافہ الیٰ غیر یائے متکلم کی طرف کا اعراب۔ [6] ابوک و اخوک و حموکِ و ھنوکِ و فوک و ذو مالٍ مضافۃً الی غیر یاء المتکلم اس حال میں کہ یہ مضاف ہو یائے متکلم کے علاوہ کی طرف۔ یہاں صاحب کافیہ نے اسمائے ستہ کا نام نہیں لیا بلکہ چھ کے چھ ذکر کئے۔ دوسری شرط مکبَّرہ ہو، یعنی مُصَغَّر نہ ہو۔ مصنفؒ نے مکبر ذکر نہیں کئے بلکہ صیغیں مکبر والے لائے۔ اور کسی بھی صیغے کا تصغیر نہیں لایا۔ اَخٌ بھائی اسکا تصغیر اُخَیٌّ ہے۔ تیسرا شرط موحَّدہ کو بھی ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ لفظوں سے پتہ چلتا ہے کہ تمام صیغیں مفرد ہیں اور تثنیہ یا جمع نہیں ہے۔ اور آخری شرط کو الفاظ میں ہی ذکر فرمایا۔ کہ یہ یائے متکلم کے غیر کی طرف مضاف ہو۔ بالواو ای بالواوِ رفْعًا و الالف ای والالف نصْبًا والیاءِ ای والیاءِ جَرًّا، حَم: خاوند کی طرف سے قریبی رشتہ دار۔ ھن: ایسی چیز کہ جس کا ذکر قبیح ہو۔

[7،8،9] اَلْمُثَنَّی و کلا مضافا الیٰ مُضْمَرٍ و اِثنان و اِثنتان اسی طرح تثنیہ، کلا جو کہ ضمیر کی طرف مضاف ہو، اثنانِ اور اثنتانِ کا اعراب۔ نیز کِلا جب اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو تو پھر اعراب تقدیری ہو جاتا ہے۔ بالالفِ ای بالالف رَفْعًا والیاءِ ای والیاءِ نصبًا و جَرًّا

[10،11،12] جمعُ المذکرِ السالمُ جمع مذکر سالم کا اعراب و اُولُو اور اُولُو کا اعراب۔ اولو میں ہمزہ کے بعد واو ہونا چاھئے۔ کتابت کی غلطی سے واو رہ گیا اور اُلُو لکھا۔ اس کو حالت رفعی میں اولو اور نصبی جرّی میں اُولی لکھتے ہیں۔ اگر ہمزہ کے بعد واو کو نہ لکھا جائے، تو پھر اولی کو کوئی الیٰ بھی پڑھ سکتا ہے۔ تو فرق کے لئے اولی کے ہمزہ کے بعد واو بڑھایا۔ اور جب ایک حالت میں واو لایا تو تبعًا دونوں حالتوں میں بھی واو کو بڑھایا، کہ تمام حالتیں یکساں ہو جائیں۔ و عشرون و اَخَواتُھا عشرونَ اور انکے مشابہ کلمات کا اعراب، یعنی ثلاثونَ سے لے کر تسعونَ تک۔ بالواو ای بالواو رفْعًا والیاءِ والیاءِ نصْبًا و جرًّا۔ یعنی ان کا اعراب حالت رفعی میں واو کے ساتھ اور حالت نصبی جرّی میں یاء کے ساتھ ہوگا۔

التقديرُ فيما تَعَذَّرَ تقدیری اعراب اُس اسم میں آئے گا کہ جس اسم میں اعراب مُتَعَذِّر یعنی ناممکن ہو جائے۔

کعصا[13] جیسا کہ عصًا۔ عصا کے آخر میں الف ہے اور الف اعراب کو جگہ نہیں دیتا۔ یہ اسم مقصور ہے۔ و غلامِی[14] غلامی میں بھی یا پر اعراب نہیں آ سکتا۔ کیونکہ اعراب آنے سے پہلے غلام کی اضافت کی گئی یائے متکلم کی طرف، اور یاء اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتا ہے۔ اب اس کو ہم رفع، نصب یا جر نہیں دے سکتے کیونکہ کسرہ پہلے سے آ چکا ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ چلو حالت رفعی اور نصبی میں تو تقدیری اعراب ہے لیکن یہ مان لو کہ یہی وہ کسرہ ہے جو حالت جرّی میں عامل کی وجہ سے آیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جو کسرہ ہے یہ یاء کی وجہ سے پہلے سے آیا ہے۔ اب اسکو اعراب والا کسرہ قرار دینا صحیح نہیں۔ غلامی سے مراد وہ اسم ہے جو کہ مضاف ہو یائے متکلم کی طرف علاوہ جمع مذکر سالم کے۔

مُطْلَقًا تینوں حالتوں میں، یعنی تینوں حالتوں رفعی، نصبی اور جرّی میں تقدیری اعراب ہوگا۔ اَوْ اِسْتُثْقِلَ یا اُس اسم کے اندر اعراب تقدیری ہوگا کہ جس میں اعراب کا لانا ممکن تو ہے لیکن ثَقیل ہو جاتا ہے۔ اسکا عطف ہے تَعَذَّرَ پر۔ اسْتُثقل کا ہمزہ وصلی ہے۔ [15] کقاضٍ جیسا کہ قاضٍ۔ قاضی کے اندر اعراب کا لانا ممکن تو ہے لیکن ثقیل ہے۔ جاءنی القاضِیُ، اور مررتُ بالقاضِیِ یہ ممکن تو ہے لیکن ثقیل ہے، کیونکہ یاء پر ضمۃ اور کسرۃ کا آنا ثقیل ہے۔ یہ اسم منقوص ہے۔ رفعا و جرًّا قاضی کے اندر تقدیری اعراب حالت رفعی اور جرّی میں آئے گا۔ اور حالت نصبی میں فتحہ لفظی آئے گا۔ [16] و نَحْوُ مُسْلِمِیَّ اور مُسلِمِیَّ جیسے اسم جو ہے رفعا حالت رفع میں اعراب تقدیری آئے گا۔ یہاں پر بھی مُسْلِمُوْیَ پڑھ سکتے ہیں لیکن ثقیل ہو جائے گا۔ تو اس میں واو کو یا کیا اور یا کا یا میں ادغام کیا اور یا کے ماقبل کو کسرہ دیا تو مُسْلِمِیَّ ہوا۔

پیچھے مصنف ؒ نے بتلایا کہ تقدیری اعراب دو جگہوں میں آئے گا۔ ایک جہاں اعراب کا لانا ممکن نہ ہو اور دوسرا جہاں اعراب لانے سے ثقل پیدا ہوتا ہے۔ ان دو جگہوں کے علاوہ باقی تمام جگہوں میں لفظی

اعراب آئے گا۔ اب مصنفؒ وہی بتلاتے ہیں۔ و اللفظیُّ فیما عَدَاہُ:: لفظی اعراب ان دو کے علاوہ میں ہے۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ عداہُ میں تو مفرد کی ضمیر راجع ہے، اور یہ عداھما ہونا چاھئے۔ تو جواب یہ ہے کہ اُن دو میں "اَوْ" آیا ہے۔ جیسا کہ گزرا "فیما تعذَّرَ اَوْ استثقل"، ان میں "او" آیا ہے۔ تو جب دو چیزوں میں عطف اَوْ کے ساتھ آئے تو اُن کی طرف مفرد کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اَحَدُ الاَمْرَیْن کی تاویل میں ہے۔ اور "اَحَد" مفرد ہے اور اسکی طرف مفرد کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے۔ تو عبارت یوں بن گئی، کہ تقدیری اعراب احد الامرین میں سے کسی ایک صورت میں آئے گا۔ اور وہ دو چیزیں جہاں اعراب کا لانا ممکن ہی نہ ہو یا اعراب لانے سے ثقل پیدا ہوتا ہو۔

درس 11۔ غیرُ المنصرفِ مَا غیر منصرف وہ اسم ہے فیه عِلَّتَانِ جن میں دو علتّیں ہوں مِن تسعٍ ای مِن عللٍ تسعٍ، یہاں موصوف مخذوف ہے۔ نو علتوں میں سے۔ اَوْ واحدۃٌ منھا یا اُن نو میں سے ایک ہو،ایسی ایک، ھا ضمیر راجع ہے تسعٍ کو۔ تَقُوْمُ مَقَامَھما جو اُن دو علتّوں کے قائم مقام ہو۔ و ھی اور وہ یہ ہیں۔

شِعْرٌ --

عدلٌ و وصفٌ و تانیثٌ و معرفۃ و عُجْمۃٌ ثم جَمْعٌ ثم ترکیبُ

والنونُ زائدۃً من قبلھا الفُ و وزنُ فعلٍ و ھٰذا القولُ تقریبُ::

معرفۃ سے مراد علمیت ہے۔ عجمۃ کے بعد ثمّ لایا اور اسی طرح ترکیب سے پہلے بھی ثم لایا۔ جب کہ باقی جگہوں میں واو لے آیا تھا۔ یہ ثم صرف شعر کے وزن کے لئے لایا۔ اور اس کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ اگر واو کو لاتے تو پھر وہ وزن برقرار نہیں رہتا۔

والنونُ زائدۃً اور نون ہے اس حال میں کہ وہ زائد ہے۔ زائدۃ نون سے حال بن رہا ہے۔ اور نون حرف ہے، اور حرف مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اور زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ من قبلھا اس نون سے پہلے ، ھا ضمیر نون کو راجع ہے۔ الفُ الف ہو۔ یہ الف فاعل ہے زائدۃ کا۔ کیونکہ زائدۃ اسم فاعل مؤنث کا صیغہ ہے۔ عمومًا اسم فاعل میں ضمیر ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھار وہ فاعل آگے ظاہر بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے یہاں زائدۃً کے اندر اب ضمیر نہیں کیونکہ آگے الف اسم ظاہر اسکا فاعل آ رہا ہے۔ اور یہ الف بھی زائدۃ ہو۔ تو معلوم ہوا کہ الف اور نون دونوں زائد ہوں۔

نیز زائدۃ کو نون کے لئے صفت بھی بنایا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ والنونُ زائدۃٌ ۔ اس پر اشکال یہ آتا ہے کہ النونُ معرفۃ ہے اور زائدۃٌ نکرۃ ہے۔ تو موصوف صفت میں تعریف اور تنکیر میں مطابقت نہ رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہم النونُ میں الف لام عھد ذہنی والا مراد لے، تو پھر النون لفظوں کے اعتبار سے معرفۃ تو ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے نکرۃ ہے۔ اور ہم نے صفت میں معنیٰ کی رعایت رکھ لی۔ تو اس کو صفت بنانا بھی جائز ہے۔ اور صفت کی صورت میں بھی فاعل الف ہی ہوگا۔ الف اسم فاعل آیا۔ تو زائدۃ صفت بحال متعلقہٖ ہوا۔ اسکی تفصیل نیچھے درج ہے۔

صفت: صفت اُسے کہتے ہے، جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو اُس کے متبوع میں پایا جائے یا اُس کے متبوع کے متعلِّق میں پایا جائے۔ جیسا کہ رجلٌ قائمٌ میں یہ قائمٌ قیام پر دلالت کرتا ہے، اور یہ قیام، رجل میں پایا جاتا ہے۔ تو یہاں قائمٌ صفت اسکے متبوع رجل میں پایا گیا۔ اور رجلٌ قائمٌ ابوہُ میں قیام کی صفت متبوع کے

متعلق یعنی ابوہُ میں پایا گیا۔ اور اس کو صفت بحال متعلقہٖ کہتے ہے، جبکہ پہلی صورت کو صفت بحالہٖ کہتے ہے۔

و وزنُ فعلٍ اور وزن فعل ہے۔ و ہٰذا القولُ تقریبُ: اور یہ قول تقریبی ہے۔ یعنی درستگی کے قریب ہے۔ ای مُقربٌ الی الثواب۔ تقریب مصدر ہے، اور مصدر کبھی اسم فاعل کے معنیٰ میں آتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنیٰ میں آتا ہے۔ تو یہاں اس کو اسم مفعول کے معنیٰ میں لے لیں۔ و ھذا القولُ مُقَرَّبٌ: اور یہ قول قریب کیا گیا ہے۔ کس کے قریب کیا گیا ہے، الی الثواب: یعنی درستگی کے قریب ہے ۔ یا یہ قول مُقَرَّب الی الاذہان فی الحفظ ہے۔ یعنی ذہنوں کے قریب کیا گیا ہے یاد کرنے میں۔ یعنی اس کو یاد کرنا آسان ہے۔ اور یہ اس لئے آسان ہے کیونکہ یہ شعر کی صورت میں ہے۔ اور شعر آدمی کو جلدی یاد ہو جاتا ہے۔ اور تا دیر یاد رہتا ہے۔

صاحب کافیہ نے نو علتیں بیان کی۔ اس میں علماء کے اور بھی کئی اقوال ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک 10 علتیں ہیں۔ بعض کے نزدیک گیارہ علتیں ہیں۔ جبکہ بعض کے نزدیک دو علتیں ہیں۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ صرف دو علتیں ہیں۔ تو صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ باقی بھی اقوال ہیں لیکن درستگی کے قریب یہ نو والا قول ہے۔

آگے صاحب کافیہ غیر منصرف کی مثالیں ترتیب سے ذکر کر رہے ہیں۔ مثلُ عمرَ یہ عدل کی مثال ہے۔ ایک اس میں عدل اور دوسرا علمیت ہے۔ اس لئے غیر منصرف ہوا۔ و احمرَ یہ وصف کی مثال ہے اور دوسری علّت اس میں وزن فعل ہے۔ احمَرَ بروزن اَفْعَلَ= اکرَمَ و طلحۃَ. تانیث لفظی کی مثال ہے۔ طلحۃ میں تانیث لفظی اور علمیت ہے۔ تانیث کی دو قسمیں ہیں۔ تانیث لفظی اور تانیث معنوی۔ تانیث لفظی تائے تانیث، الف مقصورۃ اور الف ممدودۃ سے آتی ہے۔ و زینبَ اس میں تانیث معنوی اور علمیت ہے۔ و ابراہیمَ اس میں علمیت اور عُجمہ ہے۔ و مساجدَ یہ جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے۔ اور یہ سبب دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ و معدیکَرِب اس میں ایک سبب ترکیب ہے اور دوسرا سبب علمیت ہے۔ و عمرانَ اس میں ایک سبب الف نون زائدہ تان ہے اور دوسرا سبب علمیت ہے۔ و احمدَ اس میں ایک سبب وزن فعل اور دوسرا علمیت ہے۔

و حُکْمُہُ اَنْ لا کسرۃَ و لا تنوینَ اور غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ ان پر نہ کسرۃ آئے گا اور نہ تنوین۔ یہ عبارت لا حولَ و لا قوّۃ کی طرح ہے۔ جیسے وہاں پانچ وجہیں پڑھنا جائز تھا تو یہاں بھی پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ یہاں لائے نفی جنس ہے اور اس کا تَکرار بھی ہے۔ اور لائے نفی جنس کے ساتھ نکرۃ بھی ملا ہوا ہے۔ یعنی تکرار اسم بھی ہو۔ اور پانچ صورتیں یہ ہے۔ 1۔ لا کسرۃَ و لا تنوینَ، 2۔ لا کسرۃَ و لا تنوینًا، 3۔ لا کسرۃَ و لا تنوینٌ، 4۔ لا کسرۃٌ و لا تنوینَ 5۔ لا کسرۃٌ و لا تنوینٌ۔

یہ ایک نئی بات ہے جس کو ہم نے ہدایۃ النحو میں پڑھی نہیں۔ و یجوزُ صَرْفُہُ اور غیر منصرف کو منصرف پڑھنا بھی جائز ہے۔ للضرورۃِ ضرورت کی بنا پر۔ یعنی ضرورت شعری کی بنا پر۔ کیونکہ اشعار کے اندر ایسے بہت سے اُمور کی اجازت ہے جنہیں عام کلام کے اندر استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ نوٹ: الضَرُورَۃُ

تَرُدُّ الاشیَاءَ الیٰ اُصُوْلِھَا: اور یہ یاد رکھو کہ غیر منصرف کو ضرورت کی وجہ سے منصرف پڑھنا جائز ہے، لیکن منصرف کو ضرورت کی وجہ سے غیر منصرف پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ منصرف اصل ہے اور غیر منصرف اصل نہیں۔ اَوْ لِلتناسُبِ یا مناسبت کی بنا پر۔ کبھی کبھا غیر منصرف کی منصرف کے ساتھ مناسبت آ جاتی ہے، جس کی وجہ سے اس غیر منصرف کو پھر منصرف پڑھنا جائز ہوتا ہے۔ مناسبت کا مطلب ہے کہ غیر منصرف، منصرف کے پڑوس میں آ جاتا ہے، جس سے غیر منصرف کو بھی منصرف پڑھا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، سَلَاسِلًا و اغلَالًا۔ اغلالًا یہ منصرف ہے۔ اور سَلَاسِلَ بروزن مساجدَ=فواعِلَ (وزن صوری) ہے۔ اور جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہے۔ اور غیر منصرف ہونے کی وجہ سے اس پر تنوین نہیں آنا چاهئے تھا۔ اور "سلاسلَ و اغلالًا" ہونا چاهئے تھا۔ لیکن اس کو اغلالًا کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے غیر منصرف بنایا۔ مثلُ سَلاسلًا و اغلالًا

کبھی کبھار ایک علّت دو کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اب صاحب کافیہؒ اُس کو بتلانا چاہتے ہیں۔ و ما یَقُومُ مَقَامَہُمَا اور وہ علّت جو قائم مقام دو علتوں کے ہوتی ہے۔ وہ دو ہیں۔ اَلْجَمْعُ جمع ہونا، یعنی جمع منتہی الجموع کا صیغہ۔ وَالِفَا التَّانِيْثِ اصل میں "الِفانِ التانیث" تھا۔ نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ تانیث کے دو الف ہیں۔ ایک الف ممدودۃ اور ایک الف مقصورۃ۔ اور الفا میں الف التقائے ساکنین کی وجہ سے گر جائے گا۔ الجمعُ مرفوع لفظًا ہے۔ تثنیہ کی حالت رفعی الف نون کے ساتھ آتا ہے۔ اور الف سے ماقبل ہمیشہ فتحہ ہوتا ہے۔ اور حالت نصبی اور جرّی یاء اور نون کے ساتھ آتا ہے۔ جبکہ یاء کا ماقبل مفتوح ہوگا۔ یہاں پر الفا کا اعراب مرفوع تقدیری ہوگا۔ حالانکہ مرفوع لفظًا ہونا چاهئے تھا۔ لیکن یہ اعراب کی وہ قسم ہے جس کو ذکر نہیں کیا گیا۔ اور یہ استعمال کے لحاظ سے انتہائی قلیل ہے۔ یا تاویل کر کے اُنہی میں سے کسی ایک میں داخل کر دیں گے۔ الفا میں ہم الف پر تلفظ نہیں کرتے کیونکہ یہ التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گیا، تو اس وجہ سے اسکا اعراب تقدیری ہوا۔ یہ اسی طرح ہے جیسا کہ "جاءنی اَخُو الحسن"۔ یہاں اَخُو کا اعراب مرفوع تقدیرا ہے۔ کیونکہ اَخُو کی واو پر ہم تلفظ نہیں کرتے کیونکہ الحسن کے ساتھ اجتماع ساکنین کی وجہ سے اخو کا واو گر چکا ہے۔ پس معلوم ہوا جب ہم اعراب پر تلفظ نہیں کریں گے تو اعراب لفظی نہیں ہوگا بلکہ تقدیری ہوگا۔

درس 12۔

فَالعَدْلُ خُرُوْجُهُ پس عدل جو ہے وہ نکلنا ہے اسم کا عن صیغتِهِ الاصلِيَّةِ اپنے اصل صیغہ سے۔ صیغہ اصلی سے مراد وہ صیغہ ہے کہ جس کا تقاضا قانون کر رہا ہے۔ ضابطہ اور قانون صیغے کے ایک شکل کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اُنہیں اُس شکل سے نکال کر ایک اور شکل میں لے جائے تو اُس کو عدل کہتے ہیں۔ عدل کا معنیٰ ہے پھیرنا۔ جیسا کہ عمر کی اصل عامر ہے۔ عامرٌ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اور اسم فاعل ایک ضابطے کے تحت اُس کا خاص وزن ہے۔ ثلاثی مجرد سے فاعلٌ وزن پر آتا ہے۔ تو عامِرٌ صیغہ اصلی ہے، تو اس کو اس وزن سے نکالا اور ایک نئی شکل عمر دے دی گئی۔

تحقیقا کَثُلٰث و مَثْلَث و اُخَر و جُمَع او تقدیرا کعمر و باب قَطَامَ فی تمیم

عدل دو قسم پر ہے۔ ایک عدل تحقیقی ہے اور ایک عدل تقدیری ہے۔ عدل تحقیقی وہ ہے جس کے آپ کے پاس کوئی دلیل موجود ہے۔ اور عدل تقدیری وہ ہے جس کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔ تقدیر کا مطلب ہے فرض کرنا۔ مثلًا نحویوں کا قانون ہے کہ جس اسم میں دو علتیں یا ایک سبب قائم مقام دو سببوں کے ہوں تو وہ غیر منصرف ہوگا۔ اب نحویوں کو کچھ کلمات ایسے ملے کہ جس میں ایک علّت تو موجود ہے لیکن دوسرا کوئی علّت موجود نہیں اور عرب اسے غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ عمر اور زفر۔ ان میں صرف ایک ہی علّت علمیت موجود ہے۔ اور دوسرا کوئی علت موجود نہیں۔ لہٰذا نحویوں نے اپنے ضابطہ کو بچانے کے لئے اس میں ایک علت کو فرض کیا، اور وہ علّت عدل ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور علت فرض بھی نہیں کر سکتے تھے۔ حالانکہ نحویوں کے پاس ان کا کوئی دلیل نہیں۔

عدل تحقیقی وہ ہے جس کا آپ کے پاس کوئی دلیل ہو۔ جیسا کہ ثُلٰثَ اور مَثْلَثَ۔ یہ دس تک ایسے چلتے ہیں۔ ثُلاثَ، رباعَ، خُماسَ، سُدَاسَ۔۔۔ اور مَثْلَثَ، مَرْبَعَ، مَخْمَسَ، مَسْدَسَ۔۔ ثُلاثَ اور مَثْلَثَ: تین تین، یہ دونوں غیر منصرف ہیں۔ ایک تو اس کے اندر وصفیت ہے اور دوسرا اس کے اندر عدل ہے۔ اور عدل بھی عدل تحقیقی ہے۔ ثُلَاثَ کا معنیٰ ہے تین تین۔ یہاں لفظ تو ایک ہے اور معنیٰ دو ہیں۔ حالانکہ لفظ ایک ہو تو معنیٰ ایک ہوتا ہے۔ اور لفظ دو ہوں تو معنیٰ بھی دو ہوتے ہیں۔ تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ثَلَاثَ اصل میں ثَلَاثَةٌ ثَلَاثَةٌ تھا۔ پھر اس کو پھیر کر ایک نئی صورت دے دی گئی۔ ان دو کو ملا کر ایک نئی صورت بنا دی، اور وہ ثُلَاثَ ہے۔ تو اس میں عدل آیا اور اس کا دلیل اس کا معنیٰ ہے۔ ثلاث معدول ہے، اور ثلاثۃ ثلاثۃ معدول عنہ ہے۔

اسی طرح اُخَرْ بروزن فُعَلْ ہے۔ اور یہ اسم تفضیل اُخریٰ بروزن فُعْلیٰ کی جمع ہے۔(ضُرْبیٰ ضُرْبَیَاتٌ و ضُرَبٌ)۔ اور یہ غیرُ یعنی علاوہ کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں ایک وصفیت ہے اور دوسرا سبب عدل تحقیقی ہے۔ اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔ مِنْ، اضافت اور الف لام کے ساتھ۔ اور یہ اُخَرُ جہاں آئے گا تو یہ ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ بھی استعمال نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ان تین طریقوں میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ اصل میں تھا "اُخَرُ مِنْ" تو اُس سے معدول کیا۔ اور مِنْ کے بغیر کیا۔ اور یا یہ اصل میں اَلْاُخَر یعنی الف لام کے ساتھ۔ پھر اس کو پھیر کر اُخَر بنایا گیا۔ اور باقی رہی اضافت والی صورت تو یہ اُس سے معدول نہیں۔(اس کو آپ اگلی کتابوں میں پڑھیں گے۔ کیونکہ اگر مضاف الیہ کو گرایا جائے تو اُسکی جگہ پر یا تو دوسرے مضاف الیہ کو لاتے ہیں یا تنوین لے آتے ہے، یا الف لام وغیرہ لے آتے ہیں۔)

آگے جُمَعْ آیا۔ جُمَعْ جمع ہے جَمْعَاء کی۔ اور جُمْعَاءُ مؤنث ہے اَجْمَعُ بروزن اَفْعَلُ کی۔ افعلُ وزن اسم تفضیل اور صفت مشبہ دونوں کے لئے آتا ہے۔ اَفْعَلُ صفت مشبہ کی جمع فَعْلَاء کی وزن پر آتا ہے۔تو اَجْمَعْ کی جمع جَمْعَاء آتی ہے۔ اور جَمْعَاء کے بھی دو وزن آتے ہیں۔ اس میں صفت مشبہ کی مؤنث بھی جَمْعَاء بروزن فَعْلَاء آتی ہے۔ اور کبھی اسمِ محض بھی فَعْلَاء کی وزن پر آتی ہے۔ تو اَجْمَعُ ہے صفت اور اس صفت کی جمع جَمْعَاء آئے گی۔ اور یہ فَعْلَاء وزن ویسے بھی اسم میں آ جاتا ہے جیسے صَحْرَاء بروزن فَعْلاء۔ اور

جب فَعْلَاء جمع ہو صفت مشبہ کی تو اِسکی جمع آتی ہے فُعْلٌ (عین ساکن)۔ اور اگر یہ فَعْلَاء اسم محض ہو تو اسکی جمع فَعَالیٰ و فَعْلَوٰة۔

اور یہاں جَمْعَاء کی جمع جُمَعْ آئی۔ یہ تو طے ہے کہ یہ جَمْعَاء کی جمع ہے۔ اور وہ جَمْعَاء (صفت مشبہ والی) کی جمع تین آتی ہیں۔ ایک جُمْعٌ آنا چاھئے اگر یہ صفت مشبہ کی جمع مؤنث ہو، یا اس کی جمع جَمَاعیٰ اور جَمْعَوٰة آتی ہے، اگر یہ اسم محض ہوں۔ معلوم ہوا فَعْلَاء جب بھی آئے تو اس کی جمع ان تین (فُعْلٌ، فَعَالیٰ یا فَعْلَوٰة) میں سے کوئی ایک ہونا چاھئے۔ اور یہ جُمَعْ جمع ہے جَمْعَاء کی۔ اور یہ ان تین اوزان میں سے کسی بھی وزن پر نہیں۔ معلوم ہوا یہ اِن تین اوزان میں سے کسی ایک سے معدول ہے۔ اور یہ دلیل ہمارے پاس موجود ہے تو اس وجہ سے یہ عدل، عدلِ تحقیقی ہوا۔

اسی طرح باب قَطَامَ ہے بنو تمیم کی لغت میں۔(یہ بھی نئی بات ہے۔) باب قطام سے مراد وہ فَعَال وزن ہے جس میں چار شرطیں پائی جائے۔ 1۔ اسم ہو صفت نہ ہو۔ 2۔ علم ہو۔ 3۔ علم بھی مؤنث ذات کا ہو۔ 4۔ آخر میں را نہ آتی ہو۔ تو اس قسم کا جو اسم ہوتا ہے تو بنو تمیم والے اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ اور اس میں ایک سبب علمیت اور دوسرا سبب عدل تقدیری ہے۔ جبکہ باقی عرب اسکو مبنی پڑھتے ہیں۔ اور قَطَامِ پڑھتے ہیں۔

نوٹ: ھدایۃ النحو کے مطابق عدل، عَلَمْ اور وصف کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اور وزن فعل کے ساتھ جمع نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ عدل کے چھ اوزان ہیں اور ان میں سے کوئی بھی وزن فعل نہیں۔ پس عدل کے اوزان اور وزن فعل کے اوزان آپس میں جمع نہیں ہوتے۔ عدل کے اوزان "مَفْعَلْ، فُعَالْ، فَعَّالْ، فُعَلْ، فَعْلْ، اور فِعْلْ" ہیں۔

درس 13۔

الوصفُ شَرْطُہُ ان یکون فی الاصل وصف کے لئے شرط یہ ہے کہ ہونا چاھئے وہ اصل وضع کے اندر۔ یعنی کہ باعتبار وضع اصل میں وصف ہو۔ اور یہ اصل وضع میں وصف ہونا یقینی ہو وھمی نہ ہو۔فلا تَضُرُّہُ الغَلَبَۃ اى الغلبۃُ الاسمیۃُ: پھر اُسے غلبہ اسمیت نقصان نہیں دیتا۔ غلبہ اسمیت: تخصیصُ اللفظِ ببعضِ ما وُضِعَ لہُ:لفظ کا خاص کر دینا اپنے بعض موضوع لہ کے ساتھ۔ یعنی لفظ کا اپنے کچھ افراد کے ساتھ خاص کر دینا۔ جیسا کہ عربی کے اندر اَسْوَد کا لفظ وضع تھا ہر کالی چیز کے لئے۔ لیکن بعد میں اسکی تخصیص آئی بعض افراد کے ساتھ۔ جیسا کہ کالے سانپ کا نام ہی "اَسْوَد" رکھا۔ تو اس میں غلبہ اسمیت آ گیا۔ عَلَمْ کا ایک فرد ہوتا ہے اور اسم کے بہت سے افراد ہوتے ہیں۔ مثلا سانپ کے ایک نوع کا نام ہی اسود ہو گیا۔ تو ہر کالے سانپ پر آپ کہہ سکتے ہیں، ھٰذا اسودٌ۔ تو یہ اسود اسم ہے علَم نہیں۔

پس اگر اصل وضع میں صفت ہو تو اگر بعد میں اس پر غلبہ اسمیت آ بھی جائے تو یہ وصفیت کو نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور یہ پھر بھی غیر منصرف کا سبب بنے گا۔ پس اَسْوَدْ اب بھی غیر منصرف ہے۔ اس میں ایک وصف ہے اور ایک وزن فعل ہے۔ اسود بروزن اکرم۔

اور اگر ایک لفظ اصل وضع میں وصف نہ ہو، اور بعد میں وصف بنا۔ تو اب یہ وصف تو ہے لیکن غیر انصراف کا سبب نہیں بنے گا۔ جیسا کہ مَرَرْتُ بِنِسْوَةٍ اَرْبَعٍ۔ یہ اربع کو نسوۃ کے لئے صفت بنایا۔ اب یہ

لفظوں میں بھی صفت بنا اور وزن فعل بھی ہے۔ تو یہ کہنا چاھئے تھا، "مررتُ بنسوةٍ اَرْبَعَ"۔ لیکن یہ صفت غیر منصرف کا سبب نہیں بنے گی۔ کیونکہ غیر منصرف کے لئے وہ وصف معتبر ہے جو اصل وضع میں وصف ہو۔ کیونکہ اربعَ کا لفظ وضع تھا اصل میں ایک عدد چار کے لئے۔

فلذلک اسی وجہ سے صُرِفَ منصرف ہوگا۔ اربع فی مررت بنسوةٍ اربعٍ اَربعٍ منصرف ہوگا "مررتُ بنسوة اربعٍ" میں۔ وَ امْتَنَعَ اور صرف مُمتنع ہوگا۔ یعنی غیر منصرف ہوگا۔ اَسْوَدُ و اَرْقَمُ للحيَّةِ اسود اور ارقم جو سانپ کے لئے ہے۔اسود: کالا سانپ، ارقم: چھتکُبری سانپ، جس پر کالے اور سفید دھبے ہوں۔ وَ اَدْهَمُ لِلْقَيْدِ اور اسی طرح صرف ممتنع ہے اَدْھَم کی جو بیڑی کے لئے ہے۔۔یعنی ادھم غیر منصرف ہوگا۔ ادھم اصل وضع میں تھا سیاہ چیز کے لئے۔ لیکن بعد میں یہ بیڑی کا نام رکھ دیا۔ بیڑی جو قیدی کو پہناتے ہیں۔ وَ ضَعُفَ مَنْعُ اَفْعٰی للحية اور ضعیف ہے منع صرف اَفعیٰ کے لئے جو کہ ایک سانپ کا نام ہے۔ و اَجْدَلٍ للصَّقْرِ اور ضعیف ہے غیر منصرف پڑھنا اجدل کے لئے۔ یہ نام ہے شِکرے کا۔ و اَخْيَلٍ لِلطَّائرِ اور ضعیف ہے منع صرف اَخْیَل جو کہ نام ہے ایک پرندے کا۔ اَفْعٰی ، اجدل اور اخیل میں وصفیت اور وزن فعل دونوں ہیں، لیکن اس کا غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے۔

دیکھو افعیٰ سانپ کا نام ہے۔ کیوں ضعیف ہے۔ اس لئے کہ ان کا اصل وضع میں وصف ہونا یقینی نہیں وہمی ہے۔ افعیٰ میں شبہ پڑھتا ہے، شائد یہ بھی وصف ہے، صفت مشبہ ہے۔ فَعْوَةٌ سے بنی ہے۔ اور فَعوة خُبْث یعنی خباثت کو کہتے ہے۔ اور یہ افعیٰ ایک خطرناک اور زھریلہ قسم کا سانپ ہے۔ تو چونکہ اُس سانپ میں بھی خباثت ہے، تو ہو سکتا ہے شائد افعیٰ فعوة سے بنایا ہو۔ لیکن یہ بات قطعی طور پر طے نہیں۔ اور جب قطعی طور پر طے نہیں تو اسکا غیر منصرف پڑھنا بھی ضعیف ہے۔

اسی طرح اَجْدَل شِکرے کا نام ہے۔ اس میں وھم ہے شائد یہ جَدَلْ سے ماخوذ ہو۔ جدل: طاقت، قوة۔ کیونکہ شِکرہ بھی عقاب کا ایک قسم ہے اور بڑا طاقتور پرندہ ہے۔ اور دوسرے پرندوں کا شکار کرتی ہیں۔ تو ہو سکتا ہے اس جدل سے صفت بنائی ہو اجدل۔ اب جو بھی طاقت والا ہے وہ اجدل کا فرد ہے۔ پھر اس کو خاص کر دیا شِکرے کے ساتھ۔ اور یہ بات قطعی نہیں۔ لہذا اسکا غیر منصرف پڑھنا ضعیف ہے۔

اسی طرح اَخْیَل شائد یہ بنا ہے خِیْلَان سے۔ خیلان جمع ہے خال کی۔ اور خال کہتے ہے داغ یا نشان کو۔ یہ ایک پرندہ ہوتا ہے جس کے جسم پر بڑھے نشان ہوتے ہیں۔ اَخیل: داغوں والا۔ عرب والے اس پرندے کو بڑا منحوس سمجھتے ہیں۔ حتی کہ ضربُ المثَل بنا ہے اس کا نام نحوست میں۔ اگر کہنا ہوں کہ کوئی بڑا ہی منحوس ہے تو "فلانٌ اَشْحَمُ من اخیل" کہ فلان تو اخیل پرندے سے بھی بڑا منحوس ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کوّے کی خاص قسم ہے۔

ھداية النحو میں ہم نے پڑھا تھا کہ وصف علمیت کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علم دلالت کرتا ہے ذات معین پر اور وصف دلالت کرتا ہے ذات غیر معین پر۔ اور یہ دونوں آپس میں ضدّین ہیں۔

درس 14۔ التانيثُ بالتاءِ تانیث بالتاء جو ہے۔ شَرْطُهُ العَلَمِيَّةُ اُس کے لئے شرط علمیت ہے۔ یعنی وہ اسمِ مؤنث عَلَم ہونا چاھئے۔ پھر وہ مُؤثِّر ہوگی۔ چاھے وہ عَلَم مذکر کا نام ہو یا مؤنث کا نام ہو۔ جیسے فاطمة، طلحة میں یہ تا غیر انصراف کی سبب بنے گی۔ ایک اس میں علمیت ہے اور ایک تائے تانیث تو اب یہ

غیر منصرف ہیں۔ نیز جب علَم کے ساتھ تائے تانیث آ جائے تو یہ وجوبًا غیر انصراف کا سبب بنے گا۔ والمعنویُّ کذلک اور معنوی بھی اسی طرح ہے۔ یعنی اس کے لئے بھی علمت شرط ہے۔ اگر ایک لفظ مؤنث معنوی بھی ہے اور اسکے اندر علمیت بھی آگئی تو اس کو غیر منصرف پڑھنا جائز ہے۔ اور اگر ایک لفظ مؤنث معنوی بھی ہو اور علمیت کے ساتھ ساتھ اس کے اندر تین شرطوں میں کوئی شرط بھی پائی گئی تو اس کو غیر منصرف پڑھنا پھر واجب ہے۔ اور وہ تین شرطیں یہ ہیں۔

و شَرْطُ تَحَتُّمِ تَاثِیرِہ تانیث معنوی کی تاثیر کے یقینی یا وُجوبی ہونے کی شرط، ھا ضمیر راجع ہے تانیث معنوی کو۔تاثیر: دوسرے پر اثر ڈالنا، تحتم: ختمی ہونا،یقینی ہونا، وجوبی ہونا۔ الزیادۃُ علی[1] الثلثۃِ تین حروف پر زیادہ ہونا ہے۔ او تَحَرُّکُ الاوسطِ[2] اور درمیان والے حرف کا متحرک ہونا ہے۔ اَوْ[3] العُجْمَۃ۔ یا عجمی ہونا ہے۔ فَہِنْدٌ یَجُوزُ صَرْفُہُ پس ھند کی صرف جائز ہے۔ یعنی اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ کیونکہ اس کے اندر تا، الف ممدودہ اور الف مقصورہ موجود نہیں۔ یعنی یہ نام عورت کا ہے۔ تو تانیث معنوی اور علمیت دونوں اس کے اندر آ گئے۔ تو اس وجہ سے یہ منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ اور تین شرطوں میں سے کوئی شرط بھی اس کے اندر نہیں۔ یعنی یہ تین حروف سے زیادہ بھی نہیں۔ اس کا درمیان والا حرف بھی متحرک نہیں اور یہ عجمی بھی نہیں۔ اگر ان تین شرطوں میں سے کوئی ایک یہاں پورا ہوتا تو پھر اس کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہوتا۔ و زینبُ و سَقَرُ و ماہُ وجُورُ مُمْتَنِعٌ ای ممتنعٌ صرفُھا۔ اور زینب، سقر، ماہ اور جور یہ ممتنع ہے۔ یعنی اس کی صرف ممتنع ہے۔ اور ان کو غیر منصرف ہی پڑھیں گے۔ زینب میں تانیث معنوی، علمیت اور تین شرطوں میں سے پہلا شرط پایا گیا۔ یعنی یہ تین حروف سے زیادہ ہے۔ تو اسکو وجوبًا غیر منصرف پڑھیں گے۔ سَقَرُ یہ دوزخ کے ایک طبقے کا نام ہے۔ اس میں تانیث معنوی، علمیت اور درمیان والا حرف متحرک ہے۔ اس لئے یہ وجوبًا غیر منصرف ہے۔ ماہُ اور جورُ یہ شہروں کے نام ہیں۔ ان میں تانیث معنوی، علمیت اور عجمہ ہے۔ اس وجہ سے ان کو غیر منصرف پڑھنا واجب ہے۔

اگر تانیث معنوی کی مذکر کا نام رکھا جائے تو کیا پھر یہ تانیث معنوی اثر انداز ہوگا کہ نہیں۔ تو صاحب کافیہ بتلا رہے ہیں کہ ہاں اب بھی اثر انداز ہوگی۔ لیکن ایک شرط اب بھی اس کو پورا کرنا چاہئے اور وہ تین حروف سے زائد ہونا ہے۔ جیسا کہ قَدَمٌ کا لفظ عربی میں مؤنث ہے۔ اب اگر یہ کسی کا نام رکھا جائے، تو کیا یہ تانیث معنوی اثر انداز ہوگی یا نہیں۔ کیونکہ ایک اس میں تانیث معنوی ہے، دوسرا علمیت ہے لیکن یہ تین حروف سے زائد نہیں، پس لہٰذا اسکو منصرف پڑھا جائے گا۔ اور عَقْرَبْ بچھو کو کہتے ہے، یہ لفظ مؤنث سماعی ہے۔ اب ایک آدمی کا نام عقرب رکھا گیا۔ تو یہ تانیث معنوی وُجُوبًا اثر انداز ہوگی کیونکہ ایک اس میں تانیث معنوی ہے، دوسرا علمیت اور تیسرا یہ کہ یہ تین حروف سے زائد ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ چوتھا حرف تاء کے قائم مقام ہو جائے گا۔ فان سُمِّیَ بہٖ مُذَکَّرٌ پس اگر تانیث معنوی کے ساتھ نام رکھا جائے کسی مذکر کا فشرطُہُ الزیادۃُ علی الثلثۃِ تو اُسکی شرط زائد ہونا ہے تین حروف پر۔ فَقَدَمٌ

مُنْصَرِفٌ پس قدم منصرف ہے۔ و عَقْرَبُ مُمْتَنِعٌ اور عقرب ممتنع ہے۔ یعنی ممتنع عن الصرف ہے۔ یعنی غیر منصرف ہے۔

درس 15۔

المعرفۃ. شرطُھا ان تکونَ علمیۃ. معرفۃ کی شرط یہ ہے کہ عَلَمیت ہونا چاھئے۔ پھر یہ غیر منصرف کا سبب بنے گا۔ معرفۃ کی کئی اقسام ہیں ان میں سے صرف علمیت غیر انصراف کا سبب بنتا ہے۔ غیر انصراف کا اصل سبب تو معرفۃ ہے لیکن معرفۃ کے اندر صرف علمیت غیر انصراف کا سبب بنتا ہے۔

اَلْعُجْمَۃ. عجمۃ جو ہے۔ شرطُھا اس کے مؤثر ہونے کا شرط یہ ہے اَنْ تکونَ عَلمیۃً فی العُجْمَۃِ علمیت کا ہونا عُجمۃ کے اندر۔ یعنی عجمی زبان میں وہ عَلَم ہو۔ اور جب عجمی زبان میں علم ہو تو پھر عربی میں آ کر اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوگی۔ اور تبدیلی نہ آنے سے اس میں ثِقل آیا۔ و تَحَرُّکُ الاوسطِ اور دوسرا شرط یہ کہ درمیان والا حرف متحرک ہو او الزیادۃِ علی الثلثۃِ یا تین حروف پر زیادہ ہونا۔ فَنُوْحٌ مُنصرفٌ پس نوح منصرف ہے۔ کیونکہ اس میں دوسری شرط نہیں پائی جاتی۔ و شَتَرُ و ابراھیمُ ممتنعٌ اور شَتَرَ اور ابراھیمُ یہ صرف سے ممتنع ہیں۔ یعنی غیر منصرف ہیں۔ شَتَرُ ایک قلعہ کا نام ہے۔ تو ایک اس میں عجمۃ ہے اور دوسرا علم۔ اس طرح ابراھیم میں بھی ایک عجمۃ ہے اور دوسری علمیت۔

درس 16۔

الجَمْعُ اسباب منع صرف میں سے ایک سبب جمع ہے۔ شرطُہُ صیغۃُ منتہَی الجموع شرط اس کے لئے یہ ہے کہ جمع منتہی الجموع کا صیغہ ہونا چاھئے۔ جمع منتہی الجموع وہ ہوتا ہے جس پر جمع مکسَّر کی انتہا ہو جاتی ہے۔ یعنی آگے اسکی جمع مکسَّر نہیں آتی۔ جمع منتہی الجموع کا یہ معنیٰ نہیں کہ آگے اس کی جمع نہیں آتی۔ اس کی جمع آگے آ جاتی ہے لیکن جمع مکسَّر نہیں آتی وہ جمع سالم ہوگی۔اور پھر اس جمع سالم کے آگے جمع مکسَّر نہیں آ سکتا۔ بغیر ھاءٍ اور یہ جمع منتہی الجموع اس حال میں کہ ھاء کے بغیر ہوں۔ یعنی اس صیغے کے ساتھ تائے تانیث نہ ملے جو بحالت وقت ھاء بن جاتی ہے۔ یہ تائے تانیث کا شرط اس لئے لگا کہ جب تائے تانیث ساتھ مل جاتی ہے تو یہ مفرد کا وزن بن جاتا ہے۔ اور مفرد کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کا نقصان ہو گیا۔ تو اب یہ مؤثر نہیں ہوگی۔ جیسے فِرْزِیْن: شطرنج میں وزیر، یہ سب سے خطرناک ہوتا ہے۔ آٹھ طرف کو چل سکتا ہے۔ اور جب تک رُکاوٹ کوئی بیچ میں نہ آئے تو یہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف چل سکتا ہے۔ اسکی جمع فَرَازِنَۃٌ آتی ہے۔ یہ فرازنۃ جمع منتہی الجموع ہے لیکن اس کے ساتھ تاء تانیث ملی ہوئی ہے جس کی وجہ سے اسکی مشابہت مفرد کے ساتھ آیا۔ مثلاً عَلَانیۃٌ یا کراھیۃٌ مفرد ہیں۔ تو اس مشابہت کی وجہ سے اب یہ غیر منصرف کا سبب نہیں بنے گا۔ کمساجدَ جیسا کہ مساجدَ ہے۔ اس میں الف جمع کے بعد دو حروف ہیں۔ و مصابیْحَ اور مصابیحَ۔ اس میں الف جمع کے بعد تین حروف ہیں۔ اور ان میں سے درمیان والا ساکن ہے۔ و اَمّا فَرَازِنَۃٌ فَمُنصَرِفٌ اور باقی فرازنۃ جو ہے وہ منصرف ہے۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس نے تا کو قبول کیا ہے۔

اب کچھ اشکالات ہیں۔ اور صاحب کافیہ اسکے جوابات ذکر کریں گے۔

اشکال یہ ہوا کہ اے صاحب کافیہ آپ نے فرمایا کہ غیر منصرف کا ایک سبب جمع ہے۔ ہاں اُس جمع کے لئے آگے شرط یہ ہے کہ وہ صیغہ جمع منتہی الجموع کا ہو۔ تو حضاجر کا لفظ علَم جنس ہے ضَبُعْ کے لئے۔ ضبع: بِجُّو، کوئی جانور ہے۔سُنا ہے اس کا پیٹ کافی بڑا ہوتا ہے۔ تو اس بجّو کے لئے اسم جنس حضاجر ہے۔ جیسا کہ حیوان ناطق کے لئے اسم جنس انسان ہے۔ اسم جنس جس کا اطلاق کثیر اور قلیل سب پہ ہوتا ہے۔ اور کبھی جنس کے لئے کوئی علم رکھتا ہے، وہ بھی اسم جنس کی طرح ہوتا ہے۔ اُسکا اطلاق بھی کثیر اور قلیل سب پر ہوتا ہے۔ پس فرق یہ ہے کہ یہ اسم جنس ہے اور وہ علم جنس۔ یہ نکرة ہے اور وہ معرفة۔ پس حَضاجر یہ علم جنس ہے اور اس کا اطلاق ایک بچو پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ بجو پر بھی ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہ جمع نہیں۔ کیونکہ جمع وہ ہوتا ہے جس کا اطلاق تین سے کم پر نہیں ہوتا۔ اور اس کا اطلاق تو ایک پر بھی ہوتا ہے۔ اور آپ نے کہا غیر منصرف کا سبب جمع ہونا ہے۔ معلوم ہوا غیر انصراف کا اصل سبب ہے جمع ہونا اور پھر جمع کے لئے آگے شرط یہ ہے کہ وہ صیغہ جمع منتہی الجموع کا ہو اور بغیر ھاء کے ہو۔ تو اصل سبب جمع ہونا ہے۔ اور یہ حضاجر جمع کا صیغہ نہیں جبکہ عرب اسے غیر منصرف پڑھتے ہے۔ البتہ حضاجر جمع منتہی الجموع کا وزن ہے۔ اور یہ وزن شرط ہے۔ اور اس شرط کے لئے مشروط یہ ہے کہ جمع کا صیغہ ہو۔ یہاں حضاجر میں مشروط ہی نہیں تو پھر تو شرط کو نہیں دیکھا جاتا۔ یعنی صیغہ اگر جمع ہی نہیں تو جمع منتہی الجموع کے وزن کو نہیں دیکھا جائے گا۔

صاحب کافیہ اسکا جواب دیتے ہیں۔ صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ جمع ہونا عام ہے۔ چاھے فی الحال جمع ہو چاھے اصل میں جمع ہو۔ یہ حضاجر اس وقت تو علم جنس ہے، لیکن اصل میں یہ حَضْجَرْ کی جمع تھی۔ حَضجر: بڑے پیٹ والا، پھر اسکی جمع حضاجر آئی: بڑے پیٹ والے۔ پھر اس "حضاجر" لفظ کو اٹھا کر علم جنس بنایا۔ تو اصل میں یہ جمع تھی اور پھر اس جمع کو علم جنس بنایا گیا۔ تو یہ جمعیت سے منقول ہو کر علم ہو گیا۔ اب ایک بھی ہو تو اس پر بولا جاتا ہے حضاجر، اور زیادہ بھی ہو تو اس پر بھی بولا جاتا ہے حضاجر۔ پس معلوم ہوا کہ حضاجر فی الحال تو جمع نہیں لیکن اصل میں جمع ہے۔

و حَضَاجِرُ عَلَمًا لِلضَّبُعْ اور حضاجر اس حال میں کہ یہ علم ہے بِجُّو کے لئے۔ **غیرُ منصرفٍ** غیر منصرف ہے **لانَّهُ منقولٌ عنِ الجَمعِ** اس لئے کہ یہ منقول ہے جمع سے۔

آگے صاحب کافیہ ایک اور اشکال کا جواب دیتے ہیں۔ سراویل: شلوار، یہ بھی انسان کی طرح اسم جنس ہے۔ اسکا اطلاق بھی قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ اور اسکے اندر بھی جمعیت نہیں۔ نہ تو یہ فی الحال جمع ہے اور نہ اصل میں جمع ہے۔ حالانکہ اکثر نحویین کے نزدیک یہ غیر منصرف ہے۔ تو صاحب کافیہ اس اشکال کے بارے میں دو جوابات ذکر فرمائیں گے۔

و سراویلُ اذا لم يُصرَفْ اور سراویل کہ جب وہ غیر منصرف ہو۔ **و هو الاکثر** اس حال میں کہ وہ اکثر ہے۔ یعنی اکثر نحوی اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ **فقد قيل** تو تحقیق کہا گیا ہے۔ **اَعْجَمِيٌّ** کہ یہ لفظ عجمی ہے۔ **حُمِلَ علیٰ مَوَازِنِـهِ** اس لئے یہ لفظ محمول ہے اپنے ہم وزنوں پر۔ سراویل بروزن مَصابیح۔ تو بس یہ حقیقتا جمع نہیں بلکہ حکما جمع ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صاحب کافیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جمع عام ہے، چاھے حقیقتا جم ہو چاھے حکما جمع ہے۔ سراویل یہ حقیقتا تو جمع نہیں لیکن صورتا جمع ہے۔ **و قيل عربيٌّ** اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ عربی لفظ ہے۔ **جَمْعُ سِرْوَالَةٍ تقديرا** یہ سِروالةٌ کی جمع ہے تقدیرا، سِرْوالة: کپڑے کا ٹکڑا، سَراویل: کپڑے کے کئی ٹکڑے، کیونکہ شلوار بھی کپڑے کے کئی ٹکڑوں سے مل کر بنی ہے۔ اور یہ سراویل کو ہم نے فرض کیا کہ یہ سروالة کی جمع ہے، جبکہ حقیقت میں یہ سروالة کی جمع نہیں۔ تو اس سوال کا جواب بھی اس

پر ہے کہ جمع ہونا عام ہے چاہے حقیقتا ہو چاہے تقدیرًا ہو۔ اور اسی سے مُسَرْوَلٌ ہے۔ وہ کبوتر جس کے پیروں پر پَر ہوتے ہیں۔ مُسَرْوَلٌ: یعنی اُس کبوتر نے شلوار پہنی ہوئی ہے۔ اس کو لکھا کبوتر کہتے ہے۔

درس 17۔ و اذا صُرِفَ فلا اِشکالَ اور اگر اس منصرف پڑھا جائے پھر تو کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ یہ جمع ہی نہیں۔

وَ نَحْوُ جوارٍ اور جوار جیسے الفاظ جو ہیں۔ رفعًا ای حالَ کونِہٖ مرفوعًا۔ رفعًا یہ مصدر ہے۔ رفع بمعنیٰ مرفوع کے۔

و جَرًا ای حالَ کونِہٖ مجرورًا، جر بمعنیٰ مجرور کے۔ کقاضٍ قاض کی طرح ہے۔ یعنی جوار جیسے الفاظ حالت رفعی اور حالت جرّی میں قاضٍ کی طرح ہے۔ جیسا کہ حالت رفعی اور جرّی میں: جاءَنی قاضٍ اور مررتُ بقاضٍ ہیں۔ قاضٍ اصل میں قاضِيٌ تھا۔ پھر قاضِیْن ہوا پھر قاضٍ ہوا۔ اسی طرح حالت جرّی میں قَاضِيٍ تھا۔ پھر قاضِیْنَ اور پھر قاضٍ ہوا۔ اور حالت نصبی میں رایتُ قَاضِیًَ ہے۔ اس میں یا نہیں گرے گا۔ کیونکہ یا پر فتحہ ثقیل نہیں ہوتا۔

جوارٍ جیسے الفاظ سے مراد ہر وہ جمعِ ناقص ہے، جو جمع منتہی الجموع کے وزن پر ہو۔ تو جوارٍ بھی اس طرح ہے، کہ حالت رفعی اور حالت جرّی میں اسکی یاء گر جائے گی۔ جوارٍ حالت رفعی میں جوارِيٌ اور حالت جرّی میں جوارِيٍ تھا۔ یا پر ضمہ اور کسرہ ثقیل ہونے کی وجہ سے یا کی حرکت گر جائے گی۔ پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے یا گر جائے گی۔ اور جوارٍ رہ جائے گا۔ تو حالت رفعی اور حالت جرّی میں جاءنی جوارٍ، مررتُ بجوارٍ آئے گا۔ اور حالت نصبی میں رایتُ جوارِیَ ہوگا۔ تنوین نہیں آئے گی کیونکہ غیر منصرف ہے۔

حالت نصبی میں بالاتفاق یہ غیر منصرف ہے۔ اور یہ جواریَ بروزن صوری فواعلَ ہے۔ اور حالت رفعی اور حالت جرّی میں جوار منصرف ہے یا غیر منصرف۔ اس کے بارے میں علماء کے دو گروہ ہیں۔

بعض علماءؒ فرماتے ہیں کہ جوارٍ اس وقت منصرف ہے جبکہ بعض کے نزدیک یہ اس وقت غیر منصرف ہے۔ دونوں کے اپنے اپنے دلائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جوارٍ کا وزن اس وقت سلامٍ اور کلامٍ والا ہے۔ اور سلام اور کلام مفرد ہیں۔ جیسے وہ فرازنۃ، جو کہ علانیۃ (مفرد) کے وزن پر آیا تھا، اور غیر منصرف کا سبب نہیں بنا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی یہ سلامٍ اور کلامٍ والا وزن بن گیا، یعنی مفرد والا وزن بن گیا۔ اور جب یہ مفرد کا وزن بن گیا تو اس کو ہم نے حکم بھی مفرد والا دیا۔ تو جب وہ منصرف ہے تو یہ بھی منصرف ہے۔ کیونکہ جوارٍ سے یا چلی گئی ہے۔ اور اب جوارٍ جمع منتہی الجموع کا وزن نہیں۔ اگر وہ یاء باقی رہتی تو یہ وزن صوری جمع منتہی الجموع والا ہوتا۔ تو پھر اس کو غیر منصرف کا حکم دیتا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے، کہ بھئی آپ پہلے تو یہ بتائیں کہ یہ یاء گئی کیسے؟ کیونکہ جب یاء تھی تو یہ جمع منتہی الجموع کا وزن تھا، اور یہ غیر منصرف کا وزن ہوتا ہے۔ اور اس پر تنوین نہیں آتا۔ اور جب تنوین نہیں آتا تو یاء اور نون کے درمیان تو التقائے ساکنین آیا ہی نہیں۔ اور جب التقائے ساکنین آیا ہی نہیں تو یہ یاء کیسے گری؟

تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اعلال مقدَّم ہے منع صرف پر۔ (اعلال: حرفِ علّت کے اندر جب کوئی تبدیلی کی جائے تو اسے اعلال کہتے ہے۔ اور جب ہمزہ میں کوئی تبدیلی کی جائے تو اسے تخفیف کہتے ہے۔) اعلال پہلے ہوتا ہے۔ جب اعلالات مکمل ہو جاتے ہیں تو کلمہ کی صورت ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ اس کے بعد ہم اس پر حکم لگاتے ہیں کہ یہ منصرف ہے یا غیر منصرف۔ نیز کلمہ میں اصل منصرف ہے۔ تو یہ کلمہ پہلے جَوَارِيٌ

تھا۔ یاء پر تنوین اس لئے پڑھا کہ کلمہ میں اصل منصرف ہونا ہے۔ پہلے اس میں اعلال ہوگا پھر اس پر ہم حکم لگائیں گے کہ یہ منصرف ہے یا غیر منصرف۔ جوارِیٌ میں یاء پر ضمة ثقیل تھا تو ضمہ کو گرایا، پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے یاء بھی گر گئی۔ تو جَوَارٍ رہ گیا۔ اعلال کے بعد اس کا صورت ہی مفرد والا بن گیا۔ اب اس پر جمع کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ پس اعلال مقدم ہے منع صرف پر۔ اور جب اعلال کیا گیا تو اب منع صرف کی گنجائش ہی نہ رہی۔

دوسرے مذہب والے کہتے ہیں، یہ حالت رفعی اور جرّی میں بھی غیر منصرف ہے۔اِن کے نزدیک یاء لفظوں سے تو گر گئی ہے، لیکن تقدیرًا اب بھی موجود ہے۔ اور جب یاء تقدیرًا موجود ہے، تو الف جمع کے بعد اب بھی دو حروف ہیں۔ اور یہ جمع منتہی الجموع کے وزن ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ یہ علماء فرماتے ہیں کہ منع صرف مقدم ہے اعلال پر۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اچھا منع صرف مقدم ہے اعلال پر تو وہ یاء کدھر گئی؟ کیونکہ وہ یاء تو نون تنوین کے ساتھ التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گئی۔ اور جب منع صرف مقدم ہو، تو یہ صیغہ "جوارِیُ" غیر منصرف کا ہوا اور پھر اس میں تنوین سرے سے آئی ہی نہیں، تو پھر التقائے ساکنین آیا ہی نہیں، اور جب التقائے ساکنین آیا ہی نہیں تو یاء گری کیسی؟

وہ فرماتے ہیں کہ اعلال پر منع صرف مقدم ہے۔ حالت رفعی میں یہ صیغہ جوارِیُ تھا۔ پھر یاء پر ضمہ ثقیل تھا تو گرا دیا اور جوارِیْ رہ گیا۔ اور پھر وہ جو ضمة گرایا تھا تو اُسکے عوض یاء کو تنوین دی تو جوارِیٌ ہو گیا۔ تو سوال یہ ہے کہ آپ نے یہ تنوین کیوں دیا؟ جواب یہ دیتے ہیں کہ تنوین کی وجہ سے اجتماع ساکنین آئے گا۔ اور پھر یاء گر جائے گی اور کلمہ خفیف رہ جائے گا۔ اور جوارٍ بن گیا۔

درس 18۔

التركيبُ اسباب منع صرف میں سے ایک ترکیب ہے۔ بعض اوقات دو اسم مل جاتے ہیں، اور ایک کلمہ بن جاتا ہے۔ اس کو ترکیب کہتے ہے۔ **شرطهُ العلميةُ** اس کی شرط یہ ہے کہ اسکے اندر علمیت ہو۔ یہ وُجوبی شرط ہے۔ **وَ اَنْ لا يكون باضافةٍ و لا اسنادٍ** اور نیز اضافت بھی نہ ہو اور اسناد بھی نہ ہو۔ یہ دوسری شرط ہے۔ یہ عدمی شرط ہے۔ عدم: نہ ہونا۔ عبدٌ اور لفظ اللہ ملنے سے عبدُ اللہ بن جاتا ہے۔ عبدُ اللہ میں ترکیب ہے۔ لیکن اضافت بھی ہے۔ لہٰذا یہ ترکیب مؤثر نہیں۔ اور عبد اللہ منصرف ہے۔

اسم کے دو بڑے خاصے ہیں۔ ان میں ایک الف لام کا داخل ہونا اور دوسرا اضافت ہے۔ اور یہ اسم کے بڑے خاصّے اس لئے ہیں کہ یہ مدلول اسم کو بدل دیتے ہیں۔ جیسا کہ غلام ہر غلام پر بولا جاتا ہے، اور الغلام سے کوئی خاص غلام مراد ہوتا ہے۔ اور اسی طرح غلامُ زیدٍ سے خاص غلام مراد ہے۔ نیز اضافت کی وجہ سے غیر منصرف بھی منصرف بن جاتا ہے۔

اور اسناد بھی نہ ہو کیونکہ اسناد سے یہ جملہ بن جاتا ہے۔ اور جملہ مبنی ہوتا ہے۔ اور ہماری بحث تو معرب کے اندر ہو رہی ہے۔ تو یہ ہمارے بحث سے ہی خارج ہو جائے گا۔ بعض علماء کے نزدیک جملہ مبنی الاصل ہے۔ جیسا کہ ہم نے پڑھا تھا کہ ایک عورت کے بالوں کے دونوں چوٹیاں سفید ہو گئی تھی۔ تو اس کا نام ہی شَابَ قَرْنَاهَا رکھا گیا۔ شابَ: سفید ہونا، قَرْن: مینڈھی، بالوں کی چوٹی۔ تو یہ جملہ تھا، اور یہ پورا جملہ اُس عورت کا نام رکھا گیا۔ تو یہ جب جملہ ہے تو اس میں اسناد آ گیا۔ او اس وجہ سے یہ غیر

منصرف ہونے کا سبب نہ رہا۔ مثلُ بَعْلَبَکَّ جیسا کہ بعلَبَکَّ ہے۔ یہ ایک شہر کا نام ہے۔ بعلَ ایک بت کا نام تھا۔ اور بکَّ کوئی آدمی کا نام تھا۔ پھر دونوں مل کر بعلَبَکَّ ہوا۔ اب اس میں علمیت بھی آ گئی۔ اس کے اندر اضافت بھی نہیں۔ کیونکہ یہ مضاف اور مضاف الیہ نہیں۔ اور اس کے اندر اسناد بھی نہیں کیونکہ یہ پورا جملہ نہیں۔ لہٰذا یہ غیر منصرف ہے۔

الالفُ و النونُ الف نون زائدہ تان بھی غیر منصرف کا سبب ہے۔ یاد رکھو الف نون زائدہ تان یا تو اسم میں آئیں گے اور یا صفت کے اندر۔ اسم کسی وصف پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ رجل، فرس۔ اور ایک ہوتی ہے صفت، جو ذات مع الوصف پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ قائمٌ۔ قائمٌ دلالت کرتی ہے ایک ذات پر جس کے ساتھ قیام ثابت ہو۔ اور ضاربٌ دلالت کرتی ہے ایک ذات جس کے ساتھ ضاربیۃ ثابت ہو۔

جب یہ الف نون زائدہ تان اسم کے اندر آئے تو اس کی شرط ہے علمیت۔ تو پھر یہ سبب بنے گا غیر منصرف کا۔ جیسا کہ عمران۔ تو اس میں ایک علمیت ہے اور دوسرا الف نون زائدہ تان ہے۔ تو یہ غیر منصرف کا سبب بنے گا۔ ھدایۃ النحو میں سعدان آیا تھا۔ سعدان میں علمیت نہیں۔ علمیت وہ ہے جو ایک معین ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ کسی معین چیز کا نام نہیں۔ بلکہ ایک خاص پودے کا نام ہے، اور ہر اُس پودے پر بولا جاتا ہے۔ تو یہ سعدان غیر منصرف کا سبب نہیں بنتا۔

اور جب الف نون زائدہ تان صفت کے اندر آئیں تو بعض علماء کے نزدیک یہ سبب بنے گا غیر منصرف ہونے گا بشرطیکہ اُس کی مؤنث فَعلانۃٌ وزن پر نہ آئے۔ اور بعض علماء یہ شرط لگاتے ہیں کہ اُس کی مؤنث فَعلیٰ وزن پر آئے، تو یہ غیر منصرف کا سبب بنے گا۔

اِنْ کانتا فی اسمٍ اگر اسم کے اندر ہوں۔ فشرطُهُ العلميةُ تو اس کی شرط علمیت ہے۔ کعمرانَ جیسا کہ عمران ہے۔ اَوْ صِفَةٍ ای اِنْ کانتا فی صفةٍ: یہ اسم پر عطف ہوتا ہے۔ اور اگر الف نون زائدہ تان صفت میں آئے۔ فَانْتِفَاءُ فَعْلَانَةٍ ای فَشَرْطُهُ اِنْتفاءُ فعلانةٍ: تو اُسکی شرط فعلانۃ کا منتفی ہونا ہے۔ یعنی اُس صفت کی مؤنث فعلانۃ وزن پر نہ آئے۔ و قيل وُجُودُ فَعْلىٰ ای وَ قيل شرطُهُ وجودُ فعلیٰ: اور بعضوں نے کہا ہے کہ اُس صفت کی مؤنث فعلیٰ وزن پر آئے۔ و مِن ثَمَّ ثَمَّ اسم اشارہ ہے بعید کے لئے۔ اُسی وجہ سے، ایک ثُمَّ ہے۔ ثُمَّ حرف عطف ہے۔ اُخْتُلِفَ فی رحمٰنَ اِختلاف کیا گیا ہے رحمان کے اندر۔ بعض علماء کے نزدیک یہ منصرف ہے اور بعض علماء کے نزدیک یہ غیر منصرف ہے۔ یہ رحمان صفت کا صیغہ ہے اور اس کے آخر میں الف نون زائدہ تان آ رہے ہیں۔ بعض علماء نے جو شرط لگائی تھی کہ صفت کے صیغے میں جب الف نون زائدہ تان آئے اور اسکی مؤنث فعلانۃ وزن پر نہ آئے تو یہ غیر انصراف کا سبب بنے گا۔ اور رحمان کی مؤنث بھی رحمانۃ وزن پر نہیں آتا۔ اس وجہ سے یہ غیر منصرف ہے۔ تو اس میں دو اسباب الف نون زائد تان اور وصفیت ہوئے۔

اور علماء کے دوسرے گروہ نہ جو یہ شرط لگائی تھی کہ صفت کے صیغے میں جب الف نون زائدہ تان آئے تو اسکی مؤنث فعلیٰ وزن پر آنا چاھئے۔ اور رحمان کی مؤنث فعلیٰ وزن پر نہیں آتی۔ تو غیر منصرف کا یہ شرط پورا نہیں ہوا۔ اور جب شرط پورا نہیں ہوا تو یہ منصرف ہوا۔ اب اس میں الف نون زائدہ تان تو ہے لیکن مؤثر نہیں۔

آگے صاحب کافیہ بتلائے گا کہ جب غیر منصرف پر الف لام داخل ہو جائے یا اسکی اضافت کی جائے تو پھر اس پر کسرہ آ سکتا ہے۔ اب بھی تنوین نہیں آئے گا۔ کیونکہ الف لام کے داخل ہونے سے تنوین گرتا ہے اور اضافت میں بھی تنوین گرتا ہے۔ پس صرف کسرہ رہ گیا۔ جبکہ بعض علماء کے نزدیک جب غیر منصرف پر الف لام آ جائے یا اس کی اضافت کی جائے، تو یہ منصرف بن جاتا ہے۔

رحمانَ کے بارے میں بعض علماء نے کہا منصرف ہے اور بعض نے کہا ہے کہ غیر منصرف۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ پورے کلام عرب میں رحمانَ الف لام کے بغیر استعمال ہی نہیں۔ یہ صفت ہے صرف ذات باری تعالیٰ کے لئے۔ مخلوق میں سے کسی کے لئے یہ صفت استعمال کرنا شرعًا جائز نہیں۔ نیز بہت تھوڑا استعمال ہوا ہے اضافت کے ساتھ۔ جیسے مسیلمۃ کذاب علیہ العنت کو بعض نے رحمانُ الیمامۃ کہا ہے۔

دون سکرانَ و ندمانٍ سکرانَ کے غیر منصرف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور ندمانٍ کے منصرف ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ سکران: مدہوش، یہ صفت کا صیغہ ہے، اور اسکی مؤنث سَکْرَانَۃ بروزن فعلانۃ نہیں آتی۔ تو پہلے علماء کے نزدیک شرط پوری ہوئی۔ اور اسکی مؤنث فعلیٰ وزن پر آتی ہے۔ تو دوسرے علماء نے جو شرط لگائی تھی وہ بھی پوری ہوئی۔ لہٰذا یہ بالاتفاق غیر منصرف ہے۔ اور ندمان کے اندر دونوں گروہوں کی شرطیں پوری نہیں لہٰذا یہ بالاتفاق منصرف ہے۔ اسکی مؤنث ندمانۃ ہے۔ ندمان: شرمندہ، ہم نشین،

درس 19۔

وزنُ الفعلِ اسباب منع صرف میں ایک وزن فعل ہے۔ شرطُہُ اسکی شرط یہ ہے اَنْ یُّخْتَصَّ بِہٖ کہ وہ وزن خاص ہو فعل کے ساتھ۔وزن فعل اُس وقت غیر انصراف کا سبب بنے گا جب وہ وزن فعل کے ساتھ خاص ہو۔ اور وہ وزن اسم کے اندر نہ ہو۔ سوال پیدا ہوتا ہے جب یہ وزن اسم میں نہیں آتا تو پھر یہ غیر منصرف کا سبب کیسے بنے گا۔ کیونکہ غیر منصرف تو اسم ہوتا ہے فعل نہیں ہوتا۔ جواب یہ ہے کہ اسم میں پایا جائے تو فعل سے نقل ہو کر آئے۔ کَشَمَّرَ و ضُرِبَ شمَّرَ بروزن کرَّم یہ وزن اسم میں نہیں پایا جاتا اور صرف فعل میں پایا جاتا ہے۔ جیسے ایک آدمی نے اپنے گھوڑے کا نام شمَّرَ رکھا۔ اور ضُرِبَ یہ وزن بھی اسم میں نہیں پایا جاتا اور صرف فعل میں پایا جاتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ وزن اسم میں بھی آیا ہے لیکن بہت قلیل۔ او یکونَ فِی اولِّہٖ زیادۃٌ کزیادتِہٖ یا اس کے شروع میں ایسی زیادتی ہو جیسے فعل کے شروع میں زیادتی ہو۔ اگر ایسا وزن ہو جو فعل کے ساتھ خاص نہ ہو، یعنی فعل میں بھی آتا ہو اور اسم میں بھی آتا ہو، پھر اسکے غیر منصرف ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے شروع میں حروف اتین میں سے کوئی حرف آنا چاہئے۔ تا کہ فعل کے ساتھ اسکی مشابہت تام ہو جائے۔ دوسری شرط یہ کہ تاء کو قبول نہ کرے۔ یعنی اسکے آخر میں تاء نہ آئے۔ کیونکہ گول تا اسم کی علامت ہے۔ اور بات وزن فعل کی چل رہی ہے۔ جس نے مؤثر ہو کر اسم کو غیر منصرف بنانا ہے۔ تا چونکہ اسم کی بڑی علامت ہے۔ اگر یہ وزن فعل کے اندر آ جائے تو پھر اس کی مشابہت تام نہیں رہتی۔ غیرَ قابلٍ لِلتَّاءِ اس حال میں کہ وہ تاء کے قابل نہ ہو۔ یعنی تاء کو قبول کرنے والا نہ ہو۔ یعنی کسی بھی حال میں تاء کو قبول نہ کرے۔ چاہے اس کی مؤنث کیوں نہ بنا دے۔ وَ مِن ثَمَّ اور اسی وجہ سے اِمتَنَعَ اَحْمَرُ احمر کی صرف ممتنع ہے۔ یعنی احمر غیر منصرف ہے۔ اس میں ایک سبب وصف اور دوسرا وزن فعل ہے۔ احمر بروزن اکرم: سرخ، صفت

مشبہ ہے۔ یہ وزن اکرم فعل کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اسم میں بھی پایا جاتا ہے۔ تو اس کے لئے پہلی شرط یہ تھی کہ اس کے شروع میں حروف اتین سے کوئی حرف آنا چاھئے اور یہاں ہمزہ آیا ہے۔ اور دوسرا شرط یہ کہ یہ تاء کو قبول نہ کرے۔ احمر کی مؤنث حمراء آتی ہے۔ تو دوسری شرط بھی پائی گئی۔ لہٰذا احمر غیر منصرف ہوا۔ و انصرفَ یَعْمَلٌ اور یعملٌ منصرف ہے۔ یعملٌ: ای جملٌ یعملٌ: ایسا اونٹ جو بہت کام کرنے والا ہو۔ اور اگر اونٹنی ہو تو ناقۃٌ یعملَۃٌ : بہت کام کرنے والی اونٹنی۔ یعمل یہ وزن فعل میں بھی آتا ہے جیسا کہ یفتح اور اسم میں بھی آتا ہے، جیسا کہ جَعفر، اَحمر، اَضْرب وغیرہ۔ اب چونکہ یہ وزن فعل کے ساتھ خاص نہیں تو اس میں دو شرطیں دیکھنا ہوگا۔ پہلا اس کے شروع میں حروف اتین، اور یعمل کے شروع میں یاء آتی ہے۔ دوسرا شرط کہ یہ تاء کو قبول نہ کرے حالانکہ اسکا مؤنث یعملۃ تاء کو قبول کرتی ہے۔ لہٰذا دوسرا شرط نہیں پایا گیا تو یعملٌ منصرف ہوا۔ لہذا یہ وزن فعل غیر منصرف کا سبب نہیں بنتا۔

ابھی تک ہم نے یہ پڑھا کہ منصرف کیسے غیر منصرف بنتا ہے۔ اب مصنفؒ بتلائے گا کہ غیر منصرف کیسے منصرف بن سکتا ہے۔ و ما فیه علمیةٌ مؤثرةٌ اور وہ غیر منصرف کہ جس کے اندر ایسی علمیت تھی جو مؤثر تھی۔ اذا نُکِّرَ صُرِفَ جب اُس کو نکرۃ بنا دیا جائے تو وہ منصرف بن جاتا ہے۔ مثلا زید جو کہ علم ہے۔ اگر پورے جماعت کا نام زید رکھا جائے تو پھر یہ علم نہیں بلکہ نکرۃ رہا۔ بعض اسباب منع صرف میں علمیت شرط ہے اور بعض کے ساتھ ویسے جمع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ عدل کے ساتھ علمیت شرط نہیں بلکہ ویسے جمع ہو جاتا ہے۔ وصف کے ساتھ علمیت جمع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ علم دلالت کرتا ہے ذات معین پر اور وصف دلالت کرتا ہے ذات غیر معین پر۔ تانیث بالالف تو خود دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ تانیث بالتاء اور تانیث معنوی دونوں میں علمیت شرط تھی۔ معرفۃ تو خود علمیت ہے۔ عجمۃ میں علمیت شرط تھی۔ جمع تو خود دو سببوں کے قائم مقام ہے۔ ترکیب میں علمیت شرط تھی۔ الف نون زائدہ تان کے ساتھ علمیت اُس وقت شرط تھی جب وہ اسم ہو۔ وزن فعل میں علمیت شرط نہیں اور جمع ہو سکتی ہے۔ جیسے شمَّر گھوڑے کا نام رکھا۔

تو جن جن اسباب کے ساتھ علمیت شرط ہے، اگر اُن سے علمیت ختم کر دے تو وہ اسم نکرۃ بن جائے گا اور منصرف بن جائے گا، لیکن اب وہ اس حال میں ہے کہ اُس میں ایک بھی سبب موجود نہیں۔ جیسا کہ طلحۃ اگر کسی جماعت کا نام رکھا جائے۔ تو اس میں اب غیر انصراف کا ایک بھی سبب باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ تانیث بالتاء کے لئے علمیت شرط تھی۔ اور جب شرط ختم ہوئی تو مشروط بھی ختم ہوا۔

اور یہ جو ہیں عدل اور وزن فعل۔ ان دونوں میں علمیت شرط نہیں بلکہ ویسے جمع ہو جاتی ہے۔ اور اگر ان سے علمیت ختم کر دے تو اب بھی ایک سبب باقی رہ جائے گا۔ عدل اور علمیت سے علمیت ختم کرے تو عدل باقی رہ گیا۔ اور وزن فعل اور علمیت سے علمیت ختم کر دے تو وزن فعل باقی رہ جائے گا۔ اور یہ اسم بھی غیر منصرف تھا اب منصرف ہوا۔ حالانکہ اس میں اب بھی ایک سبب اسباب منع صرف سے باقی ہے۔

لَما بوجہ اُسکے، دلیل دے رہے ہیں تبین ظاہر ہوا۔ بھئی ماقبل کے سارے بحث سے ظاہر ہوا۔ کیا ظاہر ہوا، آگے مِن بیان کے لئے ہے۔ مِنْ یعنی کہ اَنّها لا تُجامِعُ کہ یہ علمیت جمع نہیں ہوتی مُؤثِّرَةً اس حال

میں کہ یہ مؤثر بھی ہو۔ الا مگر ما اُس سبب کےساتھ ھی کہ یہ علمیت، ھی ضمیر راجع ہے علمیت کو، شرطٌ فیہِ اُس سبب میں شرط ہوتی ہے۔ الا العدلَ و وزن الفعل سوائے عدل کے اور وزن فعل کے۔ ان دو میں شرط کے علاوہ جمع ہو جاتی ہے۔

آگے مصنف ؒ ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں۔ آپ نے کیا کہا کہ علمیت بعض میں شرط کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے اور عدل اور وزن فعل میں بغیر شرط کے بھی جمع ہو جاتی ہے۔ اور انکو جب نکرۃ بنا دیا جائے تو کلمۃ منصرف بن جائے گا۔ بھئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک کلمۃ کے اندر علمیت بھی ہو، عدل بھی ہو اور وزن فعل بھی ہو۔ اب اگر علمیت کو ختم بھی کیا جائے تو پھر بھی دو اسباب باقی رہ جاتے ہیں۔ تو کلمه پھر بھی غیر منصرف رہے گا۔ صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو سکتا، کہ علمیت آپ ختم کر دے اور اس میں عدل اور وزن فعل باقی رہ جائے۔ کیونکہ عدل اور وزن فعل ایک دوسرے کے ضد ہیں۔ اور یہ دونوں کبھی آپس میں جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عدل کے چھ اوزان ہیں اور ان میں سے کوئی بھی وزن فعل کا نہیں۔ و هما متضَادَّانِ اور یہ دونوں آپس میں متضاد ہیں۔ فلا یکونُ معَہا پس نہیں ہوگا علمیت کے ساتھ، ھا ضمیر راجع ہے علمیت کو، الّا احدُھُما مگر دونوں میں سے ایک۔ یعنی عدل اور وزن فعل میں سے ایک علمیت کے ساتھ آئے گا اور دونوں نہیں آ سکتے۔ فاذا نُکِّرَ اور جب اسم کو نکرۃ بنا دیا جائے بَقِـیَ بِلا سَبَبٍ تو اسم باقی رہ جائے گا اس حال میں کہ وہ بغیر کسی سبب کے ہوگا۔ جن میں علمیت شرط ہے تو وہ بغیر سبب کے رہے گا۔ و علی سبب واحد اور یا اسم رہ جائے گا ایک سبب پر۔ تو جن میں علمیت شرط نہیں تو اس میں ایک سبب باقی رہے گا۔ اور وہ عدل اور وزن فعل ہیں۔

درس 20۔

و خالفَ سِیـبَـوِیهِ الاخفشَ اور مخالفت کی ہے امام سیبویہ ؒ نے امام اخفش ؒ کی۔ خالفَ فعل ہے اور سیبویہ اسکا فاعل ہے۔ سیبوئِه مرکب صوتی ہے۔ وہ مرکب جس کا ایک جز صوت ہے۔ اس میں "وِیـه" یہ صوت ہے۔ اس میں پہلا جز سیبَ مبنی علی الفتح ہے۔ اور دوسرا جز ویـهِ مبنی علی الکسرۃ ہے۔ تو اسکے دونوں جز مبنی ہیں۔ تو سیبویہ محلًا مرفوع ہوا۔ اخفشَ مفعول ہے۔ فی مثلِ اَحمَرَ اَحْمَرَ جیسے اسموں کے اندر۔ احمر سے مراد ایسے اسماء ہیں، جو کہ غیر منصرف ہو اور جن میں ایک سبب وصفیت اصلی ہو ساتھ کوئی ایک اور سبب بھی ہو۔

مثلا احمر میں ایک وصفیت ہو اور دوسرا وزن فعل۔ جب احمر کسی آدمی کا نام رکھا جائے، تو اب اس سے وصفیت تو چلی گئی لیکن یہ اب بھی غیر منصرف ہے۔ پہلے اس میں وصف اور وزن فعل تھا۔ اب اس میں علمیت اور وزن فعل ہے۔ اب ہم احمرَ(علم) کو نکرۃ بناتے ہیں۔یعنی ایک جماعت کا نام احمر رکھتے ہیں۔ جب نکرۃ بنایا تو علمیت ختم ہوگئی۔ اب سوال یہ کہ اب احمر منصرف ہے یا غیر منصرف۔ امام اخفش ؒ کے نزدیک اب یہ منصرف ہے، اور اس میں صرف ایک سبب وزن فعل ہے۔ اب اس میں وصفیت بغیر کسی وجہ کے خود بخود نہیں آ سکتا۔ جبکہ امام سیبویہ ؒ فرماتے ہیں، کہ وہ وصفیت پھر واپس آ جائے گی، اور یہ اسم غیر منصرف رہے گا۔ علمیت کے جانے کے بعد بھی یہ غیر منصرف رہے گا، اور اس میں وصف اور وزن

فعل دو سبب ہیں۔ عَلَمًا اس حال میں کہ وہ علم ہو، یہ احمر سے حال ہے۔ یعنی احمر جیسے اسم اس حال میں کہ وہ علم ہو۔ اذا نُكِّرَ جب انکو نکرۃ بنایا جائیں۔ إعتبارا یہ مفعول لہ ہے خالفَ کے لئے۔ مخالفت کی، کس لئے؟ اعتبار کرنے کے لئے، ضربتُ زیدًا تادیبا: یہ تادیبا مفعول لہ ہے۔ للصفة صفت کا۔ یعنی امام سیبویہؒ اس بات کا اعتبار کرتے ہیں کہ جب احمر کو نکرۃ بنایا جائے تو پھر اُس میں صفت واپس آ جاتی ہے۔ اور امام اخفشؒ فرماتے ہیں کہ جب صفت ایک مرتبہ چلی گئی تو بغیر کسی وجہ کے واپس نہیں آ سکتی۔ بعدَ التنكير تنکیر کے بعد۔ امام سیبویہ استاد ہے اور امام اخفش اُنکے شاگرد ہے۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے، بھئی دیکھو امام سیبویہؒ ہے استاد اور امام اخفشؒ ہے شاگرد۔ اور صاحب کافیہؒ نے فرمایا کہ امام سیبویہؒ نے مخالفت کی ہے امام اخفشؒ کی۔ حالانکہ وہ استاد ہے اور ادب کا تقاضا یہ ہے کہ مخالفت کی نسبت شاگرد کی طرف کرنی چاہئے تھی، کہ شاگرد نے مخالفت کی ہے اپنے استاد کی۔ لیکن یہ فرماتے ہیں کہ استاد نے مخالفت کی ہے اپنے شاگرد کی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ صاحب کافیہ نے ایسا کیوں کیا؟ تو جواب یہ کہ کیونکہ شاگرد کا قول قاعدے کے مطابق تھا، اس لئے مخالفت کی نسبت امام سیبویہؒ کی طرف کر دی۔ تا کہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ اِن کا قول قاعدے کے مطابق ہے۔ اگر صاحب کافیہ ایسا نہ کرتے تو پھر اس نکتے کہ طرف اشارہ نہ ہو جاتا۔ اور پھر پتہ نہ چلتا کہ کس کا قول قاعدے کے مطابق ہے اور کس کا قول قاعدے کے مطابق نہیں۔ تو اس نکتہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مخالفت کی نسبت امام سیبویہؒ کی طرف کی۔

و لا يَلزَمُهُ اور امام سیبویہؒ پر لازم نہیں آتا، لزم یلْزَمُ، بابُ حَاتِمٍ باب حاتم کا۔ یعنی امام سیبویہؒ پر باب حاتم کا اعتراض لازم نہیں آتا۔ باب حاتم کا غیر منصرف ہونا امام سیبویہؒ پر لازم نہیں آتا۔ اصل عبارت یوں کر لو: ای و لا يلزَمُهُ عَدَمُ انصِرَافِ بابِ حاتِمٍ: لازم نہیں آتا اُن پر باب حاتم کا غیر منصرف ہونا۔ بھئی یہ ایک اشکال ہو رہا تھا امام سیبویہؒ پر۔ تو اُسکا جواب دے رہے ہیں کہ نہیں بھئی یہ اشکال امام سیبویہؒ پر نہیں ہو سکتا۔

امام سیبویہؒ نے فرمایا تھا کہ احمرَ جیسے لفظ کو جب آپ علَم بنا دیتے ہیں، تو وصفیت تو چلی گئی لیکن اب بھی غیر منصرف ہے۔ اور غیر انصراف کا ایک سبب علم اور دوسرا وزن فعل ہے۔ لیکن اگر آپ پھر اسکو نکرۃ بنائیں تو وہ وصفیت واپس آ جائے گی۔ اور پھر بھی غیر منصرف رہے گا۔ اب وصف اور وزن فعل دو اسباب ہیں منع صرف کے۔ پس معلوم ہوا اُس وصفیت کو زائل ہو جانے کے بعد بھی امام سیبویہؒ اُس کا اعتبار کرتے ہیں ۔ تو جب وصفیت زائل ہو گئی اور امام سیبویہؒ پھر بھی اُس کا اعتبار کرتے ہیں، تو حاتِم جیسے لفظوں میں بھی اُن کو وصفیت کا اعتبار کر لینا چاہئے۔

کہتے ہیں کہ حاتِم سے مراد ایسا اسم ہے، جو اصل وضع میں تو وصف ہو، لیکن فی الحال علَم ہو۔ حاتِم بروزن فاعل، اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اسم فاعل صفت کا صیغہ ہوتا ہے۔ تو حاتِم میں وصفیت تھی لیکن اب اس کو علَم بنا دیا گیا۔ اب اسکے اندر وصفیت نہیں۔

امام سیبیویہؒ پر اشکال ہوتا ہے کہ اے امام سیبویہؒ آپ نے احمر کے مسئلے میں وصفیت کا اعتبار زوال کے بعد بھی کیا تھا، تو یہاں بھی باب حاتم کے اندر وصفیت زائل ہو چکی، اور آپ کو اُس کا اعتبار کرنا

چاہئے۔ اور حاتم جیسے لفظوں کو غیر منصرف ہونا چاہئے۔ یعنی غیر انصراف کا ایک سبب علم اور دوسرا سبب وصف ہوا۔ اگر چہ وصف ابھی زائل ہو چکا ہے، لیکن چونکہ امام سیبویہؒ زوال کے بعد بھی وصف کا اعتبار کرتے ہیں۔ لہٰذا یہاں بھی وصف کا اعتبار کرنا چاہئے تھا۔ لیکن آپ اس کو غیر منصرف نہیں کہتے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض امام سیبویہؒ پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس صورت میں دو متضاد چیزوں کا جمع ہونا لازم آئے گا ایک حکم میں۔ یعنی حکم تو یہ ہے کہ لفظ کو غیر منصرف پڑھنا ہے۔ اور دو متضاد چیزیں وصف اور علمیت ہے۔ اور یہ دونوں ایک کلمہ میں جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وصف ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور علم ذات معین پر دلالت کرتا ہے۔

لِـمَا بوجہ اُس(چیز)کے یَلْزَمُ جو لازم آتی ہے، بھئی کیا چیز لازم آتی ہے۔ آگے مِن بیانیہ ہے۔ اور "یعنی" کے ساتھ اس کا ترجمہ کرے۔ من اعتبار المتضادین یعنی اعتبار کرنا دو متضاد چیزوں کا فی حکمٍ واحدٍ ایک ہی حکم میں۔

صاحب کافیہ یہاں سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ غیر منصرف پر جب الف لام داخل ہو جائے یا اس کی اضافت کی جائے، تو اب اس پر کسرۃ آ جائے گا۔ تنوین اب بھی نہیں آ سکتا۔ کیونکہ جس اسم پر الف لام داخل ہو یا اسکی اضافت کی جائے تو اس پر تنوین نہیں آتا۔ مثلاً عمر غیر منصرف ہے۔ اگر اسکی اضافت کی جائے یا اس پر الف لام داخل ہو جائے تو اب اس پر کسرۃ آ سکتا ہے۔ تو اب آپ کہیں گے، جاءنی العمرُ، رأیتُ العمرَ، مررتُ بالعمرِ، اور اضاف کی صورت میں جاءنی عُمَرُکَ، رأیتُ عمرَکَ، مررتُ بعمرِکَ۔ و جمیعُ البابِ اور سارے کا سارا باب۔ یعنی غیر منصرف کا سارے کا سارا باب۔ الباب میں الف لام خارجی ہے۔ ای بابُ غیر المنصرفِ باللام اس حال میں کہ وہ لام کے ساتھ ہو، او بالاضافة یا اضافت کے ساتھ ہو، یَنْجَرُّ بالکسر مجرور ہوگا کسرۃ کےساتھ۔ یعنی باقاعدہ غیر منصرف پر کسرہ کی حرکت آئے گی۔ ویسے جر تو غیر منصرف پر بھی آتا ہے۔ جیسا کہ مررتُ بعمرَ۔ تو اس میں یہ عمرَ مجرور ہے۔ لیکن اس کی جر فتحہ کی صورت میں آئی۔

غیر منصرف کی مشابہت فعل کے ساتھ ہے۔ جس طرح فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا اسی طرح غیر منصرف پر بھی کسرہ اور تنوین نہیں آتا۔ لیکن جب اس پر الف لام داخل ہوا یا اسکی اضافت کی گئی۔ تو الف لام کا دخول اور اضافت یہ اسم کے دو بڑے خاصّے ہیں۔ تو اسکی وجہ سے غیر منصرف کی مشابہت فعل کے ساتھ کمزور پڑ گئی، لہٰذا اس پر اب کسرہ آ سکتا ہے۔

کسرہ آنے کے بعد اب یہ غیر منصرف ہے یا منصرف۔ تو بعض علماء کے نزدیک منصرف ہے اور بعض علماء کے نزدیک غیر منصرف۔

درس 21۔

المرفوعات یہاں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ مبتدا مخذوف "هٰذِهٖ" نکالے۔ ای هٰذِهٖ المرفوعاتُ۔ کیونکہ المرفوعات جمع ہے۔ اور جمع بتاویل جماعۃ کے واحد مؤنث کے حکم میں ہوتا ہے، اور اسکی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹایا جاتا ہے۔ یا اس کے لئے "هٰذِهٖ" خبر نکالے۔ ای المرفوعاتُ هٰذِهٖ۔ یا هٰذَا مبتدا مخذوف لے

آؤ۔ اور اس سے پہلے بحث مضاف مخذوف کا لفظ لے آؤ۔ کیونکہ المرفوعات مؤنث ہے اور ھذا مذکر ہے۔ لہٰذا مطابقت نہیں بنتا۔ اس لئے بحث مضاف مخذوف نکالو۔ ای ھٰذا بحثُ المرفوعاتِ یا بحثُ المرفوعاتِ ھٰذا۔ یا کوئی ترکیب نہیں بس عنوان ہے۔ اور المرفوعات پڑھو۔ اور عنوان کے لئے کوئی عامل نہیں ہوتا۔ اس لئے اس پر نہ رفع پڑھ سکتے ہیں، نہ نصب اور نہ ہی جر۔ یا المرفوعات مبتدا اور آگے "ھو ما اشتمل علی علم الفاعلیة" یہ اسکا خبر۔ ھو وہ ہے، ھو ضمیر راجع ہے مرفوع کو۔ سوال یہ ہے کہ مرفوع تو پیچھے کوئی گزرا ہی نہیں۔ تو مرفوع کی طرف کیسے ھو ضمیر کو لوٹاتے ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرفوعات کا لفظ جب آیا تو اس نے مرفوع مفرد پر بھی دلالت کی۔ تو اس لئے اس کی طرف ھو ضمیر راجع کی۔ اور وہی مرفوع کے تین افراد جب مل جائے تو مرفوعات بن گیا۔ جیسا کہ رجالٌ کا معنیٰ ہے رجلٌ و رجلٌ و رجلٌ۔ ما اشْتملَ جو کہ مشتمل ہو علیٰ عَلَم الفاعلیة فاعل ہونے کی علامت پر۔ رفع فاعل ہونے کی علامت ہے۔ رفع کبھی ضمة کی صورت میں آئے گا۔ جیسا کہ جاءنی رجلٌ، کبھی رفع الف کی صورت میں آئے گا۔ جیسا کہ جاءنی رجلانِ، اور کبھی رفع واو کے ساتھ آئے گا، جیسا کہ جاءنی مسلمونَ۔ تو رفع کی تین صورتیں ہیں۔

مرفوع وہ ہے جو کہ فاعل ہونے کی علامت پر یعنی ضمه، الف یا واو پر مشتمل ہو۔ چاھے لفظًا ہو، چاھے تقدیرًا ہو چاھے محلًا ہو۔

صفت کے صیغے کے ساتھ کبھی کبھار یاء اور تاء ملا کر اسکو مصدر بنایا جاتا ہے۔ فاعل صفت ہے اور اسکے ساتھ یاء اور تاء ملائی تو فاعلیة مصدر بنا۔ جسا معنیٰ "فاعل ہونا" ہے۔ مفعول سے مفعولیة بمعنیٰ مفعول ہونا۔

نوٹ: ضمیر فصل: کبھی کبھار جب خبر بھی معرفة ہو تو شبه پڑھتا ہے کہ یہ آپس میں موصوف صفت ہے۔ جیسا کہ "زیدٌ القائمُ" = زیدُنِ القائمُ۔ زید مبتدا ہے، القائمُ خبر ہے۔ لیکن بظاھر دیکھتے ہی یہ شبه پڑھتا ہے کہ شائد زید موصوف ہے، چونکہ یہ بھی معرفة اور القائم بھی معرفة، تو یہ اسکی صفت ہے۔ تو ایسے موقعوں پر جب خبر معرفة ہو، یا افعل التفضیل مستعمل به مِن ہو، تو پھر درمیان میں مرفوع منفصل کا ایک صیغه لے آتے ہیں۔ اور اُسکو ضمیر فصل کہتے ہیں۔ بعض علماء اس کو ضمیر شمار کرتے ہیں اور بعض اسکو حرف شمار کرتے ہیں۔

تو دیکھو، المرفوعات بھی معرفة، "ما" اسم موصول بھی معرفة۔ تو مبتدا بھی معرفة، خبر بھی معرفة، تو درمیان میں "ھو" کو ضمیر فصل کہہ سکتے ہوں، لیکن یہاں نہیں کہہ سکتے۔ اس ھو کو یہاں ضمیر فصل کیوں نہیں کہہ سکتے۔ اس کی وجه یہ ہے کہ ضمیر فصل کی مبتدا کے ساتھ مطابقت ضروری ہے۔ اور مبتدا تو ہے جمع تو یہاں بھی ضمیر جمع کا ہونا چاھئے۔ لہٰذا اس کو ضمیر فصل نہیں بنا سکتے۔ اب ترکیب یوں ہوگا۔

المرفوعات مبتدا اوّل، اور ھوَ ہے مبتدا ثانی، اور "ما اشتمل علی علم الفالیة" یہ مبتدا ثانی کی خبر ہے۔ مبتداء ثانی اپنے خبر کے ساتھ مل کر یہ جمله اسمیه خبریه ہو کر خبر ہوا مبتداء اوّل کے لئے۔

فمنهُ الفاعلُ پس وہ جو مشتمل ہے فاعل ہونے کی علامت پر اُن میں سے ایک فاعل ہے۔ ما ضمیر راجع ہے "ما" کو۔ فاعل پر بھی رفع آتا ہے۔ و ھو ما اور فاعل وہ اسم ہے اُسنِدَ الیهِ الفِعلُ کہ اُس کی طرف

فعل کا اسناد کیا جائے اَوْ شِبْهُهٗ یا شبہ فعل کا۔ دو مثالیں ذہن میں رکھو۔ آگے متن میں بھی یہ مثالیں آ رہے ہیں۔ قامَ زیدٌ اور زیدٌ قائمٌ ابوهُ۔ پہلی مثال میں زید فاعل ہے قامَ کے لئے۔ اور زید کی طرف فعل کا اسناد ہے۔ اور دوسری مثال میں ابوهُ یہ فاعل ہے قائمٌ کے لئے۔ اور ابوهُ کی طرف شبہ فعل کا اسناد ہے۔ و قُدِّمَ علیهِ اس حال میں کہ وہ فعل یا شبہ فعل اُس(فاعل) پر مقدم ہو۔ پہلی مثال میں قامَ مقدم ہے زید پر۔ اور دوسری مثال میں قائمٌ مقدم ہے ابوهُ پر۔ علیٰ جهةِ قیامِهٖ اس طریقے پر کہ قیام ہو اُس فعل یا شبہ فعل کا۔ ها ضمیر فعل یا شبہ فعل کو راجع ہے۔ بِهٖ اُس اسم کے ساتھ۔ ها ضمیر اسم کو راجع ہے۔ یعنی فعل یا شبہ فعل کا اسناد قیام کے طریقے پر ہو۔ اگر وقوع کے طریقے پر ہو تو پھر یہ فاعل نہیں بلکہ مفعول ہے۔ اسی طرح نائب الفاعل کی طرف بھی فعل یا فاعل کا اسناد قیام کے طریقہ پر نہیں بلکہ وقوع کے طریقے پر ہوتا ہے۔

یہاں پہلی مثال قامَ زیدٌ میں قیام زید کے ساتھ قائم ہے۔ زید ہے تو قیام ہے زید نہیں تو قیام نہیں۔ اور زیدٌ قائمٌ ابوهُ میں قیام، ابوهُ کے ساتھ قائم ہے۔ ابوهُ ہے تو یہ قائمٌ ہے ابوهُ نہیں تو یہ قائمٌ نہیں۔

یاد رکھو جیسے فعل، فاعل یا نائب فاعل کا تقاضا کرتا ہے، اسی طرح اسم فاعل بھی فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ اور اسم مفعول نائب الفاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ فاعل کبھی ضمیر کی صورت میں آتا ہے اور اسم ظاہر کی صورت میں آتا ہے۔ اسم فاعل میں عام طور پر ضمیر فاعل ہوتا ہے۔ اسی طرح صفت مشبہ، اسم تفضیل بھی فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ مصدر بھی فاعل کا تقاضا کرتا ہے، لیکن اس کے ساتھ فاعل کا آنا ضروری نہیں۔ ظرف حقیقی (اسم ظرف زمان اور اسم ظرف مکان) اور ظرف مجازی (جار مجرور) یہ بھی فاعل کا تقاضا کرتے ہیں۔ اور یہ سارے شبہ فعل کہلاتے ہیں۔ یہ مشابہ ہے فعل کے۔ جیسے فعل تقاضا کرتا ہے فاعل کا یہ بھی فاعل کا تقاضا کرتے ہے۔

تو معلوم ہوا کہ فاعل یا نائب فاعل فعل یا شبہ فعل سے مؤخر ہوگا۔ اور فعل کا اس کی طرف اسناد ہوگا۔ جیسا کہ ضربَ زیدٌ میں زیدٌ یہ فاعل ہے ضربَ کی طرف۔ ضربَ کا اسناد ہوا ہے زید کی طرف۔ اور یہ زید، ضربَ پر مؤخر ہے۔ اور یہ ضرب، زید کے ساتھ قائم ہے واقع نہیں۔ قائم کا معنیٰ یہ ہے کہ زید ہے تو یہ ضرب کا فعل ہے اور زید نہیں تو یہ ضرب کا فعل بھی نہیں۔ اور ضربَ زیدٌ عمرًوا میں عمرو پر ضرب کا فعل واقع ہو رہا ہے۔ تو زید کی طرف فعل کا اسناد ہے۔ اور اسناد بھی اس طریقے پر کہ فعل اُس کے ساتھ قائم ہے۔

مثلُ قامَ زیدٌ فعل کی مثال و زیدٌ قائمٌ ابوهُ شبہ فعل کی مثال والاصلُ اَن یَّلِیَ الفعلَ اور اصل فاعل میں یہ ہے کہ وہ فاعل ملا ہوا ہو فعل کے ساتھ۔ یعنی فعل کے فورًا بعد فاعل کو آنا چاھئے۔ فلذلک اسی وجہ سے جازَ جائز ہے ضَربَ غلامَهٗ زیدٌ یہ ترکیب جائز ہے۔ اس میں ضربَ فعل، غلامَ منصوب لفظًا مضاف، ها ضمیر مجرور محلًا مضاف الیہ، یہ ها ضمیر زید کو راجع ہے۔ اس پر فورًا اشکال ہوتا ہے کہ ضمیر پہلے آیا اور زید کا ذکر تو بعد میں آ رہا ہے۔ یہ تو اضمار قبل الذکر ہوا۔ تو جواب اسکا یہ ہے کہ فاعل میں اصل یہ ہے کہ وہ فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ یعنی فاعل رتبہ کے لحاظ سے فورًا فعل کے بعد ہے۔ تو یہاں پر زید لفظوں کے اعتبار سے اگر چہ مؤخر ہے لیکن رتبتًا غلامَهٗ پر مقدم ہے۔ تو کلام دراصل

یوں ہے۔ ضربَ زیدٌ غلامَهُ۔ و امتنَعَ اور جائز نہیں ہے ضرب غلامُهُ زیدًا اور یہ ترکیب جائز نہیں۔ اس لئے کہ غلامُهُ میں ھا ضمیر زید کو راجع ہے۔ اور زید مفعول بہ ہے۔ اور یہاں یہ مفعول لفظوں کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے اور رتبے کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے۔ تو یہ ہر لحاظ سے اضمار قبل الذکر ہے۔ لفظًا بھی اور رُتبتًا بھی۔ تو معلوم ہوا کہ اضمار قبل الذکر صرف لفظًا ہو تو جائز اور اگر لفظًا اور رتبتًا ہو تو پھر جائز نہیں۔

درس 22۔

یہاں سے صاحب کافیہ کچھ ایسی جگہیں بتلائیں گے، جہاں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔ پھر اسکے بعد کچھ ایسے جگہیں بتائیں گے کہ جہاں فاعل کو مفعول پر مؤخر کرنا واجب ہے۔ تو چار جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔ [1]واذا انتَفَى الاِعْرابُ فیهما لفظا اور جب منتفی ہو جائے اعراب دونوں سے لفظًا۔ یعنی فاعل اور مفعول دونوں سے لفظی اعراب منتفی ہو جائے۔ و القرینۃُ اور قرینۃ بھی منتفی ہو جائے۔ قرینۃ: ھو امرٌ یُشیرُ الی المطلوب۔ تو اس صورت میں فاعل کو فعل پر مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ ضَرب عیسیٰ موسیٰ۔ [2]اَو کان مُضْمَرًا مُتَّصِلاً یا فاعل ضمیرِ متصل ہو۔ جیسا کہ ضرب کے اندر ھو ضمیر متصل ہے۔ اسی طرح ضربا میں الف اور ضربوا میں واو ضمائر متصل ہیں۔الخ۔ تو اس میں ایک شرط یہ ہونا چاهئے کہ مفعول فعل سے مؤخر ہوگا۔ جب فاعل ضمیر متصل ہو اور مفعول فعل سے مؤخر ہو تو پھر فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے جیسا کہ ضربتُ زیدًا۔ اگر مفعول فعل پر مقدم ہو جیسا کہ زیدًا ضربتُ۔ تو اب مفعول مقدم ہوا فعل پر۔ تو اس صورت میں فاعل مفعول پر مقدم کرنا واجب نہیں۔ [3]او وقع مفعولُه بعد الَّا اور واقع ہو مفعول الّا کے بعد۔ تو اس صورت میں بھی فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ "مَا ضربَ زیدٌ الّا عمرًوا"۔ یہاں پر بھی ایک شرط ہے۔ اور شرط یہ ہے کہ الّا فاعل اور مفعول کے درمیان آ رہا ہو۔ یہ کلام اس پر بات پر دلالت کرتا ہے کہ زید کی ضاربیت عمرو میں بند ہے۔ اور عمرو کی مضروبیت عام ہے۔ یعنی زید نے صرف عمروا کی پٹھائی کی ہے۔ اور کسی کی پٹھائی نہیں کی۔ جبکہ عمرو کو زید نے بھی مارا اور احتمال ہے کسی اور نے بھی مارا ہوگا۔ اور یہ کلام اس پر دلالت نہیں کرتا کہ عمروا کی مضروبیت بند ہے زید کی ضاربیت کے ساتھ۔

اور اگر مفعول کو مقدم کرے تو پھر حصر الٹ ہو جائے گا۔ جیسا کہ مَا ضرب عمرًوا الّا زیدٌ تو اسکا معنی یہ ہوا کہ عمرو کی پٹھائی صرف زید نے کی، اور کسی نے نہیں کی۔ اور یہ کلام اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ زید کی ضاربیت صرف عمرو کے لئے ہے یا کسی اور کے لئے بھی ہے۔ تو اس میں عمرو کی مضروبیت بند ہے اور زید کی ضاربیت عام ہے۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی مثال میں ضاربیت بند تھی اور مضروبیت عام تھی۔ جبکہ دوسری مثال میں مضروبیت بند ہے اور ضاربیت عام ہے۔ [4]او معناها اس کا عطف الّا پر ہے۔ ای او وقع مفعولُهُ بعدَ معنیٰ الّا۔ پہلے کہا کہ مفعول الّا کے بعد واقع ہو۔ اب فرماتا ہے کہ معنیٰ الّا کے بعد واقع ہو۔ اس سے

مراد اِنَّمَـا ہے۔ جس طرح الّا بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے اسی طرح اِنما بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ اور حصر جز اخیر میں آئے گا۔ اگر اخیر میں فاعل ہو تو فاعلیت میں حصر آئے گا، اور اگر اخیر میں مفعول ہو تو مفعولیت میں حصر آئے گا۔ جیسا کہ ضَرَبَ زیدٌ الّا عمرًوا ۔ زید نے عمرو ہی کی پٹھائی کی ہے۔ اسی طرح اِنَّمَا ضرب زیدٌ عمرًوا۔ زید نے عمرو ہی کی پٹھائی کی ہے۔ معلوم ہوا زید کی ضاربیت عمرو میں بند ہے۔ اور عمرو کی مضروبیت عام ہے۔ تو انما بھی حصر کا فائدہ دیتا ہے اور حصر جز اخیر میں آئے گا۔ جیسا اس مثال میں عمرو جز اخیر ہے۔ اور اگر مفعول کو مقدم کرے تو حصر الٹ جائے گا۔ جیسا کہ اِنَّمَا ضربَ عمرًوا زیدٌ ۔ اب جز اخیر فاعل ہے اور فاعل کے ساتھ "ہی" لاؤ۔ عمرو کی پٹھائی زید ہی نے کی ہے۔ اب عمرو کی مضروبیت بند ہے زید کے اندر۔ اب مضروبیت کے اندر حصر آ گیا۔ وجبَ تقديمُهُ تو اس صورت میں فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے۔ ہا ضمیر فاعل کو راجع ہے۔

اب صاحب کافیہ ان چار صورتوں کو ذکر کرے گا جن میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہوتا ہے۔ [1] واذَا اتَّصَلَ بِهٖ ضميرُ مفعولٍ اور جب *فاعل کے ساتھ مل جائے مفعول کی ضمیر۔ اب فاعل کے ساتھ ضمیر مل گئی ہے اور ضمیر نے مفعول کی طرف لوٹنا ہے۔ تو مفعول کو لفظوں میں مقدم ہونا چاہئے۔* جیسا کہ ضَرَبَ غلامُهٗ زیدًا۔ اس میں غلام فاعل ہے اور اس کے ساتھ مفعول کی ضمیر لگی ہوئی ہے۔ تو اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ کیونکہ اضمار قبل الذکر رتبا اور لفظا آ رہا ہے۔ تو یوں کہیں گے، ضربَ زیدًا غلامُهُ۔ [2]او وقع بعد الا یا فاعل واقع ہو الّا کے بعد۔ اس میں شرط یہ ہے کہ الّا فاعل اور مفعول کے درمیان آ رہا ہو۔ تو اس صورت میں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ ما ضرب عمرًوا الّا زیدٌ۔ نہیں پٹھائی کی عمرو کی مگر زید نے۔ اس میں عمرو کی مضربیت بند ہے زید میں اور زید کی ضاربیت عام ہے۔ اور مَا ضربَ زیدٌ الّا عمرًوا میں حصر الٹ جائے گا۔ یعنی زید کی ضاربیت بند ہو جائے گی اور عمرو کی مضروبیت عام ہو جائے گی۔ [3] او معناها اور یا فاعل معنی الّا کے بعد آ رہا ہو یعنی انما کے بعد۔ تو اس صورت میں بھی فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ اور اس صورت میں حصر جز اخیر میں آئے گا۔ اِنَّمَا ضرب عمرًوا زیدٌ : عمرو کی پٹھائی کی ہے زید نے ہی۔ تو عمرو کی مضروبیت بند ہو گئی زید کے اندر اور زید کی ضاربیت عام ہو گئی۔ اور اگر آپ فاعل کو مقدم کرے جیسا کہ انّما ضرب زیدٌ عمرًوا تو اس صورت میں ضاربیت بند ہو جائے گی اور مضروبیت عام ہو جائے گی۔ [4] اَو اِتَّصَلَ بِهٖ مفعولُهٗ یا مل جائے فعل کے ساتھ اس کے فاعل کا مفعول۔ یعنی مفعول بھی ضمیر متصل ہو۔ بہ کی ہا ضمیر راجع ہے فعل کو۔ مفعولہ کی ہا ضمیر راجع ہے فاعل کو۔ و هو غيرُ متَّصِلٍ اس حال میں کہ فاعل غیر متصل ہو۔ واو حالیہ ہے، ہو ضمیر فاعل کو راجع ہے۔ جیسا کہ ضربتُ زیدًا : میں نے زید کی پٹھائی کی۔ یہاں فاعل ضمیر متصل ہے۔ اور ہم نے کہا کہ فاعل ضمیر متصل نہیں ہونا چاہئے۔ لہٰذا اس تا ضمیر کو ختم کردو اور آگے کوئی فاعل لے کر آؤ۔ جیسا کہ ضرب عمرًوا زیدٌ ۔ اب فاعل ضمیر متصل نہیں بلکہ اسم ظاہر ہے۔ اور مفعول ضمیر متصل ہونا چاہئے۔ اب ذرا عمروا کو گرا دو اور اس کی جگہ ضمیر متصل لے آؤ، ضربَهُ زیدٌ۔

اب مفعول ضمیر متصل ہے اور فاعل غیر متصل ہے۔ کہتے ہیں اس صورت میں بھی فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے۔ اور اگر آپ مفعول کی ضمیر کو مؤخر کرتے ہوں تو یوں کہنا ہوگا، "ضربَ زیدٌ ایّاہُ" ۔ یہ ایاہ ضمیر منصوب منفصل ہے۔ وجب تاخیرُہُ تو فاعل کو تاخیر کرنا واجب ہے۔

درس 23۔ و قد یُحْذَفُ الفعلُ اور کبھی کبھار فعل کو حذف کیا جاتا ہے، لقیامِ قرینۃٍ کسی قرینۃ کے قائم ہونے کی وجہ سے۔ یاد رکھو کہ فعل باقی ہو اور فاعل کو حذف کرے یہ جائز نہیں۔ اس میں تین صورتیں بنتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ فعل کو حذف کرے اور فاعل کو باقی رکھے۔ دوسری صورت کہ فاعل کو حذف کرے اور فعل کو باقی رکھے۔ اور تیسری صورت یہ کہ دونوں کو حذف کرے۔ اس میں فعل کو باقی رکھے اور فاعل کو حذف رکھے یہ جائز نہیں۔ باقی دو صورتیں جائز ہیں۔ اب یاد رکھو کہ جب آپ فعل کو حذف کرتے ہیں اور فاعل کو باقی رکھتے ہیں یہ دو قسم پر ہے۔ کبھی یہ جوازا ہوگا اور کبھی وجوبا ہوگا۔

صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ فعل کو حذف کرنا وہاں جائز ہوتا ہے جہاں کوئی قرینۃ موجود ہو۔ کوئی ایسی چیز موجود ہو جو ہمیں یہ بتلائے کہ یہاں پر فلاں فعل موجود ہے۔مثلا کوئی شخص آپ سے کہے "من قامَ" یعنی کون کھڑا ہوا۔ اور اپ کہہ دیں، "زیدٌ"۔ اصل میں "قام زید" کہنا چاھئے تھا۔ لیکن آپ نے قام فعل کو حذف کیا اور فاعل زید کو باقی رکھا۔ اور قام فعل کو قرینۃ کی وجہ سے حذف کیا۔ کیونکہ وہی قام فعل سوال کے اندر موجود ہے۔ تو جواب میں قام کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو اس صورت میں فعل کو حذف کرے تب بھی ٹھیک اور حذف نہ کرے تب بھی ٹھیک۔ جوازا اور یہ حذف جواز کے طریقے پر ہوگا۔ فی مثلِ زیدٌ جیسے کہ زید کے اندر لمن اس حال میں کہ یہ کہا گیا ہے اس شخص سے۔ قال جس نے یہ کہا تھا مَنْ قامَ کون کھڑا ہوا۔ یعنی ایک شخص نے کہا من قام اور اسے کہا گیا کہ زید۔ تو یہ قام سوال میں موجود تھا تو جواب سے حذف کیا گیا۔ تو فعل کو حذف کرنا یہاں جواز کے طریقے پر ہے۔

(شعر)

وَلْیُبْکَ یَزِیدُ ضارِعٌ لِخُصومۃٍ:: و مُختَبِطٌ مِمَّا تُطِیْحُ الطَّوَائِحُ

وَلْیُبْکَ یَزِیدُ چاھئے کہ رویا جائے یزید پر۔ سوال پیدا ہوا "مَنْ یَّبْکِیْہِ" یعنی اس پر کون روئے۔ تو جواب دیا یَبْکِیْہِ ضارِعٌ: اس پر ضارع روئے۔ اب ضارع فاعل ہے یَبْکِیْ فعل کا۔ جس کو شاعر نے حذف کر دیا۔ اور کیوں حذف کیا۔ اس لئے حذف کیا کہ اس پر قرینۃ موجود تھا جو کہ سوال تھا۔ تو صاحب کافیہ یہ بتلانا چاھتے ہے کہ اگر قرینۃ موجود ہو تو فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ چاھے وہ قرینہ سوال مُحقَّق کی صورت میں ہو یا سوال مُقدَّر کی صورت میں۔ تو پہلی مثال میں سوال محقق تھا۔ جس میں کسی دوسرے نے حقیقتا پوچھا تھا کہ "من قام" کون کھڑا ہے۔ اور اس دوسری مثال میں سوال مقدر ہے۔ ضارِعٌ ای یَبْکِیْہِ ضارِعٌ: ضارع: عاجز اور لاچار شخص، بے بس اور کمزور شخص۔ لِخُصومۃٍ:: لِـخُصُوْمَۃٍ میں لام وقت کے معنی میں ہے۔ جھگڑے کے وقت۔ جو شخص جھگڑے کے وقت کمزور ہے اسے یزید پر رونا چاھئے۔

شاعر مرثیہ میں فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو جھگڑے کے وقت کمزور اور لاچار ہو وہ یزید کے موت پر روئے۔ کیونکہ یزید کمزور اور لاچار لوگوں کی مدد کرتا تھا۔

و مُـخْتَبِطٌ مُخْتَبِطٌ: وہ شخص جو بغیر تعلق کے سوال کرے۔ اس کا عطف ضارعٌ پر ہے۔ مِمَّا مِمَّا اصل میں مِنْ مَا ہے۔ اس مِنْ مَا کے اندر جو مِن ہے وہ من سببیہ ہے۔ من اجلیہ ہے۔ اور ما مصدریہ ہے۔ ما مصدریہ وہ ہوتا ہے جو فعل پر داخل ہو کر فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے۔ تُطِيْحُ تُطِيْحُ: ہلاک کرنا، اَطَاحَ يُطِيْحُ اِطَاحَةً باب افعال ہے۔ الطَّوَائِحُ طوائح جمع ہے مُطِيْحَةٌ کی۔ مُطِيْحَةٌ: مہلک، طوائح: مہلکات، حوادثات

من سببیہ ہے، اسکی جگہ بسبب رکھ دو۔ ما مصدریہ ہے، ما تطیح، اطاحۃً کے معنی میں ہوا۔ اور ممّا تطیح، بسببِ اِطَاحَةً کے معنیٰ میں ہوا۔ بسبب ہلاک کرنے کے۔ اور یزید پر رونا چاھئے ضارع کو، اور اس ضارع پر عطف ہے مختبط کا، اور یزید پر رونا چاھئے اس شخص کو جو بغیر وسیلے کے سوال کرتا ہے۔ اور بغیر وسیلے کے کیوں سوال کرنے والا ہے، کہتے ہیں کہ بسبب اطاحۃ. بسبب ہلاک کرنے کے، طوائـحٌ یہ فاعل ہے تُطیحُ کے لئے۔ تو کون ہلاکر کرنے والے ہیں، یعنی حوادثات ہلاک کرنے والے ہیں۔ کس چیز کو ہلاک کرنے والے ہیں، مفعول مخذوف ہے، ای مالَهٗ : اسکے مال کو، یعنی حوادثات نے اس شخص کے مال کو ہلاک کر دیا ہے۔ یعنی مال کو ختم کر دیا ہے۔ اب وہ بغیر وسیلے کے سوال کر رہا ہے۔

اور چاھئے کہ اس پر روئے بغیر وسیلے کے سوال کرنے والا بسبب اطاحةِ الطوائحِ مالَهٗ بسبب ہلاک کرنے حوادثات کے اس کے مال کو۔ حواثات نے اس کے مال کو ہلاک کردیا ہے۔اس کا مال ختم ہو گیا۔ اب وہ آپ سے سوال کر رہا ہے بغیر کسی تعلق کے۔

تو چاھئے کہ یزید پر رویا جائے، کون روئے اس پر، کہتے ہیں، ایک وہ شخص جو عاجز اور لاچار ہے جھگڑے کے وقت، اور دوسرا وہ شخص جو بغیر وسیلے کے سوال کرنے والا ہے۔ بغیر وسیلے کے سوال کیوں کرتا ہے، وجہ یہ ہے کہ حوادثات نے اس کے مال کو ہلاک کر دیا ہے، اب وہ سوال کر رہا ہے۔ تو اس مختبط کو بھی اس پر رونا چاھئے کیونکہ وہ عاجز اور لاچار اور بغیر وسیلے کے سوال کرنے والے لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا۔

تو صاحب کافیہ یہ بتلانا چاھتے ہیں کہ فاعل کے فعل کو حذف کرنا جائز ہے اگر قرینۃ موجود ہو۔ اور وہ قرینۃ سوال محقق بھی ہو سکتا ہے اور سوال مقدر بھی۔ پہلی مثال سوال محقق کی تھی اور دوسری مثال یعنی شعر سوال مقدر کی تھی۔ اور سوال مقدر "من یبکیه" ہے۔ تو جواب دیا ضارعٌ ای یبکیهِ ضارعٌ۔

اب صاحب کافیہ فعل کو وجوبا حذف کرنے کا بتلا رہا ہے۔ و وُجوبًا اور فعل کو حذف کیا جائے گا وجوبا فِی مثلِ اس قسم کی مثالوں میں وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِـيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ اور اگر کوئی پناہ طلب کرے آپ سے مشرکین میں سے کوئی ایک، تو اسکو پناہ دے دیجئے۔ اصل میں ہے، وَ اِنِ اسْتِجَارَكَ : اور اے پیغمبرؐ آپ سے کوئی پناہ طلب کرے۔اِنْ کے بعد استجارک مخذوف ہے۔ اِسْتَجَارَ: پناہ طلب کرنا،

اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ: مشرکین میں سے کوئی ایک، اِسْتَجَارَكَ: آپ سے کوئی پناہ طلب کرے، اور اسکی جزا فَاَجِرْهُ ہے۔ فَاَجِرْهُ: تو اسے پناہ دے دیجئے۔ یہاں ان کے بعد استجارک مخذوف ہے۔ اور آگے آنے والا استجارک اس تفسیر بیان کر رہا ہے۔ وہ بتلا رہا ہے کہ اِنْ کے بعد اِسْتَجَارَكَ مخذوف ہے۔ تو مُفَسَّرْ ہے مخذوف، اور اسکی حذف پر مُفَسِّرْ دلالت کر رہا ہے۔

تو دیکھو یہ مقام ہے جہاں پر ایک فعل کو حذف کیا گیا اور اسکی فاعل احدٌ ہے۔ کہ اے پیغمبر آپ سے پناہ طلب کرے، کون پناہ طلب کرے،وہ اَحَدٌ منَ المشرِكِيْنَ ہے۔ تو فاعل موجود ہے۔ اور فعل کو حذف کیا تو اس حذف کی وجہ سے ابہام آیا۔ تو فعل کے حذف سے جو ابہام آیا تو اس ابہام کو دور کرنے کے لئے آگے تفسیر لائی۔ دوبارہ اِسْتَجَارَكَ کو لایا گیا۔ تو یہ اس اِسْتَجَارَكَ مخذوف کی تفسیر ہے۔

تو صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مقام پر فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور وہ مقام کونسا ہے۔ یعنی کہ جہاں ایک فعل کو حذف کرنے کی وجہ سے جو ابہام آیا ہو، اس ابہام کو تفسیر کے ساتھ دور کیا جائے۔ واجب کیوں؟ کہتے ہیں، اس لئے کہ یہ جو آپ تفسیر لائے ہیں، یہ کس مقصد کے لئے لے کر آئیں ہیں۔ حذف کی وجہ سے جو ابہام آیا تھا، اس کے لئے یہ تفسیر لایا۔ اب اگر آپ فعل کو ذکر بھی کر دے تو مُفَسِّرْ اور مُفَسَّرْ کا جمع ہونا لازم آئے گا۔ اور مفسِّر اور مفسَّر کا ایسے مقام پر جمع ہونا جائز نہیں۔

دیکھو کبھی کبھار ویسے فعل کے اندر ابہام ہوتا ہے تو پھر اسکی تفسیر کر سکتے ہیں آپ۔ کسی چیز میں ویسے ابہام ہوں۔ جیسا کہ جاءنِي اَخِي ای زيدٌ اس اخی میں ابہام تھا، کہ کون سا بھائی آیا؟ تو آپ نے ای کے ذریعے تفسیر کی۔ تو یہاں مُفَسِّر اور مُفَسَّر کو جمع کرنا جائز۔ کیونکہ ابہام حذف کی وجہ سے نہیں بلکہ معنی کی وجہ سے۔ تو اس صورت میں مُفَسِّر اور مُفَسَّر کو لا سکتے ہوں۔

لیکن یہ جو مثال ہے اس میں اِسْتَجَارَكَ کے اندر ویسے ابہام نہیں، حذف کیا تو ابہام آیا۔ تو یہاں تو ابہام آیا ہی حذف کی وجہ سے ہے، تو اس لئے تفسیر لانی پڑی۔ اب اگر آپ فعل کو ظاہر کر دے تو وہ ابہام تو باقی نہیں رہے گا۔ اور جب ابہام رہا ہی نہیں تو اب تو تفسیر لغو ہو گئی۔ تو مُفَسَّر تو لغو ہو جائے گا۔ پس لہذا اس مقام پر فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ سے پہلے آپ نے اِسْتَجَارَكَ کو مخذوف کیوں مانا؟ تو کیا ضرورت ہے کہ اِسْتَجَارَكَ کو مخذوف مانو؟ اس طرح کرو کہ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ کو فاعل کی بجائے مبتدا مانو اور اِسْتَجَارَكَ کو اسکی خبر مان لو۔ صاحب کافیہ کہتے ہیں کہ نہیں بھئی اسکو یہاں مبتدا نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ اِنْ آیا ہے۔ اور اِنْ حرف شرط یہاں داخل ہو رہا ہے اَحَدٌ پر جو کہ اسم ہے۔ اور اِنْ حرف شرط ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ اور اِنْ یہاں داخل ہوا اسم پر، تو اس سے معلوم ہوا کہ فعل مقدَّر ہے۔ اور جب فعل مقدر ہے تو یہ اَحَدٌ اس کے لئے فاعل بنا۔ اور اس کو مبتدا بنانا صحیح نہیں۔

و قد يُحذفان معًا کبھی کبھار دونوں کو اکھٹا حذف کر لیا جاتا ہے۔ یعنی فعل کو بھی اور فاعل کو بھی۔ مثلا کوئی آپ سے کہہ دیں کہ اقامَ زيدٌ اور آپ جواب میں کہہ دیں کہ نعم۔ تو آپ نے اقام فعل اور

زیدٌ فاعل دونوں کو اکھٹے حذف کیا۔ حالانکہ آپ کو نعم قام زیدٌ کہنا چاہئے تھا۔ لیکن آپ نے نعم کیوں کہہ دیا؟ کیونکہ قرینہ موجود ہے اور وہ قرینۃ سوال ہے۔ تو جب قرینۃ موجود ہو تو فعل اور فاعل دونوں کو حذف کرنا جائز ہے۔ فِی مثلِ نَعم جیسے کہ نَـعَمْ کی مثال میں۔ لمن اس شخص کو نعم کہا تھا قال أقام زیدٌ جس نے یہ کہا تھا "اقام زید"۔ ایک شخص نے کہا تھا اقام زید جس کو جواب میں کہا گیا کہ نعم۔ تو قرینۃ موجود ہونے کی وجہ سے فعل اور فاعل دونوں کو حذف کیا گیا۔

درس 24۔

تنازع فعلین اس کو کہتے ہیں کہ دو فعل یا دو سے زائد جھگڑا کرے، کسی اسم ظاہر کے بارے میں اور اسم ظاہر بھی اُسکے بعد آئے۔ ایک فعل چاھتا ہے کہ میں اس اسم ظاہر میں عامل بنو، جبکہ دوسرا فعل چاھتا ہے کہ میں اس اسم ظاہر میں عامل بنو۔اور وہ اسم ظاہر ان دونوں فعلوں کے بعد آ رہا ہے، اس لئے کہ اگر درمیان میں آیا تو پھر تو عامل پہلا فعل بنے گا۔

یہاں صاحب کافیہ نے فعلان تثنیہ کا صیغہ یعنی دو فعلوں کو ذکر کیا۔ دو سے زیادہ فعل بھی جھگڑا کر سکتے ہیں کسی اسم ظاہر کے بارے میں لیکن جھگڑا کے لئے کم سے کم دو فعل چاہئے۔ تو وہ صورت ذکر کر دی۔ نیز فعل کو ذکر کیا، حالانکہ اور عامل بھی جھگڑا کر سکتے ہیں۔ لیکن اصل عمل میں فعل ہے اس لئے اصل کو ذکر کیا، اور باقی کو اسی پر قیاس کرے۔

کبھی کبھی تنازع فاعلیت میں ہوگا۔ یعنی پہلا فعل بھی تقاضا کرے گا کہ آگے آنے والا اسم ظاہر میرا فاعل بنے، اور دوسرا فعل بھی تقاضا کریگا کہ وہ میرا فاعل بنے۔ اور کبھی دونوں کا تقاضا مفعولیت میں ہوگا۔ یعنی پہلا فعل بھی تقاضا کرے گا کہ آگے آنے والا اسم ظاہر میرا مفعول بنے، اور دوسرا فعل بھی تقاضا کریگا کہ وہ میرا مفعول بنے۔ اور کبھی کبھار دونوں کا تقاضا مختلف ہوگا۔ پہلا چاھے گا کہ اسم ظاہر میرے لئے فاعل بنے اور دوسرا چاھے گا کہ میرے لئے مفعول بنے۔ اور کبھی اسکا عکس ہوگا۔ تو یہاں کل چار صورتیں بن گئی۔

اب یاد رکھو یہاں دو قسم کے اختلافات ہیں۔ ایک اختلاف ہے جواز اور عدم جواز کا۔ یہ اختلاف ہے جمہور کے درمیان اور امام فرّا کے درمیان۔ جمہور کے نزدیک پہلے کو بھی عامل بنانا جائز اور دوسرے کو بھی عامل بننا جائز۔ امام فرّا فرماتے ہیں کہ پہلے کو بھی عمل دے سکتے ہیں دوسرے کو بھی عمل دے سکتے ہیں ٹھیک ہے، لیکن وہ صورت جس میں پہلا فاعل کا تقاضا کرے اس صورت میں پہلے کو ہی عمل دیں گے دوسرے کو عمل دینا جائز نہیں۔ امام فرّا فرماتے ہیں کہ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گی۔ اور اسکی تفصیل نیچھے ہے۔

جب پہلا فعل، فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ دوسرا چاھے فاعل کا تقاضا کرے یا مفعول کا۔

مثال: ضربنی و اکرمنی زیدٌ۔ امام فرّاؒ اس صورت میں اختلاف کریں گے۔ یہاں ضرب چاھتا ہے کہ زید میرے لئے فاعل بنے اور اکرم چاھتا ہے کہ زید میرے لئے فاعل بنے۔ امام فرّاؒ فرماتے ہیں۔ کہ یہ وہ صورت ہے جس میں پہلا تقاضا کر رہا ہے۔ لہذا پہلے کو عامل بنائیں گے دوسرے کو نہیں۔ اگر آپ زید کو اکرم کے لئے فاعل بنا دیں گے، تو ضرب کے اندر دو خرابی لازم آئے گی۔ یا تو ضرب کے فاعل کو سرے سے ہی حذف ماننا

پڑے گا۔ یا اس کے اندر فاعل کی ضمیر لانا پڑے گی۔ اور دونوں ہی جائز نہیں۔ اس لئے کہ فعل باقی ہو اور فاعل کو حذف کرے یہ جائز نہیں۔ اور اگر ضرب کے اندر ضمیر مانے تو ضرب کے اندر ھو ضمیر ہے۔ تو ضمیر پہلے آئی اور مرجع بعد میں آئی تو یہ اضمار قبل الذکر ہوا۔ تو فاعل کا حذف کرنا بھی جائز نہیں اور اضمار قبل الذکر بھی جائز نہیں۔ تو امام فرّاؒ فرماتے ہیں، اس لئے اس صورت میں کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کرے تو پہلے ہی کو عامل بنائیں گے، دوسرے کو عامل بنانا جائز نہیں۔

جمہور(سارے نحوی علماءؒ) کہتے ہیں کہ نہیں، ان چاروں صورتوں میں پہلے کو بھی عامل بنانا جائز اور دوسرے کو بھی عامل بنانا جائز۔ ہاں اس صورت میں جب ہم ثانی کو عمل دیتے ہیں تو آپ نے کہاں تھا کہ پہلے کے اندر دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گا۔ اور وہ دو خرابیاں حذف فاعل اور اضمار قبل الذکر کا ہے۔ جمہور کہتے ہیں ہم اضمار قبل الذکر کو اختیار کرتے ہیں، کیونکہ حذف فاعل تو کسی صورت بھی جائز نہیں۔ تو ہم ضمیر لائیں گے، اور تنازع فعلین کے باب میں اضمار قبل الذکر عمدہ میں جائز ہے بشرط تفسیر۔ کلام کے اندر عمدہ مسند الیہ ہوتا ہے۔ تو ضرب فعل یہ مسند اور اسکے اندر عمدہ ھو ضمیر ہے جو کہ مسند الیہ ہے۔ اور اس عمدہ کے اندر ہم اضمار قبل الذکر کر رہے ہیں۔ تو عمدہ میں اضمار قبل الذکر جائز ہے بشرط تفسیر کہ آگے اسکی تفسیر بھی آ جائے۔ اور آگے زید اس ھو کے لئے تفسیر ہے۔

اور ایک اختلاف ہے اولیٰ اور خلاف اولیٰ کا۔ جمہور میں پھر دو گروہ ہیں۔ ایک بصرہ کے نحوی علماءؒ ہیں اور دوسرے کوفہ کے علماءؒ۔ اس بات پر دونوں متفق ہیں کہ پہلے کو بھی عامل بنا سکتے ہوں اور دوسرے کو بھی بنا سکتے ہوں۔ بصرہ والے نحوی علماءؒ فرماتے ہیں کہ عمل دیا جائے گا ثانی کو۔ ان کے نزدیک یہ اولی ہے۔ اور کوفہ والے کہتے ہیں کہ پہلے کو عامل بنانا اولی ہے۔

دونوں کی طرف سے دو، دو دلیلیں۔ بصرہ والے ثانی کو دو وجہوں سے عامل بناتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ دو فعل اسم ظاھر میں جھگڑا کر رہے ہیں اور وہ اسم ظاھر ان دونوں فعلوں کے بعد آ رہا ہے، تو ثانی فعل اس اسم ظاھر کے نزدیک ہو لہذا ثانی فعل اس میں عمل کریگا۔ اور جو قریب ہے اس کا زیادہ حق ہے کہ اس کو عامل بنایا جائے۔ دوسرے دلیل یہ ہے کہ ایک ضابطہ پڑھا ہے کہ اصل بھی یہ ہے کہ فعل کے ساتھ فاعل ملا ہوا ہونا چاھئے۔ اور یہاں اسم ظاھر ثانی کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اس لئے بصرہ والے ثانی کو عامل بناتے ہیں۔ اور اگر پہلے کو عامل بنایا جائے تو فعل اور فاعل کے درمیان فاصلہ آیا۔

کوفہ والے نحوی کہتے ہیں کہ پہلے کو عامل بنایا جائے گا، ان کی بھی دو دلیلیں ہیں۔ پہلا دلیل انکی یہ ہے، کہ یہ فعل پہلے آیا ہے لہذا یہ زیادہ حقدار ہے کہ اسکو عامل بنایا جائے، اور دوسری دلیل یہ ہے اگر آپ ثانی کو عامل بناتے ہیں، تو پہلے میں ضمیر ماننا پڑے گا، تو یہ اضمار قبل الذکر لازم آئے گا۔ لہذا پہلے کو عامل بناؤ تا کہ اضمار قبل الذکر سے ہم بچ جائے۔ اگر چہ تنازع فعلین کے باب میں عمدہ کے اندر اضمار قبل الذکر بشرط تفسیر جائز ہے۔ لیکن اس سے بچنا پھر بھی بہتر ہے۔

و اذا تنازَعَ الفِعْلانِ ظاھرًا اور جب تنازع کرے دو فعل اسم ظاھر میں۔ ای اسمًا ظاھرًا یہ ظاھرا اسما کے لئے صفت ہے۔ اور موصوف اسما اس کا مخذوف ہے۔ **بعدَ ھُما** اور وہ اسم ظاھر ان دو فعلوں کے بعد آئے **فقد یکونُ فی الفاعِلیَّۃ** اور کبھی یہ تنازع فاعلیۃ میں ہوگا۔ اور یہ دونوں فعل چاھتے ہیں کہ وہ اسم

ظاہر ہمارے لئے فاعل بنے۔مثلُ ضربنی واکرمنی زیدٌ ضرب فعل فاعل کا بھی تقاضا کرتا ہے اور مفعول کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ مفعول تو اسکے ساتھ یاء ضمیر ہے۔ اکرم بھی ایک فاعل چاھتا ہے اور مفعول کو بھی۔ اور اسکے ساتھ یاء ضمیر اسکے ساتھ مفعول بہ کی ضمیر ہے۔ اب فاعل باقی ہے۔ آگے زید آیا، ضرب چاہتا ہے یہ میرا فاعل بنے اور اکرم چاہتا ہے یہ میرا فاعل بنے۔ و فی المفعولیة اور کبھی تنازع کبھی مفعولیة میں ہوگا۔ یعنی پہلا تقاضا کرتا ہے کہ یہ اسم ظاہر میرے لئے مفعول بنے اور دوسرا یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ اسم ظاہر میرے لئے مفعول بنے۔ مثلُ ضربتُ و اکرمتُ زیدا ضرب فاعل اور مفعول دونوں کو چاہتا ہے۔ اسکے ساتھ تاء ضمیر فاعل کی ساتھ آئی۔ اکرم بھی فاعل اور مفعول دونوں کو چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ تاء ضمیر فاعل کی آئی۔ اب مفعول رہ گیا۔ اور آگے زید آ گیا، ضرب چاہتا ہے ہ میرے لئے مفعول بنے اور اکرم چاھتا ہے یہ میرے لئے مفعول بنے۔ تو یہ تنازع مفعولیة کے اندر آیا۔ و فی الفاعلیةِ والمفعولیةِ اور کبھی تنازع فاعلیة اور مفعولیة میں ہوگا۔ مختلفَینِ اس حال میں کہ وہ دونوں فعل مختلف ہوں۔ یہ حال ہے فعلان سے۔ یعنی کہ وہ دو فعل اس حال میں ہوں گے کہ دونوں مختلف ہوں گے۔ یعنی تقاضے میں مختلف ہوں گے۔ ایک فاعل کا تقاضا کریں گا اور دوسرا مفعول کا۔یا تو پہلا تقاضا کریگا فاعل کا اور دوسرا تقاضا کریگا مفعول کا۔ یا تو پہلا تقاضا کریگا مفعول کا اور دوسرا تقاضا کریگا فاعل کا۔ صاحب کافیہ نے ان دو صورتوں کی مثالیں ذکر نہیں کی۔ جب پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور دوسرا مفعول کا تو "ضربنی و اکرمت زیدٌ" یا "ضربنی و اکرمت زیدًا"۔ اور جب پہلا مفعول کا تقاض کرے اور دوسرا فاعل کا تو " ضربت و اکرمنی زیدًا" یا ضربتُ و اکرمنی زیدٌ"۔ فیختار البَصریُّون اسکو بَصرہ بھی پڑھتے ہیں اور بِصرہ بھی۔ بَصرہ ایک علاقے کا نام ہے۔ اور بَصرہ ایک شہر کا بھی نام ہے۔ اب دونوں کو بَصری کہنے سے یہ پتہ نہیں چلے گا کہ اس سے شہر والے مراد ہے یا علاقے والے۔ لہذا اس میں فرق کرنے کے لئے، جو علاقے والے ہیں ان کو بَصریٌّ کہتے ہیں۔ اور جو شہر والے ہیں انکو بِصریٌّ کہتے ہیں۔ اعمالَ الثانیَ اور اختیار کرتے ہیں بصرہ کے نحوی ثانی کو عمل دینا۔ والکوفیُّون الاولَ اور کوفہ والے پہلے فعل کو ترجیح دیتا ہے عمل دینے میں۔

اب بصرہ والوں کے مذہب کے مطابق بات ہو رہی ہیں۔ فان اعملتَ الثانِیَ پس اگر تو عامل بنائے ثانی کو اَضْمَرْتَ الفاعلَ فی الاوّل تو تو ضمیر لائے گا فاعل کی پہلے فعل کے اندر، جبکہ پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہے۔ اور ہم نے عمل ثانی کو دیا ہے۔ علیٰ وِفقِ الظّاہِرِ ای علیٰ وِفقِ الِاسْمِ الظّاھِرِ (علیٰ وفقِ لِسّمِ الظاھرِ) اس اسم ظاہر کے موافق۔ اگر وہ اسم ظاہر مفرد تھا تو پہلے میں ضمیر بھی مفرد کی لاؤ، اور اگر وہ اسم ظاہر تثنیہ یا جمع تھا تو پہلے میں ضمیر بھی تثنیہ یا جمع کی لاؤ۔ مثلا ضربنی و اکرمنی زیدٌ، ہم نے عمل اکرم کو دیا، تو ضرب کے اندر ضمیر لائیں گے۔ اور زید مفرد ہے تو ضرب کے اندر بھی ضمیر مفرد کے لائیں گے۔

اب زید کی جگہ الزیدانِ تثنیہ لائے۔ اور ہم نے عمل ثانی کو دیا ہے تو پہلے فعل میں تثنیہ کی ضمیر لانا ہوگی اور تثنیہ کی ضمیر ضربَ میں نہیں بلکہ ضربا میں ہے۔ اس لئے ضربانی و اکرمنی الزیدانِ مثال ہوگا۔ اور وہ اگر جمع ہو الزیدُوْنَ اور اس کو رفع اکرم نے دیا ہو تو ضرب کی جگہ ضربُوْا لانا پڑے گا۔ اور مثال ضربُوْانی و اکرمنی الزیدونَ ہوگا۔ دُوْنَ الحَذْفِ نہ کہ حذف کریں گے۔ خلافًا لِلْکِسائی بخلاف امام کسائی کے۔ امام کسائیؒ فرماتے ہیں کہ فاعل کو حذف کریں گے۔ اور وہ نسیا منسیا ہو جائے گا، گویا کہ ہے ہی نہیں۔ جب فاعل کو نسیا منسیا کیا گیا، تو اسکی ضمیر لائیں گے ہی نہی۔ سرے سے ہی حذف کریں گے۔ تو فعل موجود ہے اور فاعل موجود نہیں۔ اور جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ امام کسائیؒ کے نزدیک جب فاعل کو حذف کریں گے تو تینوں صورتوں میں پہلا فعل مفرد ہی رہے گا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، کیونکہ ضمیر کو لاتا ہی نہیں تو جب ضمیر نہیں تو فعل میں کوئی تبدیلی بھی نہیں۔

و جاز اور یہ جائز ہے،یعنی ثانی کو عمل دینا جائز ہے جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو، خلافا للفراءِ بخلاف امام فرّاء کے ۔ جبکہ امام فراءؒ فرماتے ہیں کہ جب پہلا فاعل کا تقاضا کر رہا ہو، تو ثانی کو عمل دینا جائز نہیں۔ اور پھر پہلے کو عمل دیں گے۔ ورنہ دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گا۔ یا تو اضمار قبل الذکر ہوگا، یا حذف۔

اگر پہلا فعل مفعول کا تقاضا کر رہا ہو تو: و حَذَفْتَ المفعولَ تو پھر مفعول کو حذف کر دیں گے، اِنِ اسْتُغْنِیَ عنہ اگر اس سے استغنا حاصل ہو جائے، اگر اس کی حاجت نہ رہے،اُسْتُغْنِیَ فعل مجھول لائے، اور فعل مجھول کا اسناد نائب فاعل کی طرف ہوتا ہے، اور یہاں نائب فاعل کا پتہ ہی نہیں چلتا، تو یاد رکھو وہ افعال(فعل معروف یا فعل مجھول) جن کے فاعل یا نائب فاعل کا پتہ نہ چل رہا ہو، تو ان کے اندر فاعل یا نائب فاعل کی جو ضمیر ہوگی وہ انہی کے مصدر کو راجع ہوگی۔ اُسْتُغْنِیَ کے اندر جو ضمیر ہے وہ اسکے مصدراِسْتِغْنٰی کو راجع ہے۔ اُسْتُغْنِیَ ھُوَ ای اُسْتُغْنِیَ الاسْتِغْنَاءُ ای وَقَعَ الِاسْتِغْنَاءُ ای حَصَلَ الْاِسْتِغْنَاءُ : استغنی حاصل ہوا۔ یا یہ "عنہ" جار مجرور اس کا نائب فاعل ہے۔ جیسے "مفعولٌ بہ" میں یہ بہٖ جار مجرور اس کے لئے نائب فاعل ہے۔

یاد رکھو عام افعال کے اندر مفعول فَضْلَۃٌ ہے انکو حذف کرنا جائز ہے۔ لیکن افعال قلوب میں مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں۔ معلوم ہوا عام افعال ہیں۔ اور مفعول سے استغناء حاصل ہوا اور اسکی حاجت نہ رہی تو اسکو حذف کرلیں گے، ہم نے عمل ثانی کو دیا اور پہلا مفعول کا تقاضا کر رہا ہے۔ تو یہاں دو صورتیں ہیں۔ یا تو مفعول کو حذف کرنا پڑے گا یا مفعول کی ضمیر لانی ہوگی۔ ضمیر تو لا نہیں سکتے، اس لئے کہ مرجع آ رہا ہے بعد میں تو اضمار قبل الذکر لازم آئے گا۔ اور یہ اضمار قبل الذکر غیر عمدہ میں ہو رہا ہے اور یہ جائز نہیں۔ تو جب مفعول کی ضمیر لا نہیں سکتے تو پھر حذف کر لیں گے، کیونکہ مفعول فضلۃ ہوتا ہے۔ فضلۃ یعنی زائد چیز۔

وَ اِلَّا یہ اِلّا کس سے استثناء ہے؟ یاد رکھو اِلّا سے پہلے واو آ جائے، تو وہ اِنْ اور لَا ہے دراصل۔ یہ حرف استثناء الّا نہیں بلکہ دراصل اِنْ لَا ہے۔تو اصل عبارت یوں ہے، وَ اِنْ لَمْ یَکُنْ کَذٰلِکَ۔ یہ اشارہ ہے افعال قلوب کی طرف۔ کہتے ہیں اگر مفعول کو حذف کریں گے اِنِ اسْتُغْنِیَ عنہُ اس سے استغناء حاصل ہو، وَ اِنْ لَمْ یُسْتَغْنٰی عنہُ اور اگر اس سے استثناء حاصل نہ ہو، یعنی افعال قلوب میں مفعول کو تو حذف نہیں کر سکتے۔ تو پھر کیا کریں گے۔ آگے آ رہا ہے اَظْهَرْتَ تو اسکو ظاہر کریں گے۔ یعنی مفعول کو ظاہر کریں گے۔ اور وہی اسم ظاہر کو دوبارہ لائیں گے پہلے فعل کے بعد۔ افعال قلوب وہ ہے جس کا تعلق قلب سے ہو، جیسا کہ علمتُ زیدًا قائمًا۔ افعال قلوب دو مفعول چاہتا ہے۔ اور اس کے مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں۔ یہ کیوں جائز نہیں۔ دراصل یہ دونوں مفعول مبتدا خبر تھے۔ اصل میں تھا زیدٌ قائمٌ، پھر اس پر علمتُ داخل ہوا، اور اس نے مبتدا خبر کو اپنے لئے مفعول بنا لیا۔ تو دراصل ان دونوں کا جو مضمون ہے وہ مفعول ہے۔ اور مضمون کیسے نکالیں گے؟ مفعول ثانی یعنی خبر کے مصدر کو نکال کر پہلے مفعول یعنی مبتدا کی طرف مضاف کریں گے۔ قائمٌ کی مصدر قیامٌ ہے۔ اس کو مضاف بنا لو اور مفعول اوّل یعنی زید کو مضاف الیہ بناؤ۔ یعنی قیام زیدٍ یہ اب مضمون بن گیا، اور یہ مضمون علمتُ کے لئے مفعول ہے۔ تو اصل کلام یوں ہوا، علمتُ قیامَ زیدٍ۔ میں نے زید کے قیام کو جانا، لہذا یہاں دونوں کی ضرورت ہے، ایک پر اکتفا نہیں ہو سکتا، لہذا اس کو حذف نہیں کریں گے۔ اَظْهَرْتَ تو اسکو ظاہر کریں گے۔ یعنی مفعول کو ظاہر کریں گے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر فعل افعال قلوب میں سے ہو، تو اس صورت میں مفعول کو حذف بھی نہیں کر سکتے کیونکہ افعال قلوب کے مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں اور مفعول کا ضمیر بھی نہیں لا سکتے، کیونکہ اس صورت میں اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی، تو تیسری ایک ہی صورت رہ گئی کہ اس کے لئے اسم ظاہر دوبارہ لاؤ۔ اُس پہلے اسم ظاہر میں تو ثانی نے عمل کر دیا تھا۔اور اس پہلے فعل کے لئے دوبارہ اسم ظاہر لاؤ۔ جیسا کہ حسبنی مُنْطَلِقًا وَ حسبتُ زیدًا منطَلِقًا ۔ دیکھو حسبنی منطلقا اس کے لئے میں منطلقا دوبارہ لے آیا۔ اگر چہ وہ آگے آ رہا ہے۔ اس منطلقًا کو ذرا گراؤ تو حسبنی و حسبتُ زیدًا منطلقا رہ جائے گا۔ اور اس منطلقًا میں عمل حسبتُ نے کیا۔ اور حسبنی کے لئے نہ ہم ضمیر لا سکتے ہیں اور نہ ہی اسکا مفعول حذف کر سکتے ہیں۔ پس یہ تیسری صورت رہ گئی کہ منطلقا اسم ظاہر کو دوبارہ لاؤ۔ تو حسبنی مُنْطَلِقًا وَ حسبتُ زیدًا منطَلِقًا ہو گیا۔ حسب افعال قلوب میں سے ہے۔

درس 25۔

اب صاحب کافیہ کوفہ والوں کا مذہب ذکر فرما رہے ہیں۔ وَ اِنْ اَعْمَلْتَ الاوّلَ اور اگر آپ نے عمل دیا پہلے کو، اَضْمَرْتَ الفاعلَ فی الثّانی تو فاعل کی ضمیر لائیں گے ثانی میں۔ مثلا ضربنی و اکرمنی زیدٌ۔ یہاں ہم نے پہلے کو عامل بنایا تو اکرم کے اندر ضمیر لائیں گے۔ اور یہ ضمیر مرجع کے مطابق ہوگی۔ وہ مفرد ہے تو یہ بھی مفرد، وہ تثنیہ تو یہ بھی تثنیہ اور وہ جمع تو یہ بھی جمع۔ اگر فاعل اسم ظاہر ہو۔ تو مفرد، تثنیہ یا جمع جو بھی ہو فعل مفرد ہی آئے گا۔ لہذا اگر الزیدان تثنیہ کا صیغہ فاعل آیا تو ضرب میں

کوئی فرق نہیں آئے گا اور اکرم کی جگہ اکرما لائیں گے، تا کہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت رہے۔ مثلا ضربنی و اکرمانی الزیدانِ، اسی طرح الزیدون جمع کا صیغہ فاعل ہو تو ضربنی و اکرمونی الزیدونَ ہوگا۔

و المفعولَ اور مفعول کی ضمیر لائیں گے۔ یہاں ہم نے عمل پہلے کو دیا ہے۔ اور دوسرا فعل مفعول کا تقاضا کر رہا ہے۔ جیسا کہ ضربنی و اکرمتُ زیدٌ۔ یہاں ضرب چاہتا ہے کہ زید میرے لئے فاعل بنے، اکرم چاہتا ہے کہ زید میرے لئے مفعول بنے۔ ہم نے عمل ضرب کو دیا۔ اور زید کو فاعل بنایا۔ اب اکرمتُ چاہے گا کہ اس کے لئے مفعول آنا چاہئے، تو مفعول حذف کرنا بھی جائز، اور اسکی ضمیر بھی لا سکتے ہے۔ اب کہیں گے، ضربنی و اکرمتُهُ زیدٌ۔ یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اکرمتُهُ میں یہ ھا مفعول کی ضمیر زید کو راجع ہے اور یہ اضمار قبل الذکر ہے۔ اور مفعول کے اندر اضمار قبل الذکر تو جائز نہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہ زید لفظوں میں تو مؤخر ہے لیکن اس کا تعلق ضرب کے ساتھ جڑ چکا ہے۔ تو گویا کہ یہ ضرب کے بعد آیا۔ تو اصل میں یہ ہے ضربنی زیدٌ و اکرمتهُ۔ اگر چہ زید لفظوں کے اعتبار سے تو مؤخر ہے لیکن رتبہ کے لحاظ سے مقدم ہے کیونکہ اسکا تعلق پہلے فعل کے ساتھ جڑ چکا ہے۔ اگر اضمار قبل الذکر لفظًا اور رُتْبَةً دونوں ہو تو پھر جائز نہیں۔ یہاں اضمار قبل الذکر لفظا تو ہے لیکن رتبة نہیں۔ مفعول چونکہ فضلہ ہوتا ہے لہذا اسکو حذف کرنا بھی جائز ہے۔ اور اسکی ضمیر بھی لانا جائز ہے۔ اور ضمیر لانا افضل ہے۔ تاکہ پتہ چلے کہ یہ ضمیر اسی کو راجع ہے۔ اگر میں کہوں ضربنی و اکرمتُهُ زیدٌ۔ تو پتہ چلا کہ یہ ھا ضمیر زید کر راجع ہے۔ معلوم ہوا کہ زید کا اکرام کیا گیا۔ تو مفعول کا پتہ چل گیا۔ اور اگر ھا ضمیر نہ لائے تو ضربنی و اکرمتُ زیدٌ۔ اب مفعول مخذوف ہے، اور اس سے وہم پڑھتا ہے، پتہ نہیں یہ مفعول ہے یا کوئی اور مفعول ہے۔ کیونکہ اکرمت ایک مفعول کو ضرور چاہتا ہے، یعنی کوئی نہ کوئی تو ہوگا جسکا اکرام کیا گیا ہے۔

افعال قلوب میں چونکہ مفعول کو حذف کرنا جائز نہیں تو وہاں پر مفعول کو دوبارہ اسم ظاہر کی صورت میں لانا ہوگا۔ مثال: حسبنی و حسبتُهما مُنْطلقینِ الزیدانِ مُنطَلِقًا۔ اب دیکھئے یہاں آخر میں جو مُنطلقًا آ رہا ہے اس سے بحث ہے۔ یعنی اس میں تنازع ہے۔ درمیان والا مُنْطَلِقَيْنِ کو ذرا مخذوف مان لے۔ تو کلام یوں ہوا حسبنی و حسبتُهما الزیدانِ مُنْطَلِقًا۔ اب اس منطلقًا جو کہ آخر میں آ رہا ہے اس میں تنازع ہے۔ حسبنی: مجھے گمان کیا، یہ کس نے گمان کیا؟ یہ الزیدانِ اسکا فاعل ہے۔ حسبنی افعال قلوب میں سے ہے اور یہ دو مفعول چاہتا ہے۔ اسکا فاعل الزیدانِ آ گیا۔ اور ایک مفعول آیا یہ "یا" ضمیر جو ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ دوسرا مفعول یہ چاہتا ہے کہ منطلقًا کو بنا دے۔ اور آگے آ رہا ہے حسبتُهما یہ بھی افعال قلوب میں سے ہے۔ یہ بھی ایک فاعل اور دو مفعول چاہتا ہے۔ فاعل تُوٌّ ضمیر ساتھ ملی ہوئی ہے۔ ایک مفعول تو یہ ھما ضمیر آ گئی۔ اور آگے منطلقًا کو یہ مفعول ثانی بنانا چاہتا ہے۔ تو حسبنی چاہتا ہے کہ یہ میرا مفعول بنے اور حسبتُهما چاہتا ہے کہ یہ میرا مفعول بنے۔ اور ہم نے عمل پہلے کو دیا، تو منطلقًا کو مفعول بنایا حسبنی کے لئے۔ تو حسبنی کے دو مفعول آ گئے اور اب ہمیں حسبتُهما کے دو مفعول

چاهئے۔ اسکی دو صورتیں ہیں۔ یا حسبتھما کے مفعول ثانی کو حذف کیا جائے گا یا اسکو ذکر۔ حسبتھما تو افعال قلوب سے ہے لہذا اسکے مفعول کو حذف نہیں کر سکتے۔ لہذا اسکو ذکر کریں گے۔ اور ذکر کرنے کی دو صورتیں ہیں یا تو ضمیر کی صورت میں لائیں گے اور یا اسم ظاہر کی صورت میں لائیں گے۔

پہلے ضمیر کو دیکھو اور ایاہُ کی ضمیر لے آؤ۔ ایاہُ منصوب منفصل کی ضمیر ہے کیونکہ مفعول منصوب ہوتا ہے۔ حسبنی و حسبتُھما ایّاہُ الزیدانِ مُنْطَلِقًا۔ اب یہ ایّاہُ ضمیر منطلقًا کو راجع ہے۔ اور یہ اضمار قبل الذکر لفظا ہے۔ کیونکہ منطلقا کا تعلق حسبنی یعنی پہلے فعل سے ہو چکا ہے۔ یہاں ایّاہُ ضمیر اور منطلقًا میں مطابقت ہے، اور دونوں مفرد کے صیغیں ہیں۔ لیکن حسبتُھما میں مفعول اول ھما ضمیر تثنیہ ہے اور مفعول ثانی ایّاہُ مفرد ہے، تو دونوں مفعولوں میں مطابقت نہ رہی۔ حالانکہ دونوں مفعولوں میں مطابقت ہوتی ہے۔ چلو اس کو تثنیہ کی ضمیر کر لیتے ہیں۔ حسبنی و حسبتُھما ایّاھما الزیدانِ مُنْطَلِقًا اب مفعول اول ھما اور مفعول ثانی ایّاھما میں مطابقت تو آ گئی لیکن ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں۔ پس اگر ضمیر لائیں گے تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گی، یا تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں رہے گی، یا دونوں مفعولوں میں مطابقت نہیں رہے گی۔

پس معلوم ہوا کہ حذف کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ افعال قلوب میں سے ہے، اور ضمیر لانا بھی جائز نہیں کیونکہ دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آتا ہے۔ پس تیسری صورت یہ ہے کہ اس کو اسم ظاہر کی صورت میں لایا جائے۔ تو اسم ظاہر منطلقینِ لائیں گے۔ اب مرجع کی طرف جانے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اسم ظاہر خود آ گیا، اور دونوں مفعولوں میں مطابقت بھی آ گئی۔ تو حسبنی و حسبتُھما منطلقینِ الزیدانِ مُنْطَلِقًا۔ ہوا۔

علی المُختارِ مذہب مختار پر۔ یعنی پسندیدہ مذہب یہی کہ ضمیر لاؤ تا کہ پتہ چلے اور اگر ضمیر نہیں لائیں گے تو پھر تو پتہ نہیں چلے گا کہ مفعول یہی ہے یا کوئی اور ہے۔ **الا اَنْ یـمْنَعَ مانعٌ** مگر یہ کہ کوئی مانع ہو۔

فَتُظْھِرُ پھر آپ اس کو ظاہر لائیں گے۔ جیسا کہ ابھی اس کی مثال گزری۔

یہاں سے صاحب کافیہ کوفہ والوں کی دلیل ذکر کر رہے ہیں۔ تو صاحب کافیہ انکی دلیل کو رد کریں گے۔ اور فرمائیں گے کہ یہ شعر اس کا دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ یہ شعر تنازع فعلین کے باب سے ہی نہیں۔ **و قولُ اِمْرِءِ القیسِ** اور امرء القیس کا یہ قول۔ امرء مضاف الیہ مضاف اور القیس مضاف الیہ ہے۔ یہ بھی دلیل ہے کوفہ والوں کی۔ علم النحو کے اندر دلیل کے طور پر قدیم شعراء کی اشعار پیش کی جاسکتی ہے۔ **کفانی و لم اطلب قلیلٌ من المال** یہاں پر تنازع فعلین ہے۔ اور اس نے پہلے فعل کو عمل دیا، معلوم ہوا پسندیدہ پہلے کو عمل دینا ہے۔ امرء القیس ملکِ الظلّیل کے نام سے مشہور تھا۔ ظِلّیل بروزن فعیل مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جیسے صدّیق مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بے انتہا گمراہ بادشاہ۔ اپنے چچا کے بیٹی عنیزہ کے بارے میں بڑے اشعار کہتا تھا۔ اِمْرِءٌ یہ عجیب لفظ ہے۔ اس میں جو اعراب آخری حرف یعنی ہمزہ پر آئیگا وہی اعراب ما قبل میں جو حرف ہے یعنی راء اس پر بھی وہی اعراب آئے گا۔ جیسا کہ جاءنی اِمْرُءُ القیسِ، رأیتُ اِمرَءَ القیسِ، مررتُ بِامْرِءِ القیسِ۔ یہ عربی کا بے نظیر لفظ ہے۔ اسی طرح ابن کا لفظ بھی ہے۔ اسی کے آخر میں کبھی میم بڑھادیتے ہیں مبالغہ کے لئے۔ اب اعراب آئے گا میم پر، لیکن نون کی حرکت میم کے تابع ہوگی۔ اور اِبْنُمٌ، اِبْنَمًا اور اِبْنِمٍ کہیں گے۔

درس 26۔ ع کفانی و لم اَطْلُبْ قلیلٌ من المال::

کَفَانِیْ کفا فعل ہے، یہ تقاضا کر رہا ہے کہ قلیلٌ میرے لئے فاعل بنے۔ اور لم اطلُبْ فعل ہے یہ تقاضا کر رہا ہے کہ قلیلٌ میرا مفعول بنے۔ اور امرءُ القیس نے قلیلٌ کو رفع دیا ہے۔ معلوم ہوا انہوں نے اس میں پہلے فعل کو عامل بنایا۔ اور اگر ثانی کو عمل دیتا تو پھر قلیلاً من المالِ کہنا چاہئے تھا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ پہلے فعل کو عمل دینا اولی ہے۔

پورا شعر۔ یہ دو شعر ہیں۔

و لو انّما اَصْعٰی لِاَدْنیٰ مَعِیْشَۃٍ   کفانی و لم اَطلُبْ قلیلٌ من المالِ

و لٰکِنَّمَا اَصْعٰی لِمَجْدٍ مُؤَثَّل   و قد یُدْرِکُ المجدَل المؤَثَّلَ امثالِی

و لو انّما اَصْعٰی اور اگر میں کوشش کرتا لِاَدْنیٰ تھوڑی سی مَعِیْشَۃٍ روزی۔ اور اگر میں کوشش کرتا تھوڑی سی روزی کے لئے، کفانی تو کافی ہو جاتا میرے لئے، آگے آرہا ہے قلیل من المال: تھوڑا سا مال و لم اَطلُبْ لم اطلُبْ کا عطف کفانی پر ہے۔ اور میں طلب نہ کرتا، قلیلٌ من المالِ۔

و لٰکِنَّمَا اَصْعٰی مگر میں کوشش کرتا ہوں لِمَجْدٍ مجد: بزرگی اور عظمت، مُؤَثَّلٍ دیر پا، پائیدار، مضبوط، مگر میں کوشش کرتا ہوں دیر پا بزرگی کے لئے۔ و قد یُدْرِکُ اور تحقیق حاصل کر لیتے ہیں المجدَ المؤَثَّلَ دیر پا پائیدار بزرگی کو امثالِی میرے جیسے۔

اور اگر میں کوشش کرتا تھوڑی سے روزی کے لئے، تو وہ میرے لئے تھوڑا سا مال کافی ہو جاتا اور میں طلب نہ کرتا۔ مگر میں تو کوشش کرتا ہوں دیر پا بزرگی کے لئے اور تحقیق دیر پا اور مضبوط بزرگی اور عظمت کو میرے جیسے لوگ پا لیا کرتے ہیں۔

اب کوفہ والے کہتے ہیں کہ یہ تنازع فعلین کے باب سے ہے۔ کفانی نے تقاضا کیا کہ قلیل میرے لئے فاعل بنے۔ اور لم اطلب نے تقاضا کیا کہ قلیل میرے لئے مفعول بنے۔ اور امرء القیس سے پہلے فعل کو عمل دیا۔ تو معلوم ہوا انکے نزدیک پہلے فعل کو عمل دینا اولیٰ ہے۔

جواب سے پہلے دو مقدمے سمجھ لیں۔

مقدمہ اولی: ہم نے پڑھا ہے کہ "لَوْ" آتا ہے انتفیٰ ثانی کے لئے، بوجہ انتفائے اوّل کے، یعنی ثانی منتفی ہو جاتا ہے اول کے منتفی ہو جانے کی وجہ سے۔ ثانی اس لئے نہیں کہ اول نہیں۔ اور جب اول نہیں ہے تو ثانی بھی نہیں ہے۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں، "لَوْ جِئْتَنِیْ لَاَکْرَمْتُکَ" اگر تو میرے پاس آیا ہوتا، میں تیرا اکرام کرتا۔ اگر آیا ہوتا تو میں تیرا اکرام کرتا، تو معلوم ہوا کہ میں نے تیرا اکرام نہیں کیا۔ اور اکرام کیوں نہیں کیا، کیونکہ تو آیا نہیں۔ تو ثانی یعنی اکرام منتفی ہے کیونکہ اوّل یعنی مجیئت بھی منتفی ہے۔ تو "لو" انتفائے ثانی کے لئے آتا ہے بوجہ انتفائے اول کے۔ یوں کہو کہ "لو" کلام مثبت کو کلام منفی بنا دیتا ہے۔ اور منفی کو مثبت بنا دیتا ہے۔ اور دیئے گئے مثال میں "لو" نے مثبت کلام کو منفی میں بدل دیا۔

اور "لو" منفی کلام کو مثبت کرتا ہے۔مثلاً "لو لا عليٌّ لهلك عمر " اگر علی رض نہ ہوتے تو عمر رض تو ھلاک ہوتا۔اوّل "لا عليٌّ" منفی ہے۔اور آگے "لهلك عمر " مثبت ہے۔"لو " نے آکر بتایا کہ ھلاکت عمر رض منتفی ہے کیونکہ علی رض موجود ہے۔تو دیکھو "لَوْ" کی وجہ سے اوّل میں ثبوت آیا اور ثانی میں نفی۔تو "لو " جب بھی کلام میں داخل ہوتا ہے تو یہ مثبت کلام کو منفی کرتا ہے اور منفی کلام کو مثبت کرتا ہے۔

دوسرا مقدمہ: دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ معطوف کا وہی حکم ہوتا ہے جو معطوف علیہ کا ہوتا ہے۔مثلا جاءني زيدٌ و عمرٌو۔ یہاں زید معطوف ہے اور عمرو معطوف علیہ ہے۔تو معطوف علیہ زید یہاں فاعل ہے اور عمرو معطوف بھی فاعل ہے جاء کے لئے۔اور شعر میں "لم اطلب " کا عطف "كفاني " پر ہے۔اور "لو " حرف شرط ہے۔یہ دو جملوں پر داخل ہوتا ہے۔پہلا جملہ شرط کہلاتا ہے اور ثانی جزا۔تو یہاں شرط و لو اَنمّا اَصعٰى لِاَدْنٰى مَعِيْشَةٍ ہے۔اور كفاني و لم اَطلُبْ قليلٌ من المالِ جزا ہے۔اورلم اطلُبْ کا عطف كفاني پر ہو رہا ہے۔تولم اطْلُبْ کا وہی حکم ہے جو كفاني کا ہے۔صاحب کافیہ کہتے ہیں، کہ اے کوفہ والوں آپ نے یہ کہا کہ كفاني اورلم اطْلُبْ یہ جھگڑا کر رہا ہیں قليلٌ کے اندر۔تو آپ کی یہ دلیل ٹھیک نہیں کیونکہ تنازع فعلین یہاں ہے ہی نہیں۔اگر تنازع فعلین مان لے تو اجتماع نقیضین لازم آئے گا۔

اجتماع نقیضین کی وضاحت: و لو اَنمّا اَصعٰى لِاَدْنٰى مَعِيْشَةٍ اور اگر میں کوشش کرتا تھوڑی سی معیشت کے لئے، اور اس پر جو "لو " آیا۔اس نے اس مثبت جملہ کو منفی کیا یعنی "میں تھوڑی روزی کے لئے کوشش نہیں کرتا"۔اور کوشش نہیں کرتا یعنی طلب نہیں کرتا۔اور آگے آیا" كفاني قليلٌ من المال " تھوڑا سا مال میرے لئے کافی ہوتا، اور یہ ہے مثبت اسکو کرو منفی تو " تھوڑا مال میرے لئے کافی نہیں"۔اور آگے آرہا ہے "لم اطلب " یہ بھی جزا کے حکم میں ہے۔اور یہ ہے منفی۔اور منفی پر جب "لو " داخل ہوتا ہے تو یہ مثبت بناتا ہے۔تو معلوم ہوا کہ میں طلب کرتا ہوں تھوڑے سے مال کو۔تو پیچھے تھا کہ میں تھوڑے سے مال کو طلب نہیں کرتا اور آگے ہے کہ میں تھوڑے سے مال کو طلب کرتا ہوں۔اور یہ اجتماع نقیضین ہیں۔یہ دونوں اکھٹے نہیں ہو سکتے۔یا تو طلب ہوگی یا طلب نہیں ہوگی۔

تو معلوم ہوا كفاني اورلم اطْلُبْ یہ دونوں قليلٌ من المالِ میں تنازع نہیں کرتا۔کیونکہ اس سے معنی میں خرابی لازم آتی ہے۔ یعنی كفاني قليل من المال: میرے لئے تھوڑا سا مال کافی نہیں۔"لو کے داخل ہونے کے بعد"۔اورلم اطلب قليل من المال: میں تھوڑے سے مال کو طلب کرتا ہوں۔" یہ بھی لو کے آنے کے بعد"۔اور اس سے اجتماع نقیضین لازم آتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ یہ قليلٌ من المال یہ فاعل ہے کفانی کے لئے۔اور لم اطلب کا مفعول محذوف ہے یہ قلیل اسکا مفعول نہیں بن رہا۔اور لم اطلب کے لئے مفعول دوسرے شعر سے سمجھ میں آرہا ہے۔یعنی میں طلب کرتا ہوں، کس چیز کو طلب کرتا ہوں، المجدَل المؤثَّلَ یعنی پائیدار بزرگی کو طلب کرتا ہوں۔تو لم اطلب کے مفعول کو اس لئے محذوف کیا کیونکہ آگے آنے والا شعر اس پر دلالت کر رہا ہے۔اور مفعول فضلہ ہوتا ہے اسکی خذف جائز ہے۔

لَيسَ منهُ یہ تنازع فعلین سے نہیں۔ یہ ھا ضمیر راجع ہے تنازع فعلین کو۔ لفسادِ المعنیٰ معنی کے فساد کی وجہ سے۔ یعنی اجتماع نقیضین لازم آتا ہے۔

درس 27۔

مرفوعات کی بحث میں آج ہم نائب الفاعل کے بارے میں پڑھیں گے۔ نائب الفاعل کو مفعول ما لم يسم فاعله کو کہتے ہے۔

مفعولُ ما اس ما سے مراد فعل ہے۔ یعنی فعل کا مفعول لم يُسَمَّ کہ ذکر نہ کیا گیا ہو فاعلُهُ اس فعل کے فاعل کو۔ مفعول اس فعل کا، کہ ذکر نہ کیا گیا ہو اس کا فاعل کو۔ یعنی فعل کا فاعل ذکر نہیں۔ مثلاً ضَرِبَ زيدٌ عمرًوا میں زید فاعل ہے اور عبارت میں ذکر ہے۔ یہ جائز نہیں کہ فاعل کو حذف کیا جائے اور فعل موجود ہو۔ مگر اگر فاعل کو حذف کیا جائے اور مفعول کو اس کا قائم مقام بنادیا جائے تو یہ جائز ہے۔ تو اس صورت میں فعل کو مجہول کی طرف بدل دیتے ہیں۔ تو کلام یوں بنے گا، ضُرِبَ عمرٌو۔ اب یہ عمرٌو ایسے فعل کا مفعول ہے جس کے فاعل کو ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ یعنی مفعول ما لم يسم فاعله ہے۔

تعریف۔ كلُّ مفعولٍ حُذِفَ فاعلُهُ ہر اس مفعول کو کہتے ہیں، جس کے فاعل کو حذف کر دیا جائے و اُقيمَ هُوَ اور قائم کر دیا جائے اس مفعول کو مَقامَهُ اُس فاعل کی جگہ۔ یعنی زید کو ہم نے حذف کیا اور عمرو کو اس کا قائم مقام بنادیا۔ و شرطُهُ اور مفعول کو فاع کے قائم مقام بنانے کی شرط اَنْ تُغَيَّرَ کہ بدل دیا جائے صيغةُ الفعل فعل کے صیغے کو الٰى فُعِلَ او يُفْعَلُ فُعِلَ یا يُفْعِلُ کی طرف۔ یعنی فعل کو مجہول کے صیغے کی طرف بدل دیا جائے۔ ماضی ہو تو ماضی مجہول اور اگر مضارع ہو تو مضارع مجہول کی طرف۔

و لا يَقعُ المفعولُ الثانى مِن باب علمتُ اور واقع نہیں ہوتا مفعول ثانی باب علمتُ سے۔ یعنی باب علمت سے دوسرا مفعول فاعل کی جگہ پر واقع نہیں ہوگا۔ یعنی اسے نائب فاعل نہیں بنا سکتے۔ باب علمت کے جو دو مفعول ہیں وہ دراصل مبتدا خبر ہوتے ہیں۔ مثلاً زيدٌ فاضلٌ یہ مبتدا خبر ہے۔ اس میں زید مسند الیہ ہے اور فاضل مسند۔ یہاں فاضل کو نائب الفاعل نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ یہ دراصل مسند ہے، اور پھر مسند الیہ بن جائے گا۔ اور حالت واحدہ کے اندر ایک شے کا مسند ہونا بھی لازم آیا اور مسند الیہ ہونا بھی لازم آیا، اور یہ تو جائز نہیں۔ لہٰذا دوسرے کو مسند الیہ یعنی نائب فاعل بنانا جائز نہیں۔

باب علمتُ یعنی افعال قلوب دو مفعول چاہتے ہیں۔ جیسا کہ علمتُ زيدًا فاضلاً: میں نے زید کو فاضل جانا، اسی طرح باب اَعطيتُ بھی دو مفعول چاہتے ہیں۔ جیسا کہ اَعطيتُ زيدًا دِرْهَمًا: میں نے زید کو درھم دیا۔ لیکن فرق یہ کہ افعال قلوب میں جو دو مفعول ہوں گے، وہ ایک ہی ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ جبکہ باب اَعطيتُ کے جو دو مفعول ہیں انکی ذات الگ الگ ہوگی۔

و الثالثُ مِنْ بابِ اَعلمتُ اور تیسرا مفعول باب اعلمت سے۔ یہ باب افعال ہے، اَعْلَمَ يُعْلِمُ اِعْلَامًا۔ اگر کوئی فعل لازمی ہو تو اسکو باب افعال میں لے جانے سے یہ متعدی بن جائے گا۔ اگر پہلے کسی بھی مفعول کا تقاضا نہیں کرتا تو ابھی ایک مفعول کا تقاضا کریگا۔ اگر فعل پہلے سے متعدی بیک مفعول ہو تو باب افعال میں یہ دو مفعول کا تقاضا کریگا۔ اور اگر فعل پہلے سے متعدی بدو مفعول تھا تو باب افعال میں لے جانے سے تین مفعول کا تقاضا کریگا۔ تو عَلِمَ پہلے دو مفعول چاہتا تھا، اور باب افعال میں لے جانے سے اَعْلَمَ اب تین مفعول چاہتا

ہے۔ پہلے عَلِمْتُ زیدًا فاضِلاً تھا، اب اَعْلَمْتُ عمرًوا زیدًا فاضلاً۔ میں نے عمرو کو جتلایا کہ زید فاضل ہے۔ تو یہاں بھی وہی مسئلہ درپیش ہے جو علمت کے اندر تھا۔ یہاں بھی زیدٌ فاضلٌ مبتدا خبر تھے۔ تو اس پر اعلم داخل ہوا جس نے ان دونوں کو مفعول بنا دیا۔ ایک مفعول پہلے تھا، تو دوسرے اور تیسرے مفعول بہ بن گئے۔ اب زیدٌ فاضلٌ جب مبتدا خبر تھے تو فاضل کا اسناد زید کی طرف ہو رہا تھا۔ اب اگر آپ فاضل کو اعلم کے لئے نائب فاعل بنا دیں گے تو یہ مسند الیہ بن جائے گا۔ تو یہ مسند بھی ہوا اور مسند الیہ بھی ہوا ایک ہی حالت میں، اور ایک ہی شے کا ایک ہی وقت میں مسند بھی ہونا اور مسند الیہ بھی ہونا، یہ جائز نہیں۔ لہذا اس کو نائب فاعل نہیں بنا سکتے۔

و المفعولُ لَهُ والمفعولُ مَعَهُ كذالک اور مفعول لہ اور مفعول معہ بھی اسکی طرح ہے۔ یعنی جیسے باب علمت کا ثانی اور باب اعلمت کا ثالث یہ نائب فاعل واقع نہیں ہو سکتے تھے اسی طرح یہ دونوں بھی نائب فاعل واقع نہیں ہو سکتے۔

مفعول لہ: وہ مصدر جو ما قبل فعل کی علّت بیان کر رہا ہو۔

مفعول لہ: وہ مصدر جو ما قبل فعل کی علّت بیان کر رہا ہو۔ ضربتُ زیدًا تادیبًا: میں یہ تادیبًا مفعول لہ ہے۔ اگر آپ اس تادیبًا کو نائب فاعل بنانا چاہتے ہیں۔ تو پہلے آپ اس پر نصب پڑھتے تھے۔ تو نائب فاعل بننے کے بعد اس پر رفع پڑھنا ہوگا۔ کیونکہ نائب فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ جیسا کہ ضربَ زیدٌ عمرًوا میں عمرًوا پر نصب پڑھتے تھے اور ضُرِبَ عَمْرٌو میں عمرٌو مرفوع پڑھتے ہیں۔ اب اگر تادیبًا کو آپ نے نائب فاعل بنایا تو اس پر رفع پڑھنا پڑھے گا۔ تو اس کا نصب فوت ہو جائے گا۔ اور یہ نصب ہی بتاتا تھا کہ یہ ما قبل فعل کے لئے علّت ہے۔

مفعول معہ: مفعول معہ وہ ہے جو واو بمعنی مع کے بعد آئے۔ جیسا کہ جاءَ البردُ والجُبَّاتِ: آئی سردی جبّوں کے ساتھ۔ یا جیسے آپ کہتے ہیں، جاء زیدٌ و عمرًوا۔ آیا زید عمرو کے ساتھ۔ اس میں یہ عمرو مفعول معہ ہے، کیونکہ یہ واو بمعنی مع کے بعد آ رہا ہے۔ اب اگر مفعول معہ کو نائب فاعل بنانا چاہے، تو نائب فاعل بنانے کے لئے یا تو اسکو واو کے ساتھ رکھیں گے، یا واو کے بغیر۔ واو کو ہم نہیں گرا سکتے کیونکہ جب واو کو گرائیں گے تو یہ مفعول معہ رہا ہی نہیں۔ اور اگر واو کو باقی رکھے تو پھر فعل کا اسناد اسکے طرف جائز ہی نہیں۔ کیونکہ واو میں اصل عطف ہے۔ تو یہ واو دلالت کرتا ہے انفصال پر، کہ یہ مابعد ما قبل سے جدا ہے۔ اور فاعل اور نائب فاعل فعل کے جز کی طرح ہوتے ہیں، جدا نہیں ہوتے۔ تو یہ فاعل یا نائب فاعل ہونا جزئیت پر دلالت کرتا ہے اور واو انفصال پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ دونوں آپس میں مُغائر ہیں۔ یعنی جز بھی ہو اور جدا بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ لہذا مفعول معہ نائب فاعل نہیں بن سکتا۔

واذا وُجد المفعولُ به تَعيَّن لَهُ اور جب مفعول بہ پایا جائے تو وہ متعین ہو جاتا ہے قائم مقام ہونے کے لئے۔ ایک جملہ سناتا ہوں۔ ضَرَبَ عمرٌو زیدًا (مفعول بہ) یومَ الجمعةِ (مفعول فیہ(ظرف زمان)) اَمَامَ الاَمِيرِ (ظرف مکان) ضَرْبًا شَدِيدًا (مفعول مطلق) فی دارِہٖ (ظرف مجازی(جار مجرور)) ۔ تو ایسے موقع پر مفعول بہ جب موجود ہے تو وہ متعین ہو جاتا ہے اور اسکو نائب فاعل بنایا جائے گا۔ اب فعل ضُرِبَ لاتا ہوں، اور فاعل کو خذف کرتا ہوں، اور فاعل کے قائم مقام مفعول بہ کو بناتا ہوں۔ اور یوں کہوں گا، ضُرِبَ زیدٌ یومَ الجمعة امامَ الامیرِ ضربًا شدیدا فی دارِہٖ۔ تو جب مفعول بہ موجود ہو اور باقی بھی موجود ہو، تو یہ مفعول بہ متعین ہو جاتا ہے

نائب فاعل بنانے کے لئے۔ تَقُولُ ضُرِبَ زیدٌ یومَ الجمعة اَمامَ الامیرِ ضربا شدیدا فی دارِہٖ پٹھائی کی گئی زید کی، جمعہ کے دن، امیر کے سامنے، زبردست پٹھائی اُس امیر کے گھر میں۔ یا آپ ضمیر زید کی طرف بھی لوٹا سکتے ہیں۔ فتعیَّن زیدٌ۔ پس زید متعین ہو گیا کہ وہ فاعل کی جگہ پر واقع ہو۔

فانْ لم یکن اور اگر ایسا نہ ہو، یعنی مفعول بہ نہ ہو۔ فالجمیعُ سواءٌ تو پھر سارے برابر ہیں۔ یعنی سارے مفعول برابر ہیں اس فاعل کی جگہ پر واقع کرنے کے لئے۔ یعنی آپ جس کو چاھے، واقع کر دے فاعل کی جگہ۔ یعنی اگر زید نہ ہوتا تو پھر آپ کی مرضی، چاھے تو مفعول فیہ (ظرف زمان) کو نائب فاعل بنادے، چاھے تو ظرف مکان کو نائب فاعل بنادے۔ یا مصدر کو نائب فاعل بنادے یا جار مجرور (ظرف مجازی) کو نائب فاعل بنادے۔

والاَوَّلُ من بابِ اعطیتُ اَوْلیٰ من الثانی اوّل مفعول باب اعطیت کا یہ اولیٰ ہے مفعول ثانی سے۔ جیسا کہ اعطیتُ زیدًا درھمًا۔ اس میں آپ دونوں کو نائب فاعل بنا سکتے ہیں۔ لیکن پہلے مفعول کو نائب فاعل بنانا یہ اولیٰ ہے بنسبت دوسرے مفعول کو نائب فاعل بنانے کے۔ اور پہلا اس لئے اولیٰ ہے کیونکہ اسکے اندر فاعلیت کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔

درس 28۔

و مِنھا المُبتدَأُ و الخبرُ مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر ہیں۔ مبتدا اور خبر دونوں میں تلازم ہیں اس لئے دونوں کو اکھٹا ذکر فرمایا۔ کیونکہ جہاں مبتدا آئے گا وہاں خبر بھی آئے گا۔ اور جہاں خبر آئے گا وہاں مبتدا بھی آئے گا۔ نیز دونوں کو اس لئے اکھٹے ذکر کیا کہ دونوں میں عامل معنوی ہے۔ مبتدا میں بھی عامل ابتدا ہے اور خبر میں بھی عامل ابتدا ہے۔ ابتدا: ابتدا کہتے ہیں اسم کا خالی ہونا عوامل لفظیہ سے اس طور پر کہ اس کی طرف کسی کا اسناد ہو یا اسکا اسناد کسی کی طرف ہو۔ معلوم ہوا اکیلا زید ہو تو اس میں ابتدا عامل نہیں۔ کیونکہ یہ تو عوامل لفظیہ سے خالی ہے لیکن اس طور پر نہیں کہ اسکا اسناد کسی کی طرف ہے یا کسی کا اسناد اسکی طرف ہے۔ اور زیدٌ رجلٌ میں رجلٌ کا اسناد زید کی طرف ہو رہا ہے۔ رجلٌ مسند ہے اور زیدٌ مسند الیہ ہے۔ اب زیدٌ میں عامل ابتدا ہے اور رجلٌ میں بھی عامل ابتدا ہے۔ کیونکہ ابتدا کی تعریف ان پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ زید کی طرف رجل کا اسناد کیا گیا۔ اور رجل کا اسناد کیا گیا زید کی طرف۔ اور زید اور رجل یہ دونوں عوامل لفظیہ سے بھی خالی ہے۔

فالمبتدأُ ھو الِاسْمُ المُجَرَّدُ عن العوامل اللفظیةِ مبتدا ایسا اسم ہے جو خالی ہو عوامل لفظیة سے۔ ھوَ لِسْمُ پڑھیں گے۔ کیونکہ الف لام کا ہمزہ بھی وصلی ہے اور اسم کا ہمزہ بھی وصلی ہے۔ مُسْنَدًا الیہِ اس حال میں کہ اس کی طرف اسناد کیا جائے۔ مسندًا الیہ حال ہے۔ یعنی یہ مسندٌ الیہ ہو۔ یہ ہے مبتدا کی قسم اوّل۔ زیدٌ قائمٌ میں زید مبتدا ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی عوامل لفظی نہیں آرہا۔ اور اسکی طرف قیام کا اسناد ہوا۔ تو یہ مبتدا ہے یعنی مسند الیہ ہے۔

یہاں سے مصنف رحؒ مبتدا کی قسم ثانی ذکر کر رہے ہیں۔ یاد رکھو مبتدا کی ایک اور قسم ہوتی ہے جو کہ مسند الیہ نہیں بلکہ مسند ہوتی ہے۔ اسکی تین شرائط ہیں جو کہ صاحب کافیہ ذکر فرمائے گا۔ اَوِ الصِّفَةُ اسکا عطف ہے الاسمُ پر۔ ای ھو الصِّفَةُ۔ وہ ایسی صفت ہے، یہ پہلا

شرط ہے مبتدا ثانی کے لئے۔ یعنی صفت کا صیغہ ہو۔ صفت کے صیغے سے اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ اور اسم منسوب مراد ہے۔ اسم منسوب سے مراد ایسا اسم ہے جس کے آخر میں یائے مشدد لگائی جاتی ہے نسبت کے لئے۔ جیسا کہ لاھوریٌّ۔ یعنی لاھور کی طرف منسوب۔ اسم فاعل عام طور پر فاعل کی ضمیر کو رفع دیتا ہے۔ جیسا کہ زیدٌ قائمٌ میں قائمٌ صفت کا صیغہ ہے۔ اور اپنے فاعل ھوَ ضمیر کو رفع دیتا ہے۔ اسی طرح صفت مشبہ بھی فاعل کا تقاضا کرتی ہے۔ جیسا کہ الرَّجلُ شریفٌ: وہ آدمی شریف ہے۔ اس میں شَرِیْفٌ صفت کا صیغہ ہے۔ اس نے فاعل ھوَ ضمیر کو رفع دیا۔ اسم مفعول نائب فاعل کو رفع دیتا ہے۔ جیسا کہ زیدٌ مضرُوبٌ میں مضروبٌ نے نائب الفاعل ھو ضمیر کو رفع دیا جو کہ زیدٌ کو راجع ہے۔ اسی طرح اسم منسوب بھی نائب فاعل کا تقاضا کرتی ہے۔ جیسا کہ لاھوریٌّ کے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا نائب فاعل ہے۔ تو اسم منسوب نائب فاعل کو رفع دیتا ہے۔

اسم فاعل کے لئے کبھی کبھار اسم ظاھر بھی فاعل بنتا ہے۔ تو پھر یہ اس اسم ظاہر کو رفع دیتا ہے۔ جیسا کہ زیدٌ ضاربٌ ابوہُ میں ضاربٌ کے لئے ابوہُ فاعل ہے۔ اور ضاربٌ نے ابوہُ کو رفع دیا۔ اب ضاربٌ کے اندر ضمیر نکالنا نہیں پڑے گا۔ اسی طرح صفت مشبہ کے لئے فاعل کبھی کبھار اسم ظاہر آتا ہے۔ نیز اسم مفعول اور اسم منسوب کے لئے بھی نائب فاعل کبھی کبھار اسم ظاہر آتا ہے۔

الواقعةُ بعدَ حرفِ النفی او الفِ الاستفهامِ جو کہ حرف نفی کے بعد واقع ہو یا الف استفہام کے بعد واقع ہو۔ الف استفہام یا اس جیسے حروف جو استفہام کے لئے آتے ہیں اُس کے بعد واقع ہو۔ یعنی ھل، من، ما وغیرہ۔ یہ دوسرا شرط ہے۔ **رافعةً لِظاهرٍ** اس حال میں کہ وہ صفت رفع دینے والی ہو اسم ظاھر کو۔ یہ تیسری شرط ہے۔ یعنی اس کا فاعل اسم ظاہر آرہا ہو۔ یہاں پر اسم ظاہر کی قید لگائی۔ جیسا کہ اَقَائمٌ زیدٌ میں قائمٌ صفت کا صیغہ ہے، الف استفہام کے بعد آرہا ہے، اور اسم ظاہر کو رفع دیتا ہے۔ تو یہ مبتدا کی قسم ثانی ہوا۔ اور یہ مبتدا مسند ہے۔ تو معلوم ہوا کہ مبتدا دو قسم پر ہے۔ ایک وہ مبتدا ہے جو کہ ہمیشہ مسند الیہ بنتا ہے اور ایک یہ مبتدا ہے جو کہ مسند بنتا ہے۔ اور یہ جو زید اس کا فاعل ہے یہ قائم مقام خبر کی ہے۔ ترکیب۔ ہمزہ استفہام، قائمٌ صیغہ اسم فاعل مبتدا، زید مرفوع لفظا اسکا فاعل، قائم مقام خبر کے، مبتدا قائم مقام خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔

سوال: یہ قید کیوں لگائی کہ یہ حرف نفی یا الف استفہام کے بعد ہو؟ وجہ یہ کہ آپ نے ہدایۃ النحو کے اندر اسم فاعل کی بحث میں پڑھا ہے، کہ اسم فاعل بھی فعل والا عمل کرتا ہے۔ جیسا کہ فعل لازم فاعل کو رفع دیتا ہے۔ تو اس فعل لازم سے جو اسم فاعل بنے گا وہ بھی اپنے فاعل کو رفع دیگا۔ اور اگر فعل متعدی ہو، تو اسم فاعل بھی اپنے فاعل کو رفع دیگا اور مفعول کو نصب۔ اگرچہ مفعول کا آنا ضروری نہیں۔ کیونکہ مفعول فضلہ ہوتا ہے۔ اور کبھی انکو حذف بھی کیا جاتا ہے۔ اسم فاعل بھی فعل والا عمل کرتا ہے، لیکن اس کی عمل کے لئے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط کہ یہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو۔ تو ضاربٌ کا معنی ہو گا، پٹھائی کرنے والا اس وقت یا پٹھائی کرنے والا آئنہ زمانے میں۔ تو پھر یہ فاعل کو رفع دے گا۔ اگر اس کا معنی ماضی والا ہو، یعنی پٹھائی کرنے والا تھا، تو اب یہ عمل نہیں کرے گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ چھ چیزوں میں سے کسی ایک چیز پر اعتماد ہو، اگر ان میں سے کسی ایک پر بھی اعتماد نہ ہو تو پھر یہ عمل نہیں کرے گا۔ اور وہ چھ چیزیں یہ ہیں، (1۔ مبتدا، جیسا کہ زیدٌ قائمٌ میں قائمٌ نے ھو کو رفع دیا مبتدا زید پر اعتماد کرتے ہوئے۔ یا زیدٌ قائمٌ ابوہُ میں ابوہُ کو رفع قائمٌ نے دیا زید پر اعتماد کرتے

ہوئے۔ 2۔ یا اس کا اعتماد ہو ذوالحال پر، یعنی یہ صفت حال بن رہی ہے۔ 3۔ یا اس کا اعتماد موصوف پر ہو، یعنی یہ صفت بن رہا ہو، تو پھر یہ عمل کریگا۔ 4۔ یا اسکا اعتماد اسم موصول پر ہو تو پھر بھی یہ عمل کریگا۔ 5۔ یا یہ حرف نفی کے بعد ہو۔ 6۔ یا یہ حرف استفہام کے بعد ہو، تو پھر یہ عمل کریگا۔ اور یہ وہ دو ہیں، حرف نفی اور حرف استفہام جو یہاں ذکر ہے۔ صفت کا صیغہ ان پر اعتماد کریگا تو یہ عمل کریگا۔ اور اگر ان پر اعتماد نہیں تو عمل بھی نہیں۔) بھئی یہ مبتدا کی قسم ثانی کی کیا ضرورت پیش آئی نحویوں کو؟ مبتدا تو ہمیشہ مسند الیہ ہوتا ہے اور یہ تو مسند کو مبتدا بنانا پڑا۔ جواب یہ کہ بعض صورتوں کے اندر مسئلہ حل ہی نہیں ہوتا تھا، تو مجبوراً اسکو مبتدا کی قسم ثانی بنانا پڑی۔ مثلاً میں کہتا ہوں، اَقَائِمٌ الزیدَانِ ۔ اس سے پہلے ایک بات یاد رکھو، فاعل جب اسم ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ مفرد لاتے ہیں۔ یعنی جب فعل کا اسناد اسم ظاہر کی طرف ہو تو فعل ہمیشہ مفرد لایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ضربَ زیدٌ، ضربَ الزیدانِ، ضربَ الزیدُوْنَ۔ اسی طرح اسم فاعل وغیرہ بھی ہے، جب یہ اسم ظاہر کو رفع دیگا تو اسم فاعل کو مفرد لانا ہوگا۔

اور جب ضمیر کو رفع دے تو تثنیہ، جمع آ سکتے ہیں۔ جیسا کہ ضربَ میں ھوَ کی ضمیر، ضربَا میں الف کو فاعل بنادیا، اور ضربوا میں واو جمع کی ضمیر کو فاعل بنادیا۔ یعنی اگر ضمیر مفرد کی ہو تو فعل مفرد، ضمیر تثنیہ کی ہو تو فعل تثنیہ اور اگر ضمیر جمع کی ہو تو فعل بھی جمع۔ اسی طرح صفت کے صیغے کے لئے جب فاعل ضمیر ہو تو یہ صفت کا صیغہ بھی ضمیر کے مطابق آئے گا۔ اگر ضمیر مفرد ہو تو صفت کا صیغہ بھی مفرد ہے، اگر ضمیر تثنیہ ہو تو صفت کا صیغہ بھی تثنیہ ہوگا اور اگر ضمیر جمع ہو تو صفت کا صیغہ بھی جمع ہوگا۔

اب نحوی مجبور ہوئے مبتدا کی قسم ثانی بنانے پر، کیسے؟ مثلاً اَقَائِمٌ الزیدانِ اس میں ہمزہ استفہام، قائمٌ صیغہ اسم فاعل، اب دو ترکیبیں ہیں۔ یا تو قائمٌ کو خبر مقدم بنائیں گے اور الزیدان کو مبتدائے مؤخر۔ قائمٌ مفرد کا صیغہ ہے۔ اس میں ھو ضمیر جو کہ راجع ہے الزیدان کو۔ لیکن یہ تو ضمیر اور مرجع میں مطابقت ہی نہیں رہی۔ لہٰذا ہم قائمٌ کو خبر مقدم نہیں بنا سکتے۔ تو مجبوراً نحویوں کو یہ کہنا پڑا کہ یہ قائمٌ مبتدا ہے۔ اور یہی وہ مبتدا ہے جو رفع دے رہا ہے الزیدانِ کو، اور الزیدانِ تثنیہ ہے اور قائم مفرد ہے، اسکی وجہ یہ ہے، کہ صفت کے صیغے یا فعل کے لئے جب فاعل اسم ظاہر آئے تو صفت یا فعل کے صیغے کو مفرد ہی رکھیں گے۔ تو دیکھو یہ قائمٌ صفت کا صیغہ ہے اور رفع دے رہا ہے اسم ظاہر الزیدانِ کو، اور یہ الزیدانِ قائم مقام خبر کے ہے۔

مثلُ زیدٌ قائمٌ جیسا کہ زیدٌ قائمٌ۔ یہ مبتدا کی قسم اوّل کی مثال ہے۔ اس پر پہلا تعریف صادق آتا ہے۔ یعنی زید ایسا اسم ہے جو خالی ہے عوامل لفظیہ سے، اور مسند الیہ ہے کیونکہ قائم کا اس کی طرف اسناد ہے۔ **و ما قائمٌ الزیدانِ** اور یہ مبتدا کی قسم ثانی کی مثال ہے۔ یہاں ما حرف نفی ہے، قائمٌ صیغہ اسم فاعل ہے، اور یہ ہے مبتدا، اور الزیدانِ اسکا فاعل قائم مقام خبر کے ہے۔ اور قائمٌ کو خبر مقدم نہیں بنا سکتے کیونکہ پھر مبتدا اور خبر میں مطابقت نہیں رہے گی۔ اور یہ حرف نفی کی مثال تھی۔ **و اَ قائمٌ الزیدانِ** اور یہ الف استفہام کی مثال ہے۔

فان طابقتْ اگر مطابق ہو جائے صفت **مفردا** مفرد کے، یعنی آگے اسم ظاہر او مفرد تھا، اور یہ صفت بھی اسکے مطابق ہو کر مفرد آئی۔ جیسا کہ اَ قَائِمٌ زیدٌ تو دیکھو صفت بھی مفرد اور آگے اسم ظاہر بھی مفرد۔ **جاز الأمْران** پھر دونوں معاملے جائز ہیں۔ یعنی صفت

خبر بھی بنا سکتے ہیں اور مبتدا کی قسم ثانی بھی بنا سکتے ہیں۔ یعنی اُس صفت کو بھی مبتدا کی قسم ثانی بھی بنا سکتے ہوں اور اُس اسم ظاہر کو بھی مبتدا بنا سکتے ہوں۔

نیز اگر آگے اسم ظاہر تثنیہ یا جمع کا صیغہ ہو، اور صفت کے صیغے کا اس کے ساتھ مطابقت ہوا، تو اس صورت میں صفت کو خبر ہی بنائیں گے۔ جیسا کہ ما قائمانِ الزیدانِ میں قائمانِ مبتدا کی قسم ثانی نہیں بن سکتا۔ کیونکہ آگے اسم ظاہر آرہا ہے اور اسم ظاہر جب بھی آئے تو فعل یا صفت مفرد ہی لانا پڑے گا۔ لہٰذا اب یہ خبر مقدم ہوگا، جس میں تثنیہ کی ضمیر ہے جو کہ الزیدانِ مبتدا مؤخر کو لوٹ رہی ہے۔ اسی طرح ما قائمونَ الزیدونَ بھی ہے۔ جس میں ما حرف نفی ہے۔ قائمونَ خبر مقدم ہے اور اس میں جمع کی ضمیر راجع ہے مبتدا مؤخر الزیدونَ کو۔ تو اس صورت میں صفت کے صیغے کو مبتدا کی قسم ثانی نہیں بنا سکتے۔

اور اگر صفت کے صیغے اور اسم ظاہر میں مطابقت نہ ہو تو پھر صفت کے صیغے کو مبتدا کی قسم ثانی ہی بنانا پڑے گا۔

والخبر هو المُجَرَّدُ ای هو الاسمُ المجرَّدُ: خبر ایسا اسم ہے جو خالی ہو، پیچھے گزرا تھا کہ عَنِ العواملِ اللفظیة۔ یعنی خبر ایسا اسم ہے جو خالی ہو عوامل لفظیہ سے۔ **المسندُ بهٖ** اور مسند بہ ہو۔ تو خبر کے اندر مبتدا کی قسم ثانی بھی داخل ہو رہی تھی۔ کیونکہ قسم ثانی بھی مسند بہ ہے۔ جیسا کہ اَقَائِمٌ الزیدَانِ میں قائِمٌ پر نظر رکھے۔ قائمٌ اسم ہے، اور خالی ہے عوامل لفظیہ سے۔ اور مسند بہ ہے کیونکہ اس کا اسناد زیدانِ کی طرف ہو رہا ہے۔ خبر کی تعریف اس پر بھی صادق آرہی تھی۔ تو اس کو اب تعریف سے نکال رہے ہیں۔ **اَلْمُغَائِرُ لِلصفة المذکورةِ** اور وہ جو صفت ذکر ہوئی تھی اس سے غیر ہو۔

و اصلُ المبتدأِ اَلتقدیمُ اور مبتدا میں اصل تقدیم ہے۔ یعنی مبتدا مقدم ہونا چاہئے۔ اور خبر میں اصل مؤخر ہونا ہے۔ اس لئے کہ مبتدا ہے ذات اور خبر ہے اُس کا حکم یعنی حال۔ جیسا کہ زیدٌ قائمٌ میں ذات زید ہے۔ پہلے ذات آئیگا تو پھر اس کے حال کے بارے پتہ چلے گا۔ تو زید ذات ہے اور قیام اس کا حال ہے۔ یعنی پہلے ذات آگئی اب اس پر قیام کا حکم لگاؤ۔ **و مِنْ ثَمَّ** اور اسی وجہ سے، ثَمَّ اسم اشارہ ہے۔ کبھی اس کے ساتھ ھا بھی ملا دیتے ہے۔ ثَمَّۃ، وقف کے لئے۔ **جازَ** یہ ترکیب تو جائز ہے **فی دارِہٖ زیدٌ** فی دارہٖ یہ جار مجرور ہے۔ یاد رکھو جار مجرور جب بھی کلام میں آئے تو یہ خبر بن سکتا ہے جبکہ مبتدا نہیں بن سکتا۔ جار مجرور آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے ساتھ ضرور متعلق ہوگا۔ وہ آٹھ چیزیں یہ ہیں۔ (فعل، مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل، مبالغے کے صیغیں اور اسم فعل)۔ اور یہاں ان آٹھ میں سے کوئی بھی نہیں تو محذوف نکالیں گے۔ پس جار مجرور فی دارہٖ ثابتٌ سے متعلق ہوا۔ ترکیب۔ فی جار دار مجرور لفظاً مضاف، ھا ضمیر مجرور محلاً مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے ثابتٌ صیغہ اسم فاعل سے، ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا مؤخر زید کو، ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم، زید مرفوع لفظاً مبتدا مؤخر، مبتدا مؤخر خبر مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اب یہاں اشکال ہو رہا ہے کہ فی دارہٖ کی ھا ضمیر تو زید کو راجع ہے اور ثابت کی ھو ضمیر بھی زید کو راجع ہے۔ یہ تو ضمیر پہلے آیا اور مرجع بعد میں آیا۔ یہ تو اضمار قبل الذکر ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زید لفظوں کے اعتبار سے تو مؤخر ہے لیکن اصل میں مقدم ہے اور کلام یوں ہے، زیدٌ فی دارہٖ،

اب اضمار قبل الذکر لفظا تو آرہا ہے لیکن رُتبۃً نہیں آرہا۔ اور اضمار قبل الذکر جب صرف لفظًا ہو اور رتبۃ نہ ہو تو یہ جائز ہے۔ ہاں اگر اضمار قبل الذکر لفظا بھی ہو اور رتبۃً بھی ہو تو یہ جائز نہیں۔ جیسا کہ اگلے مثال میں آئے گا۔

وَامۡتَنَعَ اور یہ ترکیب ممتنع ہے۔ صَاحِبُهَا فی الدار اس میں صاحبُها مبتدا ہے اور فی الدار خبر ہے۔ اور ھا ضمیر الدار کو راجع ہے۔ اور الدار خبر میں آرہا ہے۔ تو یہ اضمار قبل الذکر آیا لفظًا بھی اور رتبۃً بھی۔ اور یہ جائز نہیں۔ للٰہذا اب اس جملے کی ترکیب بھی نہیں کی جائے گی، کیونکہ یہ جائز ہی نہیں۔

یہ ہے ایک اصل، مبتدا میں اصل ہے مقدّم ہونا اور خبر میں اصل ہے مؤخر ہونا۔ اصل ثانی یہ ہے کہ مبتدا میں اصل ہے معرفۃ ہونا اور خبر میں اصل ہے نکرۃ ہونا۔ فائدہ: اگر ایک اسم معرفۃ ہو اور دوسرا اسم نکرۃ ہو۔ تو معرفۃ مبتدا بنے گا اور نکرۃ خبر بنے گا۔ اور اگر دونوں اسم معرفۃ ہوں تو پھر چاہے جس کو مبتدا بنائے اور چاہے جس کو خبر بنائے۔ جیسا کہ محمدٌ ص نَبِیُّنَا: محمدٌ ص یہ بھی معرفۃ ہے اور نَبِیُّنا مضاف، مضاف الیہ ملکر یہ بھی معرفۃ ہے۔ تو اس میں سے جس کو چاہے مبتدا بنائے اور جس کو چاہے خبر بنائے۔ لیکن یاد رکھو جس کو مبتدا بنانا ہے اسکو مقدم رکھو اور جس کو خبر بنانا ہے اسکو مؤخر۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نکرۃ مبتدا بن سکتا ہے یا نہیں؟ صاحب کافیہ آپ کو بتلائیں گے کہ کبھی کبھار نکرۃ بھی مبتدا بن جایا کرتا ہے۔ اور نکرۃ مبتدا اس وقت بن جایا کرتا ہے جبکہ اسکے اندر تخصیص پیدا ہو جاتا ہے۔ تخصیص کا معنی ہے دیگر احتمالات کو ختم کرنا یا کم کرنا۔ تو تخصیص سے وہ نکرۃ معرفہ تو نہ بنا لیکن معرفۃ کے قریب ہو گیا۔ اور " قریب الی الشیٔ فی حکم الشیٔ "ہوتی ہے۔ جیسا کہ غلام کا لفظ دنیا کے تمام غلاموں پر صادق آتا ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ کوئی صفت ذکر کیا جائے، جیسا کہ غلامٌ مؤمنٌ۔ اب اس سے کافر غلام مراد نہیں۔ تو اس صفت سے غلام کے اندر تخصیص پیدا ہوا۔ اور اس تخصیص سے یہ معرفۃ کے نزدیک ہوا۔

پھر صاحب کافیہ آپکو تخصیص کے چھ طریقے بتائیں گے۔

و قد یکونُ المبتدأُ نکرۃً اور کبھی کبھار مبتدا نکرۃ ہوتا ہے۔ اذا تَخَصَّصَتۡ بوجہٍ مَا جب وہ تخصیص پا جائے یعنی وہ نکرۃ، کسی وجہ سے یا کسی طریقہ سے۔ تَخَصَّصَتۡ کی ھی ضمیر نکرۃ کو راجع ہے۔ کبھی کبھار کلام کے اندر "ما" کے لفظ کو بڑھا دیا جاتا ہے نکرۃ کے بعد۔ یہ "ما" بھی اسم ہوتا ہے اور ما قبل کے نکرۃ کے لئے صفت بنتا ہے۔ اور اس کو ابہام کے اور زیادہ کرنے کے لئے بڑھایا جاتا ہے۔ یعنی وجہٍ بھی نکرۃ ہے جس میں عموم پایا جاتا ہے اور آگے "ما" سے عموم مزید بڑھ گیا۔

مثلُ مثال کے طور پر۔ آگے تخصیص کے چھ طریقے بتلاتے ہیں۔ [1] و لَعَبۡدٌ مؤمنٌ خیرٌ من مشرکٌ اس میں لام تاکید کا ہے، عبد موصوف ہے، اور مؤمنٌ اسکی صفت ہے۔ عبدٌ یہاں مبتدا بن رہا تھا۔ اور نکرۃ کی وجہ سے یہ مبتدا نہیں بن سکتا تھا، تو آگے اس کی صفت مؤمنٌ کی وجہ سے اس میں تخصیص آئی، اور یہ مبتدا بن گیا۔ اور آگے "خیرٌ من مشرکٌ" اسکی خبر ہے۔ اس تخصیص کا نام "تخصیص بالصفت" ہے۔

[2] و أرجلٌ فی الدار ام امرأۃٌ [2] تخصیص بعلم المتکلم۔ یعنی متکلم کے علم کی وجہ سے نکرۃ کے اندر تخصیص آیا۔ تخصیص بعلم المتکلم وہاں آتی ہے جہاں ہمزہ استفہام "ام" متصلہ کے ساتھ آئے۔ صاحب کافیہ آگے جا کر بتلائے گا کہ اَمۡ دو قسم پر ہے۔ ایک اَمۡ متصلہ اور دوسرا اَمۡ منقطعہ۔ یہ اَم متصلہ ہے۔ اِم متصلہ وہ ہے جس کے ذریعے متکلم سوال کرتا ہے، دو متعین چیزوں میں سے کسی

ایک کے تعیین کا۔ جیسا کہ آپ کسی سے سوال کرے کہ "اَ رجلٌ فی الدار ام امرأۃٌ" یہ سوال آپ اس وقت کر سکتے ہوں کہ آپ کو پتہ ہو کہ گھر میں مرد یا عورت ہی ہے کوئی تیسرا چیز نہیں۔ اب آپ مخاطب سے سوال تعیین کے لئے کر رہے ہیں۔ کہ بھئی اتنا تو مجھے پتہ ہے کہ مرد یا عورت میں سے کوئی ہے لیکن مجھے اتنا بتلادو کہ مرد ہے یا عورت۔ تو وہ جواب میں کہے گا، "رجلٌ" یا وہ جواب میں کہے گا، "اِمْرَأۃٌ" اس سے وہ تعیین کردے گا۔ اور جواب میں نَعَمْ یا لَا نہیں کہے گا۔ یہاں رجلٌ مبتدا ہے۔ اور مبتدا بن سکتا ہے کیونکہ اس میں علم متکلم کی وجہ سے تخصیص آگئی۔

[3] **و ما احدٌ خیرٌ منک** یہ تخصیص کا تیسرا طریقہ ہے۔ اسکو تخصیص بالعموم کہتے ہے۔ تخصیص بالعموم وہاں آتی ہے، جہاں "نکرۃ" تحتَ النفی واقع ہو۔ اور جب نکرۃ تحتَ النفی واقع ہو تو یہ عموم کا فائدہ دیتی ہے۔ تو یہاں تخصیص بالعموم آئی۔ بھئی اس پر اشکال ہوا، آپ کہہ رہے ہیں، تخصیص اور تخصیص کر رہے ہیں عموم کے ذریعے۔ عموم اور خصوص تو ضدین ہے ایک دوسرے کے۔ عموم کا مطلب ہے اشتراک کا زیادہ ہونا۔ اور خصوص کا معنی ہے اشتراک کا کم ہونا۔ مصنف رحؒ جواب دیتے ہیں کہ تخصیص کا معنی ہے دیگر احتمالات کو کم کرنا یا ختم کرنا۔ اور وہ احتمالات یہاں بھی ختم ہوجاتے ہیں۔ یہ کلام " ما احدٌ خیرٌ منک" یعنی کوئی ایک بھی آپ سے افضل نہیں۔ اس سے "ما" کو ھٹاؤ، یعنی نفی کو ھٹا کر دیکھو اس جملے کو، اور میں آپ سے کہتا ہوں کہ "احدٌ خیرٌ منک فی الدرجۃ الثالِثۃِ": یعنی درجہ ثالثہ والوں میں سے کوئی ایک لڑکا تجھ سے افضل ہے۔ اب مثلاً درجہ ثالثہ کے تیس طلباء ہیں۔ اور میں نے اِس لڑکے سے کہا ہے کہ ایک لڑکا ایسا ہے جو تجھ سے افضل ہے۔ اب اس اَحَدٌ میں تیس احتمال ہوگئے۔ اور جب میں نے اس پر حرف نفی داخل کیا، "ما احدٌ خیرٌ منک" کوئی ایک بھی تجھ سے افضل نہیں۔ اب درجہ ثالثہ کے تمام طلباء کی نفی کی گئی۔ اب کوئی دوسرا احتمال نہیں۔ یعنی جب یہ نکرۃ اَحَدٌ ، تحتَ النفی آگیا، تو ساروں کی اکھٹی نفی ہوگئی۔ تو اس سے عموم آیا۔ اور یہاں دیگر احتمالات سارے ختم ہوگئے۔ پہلے تیس احتمال تھے اب انتیس ختم ہوگئے اور ایک احتمال ہے اس میں۔

یاد رکھو یہ متن جو صاحب کافیہ نے ذکر کیا یہ مذہب بنو تمیم پر ہے۔ اس لئے کہ یہ "ما مشابہ بلیسَ" ہے۔ اور "ما مشابہ بلیسَ" اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب۔ اور یہاں آپ دیکھے اسکا خبر بھی مرفوع ہے۔ اَحَدٌ اس کا اسم بھی مرفوع ہے، اور خَیرٌ اسکا خبر بھی مرفوع ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ متن بنو تمیم کے مذہب پر ہے۔ اُن کے نزدیک یہ "مَا" عمل نہیں کرتا۔

[4] **و شرٌّ اَھَرَّ ذاناب** شر نے ہی بھونکوایا کتے کو۔ ذُو ناب: کتا، یعنی کچلی کے دانت والا، ناب کی جمع اَنیاب آتی ہے یعنی کچلی کے دانت۔ یعنی نوک دار دانت۔ گوشت خور درندوں کے سارے دانت نوک دار ہوتے ہیں۔ سبزی خور جانوروں کے سارے دانت ہموار ہوتے ہیں۔

یہاں "تخصیص بالعدول من الجملۃِ الفعلیۃِ الی الجملۃِ الاسمیۃ" ہے۔ اصل میں تھا، "اَھَرَّ شَرٌّ ذاناب": بھونکوایا شر نے کتے کو۔ اس میں اَھَرَّ فعل ہے، شَرٌّ اس کے لئے فاعل ہے اور ذَاناب (مضاف، مضاف الیہ) اس کے لئے مفعول بہ ہے۔ ذُو ہمیشہ مضاف ہوتا ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔ لیکن پھر وہ جو فاعل تھا اُسکو اٹھایا اور اَھَرَّ پر مقدم کیا۔ کیونکہ فاعل کا حق مؤخر ہونا ہے۔ اب شَرٌّ ہوا مبتدا، اور اَھَرَّ کے اندر ھو ضمیر اسکا فاعل بن گیا۔

"اَھَرَّ شَرٌّ ذاناب" اصل میں اَھَرَّ کے اندر ھو ضمیر مبدل منہ ہے۔ اور شَرٌّ اس سے بدل۔ مبدل منہ اپنے بدل سے ملکر فاعل بن گیا۔ اور ذاناب اس کے لئے مفعول بن گیا۔ تو یہ جملہ فعلیہ ہوگیا۔ اور پھر شَرٌّ جو کہ بدل تھا، اسکو اٹھا کر اَھَرَّ پر مقدم کیا۔ اب شَرٌّ مبتدا بن گیا۔ اور اَھَرَّ

فعل اپنے فاعل ھو ضمیر اور مفعول ذاناب کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوا۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو پہلے جملہ فعلیہ تھا اور اب جملہ اسمیہ ہوا۔

تو "تَقدِيمُ مَا حَقُّهُ التَّاخِيرُ يُفِيدُ الحَصرَ و القَصرَ وا لتَّخصِيصَ": تو جب بھی فاعل کو مسند فعلی پر مقدم کرے تو یہ عام طور پر تخصیص یا تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔

یہ کلام "شَرٌّ اَهَرَّ" اُس موقع پر کیا جاتا ہے، جب کسی بڑے شر کے، بڑے فتنے کے آثار نمودار ہو۔ یعنی محتاط رہو۔ هَرِيْر: کتے کی آواز جو وہ خطرے کی وقت یا تکلیف کے وقت نکالتا ہے۔ اس سے عام بھونکنا مراد نہیں۔ تو یہ کلام "مَا اهرَّ ذاناب الا شر" کے معنی میں ہوا۔ تخصیص کے لئے "ما اور الّا" آتے ہیں۔

بعض لوگ فرماتے ہیں، کہ اس میں شَرٌّ موصوف ہے، اور اسکی صفت عَظِيمٌ محذوف ہے۔ تو عظیم شر نے کتے کو بھونکوایا ہے۔ تو صفت مقدرہ آ گئی اور صفت کی وجہ سے نکرۃ میں تخصیص آجاتی ہے۔

[5] **و فی الدار رجل** یہ تَخصیص بِتَقْدِيمِ الخَبَرِ ہے۔ فی الدار خبر مقدم ہے اور رجل مبتدا موخر۔ اور جب خبر کو مقدم کیا جائے تو مبتدا میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے۔ رجلٌ نکرۃ ہے، اور فی الدار اُسکے لئے خبر مقدم۔ اشکال ہوتا ہے، کہ رجلٌ تو نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا نہیں بنتا۔ آپ نے کیسے اس کو مبتدا بنایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ خبر کے مقدم ہونے کی وجہ سے نکرۃ میں تخصیص آئی ہے۔ اور اب یہ مبتدا بن سکتا ہے۔

[6] **و سلامٌ علیک** اس کا نام ہے تخصیص بالنسبةِ الی المتکلم۔ تخصیص پیدا کرنا متکلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ سلامٌ نکرہ ہے مبتدا اور علیک جار مجرور اس کی خبر ہے۔ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر یہ نکرہ مبتدا کیسے بنا۔ جواب یہ کہ یہاں تخصیص آئی بنسبت الی المتکلم کی وجہ سے۔ یہ اصل میں تھا، "سَلَّمْتُ سلامًا علیکَ" سَلَّمْتُ فعل بفاعل،، سلامًا اس کے لئے مفعول مطلق، علیکَ جار مجرور یہ سلّمتُ سے متعلق ہے۔ پھر سلَّمْتُ فعل اور فاعل دونوں کو حذف کیا، تو سلامًا علیکَ رہ گیا۔ اور سلامًا کا نصب بتلا رہا ہے کہ یہ کسی فعل محذوف کے لئے مفعول مطلق ہے۔ اور جملہ فعلیہ دلالت کرتا ہے حدوث پر۔ اور جملہ اسمیہ دلالت کرتا ہے ثبوت اور استمرار پر۔ حدوث کا معنی ہے کوئی پہلے نہ تھی، پھر ہوئی اور پھر گزر بھی گئی۔ جیسے ضرب، پہلے ضرب نہیں تھا، پھر ضرب واقع ہوا اور پھر ضرب گزر بھی گیا۔ اور جملہ اسمیہ دلالت کرتا ہے ثبوت پر۔ جیسا کہ زیدٌ قائمٌ میں زید کے لئے قیام ثابت ہے۔ اس میں ہونا نہیں، کہ پہلے نہیں تھی اور اب ہوئی۔ اور پھر کبھی یہ دوام کا بھی فائدہ دیتی ہے۔ یعنی زید کے لئے قیام ہمیشہ کے لئے ثابت ہے۔

پس سلامًا علیکَ یہ جملہ فعلیہ ہے اور جملہ فعلیہ دلالت کرتا ہے حدوث پر۔ تو جملہ فعلیہ سے عدول کر کے جملہ اسمیہ بنایا گیا۔ اور سلامًا سے سلامٌ کر کے مبتدا بنا دیا گیا۔ اور علیکَ اس کی خبر ہو گئی۔ اور جملہ اسمیہ دوام پر دلالت کرتے ہے۔ یعنی یہ سلامتی آپ پر دوام کے طریقے پر ہو۔ اور یہ سلامتی اُس پر متکلم کی طرف سے ہے۔ تو یہاں متکلم کی طرف نسبت کرنے سے ایک نکرہ سلامٌ میں تخصیص آ گئی۔

یاد رکھو اس کے علاوہ بھی چند جگہیں ایسی ہیں جہاں پر نکرۃ مبتدا بن سکتا ہے بغیر تخصیص کے۔ ایک ہے مقام دعا اور بد دعا میں۔ یہ سلامٌ علیک بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور بد دعا کے طور پر وَيلٌ لکَ کہا جاتا ہے۔ اور بد دعا میں ویلٌ نکرہ مبتدا بن سکتا ہے۔ دوسرا تعجب کے مقام پر بھی نکرہ مبتدا

بن سکتا ہے۔جیسا کہ عَجَبٌ لِزَیدٍ : زید کے لئے تعجب ثابت ہے۔یعنی زید پر تعجب ہے۔ تیسرا یہ کہ جہاں کسی چیز کی حقیقت مراد ہوتی ہے اور افراد مراد نہ ہو، وہاں پر بھی نکرہ مبتدا بن سکتا ہے۔جیسا کہ رَجَلٌ خیرٌ مِنْ اِمۡرَءَۃٍ : جنس مرد بہتر ہے جنس عورت سے۔یہاں حقیقت فرد مراد نہیں۔ اس لئے کہ بعد عورتیں مردوں سے افضل ہوتی ہیں۔ایسا نہیں کہ ہر فرد رجل ہر فرد عورت سے افضل ہے۔چوتھا یہ کہ اِذَا مُفاجاتیه کے بعد بھی نکرہ مبتدا بن جاتا ہے۔اِذَا مُفاجاتیه جو اچانک کا معنی ادا کرتا ہے۔جیسا کہ " خَرَجۡتُ مِنَ الدارِ" : میں گھر سے نکلا،فَاِذَا رجلٌ موجودٌ : تو اچانک ایک آدمی (موجود) تھا۔تو رجلٌ نکرہ ہے لیکن اِذا مُفاجاتیه کے بعد آنے کی وجہ سے مبتدا بن گیا۔اور اِذا مفاجاتیه کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے۔تو یوں کہیں گے، " خرجتُ فاذا رجلٌ"۔

درس 30۔

و الخبرُ قد یکونُ جُملةً اور خبر کبھی کبھار جملہ ہوتی ہے۔ زیدٌ قائمٌ میں مبتدا کی خبر مفرد ہے۔اور زیدٌ قامَ میں یہ قامَ پورا جملہ ہے اور یہ خبر بن رہا ہے مبتدا کے لئے۔ مثلُ مثال کے طور پر زیدٌ ابوہُ قائمٌ اس میں زیدٌ مبتدا ہے اور ابوہُ قائمٌ پورا جملہ مبتدا کے لئے خبر بن رہا ہے۔اور جملہ بھی جملہ اسمیہ آیا۔ ترکیب۔ زیدٌ مرفوع لفظا مبتدا اوّل، ابو مرفوع لفظا مضاف، ھا ضمیر مجرور محلا مضاف الیہ جو کہ راجع ہے مبتدائے اوّل کو، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر مبتدائے ثانی، قائمٌ مرفوع لفظا صیغہ اسم فاعل، اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلا اسکا فاعل جو کہ راجع ہے مبتدائے ثانی ابوہ کو۔صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدائے ثانی کے لئے، مبتدائے ثانی اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدائے اوّل کے لئے۔ مبتدائے اوّل اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ: زید کہ اُسکا باپ کھڑا ہے۔ و زیدٌ قامَ ابوہُ ترکیب۔ زیدٌ مرفوع لفظا مبتدا، قام فعل، ابو مرفوع لفظا مضاف، ھا ضمیر مجرور محلا مضاف الیہ جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا کو، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ: زید کہ کھڑا ہوا اُسکا باپ۔

فلا بُدَّ مِن عَایِدٍ تو ضروری ہے عائد کا ہونا۔کیونکہ جملہ مستقل ہوتا ہے وہ کسی سے جُڑنے کا محتاج نہیں ہوتا۔لیکن جب آپ جملہ کو خبر بنا رہے ہو اور اس کو مبتدا سے جوڑتے ہوں تو اس کے لئے ربط کا ہونا ضروری ہے۔اور یہی ربط عاید کہلاتا ہے۔عائد کی کئی صورتیں ہیں۔عائد سب سے زیادہ ضمیر کی صورت میں آتی ہے۔عائد کبھی الف لام کی صورت میں آتی ہے، کبھی اسم اشارہ کی صورت میں۔ و قد یُحذفُ اور کبھی کبھار عائد کو حذف کیا جاتا ہے۔اس صورت میں آپ کو محذوف نکال کر بتلانا پڑے گا۔جو عائد منہ کے ساتھ آتا ہے اُس کو قیاساً حذف کیا جاتا ہے۔جیسا کہ هداية النحو میں آیا تھا، اَلبُرُّ الکُرُّ بِستّیّنَ دِرهمًا: بُرٌّ: گندم، کُرٌّ: ایک پیمانہ کا نام ہے۔اب اس میں اَلبُرُّ ہے مبتدائے اوّل، اَلکُرُّ ہے مبتدائے ثانی، اور بستّیّنَ درهمًا ہے خبر۔مبتدائے ثانی اپنے خبر سے ملکر یہ جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوا مبتدائے اوّل کے لئے۔تو سوال یہ کہ یہاں تو کوئی ضمیر نہیں کوئی عائد نہیں تو پھر ربط کیسے آیا۔تو جواب یہ کہ یہاں مِنۡهُ محذوف ہے۔ ای البرُّ الکرُّ منهُ بستین درهما۔ اور منهُ کے اندر یہ ھا ضمیر مبتدائے اوّل کو راجع ہے۔اور منهُ کے ساتھ جو عائد آتی ہے اُس کو قیاساً حذف کر لیا جاتا ہے۔

و ما وقع اور وہ خبر جو واقع ہو، ما اسم موصول ہے۔اور اسم موصول کے مدلولات ہوا کرتی ہے۔اور یہاں اسکی مدلول خبر ہے۔ ظرفا اس حال میں کہ ظرف ہو۔چاہے ظرف حقیقی ہو یا ظرف مجازی۔ظرف دو قسم پر ہے۔ایک ظرف حقیقی اور ایک ظرف مجازی۔زمانے اور مکان کو ظرف

حقیقی کہتے ہیں۔اور جار مجرور کو ظرف مجازی کہتے ہے۔جیسا کہ زیدٌ فی الدار۔ اس میں زیدٌ مبتدا،اور فی الدار جار مجرور ظرف مجازی خبر واقع ہورہا ہے۔یا زیدٌ عندِیْ اس میں عندی ظرف حقیقی یعنی ظرف مکان خبر واقع ہورہا ہے۔جار مجرور یا ظرف حقیقی جب بھی کلام میں آئے تو وہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک سے ضرور متعلق ہوگا۔اگر اُن آٹھ چیزوں میں سے کوئی عبارت کے اندر موجود ہے اور جار مجرور اس سے جُڑ رہا ہے تو اچھی بات ہے۔اور اگر عبارت میں ذکر نہیں تو پھر آپ کو محذوف نکالنا پڑے گا۔اور وہ مُتَعَلَّق اس جار مجرور یا ظرف حقیقی میں عامل ہوگا۔جار مجرور اپنے عامل سے متعلِّق ہوتا ہے اور یہ ظرف حقیقی اپنے عامل کے لئے مفعول فیہ بنے گا۔اور وہ محذوف عام طور پر افعال عامہ میں سے نکالتے ہیں۔افعال عامہ مشہور چار ہیں۔یعنی کُون، ثُبوت، وُجود اور حُصول۔ کون: ہونا،اسی سے کانَ ہے۔ ثبوت سے فعل ثبتَ ہے۔ وُجود سے فعل وَجَدَ ہے،اور حُصول سے فعل حصلَ ہے۔ ان کو افعال عامہ اس لئے کہتے ہیں کہ ہر فعل کے اندر انکا معنی پایا جاتا ہے۔مثلا ضربَ زیدٌ عمرًوا۔ اس ضربَ کے اندر کون، ثبوت، وجود اور حصول سب ہے۔ جب زید نے ضرب لگائی۔تو کون پایا گیا۔یعنی کوئی فعل کیا گیا۔اور ثبوت بھی پایا گیا۔یعنی ضرب کا ثبوت۔ حصول بھی پایا گیا۔یعنی ضرب کا حصول بھی پایا گیا۔اور ضرب کا وجود بھی پایا گیا۔باقی افعال ایسے نہیں۔یعنی ضرب کا معنی اکل میں نہیں۔اور اکل کا معنی ضرب میں نہیں۔یعنی ہر فعل میں دوسرے فعل کا معنی نہیں پایا جاتا۔تو باقی افعال عام نہیں اور یہ چار افعال عام ہے۔اور ان کا معنی ہر فعل میں پایا جاتا ہے۔

تو جار مجرور ان چار فعلوں میں سے کسی ایک سے متعلق ہوں گے۔چاہے ان چار کے فعل سے متعلق کرے اور چاہے اسم فاعل وغیرہ سے متعلق کرے۔ جیسا کہ زیدٌ کان فی الدار۔ اور زید کائنٌ فی الدارِ۔ یا زیدٌ ثبتَ فی الدارِ اور زیدٌ ثابتٌ فی الدارِ۔ اسی طرح زیدٌ حصل فی الدار اور زیدٌ حاصلٌ فی الدار بھی نکال سکتے ہے۔ ان تین سے فعل معروف نکالتے ہیں یا اسم فاعل نکالتے ہیں۔اور وُجود سے فعل مجہول نکالتے ہے یا اسم مفعول۔یعنی زیدٌ وُجِدَ فی الدار یا زیدٌ موجودٌ فی الدار۔

بعض علماء کے نزدیک مفرد کا صیغہ نکالنا اولی ہے۔اور بعض علماء کے نزدیک فعل کو نکالنا اولی ہے۔اور صاحب کافیہ بھی بتلاتے ہیں کہ فعل کو محذوف مانیں گے۔

فالاکثرُ انّہ مقدَّرٌ بجملةٍ تو اکثر نحویوں کے نزدیک اس ظرف کی تاویل کی جائے گی جملہ کے ساتھ۔مُقَدَّرٌ بجملةٍ ای مؤَوَّلٌ بجملةٍ۔ یعنی زیدٌ فی الدار کی تاویل زیدٌ ثبتَ فی الدار کے ساتھ کی جائے گی۔نیز اس کی تاویل زیدٌ ثابتٌ فی الدار کے ساتھ بھی جائز ہے۔لیکن اکثر نحویوں کے نزدیک زیدٌ ثبتَ فی الدار اولی ہے۔اور زیدٌ عندی کی تاویل زیدٌ ثبتَ عندی کے ساتھ کریں گے۔اور یہ عندی ثبتَ کے لئے ظرف بنے گا۔

درس 31۔

صاحب کافیہ اب اُن جگہوں کے بارے میں فرماتے ہیں جہاں مبتدا کو مقدم کرنا اور خبر کو مؤخر کرنا واجب ہو جاتا ہے۔اور کچھ جگہیں ایسی ہیں جہاں پر خبر کو مقدم کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ یہاں صاحب کافیہ چار جگہوں کے بارے میں بتلائے گا کہ مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ **و اذا کان**

المبتدأُ مشتملا اور جب مبتدا مشتمل ہو **علی ما** ایسی چیز پر،یعنی ایسے معنی پر **لہ صدرُ الکلام** کہ جس کے لئے واجب ہو صدارت

کلام، مَا موصولہ ہے، لَهُ خبر مقدم اور صدرُ الكلامِ مبتدا مؤخر ہے۔ لَهُ جار مجرور کے لئے مُتَعَلَّق واجبٌ نکالیں گے۔ ای علیٰ ما واجبٌ لهُ صدرُ الكلامِ: کہ جن کے لئے صدارت کلام واجب ہو۔ اور اسکی جزا ایک ڈیڑھ سطر کے بعد وَجَبَ تَقْدِيمُهُ آرہا ہے۔ یعنی اگر ایسی صورتیں ہوں تو پھر مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ **مثلُ مَن ابوک**[1] مثال کے طور پر مَنْ ابوکَ۔ یہاں مَنْ استفهامیه ہے۔ اور استفہام صدارت کلام چاہتا ہے۔ اس وجہ سے مَنْ کلام کے شروع میں لے آئے۔ اور یہ مَنْ مبتدا ہے۔ ترکیب۔ مَنْ استفهامیه مرفوع محلا مبتدا، ابو مرفوع لفظا مضاف، کاف ضمیر مجرور محلا مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر خبر، مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ اور یہاں ابوکَ من کہنا جائز نہیں۔ یہ صاحب کافیہ اور امام سیبویہ رحمہ اللہ وغیرہ کا قول ہے۔ جبکہ جمہور کے نزدیک مَنْ خبر مقدم ہے اور ابوک مبتدائے مؤخر ہے۔ جمہور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ مَنْ استفهامیه ہے اور مَنْ استفهامیه نکرہ ہوتا ہے۔ اور ابوکَ ہے معرفہ۔ اور ضابطہ یہ ہے کہ جب دو اسم ہوں، اور ان میں ایک اسم نکرہ ہو اور دوسرا معرفہ تو معرفہ کو مبتدا بنانا ہے اور نکرہ کو خبر۔ تو اس لئے مَنْ کو خبر مقدم بنایا اور ابوک کو مبتدا مؤخر بنایا۔

او کانا معرفتین[2] یا وہ دونوں معرفہ ہوں۔ یعنی مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں۔ پھر اس میں آپ کی مرضی جس کو چاہے تو مبتدا بناؤ اور جس کو چاہے تو خبر بناؤ۔ لیکن جس کو مبتدا بنانا ہے اُس کو مقدم کرو۔ اور جس کو خبر بنانا ہے اُس کو مؤخر کرو۔ اب تقدیم وتاخیر میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ زیدٌ القائمُ میں دونوں معرفہ ہیں۔ اس میں زید مبتدا ہے، القائم معرفہ ہے اور خبر ہے۔ لیکن القائمُ زیدٌ میں کسی کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ زید مبتدا ہے۔ بلکہ ہر ایک یہ سمجھے گا کہ القائم مبتدا ہے۔ تو اس صورت میں جب دونوں معرفہ ہوں تو مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ ورنہ پھر مبتدا کا خبر کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ **او مُتَسَاوِيَيْنِ**[3] یا دونوں معرفہ تو نہیں لیکن برابر ہے آپس میں۔ یعنی مبتدا اور خبر دونوں تخصیص میں برابر ہے۔ یعنی مبتدا بھی ایسا نکرہ ہے جس میں تخصیص آچکی ہے اور خبر بھی ایسا نکرۃ ہے جس میں تخصیص آچکا ہے۔ اب جس نکرہ مخصصہ کو مبتدا بنانا ہے تو اسکو مقدم کردو اور جس نکرۃ مخصصہ کو خبر بنانا ہو تو اسکو مؤخر کردو۔ ورنہ پھر مبتدا کا خبر کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔

نحو افضلُ منک اَفْضَلُ اسم تفضیل ہے اور مِنکَ جار مجرور اس سے متعلق ہو رہا ہے۔ یہ مبتدا ہے لیکن تخصیص آگئی اس میں منک کی وجہ سے۔ **افضلُ منی** اَفْضلُ اسم تفضیل ہے اور اس میں بھی تخصیص آئی مِنِّی کی وجہ سے۔ تو جب دونوں نکرہ مخصصہ ہے تو اب جس کو مبتدا بنانا ہے اسکو مقدم کرنا واجب ہے۔ تو اَفْضَلُ منک مبتدا اور اَفْضَلُ منی خبر۔ اور اگر آپ اَفْضل منی کو مقدم کرے یعنی افضل منی افضل منک تو پھر کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ مبتدا مؤخر ہے۔

او کان الخبرُ فعلا[4] اور یا خبر فعل ہو **له** مبتدا کے لئے، تو جب مبتدا کی خبر فعل ہو تو اس صورت میں مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ زیدٌ قامَ میں زید مبتدا ہے۔ اور قامَ فعل اپنے فاعل کے ساتھ ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ تو اس صورت میں مبتدا کو خبر پر مقدم کرنا واجب ہے۔ اور اگر مبتدا کو مقدم نہیں کیا تو پھر اس صورت میں التباس آئے گا مبتدا کا فاعل کے ساتھ۔ جیسا کہ قامَ زیدٌ میں زید قامَ کے لئے فاعل ہے۔ اور آپ نے زید کو مبتدا بنانا ہے لیکن سننے والا سمجھے گا کہ یہ فاعل ہے۔ **مثل زیدٌ قامَ** مثال کے طور پر زیدٌ قامَ۔

وجب تقديمُهُ تو ان تمام صورتوں میں مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔ یہ کل چار صورتیں ہوئی جن میں مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔

اب صاحب کافیہ کچھ ایسی جگھوں کے بارے میں بتلائے گا جہاں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ [1] و اذا تَضَمَّنَ الخبرُ المفردُ اور جب متضمن ہو خبر، ایسی خبر جو مفرد ہو۔ یعنی جب مفرد خبر متضمن ہو۔ خبر کبھی جملہ بھی ہوا کرتی ہے۔ ما ایسے معنی پر لَهُ صدرُ الکلام جس کے لئے صدارت کلام واجب ہے۔ یہ ہے شرط آگے اس کی جزا وَجَبَ تقدیمُهُ آرہا ہے۔ یعنی پھر خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اور درمیان میں عطف کے ذریعے اور بھی کئی صورتیں بتلائے گا۔ مثلُ اینَ زیدٌ زید کہاں ہے؟ اَینَ جگہ کے لئے آتا ہے۔ پس اَینَ ظرف ہے۔ اور اس ظرف کے لئے عامل چاہئے۔ اور یہاں ہم ثابتٌ نکالیں گے اور یہ اَینَ اس کے لئے مفعول فیہ بنے گا۔ تو یہ خبر مقدم بنے گا اور زید مبتدا مؤخر بنے گا۔ یہاں خبر اَینَ مفرد ہے اور معنی استفہام پر مشتمل ہے۔ اور یہ صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ اس لئے اسکو مقدم کرنا واجب ہوا۔ تو اینَ ظرف مستقر خبر مقدم بنا، اور زیدٌ مبتدا مؤخر۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔

[2] او کان مُصَحِّحا لَهُ اور یا خبر صحیح کرنے والی ہو مبتدا کو، یعنی مبتدا کے وقوع کو صحیح کرنے والی ہو، کہ وہ مبتدا واقع ہو۔ مثلاً ہم نے پڑھا کہ نکرہ میں جب تک تخصیص نہ آئے تو وہ مبتدا نہیں بن سکتا۔ مثلاً میں کہتا ہوں، رجلٌ فی الدار، اور آپ نے کہا کہ یہ رجلٌ تو نکرہ محضہ ہے، اور نکرہ تو کبھی مبتدا نہیں بن سکتا۔ اور فی الدار کو مقدم کرو، یعنی فی الدار رجلٌ۔ اب رجل مبتدا بن سکتا ہے، کیونکہ اس میں تخصیص آگئی۔ کیونکہ یہ تخصیص بتقدیم الخبر ہے۔ کیونکہ اس خبر کی تقدیم نے رجل کو مبتدا بنایا۔ کیونکہ تقدیم خبر کی وجہ سے اس نکرۃ میں تخصیص آگئی۔ اور تخصیص کی وجہ سے اس کا مبتدا بننا صحیح ہوا۔ تو دیکھو اب یہ خبر اس کو مبتدا بننے کو صحیح بنا رہی ہے۔ مثلُ فی الدارِ رجلٌ فی الدار ظرف مستقر خبر مقدم ہے۔ اور رجل مبتدائے مؤخر ہے۔

[3] او لِمُتَعَلِّقِهٖ ضمیرٌ فی المبتدأ یا خبر کے متعلق کے لئے کوئی ضمیر ہو مبتدا میں، ھا ضمیر راجع ہے خبر کو۔ تو اس صورت میں بھی خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اگر اس صورت میں خبر کو مقدم نہ کرے تو پھر اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی۔ کیونکہ ضمیر پہلے آئی اور مرجع بعد میں۔ اور یہ مرجع لفظوں کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے اور رتبہ کے اعتبار سے بھی مؤخر ہے۔ لہذا جب مبتدا کے اندر ایسی کوئی ضمیر ہو، جو خبر کے کسی متعلق کو لوٹے، تو اس صورت میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ اور جب خبر مقدم ہو جائے تو پھر ضمیر کا لوٹانا اس کی طرف صحیح ہوگا۔ مثلُ مثال کے طور پر علی التَّمرۃِ مِثْلُها زُبْدًا کھجور پر اُسی کھجور کے مثل مکھن ہے۔ مِثْلُهَا کی ھا ضمیر تمرۃ کو راجع ہے۔ مثل: برابر، علی التَّمْرَةِ جار مجرور ظرف مستقر ہو کر خبر مقدم ہے۔ مِثْلُهَا یہ مبتدائے مؤخر ہے۔ اس مبتدا کے اندر ایک ضمیر ہے جو خبر کے متعلق کو راجع ہے۔ اس صورت میں اگر ہم یوں کہتے کہ " مِثْلُهَا علی التَّمْرَةِ" تو اس صورت میں اضمار قبل الذکر آتا۔ لہذا اب واجب ہوا کہ اب خبر کو مقدم کرو۔ اس صورت میں ھا ضمیر کو تمرۃ کی طرف لوٹانا صحیح ہوا۔ اور زُبْدًا یہ تمیز ہے مِثل سے۔ کیونکہ مثل کے اندر ابہام ہے جسکو زُبْدًا نے آکر دور کر دیا۔

[4] او کان خبرا عن اَنَّ خبر کو اس وقت بھی مقدم کرنا واجب ہے جب وہ اَنَّ سے خبر ہو۔ اِنَّ اور اَنَّ دونوں مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، ایک کو ان کا اسم کہتے ہیں اور دوسرے کو ان کا خبر۔ فرق یہ کہ اِنَّ کے داخل ہونے کے بعد بھی یہ جملہ رہتا ہے۔ جیسا کہ زیدٌ قائمٌ : زید کھڑا ہے، اور اِنَّ زیدًا قائمٌ: یقیناً زید کھڑا ہے۔ تو یہ اب بھی جملہ ہے۔ اور اَنَّ کے دخول کے بعد وہ جملہ نہیں رہتا بلکہ وہ مفرد بن جاتا ہے۔ جیسا کہ اَنَّ زیدًا قائمٌ ای قیامُ زیدٍ: زید کا قیام: اب یہ جملہ نہیں بلکہ جملہ کا ایک جز بنے گا۔ اب اس قیامُ زیدٍ کو مبتدا بناؤ، کیونکہ یہ معرفہ ہے اور

معرفہ مبتدا بن سکتا ہے۔اور اس کا خبر مثال کے طور پر عندی بناؤ۔یعنی زید کا قیام میرے پاس ہے۔اور کلام یوں کرتا ہوں، اَنَّ زیدًا قائمٌ عندی۔ تو یہ اَنَّ زیدًا قائمٌ مبتدا ہوا،اور عندی ظرف اس کا خبر ہوا۔تو اس صورت میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے، کیونکہ یہ اَنَّ سے خبر ہے۔تو اس صورت میں درست کلام، "عندی اَنَّ زیدًا قائمٌ" ہے۔ اور اگر آپ خبر کو مقدم نہیں کریں گے اور یوں کہیں گے، کہ" اَنَّ زیدًا قائمٌ عندی" تو اس صورت میں پڑھنے والا اس کو اِنَّ پڑھے گا، کیونکہ کلام کے ابتدا میں اَنَّ نہیں آتا بلکہ اِنَّ آتا ہے۔لہذا اس صورت میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔ورنہ پھر اَنَّ کا التباس اِنَّ کے ساتھ لازم آئے گا۔ مثلُ عندی اَنَّـک قائمٌ ای عندی قیامُکَ۔

وجب تقدیمُہُ تو ان چار صورتوں میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے۔

و قد یَتعَدَّدُ الخبرُ اور کبھی خبروں میں تعدد آتا ہے۔یعنی ایک مبتدا کے لئے کئی خبر آ سکتے ہیں۔ مثل زیدٌ عالمٌ عاقلٌ زید مبتدا کے لئے دو خبر عالم اور عاقل آئے ہیں۔

درس 32۔

مصنف رحؒ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار مبتدا متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو، تو اس صورت میں مبتدا کی خبر پر فا کا لانا جائز ہوتا ہے۔ و قد یَتَضَمَّنُ المبتدأُ معنَی الشرطِ اور کبھی متضمن ہوتا ہے مبتدا معنی شرط کو، فَیَصِحُّ دُخُوْلِ الفاءِ فی الخبر تو صحیح ہے اُس کے خبر پر "فا" کا داخل ہونا۔ آگے مصنف رحؒ بتلائے گا کہ وہ کونسا مبتدا ہے جو متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو۔ و ذلک الاسمُ الموصولُ وہ اسم موصول ہے۔اسم موصول چاہے آپ نے مبتدا بنانا ہو، چاہے خبر بنانا ہو، چاہے فاعل بنانا ہو چاہے مفعول بنانا ہو، یعنی کچھ بھی بنائیں، اسم موصول کے ساتھ ہمیشہ صلہ ملانا پڑے گا۔اور صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ نیز صلہ جملہ اسمیہ بھی ہو سکتا ہے اور جملہ فعلیہ بھی ہو سکتا ہے۔ بفعلٍ فعل کے ساتھ آئے۔یعنی وہ مبتدا جو متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو، وہ مبتدا اسم موصول ہوگا اور اُس کا صلہ جملہ فعلیہ ہوگا۔ او ظرفٍ یا اسم موصول ظرف کے ساتھ ہو۔ظرف دو قسم پر ہے، ایک ظرف حقیقی اور ایک ظرف مجازی۔ظرف حقیقی میں زماں یا مکان کا معنی پایا جاتا ہے اور اسکو ہم مفعول فیہ کہتے ہیں اور ظرف مجازی جار مجرور کو کہتے ہیں۔جب اسم موصول ظرف کے ساتھ آئے، تو پھر اس ظرف کے لئے کوئی مُتَعَلَّق بھی چاہئے ہوتا ہے۔اور وہ متعلَّق اُن آٹھ چیزوں میں سے کوئی ایک ہوگا۔لیکن یاد رکھے جو صلہ ظرف ہو تو پھر آپ نے محذوف فعل کو ہی نکالنا ہے، کیونکہ صلہ جملہ ہوتا ہے۔جیسا کہ اَلَّذِی عندی ای الذی ثَبَتَ عندی ہوگا۔تو یہاں آپ نے ثابتٌ نہیں نکالنا کیونکہ ثابتٌ مفرد ہے اور مفرد کے ساتھ چاہے ہزار چیزیں بھی جوڑ دوں تو وہ مفرد ہی رہے گا۔اور ظرف مجازی جیسا کہ الذی فی الدار ای الذی ثبت فی الدار ہوگا۔

اَوْ النکرۃُ الموصوفۃُ بھما یا وہ اسم نکرۃ جو موصوف ہو ان دونوں کے ساتھ۔ھُمَا ضمیر فعل اور ظرف کو راجع ہے۔یعنی ظرف یا فعل کے ساتھ۔اگر معرفۃ کے بعد فعل آ جائے تو وہ عموما اس کے لئے حال بنا کرتا ہے۔اور اگر نکرۃ کے بعد فعل آئے تو وہ عموما اسکے لئے صفت بنتا ہے۔نیز جملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے۔اسی طرح معرفۃ کے بعد جب ظرف آ جائے تو یہ اس کے لئے حال بنے گا۔اور اگر نکرۃ کے بعد ظرف آ جائے تو یہ اسکے لئے صفت بنے گا۔

مثلا جاءَنِی رجلٌ ضربک: جاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلا مفعول بہ، رجلٌ مرفوع لفظا موصوف،(رجل نکرہ ہے اور اسکے بعد فعل آیا تو عموما موصوف صفت بنتے ہیں)۔ضربَ فعل، ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے موصوف کو، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہوا۔ موصوف صفت ملکر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ضرَبک چونکہ صفت ہے، اور موصوف کا اعراب مرفوع تھا، تو یہ بھی مرفوع ہوا لیکن مرفوع محلاً۔

مثلُ مثال کے طور پر الذی یاتینی الذی وہ اسم موصول ہے کہ جسکا صلہ یاتینی فعل آیا ہے۔الذی اسم موصول اور یاتینی اسکا صلہ، موصول اپنے صلہ سے ملکر مبتدا۔ یہ ایسا مبتدا ہے جو متضمن ہے معنی شرط کو، او فی الدار ای الذی فی الدار۔ یعنی الذی ایسا اسم موصول ہے جسکا صلہ ظرف ہے۔ موصول اپنے صلہ سے ملکر مبتدا۔ یہ ایسا مبتدا ہے جو متضمن ہے معنی شرط کو۔ آگے ان دونوں کا خبر ذکر کر رہا ہے۔

فله دِرهَمٌ یہ اب "فا" اسکی خبر پر لے آئے۔ای الذی یَاتینی فله درهمٌ اور الذی فی الدار فله درهمٌ اصل کلام ہے۔

اور فله درهمٌ پورا جملہ ہے، کیونکہ مبتدا کی خبر کبھی کبھار پورا جملہ ہوا کرتی ہے۔ اس میں لام جارّہ اور ھا ضمیر مجرور محلاً جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا الذی کو۔ کیونکہ جملہ کو جب بھی کسی چیز سے جوڑنا ہو تو اس میں ایک عائد کا ہونا ضروری ہے۔ جار مجرور ملکر متعلق ہوئے ثابتٌ صیغہ اسم فاعل سے۔ ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اسکے اندر ھو ضمیر مجرور محلا اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا ثانی مؤخر دِرهمٌ کو، یہ اضمار قبل الذکر لفظا تو ہے لیکن رتبۃً نہیں۔ ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم، اور درهمٌ مرفوع لفظًا مبتدا مؤخر، مبتدا مؤخر اپنے خبر مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوا الذی یاتینی کے لئے۔اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ مبتدا میں تو اصل ہے معرفہ ہونا، لیکن یہاں درهمٌ تو نکرہ ہے۔ تو یہ نکرہ کیسے مبتدا بن گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تخصیص بتقدیم الخبر ہے۔ یعنی تقدیم خبر کی وجہ سے رجل کے اندر تخصیص آگئی۔ اب اس کا مبتدا بننا صحیح ہے۔ تو اس لئے خبر "له درهمٌ" پر "فا" لائے کیونکہ الذی کا صلہ فعل یا ظرف آرہا تھا۔

اور الذی فی الدار فله درهمٌ میں فی الدار جار مجرور ملکر متعلق ہوگا ثبتَ فعل سے۔ یہ ثابتٌ سے متعلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اسم موصول کا صلہ پورا جملہ ہوتا ہے۔ ثبتَ فعل اس کے اندر ھو ضمیر مرفوع محلا اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے الذی اسم موصول کو۔ ثبتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، اسم موصول الذی اپنے صلہ سے ملکر مبتدا، یہ ایسا اسم موصول ہے جس کا صلہ ظرف آیا، تو اس صورت میں یہ متضمن ہوتا ہے معنی شرط کو۔ تو اس صورت میں اس کی خبر پر "فا" کا لانا جائز ہو جاتا ہے۔ فله درهمٌ اسکی خبر، مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اسی طرح حدیث شریف میں ہے "مَنْ تَشَبَّهه بقومٍ فهو منهم" میں من اسم موصول ہے۔ اور تشبهه بقوم اس کا صلہ ہے۔ یہ ایسا اسم موصول ہے جس کا صلہ فعل آرہا ہے۔ موصول صلہ ملکر مبتدا بنے گا۔ یہ ایسا مبتدا ہے جو کہ متضمن ہے

معنی شرط کو، اور اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔ اور فا جزائیہ، ھو منھم ای ھو ثابتٌ منھم اسکی خبر، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اسی طرح من کان للہ کان اللّٰہُ لہُ۔ مَنۡ اسم موصول اسکا صلہ کان للہِ ای کانَ ثبتَ للہِ ہے، جو کہ فعل ہے۔ موصول اپنے صلہ سے ملکر مبتدا، ایسا مبتدا جو کہ متضمن ہے معنیٰ شرط کو۔ اور اسکی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔

السارقُ والسارقۃُ فاقطعُوۡا اَیۡدِیَھُمَا۔ یہاں الف لام بمعنیٰ الذی کے ہے۔ کیونکہ جو الف لام اسم فاعل یا اسم مفعول پر داخل ہوتا ہے تو وہ الذی اسم موصول کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ تو السارق میں الف لام الذی کے معنیٰ میں ہے۔ اور یہ الذی یسرقُ کے معنیٰ میں ہے۔ اور السارقۃُ یہ التی تَسۡرِقُ کے معنیٰ میں ہے۔ تو الذی اور الّتی ایسا اسم موصول ہے جس کا صلہ یسرقُ اور تسرقُ فعل آرہے ہیں۔ اس لئے اس کی خبر پر فا کا لانا جائز ہے۔

اور الزانِیَۃُ والزانِیۡ فاجلدوا کلَّ واحدٍ منھما ۔ الزانیۃُ بمعنیٰ الّتی تزنِیۡ یا الّتی زَنَتۡ اور الزانِی بمعنیٰ الذی زَنَا، یہاں التی اور الذی دونوں اسم موصول ہیں جس کی صلہ زنت اور زنا فعل آرہے ہیں۔ تو اس کی خبر پر "فا" کا داخل کرنا جائز ہے۔

اب صاحب کافیہ دوسرے قسم کے مبتدا کی مثال ذکر کررہا ہے۔اور وہ مبتدا ایسا نکرہ ہوتا ہے جسکی صفت فعل یا ظرف آئے۔

و کل رجل یاتینی او فی الدار فلہ درھم ای کُلُّ رجلٍ یاتینی فلہ درھمٌ اور کلُّ رجلٍ فی الدار فلہ دِرھَمٌ۔ تو کُلُّ رجلٍ یاتینی فلہ درھمٌ میں کُلُّ رجلٍ نکرہ ہے اوراس کی صفت یاتینی فعل آرہا ہے۔تو یہ ایسا مبتدا ہے جوکہ متضمن ہے معنی شرط کو۔ تواس کی خبر پر "فا" کالانا جائز ہے۔اوراسی طرح کلُّ رجلٍ فی الدار فلہ دِرھَمٌ میں کلُّ رجلٍ ایسا نکرہ ہے جسکی صفت فی الدار ظرف آرہا ہے۔تو یہ ایسا مبتدا ہے جوکہ متضمن ہے معنی شرط کو۔تو ایسے مبتدا کی خبر پر "فا" کالانا جائز ہے۔

کُلُّ رجلٍ یاتینی فلہ درھمٌ کی ترکیب۔ کلُّ مرفوع لفظًا مضاف، رجلٍ مجرور لفظًا مضافٌ الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر موصوف،(نکرۃ کی طرف جب نکرۃ مضاف ہے تو وہ نکرۃ ہی رہتا ہے۔ اور معرفہ کی طرف جب نکرہ مضاف ہو تو پھر وہ معرفۃ بن جاتا ہے۔) یاتی فعل ھو ضمیر اسکا فاعل جو کہ راجع ہے موصوف کو، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر صفت، موصوف اپنے صفت سے ملکر مبتدا، فلہ درھمٌ اسکی خبر اس میں فا جزائیہ۔ لہ میں یہ ھا ضمیر مبتدا کو راجع ہے۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

کلُّ رجلٍ فی الدار فلہ دِرھَمٌ کی ترکیب بھی اسی طرح ہے۔ اس میں فی الدار ظرف صفت بنے گا کلّ رجلٍ کی۔

و لَیۡتَ و لعلَّ مانعان بالاتفاق اور لیتَ اور لَعَلَّ مانع ہیں بالاتفاق۔ ایسا مبتدا جسکی خبر پر "فا" کالانا جائز تھا،جب اُس پر لیتَ اور لعلَّ داخل ہوجائیں گے،تواب یہ مانع ہوں گے اب "فا" نہیں لاسکتے۔ بھئی مبتدا کی خبر پر ہم "فا" لاتے ہیں جب مبتدا متضمن ہو معنی شرط کو،تو مبتدا کی مشابہت آگئی شرط کے ساتھ،اور خبر کی مشابہت تھی جزاء کے ساتھ۔اور جب مبتدا کی مطابقت شرط کے ساتھ آئی اور شرط کی جزا پر ربط کے لئے "فا" آیا کرتی ہے۔تو لہذا ہم خبر پر "فا" لے آئے۔اور یاد رکھو شرط اور جزا اخبار کے قبیل سے ہیں۔اخبار کے قبیل کا مطلب یہ ہے کہ اس شرط کے لئے یہ جزا ثابت ہے۔ لیکن جب "لیت اور لعل" آئے تو انھوں نے کلام کو خبر کی قبیل سے نکال کر انشاء کے قبیل میں داخل کردیا۔اور جب کلام انشائی بنا تو اخبار کے قبیل سے نہ رہا، تو اسکی مشابہت شرط، جزاء کے ساتھ کمزور ہوگئی۔تو اب خبر پر "فا" کالانا جائز نہیں۔(انشاء کی دس قسمیں ہیں۔ان میں ایک تمنّی اور ترجّی ہے۔لیت تمنّی کے لئے آتا ہے اور لعل ترجّی کے لئے آتا ہے۔)

درس 33۔

و اَلحق بعضُھم اِنَّ بِہِما اور بعض نحویوں نے اِنَّ کو بھی ان دونوں کے ساتھ ملایا ہے۔ یہ دراصل اشارہ ہے امام سیبویہ ؒ کی طرف۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ مبتدا جس کی خبر پر "فا" کالانا جائز تھا، جب اس پر اِنَّ داخل ہو جائے، تو پھر اس پر "فا" کالانا جائز نہیں ہوتا۔ تو یہ اِنَّ بھی لیت اور لعل کی طرح مانع ہے۔ صحیح یہ کہ یہ قول حق نہیں۔ لیت اور لعل جملے کو اخبار سے نکال کر انشاء کی طرف لے جاتا ہے لیکن اِنَّ جملے کو اخبار سے نکال کر انشاء کی طرف نہیں لے جاتا۔ نیز اِنّ کے دخول کے بعد بھی جملہ، جملہ ہی رہتا ہے۔

جس طرح اِنَّ کے اندر اختلاف ہے اسی طرح بعض علماء نے اَنَّ کے بارے میں بھی کہا ہے کہ یہ بھی مانع ہے۔ بعض کے نزدیک لٰکنَّ بھی مانع ہے۔ صاحب کافیہ نے صرف اِنَّ کو اس لئے ذکر کیا کہ یہ کسی معمولی شخص کا قول نہیں۔ جبکہ باقی اقوال کو ذکر نہیں کیا۔

اب صاحب کافیہ کچھ اُن جگہوں کے بارے میں بتلائے گا کہ جہاں پر مبتدا اور خبر کو حذف کیا جاتا ہے۔ پھر مبتدا کو حذف کرنا دو قسم پر ہے۔ ایک واجب ہے اور ایک جائز۔ اسی طرح خبر میں بھی حذف بعض جگہ وجوبا ہے اور بعض جگہ جوازا۔ تو کل چار جگہیں ہوگئی۔ و قد یُحذف المبتدأُ اور کبھی کبھار مبتدا کو حذف کیا جاتا ہے لقیام قرینةٍ قرینہ کے قائم ہونے کی وقت جوازا[1] اور یہ حذف جوازی ہوتا ہے۔ ای حذفًا جائزًا۔

قرینة: القرینةُ ھو امرٌ یُشیرُ الی المطلوب۔ کوئی ایسی چیز جو مطلوب کی طرف اشارہ کر رہا ہو، اس کو قرینہ کہتے ہیں۔ کقولِ الـمُستَہِلِّ مستہل: چاند دیکھنے والا، آواز بلند کرنے والا۔ اَلْھِلَالُ واللہ ای ھٰذا الھلالُ واللہ۔ اس میں ھٰذا مبتدا کو حذف کیا گیا اور الھلالُ اسکی خبر ہے۔ کیونکہ قرینۃ حالیہ موجود ہے۔ کیونکہ یہ چاند ہی کو دیکھ رہے ہیں، اور چاند ہی کی طرف اس کا اشارہ ہوگا۔ اور یہ حذف جائز ہے۔ یعنی ھٰذا الھلالُ واللہ بھی ٹھیک ہے اور الھلالُ واللہ کہنا بھی ٹھیک ہے۔ اور ساتھ واللہ یعنی قسم ملائی، کیونکہ عربوں کی عادت ہے ہر کثرت سے قسم کھاتے ہیں۔

واللہ ملانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے، کہ اگر الھلال کے بعد واللہ نہ لاتا، تو الھلال پر پھر وقف جائز ہوتا۔ اور وقف کی صورت میں پھر یہ پتہ نہ چلتا کہ الھلال مبتدا محذوف کے لئے خبر ہے یا فعل محذوف اَرٰی یا رأیتُ کے لئے مفعول ہے۔ یعنی رأیتُ الھلالَ۔ تو اس سے التباس آتا۔ اسی لئے آخر میں واللہ ملایا تا کہ التباس سے بھی بچ جائے۔ یاد رکھو، پہلے تین دن چاند ھلال کہلاتا ہے۔ پھر چار سے لے کر تیرہ تک قمر کہلاتا ہے۔ چودہویں رات کو یہ بدر کہلاتا ہے۔

صاحب کافیہ نے مبتدا کو وجوبًا حذف کرنا ذکر نہیں کیا۔ مبتدا کو حذف کرنا کب واجب ہوتا ہے؟ جب کہ صفت کو قطع کر کے خبر بنایا جائے مدح کے لئے یا ذم کے لئے یا ترحُّم کے لئے۔

مدح کی مثال: جیسا کہ بسمِ اللہِ الرحمانِ الرحیمِ ؕ میں لفظ اللہ موصوف ہے، الرحمانِ صفت اوّل اور الرحیمِ صفت ثانی۔ یہ مشہور ترکیب ہے۔ اس میں کئی اور ترکیبیں بھی جائز ہیں۔ ایک ترکیب اس میں یہ ہے، کہ کبھی کبھار صفت کو کاٹ کر اُس پر رفع پڑھ دیتے ہیں۔ اور بسمِ اللہِ الرحمانُ الرحیمُ ؕ پڑھ دیتے ہے۔ اور اس الرحمانُ پر رفع مدح کے لئے پڑھا۔ اور کلام یوں ہوا، بسمِ اللہِ ھو الرحمانُ ھو الرحیمُ ؕ ۔ یعنی صفت کو کاٹ کر اس کو خبر بنایا گیا۔ پس ایسے موقع پر جہاں صفت کو مرفوع پڑھا جائے بنا بر مدح کے تو وہاں پر مبتدا کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔ اگر آپ مبتدا کو لے آتے ہیں تو پھر تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ صفت تھی یا نہ تھی۔

ایک مثال یہ ہے کہ، مررتُ بِزَیْدٍ الکریمِ یہ الکریم اسکی صفت ہے۔ اب مدح کے طور پر میں اس کو رفع دیتا ہوں، مررتُ بزیدٍ الکریمُ۔ اب یہاں ھو نہیں لانا کیونکہ ھو مبتدا کا حذف کرنا واجب ہے۔

ذم کی مثال: جیسا کہ " اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیمِ" یہاں الشیطٰنِ مجرور لفظًا موصوف، الرجیمِ مجرور لفظًا صفت ہے۔ تو ذم کے لئے اس کو الرجیمُ پڑھو، اور مبتدا کو وجوب کے طریقے پر حذف کرو۔ تو کلام یوں بن جائے گا، اعوذ باللّٰہ من الشیطنِ الرجیمُ ط۔ تو یہ صفت تھی، اس کو صفت سے کاٹ کر خبر بنایا گیا، اور ھو مبتدا کو وجوبا حذف کر لیا گیا۔ تا کہ یہ حذف دلالت کرے کہ اس کو صفت سے کاٹ کر خبر بنایا گیا ذم کی بنا پر۔

ترحُّم کی مثال: اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ عَبْدَکَ الْمِسْکِیْنَ۔ اے اللّٰہ تو رحم فرما اپنے مسکین بندے پر۔ عبدَکَ سے متکلم مراد ہے۔ یہاں پر عبدَکَ مضاف مضاف الیہ ملکر موصوف ہے، اور المسکینَ اسکی صفت ہے۔ دونوں منصوب ہے۔ اب آپ یوں پڑھتے ہیں، اللّٰھم ارْحم عبدَکَ المسْکِیْنُ، یعنی المسکینُ کو وصفیت سے منقطع کر کے اس پر رفع پڑھا بنا بر ترحم کے۔ تو یہاں بھی مبتدا کو وجوبا حذف کیا گیا۔

کبھی منصوب بھی پڑھا جاتا ہے مدح اور ذم کی بنیاد پر۔ جیسا کہ بسم اللّٰہِ الرحمانَ الرحیمَ ط اور یہاں الرحمانَ اور الرحیمَ یہ دونوں مفعول ہوں گے اغنی فعل کے لئے۔ ای بسم اللّٰہِ اغنی الرحمانَ ۔ اغنی فعل انا ضمیر مرفوع محلاً اسکے اندر اسکا فاعل، الرحمانَ مفعول بہ،

اسی طرح اعوذ باللّٰہ من الشیطٰنِ الرجیمَ ای اغنی الرجیمَ۔

و [3] الخبرُ جوازا اور کبھی کبھار خبر کو بھی حذف کیا جاتا ہے جوازا۔ مبتدا پر خبر کا عطف ہو رہا ہے۔ ای و قد یُحذَفُ المبتدأُ والخبرُ۔ بعض جگہ جوازا خبر کو حذف کیا جاتا ہے اور بعض جگہ وجوبا خبر کو حذف کیا جاتا ہے۔ جہاں قرینۃ موجود ہو وہاں پر جوازًا حذف کیا جائے گا۔ صاحب کافیہ نے ابھی بیان فرمایا تھا کہ مبتدا کو جوازا حذف کیا جائے گا جہاں قرینۃ موجود ہوں۔ لہذا خبر کے بارے میں دوبارہ ذکر نہیں فرمایا۔ **مثلُ** مثال کے طور پر **خَرجتُ فاذا السَبُعُ** میں نکلا تو اچانک درندہ موجود تھا۔ یہ اِذا مفاجاتیہ کہلاتا ہے اور اچانک کے معنی میں ہوتا ہے۔ اذا مفاجاتیہ کے بعد مبتدا آتا ہے، اور یہ اذا مفاجاتیہ وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے اکثر اس کے خبر کو حذف کیا جاتا ہے۔ ای خرجتُ فاذا السَبُعُ موجودٌ۔ یا خرجتُ فاذا السَبُعُ واقِفٌ: جب اذا مفاجاتیہ خود وجود پر دلالت کرتا ہے تو موجودٌ خبر کو ذکر کرنا ضروری نہیں۔ واقفٌ: کھڑا۔ اذا مفاجاتیہ کے بعد نکرہ بھی مبتدا بن سکتا ہے۔

عندَ بعضِ العلماء یہ اذا مفاجاتیہ حرف ہے۔ البتہ صاحب کتاب علامہ ابن حاجب اور علامہ زمخشری وغیرہ کے نزدیک یہ ظرف زمان ہے۔ ظرف کے لئے عامل چاہئے اور یہاں یہ خبر مخذوف موجودٌ یا واقفٌ عامل ہے۔ اس موجودٌ یا واقفٌ سے یہ اذا ظرف ہے۔ یا اس کے اندر عامل فعل ہے جو یہاں محذوف ہے۔ پھر یہ "فا" عاطفہ بن جائے گی۔ ای خرجتُ فَفاجَئْتُ : میں نکلا پس اچانک میں نے پایا، اذا اس کے لئے ظرف ہے۔ فَفَاجَئْتُ زمانَ وَقوفِ السَبعِ۔ پس اچانک میں نے درندے کے کھڑے ہونے کا زمانہ پایا۔

و وُجوبا اور خبر کو کبھی وجوبًا حذف کیا جائے گا۔ **فیما** اس خبر میں **اُلْتُزِمَ فی مَوْضِعِہ** کہ لازم پکڑا جائے، اُس خبر کی جگہ میں۔ ھا ضمیر خبر کو راجع ہے۔ **غیرُہُ** غیر خبر میں۔ ای غیرُ الخبرِ۔ یعنی مقام تو تھا خبر کا، لیکن آپ نے غیر خبر کو اسکا قائم مقام بنا دیا۔ اب خبر کو لانا

جائز نہیں۔ مثلُ مثال کے طور پر لو لا زیدٌ لکان کذا اگر زید نہ ہوتا تو ایسا ہو جاتا۔ ای لو لا زیدٌ موجودٌ لکان کذا۔ یہاں پر موجودٌ کو حذف کیا گیا اور اس کی جگہ جوابِ لولا کو اس کا قائم مقام کیا گیا۔

لو لا دو قسم پر ہے۔ ایک لو لا تحضیبیہ ہے اور ایک لو لا امتناعیہ ہے۔ تحضیب: ابھارنا، لو لا تحضیبیہ وہ ہے جو کسی فعل پر ابھارنے کے لئے آئے۔ اور یہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوگا۔ اور یہ صرف ایک جملہ پر داخل ہوتا ہے۔ اور وہ بھی جملہ فعلیہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ کسی کو ہمیشہ فعل پر ابھارا جاتا ہے۔ جیسا کہ "لو لا ضربتَ زیدًا": تونے زید کی پٹھائی کیوں نہیں کی۔

دوسرا ہے لو لا امتناعیۃ۔ یہ دو جملوں کو چاہتا ہے۔ یعنی دو جملوں پر داخل ہوتا ہے۔ اور ثانی کو جوابِ لو لا کہتے ہیں۔ اس میں اوّل جملہ کا اسمیہ ہونا ضروری ہے۔ باقی اس کی تفصیل پہلے " لو لا عليٌّ لَهَلَکَ عمر " میں گزر چکی ہے۔ اس میں لَو لا انتفائے ثانی بروجہ وجود اوّل کے لئے آتا ہے۔ یعنی علی موجود تھا اس لئے عمر ھلاک نہیں ہوا۔ ای لو لا عليٌّ موجودٌ لھلک عمر۔ یہاں موجودٌ خبر کو حذف کر دیا گیا، اور لھلک عمر یعنی جوابِ لو لا کو اس کا قائم مقام کیا۔ اور جب اس کو خبر کی جگہ قائم مقام کیا تو اب خبر کو حذف کرنا واجب ہو گیا۔

درس 34۔

یہ دوسرا مقام ہے جہاں خبر کو وجوبا حذف کیا جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں مصدر حقیقی یا مصدر تاویلی مضاف ہو فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف یا دونوں کی طرف۔ اور اس کے بعد حال آرہا ہو۔ تو اس مبتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ کیونکہ حال کو خبر کا قائم مقام بنادیا۔ ضَرب یہ حقیقی مصدر ہے۔ اور اَنْ ضَرَبَ یہ تاویلاً مصدر ہے۔

یا وہ مبتدا جو اسم تفضیل ہو اور جب مضاف ہو ایسے مصدر کی طرف۔ یعنی مصدر حقیقی کی طرف یا مصدر تاویلی کی طرف۔ اور پھر وہ مصدر آگے مضاف ہو اپنے فاعل کی طرف، یا اپنے مفعول کی طرف یا دونوں کی طرف۔ اور اُس کے بعد حال آرہا ہے، تو یہ اسم تفضیل جو مبتدا تھا اُسکی خبر کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔

جب مصدر مضاف ہو فاعل کی طرف اُسکی مثال: و مثلُ مثال کی طور پر ضَرْبی زیدًا قائمًا: میرا پٹھائی کرنا زید کی اس حال میں کہ وہ کھڑا تھا۔ یہاں پر ضرب مصدر حقیقی ہے۔ اور فاعل کی طرف مضاف ہے۔ اور زیدًا ضَرب مصدر کے لئے مفعول واقع ہو رہا ہے۔ مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ بھی اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب۔ اور اس مصدر کے بعد قائمًا حال بھی آرہا ہے۔ تو یہاں اس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔

تقدیرِ عبارت یوں ہے۔ ضَرْبِیْ زیدًا حاصلٌ اذا کانَ قائمًا۔ ترکیب۔ ضَرب مرفوع تقدیرًا مضاف، یا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ، زیدًا منصوب لفظًا مفعول بہ ضَرب مصدر کے لئے۔ ضرب مصدر اپنے مضافٌ الیہ اور مفعول بہ سے ملکر مبتدا، حاصلٌ مرفوع لفظًا صیغہ اسم فاعل، اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا کو، اذا ظرفیہ مضاف،اذا ظرفیہ مابعد کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ کانَ تامّہ اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً ذوالحال، قائمًا منصوب لفظًا صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے ذوالحال کو، قائمًا

صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کرحال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر فاعل ہوا کانَ کا۔ کانَ فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر یہ مضافٌ الیہ ہوا اِذا کے لئے۔ اذا مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر یہ مفعول فیہ ہوا حاصلٌ صیغہ اسم فاعل کے لئے، حاصلٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے ملکر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدا کے لئے۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ (یہ کان تامّہ ہے۔ ایک کان تامّہ ہوتا ہے اور ایک کان ناقصہ ہوتا ہے۔ کانَ ناقصہ وہ ہوتا ہے جہاں ایک اسم پر بات پوری نہ ہو وہاں خبر بھی چاہئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ کانَ زیدٌ قائمًا۔ اور کانَ تامّہ وہ ہوتا ہے جہاں صرف ایک اسم پر بات پوری ہو جائے، یعنی صرف فاعل پر بات پوری ہو جائے آگے خبر کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ کانَ زیدٌ۔ یہ کان تامّہ ہے۔ کانَ فعل زیدٌ اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔ یہ بمعنیٰ ثبتَ کے ہوتا ہے۔ زید ثابت ہے۔)

یہاں پر ظرف کے عامل حاصلٌ کو حذف کیا اور اِذا کان کو اسکا قائم مقام بنا دیا۔ جیسا کہ زیدٌ عندی جو کہ اصل میں زیدٌ ثابتٌ عندی تھا، اس میں ظرف کے عامل ثابتٌ کو حذف کیا۔ اور ظرف کو عامل کا قائم مقام کر دیا، یعنی عندی کو ثابتٌ کا قائم مقام کر دیا۔ اب ظرف "اذا کان" کو بھی حذف کر دیا اور قائمًا کو اس کا قائم مقام کر دیا۔ قائمًا نائب ہوا "اذا کان" کا، اور "اذا کان" نائب ہوا حاصلٌ کا، تو نائب کا نائب بھی نائب ہوتا ہے، پس قائمًا نائب ہوا حاصلٌ کا۔

جب مصدر مضاف ہو مفعول کی طرف۔ ضَرْبُ زیدٍ قائمًا۔ یہاں ضرب مصدر مضاف ہے مفعول زید کی طرف۔ اور اسکے بعد حال آرہا ہے۔ مصدر تاویلی کی مثال: اَنْ ضَرَبْتُ زیدًا قائمًا۔ یہاں اَنْ فعل پر داخل ہو کر اس کو مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے۔ تو اَنْ ضَرَبْتُ یہ مصدر تاویلی ہے۔ اَنْ ضَرَبْتُ: میرا پٹھائی کرنا، اس سے ضَرب مصدر کی اضافت متکلم کی ضمیر کی طرف کرو، تو ضَرْبِي: میرا پٹھائی کرنا بن جائے گا۔ تو تاویلاً مصدر مضاف ہے اپنے فاعل کی طرف۔ اور اس کے بعد حال آرہا ہے۔

جب اسم تفضیل مضاف ہوا ایسے مصدر کی طرف۔ اَكْثَرُ شُرْبِيَ مَلْتُوطًا۔ اس میں اکثرُ اسم تفضیل ہے جسکی اضافت ایسے مصدر کی طرف ہو رہی ہے جو آگے خود مضاف ہے فاعل یا مفعول کی طرف۔ اور اسکے آگے ملْتُوطًا حال واقع ہو رہا ہے۔

اب مصنف رح تیسری جگہ ذکر کریں گا جہاں پر مبتدا کی خبر کو وجوبا حذف کیا جاتا ہے۔ اس مقام سے مراد ہر وہ مبتدا ہے، جس پر عطف کیا جائے واو بمعنیٰ مع کے ساتھ۔ کلُّ رجلٍ مبتدا ہے اور اس پر عطف کیا گیا واو کے ساتھ، اور اُسکی خبر مُقَارَنَتْ کے معنیٰ پر مشتمل ہو۔ اس مبتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ **و كُلُّ رَجُلٍ و ضَيْعَتُهُ** ضَیْعَۃ: غلہ اُگانے والی زمین۔ لیکن یہاں یہ کنایہ ہے پیشے سے۔ یہاں اس سے مراد پیشہ ہے۔ اصل کلام یوں ہے، کلُّ رجلٍ ہر شخص وَ ضَيْعَتُهُ اور اسکا پیشہ مُقْتَرِنَانِ باہم ملے ہوئے ہیں۔ ہر شخص اور اُس کا پیشہ باہم ملے ہوئے ہے۔ یعنی ہر شخص اپنے پیشہ کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ واو بمعنیٰ مع کے ہے۔ مع: ساتھ، یہاں مُقْتَرِنَانِ خبر کو حذف کیا گیا اور ضَيْعَتُهُ (معطوف) کو اُس کا قائم مقام بنایا گیا۔

اب مصنف رح چوتھی جگہ ذکر کریں گا جہاں پر مبتدا کی خبر کو وجوبا حذف کیا جاتا ہے۔

و لَعَمْرُکَ لَاَفعلَنَّ کذا آپ کی عمر کی قسم میں ایسا ضرور کروں گا۔ عَمْر اور عُمْر کا ایک ہی معنی ہے۔ مدت بقاء کو کہتے ہیں۔ دنیا میں رہنے کا زمانہ۔ لیکن مقام قسم کے اندر جب اس پر لام آجائے تو یہ عَمْر استعمال ہوتا ہے۔ اور پھر عُمْر نہیں پڑھا جائے گا۔ کیونکہ یہ مقام قسم ہے اور قسم تخفیف کا تقاضا کرتی ہے، کثرت استعمال کی وجہ سے۔ اور فتحہ خفیف حرکت ہے۔

اصل کلام یوں ہے، لَعَمْرُکَ قَسَمِیْ : تیری عمر کی ہے میری قسم۔ یعنی میں تیرے عمر کی قسم اُٹھاتا ہوں۔ تو عَمْرُ مضاف کاف ضمیر مضافٌ الیہ، دونوں ملکر مبتدا، اور قَسَمِیْ، مضاف اور مضافٌ الیہ ملکر خبر۔ اور لَاَفْعَلَنَّ کذا یہ جواب قسم ہے۔ یہاں مخاطَب کی عمر کی قسم کھائی گئی۔ تو یہ مُقْسَمٌ بِہٖ ہوا۔ یعنی جس چیز کی قسم اٹھائی جائے وہ مقسم بہ کہلاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں پر ہر وہ مبتدا جو مُقسَم بِہٖ ہو۔ اُسکی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ کیونکہ جواب قسم کو ہم نے خبر کی قائم مقام کر دیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ لعمرُک : تیری عمر کی قسم کھاتا ہوں، اور قسم تو غیرُ اللہ کی جائز نہیں، پھر یہ کیا معنیٰ۔ جواب یہ کہ قسم کئی فائدے دیتی ہیں۔ ایک اس سے کلام میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسرا اس سے کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ اور غیرُ اللہ کی قسم سے اس لئے معنیٰ کیا گیا ہے کہ قسم تعظیم کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی جس چیز کی قسم کھائی جائے انسان کے دل میں اُس کی تعظیم ہوتی ہے۔ اور یہ جو لعمرک کی قسم ہے یہ تعظیم کے لئے نہیں۔ صرف کلام کو حسین بنانے کے لئے کھائی جاتی ہے۔

یا اس میں تاویل کی جائے گی۔ یعنی تجھے عمر دینے والے کی میں قسم کھاتا ہوں۔

اور حذف کے یہ سارے طریقے سماع پر موقوف ہے۔

خبرُ اِنَّ و اَخَواتِہا منہا ای من المرفوعاتِ خبرُ اِنَّ و اخواتِہا۔ خبرُ انّ و اخواتہا مبتدا مؤخر ہے۔ اور منہا یا من المرفوعاتِ خبر مقدم مخذوف ہے۔ یعنی مرفوع میں سے اِنَّ اور اسکے اخوات کی خبر ہے۔ اخوات سے مراد حروف مشبہ بالفعل ہے۔ یعنی اَنَّ، کاَنَّ، لیتَ، لٰکِنَّ اور لعلَّ۔ ان کو اخوات اس لئے کہا گیا، کیونکہ یہ حروف ہیں، اور حروف عربی میں زیادہ تر مؤنث استعمال ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئے، تو بہنوں کی طرح ہوگئے، کیونکہ بہنیں بھی ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں۔

ہو المسندُ بعدَ دُخولِ ہٰذہِ الحروفِ اور انکی خبر مسند ہوتی ہے ان حروف کے داخل ہو جانے کے بعد۔ اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ اِنَّ وغیرہ تو مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ تو وہ خبر تو پہلے سے مسند تھی۔ تو اب کیوں کہتے ہوں کہ خبر مسند بن گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اسناد چلی گئی۔ اب نیا اسناد آگیا۔ **مثلُ اِنَّ زیدًا قائمٌ** یقیناً زید کھڑا ہے۔ ترکیب میں جملہ اسمیہ بنے گا۔

و امرُہٗ کامرِ خَبَرِ المُبتدأِ اور اِنَّ کی خبر کا حکم مبتدا کی خبر کی طرح ہوتا ہے۔ جیسا مبتدا کی خبر کبھی مفرد آتی ہے اور کبھی جملہ، اس طرح اِنَّ کی خبر بھی کبھی مفرد ہوتی ہے اور کبھی جملہ۔ جیسا کہ زیدٌ قائمٌ میں مبتدا کی خبر مفرد ہے۔ اور زیدٌ قامَ میں مبتدا کی خبر جملہ ہے۔ اور جس طرح مبتدا کی خبر نکرۃ بھی آسکتی ہے اور معرفۃ بھی آسکتی ہے۔ اسی طرح اِنَّ وغیرہ کی خبر بھی کبھی نکرۃ آسکتی ہے اور کبھی معرفۃ۔ اور جس طرح مبتدا کی کبھی ایک خبر آتی ہے اور کبھی کئی خبریں آتی ہیں۔ اسی طرح اِنَّ وغیرہ کے اسم کی خبر بھی کبھی ایک آیا کرتی ہے اور کبھی ایک سے زیادہ بھی آیا

کرتی ہے۔اور جس طرح مبتدا کی خبر کو کبھی ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی حذف کیا جاتا ہے۔اسی طرح اِنَّ وغیرہ کی اسم کے خبر کو بھی کبھی ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی حذف کیا جاتا ہے۔

اِلّا فی تقدیمہٖ مگر اُسکو مقدم کرنے کی اندر۔یعنی اِنَّ کے خبر کو مقدم کرنے میں۔یعنی اِنَّ کی خبر مبتدا کی خبر کے مخالف ہے تقدیم میں۔ہم نے پڑھا ہے کہ مبتدا کی خبر کبھی کبھار مبتدا پر مقدم کیا جاتا ہے۔لیکن اِنَّ کی خبر کو اِنَّ کے اسم پر مقدم کرنا جائز نہیں۔یعنی اِنَّ زیدًا قائمٌ کہنا جائز ہے اور اِنَّ قائمٌ زیدًا کہنا جائز نہیں۔

یہ دوسرا استثنا مفہوم کلام سے استثناء ہے۔ **الا اذا کان ظرفًا** مگر اُس وقت جب وہ ظرف ہو۔اگر اِنَّ کی خبر ظرف ہو، چاہے ظرف حقیقی ہو یا ظرف مجازی تو پھر دونوں صورتوں میں اِنَّ کی خبر کو اِنَّ کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہوتا ہے۔جیسا کہ اِنَّ زیدًا عندی میں اِنَّ کی خبر عندی ظرف حقیقی ہے۔ اور ظرف مجازی کی مثال، اِنَّ زیدًا فی الدار۔ تو اس میں اِنَّ عندی زیدًا اور اِنَّ فی الدارِ زیدًا کہنا جائز ہے۔لیکن پھر اس میں تھوڑی سی اور تفصیل یاد رکھو۔ اِنَّ کا اسم معرفہ بھی ہو سکتا ہے اور نکرۃ بھی ہو سکتا ہے۔جس طرح مبتدا کبھی معرفہ ہوتا ہے اور کبھی نکرۃ ہوتا ہے۔اگر اِنَّ کا اسم معرفہ ہو اور خبر ظرف ہو، تو اس میں اِنَّ کی خبر کو اِنَّ کے اسم پر مقدم کرنا جائز ہوتا ہے۔جیسا کہ اِنَّ فی الدار زیدًا اور اِنَّ عندی زیدًا کہنا جائز ہے۔لیکن یاد رکھو جب اِنَّ کا اسم نکرۃ ہو تو اِنَّ کی خبر کو مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔مثلا اِنَّ فی الدار رجلاً میں اِنَّ رجلاً فی الدارِ کہنا جائز نہیں۔

بھئی کیا وجہ ہے کہ ظرف کے اندر خبر کی تقدیم جائز ہے، لیکن غیر ظرف میں جائز نہیں۔ظرف جگہ یا زمان کو کہتے ہے۔اور دنیا کا کوئی بھی فعل ایسا نہیں کہ وہ کسی نہ کسی زمانے میں یا کسی نہ کسی جگہ میں پایا نہ جائے۔تو ظرف کا تعلق ہر فعل سے ہوا کرتا ہے۔تو یہ ہوئے قریبی رشتہ دار کی طرح۔اور قریبی رشتہ دار کو اجازت ہوتی ہے کہ گھر کے اندر جہاں چاہے گھومے۔اور باقی خبریں یعنی غیر ظرف اجنبی کی طرح ہیں۔اور اجنبی جب گھر کے اندر آتے ہیں تو اُسے گھومنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

تو یہ ظروف بھی محارم کی طرح ہے ہر ایک سے تعلق کی بنا پر۔تو اسے اسم پر تقدیم کی اجازت ہے۔جبکہ باقی خبروں کی تقدیم اسماء پر جائز نہیں۔

قیمتی نکتہ۔ہم نے ہمیشہ پڑھا ہے کہ یہ جو مفعول فیہ ہے اسکو ظرف حقیقی کہتے ہیں۔اور جار مجرور کو ظرف مجازی کہتے ہیں۔جار مجرور کو ظرف مجازی کیوں کہتے ہیں؟ وجہ یہ کہ دونوں کی مناسبت ہے ایک دوسرے کے ساتھ۔ظرف حقیقی کی مناسبت جار مجرور کے ساتھ اس طرح ہے کہ ہر ظرف حقیقی، جار مجرور کی تقدیر میں ہوتا ہے۔یعنی ہر ظرف حقیقی تقدیرا جار مجرور ہے۔مثلا میں کہتا ہوں، صُمۡتُ الیَوۡمَ۔ اب دیکھیے یہ الیوم مفعول فیہ یعنی ظرف حقیقی ہے۔تو یہ اَلۡیَوۡم ظرف حقیقی جار مجرور کی تقدیر میں ہے۔ ای صُمۡتُ فی الیومِ۔ تو فِی کا معنیٰ ہر ظرف حقیقی سے پہلے مقدَّر ہوتا ہے۔(یوں نہیں کہنا کی فی کا لفظ مقدر ہے۔کیونکہ القدر کالملفوظ ہوتا ہے۔)

اور دَخَلْتُ البیتَ میں اختلاف ہے۔ بعض علماء البیتَ کو مفعول بہ قرار دیتا ہے جبکہ بعض علماء اسے مفعول فیہ قرار دیتا ہے۔ اگر ہم اسکو مفعول فیہ کے معنی میں لے تو یہ دَخَلْتُ فی البیتِ کے معنی میں ہوگا۔ تو فی کا معنی وہاں مقدر ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ہر ظرف حقیقی جار مجرور کے تقدیر میں ہوتا ہے۔ تو ظرف حقیقی کی مناسبت ہے جار مجرور کے ساتھ۔

اور جار مجرور کی بھی مناسبت ہے ظرف حقیقی کے ساتھ۔ جیسے جار مجرور کے لئے عامل چاھیئے ہوتا ہے، یعنی مُتَعَلَّق چاہئے ہوتا ہے۔ جس طرح ظرف حقیقی کے لئے آٹھ چیزوں میں سے کوئی متعَلَّق چاہئے۔ تو اس کی مناسبت یہ ہوئی کہ جس طرح ظرف حقیقی عامل کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح جار مجرور بھی عامل کے لئے محتاج ہوتا ہے۔

درس 35۔

خبرُ لا "لا" کی خبر التی وہ "لا" جو کہ لِنَفْيِ الجنسِ جو نفی جنس کے لئے ہو۔ ای لنفيِ صفتِ الجنسِ۔ یہاں جنس کے لفظ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ کیونکہ یہ "لا" جنس کی نفی کے لئے نہیں ہوتا بلکہ جنس کی صفت کی نفی کے لئے ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں، لَا رجلَ قائمٌ : کوئی شخص کھڑا نہیں ہے۔ تو یہاں پر میں نے جنس رجل کی نفی نہیں کی بلکہ جنس رجل سے قیام کی نفی کی۔ کیونکہ یہ "لا" جنس کی نفی کے لئے نہیں آتا، بلکہ جنس کی صفت کی نفی کے لئے آتا ہے۔

خبرُ لا التی لنفی الجنس یہ مبتداء ہے۔ اور اسکی خبر "منها" محذوف ہے۔ منها ای من المرفوعاتِ مرفوعات میں سے لا نفی جنس کی خبر بھی ہے۔

هو المسندُ بعدَ دُخُولِـها اور "لائے نفی جنس" کے داخل ہونے کے بعد اس کی خبر مسند ہوتی ہے۔ مثلَ لا غلامَ رجلٍ ظریفٌ فیها کسی شخص کا غلام خوش طبع نہیں ہے۔ ظریفٌ یہ خبر اوّل ہے، اور فیها خبر ثانی ہے۔ ها ضمیر راجع ہے دار کو۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہاں تو دار کا ذکر پہلے سے موجود نہیں تو کیسے ها ضمیر کو دار کی طرف لوٹادی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصل میں ایک سوال کا جواب تھا۔ سوال یہ ہے کہ، أَ فِی الدارِ غلامُ رجلٍ ظریفٌ۔ تو سوال میں دار ذکر تھا، تو جواب میں ها ضمیر دار کی طرف لوٹادی۔

ترکیب: غلامَ منصوب لفظًا مضاف، رجلٍ مجرور لفظًا مضاف الیه، مضاف اپنے مضاف الیه سے ملکر لائے نفی جنس کا اسم، ظریفٌ صفت مشبه، اسکے اندر هو ضمیر مرفوع محلا اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے لائے نفی جنس کے اسم کو، صفت مشبه اپنے فاعل سے ملکر شبه جمله ہو کر صفت اوّل، فیها جار مجرور اپنے متعلَّق ثابتٌ سے ملکر شبه جمله ہو کر صفت ثانی، لائے نفی جنس اپنے اسم اور دونوں خبروں سے ملکر جمله اسمیه خبریه ہوا۔ یہاں فیها "ظریفٌ" سے متعلق نہیں ہو سکتا۔

اشکال یہ ہے کہ یہاں صاحب کافیہ نے دو خبروں کو کیوں ذکر کیا، صرف ظریفٌ کو ذکر کرتے، تو یہ بات پورا ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر صرف ظریفٌ کو ذکر کرتے تو پھر کذب لازم آتا۔ اس کا ترجمہ پھر بنتا کہ، "کوئی بھی غلام خوش طبع نہیں"۔ اور اس پر کذب لازم آتا۔ کوئی نہ کوئی غلام تو ایسا ضرور ہوگا جو خوش طبع ہو۔ اس لئے دوسرا خبر لا کر اس کذب کے احتمال کو ختم کیا۔ اور ترجمہ یوں بنا، "کہ کوئی بھی غلام رجل ایسا نہیں جو اُس گھر میں ہو اور خوش طبع ہو"۔ اور یہ عین ممکن ہے۔

و یُحذَفُ کثیرا اور بسا اوقات لائے نفی جنس کی خبر کو محذوف کیا جاتا ہے۔ جبکہ وہ خبر افعال عامہ میں سے ہو۔ مثلا کوئی کہے، لا رجُلَ موجودٌ۔ اور یہ موجودٌ افعال عامہ میں سے ہے، تو اس کو عموما حذف کیا جاتا ہے۔ اور اس کو ذکر نہیں کرتے اور ہاں تقدیرا موجود ہوتا ہے۔

و بنو تمیم لا یُثْبِتُونَهُ اور بنو تمیم والے لائے نفی جنس کی خبر کو ثابت نہیں رکھتے۔ اس کے دو معنی ہیں۔

ایک تو یہ کہ وہ لفظوں کے اندر اس کو ثابت نہیں رکھتے بلکہ اس کے حذف کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اگر لفظوں میں نہ ہو جیسا کہ لا اھل و لا مالَ۔ ای لا اھلَ موجودٌ و لا مالَ موجودٌ۔ اس میں بنو تمیم والے موجودٌ کے حذف کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اور وہ اسکو اِنْتَفَی الاھلُ اور انتفی المالُ بناتے ہیں۔ اس میں انتفی فعل اور المالُ اسکا فاعل۔

دوسرا یہ کہ اگر لفظوں میں موجود ہوں تو پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ صفت ہے لائے نفی جنس کا۔ جیسا کہ "لا غلامَ رجلٍ قائمٌ"۔ ہمارے نزدیک اس میں غلامَ رجلٍ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور قائمٌ اسکی خبر۔ چونکہ بنو تمیم والے خبر کو ثابت ہی نہیں رکھتے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ قائمٌ اس غلامَ رجلٍ کی صفت ہے۔

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ غلامَ تو منصوب ہے اور قائمٌ اسکی صفت مرفوع ہے۔ تو موصوف اور صفت میں مطابقت نہ رہی اعراب کے اندر۔ تو اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ جو نصب آیا، یہ تو لائے نفی جنس کی وجہ سے آیا، دراصل تو یہ مبتدا ہے۔ تو محل کے اعتبار سے یہ مرفوع ہے۔ تو انہوں نے صفت کے اعراب کو محل کے اعراب کے تابع قرار دیا اور لفظوں کے تابع قرار نہیں دیا۔ اور ایسا ہوتا ہے صفت کے اعراب کو محل کے اعراب کے تابع لاتے ہیں۔

اسمُ ما و لا ما اور لا کا اسم **الـمُشَبَّهَتَیْنِ بلیسَ** جو لیسَ کے مشابہ ہو۔ اور منها ای من المرفوعاتِ خبر یہاں محذوف ہے۔ یعنی مرفوعات میں سے "ما اور لا" کا اسم ہے۔ وہ "ما اور لا" جو لیسَ کے مشابہ ہے۔ اور یہ مشابہت نفی کے اندر ہے۔ جیسے لیسَ نفی کا فائدہ دیتا ہے، اسی طرح "ما اور لا" بھی نفی کا فائدہ دیتا ہے۔ نیز جیسے لیسَ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا ہے اسی طرح ما اور لا بھی مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ تو اس کی مشابہت لیسَ کے ساتھ دو چیزوں میں آئی۔

هو المسندُ الیه اور اُس ما اور لا کا اسم مُسندالیہ ہوتا ہے۔ **بعدَ دُخولِـهِما** اس ما اور لا کے دُخول کے بعد۔ **مثلُ ما زیدٌ قائمًا** ما مشابہ بلیس کا اسم زیدٌ مرفوع ہے اور اسکا خبر قائمًا منصوب ہے۔ ما اور لا میں فرق یہ ہے کہ ما عام ہے۔ یہ نکرۃ اور معرفۃ دونوں پر داخل ہوتا ہے۔ یہاں ما کا اسم زیدٌ معرفۃ آیا۔ جبکہ لا صرف نکرۃ پر داخل ہوتا ہے۔ ترکیب کے اندر قائمًا صیغہ اسم فاعل ہے اور اس میں ھو ضمیر مرفوع محلا اسکا فاعل ہے جو کہ لوٹ رہی ہے زید کو۔ جملہ اسمیہ خبر یہ ہے۔ **و لا رجلٌ افضلَ منک** رجلٌ نکرۃ ہے اور لا کی اسم ہے۔ اور افضلَ منک اسکی خبر ہے۔ ترکیب کے اندر افضلَ اسم تفضیل منصوب لفظًا ہے۔ یہ غیر منصرف ہے۔ اسکے اندر ایک وزن فعل ہے اور ایک وصف ہے۔ اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلا اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے لائے نفی جنس کے اسم کو۔ منکَ جار مجرور ملکر متعلق ہوئے اسم تفضیل افضلَ سے۔ جملہ اسمیہ خبریہ ہے۔

و ھو فی لا شاذٌّ اور یہ لیسَ کا عمل لا کے اندر شاذ ہے۔ شاذ کا معنی قلیل یا نادر کے ہے۔ لہذا آپ ایسا نہیں کر سکتے اور یہ موقوف علی السماع ہوگا۔ اور یہ لا کے اندر لیسَ کا عمل کیوں شاذ ہے۔ کہتے ہیں اس لئے کہ لیسَ آتا ہے نفی حالیہ کے لئے، اور لا آتا ہے نفی مطلق کے

لئے۔ نفی حالی کا مطلب یہ ہے کہ لیسَ زمانہ حال میں کسی چیز کی نفی کرتا ہے۔ جیسا کہ لیسَ زیدٌ قائمًا۔ زید زمانہ حال میں کھڑا نہیں۔ تو زید سے قیام کی نفی زمانہ حال میں کی گئی۔ اور لا آتا ہے نفی مطلق کے لئے۔ یعنی تینوں زمانوں میں کسی چیز کی نفی کرتا ہے۔

درس 36۔

المنصوبات یہاں پر کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔ ھٰذِہٖ مبتدا مخذوف نکالو۔ ای ھٰذِہٖ المنصوباتُ۔ یا منصوبات کو مبتدا بناؤ اور ھٰذِہٖ کو خبر مخذوف بناؤ۔ ای المنصوباتُ ھٰذِہٖ۔ یا اگر آپ چاھے تو اس سے پہلے مضاف محذوف نکالیں۔ ای ھٰذا بحثُ المنصوباتِ۔ بحث کا لفظ چونکہ مذکر ہے اس لئے مبتدا ھٰذا بھی مذکر نکالا۔ المنصوباتِ یہاں مجرور ہے، لیکن جب بحث مضاف کو محذوف کیا تو بحث کی اعراب المنصوبات کو دیا۔ تو دراصل یہ مجرور ہے۔ یا بحثُ المنصوباتِ ھٰذا۔ یعنی بحث مضاف نکال کر اس کو مبتدا بناؤ۔ اور ھٰذا اس کے لئے خبر محذوف نکالو۔

یا اسکو منصوب پڑھے۔ ای اِقْرَأ المنصوباتِ ۔ اِقْرَأ فعل انت ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل، المنصوباتِ منصوب لفظًا مفعول به (جمع مؤنث سالم حالت نصبی اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ ہوتا ہے۔) یا کوئی ترکیب نہیں بلکہ المنصوباتۚ عنوان ہے۔ جب کوئی ترکیب نہیں، تو یہاں عامل بھی نہیں، اور جب عامل بھی نہیں تو نہ آپ اس پر رفع پڑھ سکتے ہیں، نہ فتحہ اور نہ کسرہ۔

ھو ھو ضمیر راجع ہے منصوب کو۔ منصوبات کی ضِمن میں منصوب بھی آگیا۔ یعنی جمع کی ضمن میں مفرد موجود ہے۔ منصوب وہ اسم ہے **ما اشتمل علیٰ علم المفعولیة** جو مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ اور مفعول ہونے کی علامت نصب ہے۔ یعنی وہ اسم جس پر نصب آجائے وہ منصوب ہے۔ اور نصب چار طرح پر آتا ہے۔ 1 کبھی نصب آتا ہے فتحہ کے ساتھ۔ جیسا کہ ضربتُ زیدًا، یہ نصب فتحہ کے ساتھ آیا۔ 2 کبھی نصب کسرہ کے ساتھ آتا ہے جیسا کہ جمع مؤنث سالم میں۔ رَأَیتُ مسلماتٍ۔ 3 کبھی نصب آتا ہے الف کے ساتھ۔ جیسا کہ رَأیتُ ذا مالٍ۔ 4 کبھی نصب آتا ہے یا کے ساتھ۔ جیسا کہ رأیتُ رجلَیْنِ۔ اور رَأیتُ مسلمِیْنَ۔ وہ سولہ قسموں میں نصب ان چار صورتوں میں آتا ہے۔

مفعول صفت کا صیغہ تھا، اس کے ساتھ یا مشدّد اور تا ملائی گئی، تو یہ اب مصدر کا صیغہ بن گیا۔ مفعولیة: مفعول ہونا، فاعلیَّة: فاعل ہونا۔ جس طرح سونا، پینا، کھانا، جاگنا، رونا وغیرہ مصادر ہیں اور اس کے آخر میں "نا" آتا ہے۔ تو اسی طرح مفعول ہونا، فاعل ہونا یہ بھی مصادر ہیں۔

فمنهُ وہ اسم جو نصب پر مشتمل ہو۔ منهُ کی ھا ضمیر راجع ہے "ما" موصولہ کو۔ **المفعولُ المطلَقُ** اُس میں سے ایک مفعول مطلق ہے۔ **و ھو اسمُ** اور وہ نام ہے۔ **ما** ماعبارت ہے حَدث سے۔ حدث یعنی مصدر۔ یاد رکھو ہر مصدر حدث ہے۔ حدث وہ وصف جو غیر کے ساتھ قائم ہو، اور اُس کا اپنا کوئی الگ وجود نہ ہو۔ یعنی ہر مصدر ایسا وصف ہے جو غیر کے ساتھ قائم ہے لیکن اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ضرْبٌ یہ مصدر ہے اور حدث ہے۔ یہ ہمیشہ کسی کے ساتھ قائم ہو گا اس کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ جب تک کوئی ضارب نہ ہو تو خارج میں ضرب نہیں پایا جاتا۔ جب کوئی پٹھائی کرنے والا ہو گا تب ضرب پایا جائے گا۔ اسی طرح اکلٌ: کھانا، یہ بھی مصدر یعنی حدث ہے۔ جب تک کوئی اٰکِلٌ نہ ہو تو یہ نہیں

پایاجاتا۔وغیرہ۔ و ھو اسمُ ما: اور مفعول مطلق نام ہے اُس حدث کا۔ فَعَلَهُ جسکو کیا ہو، فاعلُ فعلٍ مذکورٍ فعل مذکور کے فاعل نے۔یعنی مفعول مطلق وہ حدث ہے جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو۔ بمعناهُ ایسا فعل جو اُس حدث کے معنٰی میں ہو۔ یہ صفت ثانی ہے فعل کی۔ فعل موصوف، مذکوراس کے لئے صفت اوّل اور بمعناهُ یہ جار مجروراس کے لئے صفت ثانی۔کیونکہ نکرۃ کے بعد جب جار مجرور آئے یا فعل آئے تووہ عموما اسکے لئے صفت بنتا ہے۔اور معرفۃ کے بعد جب جار مجرور آئے یا فعل آئے تووہ عموما اسکے لئے حال بنتے ہے۔نیز جار مجرور ہمیشہ کسی نہ کسی سے متعلق ہوتا ہے۔تو یہاں ثابتٍ مجرور نکالیں گے،کیونکہ ثابتٍ صفت ہے فعلٍ کی،اور فعلٍ مجرور ہے۔ای فعلٍ مذکورٍ ثابتٍ بمعناهُ۔ تو مفعول مطلق نام ہے اُس حدث کا، جسکو کیا ہو فعل مذکور کے فاعل نے،وہ فعل جو اُس حدث کے معنیٰ میں ہو۔یعنی مفعول مطلق نام ہے اُس حدث کا، جسکو کیا ہو فعل مذکور کے فاعل نے،اور وہ فعل اِس حدث کے ہم معنیٰ ہو۔

مثال: ضربَ زیدٌ ضَرْبًا: ضَرْبًا یہاں مفعول مطلق ہے۔یہ ضَرْب حَدَث ہے۔یہ مصدر ہےاور یہ نام ہے حَدَث کا۔اسکے لئے ضَرْب لگانے والا چاہئے۔اوروہ زید ہے۔ زید ہے تو ضرب ہے زید نہیں تو یہ والی ضرب بھی نہیں۔اور زید ماقبل کے فعل مذکور کا فاعل ہے۔اور یہ فعل ضَرَبَ اس حدث ضَرْبٌ کا ہم معنیٰ ہے۔اب اس پر تعریف چسپاؤ۔یعنی ضرْب ایسا حدیث ہے جس کو سرانجام دیا ہے فعل مذکور کے فاعل نے اور یہ حدث ماقبل والے فعل کے ہم معنٰی ہے۔

مفعول مطلق تین فائدوں کے لئے ذکر ہوتا ہے۔یاتو تاکید کے لئے ذکر ہوگا، یانوع کو بیان کرنے کے لئے یاعدد کو بیان کرنے کے لئے۔تاکید کے لئے جیسا کہ ضربْتُ زیدًا ضرْبًا۔ یہ مصدر تاکید کے لئے ذکر ہوا۔تاکید کا معنٰی ہے ایک چیز کو پختہ کردینا۔یہاں بھی ماقبل میں جو ضَرَبْ آیا تھا اس مصدر نے اس کو پختہ کردیا یعنی اس میں تاکید پیدا کردی۔تو مجاز اور غلطی کے احتمال کو ختم کردیا۔

مجاز کے احتمال کو ختم کرنے کی مثال: مثلا میں نے کہا، "ضَربتُ زیدًا" یعنی میں نے زید کی پٹھائی کی،اور آپ نے سوچا پٹھائی نہیں کی ہوگی، خوب زبردست طریقے سے ڈانٹا ہوگا، تو ڈانٹا بہت زیادہ تو گویا یہ اسی طرح ہے کہ پٹھائی کی۔تو آپ سمجھے کہ یہ ضرب یہاں حقیقی معنی میں نہیں بلکہ اس سے ڈانٹنا مراد ہے۔لیکن جب میں نے آگے ضربا ذکر کیا، تو اس سے واضح ہوا کہ ضرب سے پٹھائی ہی مراد ہے کوئی مجازی معنی مراد نہیں۔تو ضربا مصدر نے آکر ماقبل کے فعل کو پختہ کردیا۔

مجاز کے احتمال کو ختم کرنے کی مثال قرآن مجید سے۔جیسا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔ كَلَّمَ اللّٰهُ موسىٰ تَكْلِيمًا۔ اللہ نے کلام فرمایا موسیٰ علیہ السلام سے۔یہاں تَكْلِيمًا مفعول مطلق جب ذکر ہوا تو اس سے مجاز کے احتمال کو ختم کیا گیا،یعنی یہ کلام کسی فرشتے کے واسطے سے نہیں، بلکہ اللہ نے بذات خود موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

غلطی کے احتمال کو ختم کرنے کی مثال: مثلا میں نے کہا ضربتُ زیدًا تو سننے والا سمجھا ہو سکتا ہے پٹھائی نہیں کی ہوگی شاید اکرام کیا ہوگا اور غلطی سے زبان سے ضربتُ نکلا۔تو غلطی کا امکان تھا لیکن جب میں نے آگے مفعول مطلق ضرْبًا بولا، تو اس نے وضاحت کردی کہ حقیقتا ضرب ہی کا فعل واقع ہوا ہے، اکرام یعنی عزت کا فعل واقع نہیں ہوا ہے۔

و قد يكونُ للتاكيدِ اور کبھی یہ تاکید کے لئے ہوگا۔ **و النوعِ و العَدَدِ** اور کبھی نوع اور عدد کے لئے۔ یہاں تین مصادر ہیں ان کو یاد رکھیں۔فَعْلَةٌ، فِعْلَةٌ، فُعْلَةٌ۔

فَعْلَةٌ عدد بتلانے کے لئے آتا ہے۔فَعْلَةٌ : ایک مرتبہ،فَعْلَتَانِ: دو مرتبہ،فَعْلَات: کئی مرتبہ۔ جلستُ جَلْسَةً: میں ایک دفعہ بیٹھا، جلستُ جَلْسَتَيْنِ: میں دو دفعہ بیٹھا۔جَلَسْتُ جَلْسَاتٍ: میں بیٹھا کئی مرتبہ۔

فِعْلَةٌ: یہ نوع بتلانے کے لئے آتا ہے۔یعنی کسی چیز کی قسم بتلانے کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ جِلْسَةٌ بروزن فِعْلَةٌ: ایک خاص نوع پر بیٹھنا۔اور جَلْسَةٌ بروزن فَعْلَةٌ: ایک بار بیٹھنا۔جلستُ جِلْسَةً: میں ایک قسم پر بیٹھا، جلستُ جِلْسَتَيْنِ: میں دو قسم پر بیٹھا۔جَلَسْتُ جِلْسَاتٍ: میں بیٹھا کئی قسم پر۔جَلَسْتُ جِلسةَ القارى: میں قاری کی طرح بیٹھا۔

اور فُعْلَةٌ وزن پر جو مصدر آتا ہے وہ مقدار بتلانے کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ لُقْمَةٌ بروزن فُعْلَةٌ: ایک لقمہ کی مقدار کھانا۔

نحو جلستُ جُلوسًا یہ تاکید کی مثال ہے۔ **و جِلسةً** اى جلستُ جِلْسَةً: نوع کی مثال ہے۔اس کے لئے فعل کو محذوف نکالا۔ **و جَلسة** اى جلستُ جَلسةً: میں ایک دفعہ بیٹھا۔تینوں کی ترکیب اس طرح ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔

فالاَوَّلُ مفعول مطلق کی پہلی قسم جو کہ تاکید کے لئے ہے وہ **لا يُثَنَّى و لا يُجْمَعُ** اسکو تثنیہ اور جمع نہیں لایا جاتا۔ **بخلاف أخَوَيْهِ** بخلاف اس کے دو بھائیوں کے۔یعنی وہ مفعول مطلق جو نوع یا عدد کے لئے آئے۔جو مفعول مطلق نوع یا عدد کے لئے ہو اس کا تثنیہ اور جمع لایا جاسکتا ہے۔تاکید ما قبل کے فعل کو پختہ کرنے کے لئے آتا ہے۔اور غلطی اور مجاز کے استعمال کو ختم کرتا ہے۔تو اس کے لئے تاکید کا مفرد لانا ہی کافی ہے۔ جبکہ انواع کئی ہو سکتے ہیں۔اس لئے اسکی تثنیہ اور جمع لایا جاسکتا ہے۔اور عدد میں بھی تثنیہ اور جمع لا کر بتلایا جائے گا کہ کتنے عدد مراد ہے۔

و قد يكونُ بغيرِ لفظِهِ اور کبھی کبھار غیر لفظ سے ہوگا۔ھاضمیر راجع ہے فعل کو۔اس فعل کے لفظوں کے علاوہ سے ہوگا۔یعنی مفعول مطلق کا فعل کے ساتھ ہم معنی ہونا ضروری ہے ہم لفظ ہونا ضروری نہیں۔نیز فعل ثلاثی مجرد سے ہے تو مفعول مطلق ثلاثی مزید سے بھی آسکتا ہے۔جیسا کہ اَنْبَتَ اللّٰهُ بقلاً نباتًا۔ تو نباتا مفعول مطلق ہے اور مجرد سے آرہا ہے۔ اور ماقبل میں اَنْبَتَ فعل ثلاثی مزید فيه میں باب افعال سے ہے۔اس مثال میں مادّہ دونوں کا ایک ہے لیکن باب مختلف۔ اور کبھی مادّہ بھی دونوں کا مختلف ہوتا ہے۔ جیسا کہ قعدتُ جلوسا : میں بیٹھا بیٹھنا۔ قَعَدَ اور جُلوس دونوں ہم معنیٰ ہیں۔ البتہ ایک کا مادّہ قَعَدَ اور دوسرے کا جَلَسَ ہے۔ **نحو قعدتُ جُلوسا** ترکیب: قعدتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل، جلوسًا منصوب لفظًا مفعول مطلق۔

نوٹ۔ یہ جمہور علماء کے نزدیک ہے۔امام سیبویہ رح کے نزدیک مفعول مطلق غیر لفظ سے نہیں آسکتا۔وہ فرماتے ہیں کہ جو مفعول مطلق ہو، اسی باب کو اسی مادّے کو ما قبل میں محذوف فعل نکال لو۔تو قعدتُ جلوسًا میں وہ جلوسًا کو قعدتُ سے مفعول مطلق نہیں مانتے۔ بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہاں جلستُ محذوف نکالوں۔ یعنی قَعدتُ جلستُ جلوسًا۔

اور یاد رکھو یہ جو مثال صاحب کافیہ نے ذکر کی قعدتُ جلوسًا ۔ یہ جلوسًا اُس وقت قعدتُ کے لئے مفعول مطلق ہو سکتا ہے جب دونوں ایک معنیٰ میں مراد لیا جائے۔ جبکہ بعض علماء نے فرق بیان کیا ہے۔ اگر اُس فرق کو مان لیا جائے تو پھر اس کو مفعول مطلق بنانا صحیح نہیں۔ اُن علماء کے نزدیک قُعود اس کے کہتے ہے جو قیام کے بعد ہو۔ یعنی کوئی شخص کھڑا تھا اور بیٹھ جائے تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ " قَعَدَ فُلانٌ"۔ اور اگر کوئی شخص لیٹا تھا اور پھر بیٹھ گیا تو پھر آپ یوں نہیں کہہ سکتے کہ قعد فلانٌ بلکہ یوں کہیں گے کہ "جلَسَ فلانٌ"۔پس اگر سا فرق کو مان لیا جائے تو پھر جلوسا مفعول مطلق نہیں بن سکتا قعدتُ کے لئے۔ اور پھر ہر حال میں جلستُ مخذوف نکالنا پڑے گا۔

و قد یُحذف الفعل لقیامِ قرینةٍ اور کبھی کبھار فعل کو حذف کیا جاتا ہے جس وقت قرینہ موجود ہے۔ لقیامِ قرینةٍ میں لام وقت کے معنیٰ میں ہے۔ ای وَقتَ قِیامِ قرینةٍ: جس وقت قرینة موجود ہو۔ مفعول مطلق کے فعل کو کبھی جوازاحذف کیا جاتا ہے اور کبھی وجوبا حذف کیا جاتا ہے۔ جب قرینہ موجود ہو تو پھر مفعول مطلق کے فعل کو ذکر کرنا بھی جائز ہے اور حذف کرنا بھی جائز ہے۔ **جوازا** اور یہ حذف جوازاہوتا ہے۔ **کقولک** جیسا کہ آپ کا کہنا **لمن** اس شخص سے **قدِّمَ** جو آیا ہے۔ **خیرَ مقدَمٍ** تیرا آنا اچھا ہو۔ تو خیر کے ساتھ آئے۔ یعنی آپ کمرے میں بیٹھے ہیں۔ اور آپ کا کوئی ساتھی آیا۔ اور آپ اس سے کہہ دیں، "خیرَ مقدمٍ"۔ تو اصل میں کلام یوں ہے۔

قَدِمۡتَ قُدُوۡمًا خیرَ مَقۡدَمٍ۔ ترکیب۔ قدمتَ فعل بافاعل، تاضمیر مرفوع محلااسکا فاعل، قُدُوۡمًا(مصدر) منصوب لفظًا موصوف، خیرَ اسم تفضیل مضاف اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے موصوف کو۔ مَقۡدَمٍ مجرور لفظًا مضاف الیہ، خیرَ اسم تفضیل اپنے فاعل اور مضافُ الیہ سے ملکر شبہ جملہ ہو کر صفت قُدومًا کے لئے، قدوما موصوف اپنے صفت سے ملکر مفعول مطلق ہوا قدمتَ فعل کے لئے۔ قدمتَ فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ پس خیرَ مقدمٍ مفعول مطلق ہے موصوفِ مخذوف کے اعتبار سے۔ یہاں اور بھی تراکیب ممکن ہے۔

قدمتَ فعل کو اس لئے مخذوف کیا گیا کیونکہ قرینہ حالیہ موجود ہے۔ کیونکہ وہ شخص آیا ہے۔ اور جب وہ آیا ہے تو اب "قدمتَ: تو آیا ہے۔" کی ضرورت نہیں۔

قَدِمۡتَ قُدُوۡمًا خیرَ مَقۡدَمٍ۔ قدمتَ: تو آیا، قدومًا: ایسا آنا، خیرَ مقدمٍ: جو اچھا ہے۔

و وُجوبا اور کبھی کبھار مفعول مطلق کے فعل کو وجوبا حذف کیا جائے گا، وجوبا حذف کی ایک قسم سماعا ہے اور ایک قسم قیاسا ہے۔ **سماعا** اور یہ حذف سماعا ہو گا۔ سماعا کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عربوں سے سنا ہے۔ اس کے لئے کسی ضابطہ کی ضرورت نہیں ہوتا۔ اور قیاسی کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی ضابطہ کے تحت ہیں۔ یعنی آپ کوئی کلام لائے اور وہ اس ضابطے کے مطابق ہو تو آپ کے لئے بھی فعل کو حذف کرنا واجب ہو گا۔

مثلُ سقیا یہ مفعول مطلق ہے۔ اصل میں تھا۔ سقاکَ اللّٰہُ سقیًا: اللہ تجھے سیراب کرے۔ یہ دعا ہے۔ **و رعیا** ای رَعٰـکَ اللّٰہُ رَعۡیًا۔ اللہ تیری حفاظت فرمائیں۔ **و خیبةً** ای خابَ خیبَةً۔ یہ بد دعا ہے۔ وہ ناکام و نامراد ہو۔ **و جدعا** ای جُدِعَ جَدۡعًا۔ کسی کافر کے بارے میں آپ بد دعا کرتے ہیں کہ اس کے ناک کان وغیرہ کاٹ ڈالی جائے۔ یعنی مُثلہ کرنا۔

و حَمْدًا ای حَمِدْتُ حمدًا۔ و شُکْرًا ای شَکَرتُ شُکْرًا و عَجَبا ای عجبتُ عجبًا۔ ان تمام مثالوں میں مفعول مطلق کے فعل کو وجوبا سماعا حذف کیا گیا۔ لہذا ہم بھی اس فعل کو حذف کریں گے۔

درس 37۔ و قیاسا فی مواضِعَ اور وجوبا حذف قیاسی ہے کئی جگہوں میں۔یعنی مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا وجوبا قیاسی ہے کئی جگہوں میں۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی پہلی صورت۔ اس صورت کے اندر مصنفؒ دو صورتیں ذکر کر رہے ہیں۔ایک مثال میں مفعول مطلق نفی کے بعد واقع ہو رہا ہے اور دوسری مثال میں مفعول مطلق معنیٰ نفی یعنی اِنَّمَا کے بعد واقع ہو رہا ہے۔ نیز مصنفؒ بتلائیں گا کہ مفعول مطلق نکرہ بھی ہو سکتا ہے اور معرفہ بھی ہو سکتا ہے۔ منها ان جگہوں میں سے ما ایک وہ جگہ ہے۔ماعبارت ہےمَوْضِعٌ سے یعنی جگہ سے۔ وَقَعَ ای وقع فیه کہ واقع ہوا ُن جگہوں میں مفعول مطلق۔ وقع کی ھو ضمیر راجع ہے ما کو۔ مُثْبَتًا اس حال میں کہ (وہ مفعول مطلق) مثبت ہو۔یعنی کہ اس کی اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو۔ بعدَ نفيٍ اور نفی کے بعد واقع ہو۔ او معنیٰ نفيٍ اور یا معنی نفی کے بعد واقع ہو۔ نفی اور معنی نفی کے درمیان "او" کے ذریعے عطف کیا گیا۔اور جب "او" کے ذریعے عطف کیا جائے تو وہ احد الامرین کے حکم میں ہوتا ہے۔یعنی وہ مفعول مطلق نفی یا معنٰی نفی کے بعد واقع ہو۔ داخلٍ عَلَی اسْمٍ وہ اسم پر داخل ہو۔یعنی نفی ہو یا معنی نفی ہو اور اسم پر داخل ہو۔ لا یکونُ خبرا عنه اس حال میں کہ وہ مفعول مطلق اُس اسم سے خبر واقع نہ ہو۔اس کا خبر بننا اس سے صحیح نہ ہو۔یکون کی ضمیر مفعول مطلق کو راجع ہے۔

او وقع مکررا کو بعد میں ذکر کرتے ہیں۔ پہلے بعدَ نفيٍ کی وضاحت اس مثال سے کرتے ہیں۔ "ما انت الا سَیْرًا" ای ما انت الا تسیرُ سیرًا کو دیکھو۔ ما اور الّا حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ مثلا ایک شخص آپ سے کہتا ہے کہ میں پڑھنے والا بھی ہوں اور چلنے والا بھی ہوں۔ اور آپ اس سے کہتے ہیں کہ آپ تو صرف چلنے والا ہے تو آپ یوں کہیں گے "ما انت الا سیرًا"۔ تو آپ نے مخاطَب کو بند کر دیا گھومنے کے اندر۔

اور کلام اصل میں یوں ہے۔ تو نہیں ہے مگر تو چلتا ہے۔ یعنی تو صرف چلنے ہی والا ہے۔ یعنی تو صرف گھومنے ہی والا ہے۔ تسیرُ فعل کو یہاں حذف کرنا واجب ہے۔ اور یہ حذف ضابطہ کے مطابق ہے۔ضابطہ یوں ہے۔کہ اس مفعول مطلق کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہو۔اور یہاں "تو نہیں مگر چلنے والا" تو یہاں بھی اثبات کا ارادہ کیا گیا ہے۔اور یہ مفعول مطلق نفی کے بعد واقع ہو۔تو یہاں "مامشابہ بلیس" نفی کے لئے آیا۔(اور معنی نفی والا مثال آگے آئے گا۔فی الحال اس کو چھوڑ دوں۔)اور تیسرا شرط یہ تھا کہ وہ نفی اسم پر داخل ہوں۔ تو یہاں بھی "ما" اسم یعنی انت پر داخل ہے۔چوتھا شرط یہ کہ :اور وہ اسم اس حال میں ہو کہ "لا یکون خبرا عنہ" کہ وہ مفعول مطلق اُس اسم سے خبر نہ ہو۔ اور یہاں یہ سیرًا یہ انت سے خبر نہیں ہے۔اس لئے کہ اگر یہ مفعول مطلق خبر ہوتا تو یہ مرفوع ہوتا۔اور یہ منصوب ہے۔تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ انت سے خبر نہیں۔تو اس صورت میں مفعول مطلق کو عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔تو اصل میں کلام،" ما انت الا تسیرُ سیرًا" ہے۔ یہ سیرًا مفعول مطلق نکرۃ ہے۔

دوسری مثال: "و ما انتَ الا سیرَ البرید"۔ یہاں سیر مصدر ہے اور اس کی اضافت "البرید معرفہ" کی طرف ہو رہی ہے۔ اور معرفہ کی طرف جب اضافت ہو جو تو وہ مضاف بھی معرفۃ بن جاتا ہے۔ تو سیرَ البرید میں سیر مفعول مطلق یہاں معرفہ ہے۔ مصنفؒ بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ یہ مفعول مطلق معرفۃ بھی آسکتا ہے اور نکرۃ بھی آسکتا ہے۔

تیسری مثال معنی نفی والا: انما انت سیرًا ۔ معنی نفی سے مراد "انمّا" ہے۔ اِنَّمَا بھی "ما" اور "الا" کی طرح حصر کا فائدہ دیتی ہے۔ یعنی انمّا متضمن ہوتا ہے "ما" اور "الّا" کے معنیٰ کو۔ پس انمّا خود نفی نہیں بلکہ نفی کے معنیٰ میں ہے۔ انمّا انت سیرًا ای انما انت تسیرُ سیرًا: یعنی تو تو گھومنے ہی والا ہے۔ ماقبل کلام "ما انتَ سیرًا" اور یہ کلام "انما انت سیرًا" دونوں ایک ہی معنیٰ میں ہو گئے۔ اب اس پر وہ تعریف لگاتے ہیں جو ہم نے پڑھی۔

انما انت سیرًا میں یہ سیرًا مفعول مطلق ہے اور اس کے اثبات کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اور یہ معنیٰ نفی کے بعد واقع ہو رہا ہے۔ اور یہ معنیٰ نفی انتَ اسم پر داخل ہو رہا ہے ۔ اور یہ مفعول مطلق سیرًا اس اسم انت سے خبر نہیں۔ اگر یہ سیرًا مفعول مطلق خبر ہوتا تو پھر اس کو مرفوع ہونا چاہئے تھا۔ پس ہم "ما انت تسیر سیرًا" اور "انما انت تسیر سیرًا" نہیں کہہ سکتے، یہاں پر مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے کیونکہ یہاں سارے شرائط پورے ہیں۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی دوسری صورت۔

او وقع مُکَرَّرًا یامفعول مطلق مکرر آئے۔ وقع کی ضمیر مفعول مطلق کو راجع ہے۔ یعنی مفعول مطلق اسم کے بعد آئے یعنی خبر کی جگہ میں آئے، اور اس کا اسم سے خبر بننا صحیح نہ ہو اور مکرر ہو۔ تو اس صورت میں بھی مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ آگے صاحب کافیہ نے چار مثالیں دی ہیں۔ جن میں تین مثالوں کی وضاحت میں نے "او وقع مکرّرا" سے پہلے لکھی ہے۔ اور چوتھی مثال "او وقع مکرّرا" کی ہے۔

نحو **[1] ما انت الا سَیرًا** **[2] و ما انت الا سیر البرید** **[3] و انما انت سیرا** **[4] و زیدٌ سیرا سیرا** : مثال نمبر 4 جو "او وقع مکررًا" سے تعلق رکھتا ہے اسکی وضاحت۔ اس میں یہ سیرًا مفعول مطلق ہے، اسم کے بعد واقع ہے اور خبر کے مقام میں واقع ہو رہا ہے۔ اور اس کا اسم سے خبر بننا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ سیرًا مصدر یعنی معنٰی ہے اور زید ذات ہے۔ اور معنٰی کا حمل ذات پر صحیح نہیں۔ اور یہ مفعول مطلق مکرر ہے۔ تو اس مفعول مطلق کے عامل کر حذف کرنا واجب ہے۔ اصل کلام یوں ہے۔ زیدٌ یسیرُ سیرًا سیرًا۔

ما انت الّا سیرًا کی ترکیب: (اس مثال میں مفعول مطلق نکرہ ہے۔) ما مشابہ بلیسَ مُلغیٰ عن العمل۔ (جب ما مشابہ بلیس کی خبر پر الّا داخل ہو جاتا ہے تو اس کی عمل کو لغو کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ عامل ضغیف ہے اور معمول اس سے دور چلا گیا۔ اور جب یہ ما عمل نہیں کریگا تو آگے اسکا اسم اور خبر بھی نہیں آئے گا۔ اور انت جیسے پہلے مبتدا تھا تو اب بھی مبتدا ہوگا۔ اور خبر پہلے بھی خبر تھی اور اب بھی خبر رہے گی۔) انتَ مرفوع محلاً مبتدا، الّا حرف استثنا، سیرًا منصوب لفظًا مفعول مطلق فعل مخذوف

تسیرُ کے لئے۔ تسیرُ فعل محذوف انت ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے ملکر یہ خبر ہوئی مبتدا کی۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

سیرَ البریدِ کی ترکیب۔اس مثال میں مفعول مطلق معرفۃ ہے۔ (برید: قاصد، ایلچی، پیغام رساں، دو منزلوں کے درمیانی فاصلے کو بھی برید کہتے ہے۔) ما انت الّا ما مشابہ بلیس ملغیٰ عن العمل۔ انت مبتدا، الّا حرف استثنا، سیرَ منصوب لفظًا مضاف، البریدِ مجرور لفظًا مضافٌ الیہ، مضاف مضافٌ الیہ ملکر یہ مفعول مطلق ہوا تسیرُ فعل کے لئے۔ تسیرُ فعل اپنے فاعل انتَ ضمیر اور مفعول مطلق کے ساتھ ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

انّما انت سیرًا کی ترکیب۔ اِنَّ حرف از حروف مشبہ بالفعل، ما کافّہ (جو اِنَّ کو روک دیتا ہے عمل سے، اِنّ چونکہ ایک اسم اور خبر چاہتا ہے۔ لیکن یہاں پر اِنّ کو عمل سے روک دیا گیا تو جو پہلے مبتدا اور خبر تھے وہ اب بھی اُسی طرح مبتدا اور خبر ہیں۔) انت مبتدا، سیرًا منصوب لفظًا مفعول مطلق فعل محذوف تسیرُ کے لئے۔ تسیرُ فعل اپنے فاعل انت ضمیر اور مفعول مطلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

زیدٌ سیرًا سیرًا کی ترکیب۔ زیدٌ مرفوع لفظًا مبتدا، سیرًا منصوب لفظًا مؤکد، سیرًا منصوب لفظًا اسکی تاکید، مؤکد اپنے تاکید سے ملکر فعل محذوف یسیرُ کے لئے مفعول مطلق۔ یسیرُ فعل اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا زید کی طرف۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی تیسری صورت۔ و منھا اور اُن جگہوں میں سے ما ایک جگہ وہ ہے وقع ای وقع فیہ، جن میں مفعول مطلق واقع ہو تفصیلا اس حال میں کہ مفعول مطلق تفصیل ہو۔ اب یہ کس کی تفصیل ہو، صاحب کافیہ بتلاتے ہیں۔ لِاَثَرِ مَضْمِونِ جُمْلَةٍ مُتَقَدِّمَةٍ وہ جملہ جو متقدم ہے یعنی پہلے گزرا ہے اُس کے مضمون کی عرض کی تفصیل ہو۔ اثر: مقصد اور عرض کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ تفصیل کا مطلب ہے انواع احتمالات۔ یعنی اُس عرض کے اندر جتنے احتمالات ہیں، مفعول مطلق اُن کو بیان کریں۔ اور وہ عرض مضمون جملہ کی ہو، اور وہ جملہ ماقبل میں ذکر کیا گیا ہو۔

مضمونِ جُملہ کی وضاحت:اُس جملہ کے اندر جو مسند ہے، اُس کے مصدر کی اضافت کر دے فاعل کی طرف یا مفعول کی طرف۔ اگر وہ مسند خبر ہے تو خبر کے مصدر کی اضافت کر دے مبتدا کی طرف۔ مثلاً۔ قامَ زیدٌ۔ اس کے اندر مسند قامَ ہے۔ کیونکہ قیام کا اسناد زید کی طرف کی گیا ہے۔ کیونکہ زید مسند الیہ یعنی فاعل ہے۔ اب قامَ کی مصدر قیام کی اضافت زید کی طرف کرو تو قیام زیدٍ بن جائے گا۔ اس قیامُ زیدٍ کو مضمون جملہ کہتے ہے۔ اسی طرح ضربَ زیدٌ عمرًوا کا مضمون جملہ ضرب زید: یعنی زید کا پٹھائی کرنا۔ یہ ضرب زید اُس وقت مضمون جملہ ہے جب عرض زید کی

پٹھائی بتلانا ہو۔ یا ضرب عمروٍ: عمرو کی پٹھائی ہونا۔ پہلی مثال ضرب زید میں ضرب مصدر معروف کے معنیٰ میں ہے ، اور دوسرے مثال ضرب عمروٍ میں ضرب مصدر مجہول کے معنیٰ میں ہوگا۔ نوٹ۔ عربی کے اندر مصدر معروف اور مصدر مجہول کا ایک ہی وزن ہوتا ہے۔ اسی طرح زیدٌ قائمٌ کا مضمون جملہ: قیام زیدٍ ہے۔

مثل فَشُدُّوا الْوَثَاقَ پس تم بیڑیوں کو باندھو۔ جنگی قیدیوں کو مضبوطی سے باندھ کر اس مقصد میں دو احتمالات ہیں۔ اور وہ احتمالات یہ ہیں۔ [1]فَاِمَّا مَنًّا بعد ای فاما تمنّون مَنًّا بَعْدُ : پس اس کے بعد تم احسان کروں گے [2]و اما فداءً ای و اِمَّا تُبْدُوْنَ فِدَآءً ۔ اور یا فدیۃ لیں گے۔ مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جنگی قیدی جو تمہارے پاس آئے ہیں اُن کو مضبوطی سے باندھ لوں بیڑیوں وغیرہ کے ساتھ۔ اس بیڑیوں میں جھکڑنے یعنی باندھنے کا عرض یہ ہے کہ پھر اُس کے ساتھ یا تو احسان کروں گے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں گے۔ پس کلام کی عرض میں یہ دونوں احتمالات تھے، اور پھر اِس کو تفصیلاً آگے ذکر کیا گیا۔

فامّا منا بعدُ۔ میں یہ منًّا مفعول مطلق ہے اور اسکے فعل تمُنُّونَ کو حذف کرنا واجب ہے۔

اور اسی طرح و اما فدآءً میں فدآءً مصدر ہے جس کے فعل تُبْدُوْنَ کو حذف کرنا واجب ہے۔ اَبْدَیٰ، یُبْدِیْ(باب افعال): فدیہ قبول کرنا۔

اب اس پر تعریف لگاؤ۔ وہ مفعول مطلق ہے جو واقع ہو تفصیل۔ تو یہ احسان کرنا یا فدیہ لینا دونوں مفعول مطلق ہیں۔ اور تفصیل ہے۔ اور یہ مفعول مطلق ماقبل میں جو جملہ گزرا اُسکی تفصیل ہے۔ اور ماقبل میں فشدوا الوثاق جملہ گزرا ہے۔ اور اس جملے کا مضمون: شَدَّ یَشُدُّ شَدًّا۔ تو شُدُّوا سے شَدًّا مصدر بنایا۔ اور آگے الوثاقَ مفعول آرہا ہے۔ تو اس کی طرف اضافت کر دو۔ تو شَدُّ الوثاقِ: بیڑیاں باندھنا یا بند باندھنا۔ مضمون جملہ ہو گیا۔ اور اس مضمون جملہ کی عرض یا تو احسان کرنا ہے یا فدیہ لینا ہے۔ تو یہ مفعول مطلق منا اور فداء یہ تفصیل واقع ہو رہے ہیں ماقبل کے جملہ کی مضمون کی عرض کے لئے۔

درس 38۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی چوتھی صورت۔ و منها ما اور اُن مقامات میں سے ایک مقام وہ ہے، ما موضع سے عبارت ہے۔ وقع ای وقع فیہ۔ کہ مفعول مطلق اُس میں واقع ہو۔ وقع کی ضمیر مفعول مطلق کو راجع ہے۔ اس مفعول مطلق کی چار شرائط ہیں۔ [1]للتشبیہ تشبیہ کے لئے، یعنی مفعول مطلق کے ساتھ کسی چیز کو مشابہ قرار دیا جائے۔ جیسا کہ "ضربتُ زیدًا ضربَ القاری": میں نے زید کی پٹھائی کی جیسے کہ قاری پٹھائی کرتا ہے۔ یعنی زبردست قسم کی پٹھائی کی۔ اس میں اپنے ضرب کی تشبیہ دی قاری کے ذرب کے ساتھ۔ [2]عِلاجًا اس حال میں کہ یہ مفعول مطلق افعال جوارح میں سے ہو۔ علاجًا: وہ افعال جوارح میں سے ہو۔ اور افعال قلب میں سے نہ ہو۔ جوارح جمع ہے جارحۃٌ کی۔ یعنی

عُضوٍ بدن۔ ہاتھ، پاؤں، آنکھیں، ناک وغیرہ۔ [3] بعدَ جملةٍ جملہ کے بعد واقع ہو مشتملةٍ علی اسم ایسا جملہ جو مشتمل ہو ایسے اسم پر بمعناہ جو اُس کے ہم معنیٰ ہو۔ یعنی اُس مفعول مطلق کے معنیٰ میں ہو۔ و [4] صاحبِہٖ اور صاحب اسم پر مشتمل ہو۔ ہا ضمیر اسم کو راجع ہے۔ یعنی جس کے ساتھ وہ وصف قائم ہو۔

نحو مررت بہٖ ای مررتُ بزیدٍ۔ مثلا ہا ضمیر راجع ہے زید کو۔ فاذا لہ صوتٌ تو اچانک اُس کے لئے آواز تھی۔ ہا ضمیر زید کر راجع ہے۔ اس جملہ میں اسم صوت ہے، اور صاحب اسم ہا ضمیر ہے۔ جو ہم نے زید کسی غائب کو راجع کیا ہے۔ صوتَ حِمارٍ جیسے گدھے کی آواز۔ ای یَصوتُ صوتَ حِمارٍ: تو یصوتُ فعل کو حذف کرنا واجب ہے اور صوتَ مصدر مضاف اپنے مضافٌ الیه حمارٍ کے ساتھ ملکر مفعول مطلق۔

اب شرائط پر غور کریں، تو پہلی بات یہ کہ وہ مفعول مطلق تشبیہ کے لئے ہو، اور صوتَ حمارٍ تشبیہ کے لئے ہے، ثانی یہ کہ آواز دینا یا آواز نکالنا افعال جوارح میں سے ہے۔ تیسری شرط یہ کہ یہ مفعول مطلق جملے کے بعد آرہا ہے اور جملہ "لہُ صوتٌ" ہے۔ لَہُ جار مجرور خبر مقدَّم ہے۔ اور صوتٌ مبتدا مؤخر۔ چوتھا یہ کہ یہ مفعول مطلق ایسے جملے کے بعد آرہا ہے جس میں ایسا اسم موجود ہے جو مفعول مطلق کے ہم معنیٰ ہے۔ اور یہ جملہ صاحب اسم پر بھی مشتمل ہے، یعنی یہ جملہ "لہُ صوت" صوتٌ اسم پر مشتمل ہے اور یہ معنیٰ مفعول مطلق میں بھی ہے۔ اور یہ جملہ صاحب اسم پر بھی مشتمل ہے۔ اور یہ صفت یعنی صوتٌ زید کے ساتھ قائم ہے۔

ترکیب۔ مررتُ بہٖ۔ مررتُ فعل با فاعل، تا ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل، با جارّہ ہا ضمیر مجرور۔ جار مجرور ملکر متعلق ہوئے مررتُ فعل کے ساتھ، مررتُ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

فاذا لہ صوتٌ صوتَ خمارٍ۔ فا عاطفیہ اذا مُفاجاتیہ، لام جارہ ہا ضمیر مجرور محلاً جو کہ زید کو راجع ہے، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے ثابتٌ سے۔ ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اس کے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے صوتٌ مبتدا مؤخر کو،(یہ اضمار قبل الذکر لفظًا ہے لیکن رتبةً نہیں)۔ اصل میں ہے صوتٌ ثابتٌ لہ۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم۔ صوتٌ مبتدا مؤخر۔ مبتدا مؤخر اپنے خبر مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

صوتَ خمارٍ۔ صوتَ منصوب لفظًا مضاف، خمارٍ مجرور لفظًا مضافٌ الیه۔ مضاف مضاف الیه ملکر مفعول مطلق ہوا فعل محذوف یصوتُ کے لئے۔ یصوتُ فعل اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ ماقبل میں جس کا تذکرہ ہوتا ہے یعنی کہ زید اسکو راجع۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

و صُراخٌ صُراخَ الثَّکلیٰ یہ بھی اُسی طرح، ای مررتُ بزیدٍ فاذا لهُ صراخٌ صُراخَ الثَّکلیٰ: مررتُ بزیدٍ: میں زید کے پاس سے گزرا، فاذا لهُ صراخٌ: تو اچانک وہ چِلّا رہا تھا، صُراخَ الثَّکلیٰ: ای یَصْرَخُ صراخَ الثکلیٰ۔ تو اُسی کے لئے چلانا تھا جیسا کہ وہ عورت چلاتی ہے جسکا بچہ مر گیا ہو۔ تو یہاں یصرخُ فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ صُراخَ مفعول مطلق ہے، اور تشبیہ کے لئے آیا۔ زید کے چلانے کو اُس عورت کے چلانے سے تشبیہ دیا گیا ہے جس کا بچہ مر گیا ہے۔یہ پہلا شرط ہوا۔ اور یہ چلانا افعال جوارح میں سے ہے۔ یہ دوسرا شرط ہوا۔ تیسرا شرط یہ کہ یہ مفعول مطلق ایسے جملے کے بعد آرہا ہے جو ایسے اسم پر مشتمل ہے جو اس مفعول مطلق کا ہم معنیٰ ہے۔ یعنی ما قبل جملہ "فاذا له صراخٌ" میں اس کا ہم معنیٰ اسم صُراخٌ آ رہا ہے۔ چوتھا شرط یہ کہ صاحب اسم کا ذکر بھی اس جملہ "فاذا له صراخٌ" میں لهُ کی ہا ضمیر کی صورت میں موجود ہے۔ تو سارے شرائط موجود ہونے کی وجہ سے اس مفعول مطلق کے عامل یعنی یصرخُ فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی پانچویں صورت۔

و منها اور اُن جگہوں میں سے ما ایک جگہ وہ ہے۔ وقع ای وقع فیه: کہ اس کے اندر مفعول مطلق واقع ہو۔ مَضْمُونَ جُملةٍ اس حال میں کہ وہ مضمون جملہ ہو۔ لا مُحْتَمَلَ لها غيرُهُ اور اس کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی احتمال بھی نہ ہو۔ لها میں ها ضمیر جملہ کو راجع ہے۔ غيرُهُ کی ها ضمیر مفعول مطلق کو راجع ہے۔ غيرُهُ ای غيرُ المفعولِ المطلقِ۔ یعنی وہی مفعول مطلق اُس کا مضمون جملہ ہے اور اُس جملہ میں اسکے علاوہ اور کوئی احتمال نہیں۔

نحو له عَلَيَّ الفُ دِرهَمٍ فلاں کے مجھ پر ایک ہزار درھم ہیں۔ اصل کلام یوں ہے۔ ثابتٌ له عليَّ الفُ درهمٍ: ثابت ہے اُس کے مجھ پر ایک ہزار درھم۔ اس جملے سے مضمون جملہ بنانا ہو تو خبر کی مصدر کی اضافت مبتدا کی طرف کرو۔ اور خبر مقدم یہاں ثابتٌ له عليَّ ہے۔ تو یہاں ثابتٌ له عليَّ سے مصدر ثبوت نکلے گا۔ اب اس ثبوت کی اضافت مبتدا مؤخر "الفُ درهمٌ" کی طرف کرو، تو ثبوتِ الفِ درهمٍ ہو جائے گا۔ اور جب ثبوت الف درھم اپنے اوپر کر لے تو یہ اعتراف کہلاتا ہے۔ اعترافا ای اعترفتُ اعترافًا۔ یہ مفعول مطلق آیا۔ تو یہاں اعترفتُ فعل کو حذف کرنا واجب ہے۔ کیونکہ شرائط پوری ہیں۔ اعترافا مفعول مطلق ہے اور پہلی شرط یہ کہ یہ مضمون جملہ ہے۔ اور دوسرا شرط یہ کہ اس جملہ میں اس کے علاوہ اور کوئی احتمال بھی نہیں۔

و يُسَمّٰى تاكيدا لنفسه اور اس مفعول مطلق کا نام رکھا جاتا ہے تاکید لنفسہٖ۔ یعنی یہ اپنی ہی تاکید کرتا ہے۔ مثال کے طور پر: ضربتُ زيدًا ضربًا۔ میں ضربتُ زيدًا کا مضمون جملہ ضربُ زيدٍ ہے۔ اور آگے

آنے والے ضربًا نے اس ضرب کو پختہ کیا۔ یعنی اس مفعول مطلق نے اپنا ہی تاکید کی۔ اس لئے اس کو تاکید لنفسہٖ کہتے ہے۔ ایک چیز جب دو بار ذکر کی جاتی ہے تو اس میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی چھٹی صورت۔

و منھا اور اُن جگھوں میں سے ما ایک جگہ وہ ہے وقع ای وقع فیه۔ جہاں پر مفعول مطلق واقع ہو۔ مضمونَ جملةٍ اس حال میں کہ وہ مضمون جملہ ہو۔ لھا اُس جملے کے لئے۔ ھا ضمیر راجع ہے جملہ کو مُحْتَمَلٌ غیرُہٗ اُس جملہ میں مفعول مطلق کے علاوہ غیر کا بھی احتمال ہو۔ غیرہُ کی ھا ضمیر مفعول مطلق کو راجع ہے۔

نحو زیدٌ قائمٌ حقًا اس جملہ "زیدٌ قائمٌ" میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہے۔ یعنی حق ہونے کا بھی احتمال اور باطل ہونے کا بھی احتمال۔ تو اس میں دو احتمال آ گئے۔ اور پھر آکے مفعول مطلق آیا حقًّا۔ حق: ثابت کرنا، اصل میں کلام ہے، اُحِقَّ حقًّا: ثابت کیا گیا ہے ثابت کرنا۔ ای زیدٌ قائمٌ اُحِقَّ حقًّا۔ اس میں مضمون جملہ زید کے لئے ثبوتِ قیام ہے۔ اور یہ ثبوت قیام حق بھی ہو سکتا ہے اور باطل بھی ہو سکتا ہے۔ تو یہاں پر مفعول مطلق واقع ہے اس حال میں کہ اُس جملہ کے مضمون جملہ ہے۔ حقّا کا معنیٰ ہے ثابت کرنا، اور زیدٌ قائمٌ میں بھی زید کے لئے قیام کو ثابت کرنا تھا۔ ترجمہ: زید کھڑا ہے ۔ ثابت ہے۔ و یسمی تاکیدا لغیرہ اور اسکو تاکید لغیرہٖ کہتے ہیں۔ ای تاکیدًا لاجلِ غیرہٖ : تاکید ہے غیر کی وجہ سے۔ یعنی حق ہونے کا بھی احتمال تھا اور باطل ہونے کا بھی احتمال تھا۔ تو اس مفعول مطلق نے مضمون جملہ کو پختہ کر دیا غیر کی وجہ سے۔ یعنی غیر کی احتمال کو ختم کر دیا۔

مفعول مطلق کے عامل کو وجوبًا حذف کرنے کی ساتویں صورت۔

و منھا اور اُن جگھوں میں سے ما ایک جگہ وہ ہے وقع ای وقع فیه: جس میں مفعول مطلق واقع ہو۔ مُثّنًّی اس حال میں کہ تثنیہ ہو۔ یعنی ضربتُ زیدًا ضربًا نہ ہو بلکہ ضربتُ زیدًا ضربینِ ہو۔ مفعول مطلق تثنیہ لایا۔ یہاں اس کا معنیٰ " میں نے زید کی پٹھائی کی دو دفعہ" صحیح نہیں۔ یہ اگر چہ تثنیہ ہے لیکن یہ کثرت بتانے کے لئے آتا ہے۔ یعنی میں نے زید کی بہت زیادہ پٹھائی کی۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے، "فا رجعل البصر کرَّتینِ" آپ لوٹا دی جئے نگاہ کو دو مرتبہ۔ یہاں دو مرتبہ مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے۔ یعنی کثرت سے نگاہ ڈال دی جئے، آپ کو ہماری تخلیق کے اندر کبھی کوئی غیب نظر نہیں آئے گا۔

شرائط: پہلا شرط یہ کہ مفعول مطلق تثنیہ ہو اور دوسرا یہ کہ اس کی اضافت ہو رہی ہو فاعل یا مفعول کی طرف۔ تو یہاں دو شرطیں ہوئیں۔ اگر فاعل یا مفعول کی طرف اضافت نہ ہو رہی ہو، تو پھر عامل کو حذف کرنا واجب نہیں۔

مثلُ لبیک حاجی صاحب تلبیہ کرتے ہوئے، لبیک اللھم لبیک پڑھتے ہیں۔ ای اُلِبُّ لک اِلبابینِ : اَلَبَّ یُلِبُّ اِلبابًا (باب افعال) : خدمت میں حاضر ہونا۔ الب لک البابین: میں حاضر ہوں اے اللہ آپ کی خدمت میں خوب کثرت کے ساتھ۔ البابین: تثنیہ آرہا ہے۔ یعنی اے اللہ میں آپ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوں۔ یعنی اے اللہ میں آپ کی خدمت میں مسلسل حاضر ہوں۔ تاکہ آپ کے احکامات پر عمل پیرا ہو جاؤں۔ پھر اُلِبُّ فعل کو حذف کر لیا گیا۔ اور "لک اِلبابینِ" رہ گیا۔ پھر لکَ سے کاف کو ختم کر دیا گیا اور کاف کی طرف اِلبابین کی اضافت کر دی گئی۔ اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ گر گیا اور اِلبابیکَ رہ گیا۔ پھر اِلباب باب افعال سے ہے، اور اس میں کچھ زائد حروف بھی ہے، پھر اُن زائد حروف کو ختم کر کے اس کو مجرد کا مصدر بنایا تو لَبٌّ رہ گیا۔ اب اس لبٌّ کی تثنیہ لَبَّیْنِ ہے اور اسکی اضافت کاف کی طرف کرو تو لَبَّیْکَ رہ جائے گا۔ نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر گیا۔

و سعدیک یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ یہ اصل میں اُسْعِدُکَ اِسْعَادَیْنِ: اَسْعَدَ یُسْعِدُ اِسْعَادً:مدد کرنا، سعدیک: میں بار بار کثرت کے ساتھ آپ کا مدد کرتا ہوں یا کرتا رہوں گا۔ پہلے "اُلِبُّ لَکَ اِلْبَابَیْنِ" میں مفعول پر لام داخل ہو رہا تھا، اور یہاں "اُسْعِدُکَ اِسْعَادَیْنِ" میں مفعول براہ راست فعل کے ساتھ آرہا ہے۔ وجہ یہ کہ کبھی فعل براہ راست مفعول پر عمل کرتا ہے، اور کبھی کبھار فعل بواسطہ حرف جر کے مفعول میں عمل کرتا ہے۔ جیسا کہ ضربتُ زیدًا میں ضربتُ نے زیدًا میں براہ راست عمل کیا اور اپنے لئے مفعول بنایا۔ اور کبھی فعل براہ راست عمل نہیں کرتا تو پھر حرف جر کا ذریعہ بناتے ہیں درمیان میں۔ جیسا کہ "مررتُ بزیدٍ" ۔اور مررتُ زیدًا کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ مررتُ فعل لازم ہے۔ تو اس نے زید میں حرف جر کے واسطے سے عمل کیا۔ تو اسی طرح اُلِبُّ نے مفعول میں عمل کرنے کے لئے حرف جر کا سہارا لیا۔ اور اُسعدُ نے مفعول میں براہ راست عمل کیا۔

پھر اُسْعِدُ کو حذف کیا گیا اور کاف ضمیر کو مضافٌ الیہ بنایا گیا اِسعادین کے لئے۔ نون اضافت کی وجہ سے گر گا، تو اِسعادیْکَ رہ گیا۔ پھر زوائد کو گرا کر سَعْدَیْک بنایا گیا۔

درس 39۔ مفعول مطلق کی بحث ختم ہوئی یہاں سے مفعول بہ کی بحث شروع ہوئی۔ اور یہ منصوبات میں سے دوسری نمبر پر ہے۔

المفعولُ بہٖ ھو ما وقع علیہ فِعلُ الفاعلِ ای ھوَ اسمُ ما وقع علیہ فعلُ الفاعلِ: مفعول مطلق نام ہے اُس چیز کا جس پر فاعل کا فعل واقع ہو۔وقوع سے مراد تعلق ہے۔ یعنی فعل کا اُس کا ساتھ تعلق ہو۔ اس لئے کہ ہر جگہ وقوع نہیں پایا جاتا۔ مثلا دَعَوْتُ اللّٰہَ: میں نے اللہ سے دعا کی۔ یہاں لفظ اللہ مفعول بہ ہے۔ اور دعوتُ فعل ذات باری تعالیٰ پر واقع نہیں بلکہ دعا کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے ہے۔ یعنی اللہ سے کی ہے یہ دعا۔ اور پھر یاد رکھو تعلق اوّلی مراد ہے۔ یعنی جس کے بغیر فعل کا سمجھنا ممکن ہی نہ ہو۔ جیسا کہ ضربتُ: میں نے پٹھائی کی، تو جب تک مفعول مذکور نہ ہو تو پٹھائی سمجھ میں نہیں آتی، یعنی

پٹھائی خارج میں نہیں پائی جاتی۔ تعلق اوّلی کی شرط سے حال، تمییز وغیرہ نکل گئے۔ کیونکہ وہ بھی منصوب ہوتے ہیں اور اُن کا بھی فعل کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ لیکن اُس کے بغیر بھی فعل سمجھ میں آتا ہے۔ نحو ضربتُ زیدا میں نے زید کی پٹھائی کی۔ زید یہاں مفعول بہ ہے کیونکہ اس پر فاعل کا فعل واقع ہو رہا ہے۔

و قد یَتَقَدَّمُ علی الفعلِ اور کبھی کبھار مفعول بہٖ فعل پر مُقَدَّم بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی فعل اس میں عمل کرتا ہے۔ کیونکہ فعل سب سے قوی عامل ہے۔ نحو زیدا ضربتُ میں نے زید ہی کی پٹھائی کی۔ اب اس میں حصر آیا۔یعنی یہ ضرب زید کے ساتھ خاص ہے۔اور آپکی ضاربیت زید کے اندر بند ہو گئی۔ کیونکہ ضابطہ ہے، تقدیمُ ما حَقُّہُ التاخیرُ یُفیدُ الحصرَ و القصرَ والتخصیص۔ حصر، قصَر اور تخصیص کا ایک ہی معنیٰ ہے۔

یہی نکتہ ہے اِیَّاکَ نعبدُ کے اندر۔ ایّاک ضمیر منصوب منفصل مفعول ہے نعبدُ کے لئے۔ اور اصل کلام یوں ہے، نَعْبُدُکَ : نعبدُ فعل اس کے اندر نحنُ ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل، کاف ضمیر منصوب محلاً مفعول بہ، ترجمہ: ہم آپ کے عبادت کرتے ہیں۔ اور پھر کاف ضمیر کو مقدم کیا گیا ہے تخصیص کے لئے۔ اور مخاطب کے لئے ضمیر منصوب منفصل کے لئے ایاک ضمیر لایا جاتا ہے۔ تو یہ ایّاک نعبد نے تخصیص کا فائدہ دیا اور ترجمہ ہوا: ہم تیرے ہی عبادت کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا ہماری عبادت خاص ہے اللہ ہی کے لئے۔

و قد یُحذف الفعل لقیام قرینةٍ جوازا اور کبھی کبھار فعل کو حذف کیا جاتا ہے قرینہ کے قائم ہونے کے وقت جوازا۔ لام وقت کے معنیٰ میں ہے۔ ای وقتَ قیامِ قرینةٍ۔ یہ حذف کبھی جوازًا ہوتا ہے اور کبھی وجوبًا ہوتا ہے۔ کقولک زیدًا جیسے آپ کا زید کہنا۔ یعنی آپ نے اس کے فعل کو حذف کیا۔ لمن قال مَن اضربُ اُس شخص سے جس نے کہا تھا "من اضربُ"۔ مَنْ اضربُ: میں کس کی پٹھائی کروں۔ اور آپ نے کہا زیدا، یعنی اِضرب زیدًا۔ تو آپ نے اضرب فعل کو حذف کیا۔ کیونکہ سوال کے اندر ضرب کا قرینہ موجود تھا۔ تو قرینہ جب قائم ہو تو مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا جائز ہے۔ یعنی آپ زیدًا بھی کہہ سکتے ہیں اور "اضرب زیدًا" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور ترکیب میں یہ جملہ فعلہ انشائیہ ہے۔ اور مَنْ اَضرِبُ کی ترکیب۔ مَنْ استفہامیہ منصوب محلاً مفعول بہ مقدم، اَضْرِبُ فعل انا ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ مقدم سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ مَنْ کو مقدم کرنا واجب ہے۔ یہ استفہام کے لئے ہے اور صدارت کلام چاہتا ہے۔ یاد رکھو من استفہامیہ نکرۃ ہوتا ہے۔

و وجوبا فی اربعةِ مواضعَ اور وجوبا حذف کیا جائے گا مفعول بہ کے فعل کو چار جگہوں کے اندر۔ چار سے یہ مراد نہیں کہ صرف یہی چار جگہیں ہیں۔ چار سے زیادہ ہیں لیکن یہاں پر صاحب کتاب نے چار

جگھوں کو ذکر کیا ہے۔ [1] اَلْاَوَّلُ سماعِیٌّ اُن میں سے پہلی جگہ سماعی ہے۔یعنی یہ موقوف علی السماع ہے۔ اس میں کوئی ضابطہ وغیرہ نہیں ہے۔ نحو امرءً و نفسَهُ اصل عبارت یوں ہو۔ اُتْرُکْ اِمرءً و نفسَهُ: تو چھوڑ دیں آدمی کو اور اُس کی ذات کو۔یعنی اپنے ہاتھ اور زبان کو اُس سے روک لو۔اُسے اپنے حال پر چھوڑ دوں۔ اُسے کچھ نہ کہو۔ ترکیب۔ اُترکْ فعل انت ضمیر مرفوع محلاً اسکے اندر اسکا فاعل، امرءً منصوب لفظًا معطوف علیه واو حرف نفسَ منصوب لفظًا مضاف، ها ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیه جو کہ لوٹ رہی ہے امرءً کو۔ مضاف مضاف الیه ملکر معطوف، معطوف علیه اپنے معطوف سے ملکر مفعول بہ۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ یہاں اُترک کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور اس کا کوئی ضابطہ نہیں۔

وانتھوا خیرًا لکم یہ آیت ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ وانتھوا عن التثلیث واقصُدوا خیرًا لکم: یہ عیسائیوں کو خطاب ہو رہا ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ تین خدا ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ، ایک جبرائیل علیہ السلام اور ایک عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ تین دراصل ایک ہیں۔ اور یہ ایک دراصل تین ہے۔ تو اللہ فرماتا ہے۔ وانتھوا: اے عیسائیوں تم باز آجاؤ، عن التثلیثِ: عقیدہ تثلیث سے، واقصُدوا: اور ارادہ کرو، خیرًا لکم: اپنے لئے بھلائی کا۔ بھلائی سے مراد توحید ہے۔ یعنی توحید پر آجاؤ۔ مقام استشھاد خیرًا ہے۔ اس کے فعل اُقصدوا کو وجوبا حذف کیا گیا۔ اور یہ موقوف علی السماع ہے۔

س۔ اسی خیرًا کے لئے ہم نے اقصدوا کو مخذوف نکالا۔ اسکو انتھوا کے لئے کیوں مفعول نہیں بنایا۔ تو پھر اس سے معنیٰ بڑا خراب آجائے گا۔ یعنی انتھوا عن خیرٍ لکم: کہ تم باز آجاؤ اپنے لئے بھلائی سے۔ اور پھر یہ منصوب بنزع الحافظ کے قبیل سے بن جائے گا۔

و اھلا و سھلا صاحب کافیہ بتلاتے ہیں کہ اھلاً و سھلاً یہ مفعول بہ ہے۔ اصل میں عبارت یوں ہے۔ اَتَیْتَ اھلاً و وَطِیْتَ سھلاً ۔ اتیتَ اھلاً: تو آیا ہے گھر والوں میں۔ یعنی تو اپنے گھر آیا ہے۔ یعنی آپ کے لئے کوئی اجنبی نہیں ہے۔ وطِئتَ سھلاً: اور تو نے روندھا ہے نرم زمین۔ یعنی یہاں تمہیں کوئی مشکل در پیش نہیں ہوگی۔ آسانی ہی آسانی ہوگی۔ اتیتَ فعل با فاعل اور اھلاً مفعول بہ ، اسی طرح وطئتَ سھلاً بھی فعل، فاعل اور مفعول بہ ہے۔

درس 40۔ و الثانی المنادیٰ ای الثانی الموضع المنادیٰ: اور مفعول بہ کے فعل کو وجوبا حذف کرنے کی دوسری جگہ منادیٰ کا مقام ہے۔منادیٰ مفعول بہ ہوتا ہے۔ و ھو اور منادیٰ وہ ہے المطلوبُ اقبالُهُ جسکی توجہ مطلوب ہے۔ کہ اُس کے مُسمّیٰ کی توجہ مطلوب ہو۔ آپ نے کہا، "یا زیدُ" یہ یا زیدُ آپ نے کیوں کہا؟ کیونکہ آپ زید کو اپنے طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی زید کی توجہ مطلوب ہو۔ اب اس توجہ کو مطلوب کرنا عام ہے۔ چاہیے حقیقتًا مطلوب ہو چاہیے حکمًا مطلوب ہو۔

حقیقتًا جیسا کہ یا زیدُ اور حکما جیسا کہ یا اللہُ۔ یہاں المطلوبُ اقبالُہٗ : المسئولُ اجابتُہٗ کے معنیٰ میں ہے۔ کہ جس سے سوال ہو کس چیز کا یعنی قبولیت کا۔ کبھی کبھار بے جان چیز کو بھی خطاب کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ یا جبالُ، یا سماءُ، یا ارضُ وغیرہ۔ بحرفٍ: ایسے حرف کے ساتھ نائبٍ منابَ اَدْعُوْ جو کہ قائم مقام ہے ادعو فعل کے۔ یعنی اصل میں ادعو زیدًا تھا۔ پھر ادعو کو حذف کیا اور اس کی جگہ حروف ندا میں سے "یا" لایا تو "یا زیدُ" ہوا۔ لفظا او تقدیرا وہ لفظ اس حال میں ہو کہ لفظًا ہو یا تقدیرًا۔ لفظًا جیسا کہ "یا زیدُ" اور تقدیرًا جیسا کہ قرآن مجید میں آتا ہے، "یوسفُ اَعرِضْ عن ھٰذا"۔ ای یا یوسفُ یہاں حرف ندا "یا" تقدیرًا موجود ہے۔ و یُبْنیٰ اور وہ مبنی ہوگا علی ما اُس چیز پر یُرفَعُ بہٖ جس کے ساتھ اُسے رفع دیا جاتا ہے۔ یعنی علامت رفع پر مبنی ہوگا۔ رفع تین چیزوں کے ساتھ آتا ہے۔ ضمہ کے ساتھ، الف کے ساتھ اور واو کے ساتھ۔ جیسا کہ جاءنی زیدٌ، جاءنی رجلان اور جاءنی مسلمونَ۔

ان کان مفردا معرفة جب وہ مفرد معرفۃ ہو۔ مفرد کا لفظ علم النحو میں چار چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے۔ کبھی مفرد، مرکب کے مقابلہ میں آتا ہے ،کبھی یہ تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں آتا ہے اور کبھی یہ جملے کے مقابلے میں آتا ہے۔ اور کبھی یہ مضاف اور مشابہ مضاف کے مقابلے میں آتا ہے۔ اور یہاں مفرد کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ منادیٰ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ اور یہاں زیدُ، رجلُ، زیدانِ اور زیدونَ میں کوئی مضاف یا مشابہ مضاف نہیں۔ دوسرا شرط معرفہ کا ہے۔ اور معرفہ ہونا عام ہے، چاہیے قبل النداء معرفۃ ہو یا بعد النداء معرفۃ ہو۔ جیسا کہ زید پہلے سے معرفۃ تھا۔ اور رجل پہلے سے تو نکرۃ تھا لیکن یا کے آنے کے بعد معرفۃ بن گیا۔ جس طرح الف لام سے کوئی لفظ معرفۃ بن جاتا ہے اسی طرح یہ "یا" بھی آلہ تعریف ہے۔ اس سے بھی لفظ معرفہ بن جاتا ہے۔ نحو یا زیدُ و یا رجلُ یہ مبنی علی الضم ہوا۔ زید پر رفع زیدٌ اور رجل پر رفع رجلٌ کی صورت میں آتا تھا۔ اب اسکو مبنی علی الضم کیا تو یا زیدُ اور یا رجلُ ہوا۔ و یا زیدان یہ بھی مبنی علی الالف ہوا، کیونکہ یہاں علامت رفع الف ہے۔ و یا زیدون اور یہ مبنی علی الواو ہے۔

و یُخْفَضُ بلام الاستغاثۃ اور منادیٰ کو جر دیا جائے گا لام استغاثہ کے ساتھ۔ لام استغاثہ کی وضاحت: یاد رکھو یہاں تین لفظ ہیں۔ ایک مُستغیث، ایک مُستغاث اور ایک مُستغاث لہ۔ استغاثہ کہتے ہے فریاد کرنا۔ مثال کے طور پر عمرو بڑی تکلیف میں ہے اور آپ اس کے لئے زید سے مدد طلب کر رہے ہیں۔ تو آپ کہیں گے، "یا لَزیدٍ"۔ تو مدد طلب کرنے والا یعنی آپ جو کہ متکلم ہے یہاں پر آپ مستغیث ہو گئے۔ مستغیث: فریاد کرنے والا، اور زید سے فریاد کی تو وہ مستغاث ہوا۔ مستغاث: جس سے فریاد کیا جائے۔ اور عمرو کے لئے فریاد کی گئی تو عمرو مستغاث لہ ہے۔ مستغاث لہ: جس کے لئے فریاد کی گئی۔

اب یاد رکھو یہ لام استغاثہ مُستغاث پر داخل ہوتا ہے۔ اور یہ لام استغاثہ مفتوح ہوتا ہے۔ یہ وہی لام جارّہ ہے۔ جو ہم عبارت میں استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ المالُ لِزیدٍ۔ چونکہ یہ لام استغاثہ لام جارّہ ہے تو یہ جس پر داخل ہوگا اس کو جر دے دیگا۔

نحو یا لَزیدٍ مثال کے طور پر یا لَزیدٍ۔ اور اگر مستغاث لہٗ پر یہ لام داخل ہوتا ہے تو پھر یہ لام مجرور ہوتا ہے۔ جیسا کہ یا لَزیدٍ یا لِعمروٍ میں زید مستغاث ہے اور عمرو مستغاث لہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس لام پر فتحہ کیوں پڑھتے ہیں۔ جواب یہ کہ یہ مقام خطاب میں آیا ہے۔ یہاں کسی سے خطاب ہو رہا ہے۔ اور مخاطب کے ساتھ جب بات چیت کی جاتی ہے تو اسے ضمیر کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ تو مقام تو یہ ضمیر کا تھا، یعنی ضمیر آنا چاہئے تھا۔ اور ضمیر کی جگہ یہاں نام لایا گیا۔ اور جب نام لایا گیا ضمیر کی جگہ میں، اور ضمیر تو ہوتی ہے مبنی، تو اس مبنی کی جگہ پر جو آیا تو وہ بھی مبنی بن جائے گا۔ اسی لئے منادیٰ مفرد معرفۃ مبنی ہے۔ اور لام پر فتحہ اس لئے آیا کہ جب لام ضمیر پر داخل ہوتا ہے تو اس پر بھی فتحہ پڑھا جاتا ہے۔ جیسا کہ لَہٗ۔ اور یہاں زید جو کہ مخاطَب ہے اور ضمیر کی جگہ آیا تو اس وجہ سے اس لام کو بھی مفتوح رکھا۔ اور یہ لام جارّہ زائدہ ہے، کسی سے متعلق نہیں ہوگا۔

و یُفتحُ لِ اِلْحَاقِ اَلِفِھَا اِلحاق کا ہمزہ وصلی نہیں۔ الحقَ یلحقُ الحاق لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اور فتح دیا جائے گا الف استغاثہ کے ملنے کی وجہ سے۔ مستغاث کے آخر میں کبھی کبھار الف آجاتا ہے۔ اور جب الف آجائے تو پھر لام شروع میں نہیں آتا۔ کیونکہ الف اپنے سے ماقبل فتحہ چاہتا ہے اور لام آخر میں جر دیتا ہے۔ **و لا لامَ فیہ** اس حال میں کہ اس میں لام نہ ہو۔ واو حالیہ ہے۔

نحو یا زیداہ دیکھو اس میں لام نہیں آیا اور یہ مبنی علی الفتح ہے۔ اور کبھی اس کے ساتھ ہا بھی ملا دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس وقت زیداہ میں ہے۔ یہ مقام ہے دوسرے کو متوجہ کرنا کا۔ اور دوسرے کو متوجہ کرنے کے لئے آواز کو لمبا کرنا پڑھتا ہے۔ اور الف آواز کو لمبے کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور ہا کے ملانے سے آواز مزید بڑھ جاتی ہے۔ ہا پر وقف کرنا ہوگا۔

نوٹ: رفع، نصب اور جر معرب کے ساتھ خاص ہے۔ ضمٌّ، فتحٌ، کسرٌ خاص سے مبنی کے ساتھ۔ ضمّۃٌ، فتحۃ اور کسرۃٌ یہ عام ہے۔ اور یفتح آیا۔ ت و اس کا مطلب ہوا کہ یا زیداہ مبنی علی الفتح ہوگا۔ 2941

و یُنصبُ ما سواھما اور ان دو صورتوں کے علاوہ منادیٰ منصوب ہوگا۔ یعنی منادیٰ مفرد معرفۃ اور منادیٰ مستغاث کے علاوہ منادیٰ منصوب ہوگا۔ چونکہ رفع، نصب اور جر خاص ہے معرب کے ساتھ۔ تو یہ معرب ہوگا۔ اور اُن دو کے علاوہ تین صورتیں آگئی۔ یا تو منادیٰ مضاف ہوگا، یا مشابہ مضاف ہوگا یا نکرہ غیر معین ہوگا۔ **نحو یا عبدَ اللّٰہِ** یہ مضاف کی مثال ہے۔ اور منصوب ہے۔ **و یا طالعًا جبلاً** اس کا معنیٰ ہے، اے پہاڑ پر چڑھنے والے، اگر یہ کسی شخص کو ندا ہو۔ اور اسکا معنیٰ ہے اے پہاڑ پر طلوع

ہونے والے، اگر یہ کسی ستارے یا کسی ایسی چیز کو جو طلوع ہونے والا ہو کو ندا ہو۔ یہ مشابہ مضاف کی مثال ہے۔ مُشابہ مضاف وہ اسم ہے جو اپنے معنیٰ کے پورے ہونے میں کسی دوسرے اسم کا محتاج ہو۔ تو جب تک طالعًا کے ساتھ جبلاً نہیں ملائیں گے تو بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ و یا رجلا لغیر معین اور یا رجلاً اس حال میں کہ یہ غیر معین کو کہا جائے۔ مثلا کوئی اندھا کسی شخص کو آواز دیتا ہے، تو وہ شخص تو غیر معین ہوگا۔

درس 41- توابع کی وضاحت: توابع جمع ہے تابع کی۔ ھدایۃ النحو کے اندر ہم نے پڑھا ہے کہ توابع کل پانچ ہیں۔ ایک اس میں صفت ہے، مثلا جاء زیدُنِ العالمُ۔ دوسرا تاکید ہے۔ مثلا جاءنی زیدٌ زیدٌ۔ یہ دوسرا زید تاکید ہے۔ پہلے کو کہتے ہے مؤکَّد اور دوسرے کو کہتے ہے تاکید۔ یہ تاکید لفظی تھا۔ تاکید معنوی کی مثال: جاءنی قومٌ کلُّھم۔ یہ کلُّ تاکید ہے۔ کلُّ، اجمعُ وغیرہ تاکید کے لئے آتے ہیں۔ تیسرا تابع بدل ہے۔ مثلاً: جاءنی زیدٌ اخوکَ۔ یہ اخوک بدل ہے اور زید مبدل منہ ہے۔ چوتھا تابع معطوف بحرف ہے۔ مثلاً جاءنی زیدٌ و عمروٌ ۔ اور یہاں واو کے ساتھ عطف ہوتا ہے۔ اور پانچواں تابع عطف بیان ہے۔ عطف بیان وہ ہے جس کو وضاحت کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلا میں کہتا ہوں، جاءنی ابو الخیر۔ اب آپ کے تین ساتھی ہیں اور تینوں کے یہی کنیت ہے۔ تو آپ کو پتہ نہیں چلا کہ کونسا ابو الخیر آیا۔ تو ساتھ ہی میں نے نام بھی ذکر کیا، جیسا کہ جاءنی ابو الخیر زیدٌ۔ اب آپکو پتہ چل گیا کہ کونسا ابو الخیر مراد ہے۔

تابع پر وہی اعراب آتا ہے جو اس کے متبوع پر آتا ہے۔ جیسا کہ جاءنی زیدُنِ العالِمُ۔ تو زید کو رفع جاء نے دیا۔ اور العالم زید کی صفت ہے اور اسکے متبوع پر جو اعراب آیا وہی اعراب عالم پر بھی آیا۔ اسی طرح باقی مثالوں میں بھی توابع پر وہی اعراب آیا جو ان کے متبوع پر آیا۔

لیکن صاحب کافیہ یہاں پر توابع چھ بنا دیں گے۔ یعنی وہ معطوف بحرف جو تھا وہ دو قسم پر ہے۔ بعض معطوف بحرف وہ ہوں گے جن پر حرف ندا داخل کرنا جائز ہوگا اور بعض وہ ہوں گے جن پر حرف ندا داخل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ جیسا کہ "یا زیدُ و عمروٌ" اس میں عمرو تابع ہے اور معطوف بحرف ہے۔ اور یہ ایسا معطوف بحرف ہے جس پر حرف ندا کا داخل ہونا صحیح ہے۔ یعنی یا عمروُ کہہ سکتے ہیں۔ اور "یا زیدُ والحارثُ" میں الحارثُ معطوف بحرف ہے۔ لیکن اس پر الف لام داخل ہے۔ الف لام بھی آلہ تعریف ہے اور حرف ندا بھی آلہ تعریف ہے ۔ اور دونوں آلہ تعریف جمع نہیں ہو سکتے۔ اور جس پر الف لام داخل ہو اور اس کو ندا دینا ہو تو دونوں میں فصل کے لئے مذکر کے لئے ایُّھا اور مؤنث کے لئے ایُّتَھا لانا پڑے گا۔ پھر "یا ایُّھا الحارثُ" کہیں گے۔

تو معلوم ہوا معرف باللام پر حرف ندا کا داخل ہونا صحیح نہیں۔ اور معطوف بحرف معرف باللام بھی ہو سکتا ہے اور معرف باللام کے بغیر بھی ہو سکتا ہے۔ تو اس لحاظ سے معطوف بحرف کے دو قسم ہوگئے۔ پس توابع پہلے پانچ تھے۔ اب ایک کے دو بنا دئے گئے تو کل چھ ہو گئے۔

و توابعُ المنادَی الـمَبْنِیِّ الـمُفردةُ اور توابع، کس کے توابع، منادیٰ کے توابع، کونسے منادیٰ، المبنیِّ یہ منادیٰ کی صفت ہے۔ منادیٰ مجرور ہے تو المبنی بھی مجرور ہے۔ اور کونسا مبنی مراد ہے۔ تو وہ جو پہلی قسم ہم نے پڑھی تھی، منادیٰ مفرد معفرفة ہو تو مبنی علی الضم ہوگا۔ تو ابع اُس منادیٰ کے جو مبنی علی الضم ہو۔ اور وہ منادیٰ جو مبنی علی الفتح تھا یعنی مستغاث وہ مراد نہیں۔ کیونکہ اُس کے تابع بھی مبنی علی الفتح ہی ہوتے ہیں۔ تو یہاں وہ منادیٰ مراد ہے جو مبنی علی الضم ہو۔

المفردةُ یہ صفت ہے توابع کی۔ وہ توابع جو مفرد ہو۔ یعنی مضاف نہ ہو۔ اور وہ تابع جو مضاف ہو اُسکا حکم الگ آئے گا۔

عبارت کا ترجمہ: منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مفرد ہوں۔ آگے "من" کے بعد، چار قسم کے منادیٰ بیان فرما رہے ہیں۔

من التاکیدِ و الصفةِ و عطفِ البیانِ والمعطوفِ بحرفٍ اَلْمُمْتَنِعِـدُخولِ یا علیهِ یہاں من بیانیہ ہے۔ یعنی کہ تاکید، صفت، عطف بیان، اور وہ معطوف بحرف جس پر حرف ندا یا کا دخول ممتنع ہو۔ ان چار قسم کا حکم اب بیان کر رہے ہیں اور جو دو یعنی بدل اور وہ معطوف بحرف جس پر حرف ندا یا کا داخل ہونا ممتنع نہ ہو اس کا بیان آگے کرے گا۔ تُرفعُ علیٰ لفظِهٖ و تُنصبُ علیٰ محلِّهٖ یہ (سارے توابع) مرفوع ہوں گے محمول کرتے ہوئے اُن کے متبوع کے لفظوں پر اور یہ (سارے توابع) منصوب ہوں گے محمول کرتے ہوئے اُس کے متبوع کے محل پر۔

صفت کی مثال: یا زیدُ شریف۔ تو اس شریف پر رفع پڑھنا بھی جائز اور نصب پڑھنا بھی جائز۔ یعنی یا زیدُ شریفُ اور یا زیدُ شریفَ پڑھنا دونوں جائز ہیں۔

تاکید کی مثال: یا طُلَّابُ اجمعُوْنَ۔ یا طلابُ اجمعینَ۔ یہ اجمعون طلاب کے لئے تاکید ہے۔ حالت نصبی میں اجمعین بن گیا۔ رفع اور نصب دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

عطف بیان کی مثال: یا طالبُ زیدٌ۔ یا طالبُ زیدًا۔ یا طالبُ سے پتہ نہیں چلا کہ کونسا طالب مراد ہے۔ آگے نام لے کر اسکی وضاحت کی گئی۔ اس کو عطف بیان کہتے ہے۔

معطوف بحرف ممتنع بدخول یا کی مثال: یا زیدُ والحارثُ بھی جائز اور حالت نصبی میں یا زیدُ والحارثَ بھی جائز۔

اب سوال یہ ہے کہ اس پر رفع کیوں پڑھا جائے گا اور نصب کیوں پڑھا جائے گا۔ کہتے ہیں کہ نصب تو اس لئے پڑھا جائے گا، کیونکہ منادیٰ مفعول بہٖ ہوتا ہے۔ فی الحال تو یہ مبنی ہے اور مبنی پر جب عطف کیا جاتا ہے تو اس کے محل پر عطف کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ "جاءنی هٰذا و زیدٌ" زید کا عطف هٰذا پر ہے۔ اور هٰذا محل کے اعتبار سے مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے۔ اور مبنی پر اُس کے محل کے اعتبار سے عطف ہوتا

ہے۔ اسی طرح "رایتُ ھٰذا و زیدًا"۔ تو یہاں ھٰذا محل کے اعتبار سے مفعول ہے تو یہ منصوب ہوا محلاً۔ تو آگے زید جو کہ معطوف ہے وہ بھی منصوب ہوگا۔

پس منادیٰ چونکہ مفعول بہ ہے، اور محلاً منصوب ہے۔ اگر چہ اس وقت وہ مبنی علی الضم ہے۔ پس جب منادیٰ محل کے اعتبار سے منصوب ہے تو اسکے تابع پر بھی نصب پڑھنا جائز ہے۔

اور ان مثالوں میں تابع پر رفع پڑھنا اس لئے جائز ہے کہ متبوع کے لفظوں پر محمول کرتے ہوئے۔ کیونکہ متبوع یہاں مرفوع ہے تو اس کا تابع بھی مرفوع پڑھا جائے گا۔

س۔ لفظوں پر محمول کرنے کا کیا معنیٰ؟ اگر لفظوں پر محمول کرتے ہیں، جیسا کہ "یا زیدُ" زید تو یہاں مبنی ہے۔ تو تابع کو بھی مبنی ہونا چاہئے۔ آپ کہتے ہیں کہ مرفوع، یعنی رفع پڑھنا ہے۔ اور رفع، نصب اور جر چونکہ معرب کے ساتھ خاص ہے، تو معلوم ہوا کہ تابع یہاں معرب ہے۔ جواب دیتے ہیں کہ یہ جو بنا آئی زید پر یہ تو عارضی طور پر ہے ہمیشہ نہیں ہے۔ کیونکہ یا کے داخل ہونے سے پہلے زید تو معرب تھا۔ اور یہ بنا یعنی زید پر ضمة جو آیا یہ تو عامل کی وجہ سے آیا۔ پس یہ تو مبنی ہے لیکن اس مبنی کا ضمہ مشابہ ہے معرب کے ساتھ۔ پس جس طرح معرب پر عامل آتا ہے تو وہ مرفوع، منصوب اور مجرور بن جاتا ہے۔ اسی طرح زید پر جو ضمہ آیا یہ بھی عامل کی وجہ سے آیا۔ تو یہ اسم معرب ہی کی طرح ہے۔ یعنی اس پر یہ بنا جو آئی یہ بھی عامل کی وجہ سے آئی۔ تو زید کی جو ضمہ ہے یہ رفع کے مشابہ ہوا۔ اور یہ ہمیشہ سے مبنی علی الضم نہیں بلکہ یا کی وجہ سے مبنی علی الضم ہوا۔ پس جس طرح رفع عامل کی وجہ سے آتی ہے تو یہ ضمہ بھی عامل کیوجہ سے آئی۔ پس یہ ضمہ رفع کے درجے میں ہے۔ تو گویا کہ یہ زید مرفوع ہے۔ پس لہٰذا زید کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے اسکا تابع بھی مرفوع ہوگا۔

مثلُ یا زیدُ العاقلُ والعاقلَ ای یا زیدُ العاقلُ و یا زیدُ العاقلَ دونوں پڑھنا جائزہے۔ یہ صفت کی مثال ہے۔ زیدُن یہ نون یہاں قطعا نہیں آسکتا۔ کیونکہ زید یہاں مبنی ہے۔

درس 42۔ آگے امام علامة ابن حاجبؒ معرف باللام معطوف کے اندر تین بڑے ائمہ کا اختلاف ذکر فرما رہے ہیں۔ ان میں ایک امام خلیلؒ ہے، یہ امام سیبویہؒ کے استاد ہے۔ انکا وفات تقریباً 175 ھجری۔ دوسرا ان میں امام ابو عمرو ابن العلیٰؒ یہ قُرَّاءِ سبعة میں سے ہیں۔ یہ امام خلیلؒ سے بھی پہلے گزرے ہیں۔ وفات تقریباً 154 ھجری۔ تیسرا ان میں امام ابوالعباس المبرد کی وفات تقریباً 250 ھجری میں ہوئی ہے۔ والخلیلُ فی المعطوف یختارُ الرفعَ امام خلیلؒ معطوف کے اندر رفع کو اختیار فرماتے ہیں۔ یعنی امام خلیلؒ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ "یا زیدُ والحارثُ" پڑھنا ہے۔ امام خلیلؒ کی دلیل یہ ہے کہ معطوف مستقل منادیٰ ہوتا ہے۔ کہ گویا کہ اس پر حرف ندا دوبارہ داخل ہو رہا ہو۔ مثلاً معطوف بحرف جس پر حرف ندا جائز ہو، اسکی مثال لے لو، یا زیدُ و عمرُو۔ میں عمرو معطوف ہے۔تو گویا کلام یوں ہے کہ "یا زیدُ و یا عمرُو"۔ یعنی اگر اس معطوف عمرو پر ہم حرف ندا داخل کرے تب بھی یہ مبنی

علی الضم ہوگا۔ اور معطوف علیہ تو پہلے سے ہی مبنی علی الضم ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ معطوف مستقل منادیٰ کے حکم میں ہے۔

اور معطوف بحرف کی مثال جس میں حرف ندا یا داخل نہیں ہو سکتا جیسا کہ، "یا زیدُ والحارثُ" میں یہ الحارثُ مستقل منادیٰ نہیں بن سکتا کیونکہ یہاں حرف ندا یا داخل نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ معرف باللام ہے۔ پس اگر الحارث پر الف لام نہ ہوتا اور یا کو داخل کرتے تو یا حارثُ پڑھتے۔ پس جب یہ مستقل منادیٰ نہیں بن سکتا تو یہ مبنی علی الضم بھی نہیں بن سکتا، کیونکہ "یا" اس پر براہ راست داخل نہیں ہو سکتا۔ تو وہی ضمہ جیسا اعراب ہم نے اس کو دے دیا۔ اور ضمہ جیسا اعراب رفع ہے۔ یعنی معطوفٌ علیہ جو کہ مبنی علی الضم تھا، اُس کے مطابق معطوف کو ہم نے رفع کا اعراب دے دیا۔ پس معطوف معرب اور مرفوع ہے ۔

و ابو عمرٍو النصبَ اور امام ابو عمرو معطوف کے اندر نصب کو پسند فرماتے ہیں۔ جبکہ ان کے نزدیک "یا زیدُ والحارثَ" زیادہ پسندیدہ ہے۔ یا زیدُ میں زید یہاں مبنی ہے۔ اور الحارث معرف باللام ہے اور معطوف ہے جس کا عطف زید جو کہ مبنی ہے اس پر ہے۔ یعنی یہ معرف باللام معطوف اسکا تابع ہے۔ اور مبنی کے تابع کا اعراب اُس کے محل پر محمول ہوتا ہے نہ کہ اُن کے لفظوں پر۔ اور زیدُ یہاں محلاً منصوب ہے، اس لئے الحارثَ کا اعراب بھی منصوب ہوا۔ لہٰذا "یا زیدُ والحارثُ" کی بجائے یا زیدُ و الحارثَ ابو عمرو کے نزدیک پسندید ہے۔

اسکی مزید وضاحت اس مثال سے کی جاتی ہے۔ " جاء هٰؤُلَاءِ و الحارثَ" یہاں هٰؤُلاءِ لفظوں کے اعتبار سے تو مکسور ہے۔ لیکن چونکہ یہ مبنی ہے۔ اور الحارث معطوف ہے اور اس مبنی کا تابع ہے۔ لہٰذا یہ الحارث اعراب میں لفظوں کے لحاظ سے تابع نہیں ورنہ پھر "جاء هؤلاءِ والحارثِ" کہنا ہوتا۔ اور معرف باللام معطوف جب مبنی کا تابع ہو تو معطوف کا اعراب اُس مبنی کے محل کا تابع ہوتا ہے۔ اور مبنی کا اعراب یہاں منصوب ہے، لہٰذا الحارث بھی منصوب ہوا، اور "جاءَ هٰؤُلَاءِ والحارثَ" کہتے ہے۔ لہٰذا اس لئے یہاں نصب پسندیدہ ہے۔

و ابو العباسِ اِنْ کان کالحسنِ اور امام ابو العباسؒ فرماتے ہیں کہ اگر معطوف معرف باللام الحسن کی طرح ہو۔ یعنی الحسن سے اگر الف لام ہٹا بھی دے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ **فکالخلیل** تو ابو العباس امام خلیلؒ کی طرح ہے۔ یعنی معطوف معرف باللام پر رفع پڑھنا پسندیدہ ہے۔ جیسا کہ "یا زیدُ والحسنُ" پسندیدہ ہے۔ جائز تو "یا زیدُ والحسنَ" بھی ہے۔ **وَ اِلا فکابی عمرٍو** اور اگر معطوف حسن کی طرح نہ ہو تو ابو العباسؒ امام ابو عمروؒ کی طرح ہے۔ یعنی معطوف معرف باللام پر نصب پڑھنا پسندیدہ ہے۔ جیسا کہ " یا قمرُ والنجمَ" پسندیدہ ہے۔ جائز تو "یا قمرُ و النجمُ" بھی ہے۔

بعض اسماء وہ ہوتے ہیں جس سے الف لام کا ہٹانا جائز ہوتا ہے۔ اور بعض اسماء وہ ہوتے ہیں جن سے الف لام کا ہٹانا جائز نہیں ہوتا۔ مثلاً الحسن سے الف لام ہٹا بھی دو، تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور النَّجم یہ ثریا کو کہتے ہیں۔ اور صرف نجم ہو تو یہ ستارہ کو کہتے ہے۔ کوئی بھی ستارہ ہو تو آپ کہہ سکتے ہو، "هٰذا نجمٌ"۔ اور النجم: ثریا، سات ستاروں کا ایک مجموعہ ہے جو آسمان میں دکھائی دیتا ہے اور نہایت باریک ستارے ہیں۔ اور عرب ان کے ذریعے بینائی کا امتحان لیتے تھے۔ تو عام آدمی کو ان میں سات ستارے نظر آتے ہیں، اور تیز نظر والے کو نو ستارے نظر آتے ہیں۔ بعض کو گیارہ تک نظر آتے ہیں۔ جب کر اگر تیز دور بین ہو تو پانچ سو تک نظر آتے ہیں۔ تو عربوں نے اسکا نام النجم رکھ دیا۔ اب الف لام ہٹاؤ تو یہ نام نہیں رہے گا۔ کیونکہ نجم تو عام ستارے کو کہتے ہے۔ پس النجم سے الف لام کا ہٹانا جائز نہیں۔

پس امام ابو العباسؒ فرماتے ہیں کہ معطوف باللام دو قسم پر ہو گئے۔ بعض معطوف باللام سے الف لام کا ہٹانا جائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ اگر الحسن جیسا اسم ہو جس سے الف لام کا ہٹانا جائز ہو تو اس میں امام خلیلؒ کا مذہب پسندیدہ ہے۔ اور اگر معطوف باللام سے الف لام کا ہٹانا ٹھیک نہ ہو تو پھر امام ابو عمرو کا مذہب پسندیدہ ہے۔

پس یہاں تین مذاہب ہو گئے۔ امام خلیلؒ کے نزدیک جب معطوف پر الف لام ہو تو اس پر رفع پسندیدہ، امام ابو عمروؒ کے نزدیک جب معطوف پر الف لام ہو تو اس پر نصب پسندیدہ۔ جبکہ امام ابو العباسؒ فرماتے ہیں کہ معطوف معرف باللام کی وضاحت کرنا ہوگی۔ اگر الف لام کے ہٹانے سے اسم پر اثر نہیں پڑتا تو امام خلیلؒ کا مذہب پسندیدہ ورنہ امام ابو عمروؒ کا مذہب پسندیدہ۔

درس 43۔ منادیٰ مبنی علی الضم کی بحث میں منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مفرد ہو اُسکی بحث گزر گئی۔ اب منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مضاف ہو اُس کی بحث ذکر کیا جاتا ہے۔ **والمضافةُ** اور وہ تابع جو مضاف ہو۔ مضافةُ کا عطف ہو رہا ہے مفردةُ پر۔ ای و توابع المنادی المبنی المفردةُ میں جو مفردة آیا تھا۔ اس مضافة کی عطف اُس مفردة پر ہو رہا ہے۔ تو مفردة کو اٹھا کر مضافة رکھو۔ ای توابع المنادی المبنی المضافةُ۔منادیٰ مبنی کے وہ توابع جو مضاف ہو۔ چاہیے صفت ہو لیکن مضاف ہو۔ یا تاکید ہو لیکن مضاف ہو۔ یا عطف بیان ہو لیکن مضاف ہو۔ یا بدل ہو لیکن مضاف ہو۔ اب مصنفؒ اُن کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ **تُنصبُ** وہ منصوب ہوں گے۔ جیسے منادیٰ مضاف ہو تو اس پر نصب پڑھا جاتا ہے ایسے اگر تابع مضاف ہو تب بھی اس پر نصب پڑھا جائے گا۔

مثال کے طور پر منادیٰ مبنی علی الضم کی تاکید لاتا ہوں۔ اور تاکید یہاں مضاف ہوگا، کیونکہ مضاف کی مثال چل رہی ہے۔ تو یہ تاکید منصوب ہوگا۔ جیسا کہ کُلُّ ، اجمعُ وغیرہ تاکید کے لئے لائے جاتے ہیں۔ تو کُلُّ کی اضافت کم ضمیر کی طرف کرنے سے یہ کلُّ مضاف ہوا۔ اور یہاں یہ منصوب پڑھا جائے گا۔ یعنی " یا طُلَّابُ کُلَّکُمْ"۔

وصف کی مثال جو کہ مضاف ہو-ذو المال یہ زید کی صفت ہے۔ اور حالت نصبی میں ذا المال بن جاتا ہے۔ یہاں وصف منادیٰ مبنی علی الضم کی وصف آیا اور مضاف آیا۔ تو اس پر نصب پڑھیں گے۔ "یا زیدُ ذَا المالِ"۔

منادیٰ مبنی علی الضم میں عطف بیان کی مثال: یا غلامُ عبدَ اللّٰہِ۔ عبدُ اللہ نام سے عطف بیان ہے۔ جس سے غلام کی وضاحت ہو گئی۔ لیکن عبد مضاف ہے اس لئے اس پر نصب آیا۔

معطوف بحرف معرف باللام یہ مضاف ہُوا ہی نہیں کرتا۔ بدل کی بات آگے آئے گی۔

والبدلُ بدل جو ہے۔ توابع میں بدل جو ہے۔ اب تک چار توابع کا ذکر گزر گیا۔ **والمعطوفُ غیرُ ما ذُکِرَ** اور معطوف علاوہ اسکے جسکو ذکر کیا گیا۔ یعنی وہ معطوف جس پر الف لام داخل نہ ہو۔

حُکْمُہُ حُکمُ الْمُستقِلِّ اُس کا حکم مستقل منادیٰ کی طرح ہے۔ یعنی بدل اور وہ معطوف جس پر الف لام داخل نہ ہو اسکا حکم مستقل منادیٰ کی طرح ہے۔ **مطلقا** یعنی جس طرح بھی وہ آجائے۔ چاہے بدل اور معطوف مفرد ہو، چاہے وہ مضاف ہو، چاہے وہ مشابہ مضاف ہو، چاہے وہ نکرۃ غیر معین ہو۔ جس طرح بھی یہ بدل اور معطوف آجائے اسکا حکم مستقل منادیٰ کی طرح ہوتا ہے۔

بدل(مفرد) کی مثال: یا زیدُ عمرُو۔ بدل الغلط کی مثال۔ آپ عمرو کہنا چاہتے تھے منہ سے زید نکلا۔ اور بدل چونکہ مستقل منادیٰ ہوتا ہے۔ اور یہاں اگر عمرو مستقل منادیٰ ہوتا تو ہم یا عمرُو پڑھتے۔ اس لئے عمرو کو مبنی علی الضم یعنی یا زیدُ عمرُو پڑھا۔

بدل (مضاف) کی مثال: یا زیدُ اخا عمروٍ۔ یہاں اخا عمروٍ: عمرو کا بھائی بدل بن رہا ہے۔ اور مضاف ہے۔ اور مستقل منادیٰ جب مضاف ہو تو اس پر نصب پڑھا جاتا ہے۔

بدل (مشابہ مضاف) کی مثال: یا زیدُ طالعًا جبلاً۔ زیدُ مبدل منہ ہے۔ طالعًا جبلاً مشابہ مضاف ہے۔ اور مشابہ مضاف جب مستقل منادیٰ ہو تو یہ منصوب ہوتا ہے۔

بدل (نکرۃ غیر معین) کی مثال: یا زیدُ رجلاً صالحًا۔ نکرۃ غیر معین بھی جب منادیٰ ہو تو اس پر نصب پڑھا جاتا ہے۔

اب اوپر والی چاروں مثالیں واو کے ساتھ بنا لو تو معطوف بن جائے گا۔

معطوف (مفرد) کی مثال: یا زیدُ و عمرُو۔

معطوف (مضاف) کی مثال: یا زیدُ و اخا عمروٍ۔

معطوف (مشابہ مضاف) کی مثال: یا زیدُ و طالعًا جبلاً۔

معطوف (نکرۃ غیر معین) کی مثال: یا زیدُ و رجلاً صالحًا۔

یاد رکھو! جب اِبنَ کا لفظ دو علمین کے درمیان آئے۔ تو ماقبل کے لئے صفت بنا کرتا ہے، اور مابعد کے لئے مضاف۔ مثلاً زیدُ بنُ عمروٍ۔ زید مرفوع ہے تو ابن بھی مرفوع اور مابعد میں عمرو مضافُ الیہ ہے تو اس پر جر آیا۔ وہ علم جس کی صفت ابن یا ابنۃ آئے۔ اب صاحب کافیہ اسکی بحث فرماتے ہیں۔

والعَلَمُ الموصوفُ بِـاِبْنٍ و اِبْنَةٍ اور وہ علم جو موصوف ہو ابن یا ابنۃ کی طرف۔ ابن کا ہمزہ وصلی ہوتا ہے۔ لیکن یہاں ابن میں ہمزہ ضرور پڑھنا ہے۔ کیونکہ یہاں ابن سے ابن کا لفظ مراد ہے جبکہ ابن کا معنیٰ مراد نہیں۔ اور ابن جب عَلَم بن گیا، تو اب اس میں کوئی تبدیلی جائز نہیں۔ **مضافا** اس حال میں کہ وہ ابن یا ابنۃ مضاف ہو۔ **الیٰ علمٍ اٰخرَ** دوسرے علم کی طرف۔ **یُختارُ فتحُهُ** تو اس علم موصوف پر فتحہ پڑھنا پسندیدہ ہے۔ یعنی موصوف بابن یعنی زید پر فتحہ پڑھنا پسندیدہ ہے۔

وضاحت: اگر ہم زید ابن عمرو کو آواز دینا چاہتے ہیں تو ابن یہاں زید کے لئے صفت ہے اور صفت بھی ایسا کہ مضاف ہے۔ اور صفت جب مضاف ہو تو اس پر نصب پڑھتے ہیں۔ تو اس کو "ابنَ عمروٍ" پڑھیں گے۔ اور زید یہاں منادیٰ مفرد معرفۃ ہے، تو اس کو مبنی علی الضم بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی "یا زیدُ بنَ عمروٍ" اور نصب بھی پڑھ سکتے ہیں، یعنی "یا زیدَ بنَ عمروٍ"۔ اور یہی پسندیدہ ہے۔

فتحہ کی پسندیدہ ہونے کی وجہ: فتحہ اس لئے پسندیدہ ہے کہ یہ اَخَفُّ الحرکات ہے۔ اور اس قسم کا نام عربی میں بڑی کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ یعنی جب بھی وہ کسی کو ندا دیتے ہیں تو ساتھ باپ کے نام کو بھی ملا دیتے ہیں۔ چونکہ کثرت استعمال تقاضا کرتی ہے خفت کا۔ اور خفت فتحہ کے اندر ہے، اس لئے اس کو فتحہ کی حرکت دی۔ اور فتحہ حرکت اصلی بھی ہے، کیونکہ زید یہاں مفعول بہٖ ہے۔ اور مفعول بہ منصوب ہوتا ہے۔

نوٹ: یاد رکھو ابن اور ابنۃ کا لفظ ہے، ان کا ہمزہ وصلی ہے، درج عبارت میں گر جاتا ہے۔ لیکن تلفظ میں گرتا ہے کتابتاً نہیں گرتا۔ لیکن ابن کا ہمزہ جب دو علمین کے درمیان آ جاتا ہے تو اس سے ہمزہ لفظًا بھی گرتا ہے اور تلفظ سے بھی گرتا ہے۔ اور یہ تخفیف کے لئے گرا دیتے ہیں۔

درس 44۔ **واذا نُودِیَ الْمُعرَّفُ باللامِ** جب ندا دی جائے معرف باللام کو۔ پہلے معطوف کا ذکر تھا جو کہ معرف باللام تھا۔ اب خود منادیٰ معرف باللام کا ذکر ہو رہا ہے۔ جب منادیٰ خود معرف باللام ہو تو اس پر حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ حرف ندا بھی آلہ تعریف ہے اور الف لام بھی آلہ تعریف ہے۔ تو اس صورت میں حرف ندا براہ راست معرف باللام پر داخل نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں لازم آئے گا اجتماع آلتین تعریف۔ اور تعریف کے دو آلوں کا جمع ہونا جائز نہیں۔ تو اس صورت میں درمیان میں مذکر کے لئے ایہا اور مؤنث کے لئے ایتہا لاتے ہے۔ یعنی یا ایہا الرجلُ اور یا ایتہا المرْءَۃُ۔

قیل یا ایھا الرجلُ و یا ھٰذا الرجلُ و یا اَیُّھذا الرجلُ یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ یعنی صرف ایُّ کو بھی لا سکتے ہے، ھٰذا کو بھی لا سکتے ہے اور دونوں کو بھی اکھٹا لا سکتے ہے۔

یا ایُّھا الرجلُ کی ترکیب۔ یا حرف ندا قائم مقام ادعو فعل کے۔ اَیُّ ہے منادیٰ اور مفرد معرفة ہے تو یہ مبنی علی الضم ہے۔ اور یہ موصوف ہے اور آگے الرجلُ اس کی صفت آرہی ہے۔ اور یہ جو درمیان میں "ھا" ہے،یہ ضمیر نہیں بلکہ ھائے تنبیہ ہے۔ تنبیہ یعنی کسی کو متوجہ کرنے کے لئے۔ یہاں ایُّ کو ہم نے منادیٰ بنا دیا اور الرجلُ کو تابع۔ لیکن دراصل منادیٰ الرجلُ ہے۔ یا بھی تنبیہ کے لئے آتی ہے۔ اور یا نے داخل ہونا تھا الرجلُ پر، لیکن یہ "یا" اصل منادیٰ سے دور ہو گئی، تو پھر اصل منادیٰ "الرجلُ" کو متنبہ کرنے کے لئے "ھا" لائی گئی۔

یا ایُّھٰذا الرجلُ کی ترکیب۔ اس صورت میں اسم اشارہ "ھٰذا" ایُّ کے لئے صفت اوّل بنے گا، اور الرجلُ صفت ثانی بنے گا۔

یاد رکھئے حروف ندا میں اصل "یا" ہے۔ اور یہ کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ باقی چار، "ایا، ھیا، ای اور ھمزہ استفہام" زیادہ استعمال نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی یاد رکھو ان پانچ میں سے صرف "یا" کو حذف کیا جا سکتا ہے باقی کسی کو حذف کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح یاد رکھو، لفظ اللہ پر صرف یہ حرف ندا "یا" داخل ہو سکتا ہے، اور کوئی حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یاد رکھو، مستغاث پر صرف "یا" داخل ہو گا اور کوئی حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ یعنی "یا لَزیدٍ" کہیں گے۔ " اَ لَزیدٍ " یا " ھَیَا لَزیدٍ " نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح یہ بھی یاد رکھو، اَیُّھا اور اَیَّتُھا پر صرف یہ "یا" حرف ندا داخل ہو سکتا ہے اور کوئی حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح آگے ایک مندوب آئے گا جس کے ذریعے غم کا اظہار کیا جائے گا اُس پر بھی صرف یہ حرف ندا "یا" داخل ہو سکتا ہے اور کوئی حرف ندا داخل نہیں ہو سکتا۔

والتزموا رفعَ الرجُلِ اور عربوں نے اپنے اوپر لازم رکھا ہے الرجل کے رفع کو۔ یعنی یہ جو معرف باللام "الرجل " ہے جس پر آپ ایُّھا، ھٰذا یا اَیُّھذا لاتے ہے۔ اس "الرجل" پر عرب ہمیشہ رفع پڑھتے ہیں۔ لانہُ المقصودُ بالنداء اس لئے کہ وہی مقصود بالنداء ہے۔ یعنی "الرجل" مقصود بالنداء ہے۔ یا ایُّھا الرجلُ میں اس وقت اصل منادیٰ ایُّ ہے۔ اور ایُّ مبنی علی الضم ہے۔ اور مقصود بالنداء تو الرجل تھا اور وہ آگے چلا گیا۔ اس کو اصل منادیٰ تو نہیں بنا سکتے ، کیونکہ اصل منادیٰ تو مبنی علی الضم ہے۔ اور یہ مبنی علی الضم نہیں بن سکتا۔ لیکن اصل منادیٰ کی طرح بنائیں گے۔ اور اصل منادیٰ کے ضمہ کے مناسبت سے اسکو رفع کی اعراب دیں گے۔ و توابعِہ اسکا عطف ہے الرجل پر۔ ای والتزموا رفعَ الرجُلِ و رَفْعَ توابعِہٖ: عربوں نے لازم پکڑا ہے الرجل کا رفع اور اسکے توابع کا رفع۔ مثلاً آپ کہتے ہیں، یا ایُّھٰذا الرجلُ ۔ اگر اس الرجل کی آگے کوئی تابع آتا ہے تو عرب اس پر بھی ہمیشہ رفع پڑھتے ہیں۔

باقی جو منادیٰ گزرے اُن کے توابع پر دو حالتیں تھیں۔ یعنی نصب اور رفع۔ لفظوں کے لحاظ سے رفع اور محل کے اعتبار سے نصب۔ لیکن اس "الرجل" کے توابع کے اندر عرب ہمیشہ رفع ہی پڑھتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ منادیٰ معرب کی توابع ہیں۔ اور وہ جو دو حالتیں جائز تھیں وہ منادیٰ مبنی کے اندر تھیں۔ لانها توابعُ معربٍ اس لئے کہ منادیٰ معرب کے توابع ہے۔ لہٰذا یہاں ایک ہی حالت ہوگی۔

و قالوا یا اللہُ خاصَّةً اور عرب کہتے ہیں، یا اللہُ خاص طور پر۔ یہ لفظ اللہ کی خصوصیت ہے، کہ اس پر حرف ندا یا براہ راست داخل ہوتا ہے اور درمیان میں ایُّها وغیرہ کا اضافہ نہیں کیا جاتا۔ جیسے وہ ذات سب سے ممتاز ہے، اور جدا ہے، اُس ذات کی جیسے کوئی ذات نہیں، اسی طرح اُس ذات کے لئے جو عَلَم ہے، وہ علم بھی تمام اسماء سے جدا اور ممتاز ہے۔ اور اس کے اندر بھی وہ خصوصیات ہیں جو کسی اور اسم کے اندر نہیں ہے۔

چنانچہ حضرت شیخؒ نے اس پر "فتح اللہ" کے نام سے کتاب لکھی۔ جس میں لفظ اللہ کے ساڑھے آٹھ سو سے زیادہ خصوصیات ذکر ہے۔ جو کسی اور عربی کے لفظ میں نہیں پائی جاتی۔ تقریباً بارہ سو یا چودہ سو صفحات صرف اس ایک لفظ کے خصوصیات پر تحریر فرمائے۔ اور اُن خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے۔

یہ عجیب لفظ ہے۔ اگر آپ اس کے حروف اُڑاتے جاتے ہیں پھر بھی ذات باری تعالیٰ پر اس کی دلالت ختم نہیں ہوتی۔ اللہ سے الف ختم کر دے پھر بھی یہ ذات باری تعالیٰ پر دلالت کریگا۔ مثلا "للہ" رہ گیا۔ پھر ایک اور لام ختم کر دو، تو "لَهُ" رہ گیا۔ پھر بھی یہ ذات باری تعالیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ پھر ایک اور لام ختم کر دو تو صرف ضمیر رہ جائے گا اور یہ پھر بھی ذات باری تعالیٰ پر دلالت ہے۔

لفظ اللہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس پر حرف ندا میں سے صرف "یا" داخل ہوسکتا ہے۔ ایک خصوصیت یہ ہے، کہ ہمزہ وصلی ہر جگہ مکسور لایا جاتا ہے لیکن اس نام کے اندر ہمزہ وصل مفتوح لایا گیا۔ اسی طرح اس لفظ کا رسم الخط بھی باقی اسماء سے ممتاز ہے۔ ضابطے کے مطابق تو ایک لام لکھا جاتا اور اُس پر شد لکھی جاتی۔ لیکن یہاں دو لام لکھے جاتے ہیں اور شد بھی لکھا جاتا ہے۔ نیز یا اَللہ کہا جاتا ہے۔ اس کا ہمزہ وصلی درمیان عبارت میں آنے کو وجہ سے گرنا چاہئے تھا لیکن یہ نہیں گرتا۔

درس 45- و لکَ فی مثلِ یا تیمُ تیمَ عدیٍّ الضمُّ و النَّصبُ اور آپ کے لئے یا تیمُ تیمَ عَدِیٍّ جیسے ترکیبوں کے اندر ضمہ بھی جائز اور نصب بھی جائز۔ یعنی پہلے تیم کے اندر یا تیمُ تیمَ عدیٍّ بھی جائز اور یا تیمَ تیمَ عدیٍّ بھی جائز۔ ضمہ پڑھیں گے تو مبنی علی الضم ہوگا۔ اور نصب پڑھیں گے تو معرب ہوگا۔ کیونکہ نصب معرب کے ساتھ خاص ہے۔

اس سے مراد وہ اسم ہیں جس کے بعد بعینہٖ اُس اسم کا تکرار آئے۔ اور اُس کے بعد ایک اسم مجرور آئے یعنی مضاف الیہ آئے۔ یعنی منادیٰ کی اضافت ہو رہی ہے، لیکن آپ اُس کا تکرار کر رہے ہیں۔ اوپر کے مثال میں منادیٰ "تیم" کی اضافت ہو رہی تھی عَدِیٍّ کی طرف لیکن آپ نے اسکا تکرار کیا۔

جب منادیٰ مفرد معرفۃ ہو، اُسکا تکرار ہو اور اُس کے بعد مضافٌ الیہ آئے۔ تو اس میں پہلے اسم کے اندر ضمہ بھی جائز یعنی "یا تیمُ تیمَ عدیٍّ" اور نصب بھی جائز یعنی "یا تیمَ تیمَ عدیٍّ"۔ دوسرے اسم کے اندر تو نصب ہی پڑھیں گے۔ اسکو مبنی علی الضم اس لئے پڑھتے ہیں کیونکہ منادیٰ جب مفرد معرفۃ ہو تو وہ مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ اور آگے تیمَ اسکی تاکید ہے۔ اور یہ تیمَ تابع ہے اور تابع جب مضاف ہو تو اسکو منصوب پڑھا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ "یا تیمَ تیمَ عدیٍّ" میں منادیٰ تیمَ پر نصب کیوں پڑھتے ہیں۔ اسکی وضاحت یہ ہے۔ ایسا کرتے ہیں کہ اس پہلے تیمَ کو مضاف بناتے ہے عدیٍّ کی طرف۔ تو منادیٰ مضاف ہوا۔ اور جب منادیٰ مضاف ہوتا ہے تو منصوب ہوتا ہے، جیسا کہ یا عبدَ اللہِ میں تھا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ پہلا تیمَ، عدیٍّ کی طرف کس طرح مضاف ہوتا ہے، کیونکہ درمیان میں فصل آرہا ہے اور مضاف اور مضافٌ الیہ کے درمیان فصل جائز نہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ جو درمیان میں لفظ آرہا ہے یہ اُسی پہلی لفظ کا تکرار ہے، تو گویا کہ یہ لا فصل کی طرح ہے۔ تو پہلے تیمَ مضاف ہوا، اور جب یہ مضاف ہوا تو اس پر نصب پڑھیں گے۔ اور اب یہ دوسرا تیمَ تاکید لفظی ہوا۔ اور تاکید لفظی بعینہٖ پہلے لفظ کی طرح ہوتا ہے۔ لہٰذ اس پر بھی نصب پڑھیں گے۔ نیز اشکال یہ بھی ہے کہ نصب پڑھا تو اس دوسرے تیم پر تنوین آنا چاہئے۔ کہتے ہیں کہ وہ جو مؤکد تھا یعنی پہلا تیم اُس سے تنوین اُڑ گئی اضافت کی وجہ سے، تو اس دوسرے تیم پر بھی ہم تنوین نہیں لائے۔ تاکہ تاکید لفظی اس کے مطابق ہو جائے۔

تو اس سے مراد وہ مثال ہے جس میں منادیٰ کی تکرار ہو اضافت کے ساتھ۔ تو اس قسم کی مثالوں میں منادیٰ کے اندر ضمہ بھی جائز اور نصب بھی جائز۔

و المضاف الی یاء المتکلم اور وہ منادیٰ جو مضاف ہو یائے متکلم کی طرف۔ ایک تو منادیٰ کی عام اضافت تھی، اُس میں تو ہمیشہ نصب پڑھیں گے۔ جیسا کہ یا عبدَ اللہ۔ اور ایک یہ اضافت ہے منادیٰ کی یائے ضمیر متکلم کی طرف۔ تو اس میں چار صورتیں جائز ہیں۔ **یجوزُ فیہ** جائز ہے اُس کے اندر **یا غلامِیْ و یا غلامِیَ و یا غلامِ و یا غلاما** "یا غلامِیْ" یا کے سکون کے ساتھ۔ "یا غلامِیَ" یا پر فتحہ کے ساتھ۔ "یا غلامِ" میم کا کسرہ ہے اور یا کو حذف کر دیا گیا۔ کیونکہ آخری حرف کا کسرہ دلالت کرتا ہے یائے مخذوف پر۔ اور "یا غلاما" میں اُس یا کو الف سے بدل دیا گیا۔ اور یہ ابدال تخفیف کے لئے ہوتا ہے۔ جس طرح ہم پڑھتے ہیں، "یا ربِّ" اس میں یا کو حذف کرتے ہے۔ وصل کی صورت میں تو یہ چار صورتیں ایسی تھیں۔ اب جب اس پر وقف کریں گے تو ہر ایک کے ساتھ ہا ملائیں گے۔ **و بالھاء وقفا** اور ہا کے

ساتھ کہیں گے حالت وقف میں۔ وقف کی صورت میں ان چاروں کی ادائیگی: "یا غلامیه"، "یا غلامیَہ"، "یا غلامِہ" اور "یا غلاماۃ" پڑھیں گے۔یہ ہا بتلائے گی کہ یہ حالت وقف ہے یا حالت وصل۔

اس میں ایک پانچواں صورت الف کے حذف کے ساتھ بھی جائز ہے لیکن وہ انتہائی قلیل الاستعمال ہے۔ اس لئے صاحب کافیہ نے اُس کو ذکر نہیں فرمایا۔ اور وہ "یا غلامَ" ہے۔

و قالوا یا ابی و یا اُمِّی صاحب کافیہ نے بتلایا کہ جب یائے متکلم کی طرف اضافت ہو تو اس میں چار وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ تو یہاں بھی اب اور اُم کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہو رہی ہے۔ تو اس میں بھی چار صورتیں جائز ہیں۔ یعنی " یا ابِیَ، یا ابِیَ، یا اَبِ اور یا اَبَا" اور اسی طرح "یا اُمِّیَ، یا اُمِّیَ، یا اُمِّ اور یا اُمَّا"۔ لیکن ان میں کچھ اور وجہیں بھی جائز ہیں۔ صاحب کافیہ آگے وہ بھی بتلا رہے ہیں۔ **و یا ابتِ و یا اُمَّتِ فتحا و کسرا** یا ابتِ اور یا امتِ فتحه اور کسرہ دونوں طرح جائز ہیں۔ یا ابتِ میں "یا" کے عوض تا لے آئے۔ اسی طرح یا اُمَّتِ میں یا کے عوض تا لے آئے۔ اسی میں یا ابتَ اور یا امَّتَ بھی جائز ہیں۔ اب اور ام کی اضافت جب یائے متکلم کی طرف ہو جائے تو اب تک اسکی چھ صورتیں بن گئیں۔ **و بالالف دون الیاءِ** اور الف کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں ان کو نہ کہ یا کے ساتھ۔ یعنی "یا ابتا " اور "یا اُمَّتَا" بھی جائز۔ تا بھی یا کے عوض آئی اور الف بھی یا کے عوض آیا۔ تو دونوں عوضوں کو جمع کیا اور "یا ابتا" اور "یا امتا" بنایا۔ لیکن "یا ابتی" اور "یا امتی" یہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ "تا" تو "یا" کے عوض آئی ہے۔ اور "یا" خود بھی موجود ہے تو یہ تو عوض اور مُعوَّض کا اجتماع لازم آیا۔ اور عوَض اور مُعَوَّض کا جمع ہونا جائز نہیں۔ تو اس میں کل سات صورتیں جائز ہوئی۔

یہاں ایک آٹھویں صورت بھی ہے۔ " یا ابتُ" اور " یا اُمَّتُ"۔ لیکن یہ قلیل الاستعمال ہے۔ اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔

و یا ابنَ اُمِّ و یا ابن عَمِّ خاصَّةً مثلُ بابِ یا غلامِی اور کہتے ہیں "یا ابن ام" اور "یا ابن عم" باب غلامی کے مثل ہے خاص طور پر۔ ابن کا ہمزہ وصلی ہے۔ تلفظ یَبْنَ ہوگا۔ یہاں ابن کی اضافت خود یائے متکلم کی طرف نہیں ہو رہا بلکہ ایسے اسم کی طرف ہو رہی ہے جس کی آگے خود اضافت یائے متکلم کی طرف ہو رہی ہے۔ تو ان کے اندر خاص طور پر یا غلامی کے طرح چار وجہیں جائز ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں، "یا ابنَ اُمِّیَ، یا ابنَ اُمِّیَ، یا ابنَ اُمِّ اور یا ابن اُمَّا" اسی طرح " یا ابن عَمِّیَ، یا ابن عَمِّیَ، یا ابن عَمِّ اور یا ابنَ عمَّا" کہہ سکتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کے مؤنث میں بھی یہی چار صورتیں جائز ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں، ""یا بِنۃَ اُمِّیَ، یا بنۃَ اُمِّیَ، یا بِنۃَ اُمِّ اور یا بِنۃَ اُمَّا" اسی طرح " یا بِنۃَ عَمِّیَ، یا بِنۃَ عَمِّیَ، یا بِنۃَ عَمِّ اور یا بِنۃَ عمَّا" کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ اجازت کثرت استعمال کی وجہ سے ہے۔ اور اگر ابن اور بنت کے علاوہ کوئی دوسرا لفظ آجائے، جیسا کہ یا غلامَ اُمِّی تو اب چار وجہیں نہیں جائز۔ بلکہ یا غلامَ اُمِّی پورا پڑھے گا۔ اور اگر مضاف بدل

جائے، اُمّ کی جگہ کوئی اور آجائے تو بھی چار وجہیں نہیں جائز۔ اور اگر عم کی جگہ کوئی اور آجائے تو بھی چار وجہیں نہیں جائز۔ یعنی یا ابنَ خالِي وغیرہ ان میں چار وجہیں پڑھنا جائز نہیں۔ تو دونوں کی بات ہیں، یعنی مضاف بھی یہی ہو اور مضافٌ الیہ بھی یہی ہو۔ چاہے مذکر ہو چاہے مؤنث ہو۔

و قالوا یا ابنَ اُمَّ و یا ابنَ عَمَّ اور عرب ان کے اندر یا ابنَ اُمَّ بھی کہتے ہیں اور یا ابنَ عمَّ بھی کہتے ہیں۔ یا غلامِي کے اندر پانچواں صورت یا غلامَ کہنا شاذ تھا، بہت ہی قلیل الاستعمال تھا اس لئے صاحب کافیہ نے ذکر نہیں کیا۔ لیکن یا ابنَ اُمَّ اور یا ابنَ عَمَّ یہ پانچواں صورت بھی کثرت استعمال میں ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں، "یا ابنَ اُمِّيَ، یا ابنَ اُمِّيَ، یا ابنَ اُمِّ ، یا ابن اُمَّا اور یا ابنَ اُمَّ" اسی طرح " یا ابن عَمِّيَ، یا ابن عَمِّيَ، یا ابن عَمِّ ، یا ابنَ عمَّا، اور یا ابنَ عمَّ" کہہ سکتے ہیں۔ یہ پانچویں صورت الف کے حذف کے ساتھ ہے۔

درس 46- **و ترخیمُ المنادیٰ جائزٌ** اور منادیٰ کی ترخیم جائز ہے۔ منادیٰ کے آخر سے کبھی ایک یا دو حروف حذف کئے جاتے ہیں۔ اس کو ترخیم کہتا ہے۔ جیسا کہ "یا حارثُ" کی بجائے کہا جائے "یا حارِ"۔ رَخَّمَ یُرَخِّمُ ترخیم: نرم کرنا۔ یعنی آپ نے بھی منادیٰ کو نرم کیا۔ یعنی اس میں تخفیف کی۔ یا حارثُ کی جگہ یا حارِ پڑھا۔

منادیٰ میں ترخیم کی وجہ: مثلا میں کہتا ہوں، "یا زیدُ اِیْتِی بالماءِ" اس میں منادیٰ زید مقصود نہیں، بلکہ جواب ندا "اِیْتِی بالماءِ" مقصود ہے۔ اور جب منادیٰ غیر مقصود ہوا تو اب متکلم چاہتا ہے کہ اس غیر مقصود سے جلدی سے جلدی جان چھوٹ جائے اور مقصود کو بیان کیا جائے۔ تو لہٰذا اس کے اندر ایک دو حرفوں کو یا کلمہ کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

و فی غیرہٖ ضرورۃً اور غیر کے اندر بوجہ ضرورت کے۔ ہا ضمیر راجع ہے منادیٰ کو۔ یعنی غیر منادیٰ کے اندر ترخیم جائز نہیں۔ ضرورت سے مراد ضرورت شعری ہے۔ اب صاحب کافیہ ترخیم کی تعریف فرما رہے ہیں۔ **و ھو حذفٌ فی اٰخرہٖ** اور وہ حذف کرنا ہے منادیٰ کے آخر سے۔ ھو سے مراد ترخیم ہے۔ اور آخرہ کی ہا ضمیر منادیٰ کو راجع ہے۔ **تخفیفًا** تخفیف کے لئے۔ یہ تخفیفًا ترخیم کی علّت بیان کر رہا ہے۔ تو یہ مفعول لہ ہوا۔ یعنی ترخیم منادیٰ کی آخر سے تخفیف کے لئے حذف کرنا ہے۔

ترخیم کی شرطیں: ترخیم کی چار شرطیں ہیں۔ تین عدمی ہیں یعنی تین چیزیں نہیں ہونی چاہئے اور ایک وُجودی ہے، یعنی ایک چیز ہونا چاہئے۔ **و شرطُہٗ** اور ترخیم کی شرط یہ ہیں۔ پہلے عدمی شرطیں بیان ہو رہی ہے۔ **ان لا یکونَ مضافا** پہلی عدمی شرط یہ ہے کہ وہ منادیٰ مضاف نہ ہو۔ منادیٰ جب مضاف ہو تو اس میں ترخیم اس لئے نہیں کی جاتی کیونکہ مضاف کے بعد مضافٌ الیہ آتا ہے۔ اور مضاف درمیان میں رہ جاتا ہے۔ جبکہ ترخیم آخری کلمہ میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ "یا عبدَ اللّٰہِ" اب عبد مضاف ہے اس میں ترخیم نہیں کیا جس سکتا، کیونکہ یہ آخری کلمہ نہیں۔

ولا مستغاثا اور وہ منادیٰ مستغاث بھی نہ ہو۔ یہ دوسرا عدمی شرط ہوا۔ مستغاث کے اندر آواز کو لمبا کیا جاتا ہے۔ اس میں فریاد کی جاتی ہے۔ جبکہ ترخیم کے اندر لفظ کو چھوٹا کیا جاتا ہے۔ پس ترخیم، مستغاث کی ضد ہے۔ ولا جملةً اور وہ منادیٰ جملہ بھی نہ ہو۔ یہ تیسرا عدمی شرط ہوا۔ جملة جب منادیٰ بن جائے تو اس میں ترخیم اس لئے نہیں کیا جاتا، کیونکہ جملہ جب کسی کا نام رکھا جائے تو اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاتی۔ و یکونَ اِمَّا علما زائدا علی ثلٰثةِ اَحرُفٍ اور یا تو وہ منادیٰ ایسا علم ہونا چاہئے جو تین حروف سے زائد ہو۔ اگر کوئی کلمہ تین حروف پر مشتمل ہو۔ اور آپ اس سے ایک حرف ہٹا دے۔ تو وہ دو حروف پر مشتمل ہو جائے گا۔ حالانکہ معرب کم از کم تین حروف پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس لئے منادیٰ تین حروف سے زائد ہونا چاہئے۔ و اِما بتاء التانیثِ اور یا وہ منادیٰ تائے تانیث کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اگر کلمہ کے آخر میں تائے تانیث ہے تو پھر چاہے کلمہ تین حروف والا کیوں نہ ہو اس میں ترخیم جائز ہے۔ کیونکہ تائے تانیث کبھی ساتھ جُڑتی ہے اور کبھی ساتھ نہیں جُڑتی۔ جیسا کہ قائمٌ میں تائے تانیث نہیں۔ اور قائمةٌ میں تائے تانیث ہے۔

اب صاحب کافیہ یہ بتلائے گا کہ کتنی ترخیم کی جائے گی۔ یعنی کتنے حروف کہاں پر حذف کردی جائے گی۔ فان کان فی اٰخرِہٖ زیادتان فی حکم الواحدة اگر اُس منادیٰ کے آخر میں دو زیادتیاں ہوں جو ایک ہی زیادتی کے حکم میں ہو۔ یعنی دو حرف بڑھائے ہیں لیکن ایک کے حکم میں ہے۔ ایک کے حکم میں ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ دونوں حرفوں کو اکھٹا بڑھایا جاتا ہو۔ جیسا کہ الف نون زائدہ تان ہے۔ ان دونوں کو اکھٹا بڑھایا جاتا ہے۔ اور یہ زیادتی واحد کے حکم میں ہے۔ یا تانیث کا الف ممدودة ہوتا ہے۔ یہ دو الف ہوتے ہیں جب بھی آئے۔ اور ان میں ثانی کو ہمزہ سے بدل دیتے ہے۔ جیسا کہ حمراَء۔ جس الف کے بعد ہمزہ آجائے اس کو الف ممدودة کہتے ہے۔ آگے صاحب کافیہ بتلائے گا کہ دونوں کو اکھٹے حذف کیا جائے گا۔ کاسمآءَ و مروانَ جیسا کہ اسماء میں الف ممدودہ اور ہمزہ ہے۔ اور مروان میں الف نون زائدہ تان ہے۔ ترخیم کرتے وقت دونوں حروف کو اکھٹے حذف کیاجاتا ہے۔

او حرفٌ صحیحٌ قبلَهُ مَدَّةٌ یا منادیٰ کے آخر میں ایسا حرف صحیح ہو کہ جس سے پہلے مدّہ ہو۔ و هو اکثرُ من اربعَةِ احرفٍ اس حال میں کہ منادیٰ چار حروف سے زیادہ ہے۔ واو حالیه ہے۔ فان کان فی آخرہٖ میں جو ہا ضمیر ہے یہ منادیٰ کو راجع ہے۔ تو یہ ہا ضمیر ذو الحال ہوا اور " و هو اکثر من اربعة احرف" حال ہے۔ تو وہ منادیٰ جس کے آخر میں دو زیادتیاں ایسے ہو جو ایک زیادتی کے برابر ہو، یا وہ منادیٰ جس کے آخر میں ایسا حرف صحیح ہو جس سے ماقبل حرف مدّہ ہو، تو وہ منادیٰ چار حروف سے زیادہ ہونا چاہئے۔ یعنی اُس منادیٰ میں کم از کم پانچ حروف ہو۔ جیسا کہ منصور۔ اس کے آخر میں را حرف صحیح ہے اور اس سے ما قبل واو مدّہ ہے۔ کیونک واو کے ماقبل کی حرکت واو کی موافق ہے۔

اب اس صورت میں دونوں کو حذف کیا جائے گا۔ را کو حذف کریں گے تو ساتھ ہی واو کو بھی حذف کریں گے۔

منادیٰ کے ان دونوں صورتوں میں پانچ حروف کم از کم اس لئے ہونے چاہئے کہ دو حروف کو تو ہم نے حذف کرنا ہے۔ یعنی یا تو وہ دونوں زیادتیاں حذف کرنا ہوگی یا وہ حرف صحیح جس سے ماقبل حرف مدّہ ہو اِن دونوں کو حذف کیا جائے تو باقی کم از کم تین حروف رہ جائے گا۔ پس اسماءَ اس میں بھی پانچ حروف ہیں، مروانَ اس میں بھی پانچ حروف ہیں، منصورُ میں بھی پانچ حروف ہیں۔

"فَاِنْ کانَ۔۔ " یہ شرط تھی۔ اگر ایسا ہو تو۔۔ آگے شرط ذکر ہے، حذفتا "حُذِفَتَا "۔۔ یعنی وہ دونوں زیادتیاں جو واحد زیادتی کے حکم میں ہو، اِن دونوں کو بھی حذف کریں گے، اور وہ حرف صحیح جس سے ماقبل مدّہ ہو، اِن دونوں کو بھی حذف کیا جائے گا۔ اور دونوں حروف کو اکھٹا حذف کرنے کی وجہ یہ ہے، کہ ایک تو دونوں کو اکھٹا بڑھایا تھا تو اکھٹا حذف کیا، اور دوسری صورت میں جب "را" حرف صحیح یعنی طاقتور حرف کو حذف کیا، تو " مدّہ زائدہ" کو حذف کرنا بطریق اولیٰ صحیح ہے۔

و ان کان مرکبا اور اگر وہ منادیٰ مرکب ہو۔ حُذِفَ الِاسم الاخیرُ تو آخری اسم کو حذف کیا جائے گا۔ تلفظ: حُذفَ لِسّمُ الاخیرُ۔ مثلا ایک آدمی کا نام ہے ، "خمسةَ عشرَہ" اب اس کو ندا دینا چاہتے ہے، تو " یا خمسةُ" ترخیم کے ساتھ۔ یا کسی کا نام بعلَبَکَّ ہے، تو اس کو "یا بعلُ" کہیں گے۔ اور "یا عبدَ اللّٰہِ" میں ترخیم نہیں کر سکتے کیونکہ ایک شرط یہ تھی منادیٰ مضاف نہ ہو۔

وان کان غیرُ ذلک اور اگر ان دونوں کے علاوہ ہو۔ یعنی نہ تو اُس کے آخر میں دو حرف ایسے ہیں جو زیادتی واحد کے حکم میں ہے، اور نہ ہی اس کے آخر میں ایسا حرف صحیح ہے جس سے ماقبل مدّہ زائدہ ہے، فحرفٌ واحدٌ ای حُذِفَ حرفٌ واحدٌ: تو پھر منادیٰ میں ترخیم کرتے ہوئے حرف واحد کو حذف کیا جائے گا۔

و ھو فی حکم الثابت علی الاکثر اور وہ جو محذوف ہے وہ اکثر کے نزدیک ثابت کے حکم میں ہے۔یعنی وہ حرف جو ہم نے منادیٰ میں ترخیم کے وقت حذف کیا، تو اکثر علماء کے نزدی وہ ثابت کے حکم میں ہے۔ یا استعمال اکثر کو وجہ سے ثابت کے حکم میں ہے۔ یعنی جب آپ منادیٰ سے ایک حرف حذف کرے۔ تو جو حرف آخر میں باقی بچا، اُس پر وہی حرکت پڑھو جو پہلے سے تھی۔ جیسا کہ "یا حارِثُ" میں ثا کے حذف کے بعد را پر کسرہ ہی پڑھنا ہے۔ اور "یا حارِ" پڑھنا ہے۔ اور اب بھی وہی سمجھو کہ "ثا" موجود ہے۔ فیُقالُ پس کہا جائے گا۔ یا حارِ اصل میں یا حارِثُ تھا۔ ثا کو حذف کیا، اور را اور اُس کے حرکت کو ویسے ہی چھوڑا۔ و یا ثَمُوْ اصل میں یا ثَمُوْدُ تھا۔ دال کو حذف کیا، تو واو کو ویسے ہی ساکن رکھا گیا۔ ورنہ یہاں قانون نے لگنا تھا، ثَمُوْ اسم متمکن ہے۔ اور اسم متمکن کے آخر میں جب

واو ساکن آئے اور ماقبل مضموم ہو تو اس واو کو ہمیشہ یا سے بدلیں گے اور یا ثَمِیْ کہیں گے۔ یعنی اگر ہم ثمود کے دال کو حذف کرنے کے بعد مان لے کہ وہ دال یہاں ہے ہی نہیں، تو پھر " یا ثمو" کے بجائے "یا ثمی" کہیں گے۔

و یا کَرَوَ اصل میں یا کرَوَان تھا۔ اور یہاں بھی اگر "الف نون" کو نہ مان لے تو پھر قانون کے مطابق واو متحرک ماقبل فتحہ کو الف سے بدلیں گے، اور یا کرَا کہیں گے۔ لیکن یہاں ہم نے "الف نون" مخذوف ثابت کی طرح مان لینا ہے، اس لئے واو متحرک ماقبل فتحہ کو الف سے نہیں بدلا، کیونکہ ہم نے قانون میں پڑھا تھا کہ جب واو متحرک ماقبل فتحہ ہو، اور اس کے بعد حرف ساکن ہو تو اس واو اور یا کو الف سے نہیں بدلا جاتا۔ جیسا کہ رَمَیَا میں یا متحرک ماقبل فتحہ کو الف سے نہیں بدلا۔

وقد یُجْعَلُ اسْمًا اور کبھی کبھار اس کو اسم بنا دیا جاتا ہے۔ اسم کا ہمزہ وصلی ہے۔ بِرأسِہٖ ای مُسْتَقِلًّا۔ کبھی اس کو مستقل ایک اسم بنا دیا جاتا ہے۔ فَیُقالُ تو پھر یوں کہتے ہیں۔ یا حارُ یا حارِثُ سے یا حارِ کہنا چاہئے تھا۔ لیکن جب اس کو مستقل ایک اسم بنا دیا گیا تو اب منادیٰ مفرد معرفۃ کے حکم میں ہوا۔ اور یہ مبنی علی الضم ہوگا۔ مستقل اسم کا مطلب یہ ہے کہ جو ہم نے حذف کیا، وہ گویا تھا ہی نہیں۔ اور جو باقی بچا اب یہی مستقل اسم ہے۔ اور جب مستقل اسم ہو تو پھر اس میں صرفی قوانین کا اجراء ہوگا۔ و یاثمی اور یا ثَمُوْ میں "یا ثَمِیْ" پڑھیں گے۔ کیونکہ ثَمُوْ کو ہم نے مستقل اسم مان لیا۔ اور جو دال حذف ہوا گویا وہ تھا ہی نہیں۔ تو اب ثَمُوْ اسم متمکن ہے، اور اس کے آخر میں واو ساکن آیا۔ اور اس سے ماقبل مضموم ہے، تو اس واو کو یا سے بدلیں گے۔ اور "یا ثمی" کہیں گے۔ و یا کرا اور یا کرَوَان سے جب الف نون زائدہ تان کو حذف کیا، اور اس حذف کو ایسا مان لیا کہ گویا یہ الف نون تھا ہی نہیں۔ اور کَرَوَ کو مستقل اسم مان لیا۔ تو اب اس میں واو متحرک ماقبل فتحہ کو الف سے بدلا اور "یا کَرَا" کہیں گے۔

درس 47۔ آگے صاحب کافیہ مندوب کے بارے میں بتلائے گا۔ و قدِ اسْتَعْمَلُوا صیغۃَ النداء فی المندوب اور عربوں نے استعمال کیا ہے ندا کا صیغہ مندوب کے اندر۔ مندوب لغت کے اندر وہ مَیَّت جس پر رویا جائے۔ اصطلاحی تعریف آگے متن میں آرہی ہے۔ و ھو الْمُتَفَجَّعُ علیہ اور مندوب وہ ہے جس پر دکھ کا اظہار کیا جائے بیا او وا "یا" کے ساتھ یا "وا" کے ساتھ۔ جیسا کہ مثلاً زید مر گیا، تو "یا زیدُ" "یا زیداہ"، "وا زیدُ" کے ساتھ دکھ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ تو یہاں زید کے نہ ہونے پر غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور کبھی کسی چیز کے ہونے پر غم اور دکھ کا اظہارکیا جاتا ہے۔ مثلا "یا پرویزُ" یہ کسی کے ہونے پر دکھ کا اظہار ہوتا ہے۔ یعنی اس سے جان نہیں چھوٹ رہی۔ یا کوئی مصیبت ہے، تو "یا مصیبتاہ" کے ساتھ دکھ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ تو مصیبت کے ہونے پر دکھ کا اظہار کیا جاتا ہے۔ تو

مندوب دو قسم پر ہوا۔ ایک یہ کہ کسی چیز کے نہ ہونے پر اظہار غم کیا جاتا ہے اور ایک وہ جو کسی چیز کے ہونے پر اظہار غم کیا جائے۔ وَاخْتُصَّ بِوا اور مندوب خاص ہے "وا" کے ساتھ۔ "یا" تو عام ہے۔ منادیٰ کے لئے بھی استعمال ہے اور مندوب کے لئے بھی۔ لیکن "وا" صرف مندوب کے لئے استعمال ہوگا۔

و حکمُهٗ فی الاعراب و البناء حکم المنادیٰ اور مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے کے اندر منادیٰ کے حکم کی طرح ہے۔ یعنی اگر مندوب مفرد معرفة ہو تو مبنی علی الضم ہوگا۔ مثلاً " یازیدُ"، "وا زیدُ" یہ دونوں مندوب ہیں۔ نیز مندوب اگر مضاف ہو تو منصوب ہوگا، مثلاً "وا عبدَ اللّٰہِ، یا عبدَ اللّٰہِ"۔ یا مندوب اگر مشابہ مضاف ہو تو منصوب ہوگا۔ مثلاہ "یا طالعًا جبلاً"، "وا طالعًا جبلاً"۔ ہاں نکرة غیرِ مُعَیَّنه وہ مندوب واقع نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ رویا جائے گا کسی معروف شخص پر۔ اور کسی غیر معین پر نہیں رویا جاتا۔

و لک زیادة الالف فی اخرِہٖ اور آپ کے لئے الف کا زائد کرنا بھی جائز ہے مندوب کے آخر میں۔ یعنی مندوب کے آخر میں الف کو زیادہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اظہار غم کیا جاتا ہے، اور انسان چاہتا ہے کہ میرا آواز طویل ہو۔ اور آواز کو لمبا بنانے کے لئے مندوب کے آخر میں الف ملایا جاتا ہے۔ یعنی "وا زیدا"۔ ہائے وقف بھی ساتھ ملا سکتے ہو۔ یعنی "وا زیداہ"۔ کیونکہ اس سے آواز مزید لمبا ہو جاتا ہے۔

فان خفت اللُّبس قلتَ واغلامکیه و اغلامکموه الف کے بڑھانے سے بعض اوقات التباس لازم آتا ہے۔ جب التباس لازم آتا ہے ۔ تو ضروری نہیں کی صرف الف ہی بڑھایا جائے۔ بلکہ آخری جو حرف ہے اُس کے حرکت کے موافق حرف علّت کو بھی بڑھا سکتے ہیں۔ مثلا آپ رونا چاہتے ہیں مؤنث مخاطبه کے غلام پر، تو آپ کہیں گے، "وا غلامَکِ"۔ یہاں غلامَکِ مندوب ہے۔ اگر اس مندوب کے آخر میں الف بڑھا دیا جائے اور "وا غلامَکَا" کہا جائے تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ مؤنث کے غلام پر نُدْبت ہے یا مذکر کے غلام پر۔ تو یہاں التباس لازم آیا۔ تو اس التباس سے بچنے کے لئے مندوب یعنی"غلامَکِ" کے آخری حرف کاف پر کسرہ ہے، تو اس کے موافق حرف علّت یا بڑھایا جائے۔ یعنی "وا غلامَکِی" یا "وا غلامکیه" کہا جائے۔ یہ ہا وقف کے لئے بڑھا دی جاتی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی جمع مخاطب کے غلام پر رونا چاہتےہیں۔ تو "وا غلامَکُمْ" کہے گا۔ اگر اس مندوب کے آخر میں الف بڑھایا جائے، یعنی "وا غلامَکُمَا" کہا جائے تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ جمع مخاطب کے غلام پر نُدْبَت کی جاتی ہے یا تثنیه کے غلام پر ندبت کی جاتی ہے۔ تو جمع مخاطب کا تثنیه کے ساتھ التباس لازم آیا۔ تو اس سے بچنے کے لئے یہاں پر واو کو بڑھانا جائز ہے، یعنی "وا غلامکمو" کہنا چاہئے۔ یا وقف کے لئے ہا بھی بڑھائے تو "وا غلامَکُموہ" کہه جائے گا۔

و لک الھاء فی الوقف اور جائز ہے آپ کے لئے ہا کا لانا حالت وقف میں۔ مثالیں اوپر گزر گئی۔

و لا يُندَبُ اِلّا المعروف اور نُدْبت نہیں کی جاتی مگر معروف پر۔ یعنی کسی معروف شخصیت پر ندبت کی جائے گی۔ فلا یقالُ وا رَجلاہ لہٰذا نکرۃ غیر معینہ کے لئے یوں نہیں کہا جائے گا، "وا رجلاہ"۔

اگر مندوب کی صفت آ رہی ہو۔ یعنی تابع ہو۔ تو جمہور کے نزدیک اسی مندوب کے آخر میں الف اور ہا بڑھا سکتے ہو صفت کے آخر میں الف اور ہا نہیں بڑھا سکتے۔ لہٰذا " وا زیداہ طویلُ" یا "وا زیداہ طویلَ" کہیں گے۔ دونوں جائز ہیں۔ اور "وا زیدُ الطویلاہ" جائز نہیں۔ امام یونس نحویؒ کے نزدیک صفت کے آخر میں الف اور ہا بڑھاناجائز ہے۔ و امتنع اور جائز نہیں ہے یہ کہنا وا زیدُ الطویلاہ خلافًا لیونس بخلاف امام یونسؒ کے۔ ان کے نزدیک "وا زیدُ الطویلاہ" کہنا جائز ہے۔

و یجوزُ حذفُ حرفُ النداء اور حرف ندا کا حذف کرنا جائز ہے۔ حروف ندا میں سے صرف "یا" کو حذف کیا جاسکتا ہے۔ کیونک یہ کثیر الاستعمال ہے۔ الا معَ اسْمَ الْجِنسِ اسم جنس وہ ہے جس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہو۔ جیسا کہ رجل۔ اس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ رجل سے ایک رجل بھی مراد لے سکتے ہیں اور تمام افراد رجل بھی مراد لے سکتے ہیں۔ اگر منادیٰ اسم جنس ہو تو اس سے حرف ندا کا حذف کرنا جائز نہیں۔ "یا رجلُ" میں آپ یوں نہیں کہہ سکتے کہ "رجلُ"۔ اس لئے کہ منادیٰ اکثر عَلَم بنا کرتا ہے۔ اور علم جب مبنی علی الضم ہو، تب وہاں ہمیں پتہ چل جائے گا کہ اس سے پہلے حرف ندا محذوف ہے۔ لیکن "رجل" تو بہت منادیٰ استعمال ہوتا ہے بطور اسم جنس۔ تو جب اس سے "یا" کو حذف کریں گے تو یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ منادیٰ ہے یا نہیں۔ و الاشارۃِ اور اسم اشارہ میں بھی حرف ندا "یا" کو حذف کرنا جائز نہیں۔ "یا ھٰذا" سے "یا" کو حذف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ اسم اشارہ بھی اسم جنس کی طرح مبہم ہے۔ اسم اشارہ کے لئے مشارٌ الیہ چاہئے۔

والمستغاثِ والمندوبِ ان دونوں سے بھی حرف ندا کا حذف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ مستغاث کو مدد کے لئے پکارا گیا ہے۔ اور وہاں پر تو آواز کو لمبا کیا جاتا ہے۔ اور جب "یا" کو حذف کیا جائے تو آواز تو کم ہو جائے گی۔ تو یہ تو اسکی ضد ہے۔ لہٰذا مستغاث میں بھی "یا" کو حذف نہیں کیا جائے گا۔ اور مندوب بھی اسی طرح ہے اُس میں بھی دکھ درد کے اظہار کے لئے آواز کو لمبا کیا جاتا ہے۔ اور حذف اس لمبا کرنے کے منافی ہے۔ نحو یوسفُ اعرض عن ھذا مثال کے طور پر قرآن میں آیا ہے، اے یوسف علیہ السلام اس سے اعراض کی جئے۔ اصل میں ہے " یا یوسفُ"۔ و ایھا الرجل اصل میں "یا ایھا الرجلُ" ہے۔

و شَذَّ اَصْبِحْ لَیْـلُ ای اصبح یا لیلُ: صبح ہو جا اے رات۔ لیل اسم جنس ہے۔ اس کا استعمال قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے۔ اصل میں اصبح یا لیلُ تھا۔ اور صاحب کافیہ نے ابھی بتلایا کہ اسم جنس سے "یا" کا حذف کرنا جائز نہیں۔ لیکن یہاں تو یا کو حذف کیا گیا ہے۔ تو صاحب کافیہ بتلاتے ہیں کہ یہ شاذ ہیں۔ اَصبح لیلُ یہ ضربُ المثل ہے۔ ایک عورت تھی، خاوند سے بہت تنگ تھی۔ رات تھی اور خاوند

سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ تھی۔ تو اس نے کہا "اصبح لیلُ"۔ یعنی اے رات تو صبح ہو جا۔ یعنی صبح ہوتے ہی میں اس خاوند سے طلاق لوں اور اپنی جان چھڑا لوں۔ اب کوئی بھی شخص ہو، اور شدت کے ساتھ کسی چیز کو طلب کرتا ہے تو یہ کلام کرتا ہے۔ وَ اِفْتَدِ مَخْنُوقُ :ای افتد یا مخنوقُ: فدیہ دے اے گلہ گھونٹے ہوئے۔ مخنوق بھی اسم جنس ہے۔ اور یہاں سے بھی یا خلاف القیاس حذف کیا گیا ہے۔ یہ بھی شاذ مثال ہے۔ "افتد مخنوق" یہ بھی ضرب المثل ہے۔ یہ ایک شخص تھا، کہیں لیٹا تھا، سویا ہوا تھا۔ رات کو کوئی آیا، اور اس کے سینے پر سوار ہوا۔ اور گلہ دبایا اور کہا فدیہ دو۔ فدیہ: مال دے کر چھڑانا۔ تو اُس شخص نے کہا پیسے دو اے گلے گھونٹے ہوئے۔ اور اپنی جان چھڑاؤ۔ پس جب کوئی شخص تکلیف میں ہو اور آپ اُسے ابھار رہے ہو کہ اس سے نکل جاؤ تو "افتد مخنوق" کہا جاتا ہے۔

و اَطْرِقْ کرًا ای اطرق یا کرا۔ اے سرخاب گردن جھکا۔ کروان: سرخاب۔ کرا بھی اسم جنس ہے اور اس سے بھی خلاف القیاس یا کو حذف کیا گیاہے۔ یہ بھی شاذ مثال ہے۔ جب کوئی شکار کھیلنے جاتا تو یہ منتر کی طرح کہہ دیتے اور کام ہو جاتا۔ تو سرخاب اپنا گردن جھکا دیتا اور یہ اس پر چادر وغیرہ ڈال کر پکڑ لیتے تھے۔ اور پورا یوں کہتے، "اطرق کرا اطرف کرا اِنّ النَّعامَةَ فی القُرا"۔ گردن جھکا اے سرخاب، گردن جھکا اے سرخاب، بے شک شتر مرغ بھی بستی میں ہے۔

کہتا ہے سرخاب شتر مرغ سے بڑا ڈرتا ہے۔ جب اس کو دیکھتا ہے تو گردن جھکا لیتا ہے۔ یعنی شتر مرغ تجھ سے بڑا ہے اس کو ہم نے شکار کیا ہے۔ جب بڑا شکار کیا ہے تو تو چھوٹا ہے۔ نیز یہ ضرب المثل ایسے موقع پر بھی بولا جاتا ہے جب کوئی بڑا تو عاجزی اختیار کرے اور چھوٹا تکبر کرے۔

و قد یحذف المنادی لقیام قرینة اور کبھی کبھار منادیٰ کو بھی حذف کیا جاتا ہے جب قرینة قائم ہو۔ جوازا اور یہ حذف جوازی ہے۔ مثل اَلَا یا اسجدوا ای اَلَا یا قومُ اُسْجُدوا۔ یہاں حرف ندا "یا" فعل "اُسجدوا" پر داخل ہو رہا ہے۔ حالانکہ حرف ندا اسم پر داخل ہوتا ہے۔ تو قرینہ موجود ہے کہ یا حرف ندا فعل پر داخل نہیں ہوتا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ منادیٰ یعنی "قوم" محذوف ہے۔ یہ دوسری قرأت کے مطابق ہے۔ ہمارے قرأت کے مطابق " اَلَّا یَسْجُدوا" ہے۔ اَلَّا یہ اَنْ اور لَا سے ہے۔ اور یسجدوا منادیٰ نہیں بلکہ فعل مضارع ہے۔

درس 48۔ والثالث اور تیسرا مقام جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ ما وہ اسم ہے اُضْمِرَ عامِلُهُ جس کے عامل کو مُقَدَّر کیا جائے علیٰ شریطة التفسیر تفسیر کی شرط پر۔ آگے صاحب کافیہ "ما اضمر عاملہ" کی تعریف بیان فرما رہے ہیں۔ و ھو کلُّ اسْمٍ "ما اُضْمِرَ عامِلُهُ" ہر وہ اسم ہے۔ اسم کا ہمزہ وصلی ہے۔ آگے دو مثالیں ذکر کی ہے۔ زیدًا ضربتُهُ اور زیدًا ضربتُ غلامَهُ۔ ان مثالوں میں زیدًا ایسا اسم ہے کہ جس کی عامل کو حذف کیا گیا ہے۔ تو یہ "ما اضمر عاملہ" ہوا۔ بعدَهُ فعلٌ او

شِبْهُهُ ہر ایسا اسم کہ جس کے بعد فعل آئے یا شبہ فعل آئے۔ شبھُہُ کی ہا ضمیر فعل کو راجع ہے۔ دونوں مثالوں میں زیدًا کے بعد "ضربْتُ" فعل آرہا ہے۔ شبہ فعل سے یہاں پر مراد صرف اسم فاعل اور اسم مفعول ہے۔اور یہاں شبہ فعل سے مراد مصدر نہیں۔ اس لئے کہ مصدر کمزور عامل ہے۔ اسی طرح صفت مشبہ بھی مراد نہیں۔ کیونکہ صفت مشبہ تو لازمی ہے۔ وہ نصب دیتے ہی نہیں۔ اسم تفضیل بھی مراد نہیں۔ کیونکہ اسم تفضیل بھی کبھی مفعول کو نصب نہیں دیتا۔ **مُشْتَغِلٌ عنهُ** ایسا فعل یا شبہ فعل کہ وہ اعراض کر رہا ہو اُس اسم سے۔ یعنی اُس میں عمل نہیں کر رہا۔ اشتغل کا صلہ جب عن آجائے تو اسکا معنیٰ "اعراض" کا ہوتا ہے۔ **بضميرِہ** اُس کے ضمیر کے ساتھ مشغول ہونے کی سبب۔ **او متعلقہٖ** یا اُس کے متعلق کے ساتھ مشغول ہونے کی سبب۔ پہلی مثال "زیدًا ضربتُہُ" میں ضربتُ فعل زیدًا کے اندر اس لئے عمل نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اُس کے ضمیر میں مشغول ہے۔ تو اس کے ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے یہ فعل ضربتُ زید سے اعراض کر رہا ہے۔ دوسری مثال "زیدًا ضربتُ غلامَہُ" میں ضربتُ فعل زیدًا کو نصب اس لئے نہیں دے سکتا کیونکہ یہ زید کے متعلق یعنی غلام میں مشغول ہے۔ اب چونکہ یہ زید کے متعلق میں مشغول ہے لہٰذا یہ زید سے اعراض کر رہا ہے۔

لَوْسُلِّطَ علیه هو اس طور پر کہ اگر ہم اُس اسم پر اُسی فعل یا شبہ فعل کو مسلط کر دیں۔ ھو ضمیر فعل یا شبہ فعل کو راجع ہے۔ سوال یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل تو دو ہے۔ اور اس کو ہم نے مفرد کی ضمیر لوٹا دی۔ تو جواب یہ ہے فعل یا شبہ فعل کے درمیان عطف "او" کے ذریعے ہے۔ اور جس کے درمیان عطف "او" کے ذریعے ہو تو اس کو مفرد کی ضمیر لوٹا دی جاتی ہے۔ تو فعل یا شبہ فعل یہ دونوں اَحدُ الامرین کی تاویل میں ہے۔ کہ اگر اُس اسم کے بعد اِن دو چیزوں میں سے کوئی ایک ہو، تو یہ مسلط کیا جائے گا اُس اسم پر۔ اَحَدُ الامرین کا لفظ مفرد ہے۔

عبارت کی وضاحت: یعنی پہلی مثال " زیدًا ضربتُہُ" میں زیدًا پر یہی فعل ضربتُ کو مسلط کرے، جیسا کہ " ضربتُ زیدًا ضربتُہُ"۔ آگے صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ "او مناسبُہُ" یعنی دوسری مثال، "زیدًا ضربتُ غلامَہُ" میں زیدًا پر ضربتُ کے مناسب کو مسلط کر دے۔ یہاں ضربتُ کی مناسب "اَھَنْتُ" ہے۔ یعنی اَھَنْتُ کو زیدًا پر مسلط کر دے۔ تو مثال یوں بن جائے گا، "اَھَنْتُ زیدًا ضربتُ غلامَہُ"۔ آگے صاحب کافیہ فرماتے ہیں، "لَنَصَبَہُ"، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فعل یا فعل کا مناسب دونوں اُس اسم کو نصب دے گا۔ پہلی مثال میں ضربتُ نے زیدًا کو نصب دیا۔ اور دوسری مثال میں اھنتُ نے زیدًا کو ضرب دیا۔ **او مناسِبُہُ** یا اُس کے مناسب کو۔ **لَنَصَبَہُ** تو البتہ اُن دونوں کو نصب دے دیتا۔

صاحب کافیہ نے ایک مثال "زیدًا مررتُ بہ" کو ذکر کیا ہے۔ مررتُ فعل لازم ہے۔ اور فعل لازم مفعول بہ کو نصب نہیں دے سکتا۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ فعل لازم مفعول بہ کو نصب دے تو یہ حرف جر

کے ذریعے ہوگا۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں کہ میں زید پر سے گزرا، تو مررتُ زیدًا نہیں کہہ سکتا، تو پھر درمیان میں حرف جر لاتے ہیں، تو مررتُ بزیدٍ کہیں گے۔ تو اب یاد رکھو یہ زید مررتُ کے لئے مفعول بہ ہے۔ اور اس کو مفعول بہ غیر صریح کہتے ہے۔ اوپر کی مثال "زیدًا مررتُ بہ" میں مررتُ فعل کو زیدًا پر مسلط نہیں کر سکتے، کیونکہ مررتُ فعل زید کو نصب نہیں دے سکتا۔ تو اسکے مترادف یعنی مناسب جاوزتُ کو زید پر مسلط کریں گے۔ تو کلام یوں ہوگا، " جاوزتُ زیدًا مررتُ بہ"۔ کیونکہ جاوزتُ کا معنیٰ ہے کسی پر سے گزرنا۔ اور یہ مفعول چاہتا ہے۔

پھر صاحب کافیہ نے ایک مثال "زیدًا حُبِسْتُ علیه" لایا ہے، اُسکی وضاحت: زیدًا کہ میں اُس پر بند کر دیا گیا۔ یعنی میں اُس پر روکا گیا۔ جب آپ کسی پر روکے گئے ہیں تو اس سے آپ کا اُس کے ساتھ تعلق آگیا۔ تو یہاں پر "لابستُ" محذوف نکالیں گے۔ ای "لابَسْتُ زیدً حبسْتُ علیه"۔ لابستُ: میں متعلق ہوگیا۔ میں زید کے ساتھ متعلق ہوا، اُس پر روکا گیا۔ یہاں "حُبِسْتُ" کو زید پر مسلط نہیں کر سکتے، کیونکہ حُبستُ متعدی ہوا علیٰ کے ساتھ۔ اس وجہ سے یہ زیدًا کو نصب نہیں دے سکتا۔

مثلُ زیدًا ضربتُهُ و زیدا مررتُ بہٖ و زیدا ضربتُ غلامَهُ و زیدا حُبِسْتُ علیه ان سب مثالوں کی وضاحت اوپر عبارت میں گزر گئی۔ یُنْصَبُ تو "ما اُضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر" جو ہے، یہ منصوب ہوگا۔ یعنی ان مثالوں میں زید کو نصب دیا جائے گا بِفعلٍ ایسے فعل کے ساتھ مُضْمَرٍ جو مقدَّر ہے۔ یُفَسِّرُهُ ما بعدَهُ اور تفسیر بیان کر رہا ہے اُس کا مابعد اُس فعل کی۔ تو زید ان تمام مثالوں میں منصوب ہے ایسے فعل کے ساتھ جو کہ مقدر ہے، اور اُس مقدر فعل کی تفصیل مابعد والا فعل ادا کر رہا ہے۔

آگے صاحب کافیہ اُن تمام افعال کو بیان فرما رہے ہیں، جو کہ مضمر ہے۔ ای ضربت و جاوزت و اَهنتُ و لابَستُ

درس 49- آگے صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں، کہ "ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر" میں بعض اوقات رفع بھی پڑھا کرتے ہیں۔ نصب کی صورت میں یہ ماننا پڑے گا کہ اس کا عامل محذوف ہے، اور رفع کی صورت میں اس مبتدا بنا دیا کرتے ہیں۔ مثلاً زیدٌ ضربتُهُ میں زیدٌ مرفوع لفظًا مبتدا ہے اور ضربتُهُ پورا جملہ اسکی خبر ہے۔ اور زیدًا ضربتُهُ بھی جائز۔ لیکن زیدًا پڑھیں گے تو یہ "ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر" کے قبیل سے ہوگا۔ اور اگر زیدٌ پڑھیں گے تو پھر یہ مبتدا بن جائے گا۔ اور پھر مبتدا میں یہاں کوئی عامل مقدَّر نہیں۔

اب یاد رکھو، بعض جگہ ایسی ہیں جہاں رفع کا پڑھنا واجب ہوتا ہے، وہاں آپ نصب نہیں پڑھ سکتے۔ اور بعض جگہ ایسی ہیں جہاں نصب کا پڑھنا واجب ہوتا ہے، وہاں آپ رفع نہیں پڑھ سکتے۔ بعض جگہ ایسی ہیں جہاں دونوں کا پڑھنا جائز ہیں لیکن پسندیدہ نصب ہوتا ہے۔ بعض جگہ ایسی ہیں جہاں دونوں کا

پڑھنا جائز ہیں لیکن پسندیدہ رفع ہوتا ہے۔ اور بعض جگہ دونوں برابر ہوتے ہیں۔ تو یہ کل پانچ صورتیں بن گئیں۔ یعنی پہلی صورت رفع واجب، دوسری صورت نصب واجب، تیسری صورت رفع مختار (پسندیدہ) چوتھی صورت نصب مختار اور پانچویں صورت دونوں برابر۔ تو آگے صاحب کافیہ علامہ ابن حاجبؒ اُن پانچ صورتوں کے بارے میں بیان فرمائیں گا۔

وَ یُختارُ الرفْعُ اور رفع پسندیدہ ہے۔ یعنی رفع کو ترجیح دی جائے گی۔ رفع کو اختیار کیا جائے گا۔

بالابتداء بسبب ابتدا کے۔ یعنی مبتدا ہونے کی وجہ سے رفع آئے گا۔ عندَ عدمِ قرینةِ خلافِهٖ جب کہ رفع کے خلاف کا قرینة موجود نہ ہو۔ یعنی نصب کا قرینة موجود نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ جب نصب کا قرینة موجود ہی نہ ہو تو پھر تو رفع کا پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ یہ بات تو درست معلوم نہیں ہوتی۔ جواب یہ کہ یہاں ایک مضاف محذوف نکالو تو ساری عبارت صحیح ہو جائے گی۔ ای عندَ عدمِ قرینةِ تَرَجُّحِ خلافِهٖ: خلافِهٖ سے مراد نصب ہے۔تو عبارت: عندَ عدمِ قرینةِ ترَجُّح نَصَبِ: جبکہ نصب کے راجح ہونے کا قرینہ نہ ہو۔ معلوم ہوا رفع کے راجح ہونے کا قرینہ ہوگا۔ تو اس وقت رفع پسندیدہ ہوگا۔ مثال اس کی: زیدًا ضربتُهُ بھی پڑھ سکتے ہو۔ اور زیدٌ ضربتُهُ بھی پڑھ سکتے ہو۔ زیدًا پڑھے تو یہ "ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر" ہوگا۔ اور اگر زیدٌ پڑھے تو یہ مبتدا ہوگا۔ یہاں قرینة دونوں کا ہے لیکن نصب کا قرینة راجح نہیں۔ لہٰذا رفع پڑھنا پسندیدہ ہے۔ یعنی زیدٌ ضربتُهُ۔ اور اس صورت میں کلام حذف سے محفوظ رہے گا۔ اور یہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ ذکر کرنا حذف سے افضل ہے۔ اور کلام اپنی اصل حالت میں رہے گا۔

خلافهٖ کی ہا ضمیر رفع کو راجع ہے۔ خلافِهٖ ای خلافِ رفع: اس سے مراد نصب ہے۔ کیونکہ یہاں پر دو ہی اعراب ہے۔ رفع اور نصب۔

او عندَ وجودِ اقویٰ منها او عندَ وجودِ یا جب کہ پایا جائے اقویٰ زیادہ قوی منها اُس قرینةِ خلافِهٖ سے۔ای قرینةِ نصب: یعنی نصب کے قرینة سے۔ یعنی نصب کے قرینة سے زیادہ قوی قرینه پایا جائے رفع کا۔یعنی قرینة نصب کا بھی موجود ہے۔ اور قرینة رفع کا بھی موجود ہے۔ لیکن زیادہ قوی قرینة رفع کا ہے۔ منها کی ہا ضمیر راجع ہے قرینةِ خلافِهٖ کو۔ آگے صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ کہاں کہاں پر زیادہ قوی قرینہ پایا جائے گا۔ کامَّا معَ غیرِ الطلبِ جب "امَّا" غیر طلب کے ساتھ آئے۔ یعنی ایسے فعل کے ساتھ آئے جس میں طلب نہ ہو۔ دیکھو "امّا" شرط کے لئے ہے۔ اور اس کے جواب میں "فا" آیا کرتی ہے۔ مثلاً، "اَمَّا زیدٌ فَمُنْطَلِقٌ"۔ امّا شرط ہے۔ اس کے جواب میں فا آئی۔ زیدٌ ہے مبتدا اور منطلقٌ اس کی خبر ہے۔ امّا چونکہ متضمن ہے معنیٰ شرط کو تو لہٰذا خبر پر ہم نے "فا" داخل کر دی۔

یہاں بات چل رہی ہے "ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر" کی۔ اور اوپر کی مثال میں منطلقٌ اسم ہے۔ لہٰذا یہاں امّا کے اندر "ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر" کی صلاحیت موجود نہیں۔ اور "ما اضمر عامله

علی شریطۃ التفسیر"میں اسم کے بعد فعل آتا ہے۔ جیسا کہ " لقیتُ القومَ و امّا زیدٌ فَاَکْرَمْتُہٗ"۔ اب یہاں اکرمتُہٗ فعل آیا۔ تو اب اس فعل کو دیکھنا ہوگا، کہ یہ فعل طلب کے لئے آرہا ہے یا غیر طلب کے لئے۔ اگر یہ فعل غیر طلب کے لئے ہو تو پھر رفع کا پڑھنا مختار ہوگا۔ اس لئے کہ "امّا" غیر طلب کے ساتھ آئی۔ اور اگر میں یوں کہتا، "لقیتُ القومَ وَ امّا زیدٌ فَاَکْرِمْہُ"۔ تو اب اَکْرِمْ کے اندر طلب ہے۔ کیونکہ اکْرِم امر کا صیغہ ہے۔ اور امر ، نہی، دعا، استفہام اور تمنّی طلب کے لئے آتے ہیں۔یعنی انشاء مراد لے لو۔ یعنی ان میں سے امّا کے ساتھ کوئی نہ ہو، تو پھر رفع پسندیدہ ہوگا۔

یہاں نصب کا قرینہ بھی موجود ہے لیکن رفع کا قرینۃ زیادہ قوی ہے۔ نصب کے قرینۃ کو سمجھنے کے لئے پہلے وصل اور فصل جان لینا چاہیئے۔

وصل: جب دو جملوں کے درمیان حرف عطف ذکر کیا جائے، جیسا کہ، "ضربتُ زیدًا و اکرمتُ عمرًوا"۔

فصل: جب دو جملوں کے درمیان حرف عطف ذکر نہ کیا جائے۔ جیسا کہ، "ضربتُ زیدًا اکرمتُ عمرًوا"۔

اب یاد رکھو جب جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر کیا جائے تو کلام میں حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اوپر کی مثال، "لقیتُ القومَ وَ امّا زیدٌ فاکرمتُہٗ" کو اگر ہم "لقیتُ القومَ و امّا زیدًا فاکرمتُہٗ" پڑھے۔ تو زیدًا سے پہلے ایک فعل اکرمتُ کو محذوف ماننا پڑے گا۔ تو کلام یوں ہو جائے گا، "لقیتُ القومَ و امّا اکرمتُ زیدًا فاکرمتُہٗ"۔ اب اس میں جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوا۔ تو دیکھو واو سے پہلے بھی جملہ فعلیہ ہے اور واو کے بعد بھی جملہ فعلیہ ہے۔ تو یہ عطف بتاتا ہے کہ نصب کا قرینہ موجود ہے اور یہ قرینہ ترجیح دے رہا ہے نصب کو۔

لیکن حرف عطف واو کے بعد آگے "امّا" آرہا ہے۔ اور اکثر یہ "امّا" جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے۔ اور اس کے بعد مبتدا واقع ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم اس کو "امّا زیدًا فاکرمتُہٗ" پڑھے، تو اس میں زیدًا مبتدا نہیں۔ لہٰذا "امّا زیدٌ فاکرمتُہٗ" پڑھیں گے اور یہ رفع کا قرینۃ ہوا۔ دیکھو وہ واو جو ماقبل میں آرہا ہے وہ نصب کا قرینۃ ہے، اور یہ امّا رفع کا قرینۃ ہے۔ اور یہ قرینۃ قوی ہے۔اور رفع کا قرینۃ قوی کیوں ہے؟ کیونک اس کے ساتھ ایک اور چیز کی تائید ہو رہی ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر آپ زیدٌ کو مبتدا بنائیں گے تو کلام حذف سے سلامت رہے گا۔ اور اگر آپ محذوف نکالے تو کلام حذف سے سلامت نہیں رہا۔ اور کلام کے اندر حذف اولیٰ نہیں بلکہ ذکر اولیٰ ہے۔ ذکر کرنا اصل ہے۔ پس کلام حذف سے سلامت رہے، اس نے ترجیح دی رفع والے قرینۃ کو۔

خلاصہ بحث: واو کے ذریعے ماقبل میں جملہ فعلیہ تھا تو مابعد میں بھی جملہ فعلیہ ہونا چاہیئے۔ یہ قرینۃ ترجیح دے رہا ہے نصب کو۔ اور امّا اکثر جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے اور اس کے بعد مبتدا آتا ہے۔ تو یہ قرینۃ رفع کو ترجیح دے رہا ہے۔ اور ساتھ اس کی تائید بھی ہو رہی ہے، کہ اس صورت میں کلام

حذف سے محفوظ رہتا ہے۔ پس رفع کا قرینة زیادہ قوی ہوا۔ لہٰذا رفع پڑھا جائے گا۔ پس "کامّا مع غیر الطلب" کا یہ معنیٰ ہوا۔

بھئی اگر طلب ہو تو پھر، اس صورت میں نصب مختار ہے۔ اور یہ نصب کیوں مختار ہے؟ اس کی وضاحت: طلب والے فعل کے ساتھ مثال: "لقیتُ القومَ و امّا زیدًا فاکرِمۀُ"۔ اکرِمۡ امر کا صیغه ہے۔ تو دیکھو یہ "امّا" کے ساتھ فعل طلبی آیا۔ اگر ہم "امّا زیدٌ فاکرمۀُ" پڑھے، تو زیدٌ کو مبتدا بنائیں گے، اور اکرمۀُ فعل، انت ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل، ہا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہٖ کی جو کہ راجع ہے زیدٌ مبتدا کو۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول به سے ملکر جمله فعلیه انشائیه ہو کر یہ خبر ہوئی زید کے لئے۔ اور جمله انشائیه خبر نہیں بنا کرتا کبھی بھی۔ یعنی اگر امّا کے بعد فعل طلبی آیا۔ تو یہ فعل طلبی کبھی بھی خبر نہیں بنتا۔

جمله انشائیه یعنی فعل طلبی جب بھی خبر واقع ہوتا ہے، علماء اس میں "مَقُولٌ فیه" کی تاویل کرتے ہیں۔ مثلاً، زیدٌ مقولٌ فیه اکرِمۀُ۔ زید که کہا گیا ہے اُس کے بارے میں اُس کا اکرام کرو۔

پس جب فعل طلبی خبر نہیں بن سکتا، تو زید کو مبتدا نہ بناؤ، بلکه زید کو "ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر " بناؤ۔ اور "زیدًا اکرِمۀُ" پڑھو۔ اور "اکْرِمۡ زیدًا اکرمۀُ" بنا۔ پس زیدٌ کی صورت میں تاویل کرنا پڑتی، اور یہاں بغیر تاویل کے کلام درست ہوا۔ لہٰذ جب "امّا" کے بعد فعل طلبی آئے تو نصب اولیٰ ہے۔

و اذا للمفاجاۃِ اور دوسرہ مقام وہ ہے جب "اذا" آجائے مُفاجاۃ کے لئے۔ تو اس کے بعد بھی رفع کا پڑھنا پسندیدہ ہے۔ اذا مفاجاتیه "اچانک" کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔

وضاحت: یاد رکھو "اذا مفاجاتیه" اکثر اکثر جمله اسمیه پر داخل ہوتا ہے۔ کبھی کبھار جمله فعلیه پر بھی داخل ہو جاتا ہے۔ بعض علماء تو انکار کرتے ہیں، که یہ جمله فعلیه پر داخل نہیں ہوتا۔ لیکن صاحب کافیه علامه ابن حاجبؒ کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جمله فعلیه پر کبھی کبھی داخل ہو سکتا ہے۔

مثلاً "خرجتُ فاذا زیدٌ یضربُهُ عمرٌو"۔ میں نکلا، بس اچانکه زید که پٹھائی کر رہا تھا اُسکی عمرو۔ پس اذا مفاجاتیه کے بعد اکثر جمله اسمیه آتا ہے۔ اور کبھی کبھار نصب یعنی جمله فعلیه بھی آتا ہے، لیکن بڑا ہی قلیل ہے۔ لہٰذا رفع کا قرینه قوی ہوا۔

فاذا زیدُ یضربُهُ عمرٌو کی ترکیب۔ زیدٌ مبتدا، یضربُ فعل ، ہا ضمیر مفعول به جو ک زید کو راجع ہے، عمرٌو فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جمله فعلیه ہو کر خبر۔ مبتدا خبر ملکر جمله اسمیه ہوا۔

خرجتُ فاذا زیدًا یضربُهُ عمروٌ کی ترکیب۔ تو یہ "خرجتُ فاذا یضربُ زیدًا یضربُهُ عمروٌ" ہو جائے گا۔ تو پھر یہ جمله فعلیه بن جائے گا۔

یہ تھے رفع کے مختار ہونے کی جگہیں۔ اب صاحب کافیہؒ نصب کے مختار ہونے کی جگہوں کے بارے میں بتلائے گا۔

وَیختار النصبُ بالعطفِ علیٰ جُملۃٍ فعلیۃٍ اور نصب مختار ہوگا جملہ فعلیہ پر عطف کرنے کے سبب سے۔ للتناسب تناسُب کی وجہ سے۔ یعنی مناسبت کی وجہ سے۔ کیونکہ وصل کے اندر حسن اس سے زیادہ ہوتا ہے کہ جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر کیا جائے۔ مطلب یہ کہ حرف عطف سے پہلے جملہ فعلیہ ہو، تو حرف عطف کے بعد جملہ فعلیہ پسندیدہ ہے۔ اور جملہ فعلیہ پھر نصب کی صورت میں آئے گا۔ یعنی زید پر پھر نصب آئے گا۔ مثلاً "ضربتُ زیدًا و عمروًا اکرَمْتُہٗ"۔ یہاں معطوفٌ علیہ "ضربتُ زیدًا" جملہ فعلیہ ہے۔ تو آگے، "عمروًا اکرَمْتُہٗ" معطوف بھی جملہ فعلیہ لایا۔ اور کلام یوں ہو جائے گا، "اکرمتُ عمروًا اکرمتُہٗ"۔ تو جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر پسندیدہ ہونے کی وجہ سے یہاں نصب پسندیدہ ہے۔ اور یہاں پر رفع بھی جائز ہے۔ یعنی ضربتُ زیدًا و عمروٌ اکرَمْتُہٗ۔ تو اس صورت میں جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر ہوا۔ اور یہ جائز ہے لیکن زیادہ پسندیدہ نصب ہے۔

و بعدَ حرفِ النَّفْیِ اگر حرف نفی کے بعد آئے۔ تو پھر بھی نصب مختار ہوگا۔ نفی سے مراد، "ما، لا، اِنْ" وغیرہ ہے۔ مثلاً "ما زیدًا ضربتُہٗ"۔ اسی طرح "لا" لے آؤ۔ مثلاً "لا زیدًا ضربتُہٗ"۔ حروف نفی عموماً فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ فعل کے نفی کے لئے آتے ہیں، جبکہ ذات کی نفی کے لئے نہیں۔ و الاستفہام اور حرف استفہام کے بعد بھی نصب مختار ہوگا۔ مثلا "اَ زیدًا ضربتَہٗ"۔ تقدیر کلام یوں ہے، اَ ضربتَ زیدًا ضربتَہٗ۔

درس 50۔ واذا الشَّرطیۃِ اور اگر اذا شرطیۃ کے بعد آ جائے تو پھر بھی منصوب پڑھنا مختار ہو گا۔ مثلاً، "اذا زیدًا تَجِدْہُ فَاکْرِمْہُ"۔ جب تو زید کو پائے تو اسکا اکرام کر۔ اصل کلام" اذا تجد زیدًا تجدْہ فاکرمہ"۔

و حیثُ اور جب وہ اسم حیثُ کے بعد آئے، تو بھی منصوب پڑھنا مختار ہوگا۔ اور حیثُ بھی وہ جو شرط کے لئے آئے۔ "حیثُ زیدًا تَجِدْہُ فَاکْرِمْہُ"۔ اصل کلام: حیثُ تجد زیدًا تجدہ فاکرِمْہُ۔ وہی مثال، ہاں فرق یہ ہے کہ "اذا" آئے گا زمانہ کے لئے، حیثُ آتا ہے مکان کے لئے۔"اذا زیدًا تَجِدْہُ فَاکْرِمْہُ"۔ جب تو زید کو پائے تو اسکا اکرام کر۔ ی جب وقت کے لئے آتا ہے۔ حیثُ زیدًا تَجِدْہُ فَاکْرِمْہُ کا ترجمہ: جہاں تو زید کو پائے تو اسکا اکرام کر۔ جہاں یہ مکان کے لئے آتا ہے۔

اذا شرطیہ اور حیثُ شرطیہ جب بھی آئیں تو اس کے بعد نصب پڑھیں گے۔ اس لئے کہ یہ شرط کے لئے ہیں۔ اور شرط کہتا ہے، ایک چیز کو دوسرے چیز کے ساتھ مُعَلَّق کرنا۔ تو شرط آیا کرتی ہے تعلیق کے لئے۔ اور تعلیق ہوا کرتی ہے زمانے کے اندر۔ اور زمانہ ہوتا ہے فعل کے اندر۔

و فی الامر والنھی اور امر اور نہی کے اندر بھی نصب پڑھنا مختار ہے۔یعنی اس اسم کے بعد امر اور نہی آجائے، تب بھی اس اسم پر نصب پڑھیں گے۔ مثلاً، زیدًا اِضرِبْہُ۔ اصل کلام: اِضرِبْ زیدًا اضربْہُ۔ اگر ہم یہاں "زیدٌ اضربْہُ" پڑھتے، تو اضربْہُ جملہ فعلیہ انشائیہ ہے۔ اور جملہ فعلیہ انشائیہ کبھی خبر نہیں بنا کرتے، الّا کہ اس میں تاویل کیا جائے، یعنی "زیدٌ اقولُ فیہ اِضربْہُ" کہا جائے۔

زیدٌ اقولُ فیہ اضربْہُ کی ترکیب۔زید مبتدا، اقولُ فعل بافاعل، فیہ متعلق ہوا اقولُ سے، اِضْرِبْہُ فعل، انتَ ضمیر اسکا فاعل، ہا ضمیر مفعول بہ، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا اقولُ کے لئے، اقولُ فعل، اپنے فاعل، متعلق اور مقولے سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدا زید کے لئے۔

تو اس میں ہمیں تاویل کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اس صورت میں نصب پڑھنا بہتر ہے۔

نہی میں بھی اس طرح ہے۔ مثلاً، زیدًا لا تَضْرِبْہُ۔

اِذْ ھی مَواقِعُ الفعلِ اس لئے کہ یہ فعل کے واقع ہونے کی جگہیں ہیں۔ **و عندَ خوفِ لُبسِ الْمُفسِّرِ بالصفۃِ** اور اُس وقت بھی نصب پسندیدہ ہے، جب خوف ہو مُفسِّر کی التباس کا صفت کے ساتھ۔

مثلُ اِنّا کُلَّ شیٍٔ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ ؕ کُلَّ شیٔ کو منصوب پڑھا اور "ما اضمر علیٰ شریطۃ التفسیر" کے قبیل سے بنایا۔ اصل عبارت، "اِنّا خَلقنا کلَّ شیٍٔ خلقنٰہُ بقدر ؕ" بن گئی۔ اس میں یہ پہلے والا خلقنا مفسَّر ہے اور یہ بعد والا خلقنا مُفَسِّر ہے۔ اور اس مفسِّر کا التباس صفت کے ساتھ لازم آئے گا اگر کل شیٔ پر رفع پڑھا جائے۔ جسکی وضاحت ذیل میں "انّا کلُّ شیٍٔ خلقنٰہُ بقدر" کی ترکیب میں درج ہے۔

اس میں ایک ترکیب "اِنَّا کُلُّ شَیٍٔ خلقْنٰہُ بقدر" یہ بھی ہو سکتی ہے۔ اِنّ حرف از حروف مشبہ بالفعل، نا منصوب محلاً اسکا اسم، اور "کُلُّ شَیٍٔ خلقنٰہُ بقدر" یہ پورا جملہ ملکر اِنَّ کی خبر بن رہا ہے۔ کلُّ مرفوع لفظًا مضاف، شیٍٔ مجرور لفظًا مضافٌ الیہ، مضاف، مضاف الیہ ملکر مبتدا، خلقنٰہُ فعل با فاعل، نا ضمیر مرفوع متصل اسکا فعال، ہا ضمیر منصوب محلاً ذوالحال، اور بِقَدَرٍ اس سے حال بنے گا ظرف مستقَر ہو کر۔ با جارّہ قدرٍ مجرور لفظًا، جار اپنے مجرور کے ساتھ ملکر ثابتًا سے متعلق ہوا۔ ثابتًا اس لئے کیونکہ حال منصوب ہوتا ہے۔ ثابتًا منصوب لفظًا صیغہ اسم فاعل، اس کے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل،جو کہ راجع ہے ذوالحال کو۔ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلّق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر یہ مفعول ہوا خلقنا کے لئے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدا کی۔ "کلُّ شیٍٔ" مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہو کر یہ خبر ہوئی "اِنَّ" کے لئے۔ اِنَّ اپنے اسم "نا" اور خبر "کلُّ شیٔ خلقنٰہُ بقدر" سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ: یقینًا ہم کہ ہر وہ چیز جو ہے اس کو ہم نے پیدا کیا ہے ایک اندازے سے۔ اور اگر ہم "انّا کلَّ شیٍٔ خلقنٰہُ بقدر" حالت نصب والا لے لیں تو پھر بھی یہی ترجمہ بنتا ہے۔ لیکن اس رفع والی حالت میں ایک شبہ پڑھتا ہے۔ اور وہ شُبہ یہ ہے کہ ، "کُلُّ شیٍٔ" نکرۃ ہے، اور "خلقنٰہُ " فعل ہے۔ اور نکرۃ کے بعد جب فعل واقع ہو جائے تو عمومًا وہ

فعل اُس نکرۃ کے لئے صفت بنا کرتا ہے۔ یاد رکھو نکرۃ کی اضافت جب نکرۃ کی طرف ہو تو وہ نکرۃ ہی رہتا ہے۔ اور اگر معرفۃ کی طرف اضافت ہو تو وہ معرفۃ بنتا ہے۔ تو یہاں کُلُّ نکرۃ کی اضافت شئٍ نکرۃ کی طرف کی گئی۔ اور نکرۃ کی اضافت نکرۃ کی طرف ہے تو وہ نکرۃ ہی رہتا ہے۔ تو یہاں بھی "کلُّ شئٍ" نکرۃ آیا، اور شُبه پڑھتا ہے کہ "خلقنٰهُ " یه "کلُّ شئٍ" کی صفت ہے۔ اور خبر آگے ہے، "بقدرٍ"۔

خلاصه یه که اگر ہم "کلُّ شَئٍ" پر رفع پڑھیں، تو "خلقنٰهُ بقدرٍ" یه ساری اسکی خبر ہے۔ لیکن اس صورت میں وہم پڑتا ہے، که شائد خبر "بقدرٍ" ہے۔ اور "خلقنٰهُ" کلُّ شئٍ کے لئے صفت ہے۔ اور اس سے معنیٰ خراب ہو جاتا ہے۔ تو دیکھو التباس آرہا ہے خبر کا صفت کے ساتھ۔ لہٰذا نصب پڑھنا اولیٰ، که اس صورت میں پھر یه خرابی لازم نہیں آتی۔

اگر ہم خلقنٰهُ کو کلُّ شئٍ کی صفت بنا دیں گے، اور بقدرٍ کو خبر۔ تو ترجمه یوں بنے گا۔ اور ہم نے پڑھا ہے که موصوف صفت کا ترجمه کرتے ہوئے، "ایسا" یا ایسی کا لفظ لے آتے ہیں۔ ترجمه : بے شک که ہم ہر ایسی چیز جسے ہم نے پیدا کیا ہے، وہ ایک اندازے کے ساتھ ہے۔ اس معنیٰ سے یوں معلوم ہوتا ہے که بعض چیزیں ایسی بھی ہے که جسے اللہ نے پیدا نہیں فرمایا۔ حالانکه ہر چیز کی خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

اور اگر کلَّ شئٍ کو منصوب پڑیں، تو یه "ما اضمر علیٰ شریطة التفسیر" کے قبیل سے ہوا۔ اور یہاں خلقنا فعل محذوف نکالیں گے۔ تو اس سے معنیٰ میں خرابی نہیں آتی۔ لہٰذا کل شئ کو مرفوع بھی پڑھا جاسکتا ہے اور منصوب بھی۔ لیکن منصوب پڑھنا اولیٰ ہے۔

آگے صاحب کافیه اُن جگہوں کے بارے میں بتلائے گا جہاں رفع اور نصب دونوں پڑھنا برابر ہیں۔ وَ یَستوِی الامرانِ اور دونوں جگہیں برابر ہیں۔ یعنی رفع پڑھنا بھی ٹھیک اور نصب پڑھنا بھی ٹھیک۔ فی مثلِ اس قسم کے مثالوں میں زیدٌ قام و عمروًا اکرَمْتُهُ یہاں آپ زیدٌ قام و عمرٌو اکرَمْتُهُ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یه وہ مقام ہے، که جس کو آپ "ما اضمر عامله علیٰ شریطة التفسیر" بنانا چاہتے ہیں۔ اس کا عطف ہو رہا ہو ماقبل جملے پر۔ اور ماقبل میں ایسا جمله اسمیه ہو که جسکا خبر فعل یعنی جمله فعلیه ہو۔ اور "زیدٌ قام" ایسا جمله اسمیه ہے که جسکا خبر جمله فعلیه ہے۔ اس پر آگے "عمرًوا اکرَمْتُهُ" کا عطف آرہا ہے۔ تو عمرًوا پڑھنا بھی جائز اور عمرٌوا پڑھنا بھی جائز۔

دونوں کیوں برابر ہیں؟ اسکی وضاحت:

اگر اس کو عمرٌو اکرمْتُهُ بنا دیں گے، تو حرف عطف سے ماقبل بھی جمله اسمیه اور مابعد میں بھی جمله اسمیه۔ تو جمله کا عطف جمله پر ہو جائے گا۔ اور پہلا جمله بھی اسمیه اور ثانی جمله بھی اسمیه۔ تو اس سے حُسَن آیا۔

اور اگر آپ اسکو عمرًوا پڑھتے ہیں۔ تو پھر جملہ یوں بنے گا، "زیدٌ قامَ و اکرمتُ عمرًوا اکرَمْتُهُ"۔ تو اکرمتُ عمرًوا ہوا مفسَّر اور اکرمتُهُ ہوئی اسکی تفسیر۔ مُفسَّر تفسیر ملکر انکا عطف ہوگا ماقبل پر۔ اور پھر اسکا عطف قامَ پر کر دیں گے۔ قامَ جملہ فعلیہ ہے، اور "اکرمتُ عمرًوا اکرمتهُ" بھی جملہ فعلیہ ہے۔ تو جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر آیا۔ تو اس سے بھی حُسَن آیا۔ لہذا عمرٌو اور عمرًوا دونوں پڑھنا جائز ہیں۔

نوٹ: قامَ پورا جملہ معطوفٌ علیہ ہے۔ اسکے اندر ھو ضمیر عائد ہے جو کہ راجع ہے مبتدا زیدٌ کو۔ لیکن اکرمتُ عمرًوا جو کہ مفسَّر اور اکرمتهُ تفسیر ہے۔ مفسَّر اور تفسیر ملکر یہ معطوف ہوا۔ لیکن اس معطوف کے اندر کوئی عائد نہیں جو زیدٌ مبتدا کولوٹے۔ اکرمتهُ کی ہا ضمیر عمرًوا کو راجع ہے۔ تو اس صورت میں معطوف کے اندر عائد کو مخذوف ماننا پڑے گا۔ یعنی "اکرمتُ عمرًوا اکرمْتُهُ فی دارِہٖ" یا "اکرمتُ عمرًوا اکرمتُهُ عندَہٗ"۔ کوئی ایک محذوف نکالنا پڑے گا۔ اور معطوف میں عائد اس لئے نکالا، کیونکہ معطوف اور معطوفٌ علیہ کا حکم ایک ہوتا ہے۔ جب معطوفٌ علیہ میں عائد ہو تو معطوف میں بھی عائد موجود ہونا چاہیئے۔

اختیار نصب والی جگہیں بھی گزر گئیں۔ اور اختیار رفع والی جگہیں بھی گزر گئیں۔ اور جہاں دونوں کا پڑھنا برابر تھا، وہ جگہیں بھی گزر گئیں۔ اب صاحب کافیہؒ وہ جگہیں بتلاتے ہیں جہاں پر نصب کا پڑھنا واجب ہیں۔ **و یَجِبُ النَّصْبُ بعدَ حرفِ الشَّرطِ و حرفِ التَّحْضِیْضِ** اور نصب واجب ہے حرف شرط کے بعد اور حرف تحضیض کے بعد۔ حروف شرط تین ہیں۔ اِنْ، لَوْ اور اَمَّا۔ اَمّا کی بات پہلے گزر چکی ہے۔ کہ اگر اَمَّا طلبی کے ساتھ ہو تو نصب پسندیدہ، اور اگر اَمَّا غیر طلبی کے ساتھ ہو تو رفع پسندیدہ۔ اب بات رہ گئی اِنْ اور لَوْ کی۔ تو حروف شرط سے یہاں "اِنْ اور لَوْ" مراد ہیں۔ ان دونوں کے بعد جب اسم آئے گا تو اس پر نصب پڑھنا واجب ہے۔

جیسا کہ "اِنْ زیدًا ضربتَهُ" میں آپ "اِنْ زیدٌ ضربتَهُ" نہیں پڑھ سکتے۔ تو یہاں نصب پڑھنا واجب ہے۔ اور نصب پڑھنا اس لئے واجب ہے کہ یہ اِنْ اور لَوْ حرف شرط ہے، اور حرف شرط ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ س۔ یہ فعل پر کیوں داخل ہوتے ہیں؟ ج۔ کیونکہ یہ آتے ہیں شرط کے لئے، اور شرط میں تعلیق ہوتی ہے۔ اور تعلیق زمانے کے اندر ہوتی ہے۔ اور زمانہ فعل کے اندر ہوتا ہے۔ لہذا یہاں "اِنْ زیدًا ضربتَهُ" پڑھیں گے، اور اصل عبارت، "اِنْ ضربتَ زیدًا ضربتَهُ" ہے۔ تو دیکھو یہ "اِنْ" فعل پر داخل ہوا۔ **مثلُ اِنْ زیدًا ضربتَهُ ضربَکَ** اگر تو نے زید کی پٹھائی کی تو وہ بھی آپ کی پٹھائی کرے گا۔

حروف تحضیض: ھَلَّا، اَلَّا، لَوْ لَا اور لَوْمَا ہیں۔ یہ کسی کام پر دوسرے کو اُبھارنے کے لئے آتے ہیں۔ جیسا کہ، "ھَلَّا تضربُ زیدًا: تو زید کی پٹھائی کیوں نہیں کرتا۔ یعنی تجھے زید کی پٹھائی کرنی چاہیئے۔"

آگے صاحب کافیہ حرف تحضیض کی مثال پیش کر رہا ہے۔اور اگر حرف تحضیض آجائے، اور اس کے بعد اسم آجائے تو اب بھی نصب کا پڑھنا واجب ہے۔ اور مبتدا بناتے ہوئے رفع پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ یہ تحضیض کے لئے ہیں۔ اُبھارنے کے لئے ہیں۔ اور اُبھارا کسی فعل پر کیا جاتا ہے۔

یاد رکھو یہ حروف تحضیض ماضی پر بھی داخل ہوتے ہیں، اور مستقبل پر بھی۔ اگر مستقبل پر داخل ہو، پھر تو ابھارنے کے لئے ہے۔ جیسا کہ، هَلَّا تَضْرِبُ زيدًا: تو زید کی پٹھائی کیوں نہیں کرتا۔ یعنی تجھے زید کی پٹھائی کرنی چاہئے۔ اور کبھی یہ ماضی پر بھی آتا ہے، جیسا کہ، هَلَّا ضَرَبْتَ زيدًا: تو نے زید کی پٹھائی کیوں نہیں کی۔ یہ ملامت کے لئے ہے۔ تو یہ ملامت کر رہا ہے ایک فعل کے نہ کرنے پر۔

پس یاد رکھو یہ حروف تحضیض، هَلَّا، اَلَّا، لَوْلَا اور لَوْمَا کبھی اُبھارنے کے لئے آتے ہیں، اور کبھی ملامت کرنے کے لئے۔ لیکن ملامت فعل کے نہ کرنے پر کیا جائے گا، اور اُبھارا فعل کے کرنے پر کیا جائے گا۔ تو یہ فعل کے کرنے یا نہ کرنے پر ملامت یا ابھارنے کے لئے آتے ہیں، لہٰذا تو یہ داخل بھی فعل پر ہی ہوں گے اور اسم پر داخل نہیں ہوں گے۔ وَاَلَّا زيدا ضربتَهُ

درس 51۔ صاحب کافیہؒ ایسی جگہ ذکر فرما رہے ہیں، جہاں ہمزہ استفہام کے بعد اسم پر رفع پڑھنا واجب ہے۔ اور جہاں پر رفع واجب ہوتا ہے تو یہ "ما اضمر عامله علىٰ شريطة التفسير" کے قبیل سے سرے سے ہے ہی نہیں۔

اَ زيدٌ ذُهِبَ بِهٖ کی ترکیب۔ ہمزہ استفہام زیدٌ مرفوع لفظًا مبتدا ، ذُهِبَ فعل مجہول،آگے ہا ضمیر نائب الفاعل ذُھبَ کے لئے۔ با جارّہ، ھا ضمیر مجرور محلاً محلّ قریب کے اعتبار سے، اور ہا ضمیر مرفوع محلاً ہے محلّ بعید کے اعتبار سے کیونکہ یہ ذُھبَ کے لئے نائب الفاعل ہے۔ جار مجرور ملکر متعلق ہوئے ذُھبَ فعل سے۔ ذُھب فعل اپنے متعلق اور نائب الفاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر زید کے لئے خبر۔ مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔

اب یہاں پر زیدٌ کو "ما اضمر عامله علىٰ شريطة التفسير" کی قبیل سے نہیں بنا سکتے۔ اس لئے کہ جب اُس فعل یا فعل کے مناسب کو اُس اسم پر مسلط کرے تو وہ اُس اسم کو نصب دے گا۔ لیکن یہاں اگر ذُھب فعل زید پر مسلط کرے تو یہ زید کو نصب نہیں دے سکتا۔ اور اگر ذُھب کے مناسب اُذْهِبَ کو زید پر مسلط کرے تب بھی یہ زید کو نصب نہیں دے سکتا اور زید کو اپنا نائب الفاعل بنائے گا۔

تو معلوم ہوا کہ یہ " ما اضمر عامله علىٰ شريطة التفسير" کے قبیل سے نہیں۔ کیونکہ یہاں ذُھبَ کو بھی مسلط نہیں کر سکتے اور اس کے مناسب اُذْهِبَ کو بھی مسلط نہیں کر سکتے۔ تو معلوم ہوا یہاں نصب پڑھنا جائز نہیں بلکہ رفع پڑھنا واجب ہے۔

و ليس اَزيدٌ ذُهِبَ بِهٖ منهُ اور "اَزيدٌ ذُهِبَ بِهٖ" یہ "ما اضمر عامله علىٰ شريطة التفسير" میں سے نہیں ہے۔ اس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔ آگے فالرفعُ میں یہ "فا" فصیحہ کہلاتا ہے۔ فائے فصیحہ وہ ہوتی ہے جو

شرط محذوف پر دلالت کرے۔ یہاں شرط "اِذا کانَ الاَمْرُ کذٰلک" محذوف ہے۔ ای "اِذا کانَ الاَمْرُ کذٰلکَ فالرَّفْعُ"۔ نیز الرفعُ مبتدا ہے اور "واجبٌ" اسکی خبر محذوف ہے۔ فَالرَّفْعُ ای اذا کانَ الامْرُ کذالک فالرَّفْعُ واجبٌ: اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو پھر رفع واجب ہے۔ یعنی جب یہ "ما اضمر عاملہ علیٰ شریطة التفسیر" کی قبیل سے ہے ہی نہیں، تو پھر رفع پڑھنا واجب ہے۔

و کذلکَ اور اسی طرح یہ آیت بھی ہے۔ کُلُّ شيءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ پہلی ترکیب:(یہاں کلُّ شيءٍ نکرہ ہے اور اس کے بعد فعل آیا ہے۔ تو عموماً یہ موصوف صفت بنتے ہیں۔) کلُّ شيءٍ:موصوف، فَعَلُوْهُ: اسکی صفت، موصوف صفت ملکر مبتدا، فی الزُّبر خبر: ترجمہ: کلُّ شيءٍ: ہر ایسی چیز، فَعَلُوْهُ: جو اُنہوں نے کی ہیں، فی الزُّبُرِ: وہ صحیفوں میں ہیں۔ زبُر یہ جمع ہے زَبور کی۔ اور زبور صحیفے کو کہتے ہے۔ یعنی نامۂ اعمال مراد ہے۔

اگر کلُّ شيءٍ کو منصوب پڑھتے تو پھر معاملة خراب ہو جاتا۔ اسی لئے کہتے ہیں، کہ یہ "ما اضمر عاملہ علیٰ شریطة التفسیر" کے قبیل سے نہیں۔ اگر ہم "کلَّ شيءٍ" پڑھے، تو پھر اس کے لئے فعل محذوف "فعلوا" نکالتے۔ یعنی "فعلوا کلَّ شيءٍ فعلوهُ فی الزُّبُرِ"۔ تو یہ جملہ فعلیہ بن جاتا۔ اور جملہ فعلیہ کے لئے کسی خبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور "فی الزُّبُرِ" کو جو ہم نے پہلے خبر بنایا تھا، اب یہ خبر نہیں بن سکتا، یا تو یہ "فعلوا" اسی فعل سے متعلق ہو جائے گا۔ نیز ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جار مجرور جب نکرہ کے بعد آئے تو وہ صفت بنتا ہے۔ اور یہاں "کلَّ شيٍ نکرة ہے، اور آگے فی الزُّبرِ جار مجرور یہ "کلَّ شيءٍ" کے لئے صفت بن جائے گا۔ تو "فی الزُّبر" میں دو صورتیں ہیں۔ چونکہ موصوف صفت کے درمیان فصل جائز نہیں۔ لیکن فرض کریں ہم پھر بھی اس کو موصوف صفت بنا ہی لیتے۔ تو پھر بھی دونوں صورتوں میں معنیٰ درست نہیں رہتا۔

پہلی صورت: ہم اس میں "فی الزُّبرِ" کو متعلق کرتے ہیں، فعل سے۔ ای فعلوا کلَّ شيءٍ فعلوهُ فی الزبرِ: تو اس صورت میں، صحیفے یعنی نامۂ اعمال اُن کے وُقوع فعل کی جگہ بن جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ وقوع فعل کی جگہ نہیں۔ مثال سے بات سمجھ میں آئیگی۔ مثلاً ضربتُ زیدًا فی الدار۔ تو یہ فی الدار متعلق ہے ضربتُ سے۔ اور اسکا معنیٰ یہ ہے کہ یہ ضربٌ گھر میں واقع ہوئی ہے۔ اب دیکھو، "فعلوهُ فی الزبرِ" : ہر چیز اُس نے صحیفوں میں کی ہے۔ یعنی نامۂ اعمال میں کی ہے۔ یعنی یہ فعل نامۂ اعمال میں سر انجام دیا ہے۔ یعنی وہ نامۂ اعمال وقوع فعل کا محل بن گیا، حالانکہ نامۂ اعمال میں یہ فعل سرانجام نہیں دیا گیا ہے۔ تو اس سے معانی میں خرابی آگئی۔ کیونکہ "فی" آیا ہے۔ اور فی ظرفیت کے لئے آتا ہے۔ اور یہ بتلاتا ہے کہ مابعد ظرف ہے۔ تو فعلوہ فی الزبر میں بھی فی آیا، تو معلوم ہوا کی فعل کی وقوع کی جگہ زُبر ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ وہاں تو صرف لکھا جاتا ہے۔ فعل تو دنیا کے اندر سرانجام دیا جاتا ہے۔

دوسری صورت: اگر ہم "فی الزبر" کو "کُلَّ شيءٍ" کے لئے صفت بنائے۔ تو پھر بھی معنیٰ خراب ہو جاتا ہے۔ اور اس صورت میں "فعلُوا کُلَّ شَيءٍ فِي الزُّبُرِ فَعلوهُ" معنیٰ بن جائے گا۔ "فی الزبر" کو صفت بنایا تو "کُلَّ شيءٍ" کے ساتھ لکھا۔ تو معنیٰ یوں بن جائے گا۔ فعلُوا اُنہوں نے کیا کُلَّ شَيءٍ ہر اُس چیز کو جو فِي الزُّبُرِ جو صحیفوں کے اندر ہے۔ یعنی صحیفوں میں جو کچھ ہیں، وہ کام اُنہوں نے کیا۔ تو معنیٰ خراب پڑتا ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ صحیفوں میں لکھا ہے وہ انسان کو کرنا پڑتا ہے یا جو انسان کرتا ہے وہ صحیفوں میں لکھا جاتا ہے۔ تو ظاہری بات ہے جو انسان کرتا ہے وہی صحیفوں میں لکھا جاتا ہے۔ تو اب یہی معنیٰ بنتا ہے کہ جو کچھ صحیفوں میں لکھا گیا ہے، انہوں نے وہ کیا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ یعنی یہاں مجبور ہونے والا معنیٰ آ گیا۔ تو یہ بھی درست نہیں۔ لہٰذ رفع پڑھنا واجب، "کلُّ شيءٍ فعلوهُ فی الزبرِ"۔ تو اس صورت میں "کلُّ شيءٍ موصوف، فعلوهُ اس کی صفت، موصوفت صفت ملکر مبتدا، اور فی الزبر خبر۔

ترجمہ: ہر وہ چیز جو انہوں نے کی ہے وہ صحیفوں میں ہے۔

و نحوُ الزَّانيةُ و الزَّانِي فَاجلِدُوا كُلَّ واحدٍ مِّنهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

یاد رکھو! آپ نے سُنا ہے، سات قرأتیں مشہور ہیں۔ اور اُن ساری قرأتوں کے اندر "الزَّانيةُ والزَّانِيُ" کو مرفوع پڑھا گیا ہے۔ حالانکہ بظاہر تو یہ خیال آتا ہے کہ یہاں نصب پسندیدہ ہونا چاہئے۔ بھئی یہ نصب کیوں پسندیدہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہم نے نصب کے پسندیدہ ہونے کی جگہیں صاحب کافیہ علامہ ابن حاجبؒ نے یہ لکھی تھیں، "و يُختَارُ النصبُ بالعطفِ على جملةٍ فعليةٍ للتناسُبِ وَ بعدَ حرفِ النَّفْيِ و الاستفهامِ وَإِذَا الشَّرْطِيَّةِ و حيثُ و فی الامرِ والنَّهْيِ"۔یعنی کہ "امر اور نہی" کے اندر نصب پسندیدہ ہے۔ یعنی اُس اسم کے بعد "امر اور نہی" آنا چاہئے۔ اور یہاں بھی "الزانيةُ والزَّانِي" کے بعد امر "فاجلدوا" آ رہا ہے۔ اور امر کے آنے سے نصب پسندیدہ ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی بظاہر یہ لگتا ہے کہ نصب کا پڑھنا پسندیدہ ہونا چاہئے۔ لیکن ان سات کے سات قرأتوں کے اندر قُرَّأَ حضرات نے رفع ہی پڑھا ہے۔

تو اب "الزانيةُ والزَّانی" کو اس ضابطہ سے نکالیں گے، نحوی محتاج ہوئے کہ اس میں حیلہ کریں، اس لئے کہ اگر اس میں حیلہ نہیں کرتے تو اس جگہ میں نصب پسندیدہ ہے۔ اور قُرَّاء سارے رفع پڑھ رہے ہیں۔ یعنی سارے قرّاء غیر مُختار پر اکھٹے ہوئے۔ تو یہاں حیلہ کرنے کے لئے دو مذاہب ہیں۔ ایک امام مُبرِّدؒ کا ہے۔ (یہ لفظ معروف مُبَرِّدْ ہے۔ لیکن استاد محترم مولانا محمد زهیر روحانی بازی مد ظلہ العالی کو مُبَرِّدْ کہنا پسند ہے۔ کہتے ہیں یہ اُن کے استاد نے اُنہیں کہا تھا، اُن سے کسی بات پر خوش ہوئے تھے، تو فرمایا، "اَنتَ المُبَرِّدْ": یعنی آپ حق کو ثابت کرنے والے ہے۔ تو بعد میں مخالفین نے مُبَرِّدْ کو مُبَرَّدْ سے بدل دیا۔) امام مبرد اسکو ایک جملہ بناتے ہیں، جبکہ امام سیبویہؒ انکو دو جملے بناتے ہیں۔

مبتدا کے اندر ہم نے پڑھا تھا، کہ کبھی کبھار مبتدا کے اندر شرط والا معنیٰ پایا جاتا ہے، تو اس کی خبر پر "فا" کا داخل کرنا جائز ہے۔ اور یہ "فا" کا داخل کرنا اُس وقت ہے جب مبتدا میں ایسا اسم

موصول ہو جسکا صلہ فعل ہو یا ظرف ہو۔ یا مبتدا ایسا نکرہ ہو کہ ظرف یا فعل کے ساتھ موصوف ہو رہا ہو۔ تو یہ بھی اُسی طرح کا مقام ہے، "الزانیۃُ والزانی" ۔ (دیکھو آپ نے پڑھا ہے، اسم فاعل اور اسم مفعول پر جو الف لام داخل ہوتا ہے وہ الذی کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ وہ دراصل اسم موصول ہے جو کہ الف لام کی صورت میں آیا ہے۔) تو الزانیۃُ اصل میں الّتی زنتْ ہے۔ اور والزانی اصل میں والذی زنیٰ کے معنیٰ میں ہے۔ (جیسا کہ الضاربُ : الذی یَضربُ یا الذی ضربَ کے معنیٰ میں تھا۔ اور المضروبُ: الذی یُضْربُ یا الذی ضُربَ کے معنیٰ میں تھا۔) تو کلام یوں ہوگا، "الَّـتِـی زَنَتْ و الذی زنیٰ فاجْلِدُوا"۔ تو اس میں الّتِی مبتدا ایسا اسم موصول ہے کہ جس کا صلہ زَنَتْ فعل آرہا ہے۔ اور مبتدا جب ایسا اسم موصول ہو کہ جسکا صلہ فعل آرہا ہو، تو وہ متضمن ہوتا ہے معنیٰ شرط کو۔ لہٰذا اُسکی خبر پر "فا" کا داخل کرنا جائز ہے۔ الّتی زنتْ معطوفٌ علیہ ہے، اور "الذی زنیٰ" یہ معطوف ہے۔ معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے ملکر مبتدا، اور فاجلدوا آگے اس کی خبر آرہی ہے۔ تو چونکہ یہ مبتدا متضمن ہے معنیٰ شرط کو تو اس کے خبر پر فا کا داخل کرنا جائز ہے۔ تو امام مبردؒ نے اس کو "ما اضمر عاملہ علیٰ شریطۃ التفسیر" کے قبیل سے نکال دیا۔

جبکہ امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ یہ دراصل دو جملے ہیں۔ یعنی "الزانیۃُ و الزانِیْ" اور "فاجلدوا کلَّ واحدٍ منھما مائۃَ جلدۃٍ" یہ دوسرا جملہ ہے۔ اصل میں "الزانیۃُ و الزانِیْ" یہ ہے مبتدا، اور انکی خبر محذوف ہے۔ اور اس سے پہلے مضاف بھی نکالو، ای "حُکمُ الزانیۃِ والزانِی" تو یہ مبتدا بن گیا۔ اور اسکی خبر، "فیما یُتْلیٰ علیکُم بعدُ"۔ اللہ فرماتے ہیں، زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد کا حکم، فیما: اُس آیت کے اندر ہے، یُتْلیٰ علیکم بعدُ: جو تم پر بعد میں تلاوت کی جا رہی ہے۔ فیما کے اندر "ما" آیت سے عبارت ہے۔ تو اس آیت میں وعدہ کیا گیا، کہ اگلی آیت میں ہم زانی اور زانیہ کا حکم بتلانے والے ہیں۔ پھر فورًا ہی تفصیل آگئی، "فاجلدوا:اُن کو کوڑے لگاؤ، ہر ایک کو سو کوڑے"۔

تو اب "فیما یتلیٰ علیکم بعدُ" اس "حکمُ الزانیۃ و الزانی" کے لئے خبر ہے ۔ تو مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہوا۔ اور "فاجلدوا کلَّ واحدٍ منھما مائۃَ جلدۃٍ" جملہ فعلیہ ہوا۔

لہٰذا حیلہ کرکے اِس کو "ما اضمر عاملہ علیٰ شریطۃ التفسیر" سے نکال دیا۔

الفاءُ بمعنی الشرط فاجلدوا کی "فا" شرط کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی بسبب شرط کے ہے، جو جزا پر داخل ہے، کیونکہ مبتدا متضمن تھا معنیٰ شرط کو۔ تو اسکی خبر پر فا کا داخل کرنا جائز۔ **عند المبرد** امام مبرِّد کے نزدیک۔ اسکی تفسیر اوپر گزر گئی۔ **و جملتان عند سیبویہ** اور دو جملے ہیں، امام سیبویہؒ کے نزدیک۔ اس کی تفسیر بھی اوپر گزر گئی۔ جس میں پہلا جملہ اسمیہ تھا اور دوسرا جملہ فعلیہ تھا۔ **والّا** ای وَاِنْ لَمْ یَکُنْ کَذٰلِکَ: اور اگر ایسا نہ ہو، اِلّا سے پہلے جب واو آجائے تو یہ استثناء نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ وَ

اِنْ لَا ہوتا ہے۔ تو نون کو لام کر کے لام میں ادغام کیا، تو وَ اِلَّا بن گیا۔ **فالمختارُ النَّصبُ** تو پھر پسندیدہ نصب ہے۔ یعنی اگر یہ "فا" بمعنیٰ شرط کے نہ ہو یا یہ دو جملے نہ ہوں، تو پھر پسندیدہ نصب ہے۔ لیکن نصب تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ کسی ایک بھی قرأت میں نصب ثابت نہیں۔

الرابعُ یہ چوتھی جگہ ہے جہاں پر مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ صاحب کافیہؒ نے بتلایا تھا کہ چار جگہ پر مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اُن مقامات میں سے پہلا سماعی ہے، دوسرا منادیٰ، تیسرا "ما اضمر عاملہ علیٰ شریطۃ التفسیر" ہے۔ اور چوتھا اُن میں سے "تحذیر" ہے۔ لغت میں تحذیر کا معنیٰ ہے ڈرانا۔ اور اصطلاحی تعریف خود صاحب کافیہؒ فرما رہے ہیں۔

التَّحذِیْرُ ڈرانا، آگے تحذیر کی تعریف ہے۔ **و ھو معمولٌ بتقدیرِ اِتَّقِ** اور تحذیر معمول ہے جو "اِتَّقِ" کے تقدیر کے ساتھ ہو۔ یعنی اِتَّقِ وہاں مُقَدَّر ہو۔ یہاں معطوف محذوف ہے۔ ای وَ ھو معمولٌ بتقدیرِ اتَّقِ و نحوہٖ۔ یعنی "اِتَّقِ اور اِتَّقِ جیسے الفاظ" کے ساتھ وہ معمول ہوتا ہے۔ جیسا کہ بَعِّدْ بمعنیٰ دور ہو جاؤ اور اِتَّقِ بمعنیٰ بچو۔ تو اِتَّقِ یا اس جیسے الفاظ اس میں عامل ہوتے ہیں۔ **تحذیرا** ڈرانے کے لئے۔ تحذیرًا مفعول لہٗ ہے۔ مفعول لہٗ وہ ہوتا ہے جو ماقبل فعل کی علّت کو بیان کرے، جیسا کہ ضربتُ زیدًا تادیبًا میں تادیبًا مفعول لہ ہے جس نے ضرب کی علّت(ادب سکھانا) بیان کر دی۔ تو یہ تحذیرا بھی مفعول لہ ہے۔ جو فعل کے علّت کو بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔ یعنی تحذیر معمول ہوتا ہے اِتَّقِ یا اِتَّقِ جیسے الفاظ کی تقدیر میں، ڈرانے کے لئے۔ اور یہ ڈرانا کس سے ہوتا ہے۔ آگے صاحب کافیہؒ بیان فرما رہا ہے۔ **ممّا بعدَہٗ** اُس چیز سے جو اُس کے بعد آتی ہے۔ یعنی اُس چیز سے ڈرانے کے لئے جو اُس کے بعد آتی ہے۔ جیسا کہ "ایّاک والاسدَ" میں ایّاک تحذیر ہے، اور اِیَّاکَ مفعول بہ کے عامل کو حذف کیا گیا ہے۔ اور اس کو کس سے ڈرایا جاتا ہے؟ ما بعد میں جو الاسد آ رہا ہے اس سے ڈرایا جاتا ہے۔ تو اس وجہ سے اِیَّاک مفعول بہ کے عامل کو حذف کیا گیا۔ یہ تحذیر کا ایک قسم ہوا۔ آگے صاحب کافیہ اس قسم کے بارے میں دو مثالیں بیان فرمائیں گے۔

اب صاحب کافیہ تحذیر کی دوسری قسم کے بارے میں بتلاتے ہیں۔ **او ذُکر الْمُحَذَّرُ منہ مُکَرَّرا** اور یا "مُحَذَّر منہ" کو مکرّر ذکر کیا جائے۔ محذر منہ: وہ چیز جس سے ڈرایا جائے۔ جیسا کہ مثال آگے آرہی ہے، الطریق الطریق۔ دیکھا راستہ سے ڈرایا جاتا ہے تو اسکو دو دفعہ ذکر کیا۔

تحذیر کے بحث کا خلاصہ: تحذیر کی پہلی قسم: تحذیر وہ معمول ہے جو اِتَّقِ یا اِتَّقِ جیسے عامل کی تقدیر کے ساتھ ہو، مابعد سے ڈرانے کے لئے ۔ تحذیر کی دوسری قسم: اس میں محذَّر منہ کو مکرّر ذکر کیا جاتا ہے۔

اب صاحب کافیہؒ تحذیر کی پہلی قسم کے بارے میں دو مثالیں ذکر فرمائیں گے۔ مثلُ ایاک والاَسَدَ پہلا مثال۔ یہ اسم صریح کی مثال ہے۔ و ایاک وَ اَنۡ تَحۡذِفَ دوسری مثال: یہ اسم مؤوّل کی مثال ہے۔

پہلی مثال "ایّاک والاسدَ" میں الاسد اسم صریح ہے۔ یعنی الاسد صراحتًا ایک اسم ہے۔ اور دوسری مثال "و ایاک و اَنۡ تحذِفَ" میں تحۡذِفَ فعل ہے اور ایک جملہ ہے۔ اور اس پر اَنۡ داخل ہوا۔ اور اَنۡ جب فعل پر داخل ہوتا ہے تو اسکو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ اور مصدر بھی اسم ہے۔ تو یہ "اَنۡ تحذِفَ" اسم مُؤوَّل ہے۔ یعنی یہ تاویلاً اسم ہے۔

پہلے مثال کے لئے اِتَّقِ جیسا لفظ بَعِّدۡ نکالیں گے۔ یعنی ایّاک میں عامل بَعِّدۡ ہوگا۔ ایّاک والاسدَ اصل میں "بَعِّدۡ نَفۡسَکَ عنِ الاَسَدِ" و بَعِّدِ الاَسَدَ عَنۡ نفسِکَ۔ اب یہ "ایّاک والاسدَ" کیسے باقی رہا۔ اس کی تفصیل نیچھے درج ہے۔

ترکیب کے اعتبار سے ترجمہ: بَعِّدۡ نَفۡسَکَ :تو اپنے نفس کو دور کر، عنِ الاَسَدِ : شیر سے۔ و بَعِّدِ الاَسَدَ: اور تو شیر کو دور کر، عَنۡ نفسِکَ: اپنے نفس سے۔ اور اصل معنیٰ یہ ہے "شیر سے دور رہو۔ یا شیر سے دور ہو جاؤ"۔

تو اس کے اندر عامل کو حذف کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وقت کم ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ نے کسی کو فورًا متنبہ کرنا ہے۔ تو لہٰذا اب پورا کلام کہیں گے تو بڑا طویل ہو جائے گا۔ تو عامل وغیرہ حذف کئے اور فورًا کہہ دیا، "ایاک والاسدَ"۔ اسی طرح اگر کسی پر دیوار گرنے والا ہو، تو مختصر کلام کرنا ہوتا ہے، یعنی "الجدارَ الجدارَ" کہنا ہوگا۔ یعنی دیوار سے بچو۔ تو مخاطب بات کو فورًا سمجھ جائے گا اور خطرے سے بچ جائے گا۔

ایّاک والاسدَ کیسے بنا؟ بَعِّدۡ نفسَکَ عنِ الاسدِ میں "عن الاسدِ" جار مجرور کو اس لئے حذف کیا کیونکہ آگے آنے والا لفظ "الاسدَ" اس پر دلالت کر رہا ہے۔ تو "بَعِّدۡ نَفۡسَکَ " رہ گیا۔ پھر بَعِّدۡ بھی حذف کیا تو "نفسَکَ" رہ گیا۔ پھر "نَفۡسَکَ" کو "ایّاک" سے بدل دیا۔ یہ کیسے بدلا؟ اس کی تفصیل یہ ہے۔

اصل میں ہے "دور کرو" اور کس کو دور کرو، یعنی اپنے آپ کو دور کرو، یعنی بَعِّدۡکَ: جس کا معنیٰ ہے اے مخاطب تو اپنے آپ کو دور کر۔ تو بَعِّدۡ فعل امر کے اندر فاعل انت ضمیر، اور بعدکَ میں بھی کاف ضمیر مخاطب کی ضمیر ہے۔ تو فاعل بھی مخاطب کی ضمیر اور مفعول بھی مخاطب کی ضمیر اور یہ پسندیدہ نہیں۔ پس لہٰذا جب فعل کے اندر فاعل اور مفعول ایک ہی چیز کی ضمیر ہو تو پھر اُس کو بدلتے ہیں۔ ایسے صورت میں بَعِّدۡکَ کی بجائے نفس کا لفظ درمیان میں لے آتے ہیں۔ اور اس "نفس" کو مفعول بناتے ہیں، تو "بَعِّدۡ نَفۡسَکَ": تو اپنے نفس کو دور کر، بن گیا۔ تو پہلے یہ خرابی لازم آتی تھی کہ فاعل کی بھی وہی

ضمیر اور مفعول کی بھی وہی ضمیر۔ اب فاعل کی ضمیر ہے انتَ اور مفعول نفس کا لفظ بن گیا، اور کاف اب ضمیر نہ رہی، کیونکہ وہ تو مضافٌ الیہ بن گیا۔

عام افعال کے اندر یہ پسندیدہ نہیں کہ فاعل کی بھی وہی ضمیر ہو اور مفعول کی بھی وہی ضمیر ہو۔ ہاں افعال قلوب کے اندر یہ جائز ہے کہ فاعل کی بھی وہی ضمیر ہو اور مفعول کی بھی وہی ضمیر ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "عَلِمْتُنِیْ فاضِلاً": میں نے اپنے آپ کو فاضل جانا۔ تو علمتُ میں تا ضمیر متکلم کی ہے، اور نِیْ: اپنے آپ کو، کے اندر پہلا مفعول بھی متکلم کی ضمیر ہے۔ اور افعال قلوب میں یہ اس لئے جائز ہے کہ وہاں پر دراصل جو مفعول ہوتا ہے وہ مفعول اوّل نہیں ہوتا بلکہ اصل مفعول ثانی ہوتا ہے۔ "علمْتُنِیْ فاضِلاً" میں فاضلاً مفعول ہے اصل میں۔ پس درحقیقت مفعول ثانی اور فاعل کی ضمیر دو مختلف چیزیں ہیں۔

تو عام افعال میں پھر نفس کا لفظ درمیان میں لاتے ہیں۔ تو "بَعِّد نفسک" ہوا۔ اور جب بَعِّد کو حذف کیا تو "نفسَکَ" رہ گیا۔ اور یہ نَفْس کو ہم بعِّد کی وجہ سے لائے تھے۔ اور جب ہم نے بَعِّد کو حذف کیا تو نفس کی ضرورت بھی نہ رہی۔ تو نفس کو بھی حذف کیا اور صرف "کاف" ضمیر رہ گیا۔ اور "کاف" تو ضمیر متصّل ہے۔ اور ضمیر متصّل تو کسی کے ساتھ جُڑی ہوئی آتی ہے۔ وہ تو اکیلی رہ ہی نہیں سکتی۔ تو پھر اس ضمیر منصوب متصل کو ضمیر منصوب منفصل سے بدلو اور اسکی جگہ "اِیّاکَ" لے آؤ۔ انتَ ضمیر مرفوع منفصل کی ضمیر ہے تو وہ نہیں لا سکتے۔ کیونکہ ہمیں منصوب منفصل کی ضمیر چاہئے۔ اور یہ مبتدا بنتا ہے۔ جیسا کہ، انتَ رجلٌ کریمٌ۔

اور اگلے جملے " بَعِدِ الاسَدَ عَنْ نفسِکَ" میں بھی اسی طرح ہے۔ اس میں "عَنْ نفسِکَ" کو حذف کیا۔ کیونکہ اِیّاک اُس پر دلالت کر رہا ہے۔ اور بعد کو بھی حذف کر لیا تو باقی الاسدَ رہ گیا۔ تو کلام ہوا "اِیّاکَ والاسدَ"۔ تو معنیٰ اسکا ہوا شیر سے دور رہو۔

بَعِّدْ نَفْسَکَ عَنِ الاَسَدِ کی ترکیب۔ بعد فعل انت ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل، نفسَ منصوب لفظًا مضاف، کاف ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ، مضاف اور مضاف الیہ ملکر مفعول ہوا بعِّد فعل کے لئے۔ عنِ الاسدِ جار مجرور بعد فعل سے متعلق ہوئے۔ بعد فعل اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو۔ اور دوسرا جملہ بھی جملہ فعلیہ انشائیہ ہے۔ یہاں تک اُس پہلی مثال کو وضاحت تھی۔

صاحب کافیہ نے تحذیر کی پہلی قسم کے لئے دوسرا مثال "و ایاک و ان تحذفَ" لایا تھا۔ اسکی کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ و ایاک و ان تحذفَ: تو بچاؤ اپنے آپ کو لاٹھی کو پھینک کر مارنے سے۔ یعنی اس سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ حَذَفَ: کسی کو لاٹھی یا ڈنڈا پھینک کر مارنا۔

تحذفَ فعل، انتَ ضمیر اس کے اندر اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر، پھر اَنْ کے داخل ہونے سے مفرد یعنی مصدر کے حکم میں ہوا۔ تو "اَنْ تَحْذِفَ" یہ "اَلْحَذْفَ" کے معنیٰ میں ہوا۔ تو یہ اصل میں یوں ہوا، "اِیَّاکَ و اَلْحَذْفَ"۔

تو اصل میں کلام یہ ہے، بَعِّدْ نَفْسَکَ عَنْ اَنْ تَحْذِفَ"۔ اور اگلا "بَعِّدْ اَنْ تَحْذِفَ عَنْ نَفْسِکَ" ۔ اسکی ترکیب بھی بَعِدْ نَفْسَکَ عَنِ الاَسَدِ کی طرح ہے۔ اور ان سے " و ایاک و الحذفَ" کی بناوٹ بھی اُسی طرح ہے۔

اب صاحب کافیہ تحذیر کی دوسری قسم کے لئے مثال ذکر فرما رہے ہیں۔ و الطریقَ الطَّریق یہ تحذیر کی وہ دوسری قسم ہے جس میں محذَّر منہ کو مکرَّر ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ اصل میں ہے، "اِتَّقِ الطَّریقَ الطَّریقَ"۔ تو یہاں اِتَّقِ کو حذف کرنا واجب، کیونکہ وقت کی کمی کی وجہ سے آپ کسی کو فورًا متنبہ کرنا چاہتےہیں۔ اسی طرح دیوار کسی پر گرنے والا ہو، تو آپ الجدارَ الْجِدارَ کہیں گے۔ یا آپ کے کوئی دو ساتھ کُشتی کر رہا ہیں۔ پاس ہی کوئی چھوٹا سا بچہ پڑا ہوا ہے۔ تو آپ اسکو خبردار کرنے کے لئے کہیں گے، "الصَّبِیَّ الصَّبِیَّ"۔ اسی طرح خطبہ میں بھی آتا ہے، "اللّٰہَ اللّٰہَ"۔

یہ طریق ثانی تاکید لفظی ہے اوّل کے لئے۔ کلام اصل میں، "اِتَّقِ الطریقَ الطریقَ" ہے۔

ترکیب۔ اِتَّقِ فعل اسکے اندر انت ضمیر اسکا فاعل، الطریقَ منصوب لفظًا مؤکد، الطریقَ تاکید، مؤکد تاکید ملکر مفعول ہوئے، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

اب صاحب کافیہؒ آگے آپ کو بتلائیں گا، کہ وہ جو پہلا کلام تھا، یعنی "ایّاک و الاسدَ" اور " ایّاک و اَنْ تَحذِفَ" اس عبارت کو بعض اور طریقوں سے ادا کرنا بھی صحیح ہے۔

و تقولُ اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ ایاک من الاسدِ یعنی بَعِّد نفسَکَ منَ الاسدِ ایک جملہ بنا۔ اور پہلے یہ دو جملے بنتے تھے۔ یعنی بَعِّدْ نفسَکَ عن الاسدِ اور بعِّدِ الاَسَدَ عَنْ نفسِکَ۔ و مِنْ اَنْ تَحْذِفَ ای اِیَّاک مِنْ اَنْ تحذِفَ ۔ یعنی ایّاک و اَنْ تَحذِفَ میں آپ " اِیَّاک مِنْ اَنْ تحذِفَ" بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ بھی اصل میں بَعِّدْ نفسَکَ مِنْ اَنْ تحذِفَ ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے، کہ صاحب کافیہؒ بتلانا یہ چاہتے کہ اسم صریح کے اندر بھی یوں کہنا جائز ہے اور اسم مؤوّل کے اندر بھی یوں کہنا جائز ہے۔

و ایاک اَنْ تحذفَ بتقدیر مِنْ یہ کہنا بھی جائز ہے۔ یعنی اِیَّاک مِنْ اَنْ تحذِفَ میں آپ من کو حذف بھی کر سکتے ہیں۔ اور " ایّاک اَنْ تحذفَ" کہہ سکتے ہیں۔ صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ اسم مؤوّل کے اندر آپ "مِنْ" کو حذف کر سکتے ہیں۔ و لا تقولُ ایاک الاسد اور آپ اس صریح کے اندر یوں نہیں کہہ سکتے "ایّاک الاسدَ"۔ یعنی اسم صریح سے آپ "مِنْ" کو حذف نہیں کر سکتے۔ آگے صاحب کافیہؒ اس کی وجہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اسم صریح سے "مِنْ" کیوں حذف نہیں کر سکتے۔ لِامْتِنَاعِ تقدیرِ مِنْ کیونکہ

"مِنْ" کی تقدیر یہاں ممتنع ہے-یعنی "مِنْ" کی تقدیر جائز نہیں۔ اِمتناع کا ہمزہ وصلی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اسم مؤوَّل سے تو "مِنْ" کو حذف کرنا جائز ہے، لیکن اسم صریح سے "مِنْ" کو حذف کرنا جائز نہیں۔ یعنی اِیَّاکَ اَنْ تحذفَ تو کہہ سکتے ہیں لیکن ایّاکَ الْاَسَدَ نہیں کہہ سکتے۔

اس کی وجہ یہ، یہ جو حرف مصدر ہے، "اَنْ" اور اسی طرح ایک حرف مصدر ہے، اَنَّ، یہ وہی اَنَّ ہے جو حرف از حروف مشبہ بالفعل ہے۔ وہ بھی مابعد جملے کو مفرد مصدر کے حکم میں کر دیا کرتا ہے۔ یہ اَنْ بھی مصدریہ ہے اور اَنَّ بھی مصدریہ ہے۔ اور عام کلام کے اندر اکثر اس اَنْ اور اَنَّ سے حرف جر کو حذف کیا جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ اَنْ اور اَنَّ کے آنے سے کلام پہلے سے بڑا لمبا ہو جاتا ہے۔ اب یہ تخفیف کا تقاضا کرتا ہے۔ تو اس وجہ سے حرف جر کو حذف کیا جاتا ہے تا کہ خِفَّت آجائے۔

اَنْ اور اَنَّ سے حرف جر کے حذف کرنے کی وجہ۔ مثلا کلام یوں ہے۔ "ایّاکَ والحذفَ" یا "ایّاکَ من الحذفِ" ۔ تو حذف تو ایک لفظ تھا۔ لیکن اب آپ کہہ رہے ہیں، ایّاکَ اَنْ تحذِفَ۔ تو "تحذِفَ" ایک فعل آیا، فعل کے ساتھ فاعل آیا، پورا جملہ بنا، پھر یہ "اَنْ" آیا۔ اَنْ کے لئے یہ صلہ بنا۔ اور پھر یہ اس مفرد کے حکم میں بنا۔ تو بات پہلے اتنی لمبی ہو چکی ہے۔ تو پھر "من" یا حرف جر کو حذف کر لیا جاتا ہے۔

پس اَنْ اور اَنَّ سے حرف جر کا حذف کرنا کثیر ہے۔ لیکن اسم صریح سے حرف جر کا حذف کرنا بہت شاذ ہے۔

سوال: آپ کہتے ہیں، کہ ایّاک الاسد نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ من کی حذف شاذ ہے۔ چلو ایسا کرتے ہیں کہ یہاں واو کو محذوف مانتے ہیں۔ یعنی ایّاک والاسدَ میں واو کو حذف کیا اور ایّاکَ الْاَسدَ کہا۔ یعنی حرف عطف کو محذوف مان لو تو پہلی قسم کی طرح ہو جائے گا۔ کہتے ہیں کہ مِنْ کا حذف کرنا تو شاذ ہے، اور یہ جو واو حرف عطف کا حذف کرنا ہے، یہ تو بہت بڑے درجے کا شاذ ہے۔ یہ تو انتہائی نادِر ہے کلام عرب کے اندر۔ یعنی یہ تو اَشَذِّ شُذُوْذْ ہے۔ یعنی بطریق اَوْلیٰ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔

درس 53۔ مفعول بہ کے بحث ختم ہونے کے بعد اب صاحب کافیہؒ مفعول فیہ کے بارے میں شروع کر رہے ہیں۔ **المفعولُ فیه** مفعول فیہ کی تعریف: **هو ما** ای هوَ اسْمُ ما: وہ نام ہے اُس چیز کا، یہاں اسم مضاف محذوف ہے۔ **فُعل فیه فِعْلٌ مذکورٌ** جس کے اندر فعل مذکور کو کیا جائے۔ **مِنْ زمانٍ او مکانٍ** یعنی کہ زمانہ یا مکان۔ یہ مِنْ بیان ہے "ما" کے لئے۔ یعنی "ما" سے مراد زمانہ یا مکان ہے۔ یعنی مفعول فیہ اُس زمانے یا مکان کا نام ہے، جس کے اندر فعل مذکور کو کیا جائے۔ جیسا کہ "الیومَ ضربتُ زیدًا" میں الیوم مفعول فیہ ہے۔

وَ شرطُ نَصْبِهٖ تقدیرُ فِیْ اور اس کے منصوب ہونے کی شرط تقدیر "فی" ہے۔ یعنی کہ "فی" وہاں مقدَّر ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ معنیٰ فی وہاں مقدَّر ہوتا ہے۔ جبکہ فی مقدر نہیں ہوتا۔ مثلاً ضربتُ زیدًا الیومَ ای ضربتُ زیدًا فی الیومِ: آج کے در میں نے زید کی پٹھائی کی۔ فی چونکہ ظرفیت کے لئے آتا ہے۔

اور یہ بھی ظرف ہے تو یہاں فی کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ اور ایسا نہیں کہ فی یہاں پر تھا اور پھر فی کو حذف کی۔ نہیں ایسا نہیں۔ فی یہاں سِرے سے ہے ہی نہیں۔ کیونکہ "المقدَّرُ کَالْـملفوظِ" ہوتا ہے۔ یعنی مقدَّر بھی ملفوظ کی طرح ہوتا ہے۔

چنانچہ علامہ سیوطیؒ "الاشباہ والنظائر" جلد 1 صفحہ 15 پر لکھتے ہیں، کہ یہاں پر "فی" کا معنیٰ مقدَّر ہوتا ہے۔

یہاں پر صاحب کافیہؒ نے جمہور نحویوں سے اختلاف کیا ہے۔ جمہور نحوی حضراتؒ فرماتے ہیں کہ مفعول فیہ ہمیشہ اُسی کو کہیں گے جو منصوب ہوگا۔ اور جس پر حرف جر "فی وغیرہ" داخل ہو جائے تو وہ مفعول فیہ نہیں کہلاتا، بلکہ وہ مفعول بہ غیر صریح کہلاتا ہے۔ جیسا کہ مررتُ بزیدٍ میں زید مفعول بہ غیر صریح ہے۔ کیونکہ مررتُ فعل لازم ہے اور فعل لازم مفعول کو نصب نہیں دے سکتا۔

اسی طرح جمہور نحویوں کے نزدیک ضربتُ زیدًا فی الیومِ میں الیوم مفعول بہ غیر صریح ہے۔ جبکہ ضربتُ زیدَنِ الیومَ میں الیوم مفعول فیہ ہے۔

جبکہ صاحب کافیہ علامہ ابن حاجبؒ جمہور علماء نحوؒ سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر "فی" کے ذریعے مجرور ہو تو وہ بھی مفعول فیہ ہے اور جو منصوب ہو وہ بھی مفعول فیہ ہے۔ تو صاحب کافیہؒ کے نزدیک "ضربتُ زیدَنِ الیومَ" میں بھی الیوم مفعول فیہ ہے۔ اور "ضربتُ زیدًا فی الیومِ" میں بھی الیوم مجرور بھی مفعول فیہ ہے۔

معلوم ہوا صاحب کافیہؒ کے نزدیک مفعول فیہ دو قسم پر ہے۔ منصوب بھی آسکتا ہے اور مجرور بھی آسکتا ہے۔ اس لئے صاحب کافیہؒ نے فرمایا " وَ شرطُ نَصْبِہٖ تقدیرُ فِیْ "۔ معلوم ہوا کہ اگر "فی" مقدَّر نہیں اور لفظوں میں آجائے، تو وہ منصوب نہیں ہوگا بلکہ مجرور ہوگا۔ مجرور ہوگا لیکن پھر بھی مفعول فیہ ہوگا۔

لیکن کوئی فرق نہیں یہ صرف اصطلاح کا فرق ہے۔ صاحب کافیہؒ بہت بڑے علّامہ ہے۔ اور امامِ دنیا ہے۔ "وَلَا مُشَاحَّۃَ فی الاصطلاحِ": اور اصطلاح میں کوئی بُخل نہیں۔ بس جمہور کے نزدیک مفعول بہ غیر صریح ہے اور اِن کے نزدیک مفعول فیہِ ہے۔

آگے صاحب کافیہؒ ظروف زمان اور ظروف مکان کا ذکر فرما رہے ہیں۔ پہلے اس کی تفصیل سمجھ لیجئے۔ یاد رکھو! مفعول فیہ کو ظرف بھی کہتے ہے۔ اور یہ زمانے اور مکان کا نام ہے۔ اور یہ زمانہ بھی دو قسم پر ہے۔ اور یہ مکان بھی دو قسم پر ہے۔ ایک ظرف زمان مُبہم ہے، ایک ظرف زمان محدود ہے۔ اسی طرح ایک ظرف زمان مُبہم ہے، ایک ظرف مکان محدود ہے۔

ظرف زمان مُبہم وہ ہے جسکی کوئی حد نہ ہو۔ اور ظرف زمان محدود وہ ہے جسکی کوئی حد ہو۔ مثلاً "دن، ہفتہ، مہینہ، سال، صدی" یہ سارے ظرف زمان محدود ہیں۔ اور ظرف زمان مُبہم، مثلاً، وقت

کا لفظ۔ اس کی کوئی حد نہیں۔ تھوڑا بھی ہو سکتا اور لمبا بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح، "حِیْنٌ بمعنیٰ وقت، دَھرٌ بمعنیٰ زمانہ" ظرف زمان مُبہم ہیں۔

ظرف مکان محدود کی مثال، جیسے مدرسہ، سکول، مسجد، شہر، ملک وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک کی ایک حد متعین ہے۔ لیکن کچھ ظرف مکان ایسے ہیں جن کی حد متعین نہیں۔ وہ ظرف مکان مُبہم کہلاتے ہیں۔ اور وہ چھ جہتیں، یعنی(اَمَام، خَلْف، یمین، شِمال، فوق، تحت بمعنیٰ آگے، پیچھے، دائیں، بائیں، اوپر اور نیچھے)۔ اور انہی پر محمول ہے، عندَ بمعنیٰ پاس اور لَدیٰ بمعنیٰ پاس، جیسے یہ چھ جہات مبہم ہے اسی طرح عند اور لدی بھی مبہم ہے۔ مثلاً، زیدٌ عندی: زید میرے پاس ہے۔ تو عندی کہنے سے جہت کا کوئی تعین نہیں ہوتا۔ زید جس جہت بھی آپ کے ساتھ نزدیک ہو تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ زیدٌ عندی۔

اب یاد رکھنا، ان میں سے جو ظرف مکان محدود ہے، یہ تقدیر "فی" کو قبول نہیں کرتا۔ یہاں "فی" کو لفظوں میں ذکر کرنا پڑے گا۔ مثلاً "جلستُ فی المسجدِ" کہیں گے۔ اور جلستُ المسجدَ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ مسجد ظرف مکان محدود ہے اور یہ تقدیر فی کو قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح "دار" بھی ظرف مکان محدود ہے۔ ضربتُ زیدًا فی الدارِ کہہ سکتے ہیں جبکہ "ضربتُ زیدَنِ الدارَ" نہیں کہہ سکتے۔

جبکہ باقی تین یعنی ظرف مکان مُبہم، ظرف زمان مُبہم اور ظرف زمان محدود، تقدیر معنیٰ فی کو قبول کر لیتے ہیں۔ جیسے "قُمْتُ وَقْتَ قِیَامِکَ": میں کھڑا ہوا، آپکے قیام کے وقت۔ تو دیکھو، وقت جو ظرف زمان مُبہم ہے اس نے تقدیر فی کو قبول کیا۔ ای قمتُ فی وقتِ قیامِکَ۔ اور ضربتُ زیدَنِ الیومَ میں الیومَ ظرف زمان محدود ہے جس نے تقدیر فی کو قبول کیا۔ اور ظرف مکان مُبہم کی مثال: قمتُ اَمَامَکَ۔ میں اَمَامَ ظرف مکان مبہم ہے اور اس نے تقدیر فی کو قبول کیا۔

وظُرُوفُ الزَّمانِ کُلّھا تَـقْبَلُ ذٰلِکَ اور ظروف زمان سارے کے سارے قبول کر لیتے ہیں تقدیرِ فی کو۔ذٰلک کے ذریعے "فی" کو اشارہ ہے۔ یعنی مُبہم اور محدود دونوں تقدیر فی کو قبول کر لیتے ہیں۔ **و** **ظروفُ المکانِ ان کان مبهما قَبِلَ ذٰلک** اور ظُروفِ مکان اگر مبہم ہو تو وہ تقدیر فی کو قبول کر لیتے ہیں۔ **وَالّا فلا** ای وَاِنْ لَمْ یَکُنْ کذٰلک: اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ تقدیر فی کو قبول نہیں کرے گا۔ یعنی اگر ظرف مکان محدود ہو تو وہ تقدیر فی کو قبول نہیں کریگا۔ فَلَا: ای فلا یَقْبَلُ تقدیرَ فی۔ یہ اِلّا استثنا کے لئے نہیں کیونکہ اس سے پہلے واو آیا ہے۔

وَ فُسِّرَ الْمُبْهَمُ بالجهاتِ السِتِّ اور ظرف مکان مُبہم کی تفسیر کی گئی ہے جہات سِتَّ کے ساتھ۔ یعنی چھ جہتیں ہیں۔ **و حُمِلَ علیه عندَ و لدیٰ** اور انہی پر محمول ہے عندَ اور لدیٰ بھی۔ یعنی عندَ اول لدیٰ ظرف مکان مُبہم پر محمول کئے گئے ہیں۔ **و شِبْهُهُما** اور جو اِن دونوں کے مشابہ ہیں۔ یعنی عندَ اور لدیٰ کے مُشابہ۔ اس سے مراد "دُوْنَ اور سِویٰ" ہیں۔ ان دونوں کو بھی ظرف مکان مُبہم پر محمول کیا گیا

ہے۔ یعنی دُوْنَ اور سِویٰ بھی تقدیر فی کو قبول کرتے ہیں۔ **لِاِبْہَا مِہِمَا** بوجہ ان کے ابہام کے۔ اِبْہام کا ہمزہ وصلی نہیں۔ یعنی دُوْنَ اور سِویٰ کے اندر بھی ابہام پایا جاتا ہے جس طرح عندَ اور لدیٰ کے میں ابہام پایا جاتا ہے۔ **و لفظُ مکانٍ** ای حُمِلَ علیهِ لفظُ مکانٍ: یہاں عندَ پر عطف ہو رہا ہے۔ یعنی انہی چھ جہات پر محمول ہے عندَ اور لدیٰ بھی اور لفظ مکان بھی۔ یعنی یہ بھی تقدیر "فی" کو قبول کر لیتا ہے۔ **لِکَثْرَتِہٖ** ای لکثرتِ اسْتِعْمَالِہٖ: بوجہ اس کے کثرت استعمال کے۔ یہ لفظ "مکان" چونکہ کثیرُ الاستعمال ہے۔ اس لئے اس کو ظرف مکان مبہم پر محمول کیا گیا۔ یعنی یہ مکان بھی تقدیر فی کو قبول کر لیتا ہے۔ میں کہتا ہوں، جلستُ مکانَکَ: میں آپ کے جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس نے تقدیر فی کو قبول کیا۔

وَ فُسِّرَ الْمُبْہَمُ بالجہاتِ السِتِّ اور ظرف مکان مُبہم کی تفسیر کی گئی ہے جہات سِتَّ کے ساتھ۔ یعنی چھ جہتیں ہیں۔ **و حُمِلَ علیه عندَ و لدیٰ** اور انہی پر محمول ہے عندَ اور لدیٰ بھی۔ یعنی عندَ اول لدیٰ ظرف مکان مُبہم پر محمول کئے گئے ہیں۔ **و شِبْہُھُما** اور جو اِن دونوں کے مشابہ ہیں۔ یعنی عندَ اور لدیٰ کے مُشابه۔ اس سے مراد "دُوْنَ اور سِویٰ" ہیں۔ ان دونوں کو بھی ظرف مکان مُبہم پر محمول کیا گیا

ہے۔ یعنی دُوْنَ اور سِویٰ بھی تقدیر فی کو قبول کرتے ہیں۔ **لِاِبْہَا مِہِمَا** بوجہ ان کے ابہام کے۔ اِبْہام کا ہمزہ وصلی نہیں۔ یعنی دُوْنَ اور سِویٰ کے اندر بھی ابہام پایا جاتا ہے جس طرح عندَ اور لدیٰ کے میں ابہام پایا جاتا ہے۔ **و لفظُ مکانٍ** ای حُمِلَ علیهِ لفظُ مکانٍ: یہاں عندَ پر عطف ہو رہا ہے۔ یعنی انہی چھ جہات پر محمول ہے عندَ اور لدیٰ بھی اور لفظ مکان بھی۔ یعنی یہ بھی تقدیر "فی" کو قبول کر لیتا ہے۔ **لِکَثْرَتِہٖ** ای لکثرتِ اسْتِعْمَالِہٖ: بوجہ اس کے کثرت استعمال کے۔ یہ لفظ "مکان" چونکہ کثیرُ الاستعمال ہے۔ اس لئے اس کو ظرف مکان مبہم پر محمول کیا گیا۔ یعنی یہ مکان بھی تقدیر فی کو قبول کر لیتا ہے۔ میں کہتا ہوں، جلستُ مکانَکَ: میں آپ کے جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس نے تقدیر فی کو قبول کیا۔

و مَا بعدَ دَخَلْتُ اس "ما" کا عطف بھی اس "لفظُ مکان" پر ہو رہا ہے یا "عندَ" پر ہو رہا ہے۔ ای وَ حُمِلَ علیهِ عندَ وَ حُمِلَ علیهِ لفظُ مکانٍ و حُمِلَ علیهِ ما بعدَ دخلتُ: یعنی ما بعد دَخَلْتُ بھی اسی ظرف مکان مُبہم پر محمول ہے۔ یعنی ما بعد دخلتُ بھی تقدیر فی کو قبول کرتا ہے۔ آپ کہتے ہیں، دَخَلْتُ الدارَ۔ الدار اگرچہ ظرف مکان محدود ہے۔ اور یہ تقدیر فی کو قبول نہیں کرتا۔ لیکن جب یہ دخلتُ کے بعد آتا ہے تو یہ تقدیر فی کو قبول کرتا ہے۔ اسی طرح دَخَلْتُ المسجدَ کہنا صحیح ہے۔ اور یہ بھی کثرت استعمال کی وجہ سے ہے۔ نیز نَزَلْتُ اور سَکَنْتُ کا بھی یہی حکم ہے۔ یعنی مابعدِ نزلتُ و ما بعدِ سکنتُ یہ دونوں بھی محمول ہے ظرف مکان مبہم پر۔ یعنی یہ دونوں بھی تقدیر فی کو قبول کرتا ہے۔ ای نزلتُ الدارَ: میں گھر میں نازل ہوا۔ یعنی اُترا یعنی پہنچا۔ و سکنتُ الدارَ: میں نے گھر میں رہائش اختیار کی۔

عَلى الأَصَحِّ مذہب اصح پر۔ یہ دخلتُ، نزلتُ اور سکنتُ میں نحویوں کے دو مذاہب ہیں۔ میں نے کہا، دخلتُ الدارَ، نحویوں کا ایک گروہ کہتا ہے یہ "الدار" مفعول بہٖ ہے۔ کیونکہ اس پر دُخول واقع ہوا ہے۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو دُخول کے بعد منصوب آتا ہے یہ مفعول بہٖ نہیں ہوتا بلکہ مذہب اصح کے مطابق مفعول فیہ ہوتا ہے۔ اور یہی اختلاف نزلتُ الدارَ میں بھی ہے اور سکنتُ الدارَ میں بھی ہے۔

آگے صاحب کافیہؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مفعول فیہ کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے۔ وَ

يُنْصَبُ بِعَامِلٍ مُضْمَرٍ و على شريطة التفسير اور نصب دیا جائے گا مفعول فیہ کو عامل مقدَّر کے ساتھ بلا شریطة التفسير کے اور علیٰ شریطة التفسير کے۔

بلا شریطة التفسير کے عامل کو حذف کرنے کی مثال:

مثلاً میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ متیٰ تُسَافِر: تو کب سفر کریگا۔ آپ کہتے ہیں، يَوْمَ الجُمْعَةِ: ای اُسافِرُ يَوْمَ الجُمُعَةِ: تو یومَ الجُمعةِ ظرف ہے۔ اور اس میں عامل "اُسافِرُ" ہے۔ اور آپ نے اس کو حذف کر دیا بغیر کسی تفسیر کے ۔ جیسا کہ زیدًا ضربتُهُ میں زیدًا مفعول بہٖ تھا۔ اور اسکے عامل ضربتُ کو حذف کیا گیا تھا۔ لیکن آگے اس کی تفسیر آرہی تھی۔ لیکن یہاں يَوْمَ الجُمُعَةِ کے عامل "اُسافِرُ" کو بلا کسی تفسیر کے حذف کیا۔ تو یہ حذف بلا شریطة التفسير ہے۔

اور حذف علیٰ شریطة التفسير کی مثال: مثلاً میں پوچھتا ہوں۔ مثلاً کوئی کہے۔ يَوْمَ الجُمُعَةِ صُمتُ فيهِ۔ اب دیکھو یومَ الجمعةِ ظرف ہے۔اور اس کے بعد فعل آرہا ہے۔ اور وہ فعل اسکے ضمیر کے اندر مشغول ہے۔ ہا ضمیر یومَ الجمعةِ کو راجع ہے۔ تو معلوم ہوا یومَ الجمعةِ ایک اسم ہے۔ اور صمتُ اس کے بعد ایک فعل آرہا ہے۔ اور وہ فعل مشغول ہے اسکے ضمیر میں۔ یعنی فیہ کے ہا ضمیر میں جو کہ راجع ہے یوم الجمعة کو۔ اس طور پر کہ اگر اسی فعل کو اس ماقبل کے ظرف پر مسلط کر دے تو یہ اس ظرف کو نصب دے سکے۔ تو یومَ الجمعةِ صمتُ فيهِ اصل صمتُ یومَ الجمعةِ صمتُ فیہ ہے۔

تو مفعول فیہ کے عامل کو حذف کرنا علیٰ شریطة التفسير بھی جائز ہے۔ اور بلا شریطةِ التفسير بھی جائز ہے۔

درس 54۔ المفعولُ له هو ما ای ھوَ اسْمُ ما، اسم مضاف محذوف ہے۔ : مفعول لہ نام ہے اُس چیز کا، فُعِلَ لِاَجْلِهِ فِعْلٌ مذكورٌ جسکی وجہ سے فعل مذکور کو کیا جائے۔ جیسا کہ ضربتُ زیدًا تادیبا: میں نے زید کی پٹھائی کی ادب سکھانے کے لئے۔ تو یہ تادیبًا مفعول لہ ہے۔ اسکی وجہ سے ماقبل کے فعل کو کیا گیا ہے۔ یعنی ضَرَبَ کو کیا گیا ہے۔ مثلُ ضربتُهُ تاديبًا میں نے اُس کی پٹھائی کی ادب سکھانے کے

لئے۔ یہ ادب سکھانا ضربتُ کے لئے علّت ہے۔ وقَعَدْتُّ عن الحربِ جُبْنًا میں بیٹھا جنگ سے بزدلی کی وجہ سے۔ تو یہاں یہ جُبْنًا سبب ہے قُعُوْد عنِ الحرب سے۔

یہاں صاحب کافیہؒ نے دو مثالیں ذکر فرمائیں۔ اسکے ذریعے وہ مفعول له کی دو قسمیں بیان کر رہے ہیں۔ یعنی کبھی فعل سبب ہوتا ہے مفعول له کا۔ اور کبھی مفعول له سبب ہوتا ہے فعل کا۔ یعنی کبھی وہ فعل پہلے ہوگا اور کبھی وہ مفعول له پہلے ہوگا۔ پہلے مثال میں دیکھیے: ضربتُهٗ تادیبًا، میں ضرب پہلے واقع ہوئی اور تادیبا بعد میں آتی ہے۔ یعنی ضربؔ کی وجہ سے تادیب حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسری مثال، قعدتُ عن الحربِ جُبْنًا: میں قعود عن الحرب پہلے سے نہیں جبکہ جبنا یعنی بزدلی پہلے سے ہے۔ بزدلی ہے تو قعود عن الحرب ہے۔ یعنی بزدلی کی وجہ سے جنگ سے بیٹھا۔

خلاصہ یہ کہ پہلی مثال میں ضرب پہلے ہے اور تادیب بعد میں، یعنی ضرب سبب بن رہی ہے ادب کے حاصل ہونے کا۔ جبکہ دوسرے مثال میں جُبنْ پہلے سے ہے اور جنگ سے بیٹھنا بعد میں ہے۔ اس میں مفعول لهٗ سبب بنا فعل کے حصول کا۔

خلافا للزَّجاج برخلاف امام زَجَّاجؒ کے۔ فانه عندَهٗ مصدرٌ فانه ہا ضمیر راجع ہے مفعول لهٗ کو۔ اس لئے کہ مفعول له عندَهٗ اُن کے نزدیک مصدرٌ مصدر ہے۔ یعنی امام زَجّاجؒ کے نزدیک مفعول لهٗ مصدر ہے۔ یعنی مفعول لهٗ کوئی الگ چیز نہیں بلکہ مفعول مطلق ہے۔ یعنی ہم نے بیان کیا کہ مفعول لهٗ الگ چیز ہے اور ماقبل فعل کی علّت بیان کر رہا ہے۔ اور امام زَجَّاجؒ فرماتے ہیں کہ یہ مفعول مطلق ہے۔ مفعول مطلق وہ مصدر ہوتا ہے جو ماقبل فعل کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ ضربتُ ضربًا، میں یہ ضربًا مفعول مطلق ہے، کیونکہ یہ اُسی فعل کے معنیٰ میں ہے۔

امام زجاجؒ فرماتے ہیں کہ "ضربتُهٗ تادیبًا" میں یہ تادیب مفعول مطلق ہے۔ اور ما قبل کا فعل اسکے لئے بیان ہے۔ تادیب کا معنیٰ ہے ادب سکھانا۔ ادب سکھانے میں اجمال تھا۔ ماقبل نے بتا کہ کس طرح سکھایا، یعنی ضرب کے ذریعے سکھایا۔ تو اصل میں کلام یوں ہے، اَدَّبْتُهٗ بالضَّرْبِ تادیْبًا: اَدَّبْتُهٗ: میں نے اسکو ادب سکھایا، بالضَّرْبِ : ضرب کے ساتھ، تادیْبًا ادب سکھانا۔ تو دیکھو تادیبًا مصدر ہے، اور ماقبل کے فعل اَدَّبْتُهٗ کے معنیٰ میں ہے۔ تو یہ مفعول مطلق ہوا۔ تو امام زجاجؒ فرماتے ہیں، کہ یہ جو فعل ما قبل میں لایا جاتا ہے، یہ صرف بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ ورنہ دراصل دونوں ایک چیز ہیں۔ یعنی ضرب اور تادیب دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ یعنی وہی فعل ضرب اس اعتبار سے کہ اس سے تکلیف پہنچ رہی ہے، یہ "ضرب" کہلائے گی۔ اور وہی فعل ضرب اس اعتبار سے کہ اس سے اچھے اخلاق سیکھے جاتے ہیں، یہ "تادیب" کہلایا جائے گا۔ تو "ضرب" اور "تادیب" کوئی الگ چیز نہیں ہوا۔

و شرطُ نَّصبِہٖ اور مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط، ہا ضمیر راجع ہے مفعول لہ کو۔ تقدیرُ اللّامِ تقدیرِ لام ہے۔ یعنی کہ لام کا معنیٰ وہاں مقدَّر ہونا چاہئے۔ لام لفظوں کے اندر مقدَّر نہیں۔ کیونکہ لام بھی علّت بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔ مثلاً، "ضربتُ زیدًا لتأدیب"۔

یہاں بھی صاحب کافیہ علامہ ابن حاجبؒ پھر جمہور نحوی حضراتؒ سے اختلاف کر رہے ہیں۔ جمہور نحویوں کے نزدیک مفعول لہ صرف منصوب ہوا کرتا ہے اور مجرور نہیں ہوتا۔ جبکہ صاحب کافیہؒ کے نزدیک معمول ہوا کہ مفعول لہ مجرور بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ضربتُ زیدًا لتأدیب میں اب لتأدیب مفعول لہ نہ رہا۔ اور یہ لتأدیب جمہور نحویوں کے نزدیک مفعول بہ غیر صریح بنا۔ اور صاحب کافیہؒ کے نزدیک یہ اب بھی مفعول لہ ہے۔

صاحب کافیہؒ کے نزدیک مفعول لہ پر کبھی لام صراحتًا آئے گا، اور کبھی اس لام کو حذف کیا جائے گا۔ آگے صاحب کافیہؒ اُن مقامات کے بارے بتلائے گا، کہ کہاں پر لام کی حذف جائز ہے اور کہاں پر لام کی حذف جائز نہیں۔

و انما یجوزُ حَذْفُھا اور مفعول لہُ کی لام کو حذف کرنا جائز ہے۔ حذفُھا کی ہا ضمیر لام کو راجع ہے۔ اذا کان فعلاً جبکہ وہ مفعول لہُ فعل ہو۔ معلوم ہوا کہ مفعول لہ کوئی اِسمِ عین یعنی کوئی ذات، کوئی چیز نہ ہو۔ جیسا کہ، "جئتُکَ لِکِتَابٍ" میں کتاب فعل نہیں بلکہ ذات ہے۔ اور ضربتُ زیدًا لِتَّادِیْبٍ میں تادیب ذات نہیں بلکہ فعل ہے۔ جب اُنہوں نے فعل کہا تو ذات یعنی کتاب وغیرہ کو خارج کر دیا۔

اب وہ فعل کیسے ہونا چاہئے۔ آگے صاحب کافیہ بتلا رہے ہیں۔ لفاعلِ الفِعلِ الْمُعَلَّلِ بہٖ فعلِ مُعَلَّلؔ بہ کے فاعل کا فعل ہو۔ یعنی دونوں کا فاعل ایک ہے۔ مثلاً "ضربتُ زیدًا تادیبًا" میں ضربتُ فعل معلَّلؔ بہٖ ہے اور اسکا فاعل متکلم ہے۔ اور یہ ادب کون سکھاتا ہے؟ یہ بھی متکلم سکھاتا ہے۔ تو دونوں کا فاعل ایک ہوا۔ الفِعلِ الْمُعَلَّلِ بہٖ: وہ فعل جسکی علّت بیان کی جائے مفعول لہ کے ساتھ۔ بہٖ کی ہا ضمیر مفعول لہ کو راجع ہے۔

فعلِ مُعَلَّلؔ بہٖ کی وضاحت: مثلاً: "ضربتُ زیدًا تادیبًا": میں نے زید کی پٹھائی کی ادب سکھانے کے لئے۔ تو یہ ادب سکھانا ضربتُ فعل کی علّت ہے۔ تو ضربتُ وہ فعل ہے جس کی علّت بیان کی گئی ہے۔ تو یہ فعلِ مُعَلَّلؔ ہوا۔ اور یہ علّت مفعول لہ کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ تو وہ فعل جس کی علّت بیان کی جائے مفعول لہ کے ساتھ تو وہ فعل معلَّل بہٖ کہلاتا ہے۔

میں نے کہا ضربتُ زیدًا تادیبًا: تو میں تادیبًا کے ذریعے ضربتُ کی علّت بیان کر رہا ہوں۔ تو ضربتُ فعلِ مُعَلَّلؔ بہٖ ہوا۔ کیا معنیٰ فعل مُعَلَّلؔ بہٖ کا، فعلِ مُعَلَّلؔ: وہ فعل جس کی علّت بیان کی جائے، بہٖ: ای بِالمَفْعُول لَہُ: مفعول لہ کے ساتھ۔

پس ضربتُ زیدًا تادیبًا میں فعل معلل بہٖ ضربتُ ہے۔ اور قعدتُّ عن الحرب جُبْنًا کے اندر فعل معلل به قعدتُ ہے۔

و مُقَارِنًا له فی الوجودِ اور اسکے ساتھ وُجود میں بھی ملا ہوا ہو۔ یعنی دونوں کا زمانہ ایک ہو۔ یعنی فعل مُعلَّلٌ لہٗ اور مفعول لہٗ کا زمانہ ایک ہو۔ مثلاً، ضربتُ زیدًا تادیبًا: میں فعل مُعَلَّلٌ لہٗ، ضربتُ ہے۔ اور تادیبًا یہ مفعول له ہے۔ اور دونوں کا زمانہ ایک ہے۔ جیسے جیسے ضرب لگ رہی ہے، ویسے ویسے ادب بھی حاصل ہو رہا ہے۔ ایسا نہیں کہ ضرب پہلے ہے اور ادب بعد میں۔ بعینہٖ دونوں کا ایک ہی زمانہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ "لام" کے حذف کے لئے دو شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ اُس فعل اور مفعول لہٗ کا فاعل ایک ہو۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے۔

مقارِنًا کا عطف ہے فعلاً پر۔ اذا کانَ فعلاً لفاعل الفعل المعلل بہٖ و اذا کان مُقَارِنًا لہٗ فی الوجود۔ دیکھئے، قعدتُّ عنِ الحربِ جُبْنًا: اس میں بھی بزدلی اور جنگ سے بیٹھنے کا زمانہ ایک ہے۔ الگ الگ نہیں۔ ہاں بزدلی عام ہے۔ پہلے بھی ہے، بعد میں بھی رہے گی۔ تو معلوم ہوا کہ لام کے حذف کرنے کی دو شرائط ہیں۔ ایک یہ کہ دونوں کا فاعل ایک ہو، اور دوسرا یہ کہ دونوں کا زمانہ بھی ایک ہو۔

بھئی یہ دو شرطیں کیوں لگائی؟ اس کی علّت بھی سُن لو! بڑی پیاری علّت ہے۔ ان دو شرطوں کے ساتھ مفعول له کی مشابہت آجائے گی مفعول مطلق کے ساتھ۔ اور مفعول مطلق کو فعل نصب دیتا ہے تو اب مفعول له کو بھی نصب دے دیگا۔ پس لام کو حذف کر کے اس کو بھی منصوب بنا لے۔

اب سوال یہ کہ مفعول مطلق کو فعل نصب کیوں دیتا ہے؟ بھئی! مفعول مطلق کو فعل نصب اس لئے دیتا ہے کہ اسکے ساتھ فعل کا تعلق بہت گہرا ہے۔ فعل کا معنیٰ مرکب ہے تین چیزوں سے۔ لفظوں کے اعتبار سے فعل مفرد ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے فعل مرکب ہے۔ ایک یہ مصدر پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرا یہ زمانے پر دلالت کرتا ہے۔ تیسرا یہ نسبت الی الفاعل پر دلالت کرتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "ضربْتُ" تو اس نے ضَرْبٌ یعنی مصدر پر دلالت کی۔ دوسرا ضربتُ نے زمانہ کا بتلایا، کہ یہ ضَرْبٌ زمانہ ماضی میں واقع ہوئی ہے۔ اور تیسرا اس نے نسبت الی الفاعل پر دلالت کیا۔ میں کہتا ہوں، ضربتُ ضربًا: آگے اس ضربتُ کے بعد ضَرْبٌ لا رہا ہوں۔ اور یہ ضرب مصدر ہے اور یہ فعل کا جُز ہے۔ تو معلوم ہوا کہ فعل کا اس کے ساتھ بڑا ہی گہرا تعلق ہے۔ یہ تو باقاعدہ اسکا ایک جُز ہے ۔ تو لہٰذا فعل کےساتھ اسکا تعلق نہایت گہرا ہے۔ لہٰذا فعل اب اسکو براہ راست نصب دے سکتا ہے۔

اب مفعول له جو ہے اُس کو بھی ہم نے فعل کے ذریعے نصب دینا ہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے، کہ اسکی مشابہت مفعول مطلق کے ساتھ آجائے۔ اور مفعول مطلق کےساتھ اسکی مشابہت دو چیزوں کے ساتھ آئے گی۔ کہ دونوں کا فاعل ایک ہو اور زمانہ بھی ایک ہو۔ جیسے مفعول مطلق میں دونوں کا فاعل بھی ایک ہوتا ہے اور زمانہ بھی ایک ہوتا ہے۔ جیسا کہ ضربتُ زیدًا ضربًا، میں ضربتُ اور ضربًا کا فاعل

ایک ہے۔ اور اسی طرح ضربتُ اور ضربًا کا زمانہ بھی ایک ہے۔ اب جب مفعول لہ کی مشابہت مفعول مطلق کے ساتھ آئی۔ تو اب فعل مفعول لہ کو براہ راست نصب دیگا جس طرح مفعول مطلق کو براہ راست نصب دیتا تھا۔

درس 55۔ الْمفعولُ مَعَهُ هو مذكورٌ بعدَ الواوِ مفعول معہٗ وہ ہوتا ہے جو مذکور ہو واو کے بعد۔ لِمُصاحَبَةِ معمولِ فِعْلٍ فعل کے معمول کی مُصاحَبت کے لئے۔ یہ واو فعل کے معمول کی مصاحبت کے لئے آتا ہے۔ مصاحبت:مُشارِکَتْ فی الزَّمان: یعنی مُشارکت زمانی کو کہتے ہے۔

واو بمعنیٰ عطف اور واو بمعنیٰ معَ کی وضاحت اور دونوں میں فرق:

مثلاً جاءنی زیدٌ و عمرٌو: واو حرف عطف نے یہ بتلایا کہ مجیئت زید کے لئے بھی ثابت ہے اور مجیئت عمرو کے لئے بھی ثابت ہے۔ لیکن اس عطف نے یہ نہیں بتلایا کہ دونوں اکھٹے آئے یا دونوں الگ الگ آئے۔ یا پہلے زید آیا بعد میں عمرو آیا۔ یا پہلے عمرو آیا بعد میں زید آیا۔ یا زید کے آنے کے فورًا بعد عمرو آیا تھا یا زید کے آنے کے کئی دن بعد عمرو آیا ۔یا عمرو کے آنے کے فورًا بعد زید آیا یا عمرو کے آنے کے کئی دن بعد زید آیا۔

تو واو نے صرف جمعیت کا فائدہ دیا۔ کہ معطوف اور معطوفٌ علیہ کو حکم کے اندر جمع کر دیا۔ تو واو یہاں ترتیب نہیں بتلاتا۔ چاہیے عمرو پہلے آیا ہو، آپ تب بھی کہہ سکتے ہوں، جاءنی زیدٌ و عمرٌو۔ اور اگر زید پہلے آیا ہو اور عمرو بعد میں تب بھی آپ، جاء نی زیدٌ و عمرٌو کہہ سکتے ہیں۔

اگر اب میں عمرو کو مفعول معہ بناؤ، یعنی جاءنی زیدٌ و عمرًوا۔ اب عمرو مفعول معہ بنا، کیونکہ یہ واو بمعنیٰ مع کے واقع ہے۔ اور یہ مفعول معہ یہ بتلانے کے لئے بنایا جاتا ہے، کہ یہ بتائے کہ یہ مفعول معہ مصاحب ہے یعنی ساتھی ہے معمول فعل کا۔ جاءنی زیدٌ میں زیدٌ معمولِ فعل ہے۔ تو یہ عمرو جو واو بمعنیٰ مع کے بعد آیا، یہ بتلاتا ہے کہ عمرو ساتھی ہے معمول فعل یعنی زید کا۔ یعنی عمرو اور زید مَصاحب ہے آنے میں اور زمانے میں۔ یعنی مجیئت اور زمانے کے اندر یہ دونوں مصاحب ہیں۔ معنیٰ یہ ہوا کہ دونوں اکھٹے آئیں ہیں۔ تو جاءنی زیدٌ و عمرًوا : ای جاءنی زیدٌ معَ عمرٍو: زید میرے پاس عمرو کے ساتھ آیا۔

واو بمعنیٰ عطف نے صرف یہ بتلایا کہ آنا دونوں کے لئے ثابت ہے۔ اور واو بمعنیٰ مع نے یہ بھی بتلایا کہ آنا دونوں کے لئے ثابت ہیں، نیز ایک اور فائدہ بھی دیا کہ ان دونوں کا آنا ایک زمانے میں ہے۔ تو عطف سے صرف مشارکت فی الفعل معلوم ہوتی تھی۔ جبکہ مفعول معہ نے بتلایا کہ مشارکت فی الفعل بھی ہے اور ایک زائد فائدہ یہ بھی بتلایا کہ مشارکت فی الزمان بھی ہے۔ یعنی ایک ہی زمانے کے اندر ان دونوں نے یہ فعل سر انجام دیا۔

لفظا او معنی چاہیے وہ فعل لفظوں کے اعتبار سے ہو یا چاہیے وہ فعل معنیٰ کے اعتبار سے ہو۔ یعنی فعل کبھی لفظوں کے اعتبار سے موجود ہوگا۔ اور کبھی فعل لفظوں کے اعتبار سے موجود نہیں ہوگا۔ یعنی مفعول معہ واو کے بعد ہوگا، معمول فعل کے مصاحبت کے لئے ہوگا۔ اور وہ فعل کبھی لفظوں میں آئے گا، کبھی لفظوں میں نہیں ہوگا، جبکہ معنیٰ کے اعتبار سے ہوگا۔ فَاِنْ کانَ الفعلُ لفظا وَ جازَ العَطْفُ اگر فعل لفظوں کے اعتبار سے ہو اور عطف بھی جائز ہو۔

تو یہاں چار صورتیں بنتی ہیں۔ پہلا: فعل لفظًا ہوگا اور عطف جائز ہوگا۔ دوسرا: فعل لفظًا ہوگا اور عطف جائز نہیں ہوگا۔ تیسرا: فعل معنًی ہوگا اور عطف جائز ہوگا۔ چوتھا: فعل معنًی ہوگا اور عطف جائز نہیں ہوگا۔ اب صاحب کافیہؒ ان چاروں کا حکم بتلائے گا۔ فالوجهان تو پھر دو وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ مثل جئتُ انا و زیدٌ و زیدا یہاں فعل لفظًا آیا ہے۔ تو اس صورت میں زیدٌ پڑھنا بھی جائز اور زیدًا پڑھنا بھی جائز۔ مثلاً۔ جئتُ انا و زیدٌ یہ بھی جائز۔ اور جئتُ انا و زیدًا یہ بھی جائز۔ اگر زیدٌ مرفوع پڑھے یعنی جئتُ انا و زیدٌ تو زیدٌ کا عطف فاعل پر ہے۔ تو یہ واو عطف کے لئے ہوا، تو عطف جائز۔ اور اگر جئتُ انا و زیدًا پڑھے، تو اس صورت میں زیدًا مفعول معہ ہے۔

جئتُ انا و زیدٌ کا ترجمہ: آیا میں بھی اور زید بھی۔ یہ ہر صورت کو شامل ہے۔ جس کی تفصیل گزر گئی ہے۔

جئتُ انا و زیدًا کا ترجمہ: میں اور زید اکھٹے آئے۔ یا زید میرے ساتھ آیا۔

انا ضمیر مرفوع منفصل لانے کی وجہ: جئتُ انا و زیدٌ میں یہ "انا" جو لائے۔ یاد رکھے! "تُوٌّ" یعنی تا" ضمیر پر آپ زید کا عطف نہیں کر سکتے۔ یہ "تا" ضمیر، ضمیر مرفوع متصل ہے۔ اور ضمیر مرفوع متصل ضعیف ہوتی ہے۔ یہ الگ قائم نہیں ہو سکتی۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے کہ جاء کو حذف کرے اور "تا" ضمیر کو اکیلا چھوڑ دے۔ یعنی ضمیر مرفوع متصل کا فعل کے ساتھ انفصال نہیں آسکتا۔ یعنی یہ فعل سے منفصل ہو کر قائم نہیں ہو سکتی۔ جبکہ زید کا لفظ تو قوی ہے۔ وہ اکیلا آسکتا ہے۔ اگر آپ زید کا عطف جئتُ کے "تا" ضمیر پر کر دے۔ تو زید تو ہوا قوی اور "تا" ضمیر ہوا ضعیف۔ اور قوی کا عطف ضعیف پر صحیح نہیں۔ لہٰذا اس صورت میں ضمیر مرفوع متصل کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ لائی جاتی ہے۔ اور متکلم کے لئے ضمیر مرفوع منفصل "انا" ہے۔ اب مؤکَّد کے اندر تاکید کی وجہ سے قوّت پیدا ہو گئی۔ اور جب قوت پیدا ہوگئی تو اب زید کا عطف اس پر صحیح ہوا۔

ضابطہ: یہ جو ضمیر مرفوع متصل ہے، اس پر عطف جائز نہیں۔ ہاں دو صورتوں میں جائز ہیں۔ پہلا: اگر ان کی تاکید آجائے۔ جیسے یہاں آئی ہے۔ جئتُ میں تُوٌّ ضمیر کی تاکید "انا" آئی ہے۔ دوسرا: یا درمیان میں فاصلہ آجائے۔ مثلاً جئتُ الیومَ و زیدٌ۔ اب "الیوم" ظرف آپ نے بڑھا، اور "و زیدٌ" دور چلا گیا۔ تو اس سے درمیان میں فاصلہ آگیا۔ اب "تُوٌّ" ضمیر پر زید کا عطف صحیح ہے۔

سوال: اس صورت میں زید کا عطف کیوں صحیح ہے؟ تُوُّ ضمیر ضعیف تھا۔ اور زید قوی تھا۔ لیکن جب زید دور چلا گیا، اور "الیوم" کا فصل درمیان میں آیا۔ تو اس فصل کی وجہ سے تُوُّ ضمیر کا ضعف چھپ گیا۔ تو جب ضعف چھپ گیا تو اب اس پر عطف صحیح ہے۔

وَ الا ای وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ کذٰلک: اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی فعل تو لفظوں میں ہو، مگر عطف جائز نہ ہو۔ دوسرا صورت ذکر ہو رہا ہے۔ یہ الّا استثنا کے لئے نہیں۔ کیونکہ یہ واو کے بعد آیا ہے۔

فَتَعَیَّنَ النَّصْبُ پھر نصب ہی پڑھیں گے۔ مثلُ جئتُ و زیدًا یہاں فعل لفظوں میں موجود ہے۔ اور عطف جائز نہیں۔ کیونکہ جئتُ میں تُوُّ ضمیر مرفوع متصل کی ہے۔ اور زید قوی ہے۔ اس قوی کا عطف ضعیف پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ تُوُّ ضمیر کے بعد نہ تو ضمیر مرفوع منفصل آئی ہے تاکید کے لئے اور نہ ہی کوئی فصل آیا ہے درمیان میں۔ لہٰذا اس صورت میں عطف جائز نہیں۔ تو یہاں زید پر نصب ہی پڑھیں گے۔

اب صاحب کافیہؒ تیسری صورت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ کہ فعل تو معنیً ہوگا اور عطف بھی جائز ہوگا۔ و ان کان معنًی ای وَاِنْ کانَ الفعلُ معنًی: اور اگر فعل معنیٰ کے اعتبار سے ہے۔ یعنی معنوی ہے۔ وَ جازَ العَطْفُ اور عطف بھی جائز ہو۔ تَعَیَّنَ العَطفُ تو عطف متعیَّن ہو گیا۔ نحوُ مثال کے طور پر ما لِزیدٍ و عمرٍو یہاں فعل لفظوں کے اعتبار سے موجود نہیں۔ لیکن معنیٰ کے اعتبار سے موجود ہے۔ کیونکہ اسکا معنیٰ ہے، "کہ زید اور عمرو کیا کر رہے ہیں۔" ای ما یَصْنَعُ زیدٌ و عمرٌو۔ تو یہاں فعل معنیٰ کے اعتبار سے موجود ہے۔ اور عطف بھی جائز ہے۔ کیونکہ آپ عمرو کا عطف زید پر کر رہے ہیں۔ اور دونوں قوی ہیں۔ تو جب فعل معنیٰ کے اعتبار سے ہو، اور عطف جائز ہو، تو اس صورت میں صرف عطف ہی کریں گے۔ یعنی ما لزیدٍ و عمرًوا نہیں پڑھ سکتے۔

اس لئے کہ جب عطف جائز ہے، تو عامل معنوی کے عمل پر محمول کرنا صحیح نہیں۔ مفعول معہ میں عامل فعل ہوا کرتا ہے۔ اور وہ فعل یہاں لفظوں کے اعتبار سے تو موجود نہیں۔ ہاں صرف معنیٰ کے اعتبار سے موجود ہے۔ اور جب آپ اسے "ما لزیدٍ و عمرًوا" پڑھیں گے۔ تو آپ عمرو کو عامل معنوی کے لئے معمول بناتے ہیں۔ اور عمرو کو عامل معنوی کے لئے معمول بنانے کی کیا وجہ ہے، جبکہ یہاں ایک اور وجہ "عطف" بھی موجود ہے۔ پس لہٰذا عامل معنوی کے عمل پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ پس اس کو معطوف بناؤ۔

اب صاحب کافیہؒ چوتھی صورت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ کہ فعل تو معنیً ہوگا اور عطف جائز نہیں ہوگا۔ و الا ای و ان لم یکن کذٰلک: اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی فعل معنٰی کے لحاظ سے ہو اور عطف جائز نہ ہو۔ تَعَیَّنَ النَّصْبُ تو پھر نصب ہی متعین ہوگا۔ مثل ما لَکَ و زیدًا اس مثال میں زیدًا کو

ہم نے مفعول معه بنایا۔ کیونکه زید کا عطف آپ "کاف" ضمیر پر نہیں کر سکتے۔ کیونکه "کاف" ضمیر، ضمیر مجرور متصل ہے۔ مجرور اس لئے کہ اس پر لام جارّہ داخل ہوا ہے۔ اور یه ضعیف ہے۔ جبکه زید قوی ہے۔ اور قوی کا عطف آپ ضعیف پر نہیں کر سکتے۔ اور ضمیر مجرور متصل اکیلے آتی نہیں۔ تو یه ضمیر مجرور متصل جُز کلمه کی طرح ہوا۔ اور جُز کلمه پر عطف جائز نہیں۔ کیونکه عطف پورے جمله پر کیا جاتا ہے۔

جیسا که "جاءنی زیدٌ و عمرٌو" میں عمرو کا عطف زید کے "دال"، "یا" اور "زا" پر جائز نہیں۔ کیونکه یه تینوں زید کے جز کلمه ہے۔ جبکه عطف پورے کلمه پر کیا جاتا ہے۔ تو "ما لکَ و زیدًا" میں "ما لکَ" میں کاف ضمیر مجرور متصل ہے۔ اور ضمیر مجرور متصل جُز کلمه کی طرح ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر عطف جائز نہیں۔ بلکه اس صورت میں حرف جر کا اعادہ ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً، "ما لکَ و لزیدٍ" کہا کرتے ہیں۔

ما لکَ و زیدًا: کیا ہوا تجھے اور زید کو۔یعنی تم کیا کر رہے ہو۔ یہاں فعل لفظًا موجود نہیں، بلکه معنًی موجود ہے۔ اور عطف بھی جائز نہیں۔ تو ما لکَ و زیدٍ پڑھنا جائز نہیں۔ بلکه "ما لکَ و زیدًا" ہی پڑھیں گے۔ اور زیدًا کو مفعول معه بنائیں گے۔

و ما شانُکَ و عمرًوا یہاں پر شانُ مرفوع لفظًا مضاف ہے۔ اور کاف ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیه ہے۔ یہاں "کاف" ضمیر مجرور متصل ہے، اور اس پر ہم عمرو کا عطف نہیں کر سکتے۔ اور فعل معنیٰ کے اعتبار سے موجود ہے۔ تو جب فعل معنًی موجود ہے۔ اور عطف جائز نہیں تو "ما شانُکَ و عمرًوا" ہی پڑھیں گے۔ اور عمرو کو مفعول معه بنائیں گے۔ اور اس میں "ما شانُکَ و عمرٍو" پڑھنا جائز نہیں۔ ترجمه: تیری اور عمرو کی کیا شان ہے۔ یعنی کیا حال ہے تم دونوں کا۔ یعنی تم دونوں کیا کر رہے ہو۔

سوال: جب عمروًا کا عطف کاف ضمیر پر جائز نہیں! تو اس کا عطف شان پر کیوں نہیں کر رہے؟ کیونکه شان تو اسم ہے ۔ اور اس پر عمرو کا عطف بھی ہو سکتا ہے۔ تو یوں کہه دو، "ما شانُک و عمرٌو"۔ جواب۔ کہتے ہیں، آپ شان لفظ پر عطف نہیں کر سکتے۔ شان لفظ پر عطف کریں گے تو سارا معنیٰ ہی خراب ہو جائیگا۔ یعنی عطف تو جائز ہوگا، لیکن سارا معنیٰ خراب ہوگا۔ یعنی اگر ہم "ما شانُک و عمرٌو" تسلیم کرے۔ تو "ما شانُکَ: تیری کیا شان ہے۔ یعنی تم کیا کر رہے ہو۔ اور آگے شان پر عمرو کا عطف کرتے ہیں۔ اور عطف کے دوران معطوفٌ علیه کو اُٹھاتے ہیں اور اسکی جگه معطوف رکھ دیتے ہیں۔ تو شانُک اُٹھا دو! اور اسکی جگه عمرو رکھ دو۔ تو "و ما عمرٌو" بن جائے گا۔ جس کا معنیٰ ہے۔ اور عمرو کیا چیز ہے۔ یعنی عمرو کون ہے؟ تو پورا ترجمه یوں بنے گا۔ تیرا کیا حال ہے؟ یعنی تم کیا کر رہے ہو؟ اور عمرو کون ہے؟ حالانکه یه پوچھنا مقصد نہیں۔ اور مقصد یه ہے که دونوں کا حال پوچھا جائے۔ که تم اور عمرو کیا کر رہے ہو؟ تو شان پر عطف کرنے سے معنیٰ کی خرابی لازم آتی ہے ۔ لان المعنیٰ اس لئے که

معنیٰ جو ہے ما تَصنعُ وَ نحوُهُ ما تَصْنَعُ مخاطب کا صیغہ ہے۔ جہاں مخاطب کا صیغہ ہو تو مخاطب کا ترجمہ کرو۔ یا اس جیسا ترجمہ کرو۔

الحالُ ما تُبینُ هیئةَ الفاعلِ اوِ الْمَفعولِ بهِ حال وہ چیز ہے جو بیان کرے فاعل کی ہیئت کو یا مفعول کی ہیئت کو۔ یعنی اُن کی حالت کو بیان کر دے۔ لفظا او معنًى وہ فاعل یا مفعول بہ لفظوں کے اعتبار سے ہو یا معنیٰ کے اعتبار سے ہو۔ یہ صاحب کافیہؒ وغیرہ کا مذہب ہے۔ لیکن بہت سی جگہ حال آتا ہے کسی ایسی چیز سے جو فاعل نہیں ہوتی ، جو مفعول بہ نہیں ہوتی۔ پھر صاحب کافیہؒ وغیرہ وہاں تاویل کر کے فاعل بناتے ہے یا مفعول بہ۔ اس لئے صاحب کافیہؒ نے فرمایا، کہ "لفظا او معنًى" یہ معنیً کا قید اس لئے بڑھایا۔ کہ اگر فاعل یا مفعول بہ لفظًا نہ ہو تو پھر تاویل کر کے فاعل یا مفعول بہ کو بنانا پڑھتا ہے۔ جبکہ ابن مالکؒ اور دوسرے نحویوں کے نزدیک حال کسی بھی چیز کی حالت بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔

آگے صاحب کافیہ دو مثالیں ذکر فرما رہے ہیں، ان میں پہلے مثال کے اندر فاعل اور مفعول لفظًا بھی ذکر ہے اور اس پر ہم تلفظ بھی حقیقتًا کرتے ہیں۔ اور دوسری مثال میں فاعل لفظًا تو ذکر ہے لیکن ہم اس پر تلفظ حقیقتًا نہیں کر رہے، بلکہ حُکمًا تلفظ کر رہے ہیں۔

نحوُ مثال کے طور پر ضربتُ زیدا قائما اب قائما حال بن رہا ہے زید مفعول بہ سے۔ اور یہاں زیدًا پر ہم تلفظ بھی کرتے ہے۔ تو یہ مفعول بہ لفظًا کی مثال ہوا۔ اور یاد رکھو! یہ قائمًا ضربتُ کی تُوٌّ ضمیر سے بھی حال بن سکتا ہے اور زیدًا مفعول بہ سے بھی حال بن سکتا ہے۔ اور قائمًا جس کے لئے حال بنائیں گے اُسی کے مطابق ضمیر بھی نکالیں گے۔

اگر قائمًا تُوٌّ ضمیر سے حال ہوگا تو تُوٌّ ضمیر کے لئے قائمًا کے اندر انا ضمیر اِسکا فاعل ہوگا، اور زیدًا کے لئے قائمًا کے اندر ھو ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل ہوگا جو زید کو راجع ہوگا۔ زید اسم ظاہر ہے۔ اور اسم ظاہر غائب کے درجے میں شمار ہوتا ہے۔ اس لئے قائمًا کے اندر ھو ضمیر نکالا۔

ترکیب۔ جب قائم حال ہوگا تُوٌّ ضمیر سے۔ ضربتُ فعل با فاعل، تُوٌّ ضمیر ذوالحال، زیدًا مفعول بہ، قائمًا صیغہ اسم فاعل، انا ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال۔ ذوالحال اپنے حال سے ملکر ضربتُ کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔

جب قائم حال ہوگا زیدًا مفعول بہ سے: ضربتُ فعل با فاعل، زیدًا منصوب لفظً ذوالحال، قائمًا صیغہ اسم فاعل، اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل، جو کہ لوٹ رہی ہے ذوالحال کو، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر مفعول بہ: فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔

تو اس مثال میں صاحب کافیہؒ نے فاعل کا بھی حال بتلایا، اور مفعول بہٖ سے بھی حال کا بتلایا۔ نیز دونوں پر ہم تلفُّظ بھی کرتے ہیں۔ یعنی تُوؐ ضمیر پر بھی تلفظ کرتے ہے اور زیدًا پر بھی تلفظ کرتے ہے۔

اگلی مثال بھی لفظی کی ہے، لیکن وہ ملفوظ حکمًا ہے۔ **و زیدٌ فی الدار قائما** زیدٌ مرفوع لفظًا مبتدا، فی جارّہ، الدارِ مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے ثابتٌ سے۔ ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اسکے اندر ھو ضمیر جو کہ راجع ہے مبتدا کو، اور یہ ھو ضمیر ذوالحال ہے۔ قائمًا صیغہ اسم فاعل، اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع لفظًا اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے ذوالحال کو، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر فاعل، ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

یہاں "ھوَ" ضمیر لفظوں کے اعتبار سے فاعل ہے، لیکن یہاں ہم ھو پر تلفظ نہیں کرتے۔ پچھلے مثال میں فاعل اور مفعول ملفوظ تھے حقیقتًا۔ لیکن اس مثال میں ھو ضمیر پر تلفظ حُکمًا ہے۔

آگے صاحب کافیہ معنوی مثال ذکر فرما رہے ہیں۔ یعنی فاعل یا مفعول لفظوں کے اعتبار سے نہ ہو، بلکہ معنیٰ کے اعتبار سے ہو۔ **و ھٰذا زیدٌ قائما** ھٰذا مبتدا، زیدٌ ذوالحال، قائمًا صیغہ اسم فاعل، اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے ذوالحال کو، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر خبر۔ مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

یہاں پر ہم نےقائما کو زیدٌ سے حال بنایا۔ اور زید نہ فاعل ہے اور نہ ہی مفعول بہٖ ہے۔ بلکہ زید یہاں پر خبر ہے۔ صاحب کافیہؒ فرما رہے ہیں، لفظوں کے اعتبار سے زید تو خبر ہے ، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے زید مفعول ہے۔ سوال: معنیٰ کے اعتبار سے یہ کیسے مفعول بنا؟ جواب۔ کہتے ہیں کہ آپ نے اسم اشارہ استعمال کیا یا نہیں؟ ھٰذا کا معنیٰ ہے، "یہ"۔ معلوم ہوا ! آپ اشارہ کر رہے ہیں۔ اور اس سے ایک معنیٰ سمجھ میں آیا، "اُشیرُ" یعنی "میں اشارہ کر رہا ہوں"۔ اور یہ اشارہ میں "زید" کی طرف کر رہا ہوں۔ تو "زید" ہوا مُشارٌ الیہ یعنی مفعول ہوا۔ یعنی آپ ہوئے مُشیر اور زید ہوئے مُشارٌ الیہ۔ تو آپ ہوئے فاعل اور جس کی طرف اشارہ ہوا وہ ہوا مفعول بہٖ۔ پس ثابت ہوا کہ لفظوں کے اعتبار سے تو زید خبر ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے زید مفعول بہٖ ہے۔ اور مفعول بہٖ سے حال آیا کرتا ہے، لہٰذا اس سے حال کا آنا صحیح ہے۔

آگے صاحب کافیہؒ یہ بتلاتے ہیں کہ حال کے اندر عامل کون ہوتا ہے؟ **و عامِلُھَا الفِعْلُ او شِبْھُہٗ او معناہُ** حال کے اندر عامل فعل ہوتا ہے، یا شبہ فعل ہوتا ہے، یا معنیٰ فعل اس کے اندر عامل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ضربتُ زیدًا قائمًا کے اندر ضربتُ فعل عامل تھا۔ اور زیدٌ فی الدارِ قائمًا میں ثابتٌ صیغہ اسم فاعل یعنی شبہ فعل عامل تھا۔ اور "ھٰذا زیدٌ قائما" میں معنیٰ فعل "اُشیرُ" تھا۔ اور وہ قائما کے اندر عامل تھا۔

و شرطُها اور حال کی شرط یہ ہے۔ حال مؤنث سماعی ہے، اس لئے اس کی طرف مؤنث کی ضمیر راجع کر دی۔ اَنْ تکونَ نکرۃً کہ وہ نکرۃ ہونا چاہئے۔ یاد رکھو! حال ہمیشہ ہمیشہ نکرۃ آتا ہے۔ اگر کبھی معرفۃ آ بھی جائے، تو تاویل کر کے اسکو نکرۃ بنا لیں گے۔ یا صورۃً وہ معرفۃ ہوگا لیکن معنیٰ کے اعتبار سے نکرۃ ہوگا۔ و صاحبُها ای صاحبِ حال: یعنی ذوالحال، ھا ضمیر حال کو راجع ہے۔ حال مؤنث سماعی ہے۔ معرفۃٌ غالبًا وہ غالبًا معرفۃ ہوتا ہے۔ ذوالحال نکرۃ بھی آسکتا ہے اور معرفۃ بھی آ سکتا ہے۔ لیکن زیادہ تر معرفۃ آتا ہے۔

آگے صاحب کافیہؒ ایک مثال ذکر فرما رہے ہیں۔ جس میں حال معرفۃ واقع ہوا ہے۔ وَ اَرْسَلَهَا العِرَاکَ یہ العراک معرفۃ ہے اور یہ حال ہے۔ ایک شاعر جا رہا تھا۔ اُس نے ایک جنگل میں عجیب منظر دیکھا۔ اُس نے دیکھا کہ ایک حِمار وحشی (جنگلی گدھا) ہے۔ جنگلی گدھا ہے اور جنگلی گدھیاں ہیں۔ اُس نے اُن کو پانی پینے کے لئے بھیجا۔ خود ایک جگہ کھڑا ہے اور وہ ساری پانی پی رہی ہیں، تا کہ میں حفاظت کروں تاکہ کوئی شکاری شکار کے لئے نہ آ جائے۔ اب وہ جنگلی گدھیاں بہت زیادہ تھیں۔ اور اُس نے ہجوم کردیا پانی پر۔ تو شاعر کو یہ منظر بڑا عجیب لگا۔ کہ خود تو حفاظت کے لئے کھڑا ہوا اور اُن کو پانی پینے کے لئے بھیج دیا۔ تو اُس نے اس پر ایک شعر کہا۔ اور اُس میں ایک مصرعہ کے اندر یہ آتا ہے۔ "وَ ارسلها العراکَ"۔ اَرْسَلَ: بھیجا۔ اور اس کے اندر ضمیر راجع ہے حمارِ وحشی کو۔ یعنی حمارِ وحشی نے بھیجا۔ ھا ضمیر راجع ہے اُتُنْ کو۔ اور اُتُنْ جمع ہے اَتان کی۔ اور اَتان جنگلی گدھی کو کہتے ہے۔ (حمار: گدھا، اَتان: گدھی، اُتُن یہ جمع ہے اَتان کی۔ اُتُوْن جمع اُتُن: بھٹی، تنور، حمام کا چولھا، اینٹ پکانے کا بھٹہ) اَرْسلَها: اُس جنگلی گدھے نے جنگلی گدھیوں کو بھیجا۔ عراک: ہجوم کرتے ہوئے۔ یعنی بڑا اتحاد ہوگیا اُس کا آپس میں۔ العِراکَ: اس حال میں کہ وہ ہجوم کرنے والی تھی۔ العراکَ یہ ھا ضمیر سے حال ہے۔

تو اس پر اشکال ہوا، کہ اے صاحب کافیہؒ آپ نے تو کہا تھا کہ حال ہمیشہ نکرۃ آتا ہے۔ لیکن یہاں العراکَ حال تو معرفۃ واقع ہوا۔ صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ یہ صورت میں معرفۃ کے ہیں۔ لیکن دراصل یہ نکرۃ ہے۔ اس میں تاویل کی گئی ہے۔ العراک بمعنیٰ مُعْتَرِکَةً کے ہے۔ ای ارسلَها مُعْتَرِکَةً: بھیجا اُن جنگلی گدھیوں کو اس حال میں کہ وہ ہجوم کرنے والی تھی۔

و مَرَرْتُ بِهٖ وحدَہٗ میں اُس پر گزرا اس حال میں کہ وہ اکیلا تھا۔ یہ وحدَہٗ حال ہے بہٖ کی ھا ضمیر سے۔ یہ وحدَ مضاف ہے ھا ضمیر کی طرف۔ اور جب مضافٌ الیہ معرفۃ ہو تو مضاف بھی معرفۃ بن جاتا ہے۔ تو یہاں وحدَ کا لفظ بھی معرفۃ بنا۔ تو حال معرفۃ بنا۔ حالانکہ آپؒ نے فرمایا تھا کہ حال ہمیشہ نکرۃ ہوتا ہے۔ تو صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ اس میں تاویل کی گئی ہے۔ وحدَہ یہ مُنْفَرِدًا کے معنیٰ میں

ہے۔ ای مررتُ بِهٖ مُنْفَرِدًا: میں اُس پر گزرا اس حال میں کہ وہ اکیلا تھا۔ **و نحوُهُ** اور اس جیسی جو مثالیں ہیں۔ **مُتَاَوَّلٌ** اس میں تاویل کی گئی ہے۔

درس 56۔ **فان کان صاحبُها نکرةً** اگر ذوالحال نکرة ہو۔ ھا ضمیر راجع ہے حال کو۔ **وَجبَ تقدیمُها** تو پھر حال کا ذوالحال پر تقدیم واجب ہے۔

جب ذوالحال معرفة ہو اسکی مثال: جاءنی زیدٌ راکبًا۔ یہ راکبًا حال ہے یا تو زید سے ہے اور یا متکلم کی ضمیر سے ہے۔ اور دونوں صورتوں میں ذوالحال معرفة ہے۔

اور جب ذوالحال نکرة ہو، جیسا کہ "ضربتُ رجلاً راکبًا" میں اگر راکبًا کو ہم رجلاً سے حال بنانا چاہے، تو یہ جملہ جائز نہیں۔ اس لئے کہ ابھی صاحب کافیہؒ نے ضابطہ بتلایا کہ ذوالحال جب نکرة ہو تو حال کو مقدَّم کرنا واجب ہے۔ تو اس صورت میں "ضربتُ راکبًا رجلاً" کہوں گا۔

ذوالحال جب نکرة ہو تو حال کو دو وجهوں سے مقدَّم کرنا واجب ہے۔ ایک تو یہ کہ ذوالحال اور حال آپس میں مبتدا اور خبر کے درجے میں ہوتے ہیں۔ ذوالحال مبتدا کی طرح ہوتا ہے اور حال خبر کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور ہم نے پڑھا ہے کہ نکرة محض مبتدا نہیں بن سکتا۔ اگر نکرة میں تخصیص پیدا کیا جائے تو پھر یہ مبتدا بن سکتا ہے۔ اور تخصیص کا ایک طریقه ہم نے یہ پڑھا تھا کہ خبر کو مقدَّم کیا جائے مبتدا پر ۔ مثلاً، "فی الدارِ رجلٌ" میں رجلٌ مبتدا مؤخر ہے اور نکرة محض ہے۔ لیکن جب "فی الدار" کو مقدَّم کیا تو اس میں تخصیص پیدا ہوئی۔ تو "فی الدار" خبر مقدَّم اور رجلٌ مبتدا مؤخر۔ تو اسی طرح "ضربتُ رجلاً راكِبًا" میں رجلاً ذوالحال ہے، مبتدا کے درجے میں ہے اور نکرة محض ہے۔ اور نکرة محض مبتدا نہیں بن سکتا، تو لہٰذا اب اس وقت بھی اس کو مؤخر کر دیں گے تا کہ اس میں تخصیص پیدا ہو جائے۔ تو اب میں کہتا ہوں، "ضربتُ راکبًا رجلاً"۔ اب راکبًا حال ہے، خبر مقدَّم کے درجے میں ہے اور رجلاً ذوالحال ہے مبتدا مؤخر کے درجے میں ہے۔ اب اس کا مبتدا خبر بننا صحیح، کیونکہ اب اس کے اندر تخصیص آگئی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حالت نصبی کے اندر التباس لازم آئے گا۔ پتہ نہیں چلے گا، کہ یہ حال ہے یا صفت ہے۔ مثلاً، ضربتُ رجلاً راکبًا میں راکبًا کو میں نے حال بنایا رجلاً سے۔ لیکن دیکھتے ہی آپ یہ کہیں گے کہ یہ تو صفت ہے۔ دیکھو رجلاً بھی نکرة ہے اور منصوب ہے۔ راکبًا بھی نکرة ہے اور منصوب ہے۔ تو آپس میں موصوف صفت لگیں گے۔ تو لہٰذا حالت نصبی کے اندر اس حال کا التباس لازم آتا تھا صفت کے ساتھ۔ لہٰذا اس حال کو مقدَّم کر دیں گے۔ اور یوں کہوں گا، ضربتُ راکبًا رجلاً۔ اب ذہن میں یہ نہیں آتا ہے راکبًا صفت ہے اور رجلاً موصوف ہے۔ کیونکہ صفت کبھی بھی موصوف پر مقدَّم نہیں ہوتی۔ تو لہٰذ اس کو مقدّم کر دیں گے، تا کہ حالت نصبی میں حال کا التباس لازم نہ آئے صفت کے ساتھ۔ اور جب حالت نصبی میں ہم نے ضروری قرار دیا کہ حال کو مقدّم کر دو! تو حالت جرّی اور رفعی میں بھی حال کو مقدّم کرنا ضروری قرار دیا۔ تا کہ ساروں کا حکم ایک جیسا ہو جائے۔

و لا تَتَقَدَّمُ اور مقدَّم نہیں ہوتا حال علی العامل المعنویِّ عامل معنوی پر۔ عامل معنوی پر حال مقدَّم نہیں ہو سکتا۔ حال کے اندر عامل کبھی فعل ہوتا ہے، کبھی شبہ فعل ہوتا ہے اور کبھی معنیٰ فعل عامل ہوتا ہے۔ جب حال کے اندر عامل معنیٰ فعل ہو، تو اس صورت کے اندر حال کو اُس عامل معنوی پر مقدَّم کرنا جائز نہیں۔ تو لہٰذا، "ھٰذا زیدٌ قائمًا" میں قائمًا جو کہ حال ہے اس کے اندر عامل معنیٰ فعل "اُشیرُ" ہے۔ تو اس قائمًا کو "ھٰذا" پر مقدَّم کرنا جائز نہیں، اور یوں نہیں کہہ سکتے، "قائمًا ھٰذا زیدٌ"۔ بَخِلاف

الظرف بخلاف ظرف کے۔ یعنی جب ظرف عامل ہو حال کے اندر، تو اس صورت میں حال کو ظرف پر مقدَّم کرنا جائز ہے۔ مثلاً، "زیدٌ فی الدارِ قائمًا" میں قائمًا حال ہے۔ اور اس کے اندر عامل "فی الدار" ہے۔ اور " فی الدار" ظرف ہے۔ کیونکہ جار مجرور مجازًا ظرف ہوتا ہے۔ تو یہ ظرف مجازی عامل ہے حال کے اندر۔ تو اس صورت میں قائمًا کو "فی الدار" پر مقدَّم کرنا جائز ہے۔

گہری بات: زیدٌ فی الدار قائمًا میں ہم کہتے ہیں کہ "زیدٌ ثابتٌ فی الدار قائمًا"۔ ثابتٌ شبہ فعل ہے۔ اسکے اندر ھو ضمیر ذوالحال ہے۔ اور اس ھو ضمیر سے قائمًا حال ہے۔ اب ثابتٌ چلا گیا، اور اس کی جگہ "فی الدار" ظرف مجازی نے پکڑا۔ تو جو کام ثابتٌ کر رہا تھا، اب وہی کام "فی الدار" ظرف کرے گا۔ جیسا کہ ثابتٌ نے ھو ضمیر کو رفع دیا تھا۔ اب وہ "ھو" ضمیر "فی الدار" کے اندر آکر چھپ گیا ہے۔ اور "فی الدار" ظرف اس ھو ضمیر کو رفع دیتا ہے۔ تو "فی الدار" کے لئے ھو ضمیر ذوالحال بنا۔ اور پہلے قائمًا کو نصب ثابتٌ دے رہا تھا، اب ثابتٌ چونکہ جا چکا ہے، تو اب "فی الدار" ظرف اس قائمًا یعنی حال کو نصب دیتا ہے۔ اب قائمًا یعنی حال کے اندر عامل ظرف "فی الدار" ہوا۔ تو اب اس صورت میں حال کو ظرف پر مقدّم کرنا جائز ہے ۔ اور یہ امام اخفشؒ کے نزدیک ہے۔ تو امام اخفشؒ کے نزدیک، "زیدٌ قائمًا فی الدار" کہہ سکتے ہے۔

جبکہ امام سیبویہؒ کے نزدیک حال کو ظرف پر مقدَّم کرنا جائز نہیں۔ یعنی یوں کہنا، "زیدٌ قائمًا فی الدار" جائز نہیں۔ امام سیبویہؒ کے نزدیک ظرف عاملِ ضعیف ہے۔ اور یہ ما بعد میں عمل کر سکتا ہے لیکن ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا۔ جبکہ امام اخفشؒ کے نزدیک حال کو ظرف پر مقدم کرنا جائز ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے مبتدا آیا ہو۔ مثلاً "زیدٌ قائمًا فی الدار" میں قائمًا کے اندر عامل "فی الدار " ہے۔ اور اس قائمًا سے پہلے مبتدا زید آیا ہے۔ لہٰذا امام اخفشؒ کے نزدیک یہ جائز ہے۔ اور اگر مبتدا پر بھی مقدّم کر دے، اور یوں کہیں، "قائمًا زیدٌ فی الدار" یہ کہنا جائز نہیں۔

و لا علی المجرور ای و لا تَتَقَدَّمُ علی المجرورِ: اور اسی طرح حال مقدّم نہیں ہو سکتا مجرور پر۔ مجرور دو ہیں۔ یا مجرور بحرف یا مجرور باضافت۔ اور دونوں صورتوں میں حال مجرور پر مقدّم نہیں ہو سکتا۔ مجرور بحرف کی مثال: مررتُ بزیدٍ راکبًا: میں گزرا زید پر، اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ تو راکبًا کو ہم نے حال بنایا زید سے۔ تو یاد رکھو! اس راکبًا کو زید پر مقدَّم کرنا جائز نہیں۔ یوں آپ نہیں کہہ سکتے، مررتُ

راکبًا بزیدٍ۔ اور یہ راکبًا حال ہے زید سے۔ اس لئے کہ یہ حال تابع ہوتا ہے ذوالحال کے۔ اور ذوالحال یہاں زید ہے۔ اور زید مجرور ہے۔ اور یہ زید "با" پر مقدَّم نہیں ہو سکتا۔ اور جب زید یعنی ذوالحال اُس عامل پر مقدّم نہیں ہو سکتا، تو حال جو کہ تابع ہے ذوالحال کا، وہ بطریق اولیٰ اُس عامل پر مقدّم نہیں ہو سکتا۔ مجرور بہ اضافت کی مثال تھی۔ اگر وہ مجرور مضافٌ الیہ ہو، اور اُس سے آگے حال آرہا ہو، تو اس حال کو بھی اس پر مقدّم کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ حال، ذوالحال کی تابع ہوا کرتا ہے۔ اور جب ذوالحال یعنی مضافٌ الیہ کو مضاف پر مقدّم نہیں کیا جا سکتا، تو حال کو بطریقِ اولیٰ مقدّم نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً، جاءنی ضاربُ زیدٍ راکبًا: اور اس راکبًا کو میں حال بنا رہا ہوں زید سے۔ اور زید یہاں اضافت کی وجہ سے مجرور ہے۔ تو اس صورت میں بھی راکبًا کو زید پر مقدّم نہیں کیا جا سکتا۔ تو "جاءنی راکبًا ضاربُ زیدٍ" کہنا صحیح نہیں اس وقت جب آپ راکبًا کو حال بنانا چاہتے ہیں زید مجرور سے۔ اس لئے کہ ضاربُ زیدٍ کے اندر زید مضافٌ الیہ ہے اور مضافٌ الیہ مضاف پر مقدم نہیں ہو سکتا۔ اور جب زید یعنی مضافٌ الیہ یعنی ذوالحال جب وہ مضاف پر مقدّم نہیں ہو سکتا، تو حال بطریق اولیٰ مقدّم نہیں ہو سکتا۔ یعنی جب متبوع یعنی ذوالحال کو جب مجرور پر ہم مقدّم نہیں کر سکتے، تو تابع یعنی حال کو بطریق اولیٰ مقدم نہیں کر سکتے۔ **علی الاصح** صحیح مذہب کے مطابق۔

یہاں سے صاحب کافیہؒ جمہور نحویوں کے مذہب کے خلاف بات کر رہے ہیں۔ جمہور نحوی حضراتؒ یہ کہتے ہیں کہ حال کے لئے مشتق کا صیغہ ضروری ہے۔ یعنی اسم جامد وغیرہ حال نہیں بن سکتا۔ مثلاً جاءنی زیدٌ راکبًا میں یہ راکبًا اسم مشتق ہے۔ لیکن کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ اسم جامد حال بنتا ہے۔ تو جمہور نحوی پھر اس کو مشتق کی تاویل میں کر دیتے ہیں۔ جیسے حال کبھی معرفة آتا تو ہم اس میں تاویل کر کے نکرة بناتے تھے۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور جو بھی چیز ھیئت پر دلالت کرے وہ حال بن سکتا ہے۔ چاہے وہ اسم مشتق ہو چاہے وہ اسم جامد ہو۔ **و کُلُّ ما دَلَّ علیٰ ھیئَةٍ** اور ہر وہ چیز جو دلالت کرے ھیئت پر۔ یعنی ہر وہ اسم جامد جو دلالت کرے ھیئت پر۔

صَحَّ ان یقع حالا صحیح ہے اُس کا حال واقع ہونا۔ **مثلُ** مثال کے طور پر **ھذا بُسْرًا اَطْیَبُ منه رُطَبًا**

یاد رکھو! کھجور کی تین حالتیں ہیں۔ ایک ہے، بُسْرَةٌ، ایک ہے رُطَبَةٌ اور ایک ہے تمرةٌ۔ جب کھجور کے پھل میں مٹھاس آتا ہے، لیکن ابھی اس میں سختی ہوتا ہے اور رنگ بھی اسکا بدل جاتا ہے، تو اسکو بُسْرَةٌ کہتے ہیں۔ اور اسکی جمع ہے بُسْرٌ۔ اردو میں اسے ڈوکا کہتے ہیں۔ اور پھر جب کھجور نرم ہو جاتی ہے تو اس حال میں یہ رُطَبَةٌ کہلاتی ہے۔ اور اسکی جمع رُطَبٌ ہے۔ اسکو تازہ کھجور بھی کہتے ہیں۔ لیکن اس میں رس زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا رس زیادہ ہونے کی وجہ سے جب اسے درخت سے اتارا جاتا ہے، تو زیادہ عرصے تک محفوظ رکھنے کے لئے دھوپ میں اسے خشک کیا جاتا ہے۔ تو دھوپ کی وجہ سے اس کا زائد پانی

خشک ہو جاتا ہے، اور پھر جو عام کھجور ہم کھاتے ہیں یہ بن جاتا ہے۔ اور اسکو تمرۃٌ کہتے ہیں۔ بعض تمرۃٌ کا معنیٰ چھوہارے کرتا ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ تَمْرَۃٌ کی جمع تَمْرٌ ہے۔

هٰذا بُسْرًا اَطْيَبُ منه رُطَبًا کی وضاحت: اس مثال میں کہنے والا یہ کہتا ہے کہ یہ کھجور "ڈوکے" کی حالت زیادہ مزیدار ہوتا ہے اُس حالت سے جب یہ رُطَبٌ بن جاتی ہے۔

هٰذا بُسْرًا: یہ کھجور اس حال میں کہ یہ ڈوکا ہو، اَطْيَبُ: یہ زیادہ بہتر ہے، منهُ رُطَبًا: اسی کھجور سے اس حال میں کہ یہ رُطَبٌ ہو۔ تو یہ کھجور ڈوکا ہونے کی حالت میں رطب ہونے کی حالت سے زیادہ مزیدار ہے۔

تو دیکھو! بُسْرًا بھی حال بنا، اور یہ اسم جامد ہے۔ اور رُطَبًا بھی حال بنا اور یہ بھی اسم جامد ہے۔ تو جمہور اس میں کچھ تاویل کریں گے۔ لیکن صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں، کہ کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس صاحب کافیہؒ کے نزدیک جو بھی چیز چاہے اسم جامد ہو، چاہے اسم مشتق ہو، اگر ھیئت پر دلالت کرے تو اسکا حال بنانا صحیح ہے۔

س۔ فعل کے اندر بھی ضمیر ہوتا ہے، اور آپ اسے جملہ کہتے ہیں۔ جبکہ صفت کے صیغوں کے اندر بھی ضمیر ہوتا ہے لیکن آپ اسے شبہ جملہ یعنی مفرد کہتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب۔ صفت کا صیغہ مثلا قائمٌ کی ایک مشابہت فعل کے ساتھ ہے۔ جس طرح فعل کے اندر ضمیر ہوتا ہے اسی طرح صفت کے صیغے کے اندر بھی ضمیر ہوتا ہے۔ لیکن اس کی ایک مشابہت اسم جامد کے ساتھ بھی ہے۔ اسم جامد خالی عنِ الضمیر ہوتا ہے۔ اور تینوں حالتوں میں یکساں ہوتا ہے۔ یعنی متکلم، مخاطب اور غائب تینوں کے لئے اسم جامد ایک جیسا ہوتا ہے۔ جیسا کہ، انا رجلٌ، انتَ رجلٌ اور هو رجلٌ۔ تو رجلٌ اسم جامد تینوں صورتوں میں ایک جیسا ہے۔ اسی طرح صفت کے صیغے بھی تینوں حالتوں میں ایک جیسے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ، انا قائمٌ، انتَ قائمٌ اور هو قائمٌ۔ تو صفت کے صیغے کی مشابہت اسم جامد کے ساتھ بھی آئی۔ تو اسی وجہ سے ہم صفت کے صیغے پر جملے کا حکم نہیں لگاتے۔ البتہ یہ یاد رکھنا کہ صفت کے صیغے کو جس چیز کے ساتھ جوڑتے ہیں، تو صفت کے صیغے میں وہی ضمیر ہوگی۔ مثلاً، انا قائمٌ میں قائمٌ کے اندر "انا" ضمیر ہے۔ هو قائمٌ میں قائمٌ کے اندر هو ضمیر ہوتا ہے۔ اور انتَ قائمٌ میں قائمٌ کے اندر "انت" ضمیر ہوتا ہے۔

درس 57۔ ابھی تک ہم نے حال کے بارے میں جو پڑھا وہ حالِ مفرد تھا۔ اب صاحب کافیہ حال کے بارے میں بتلائے گا، کہ حال جملہ بھی ہو سکتا ہے۔ جملہ دو قسم پر ہے۔ یا تو جملہ اسمیہ ہوگا، یا تو جملہ فعلیہ ہوگا۔ جملہ فعلیہ میں پھر دو اقسام ہیں۔ یا تو اس میں فعل مضارع آئے گا، یا اس میں فعل ماضی آئے گا۔ تو جملہ تین قسم پر ہوا۔ اور پھر مضارع یا تو مثبت ہوگا یا منفی۔ اور اسی طرح ماضی بھی یا

مثبت ہوگا یا منفی۔ تو جملہ کی پانچ قسمیں بنی۔ یعنی جملہ اسمیہ، مضارع مثبت، مضارع منفی، ماضی مثبت اور ماضی منفی۔

نیز ہم نے پڑھا ہے کہ جملہ مستقل ہوتا ہے۔ وہ اپنا معنیٰ ادا کرنے میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ جب آپ جملے کو کسی کے ساتھ جوڑ رہے ہو، تو درمیان میں ربط چاہیئے۔ لیکن جب آپ جملے کو حال بنا رہے ہو۔ تو اس صورت میں ربط کے لئے کبھی واو لاتے ہے اور کبھی ضمیر لاتے ہے۔ اور اس واو کو واو حالیہ کہتے ہے۔

اگر حال جملہ مضارع مثبت ہو، تو ربط صرف ضمیر کے ساتھ دیں گے۔ اور جملے کے باقی چار صورتوں میں ربط صرف واو کے ذریعے بھی دے سکتے ہیں، صرف ضمیر کے ساتھ بھی دے سکتے ہیں۔ اور دونوں کے ساتھ بھی ربط دے سکتے ہیں۔ یعنی ربط کے لئے واو بھی لایا جا سکتا ہے اور ضمیر بھی لایا جا سکتا ہے۔ تو ربط کی تین صورتیں بن گئی۔

اگر حال جملہ اسمیہ ہو، تو اس میں بھی تینوں کے ساتھ ربط دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس صورت میں صرف ضمیر کے ساتھ ربط دینا ضعیف ہے۔

و تکونُ جملةً خبريةً اور حال جملہ خبریہ ہوگا۔ جملہ خبریہ میں ایک جملہ اسمیہ ہوتا ہے۔ اب اسکی تفصیل صاحب کافیہؒ بتلاتا ہے۔ فالاسميةُ بالواوِ والضميرِ پس اسمیہ واو اور ضمیر کے ساتھ آئے گا۔ یعنی جملہ اسمیہ میں واو اور ضمیر دونوں کے ساتھ ربط دے سکتے ہیں۔ او بالواو یا صرف واو کے ذریعے ربط دیا جائے گا۔ او بالضمير اور یا ربط صرف ضمیر کے ساتھ دیا جائے گا۔ علىٰ ضُعْفٍ ضعف کے طریقے پر۔ یعنی حال جب جملہ اسمیہ ہو، اور آپ صرف ضمیر کے ساتھ ربط دینا چاہے تو یہ ضعیف ہے۔ پس یا ربط واو کے ساتھ دو اور یا واو اور ضمیر دونوں کے ساتھ ربط دو۔

اب جملہ خبریہ کی دوسری قسم جملہ فعلیہ ہے۔ اب صاحب کافیہؒ اسکی تفصیل بیان فرما رہے ہیں۔ و الْمُضارِعُ المثبَتُ بالضمير وحدَهُ اور جب حال مضارع مثبت ہو تو ربط صرف واو کے ساتھ آئے گا۔ و ما سواهُما بالواو و الضمير اور ان کے علاوہ جو ہیں، وہ واو اور ضمیر دونوں کے ساتھ آئیں گے۔ او بأحَدِهِما اور یا واو اور ضمیر دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ۔ و لا بُدَّ فی الماضی المثبت من قد ظاهرة او مقدرة اور ماضی مثبت کے اندر ضروری ہے "قد" کا آنا اس حال میں کہ وہ ظاہر ہو یا مقدَّر ہو۔ مثلاً جاءنی زیدٌ وَ رکِبَ۔آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ رَکِبَ ماضی ہے اور حال واقع ہو رہا ہے۔ اور ربط کے لئے واو کو لایا گیا۔ تو یہاں رَکِبَ سے پہلے قد کا ہونا ضروری ہے۔ اگر لفظوں میں موجود ہو تو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن اگر لفظوں میں موجود نہ ہو تو وہاں مقدَّر ماننا پڑے گا۔ ای جاءنی زیدٌ و قد رکِبَ۔

یہ قد ماننا اس لئے ضروری ہے کیونکہ آپ حال لا رہے ہیں۔ اور حال بھی آپ ماضی کو لا رہے ہوں۔ حال اور ماضی میں مُنافات ہے۔ کیونکہ حال موجودہ زمانے پر دلالت کرتا ہے اور ماضی گذشتہ زمانے پر دلالت کرتا ہے۔ تو دونوں ایک ساتھ نہیں آسکتے۔ اب اس پر قد ماننا پڑیگا۔ کیونکہ قد کی وجہ سے ماضی، ماضی قریب بن جاتی ہے۔ جیسا کہ، جاءَ زیدٌ: زید آیا۔ جاءَ ماضی ہے۔ اب زید کب آیا؟ ایک منٹ پہلے آیا تھا، تب بھی آپ کی بات صحیح۔ بیس سال پہلے آیا تھا تب بھی آپ کی بات صحیح۔ کیونکہ جاءَ نے صرف یہ بتلایا کہ زید ماضی میں آیا ہے۔ تو وہ قریب کو بھی شامل ہے اور بعید کو بھی شامل ہے۔ لیکن جب اس پر قد داخل کردو تو اسکا معنیٰ ماضی قریب کا بن جاتا ہے۔ جیسا کہ قد جاءَ زیدٌ: زید آیا ہے۔ اب یہ ماضی قریب بن گیا۔ یعنی ابھی قریب کے ماضی میں آیا ہے۔ تو جب ماضی پر قد کو مانا جائے تو اس قد کی وجہ سے ماضی حال کے قریب ہو جائے گی۔ اور "قریب الی الشئی فی حکم الشئ" ہوا کرتی ہے۔

اب صاحب کافیہؒ آپ کو بتلائے گا کہ حال کے عامل کو کہاں پر حذف کرنا جائز ہے اور کہاں پر حذف کرنا واجب ہے۔ جب قرینۃ موجود ہو تو عاملِ حال کو حذف کرنا جائز ہے۔ **ویجوزُ حذفُ العامل کقولکَ للمسافر** اور حال کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ آپ کا کہنا مسافر سے۔ ایک شخص ہے سفر پر جا رہا ہے۔ اور آپ اُس سے کہے۔ راشدًا مهديًا: ای اِذْهَبْ راشدًا مهديا: جا تو اس حال میں کہ تو ھدایت پر ہو۔ مهديا: کہ تجھے ہدایت دیا گیا ہو۔ تو دیکھو، "راشدًا مهديا" حال ہے۔ اور اس کے عامل "اذهب" کو حذف کرنا جائز ہے، اس لئے کہ قرینۃ موجود ہے۔ کیونکہ مسافر ویسے بھی تو جا رہا ہے۔ **راشدًا مهديًا** ای اِذهب راشدًا مهديًا۔

اب صاحب کافیہؒ اُس صورت کو بتلائے گا کہ جہاں پر حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔اس عبارت کو سمجھنے سے پہلے حالِ مؤکدہ کے بارے میں یہ تفصیل یاد رکھو۔

یاد رکھو! ایک حالِ مؤکِّدَہ ہے ایک حالِ منتقلہ ہے۔ حالِ مؤكِّدَة یہ غالبًا یعنی اکثر ذوالحال سے جُدا نہیں ہوتا۔ جب تک ذوالحال رہتا ہے حال بھی عمومًا اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ حالِ مُنتقلہ اکثر اوقات اپنے ذوالحال سے جُدا ہو جایا کرتا ہے۔

حالِ مؤكِّدَة کی مثال: زیدٌ ابوکَ عَطُوْفًا: زید آپ کا باپ ہے، اس حال میں کہ وہ بہت شفقت کرنے والا ہے۔ عطوف یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، یہ حال بن رہا ہے۔ جس کا معنیٰ بہت شفقت کرنے والا ہے۔ اس مثال میں ابوکَ ذوالحال ہے۔ اور عطوفًا حال ہے۔ اور یہ شفقت اکثر باپ سے جدا نہیں ہوتی۔ یعنی اکثر باپ شفقت والا ہوگا۔ یعنی جب بھی باپ ہوگا وہ شفیق ہوگا۔

حالِ منتقلہ کی مثال: جاءنی زیدٌ راکبًا: آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ تو ایسا نہیں کہ زید اکثر سوار رہتا ہے۔ یا یہ سواری زید سے اکثر جدا نہیں ہوتی۔

اب یاد رکھو! یہ حالِ مؤکِّدَۃ تین قسم پر ہے۔ پہلا: حالِ مؤکدۃ للعامل، دوسرا: حالِ مؤکدۃ لِذی الحال، تیسرا: حال مؤکدۃ لمضمونِ الجملۃ۔ مؤکدۃ کا مطلب ہے تاکید پیدار کرنے والا۔ یا تو تاکید پیدا کرے گا عامل کے اندر، یا تو تاکید پیدا کریگا ذو الحال کے اندر۔ اور یا تاکید پیدا کریگا مضمونِ جملۃ کے اندر۔

[1] حالِ مؤکدۃ للعامل کی مثال: اِنَّا ارسلنٰکَ للناسِ رسولاً۔ ہم نے آپ کو بھیجا، اس حال میں کہ آپ رسول ہیں۔ تو دیکھو! رسولاً کے اندر عامل ارسلنا فعل ہے۔ ارسلنا کا معنیٰ بھیجنا، اور رسول بھی بھیجے ہوئے کو کہتے ہیں۔ تو رسولاً یہاں حال مؤکدۃ للعامل ہے۔ کیونکہ رسولاً کے لفظ نے ارسلنٰکَ کے معنیٰ میں تاکید پیدا کر دی۔

[2] حالِ مؤکدۃ لِذی الحال کی مثال: لَآمَنَ مَنْ فِي الارضِ کُلُّھُمْ جمیعًا: لَآمَنَ البتہ ایمان لے آئے مَنْ فِي الارضِ جو زمین کے اندر ہیں کُلُّھُمْ سارے کے سارے جمیعًا اس حال میں کہ وہ سارے کے سارے ہوں۔ تو دیکھو! جمیعًا حال ہے، ذوالحال کُلُّھُمْ سے۔ کلُّھم کا معنیٰ: سارے کے سارے، جمیعًا کا معنیٰ: سارے کے سارے۔ تو حال نے ذوالحال کے معنیٰ میں تاکید پیدا کر دی۔ تو جمیعًا یہاں حال مؤکدۃ لذی الحال ہوا۔

[3] حال مؤکدۃ لمضمونِ الجملۃ کی مثال:زیدٌ ابوکَ عطوفًا: زید تمہارا باپ ہے، اس حال میں کہ بہت شفقت کرنے والا ہے - یہاں مضمون جملۃ، "زید کی شفقت" ہے۔ کیونکہ والد اکثر شفیق ہوتا ہے۔ اور آگے حال "عطوفًا" کا معنیٰ بھی شفقت کے ہے۔ یعنی مضمون جملۃ میں بھی شفقت کا بیان ہے، اور حال کے معنیٰ بھی شفقت کے ہے، تو حال نے مضمون جملۃ میں تاکید پیدا کی۔

آگے صاحب کافیہ فرماتے ہیں، کہ جب حال مضمون جملۃ کے اندر تاکید پیدا کر رہا ہو، تو اس صورت میں حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ یعنی حالِ مؤکِّدَۃ لمضمونِ الجملۃ ہو، تو اس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور جملۃ بھی جملۃ اسمیہ ہونا چاہئے۔ اگر جملہ فعلیہ ہو، تو پھر وہ فعل ہی حال کے اندر عامل ہوتا ہے۔ اگر فعل نہیں تو پھر شبہ فعل یا معنیٰ فعل حال کے اندر عامل ہوتا ہے۔

ویجبُ فی المؤکِّدَۃِ ای یجبُ حذفُ العاملِ فی المؤکِّدَۃِ اور واجب ہے عامل کا حذف کرنا حالِ مؤکِّدۃ کے اندر۔ **مثلُ زیدٌ ابوک عطوفًا** زید تمہارا باپ ہے اس حال میں کہ وہ بہت شفقت کرنے والا ہے۔ عطوف مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اب حال تاکید پیدا کر رہا ہے مضمون جملہ کے اندر۔ تو اس حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔ آگے صاحب کافیہ، "ای اُحِقُّہُ" کے ذریعے عطوفًا کے عامل کو بتلا دیا۔ **ای اُحِقُّہُ** ای زیدٌ ابوک اُحِقُّہُ عطوفًا: زید تمہارا باپ ہے، میں زید کی اُبُوَّت آپ کے لئے ثابت کرتا ہوں، اس حال میں کہ وہ بہت ہی شفقت کرنے والا ہے۔ اُبُوَّتِ زید: زید کا باپ ہونا۔ اُحِقُّہُ کی ہا ضمیر اُبُوَّتِ زید کو راجع ہے۔

حال مؤکِّدۃ کے عامل کو کب حذف کیا جائے گا۔ آگے صاحب کافیہؒ اُس شرط کو بیان فرما رہے ہیں۔ و شرطُها اور عامل کے حذف کرنے کی شرط یہ ہے۔ اَنْ تکونَ مُقرِّرَۃً ای مؤکِّدَۃً کہ وہ حال جو ہے تاکید پیدا کرنے والا ہو، قَرَّرَ یُقَرِّرُ تقریر: پختہ کرنا۔ مقرِّرَۃً: اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ کہ وہ حال پختہ کرنے والا ہو۔ لِمضمونِ جملۃٍ اسمیۃٍ جملہ اسمیہ کے مضمون کو۔ یعنی وہ حال جملہ اسمیہ کے مضمون کو پختہ کرنے والا ہو، تو اس صورت میں اس حال کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔

معلوم ہوا جملہ اسمیہ کے مضمون کی تاکید کے لئے جو حال آتا ہے، تو اسکے عامل کو حذف کرنا واجب ہے۔

درس 58۔ کافیہ کی مشکل ترین ابحاث میں سے ایک بحث تمیز کی ہے۔ التمییز ما ای التمییزُ اسمُ ما: تمیز اُس چیز کا نام ہے۔ یَرْفَعُ الْاِبْہامَ جو ابہام کو دور کرتی ہے۔ اَلْمُسْتَقِرَّ وہ ابہام جس نے قرار پکڑا ہو۔ یعنی ایسا ابہام جو پختہ ہو، جو جمع ہوا ہو۔ یعنی وضع کے اعتبار سے اُس کے اندر ابہام ہو۔ استعمال کی وجہ سے ابہام آئے یا کسی اور وجہ سے ابہام آئے وہ مراد نہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "عِشرونَ"۔ تو اس کا معنیٰ بیس ہے۔ اور بیس تو ایک معلوم معنیٰ ہے۔ لیکن اس کی جنس میں ابہام ہے، کہ کیا چیز بیس ہے۔ یعنی انسان بیس ہیں، کتابیں بیس ہیں، یا کوئی اور چیز بیس ہے۔ اور یہ ابہام باعتبار وضع ہی کے ہے۔ عن ذاتٍ ایسی ذات سے مذکورۃٍ او مُقَدَّرَۃٍ جو یا مذکور ہوگی یا مقدَّر ہوگی۔ ذات کی قید لگائی، تو معلوم ہوا تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے، جبکہ وصف سے ابہام کو دور نہیں کرتی۔

جبکہ صفت اور حال وصف سے ابہام کو دور کرتے ہیں۔ جیسا کہ جاءنی زیدُنِ العالمُ: العالم یہ زید کی صفت ہے۔ ہمیں معلوم نہیں تھا، کہ زید عالم ہے یا نہیں۔ العالم نے آکر اُس ابہام کو دور کر دیا۔ اسی طرح، جاءنی زیدٌ راکبًا: زید کے بارے میں ابہام تھا، کہ سوار ہو کر آیا ہے یا بغیر سواری کے آیا ہے۔ تو راکبًا نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔

تمیز کبھی مفرد سے ابہام کو دور کرتی ہے، جیسا کہ "عندی عشرونَ دِرْھَمًا" میں درھما تمیز ہے اور اس نے عشرون سے ابہام کو دور کر دیا۔ اور عشرونَ مفرد ہے۔ اور تمیز کبھی نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے، جیسا کہ "طابَ زیدٌ": زید خوش ہوا۔ میں نے خوش ہونے کی اسناد یعنی نسبت زید کی طرف کی۔ تو اس نسبت میں ابہام ہے، کہ کس وجہ سے زید خوش ہوا۔ تو آگے میں تمیز لے آیا، "نفسًا" یعنی اپنے نفس کے اعتبار سے خوش ہوا۔ ای طابَ زیدٌ نفسًا۔

تو تمیز کبھی مفرد سے آتی ہے اور کبھی نسبت سے آتی ہے۔ اب یاد رکھو! یہ جو نسبت سے تمیز آتی ہے یہ دراصل ذاتِ مقدَّرۃ سے تمیز ہوتی ہے۔ میں نے جب کہا، "طابَ زیدٌ" تو یہ کلام اصل میں، "طابَ شَیْءٌ منسوبٌ الیٰ زیدٍ": طابَ شَیْءٌ منسوبٌ الیٰ زیدٍ خوش ہوئی ایک ایسی چیز جو منسوب ہے زید کی

طرف۔ ایک ایسی چیز جس کی نسبت زید کی طرف ہے خوش ہوئی۔ اب وہ کیا چیز ہے، آگے "نفسًا" نے آکر اُس شَیئٌ سے ابہام کو دور کر دیا۔ تو نفسًا نے ایک شے مقدَّرة سے ابہام کو دور کر دیا۔ اور وہ شے مقدَّرة یہاں شَیئٌ ہے۔ تو یہاں پر تمییز نے ذات مقدّرة سے ابہام کو دور کیا۔ اس لئے صاحب کافیہؒ نے فرمایا کہ تمییز کبھی ذات مذکورة سے ابہام کو دور کرتی ہے اور کبھی ذات مقدَّرة سے ابہام کو دور کرتی ہے۔

پس ذات مذکورة سے مراد ایسا تمییز ہے جو مفرد سے ابہام کو دور کرے، اور ذات مقدَّرة سے مراد ایسا تمییز ہے جو نسبت سے ابہام کو دور کرے۔

فالاوّلُ عن مفردٍ پہلی قسم جو ہے تمییز کی، وہ ابہام کو دور کرتی ہے مفرد سے۔ یعنی ذات مذکورة والی تمییز **مِقدارٍ غالبا** ایسا مفرد جو اکثر اوقات مقدار ہوتا ہے۔

مقداریں پانچ قسم پر ہیں۔ پہلا: وزن، دوسرا: کَیْل،ماپنا، تیسرا: مساحت یعنی پیمائش، چوتھا: عدد، پانچواں: مِقْیاس یعنی اندازہ وغیرہ۔

مفرد سے مراد مفرد تام ہے۔ یعنی وہ مفرد جو پورا ہو جائے یعنی مکمل ہو جائے۔ اور کسی مفرد کے تام ہونے کی چار علامتیں ہیں۔ یا وہ تام ہوتا ہے تنوین کے ساتھ، یا نون تثنیہ کے ساتھ، یا نون جمع کے ساتھ، یا مضافٌ الیہ کے ساتھ۔ مفرد کے تام ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مفرد ایسی حالت میں ہو کہ آگے اسکی اضافت ممکن نہ ہو۔ یعنی آگے اسکے مضافٌ الیہ نہ ہو۔ جب کسی اسم پر تنوین آجائے تو اس مطلب یہ ہوا کہ یہ اسم مکمل ہوا اب آگے اسکا مضافٌ الیہ نہیں آسکتا۔ اسی طرح جب اسم پر نونِ تثنیہ یا نون جمع آجائے تو پھر بھی آگے اسکا مضافٌ الیہ نہیں آسکتا۔ اسی طرح ایک مضاف کے لئے ایک ہی مضافٌ الیہ آتا ہے۔ آگے اس اسم کا کوئی اور مضافٌ الیہ نہیں آتا۔ تو یہ اسم اپنے مضافٌ الیہ سے ملکر تام ہو جاتا ہے۔

تنوین پھر دو قسم پر ہے۔ تنوین یا حقیقتًا ہوگی یا تقدیرًا ہوگی۔ حقیقتًا تنوین کی مثال، جیسا کہ رطلٌ اور تقدیرًا تنوین کی مثال: جیسا "خَمْسَةَ عشرَ" ہے۔ مبنی ہے اور تام ہے۔ اگر چہ اس پر تنوین نہیں۔ لیکن اس پر تقدیرًا تنوین ہے۔

یاد رکھو! یہ اسم جب تام ہو جائے تو اب اسکے بعد تمییز آسکتی ہے۔ اور اگر اسم تام نہیں، تو پھر اس کے بعد تمییز نہیں آسکتی۔

یاد رکھو! مفرد سے جو تمییز آئے اُس کے اندر عامل یہی مفرد ہوتی ہے۔ یعنی یہ اسم تام مبہم جو ہے یہی تمییز کے اندر عامل ہوتا ہے۔ جیسا کہ، عندی عشرونَ درهمًا میں درهما کو نصب عشرون نے دیا۔ یہاں عشرونَ مفرد ہے، تام ہے اور مُبہم ہے۔ تو اس نے تمییز کو نصب دیا۔ جس طرح فعل تام ہوتا ہے فاعل کے ساتھ۔ اسی طرح یہ اسماء بھی تام ہوتے ہیں، تنوین کے ساتھ، یا نون تثنیہ کےساتھ، یا نون جمع کے

ساتھ یا مضافٌ الیہ کے ساتھ۔ اور جب فعل تام ہو جائے فاعل کے ساتھ، تو پھر اس کے بعد کبھی وہ مفعول کو نصب بھی دیا کرتا ہے۔ جیسا کہ ضربَ زیدٌ ۔ ضربَ یہاں زید کے ساتھ تام ہوا۔ اب یہ مفعول کو نصب دے سکتا ہے۔ ای ضربَ زیدٌ عمرًوا۔ تو یہاں وہ مفرد فعل کی طرح ہوا اور یہ علامات فاعل کی طرح ہوئی۔ عشرونَ کے اندر عشرونَ کا کلمہ فعل کی طرح ہوا۔ اور یہ جو تام ہونے کی علامت ہے یعنی نونِ جمع یا فاعل کے درجے میں ہوئی۔ جس طرح فعل تام ہو کر کبھی مفعول کو نصب دیتا ہے اسی طرح یہ اسم بھی تام ہو کر آگے تمیز کو نصب دے سکتا ہے۔

اِمَّا فِی العَدَدِ وہ مقدار یا تو عدد میں ہوں گی۔ نحوُ عشرون دِرْھَما ای عندی عشرونَ درھمًا۔ یا ھٰذا عشرونَ دِرھمًا و سَیَأتِیْ اور عنقریب آجائے گا۔ صاحب کافیہؒ بیان فرما رہے ہیں کہ آگے عدد کا بڑا تفصیلی بیان آجائے گا۔ وَ اِما فی غیرِہٖ اور یا وہ مقدار غیر عدد میں ہوگی۔ نحوُ رِطْلٌ زیتا ای عندی رطلٌ زیتًا: زیتون کے تیل کو زیت کہتے ہے۔ رطل وزن کی ایک مقدار کا نام ہے۔ اور یہ بارہ اُوقِّیہ ہوتا ہے۔ اور ایک اوقیہ ساڑھے دس تولے کا ہوتا ہے۔ اور ساڑھے دس تولے، چالیس دِرھم کے برابر ہوتا ہے۔ تو ایک رَطل ایک سو چھبیس تولے کے برابر ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک سیر میں اسّی تولے ہوتا ہے۔ تو ایک رطل ڈیڑھ سیر اور چھ تولے کے برابر ہوا۔ و مَنوانِ سَمْنًا اور دو من گھی۔ ایک رطل نصفِ من کے برابر ہوتا ہے۔ یعنی ایک من میں دو رطل ہوتے ہیں۔ تو دو من چھ سیر اور چوبیس تولے کے برابر ہوا۔ ای عندی منوانِ سمنًا: میرے پاس دو من گھی ہے۔ و قَفِیزانِ بُرًّا ای عندی قفیزان بُرًّا: میرے پاس دو قفیز گندم کے ہیں۔ قفیز گندم ماپنے کا ایک پیمانہ ہے۔ یہ کَیل کی مثال ہے۔ و عَلی التَّمْرَۃِ مِثْلُھا زُبَدًا اور کھجور پر اسی کے مثل مکّھن ہے۔ یہ مِقْیَاس یعنی اندازے کی مثال ہے۔ مساحت یعنی پیمائش کی مثال: عندی ذراعٌ ثوبًا: میرے پاس ایک ذراع کپڑا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ صاحب کافیہؒ نے مساحت کی مثال کیوں ذکر نہیں کی؟ اس سے پہلے ایک بات سُن لو! یہ جو آپ کے نسخوں میں ایک لفظ آیا، "و قفیزانِ بُرًّا"۔ یہ بھی کافیہ کے اکثر نسخوں میں موجود نہیں۔ تو صاحب کافیہؒ نے کیل اور مساحت کی مثالیں کیوں ذکر نہیں فرمائی؟ تو جواب یہ کہ صاحب کافیہؒ کا مقصد یہاں مقداریں گنوانا نہیں، کہ مقداریں پانچ ہیں۔ بلکہ اُن کا مقصد یہاں تمیز کی بحث سمجھانا ہے۔ اور یہاں پر اُنہوں نے صرف یہ بتلانے پر اکتفا کیا، کہ اسم چار صورتوں میں تام ہوتا ہے۔ جیسے عشرونَ کے اندر نون جمع کے ساتھ اسم تام ہوتا ہے، رِطْلٌ کے اندر تنوین کے ساتھ اسم تام ہوا، منوانِ کے اندر نونِ تثنیہ کے ساتھ اسم تام ہوا، اور مثلُھا میں مثل مضافٌ الیہ کے ساتھ تام ہوا۔

اب یاد رکھو! عشرونَ کے اندر یہ نونِ جمع نہیں ہے، بلکہ نونِ مشابہ جمع ہے۔ کیونکہ جمع کے کم از کم تین افراد ہوتے ہیں۔ اور اگر آپ یہ کہے کہ یہ عَشْرٌ کی جمع ہے۔ تو عَشْرٌ کے تین افراد ہونے چاہئے۔ تو

پھر عشرونَ کا اطلاق تیس پر ہونا چاہئے تھا۔ لیکن عشرونَ کا اطلاق بیس پر ہوتا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ عَشْرٌ کی جمع نہیں ہے۔ البتہ یہ نون اُس نونِ جمع کے مشابہ ہے۔ اور نونِ جمع اور نونِ مشابہ جمع کا ایک ہی حکم ہے۔

فَيُفْرَدُ اِنْ كان جنسا الا اَنْ يُّقْصَدَ الْاَنواعُ تو تمییز مفرد لائی جائے گی، اگر وہ جنس ہوئی، مگر یہ کہ اُس سے انواع کا ارادہ کیا جائے۔

فَيُفْرَدُ اِنْ كان جنسا کی وضاحت: جنس وہ ہوتا ہے جس کے اجزاء باہم مشابہ ہو ایک دوسرے کے ساتھ۔ جیسے پانی ہے۔ پانی کے اجزاء آپس میں مشابہ ہیں۔ اور اس کا اطلاق قلیل اور کثیر پر بھی ہوتا ہے۔ تھوڑا ہوں پھر بھی ماء اور زیادہ ہوں پھر بھی ماء۔ یعنی جنس وہ ہوتا ہے جس میں دو شرطیں پائی جائے۔ پہلا کہ یہ اس کے اجزاء باہم مشابہ ہوں، دوسرا یہ کہ اس کا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے۔ اسی طرح گندم، چاول وغیرہ بھی ہے۔ تو کہتے ہیں! کہ تمییز جب جنس ہوں، تو اس صورت میں اس کو مُفْرَدْ ہی لاتے ہیں۔ تثنیه اور جمع لانے کی ضرورت اس لئے نہیں کہ اسم جنس قلیل اور کثیر سب پر صادق آتا ہے۔ جیسے مثالیں گزری، رِطْلٌ زیتًا اور منوانِ سَمْنًا۔ زیت یعنی زیتون کا تیل، اس کے اجزاء آپس میں مشابہ ہے۔ اور تھوڑا ہوں تب بھی زیت کہیں گے، اور اگر زیادہ ہوں تب بھی زیت کہیں گے۔ تو تمییز یہاں پر جنس ہے۔ تو اسکو تثنیہ اور جمع لانے کی ضرورت نہیں، اگر چہ ماقبل میں وہ جو مُبہم ہے، وہ چاہے تثنیه اور جمع کیوں نہ ہو۔ مثلاً، عندی رطلٌ زیتًا، عندی رطلانِ زیتًا اور عندی ارطالٌ زیتًا۔ اسی طرح عندی منٌ سَمْنًا، عندی منوانِ سمْنًا، اور عندی اَمْناءٌ سَمْنًا۔

معلوم ہوا مُمَیَّز چاہے مفرد ہو، چاہے تثنیہ ہو، چاہے جمع ہو، لیکن تمییز جب جنس ہو تو اسکو مفرد ہی رکھتے ہے، تثنیه اور جمع نہیں۔

الا اَنْ يُّقْصَدَ الْاَنواعُ کی وضاحت: اگر تمییز سے انواع کا ارادہ کیا جائے تو پھر تمییز تثنیہ اور جمع بھی لے آتے ہیں۔ مثلاً میں زیت کا لفظ کہتا ہوں، لیکن زیت یعنی زیتون کے تیل دو قسم کے ہیں۔ اور میں دونوں مراد لینا چاہتا ہوں الگ الگ۔ میں یہ بتلانا چاہتا ہوں! میرے پاس ایک رطل ہے دو قسم کا زیتون کا تیل۔ تو یوں کہوں گا، عندی رطلٌ زیتَینِ۔ اور اگر میں تین یا زیادہ انواع بتلانا چاہتا ہوں تو یوں کہوں گا، عندی رطلٌ زُيُوْتًا۔

و يُجْمَعُ فی غیرِہ اور اگر تمییز جنس نہ ہو، تو جمع لائی جا سکتی ہے۔ جمع سے مراد یہاں جمعَ لُغَوی ہے۔ یعنی مَا فَوْقَ الواحد، مطلب کہ ایک سے زیادہ ۔ لغت کے اندر جب دو ہو تب بھی جمع کہلاتا ہے۔ تو یہ مطلب نہیں کہ جمع لائی جائے گی اور تثنیه نہیں لایا جا سکتا ہے۔ بلکہ یہ شاملہ ہے تثنیه اور جمع دونوں کو۔

صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں، کہ جب اسم تام ہو رہا ہوں تنوین کے ساتھ یا نونِ تثنیہ کے ساتھ۔ تو پھر اس اسم تام کی تمیز کی طرف اضافت بھی جائز ہے۔ مثلاً، عندی رطلٌ زیتًا سے عندی رطلُ زیتٍ اور عندی منوانِ سمنًا سے عندی منوا سمْنٍ۔ تو مضافٌ الیه یعنی تمیز پر جر آجائے گا۔ اور اگر اسم تام ہو رہا ہو نون جمع کے ساتھ، یا اضافت کے ساتھ، تو پھر اس اسم تام کی تمیز کی طرف اضافت جائز نہیں۔

اضافت کی بات تو واضح ہے۔ جب ایک مضافٌ الیه پہلے سے آیا ہے تو آگے اس کی اضافت جائز نہیں۔ جیسا کہ مِثْلُهَا میں ها ضمیر پہلے سے مضافٌ الیه ہے تو زُبَدًا کی طرف اسکی اضافت نہیں کی جا سکتی۔ لیکن جمع کے اندر، عندی عشرونَ درهَمًا کی جگہ عندِیْ عِشْرُوْ دِرْهَمٍ کیوں نہیں کہہ سکتے؟ کہتے ہیں، جمع کی اضافت اکثر غیر تمیز کی طرف ہوتی ہے۔ اگر ہم تمیز کی طرف بھی اضافت کرے۔ تو اس صورت میں تمیز مضافٌ الیه بن جائے گا۔ اور پھر یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ مضافٌ الیه تمیز ہے یا غیر تمیز۔

ثم ان کان بتنوینٍ او بنونِ التثنیةِ پھر اگر اسم تام تنوین کے ساتھ ہو یا نون تثنیہ کے ساتھ ہو۔ جازت الاضافةُ تو تمیز کی طرف اضافت جائز ہے۔ و الا فلا ای وَاِنْ لا فلا: ای وَاِنْ لَمْ یَکُنْ کذٰلک فلا یجوز: اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر تمیز کی طرف اضافت جائز نہیں۔

و عن غیرِ مقدارٍ اسکا عطف "عنْ مفردٍ مقدارٍ" پر ہے۔ ای عنْ مفرَدٍ غیرِ مقدارٍ: اور کبھی کبھی تمیز مفردِ غیر مقدار سے بھی آتی ہے۔ مثلُ خاتمٌ حدیدا یا مثلُ خاتَمٍ حدیدًا: انگوٹھی، تو جنس میں ابہام آیا، کہ سونے کی انگوٹھی ہے، یا چاندی کی انگوٹھی ہے یا لوہے کی انگوٹھی ہے۔ حدیدًا نے آکر ابہام کو دور کردیا۔ اب یہ خاتَم مقدار نہیں بلکہ غیر مقدار ہے۔ تو غیر مقدار سے بھی کبھی کبھی تمیز آجایا کرتی ہے۔

و الْخَفْضُ اکْثَرُ اور اس کے اندر جر اکثر ہے۔ اور جرّ کیسے آئے گا؟ تو اس صورت میں تمیز کی طرف اضافت کرتے ہے۔ یعنی خاتمُ حدیدٍ۔ تو تمیز مقدار سے بھی آتی ہے اور غیر مقدار سے بھی آتی ہے۔ لیکن غیر مقدار کے اندر اس پر اکثر جرّ پڑھتے ہیں۔

یہ تھی تمیز کی قسم اوّل جو ذات مذکورة سے آئی۔ اور ذات مذکورة سے جو تمیز آتی ہے وہ مفرد سے آیا کرتی ہے۔ اور نسبت سے جو تمیز آتی ہے وہ ذات مقدَّرة سے ہوتی ہے۔ اب صاحب کافیہؒ اُس کی بحث کرنے جا رہے ہیں۔

درس 59- والثانی اور تمیز کی دوسری قسم عن نِسْبَةٍ نسبت سے۔ یعنی تمیز کی دوسری قسم جو ابہام کو دور کرتی ہے نسبت سے۔ تمیز جب نسبت سے ہو تو اس میں عامل فعل یا شبہ فعل ہوتی ہے۔

فی جُملَةٍ وہ نسبت جو جملے میں ہو۔ او مَا ضَاهَا هَا ضاها یُضاهِیْ مُضاهاتًا: مشابہ ہونا۔ ضاها اصل میں ضاهَیَ بروزن فَاعَلَ باب مفاعلة سے ہے۔ او مَا ضَاهَا وہ جو مشابہ ہو هَا جملے کی، هَا ضمیر راجع ہے جملے کو۔ یعنی تمیز کی دوسری قسم جو ذات مقدَّرة سے آئے۔ وہ ابہام کو دور کرتی ہے اُس چیز سے

جو جملے کے مشابہ ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ یا تو جملے سے ابہام کو دور کریگا یا شبہ جملہ سے ابہام کو دور کریگا۔ شبہ جملہ سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل وغیرہ۔

اب صاحب کافیہؒ اُ نسبت کو ذکر فرما رہے ہیں، جو جملہ کے اندر ہو۔ طابَ کا اسناد ہو رہا ہے زید کی طرف۔ مثلُ طابَ زیدٌ نفسا زید خوش ہوا باعتبار نفس کے۔ یہ نفسًا تمیز ہے نسبت سے یعنی ذاتِ مقدَّرۃ سے۔ اصل میں کلام، طابَ شیئٌ منسوبٌ الیٰ زیدً : ایک چیز خوش ہوئی جو زید کی طرف منسوب ہے۔ تو زید خوش ہوا! لیکن کس اعتبار سے خوش ہوا۔ اس نسبت میں ابہام تھا۔ تو نفسًا تمیز نے آکر ابہام کو دور کر دیا۔ یعنی اپنے نفس کے اعتبار سے خوش ہوا۔

اب صاحب کافیہؒ اُس نسبت کو ذکر فرما رہے ہیں، جو شبہ جملہ کے اندر ہو۔ یہاں زیدٌ ہے مبتدا اور طَیِّبٌ ہے صفت مشبہ۔ اور طیِّبٌ میں ھو ضمیر اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے زید مبتدا کو۔ تو طیِّب کی نسبت آگئی ھو ضمیر کے ساتھ۔ و زیدٌ طَیِّبٌ: زید اچھا ہے۔ زید کس اعتبار سے اچھا ہے۔ آگے ابًا نے آکر ابہام کو دور کر دیا۔ ابًا باپ کے اعتبار سے۔ بھئی اسکے دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔ زید اچھا ہے، باپ کے اعتبار سے۔ یعنی زید اچھا ہے اس اعتبار سے کہ وہ خود باپ ہے۔ دوسرا معنیٰ: زید اچھا ہے، باپ کے اعتبار سے یعنی " زید کا باپ اچھا ہے"۔ و اُبُوَّۃً باپ ہونا، مصدر کا صیغہ ہے۔ زید اچھا ہے، باپ ہونے کے اعتبار سے۔ و دارًا زید اچھا ہے، گھر کے اعتبار سے و علمًا زید اچھا ہے، علم کے اعتبار سے۔

یہاں صاحب کافیہؒ نے دس مثالیں ذکر فرمائیں۔ "طابَ زیدٌ" کے ساتھ یہ سارے تمیز لگاتے جاؤ، تو پانچ یہ بنتے ہیں۔ طابَ زیدٌ نفسًا، طابَ زیدٌ ابًا، طابَ زیدٌ اُبُوَّۃً، طابَ زیدٌ دارًا، طابَ زیدٌ علمًا۔ اور "زیدٌ طَیِّبٌ" کے ساتھ بھی یہ سارے تمیز لگاؤ، تو پانچ یہ بنتے ہیں۔ زیدٌ طَیِّبٌ نفسًا، زیدٌ طَیِّبٌ ابًا، زیدٌ طَیِّبٌ اُبُوَّۃً، زیدٌ طَیِّبٌ دارًا، زیدٌ طَیِّبٌ علمًا۔ تو یہ سارے دس مثالیں بن گئیں۔ ان دس مثالوں کے ذریعے صاحب کافیہؒ انواع بتلانا چاہتے ہیں۔

چند اصطلاحات کی وضاحت:

عین: وہ چیز جو اپنے وجود میں غیر کی محتاج نہ ہو۔ جیسا کہ انسان اپنے وجود میں غیر کا محتاج نہیں۔ اسے جوہر بھی کہتے ہے۔ اسی طرح دیوار، کتاب، قلم وغیرہ اپنے وجود میں غیر کے محتاج نہیں۔

غرض: وہ چیز جو اپنی وجود میں غیر کی محتاج ہو۔ یعنی غیر کے ساتھ قائم ہوتی ہے۔ غیر ہے تو اسکا وجود ہے۔ غیر نہیں تو اسکا اپنا ایک الگ وجود بھی نہیں۔ جیسا کہ بہادری۔ بہادری کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ بہادری ہمیشہ انسان یا حیوان کے ساتھ قائم ہوگی۔ اسی طرح سفیدی کا علیحدہ اپنا کوئی وجود نہیں۔ کوئی جسم ہوگا تو سفیدی ہوگی۔ اسی طرح سخاوت کا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔

کہتے ہیں کہ تمیز یا تو عین ہوگی یا غرض ہوگی۔

تو صاحب کافیہؒ نے کچھ وہ مثالیں ذکر فرمائی ہیں جو عین ہے، اور کچھ وہ مثالیں ذکر فرمائی ہے جو غرض ہے۔ نفسًا یعنی ذات یہ عین ہے۔ یعنی ذاتِ زید۔ کیونکہ زید کا اپنا الگ وجود ہے۔ اَبًا بھی عین ہے۔ کیونکہ اس کا اپنا الگ وجود ہے۔ اُبُوَّۃً :باپ ہونا یہ مصدر ہے اور غرض ہے۔ مصدر کا خارج میں اپنا الگ کوئی وجود نہیں ہوتا، یہ جب بھی آئے گا تو غیر کے ساتھ قائم ہوگا۔ جیسا کہ، کھانا مصدر ہے، اور خارج میں اسکا اپنا الگ کوئی وجود نہیں۔ بھئی کوئی کھانے والا ہوگا، تو کھانے کا فعل ہوگا۔ دارًا عین ہے۔ علمًا غرض ہے۔ علم کے لئے کوئی ذات چاہئے جس کے ساتھ وہ قائم ہو جائے۔

پھر یہ عین اور غرض دو دو قسم پر ہیں۔ عین اضافی ہوگا یا غیر اضافی۔ اسی طرح غرض اضافی ہوگا یا غیر اضافی۔ وہ چیز جس کا سمجھنا غیر کے سمجھنے پر موقوف ہو، وہ اضافی کہلاتا ہے۔ مثلاً استاد اور شاگرد۔ استاد وہ ہوتا ہے جسکا کوئی شاگرد ہو۔ استاد کا سمجھنا شاگرد کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور شاگرد اُسے کہتے ہے جسکا کوئی استاد ہو۔ تو شاگرد کا سمجھنا استاد کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ اسی طرح میاں اور بیوی۔ بیوی ہے تو پھر میاں ہے۔ اور میاں ہے تو پھر بیوی ہے۔ اسی طرح باپ اور اولاد وغیرہ یہ امورِ اضافیہ ہیں۔

اور غیر اضافی وہ ہوتا ہے جسکا سمجھنا غیر کے سمجھنے پر موقوف نہ ہو۔ مثلاً کتاب، قلم، گھر، کمرہ وغیرہ غیر اضافی ہے۔ کیونکہ اسکا سمجھنا غیر کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔

نفسًا عین غیر اضافی ہے۔ ابًا عین اضافی ہے۔ اُبُوَّۃً: باپ ہونا: غرض اضافی ہے۔ دارًا عین غیر اضافی ہے۔ اور علمًا غرض غیر اضافی ہے۔

تو تمییز یا تو عین ہوگی یا غرض۔ پھر دونوں کی دو دو قسمیں ہیں۔ یا اضافی ہوگی یا غیر اضافی۔ تو یہ کل چار قسمیں بن گئی۔ پھر یہ تمییز یا تو مُنْتَصَبٌ عنہُ کے لئے ہوگی۔ یا متعلّقِ مُنْتَصَبٌ عنہُ کے لئے ہوگی۔ یا دونوں سے ہونے کا احتمال ہوگا۔ تو یہ تین احتمال بن گئے۔ اور تمییز پہلے سے چار قسم پر تھا۔ اور ہر ایک میں یہی تین احتمال آسکتے ہیں۔ تو کل بارہ احتمالات بن گئے۔

مُنتصَبٌ عنہُ: مُنتصَبٌ عنہُ وہ ہے جس کے سبب سے تمییز کو نصب دیا گیا ہے۔ مثلاً میں نے کہا، طابَ زیدٌ نفسًا: یہ نفسًا تمییز ہے نسبت سے۔ لیکن یہ نسبت آئی فاعل کی وجہ سے۔ اور طابَ زیدٌ میں فاعل زید ہے۔ تو وہ جو فاعل ہے وہ منتصب عنہ ہے۔ اُسکی سبب سے تمییز کو نصب دیا گیا ہے۔ اصل میں ابہام نسبت کے اندر تھا اور تمییز نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو نسبت نے نفسًا کو نصب دیا ہے۔ تو نسبت منتصب عنہُ ہوئی۔ لیکن مجازًا اس کا اطلاق فاعل پر کر دیا جاتا ہے۔ تو لہٰذا یوں کہو کہ زید منتصب عنہُ ہے۔ پس اصل منتصب عنہُ نسبت ہے۔ لیکن مجازًا فاعل کو بھی منتصب عنہُ کہتے ہے۔ کیونکہ یہ نسبت آئی فاعل کی وجہ سے۔

منتصب: جس کو نصب دیا گیا ہے۔ عنہُ: اُس سے۔

زیدٌ طَیِّبٌ اَبًا میں منتصب عنہُ کون ہے؟ طَیِّبٌ کے اندر جو فاعل ہے، وہ منتصب عنہُ ہے۔

مُتَعَلِّقِ مُنْتَصَبْ عنہُ: وہ ذاتِ مُقَدَّر مُتَعَلِّقِ منتصب عنہ ہے۔ اور طابَ زیدٌ کے اندر ذاتِ مقدَّر شَیئٌ ہے۔ کلام اصل میں یوں تھا، "طاب شَیئٌ منسوبٌ الی زیدٍ" ۔ تو شَیئٌ متعلق منتصب عنہُ ہے۔ کیونکہ شَیئٌ منسوب ہے زید کی طرف۔ تو شیئٌ کا تعلق زید کےساتھ آیا۔ تو زیدٌ منتصب عنہ ہے۔ اور وہ ذات مقدَّر شَیْئٌ متعلق منتصب عنہ ہے۔

پس طابَ زیدٌ نفسًا میں منتصب عنہ "زیدٌ" ہے۔ اور متعلق منتصب عنہ "شَیئٌ" ہے۔ تمییز تو اصل میں اُس ذات مقدَّر سے ہے۔ لیکن اس تمییز کا اطلاق منتصب عنہُ پر جائز ہوگا یا نہیں ہوگا۔ طابَ زیدٌ نفسًا میں منتصب عنہ "زیدٌ" ہے۔ اور نفس کا اطلاق زید پر صحیح ہے۔ اور کبھی تمییز کا اطلاق منتصب عنہ پر صحیح نہیں ہوگا۔ زیدٌ طَیِّبٌ دارًا: زید اچھا ہے گھر کے اعتبار سے۔ تمییز "دارًا" ہے۔ طَیِّبٌ کے اندر ھو ضمیر زید کو راجع ہے۔ تو زید منتصب عنہ ہوا۔ تو تمییز "دارًا" کا اطلاق زید پر صحیح نہیں۔ کیونکہ زید دار نہیں۔

تو کبھی اس تمییز کا اطلاق صرف منتصب عنہ پر ہو سکتا ہے، متعلق منتصب نہ پر ہو ہی نہیں سکتا۔ کبھی تمییز کا اطلاق منتصب عنہ پر بھی ہو سکتا ہے اور متعلق منتصب عنہ پر بھی ہو سکتا ہے۔ اور کبھی اس کا اطلاق صرف متعلقِ منتصب عنہ پر ہوتا ہے۔ مثلاً زید طیب دارًا، تو دارًا کا اطلاق منتصب عنہ زید پر نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ کلام: تمییز یا تو عین ہوگی، یا غرض۔ پھر عین اور غرض دو دو قسم پر ہیں۔ یا اضافی ہوگی یا غیر اضافی۔ پھر ہر ایک میں تین احتمال ہیں۔ یا تو تمییز ہوگی منتصب عنہ سے، یا متعلق منتصب عنہ سے یا دونوں سے۔

طابَ زیدٌ نفسًا میں نفسًا کا اطلاق صرف زید پر ہوتا ہے،کیونکہ زید کی ذات زید ہی ہے۔ لہٰذا نفسًا کا حمل زید پر صحیح ہے۔ تو یہ تمییز ہوا مُنتصب عنہ سے۔ اور منتصب عنہ یہاں پر زید ہے۔ تو نفسًا کا حمل زیدٌ پر صحیح ہے۔ لیکن اگر اسکا حمل شیئ پر کرتے ہے، تو شیئ تو زید سے غیر ہے، لہٰذا یہاں نفسًا کا اطلاق شیئٌ یعنی متعلق منتصب عنہُ پر صحیح نہیں۔

اور زیدٌ طیّبٌ ابًا میں ابًا کا اطلاق زید پر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ زید خود باپ ہو سکتا ہے۔ یا زید کے متعلق یعنی زید کے باپ پر بھی ابًا کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ تو یہاں پر تمییز منتصب عنہ یعنی "زیدٌ" سے بھی ہو سکتا ہے اور متعلق منتصب عنہُ یعنی زید کے ابًا سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور اُبُوَّۃً اسکا اطلاق زید پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ مصدر ہے ۔ اور مصدر کا اطلاق انسان پر نہیں ہوتا۔ تو اسکا اطلاق متعلق منتصب عنہ سے ہو سکتا ہے۔ دارًا اسکا اطلاق بھی زید یعنی منتصب عنہ پر نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا یہ

تمییز بھی صرف متعلق منتصب عنه سے ہے۔ علمًا کا اطلاق منتصب عنه زیدٌ پر نہیں ہو سکتا۔ اور اسکا اطلاق متعلق منتصب عنه سے ہے۔

تو نفسًا صرف منتصب عنه سے تمییز تھی۔ ابًا منتصب عنه اور متعلق منتصب عنه دونوں سے تمییز تھی۔ ابوّۃ، دارًا، اور علمًا صرف متعلق منتصب عنه سے تمییز تھی۔ اسی لئے صاحب کافیه نے کئی مثالیں ذکر کی۔

تو دیکھو! تمییز کی ثانی قسم جو ہے۔ وہ ابہام کو دور کرتی ہے نسبت سے۔ اور وہ نسبت جملہ میں ہوگی یا شبہ جملہ میں ہوگی۔ آگے صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ مضاف اور مضافٌ الیه کے درمیان جو نسبت ہو۔ تو تمییز کبھی اس سے ابہام کو دور کرتی ہے۔ **او فی اضافةٍ** یا وہ ابہام اضافت کے اندر ہوگی۔ **مثلُ** مثال کے طور پر **یُعْجِبُنِیْ** تعجّب میں ڈالا مجھے **طِیْبُهُ** اُس کے خوش ہونے نے **ابًا** باعتبار باپ کے۔ **و ابوۃ و دارا و علما** ای یُعجِبُنِیْ طیّبُهُ نفسًا: یُعجِبُنِیْ طیّبُهُ ابًا: یُعجِبُنِیْ طیّبُهُ ابوَّۃً، یُعجِبُنِیْ طیّبُهُ دارًا اور یُعجِبُنِیْ طیّبُهُ علمًا۔

فارِس اسم فاعل کا صیغه ہے۔ صاحب کافیه تمییز کی یه مثال لے آئے۔ جس سے صاحب کافیه یه بتلانا چاہتے ہیں کہ تمییز کبھی مشتق بھی آیا کرتی ہے۔ ماقبل میں تمییز کی جتنی مثالیں گزری وہ سب کے سب غیر مشتق تھے۔ **و للّٰهِ دَرُّهُ فارسًا** : اور اللہ ہی کے لئے ہے، اُس کی خیر کثیر، باعتبار شہسوار ہونے کے۔ دَرٌّ اصل میں دودھ کو کہتے ہے۔ بھئی عربوں کے لئے دودھ میں سب سے زیادہ خیر تھی۔ خانه بدوشی کی وجه سے دودھ کا استعمال کثرت سے تھا۔ پھر بعد میں بڑے کمال کو، خیر کثیر کو دَرٌّ کہنے لگے۔ اور یه کلمات عرب تعجب کے موقع پر کہتے تھے۔ فارِس: شہسوار، فَرَسَ، یَفْرُسُ، فَرَاسَتًا: گھڑ سواری میں ماہر ہونا۔ فَرَس: گھوڑا۔ تو کلام کا معنیٰ یه ہوا: که اس که یه خوبی اللہ کی طرف سے عطا ہونے والی ہے، یه اپنے بس کی بات نہیں۔

درس 60۔ **ثم اِنْ کانَ اسْمًا** پھر اگر تمییز ایسا اسم ہو۔ کان کی ضمیر تمییز کو راجع ہے یه اسمًا صفت کے مقابلے میں آیا ہے۔ جس کا ذکر آگے صاحب کافیه نے کیا ہے۔ اور وہاں صفت سے مراد مشتق ہے۔ تو یہاں پر اسمًا سے مراد ایسا اسم جو مشتق نه ہو۔ یعنی تمییز اسم مشتق نه ہو۔ **یَصِحُّ جَعَلَهُ لِما انْتُصِبَ عنه** که صحیح ہے اُس کو بنانا مُنْتَصَبْ عنهُ کے لئے۔ صاحب کافیه فرماتے ہیں که اگر تمییز ایسا اسم ہو صحیح ہو اُسکو منتصَب عنهُ کے لئے بنانا۔ یعنی اُس پر تمییز کا اطلاق صحیح ہو۔ یه شرط ہواء، اور آگے صاحب کافیه اس کی جزا کے بارے میں فرمائے گا، جو که "جاز ان یکونَ لهُ و لمتعلِّقهِ" ہے۔

جیسا که طابَ زیدٌ ابًا: میں ابًا تمییز کا اِطلاق زیدٌ یعنی منتصب عنه پر صحیح ہے۔ اور کبھی تمییز کا اطلاق منتصب عنه پر صحیح نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر: طابَ زیدٌ دارًا میں دارًا تمییز کا اطلاق منتصب عنهُ یعنی زید پر صحیح نہیں۔ تو یه ایسا تمییز ہے جسکا اطلاق مُنْتَصَبْ عنهُ پر صحیح نہیں ہو سکتا۔

اسکو لِمَا انۡتَصَبَ عنهُ بھی پڑھ سکتے ہے۔ ما انۡتَصَبَ عنهُ پڑھے، تو اس صورت میں "ما" موصوله ہوا، اِنۡتَصَبَ فعل اسکے اندر ھو ضمیر ہے،جو که راجع ہے تمیز کو، عنهُ کی ھا ضمیر اسم موصول ما کو راجع ہے۔ اور اگر چاہے تو اس کو لِمَا انۡتُصِبَ عنهُ پڑھے۔ اُنۡتُصِبَ فعل مجھول آیا۔ ما موصوله، اُنۡتُصِبَ فعل مجھول، یه فعل لازم ہے۔ اور فعل لازم سے مفعول نہیں آتا۔ اُنۡتُصِبَ فعل مجھول ہے اور نائب الفاعل چاہتا ہے۔ جب اس سے مفعول آتا نہیں تو نائب الفاعل کس سے بنائیں گے؟ جیسا که ضربۡتُ زیدًا میں زیدًا مفعول به ہے۔ اگر ضَرب کو فعل مجھول بنایا جائے تو پھر ضُرِبَ زیدٌ پڑھیں گے۔ اِنۡتصب چونکه فعل لازم ہے، اس سے مفعول آتا ہی نہیں تو پھر کس کو نائب الفاعل بنائیں گے۔ تو یاد رکھنا! اس صورت میں اس کے اندر جو ضمیر ہوتی ہے وہ اِس فعل کے مصدر کی جانب راجع کی جاتی ہے۔ تو اُنۡتُصِبَ کے اندر نائب فاعل کی جو ضمیر ہے وہ اسی فعل کے مصدر کی طرف راجع کیا جائے گا۔ ای اُنۡتُصِبَ الۡاِنۡتِصَابُ عنهُ: اور ترجمه کریں گے، یَقَعُ کے ساتھ۔ ای یَقَعُ الۡاِنۡتَصابُ عنهُ: یعنی نصب واقع ہوا ہے، اُس سے۔ یعنی اُسی اسم سے۔

یاد رکھو! بعض اوقات کتابوں کے اندر فعل آجاتا ہے اور اسکے فاعل کا پته نہیں چلتا، یا فعل مجھول آتا ہے اور اس کے نائب الفاعل کا پته نہیں چلتا۔ تو پھر اس صورت میں اس فعل کے اندر فاعل یا نائب الفاعل کی جو ضمیر ہوتی ہے وہ اُسی فعل کے مصدر کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ اور پھر یَقَعُ کے تاویل میں ترجمه کریں گے۔

جاز اَنۡ یکونَ لهُ و لِمُتَعَلِّقِهٖ تو جائز ہے یه تمیز ہو منتصب عنهُ سے اور اس کے متعلق سے۔ یعنی اس کو مُنتصب عنه سے بھی تمیز بنانا صحیح اور متعلق منتصب عنه سے بھی تمیز بنانا صحیح۔ جیسا که طابَ زیدٌ ابًا میں ابًا کا اطلاق منتصب عنه یعنی زید پر صحیح ہے۔ تو اس کو منتصب عنه یعنی زید سے تمیز بنانا بھی صحیح۔ اور معنیٰ ہوگا: زید خوش ہوا اس اعتبار سے که وہ باپ ہے۔ اور اگر آپ چاہے تو ابًا کو مُتعلقِ مُنۡتَصَبۡ عنهُ کے لئے تمیز بنا دے۔ ای طابَ شَیۡءٌ منسوبُ الیٰ زیدٍ ابًا: زید کی طرف منسوب ایک چیز خوش ہوئی اور وہ زید کا باپ ہے۔ زید کا باپ، اس میں باپ کی نسبت زید کی طرف ہو گئی ہے۔ تو یه ایک شے ہے جس کی نسبت زید کی طرف ہو رہی ہے۔

تو یہاں پر تمییز ایسا اسم تھا جس کا حمل مُنتصب عنه پر صحیح تھا۔ تو اس صورت میں اس کو منتصب عنه سے تمیز بنانا بھی جائز اور متعلق منتصب عنه سے بھی تمیز بنانا جائز۔

و الا اور اگر ایسا نه ہو۔ یعنی اُس کو منتصب عنهُ کے لئے بنانا جائز نه ہو۔ مثلاً، طابَ زیدٌ دارًا، اس دار کا حمل زید پر صحیح نہیں۔ کیونکه زید دار نہیں۔ دار کا اطلاق زید پر صحیح نہیں۔ تو لهذا اس صورت میں منتصب عنه کے لئے اس کا تمیز بنانا درست ہی نہیں ہے، تو پھر لازمی بات ہے یه تمیز صرف متعلقِ منتصب عنه کے لئے ہوگی۔ **فھو لمتعلقهٖ** تو یه تمیز اُس منتصب عنه کے متعلق کے لئے ہوگی۔

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ غور سے پڑھے۔ تو دیکھو! میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ یہاں تین صورتیں بنتی ہیں۔ پہلی صورت: تمیز کبھی صرف مُنْتَصَبْ عنهُ سے آئے گی متعلق منتصب عنه سے نہیں آئے گا۔ دوسری صورت: تمیز صرف متعلق منتصب عنه سے آئے گی۔ تیسری صورت: کبھی تمیز دونوں سے آئے گی۔ لیکن صاحب کافیه جو عبارت ذکر فرما رہے ہیں۔ اُس میں صرف دو صورتیں آ رہی ہیں۔ ایک صورت یہ کہ تمیز صرف متعلق منتصب عنه سے آئے گی۔ دوسرا صورت یہ ذکر کیا کہ تمیز کا حمل منتصب عنه پر بھی صحیح اور متعلق منتصب عنه پر بھی صحیح۔ اور تیسرا صورت کہ تمیز صرف منتصب عنه سے آئے گی۔ اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

تمیز صرف منتصب عنه سے ہو، اور اسکا متعلق منتصب عنه سے ہونا صحیح نہ ہو، اسکی مثال:

طابَ زیدٌ نفسًا میں نفسًا کا اطلاق صرف زید پر ہوتا ہے، کیونکہ زید کی ذات زید ہی ہے۔ لہٰذا نفسًا کا حمل زید پر صحیح ہے۔ تو یہ تمیز ہوا مُنتصب عنه سے۔ لیکن اگر اسکا حمل شیئ پر کرتے ہے، تو شیئ تو زید سے غیر ہے، لہٰذا یہاں نفسًا کا اطلاق شیئٌ یعنی متعلق منتصب عنهُ پر صحیح نہیں۔

لیکن صاحب کافیه فرما رہے ہیں، " ثم ان کان اسمًا یَصِحُّ جعلهُ لما انتصبَ عنهُ جاز ان یکون له و لمتعلقہٖ"۔ اب اس میں شرط، " ثم ان کان اسمًا یَصِحُّ جعلهُ لما انتصبَ عنهُ": پھر اگر تمیز ایسا اسم ہو، جسکو منتصب عنه سے بنانا صحیح ہو۔ تو اوپر کی مثال میں نفسًا ایسا تمیز ہے جسکا حمل منتصب عنهُ یعنی زید پر صحیح ہے۔ یعنی شرط پورا ہو رہا ہے۔ لیکن آگے جزاء، " جاز ان یکون له و لمتعلقِہٖ": تو اس صورت میں وہ تمیز منتصب عنه سے بھی ہو سکتی ہے اور متعلق منتصب عنه سے بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ تو یہی جزا اس پر صادق نہیں آتی۔

صاحب کافیه کے نزدیک اگر مُنتصب عنه سے تمیز بنانا صحیح ہوا تو متعلق منتصب عنه کے لئے بھی تمیز بنانا صحیح ہوگا۔ لیکن یہاں اس مثال "طاب زیدٌ نفسًا" میں ہم نے دیکھا کہ نفسًا تمیز تو زید یعنی مُنتصب عنه کے لئے بنانا صحیح ہے لیکن شیئٌ جوکہ متعلق منتصب عنه ہے اس کے لئے بنانا صحیح نہیں۔

چنانچہ شارحین اس شرط "ثم ان کان اسمًا" کے اندر ایک قید بڑھاتے ہیں۔ اور وہ قید یہ ہے، کہ وہ تمیز مُنْتَصَبْ عنهُ کے لئے متعیَّن نہ ہو۔ تو کلام یوں بن جائے گا، اگر تمیز ایسا اسم ہو جو متعیَّن نہ ہو منتصب عنهُ کے لئے اور اسکا حمل منتصب عنه پر صحیح ہو، تو "جاز ان یکون له و لمتعلقِہٖ " پھر جائز ہے کہ وہ منتصب عنه کے لئے بھی ہو اور مُتَعَلِّق منتصب عنه کے لئے بھی ہو۔

اور طابَ زیدٌ نفسًا میں تمیز منتصب عنه کے لئے متعیَّن ہے۔ تو شارحین نے شرط لگائی کہ وہ تمیز منتصب عنهُ کے لئے متعین نہ ہو۔ اب جب تمیز منتصب عنهُ کے لئے متعیَّن ہو تو یہ تمیز صرف منتصب

عنہ سے ہوگی اور متعلق منتصب عنہ سے نہ ہوگی۔ جیسا کہ نفسًا صرف زید سے تمیز ہے لیکن متعلق منتصب عنہ جو کہ شیئٌ ہے اس سے تمیز نہیں۔

پس ایک صورت یہ ہے کہ تمیز متعین ہو منتصب عنہُ کے لئے اور ایک صورت یہ ہے کہ تمیز متعیّن نہ ہو منتصب عنہ کے لئے۔ لیکن یہ شرط، " ثم ان کان اسمًا یَصِحُّ جعلہُ لما انتصبَ عنہُ " دونوں پر صادق آتا ہے۔ یعنی اگر تمیز ایسا اسم ہو جس کا حمل منتصب عنہُ پر صحیح ہوں، تو دونوں صورتیں، طابَ زیدٌ نفسًا بھی اس شرط میں آیا، کیونکہ نفس کا اطلاق زید پر صحیح ہے۔ اور طابَ زیدٌ ابًا بھی اس شرط میں داخل ہوا، کیونکہ ابًا کا اطلاق بھی زید پر صحیح ہے۔ لیکن جزاء، " جاز ان یکون لہ و لمتعلقِہٖ : جائز ہے وہ تمیز منتصب عنہ کے لئے ہو یا متعلق منتصب عنہ کے لئے " صادق نہیں آتی۔ طابَ زیدٌ ابًا میں شرط بھی پایا جاتا ہے اور یہ جزا بھی صادق آتی ہے، کیونکہ ابًا کا اطلاق منتصب عنہُ یعنی زید پر بھی صحیح ہے اور اس کے متعلقِ منتصب عنہ پر بھی صحیح ہے۔ لیکن طابَ زیدٌ نفسًا کے اندر یہ جزا صادق نہیں آتی، اگر چہ اس میں شرط پایا جاتا ہے۔ کیونکہ نفسًا کا اطلاق منتصب عنہُ زید پر صحیح ہے، لیکن متعلق منتصب عنہُ پر نفس کا اطلاق صحیح نہیں۔ تو صاحب کافیہ کی عبارت میں خرابی آرہی ہے۔

تو شارحین اس بات کے محتاج ہوئے کہ شرط کے اندر ایک قید بڑھایا جائے، تاکہ بات درست ہو جائے، ورنہ شرط جزا درست نہیں رہتے۔ اور شرط کی وضاحت اوپر میں نے لکھا ہے۔ تو شرط کے ذریعے اُس صورت کو نکالا جب تمیز منتصب عنہُ کے لئے متعین ہو۔ لہٰذا شرط کے ذریعے نفسًا والی صورت خارج ہوئی۔ اور صاحب کافیہ کی عبارت سے دو قسموں کی وضاحت ہوگئی۔ یعنی تمیز کا اطلاق یا تو صرف متعلّقِ منتصب عنہُ پر ہوگا۔ یا منتصب عنہ اور متعلق منتصب عنہُ دونوں پر ہوگا۔

اور جب ہم تمیز کو منتصب عنہ کے لئے متعین کرے تو پھر تیسرا صورت بھی آجائے گا۔ جس میں تمیز کا اطلق صرف منتصب عنہُ پر صحیح ہو سکتا ہے اور متعلق منتصب عنہ پر صحیح نہیں ہوسکتا۔ جس کی مثال طابَ زیدٌ نفسًا ہے۔

اب میں عبارت کو دوبارہ لکھتا ہوں، اور اس کے ساتھ شرط والا ترجمہ بھی شامل کرتا ہوں۔

ثم اِنْ کانَ اسْمًا یَصِحُّ جَعلَہٗ لِما انْتُصِبَ عنہ پھر اگر وہ تمیز جب کہ وہ متعیَّن نہ ہو منتصب عنہُ کے لئے، ایسا اسم ہو کہ صحیح ہو اُس کا اطلاق منتصب عنہُ پر، جاز اَنْ یکونَ لہُ و لِمُتَعَلِّقِہٖ تو جائز ہے کہ وہ تمیز مُنْتَصَبٌ عنہُ کے لئے ہو اور اسکے متعلق کے لئے ہو۔

و الا ای وَ اِنْ لَمْ یَکُنْ کَذٰلِکَ: اور اگر ایسا نہ ہو، ۔ فھو لمتعلقہٖ تو وہ تمیز متعلّقِ منتصب عنہ کے لئے ہوگی۔

فَیُطابِقُ پس تمیز مطابق ہوگی۔ فیْہِما ان دونوں صورتوں میں، ای تمیز عن اَلْمُنتصب عنہُ اور تمیز عن متعلق منتصب عنہ: یعنی تمیز یا تو منتصب عنہ سے آئے یا متعلق منتصب عنہ سے آئے، ان دونوں صورتوں میں تمیز مطابق ہوگی۔ کس چیز کی مطابق ہوگی، اس کو ما قصد میں ذکر کیا گیا ہے۔ ما قُصِدَ اُس چیز کے جس کا ارادہ کیا گیا ہے۔ اگر منتصب عنہ کا ارادہ کیا گیا ہے تو تمییز اُس کے مطابق ہوگی افراد، تثنیہ اور جمع میں۔ اور اگر متعلق منتصب عنہ سے ارادہ ہو تو تمیز متعلق منتصب عنہ کے مابطق ہوگی، افراد، تثنیہ اور جمع کے اندر۔ یعنی مفرد کے لئے مفرد تمیز آئے گی، تثنیہ کے لئے تثنیہ اور جمع کے لئے جمع آئے گی۔

مثلاً : جب تمیز منتصب عنہ سے ہو۔ طابَ زیدٌ ابًا، میں ہم نے ابًا کو منتصب عنہُ یعنی زید سے تمیز بنانے کا ارادہ کیا گیا ہے۔ تو زید مفرد ہے تو تمیز بھی مفرد آیا۔ اب زید کی تثنیہ لاؤ تو تمییز بھی تثنیہ لانا ہوگی۔ طابَ الزَّیدانِ اَبَوَیْنِ۔ اور زید کی جمع کی صورت میں، طابَ الزَّیدونَ آبَاءً۔ تو تمییز جس کا ارادہ کیا گیا ہے اُس کے مطابق ہے، افراد، تثنیہ اور جمع میں۔

آگے صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ اگر تمییز اسم جنس سے ہو تو پھر اسکا تثنیہ اور جمع لانے کی ضرورت نہیں۔ یعنی تمییز کو مفرد لایا جائے گا، چاہیے منتصب عنہ مفرد ہو، یا تثنیہ ہو یا جمع ہو۔ پس اسم جنس کی صورت میں تمییز کا منتصب عنہ کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ اسم جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ الا اَنْ یکونَ جنسا مگر یہ کہ تمیز اسم جنس سے ہو۔ اسم جنس جس کا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے اور اس کے اجزاء ایک جیسے ہو۔ مثلاً پانی، گندم وغیرہ۔ بھئی تو اسکا اطلاق قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے، تو اس صورت میں تمییز کے تثنیہ اور جمع بنانے کی ضرورت نہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں، طابَ زیدٌ علمًا، طابَ الزیدانِ علمًا اور طابَ الزیدونَ علمًا۔ کیونکہ علم اسم جنس ہے۔ اور اسکی تثنیہ اور جمع کی ضرورت نہ ہو۔

اگر تمییز اسم جنس ہو، اور اس سے انواع کا ارادہ کیا جائے۔ تو پھر یہ افراد، تثنیہ اور جمع آ ئے گی۔ الا اَنْ یُّقصدَ الانواعُ مگر یہ کہ تمیز سے انواع کا ارادہ کیا جائے۔ اگر انواع کا ارادہ کیا جائے تو پھر اسم جنس کو بھی تثنیہ اور جمع لے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر، عندی رطلٌ زیتًا۔ اب زیتًا اسم جنس ہے۔ قلیل اور کثیر پر اسکا اطلاق ہوتا ہے۔ اگر اس سے انواع کا ارادہ کیا جائے تو پھر "عندی رطلٌ زیتَینِ" اور "عندی رطلٌ زُیُوتًا" کہیں گے۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں، "طاب زیدٌ علمًا"، طابَ الزیدَانِ عِلْمینِ" اور "طابَ الزَّیدونَ عُلُومًا"۔ علم چونکہ اسم جنس ہے۔ لیکن یہاں اس سے انواع کا ارادہ کیا گیا ہے۔

تو یہاں پر "فیطابقُ فیہما ما قصد" سے دو استثنا آ گئے۔ "الّا ان یکونَ جنسا" یہ ایک استثنا ہے۔ اور "الّا ان یقصد الانواع" یہ دوسرا استثنا ہے۔ اور یہ دوسرا استثنا مفہوم کلام سے استثنا ہے۔ ماقبل کلام " فیطابقُ

فیہما ما قصد الّا ان یکونَ جنسا " میں یہ بتایا گیا، "کہ تمیز اُس کے مطابق ہوگی جس سے لائی گئی ہے۔ اور یہ مطابقت افراد، تثنیہ اور جمع میں ہوگی۔ مگر یہ کہ تمیز اسم جنس ہو۔" اس سے ایک بات سمجھ میں آگئی۔ " ای یُفْرَدُ التمییزُ اذا کان جنسًا" کہ تمیز جب اسم جنس ہو تو مفرد رہے گی۔ تو "الّا ان یقصد الانواع" کے ذریعے اس بات کو واضح کیا اگر تمیز سے انواع کا ارادہ ہو پھر چاہے اسم جنس ہی کیوں نہ ہو، اس سے تثنیہ اور جمع لایا جا سکتا ہے۔ تو یہ استثناءِ ثانی مفہوم کلام سے ہے۔

و ان کانت صفةً اور اگر تمیز صفت کا صیغہ ہو۔ یعنی تمیز مشتق کا صیغہ ہو۔ صفت سے مراد مشتق کا صیغہ ہو۔ جیسے "للّٰہ درُّ فارسًا" میں فارس اسم فاعل یعنی مشتق کا صیغہ ہے۔ پہلے صاحب کافیہ نے فرمایا تھا، و ان کان اسمًا اور یہاں فرمایا و ان کانت صفةً۔ تو اس معلوم ہوا وہ اسم صفت کے مقابلے میں آیا تھا۔ کانت لَهُ تو پھر یہ صرف منتصب عنهُ کے لئے ہوگی۔ اور یہ صفت متعلِّقِ منتَصَبٌ عنهُ کے لئے نہیں ہو سکتی۔ وَ طِبْقَهُ اور یہ مشتق تمیز منتصب عنهُ کے مطابق ہوگی۔ اگر منتصب عنهُ مفرد ہے تو یہ تمیز بھی مفرد ہوگی۔ اگر منتصب عنہ تثنیہ ہے تو یہ مشتق تمیز بھی تثنیہ ہوگی۔ اور اگر منتصب عنہ جمع ہے تو یہ مشتق تمیز بھی جمع ہوگی۔ اسی طرح اگر منتصب عنہ مذکر ہو تو یہ مشتق تمیز بھی مذکر ہوگی، اور اگر منتصب عنہ مؤنث ہو تو یہ مشتق تمیز بھی مؤنث ہوگی۔ یہ واو بمعنیٰ مع کے ہے۔ طِبْقٌ اسم ہے بمعنیٰ مطابقت کے۔ یہ مفعول معهُ آگیا۔ جاءنی زیدٌ و عمرًوا: آیا میرے پاس زید، عمرو کے ساتھ۔ وَ احْتَمَلَتِ الحال اور یہ صفت جو ہے حال کا بھی احتمال رکھتی ہے۔ یعنی تمیز جب مشتق ہو تو اس میں حال کا احتمال بھی ہوتا ہے۔ معلوم ہوا تمیز مشتق بھی آسکتی ہے۔ لیکن جو تمیز مشتق ہو اُس کو حال بنانا بھی صحیح ہے۔

و لا یَتَقَدَّمُ التَّمییزُ علیٰ عاملِهِ اور تمیز اپنے عامل پر مقدَّم نہیں ہوگی۔ و الْاَ صَحُّ اور صحیح مذہب یہ ہے۔ ای اصحُّ الاقوال: تمام اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے۔ یعنی "عندی رطلٌ زیتًا" میں عندی زیتًا رطلٌ جائز نہیں۔ اور آگے بتلا رہے ہیں کہ صحیح مذہب کے مطابق تمیز فعل پر یا شبہ فعل پر بھی مقدّم نہیں ہو سکتی۔ جبکہ امام مازِنیؒ اور امام مُبَرِّدؒ فرماتے ہیں کہ تمیز فعل پر مقدَّم ہو سکتی ہے۔ ان لا یتقدَّمَ علی الفعل کہ تمیز فعل پر بھی مقدَّم نہیں ہوتی۔ خلافا للمازِنی و المبرد بخلاف امام مازنیؒ اور امام مبرِّدؒ کے۔ تمیز کی بحث یہاں تک ختم ہوئی۔ اب کچھ زائد چیزیں تمیز کے بارے میں۔

یاد رکھو! نسبت سے جو تمیز آتی ہے وہ دو قسم پر ہے۔ کبھی مُحَوَّل ہوگی کبھی غیر مُحَوَّل ہوگی۔ محوَّل کا معنیٰ ہے پھیرا گیا۔ یعنی اسکو ایک حالت سے دوسرے حالت کی طرف پھیرا گیا ہو۔ محوَّل تین قسم پر ہے۔ پہلا: محول عن الفاعل: جیسے طاب زیدٌ نفسًا۔ اصل میں تھا، طابَ نفسُ زیدٍ۔ تو یہ تمیز دراصل فاعل

تھی، پھر اس کو پھیر کر تمییز بنا دیا گیا۔ تو مضاف کو حذف کر کے مضافٌ الیہ کو اسکا قائم مقام بنا دیا گیا۔ اور فاعل کو تمییز بنا دیا گیا۔

دوسرا: محوّل عن الفاعل: جیسے فَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا:اصل میں تھا، فجَّرْنا عُیونَ الارضِ۔ تو یہ تمییز دراصل مفعول تھی۔ پھر اسکو پھیر کر تمییز بنایا گیا۔ یہاں بھی مضاف کو حذف کر کے مضافٌ الیہ کو اسکا قائم مقام بنایا گیا۔ اور اس مضاف کو جو ہم نے حذف کیا تو اس کو تمییز بنایا گیا۔

تیسرا: محوّل عن المبتدا: انا اکثرُ منک مالاً: میں تم سے زیادہ ہوں باعتبار مال کے۔ اصل میں "مالِیَ اکثرُ من مالِکَ"۔ مالِیَ میں مال مبتدا ہے۔ مال چونکہ یائے متکلم کی طرف مضاف ہے۔ اس لئے اس پر تقدیری رفع ہے۔ اور سولہ قسموں میں سے جمع مذکر سالم کے علاوہ جو بھی اسم یائے متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس کا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے، غلامِیَ کی طرح۔ تو پھر اس "مال" کو اٹھایا اور یا جو ضمیر متکلم تھی، اس کو متّصل سے بدل کر منفصل کیا گیا، اور اسکی جگہ "انا" لایا گیا۔ اور یہ پہلے مضافٌ الیہ تھا اور اب اسکو مرفوع لے آیا یعنی "انا"۔ اور اس مال کو ہم نے تمییز بنایا۔ تو "انا اکثرُ منک مالاً" بن گیا۔ تو یہ محوَّل عن المبتدا ہے۔

غیر محوَّل کی مثال: اِنَّ طَلَعَ الْعِنَاءُ ماءً: برتن بھر گیا باعتبار پانی کے۔ تو یہاں ماءً تمییز ہے اور نہ یہ محوّل عن الفاعل ہے، نہ محوّل عن المفعول ہے اور نہ یہ محوّل عن المبتدا ہے۔

اور تمییز جس سے پھیرا گیا ہے، تمییز اُس کے درجے میں ہوگا۔ یعنی اگر محوّل عن الفاعل ہو تو تمییز فاعل کے درجے میں ہوگا۔ اور اگر محوّل عن المفعول ہو تو تمییز مفعول کے درجے میں ہوگا۔ اور اگر تمییز محوّل عن المبتدا ہو تو مبتدا کے درجے میں ہوگا۔

درس 61- **المستثنیٰ متصلٌ و منقطعٌ** مستثنیٰ متَّصل ہے اور مُنقطع ہے۔ **فالـمُتَّصِلُ** پس متَّصل جو ہے۔ **هو** وہ ہے۔ **المخرج عن متعَّددٍ** جسکو متعدَّد یعنی مستثنیٰ منہ سے نکالا گیا ہو۔ یعنی مستثنیٰ پہلے مستثنیٰ منہُ میں داخل تھا۔ پھر اسکو حرف استثنیٰ کے ذریعے مستثنیٰ منہ سے نکالا جائے۔ **لفظا او تقدیرا** اس حال میں کہ وہ متعدَّد یعنی مستثنیٰ منہ یا تو لفظًا ہوگا یا تقدیرًا ہوگا۔

مثلاً میں کہوں، "ما جاءَنِی احدٌ": میرے پاس کوئی بھی نہیں آیا۔ یعنی ساروں کے میں نے نفی کر دی۔ تو اِن ساروں کے اندر تو "زید" بھی آرہا تھا۔ تو میں نے "اِلَّا" کے ذریعے "زید" کو اس متعدَّد سے نکالا۔ اور کلام یوں کہا۔ "ما جاءَنی احدٌ الّا زیدًا"۔ یہاں مستثنیٰ متَّصل ہے، اِلّا کے بعد ہے اور کلام غیر مُوجَب میں ہے۔نیز مستثنیٰ منہ مذکور بھی ہے۔ تو اس صورت میں مستثنیٰ پر نصب بھی آسکتا ہے اور اسکو مستثنیٰ منہ سے بدل بھی بنا سکتے ہے۔ چونکہ مستثنیٰ منہُ "احدٌ" مذکور ہے۔ اور اسکو جاء نے رفع دیا۔ اگر مستثنیٰ منہُ مذکور نہ ہو تو پھر مستثنیٰ کا اعراب علیٰ حسبِ العوامل ہوگا۔ تو جاءَ یہاں فاعل کا تقاضا کر رہا ہے، اور اگر احدٌ کو حذف کیا جائے تو پھر جاءَ "زید" کو فاعل بنا دے گا اور اس کو رفع دے گا۔ یعنی "ما

جاءنی الّا زیدٌ" بن جائے گا۔ بالا و اخواتہا اِلّا اور اس کے جو مشابہ کلمات ہیں۔ استثنیٰ کے لئے کل گیارہ الفاظ آتے ہیں۔ و المنقطع اور دوسرا مستثنیٰ منقطِعْ ہو۔ المذکورُ بعدَھا جو اِلّا کے بعد مذکور ہو۔ غیرَ مُخْرَج اور اسکو متعدَّد یعنی مستثنیٰ منه سے نکالا بھی نه گیا ہو۔ یعنی مستثنیٰ پہلے سے مستثنیٰ منه میں داخل ہی نہیں تھا۔

آگےصاحب کافیہؒ مستثنیٰ کے اعراب کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں۔ و ھو منصوبٌ اور مستثنیٰ منصوب ہوگا۔ اذا کان بعدَ الّا جب مستثنیٰ "اِلّا" کے بعد آئے۔ غیرِ الصَّفَةِ ایسا "اِلّا" جو صفت نه ہو۔ اصل میں اِلّا استثنیٰ کے لئے ہے۔ لیکن کبھی کبھار یه صفت کے لئے بھی آتا ہے اور غیرُ کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ فی کلامٍ مُوْجَبٍ کلام موجب میں۔ کلام موجب وہ ہوتا ہے جس میں نفی، نہی اور استفہام نہیں ہوتا۔ او مُقَدَّمًا علی المستثنیٰ منه اور یا مستثنیٰ مقدّم ہو مستثنیٰ منه پر۔ او مُنْقَطِعًا یا مستثنیٰ منقطع ہو۔ فی الاکثرِ اکثر علماءِ نحو کے نزدیک او کان بعد خلا و عدا فی الاکثر اور یا خلا اور عدا کے بعد آئے اکثر استعمالات میں۔ جبکه بعض اوقات مجرور بھی آسکتا ہے۔ او ما خلا و ما عدا و لیس و لا یکونُ اور ما خلا، ما عدا، لیس اور لا یکونُ کے بعد۔ ان تمام صورتوں میں مستثنیٰ منصوب ہوگا، چاہے اِلّا کے ساتھ آئے یا غیر الّا کے ساتھ آئے۔

و یجوزُ فیه النصبُ و یختارُ البَدَلُ اور نصب بھی جائز اور بدل پسندیدہ ہے۔ جب مستثنیٰ ہو اِلّا کے ساتھ، اور استثنیٰ بھی متَّصِل ہو، کلام غیر موْجَب ہو، غیر مقدَّم ہو اور مستثنیٰ منه کلام میں مذکور ہو۔ تو اس صورت میں نصب پڑھنا بھی جائز اور بدل بنانا بھی جائز۔ آگے صاحب کافیه شرائط ذکر کر رہے ہیں۔ که کن کن شرائط کے بعد مستثنیٰ کو منصوب پڑھنا بھی جائز ہے اور مستثنیٰ کو بدل بنانا بھی جائز ہے۔ فی ما بعدَ الّا اُس مستثنیٰ میں جو اِلّا کے بعد آئے۔ فی کلامٍ غیرِ موجبٍ اور کلامِ غیر مُوْجَب میں ہو۔ و ذُکِرَ المستثنیٰ منه اور مستثنیٰ منه کو بھی ذکر کیا گیا ہو۔ مثلُ ما فعلوهُ اِلّا قلیلٌ و الا قلیلًا ای مافعلُوهُ اِلّا قلیلٌ: ما نافیه، فعلوٓا فعل با فاعل، اس کے اندر واو ضمیر مرفوع محلاً مبدل منهُ، ها ضمیر منصوب محلاً مفعول به، الّا حرف استثناء، قلیلٌ مرفوع بدل فعلوا کی واو ضمیر سے۔ مبدل منه اپنے بدل سے ملکر فعل کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول به سےملکر جمله فعلیه خبریه ہوا۔ قلیلٌ مرفوع اس لئے پڑھا تا که یه بدل بن جائے۔اور منصوب پڑھنا بھی جائز ہے۔ 43

ما فعلُوْهُ الّا قلیلًا کی ترکیب: ما نافیه، فعلوٓا فعل با فاعل، اس کے اندر واو ضمیر مرفوع محلاً مستثنیٰ منهُ، ها ضمیر منصوب محلاً مفعول به، الّا حرف استثناء، قلیلًا منصوب لفظًا مستثنیٰ۔ مستثنیٰ منه اپنے مستثنیٰ سے ملکر فل کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول به سےملکر جمله فعلیه خبریه ہوا۔

و یُعربُ اور اعراب دیا جائے گا مستثنیٰ کو۔ اور کلام غیر موجب کے اندر مستثنیٰ کو اعراب دیا جائے گا، علیٰ حسبِ العواملِ عوامل کے مُقتضیٰ کے مطابق، یعنی جس چیز کا عوامل تقاضا کر رہے ہو۔ اذا کان المستثنیٰ منه غیرَ مذکورٍ جبکہ مستثنیٰ منه مذکور نہ ہو۔ و ھو فی غیر الموجب اور وہ غیر موجب میں ہو۔ لِیُفِیْدَ تاکہ کلام فائدہ بھی دیں۔ مثلُ ما ضربنی الا زیدٌ: کسی نے میری پٹھائی نہیں کی سوائے زید کے۔ اصل میں تھا، " ما ضربنی احدٌ الا زیدًا"۔ مستثنی منهُ احدٌ کو حذف کیا، اور عامل ضربَ کی وجہ سے زید کو رفع دیا گیا، تو "ما ضربنی الّا زیدٌ" بنا۔ یہ کلام ٹھیک ہے۔ نوٹ: احدٌ نکرہ ہے، اور جب نکرہ تحتَ النفی آئے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

آگے صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں، کہ اگر معنیٰ صحیح بنتا ہو، تو کلام موجب کے اندر بھی مستثنیٰ منه کو حذف کرنا اور پھر مستثنیٰ کو علیٰ حسبِ العوامل اعراب دینا جائز ہے۔

درس 62۔ اِلّا اَنْ یَّسْتَقِیْمَ المعنیٰ مگر یہ کہ معنیٰ سیدھا رہے۔ یعنی معنیٰ ٹھیک رہے۔ اگر کلام موجب کے اندر مستثنیٰ منه مذکور نہ ہو، تو وہ عموماً فائدہ نہیں دیتا۔ مثلاً اوپر والا جملہ " ما ضربنی الّا زیدٌ" کو کلام موجب میں لے آؤ تو ، "ضربنی الّا زیدٌ": میری پٹھائی کی سوائے زید کے۔ اسکا معنیٰ یہ ہوا کہ ہر ایک نے میری پٹھائی کی سوائے زید کے۔ اور یہ تو ممکن نہیں۔ ضربنی الّا زیدٌ اصل میں "ضربنی کُلُّ واحدٍ الّا زیدًا" ہے۔ اور یہ ممکن ہی نہیں کہ دنیا کے سارے انسان کسی کی پٹھائی کر دے۔ اگر کوئی قرینة موجود ہو کہ کوئی خاص جماعت مراد ہے، تو پھر کلام موجب کے اندر بھی جائز ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "ضربنی الّا زیدٌ": میری پٹھائی کی ہر ایک نے سوائے زید کے۔ یہاں "ہر ایک" سے پوری دنیا مراد نہیں، بلکہ ایک خاص جَماعت مراد ہے۔ یعنی وہ جو ایک جماعت ہے اُن میں سے ہر ایک نے میری پٹھائی کی سوائے زید کے ۔ تو قرینة بتلا دے گا کہ عام مراد ہے یا کوئی خاص جماعت مراد ہے۔ پس جب کلام موجب کے اندر معنیٰ صحیح ہو تو پھر جائز ہے۔ مثل قرأتُ اِلّا یومَ کذا: میں نے پڑھا مگر اتنے دن نہیں پڑھا۔ کلام موجب کی اس مثال میں قرأتُ فعل یومَ کو مفعول فیه بنا رہے ہے۔ اور مستثنیٰ منهُ مذکور نہیں۔ چونکہ یہاں معنیٰ ٹھیک بن رہا ہے، تو کلام موجب کے اندر بھی یہ جائز ہے، کہ مستثنیٰ منه کو حذف کرے اور مستثنی کو علی حسبِ العوامل اعراب دیا جائے۔ تو یہاں قرینة یہ بتلا رہا ہے پڑھنے والا کہہ رہے ہیں کہ میں نے مثلاً پورا ہفتہ پڑھا لیکن اتنے دن نہیں پڑھا۔ یا میں نے پورا مہینہ پڑھا لیکن اتنے دن نہیں پڑھا۔ یہاں پڑھنے والا یہ نہیں کہتا کہ میں نے سارے زمانے کے سارے ایّام پڑھائی کی اور اتنے دن پڑھائی نہیں کی۔ کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ انسان سارے زمانے کے سارے ایّام پڑھائی کرے۔ کیونکہ سارے زمانے سے تو انسان کا عمر بہت ہی کم ہے۔ وَمِن ثَمَّ اور اسی وجہ سے، ثَـمَّ بعید مکان کے لئے ذٰلک کی طرح اس اشارہ ہے۔ ہم نے جو استقامتِ معنیٰ کی شرط لگا دی اسی وجہ سے۔ لم یَجُز جائز نہیں ہے۔ ما

زال زیدٌ الا عالما یہ جملہ کہنا درست نہیں۔ زالَ: زائل ہونا، ختم ہونا، نہ ہونا۔ مَا زالَ: ہمیشہ، نفی پر جب نفی داخل ہو جائے تو وہ اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔ ما زال زیدٌ الا عالما : ہمیشہ سے زید کے لئے ہر صفت ہے سوائے صفت علم کے۔ یعنی ہمیشہ سے زید ہے سوائے عالم ہونے کے ۔ اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی ایک انسان کے لئے تمام صفات ثابت ہو جائے سوائے کسی ایک صفت کے۔ اور تمام صفت میں تو صفاتِ متضادَّ بھی آگئے، اور وہ بھی اس کے لئے ثابت ہو گئی۔ مثلا ایک ہے بہادری اور ایک ہے بزدلی۔ تو وہ ہمیشہ سے بہادر بھی ہے اور ہمیشہ سے بزدل بھی ہے۔ تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قیام بھی ایک وصف ہے اور لا قیام بھی ایک وصف ہے۔ اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص ایک ہی وقت کے اندر کھڑا بھی ہو اور بیٹھا بھی ہو۔ پس معلوم ہوا، یہ کہنا " ما زال زیدٌ الا عالما" جائز نہیں۔ اور جب یہ کہنا ہی جائز نہیں تو لہٰذا اس کی ترکیب بھی نہیں کریں گے۔

و اذا تَعَذَّرَ البَدَلُ علی اللفظِ ای اذا تَعَذَّرَ حَمْلُ البدلِ علی اللفظِ : جب بدل کا حمل کرنا لفظوں پر ممکن نہ رہے۔ فعلَی الْمَوضِع ای فَیُحْمَلُ عَلَی الْمَوْضِعِ: تو اس بدل کا حمل پھر مَوْضِعْ یعنی مَحل پر کیا جائے گا۔ جب مستثنیٰ متصّل ہو، کلام غیر موجب کے اندر، مستثنیٰ غیر مقدم ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو، تو اس صورت میں مستثنی کو نصب دینا بھی جائز ہے اور مستثنیٰ کو بدل بنانا بھی جائز ہے۔ جب مستثنیٰ کو بدل بنایا جائے تو جو اعراب مستثنیٰ منہ کا ہو وہی اعراب بدل کا بھی ہوگا۔ اور جب مستثنیٰ کا لفظوں پر حمل کرنا ممکن نہ ہو تو پھر مستثنیٰ کا محل پر حمل کریں گے۔

مثلُ ما جاءنی مِنْ احدٍ الا زیدٌ نہیں آیا میرے پاس کوئی ایک بھی، مگر زید۔ یعنی زید میرے پاس آیا۔ یہ مِنْ جارّ زائدہ ہے۔ اصل میں کلام، " ما جاءنی احدٌ : میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا۔

نوٹ: حروف جارّہ آٹھ چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ضرور متعلق ہوتے ہیں۔ لیکن حروف جارّہ زائدہ کسی کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے۔ حلا، عدا اور حاشا کبھی جرّ بھی دیتے ہیں۔ یہ بھی جب جرّ دیں گے تو کسی سے متعلق نہیں ہوں گے۔ اسی طرح، "لعلَّ اور لولا" بھی کبھی جرّ دیتے ہیں۔ یہ بھی اُسی وقت کسی سے متعلق نہیں ہوں گے۔ اسی طرح "رُبَّ" جارّہ بھی کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ بعض علماء اسے متعلق بناتے ہیں۔

پس یہ "مِنْ" جارّہ زائدہ ہے، یہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ اور یہ اَحدٍ جاءَ کے لئے فاعل ہے۔ تو لفظوں کے اعتبار سے " احدٍ" مجرور ہے، لیکن محل کے اعتبار سے "احد" مرفوع ہے، کیونکہ یہ فاعل ہے جاء کے لئے۔

اب ایک بات یاد رکھو! یہ "مِنْ" کلام منفی کے اندر قیاسًا زائد کیا جاتا ہے، کلام مثبت کے اندر زائد نہیں کیا جاتا۔ دوسری بات یہ یاد رکھو! بدل تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ تکرار عامل کے درجے میں ہونے کا یہ معنیٰ کہ گویا اس پر عامل دوبارہ داخل ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا، "ما جاءنی عمرٌو" میں

نے کہنا زید تھا لیکن غلطی سے منہ سے عمرو نکلا۔ اب میں فورًا اصلاح کرتا ہوں، زیدٌ یعنی "ما جاءنی عمرٌو زیدٌ"۔ تو یہ زیدٌ بدل ہے عمرٌو سے ۔ اور اسکو بدل الغلط کہتے ہے۔ کیونکہ اس بدل کا سبب متکلم کی غلطی بنی۔ اور یہ تکرار عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ یعنی "ما جاءَ" عمرو کو رفع دے رہا تھا۔ تو گویا "زید" پر ایک اور "ما جاء" داخل ہو رہا ہے۔ تیسری بات یہ یاد رکھو! جب اِلَّا سے ماقبل نفی ہو تو اِلَّا اس نفی کو تھوڑ دیتا ہے۔ یعنی ما بعد میں اثبات آجائے گا۔ مثلاً، ما جاءنی احدٌ اِلَّا زیدٌ۔ اِلَّا سے ماقبل نفی ہے۔ اور اِلَّا کے بعد اثبات ہے۔ یعنی میرے پاس کوئی بھی نہیں آیا مگر صرف زید آیا۔ چوتھی بات یہ کہ جب مستثنیٰ کا حمل لفظوں پر ممکن نہ ہو تو پھر اس کا حمل مستثنیٰ منہ کے محل پر کرتے ہے۔

اب دیکھو! ماجاءنی من احدٍ : میں یہ "مِنْ" زائدہ ہے، کلام منفی کے اندر آیا۔ اب آگے "اِلَّا زیدٌ" آرہا ہے۔ اور "زیدٌ" کو ہم "احد" سے بدل بنانا چاہتے ہیں۔ اور بدل تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور "احدٍ" کے اندر عامل "مِنْ" ہے۔ اور جب ہم زید کو بدل بنائیں گے اور لفظوں پر حمل کریں گے تو گویا اس پر "مِنْ" داخل ہوا۔ تو یہ "اِلَّا مِنْ زیدٍ" ہو جائے گا۔ اور ماقبل میں کلام منفی تھا، تو اِلَّا کے بعد مُثبت کلام آیا ہے۔ تو اب مثبت کلام کے اندر "مِنْ" کو زائد ماننا پڑے گا۔ اور مثبت کلام کے اندر "مِنْ" زائد نہیں آتا۔ لہٰذا زیدٌ کا لفظوں پر حمل کرنا درست نہیں ہوا۔ لہٰذا اب محل پر حمل کریں گے۔ او محل کے اعتبار سے احد مرفوع ہے کیونکہ جاءَ کے لئے فاعل ہے، تو زید بھی مرفوع پڑھیں گے۔ اسی لئے کہا، "ما جاءنی من احدٍ الّا زیدٌ" اور اس میں الّا زیدٍ کہنا صحیح نہیں۔

و لا احدَ فیھا الا عمرٌو و لا احدَ اور کوئی ایک بھی نہیں ہے فیھا ای فی الدارِ گھر میں الا عمرٌو گھر میں۔ اب دیکھئے الا عمرًوا ہم نہیں پڑھ سکتے۔ "لا" نے "احدَ" کو مبنی علی الفتح بنایا۔یہ لائے نفی جنس ہے اور لائے نفی جنس مبتدا خبر پر داخل ہوتا ہے۔ تو احد لفظوں کے اعتبار سے مبنی علی الفتح ہے اور محل کے اعتبار سے مرفوع ہے، کیونکہ یہ مبتدا ہے لائے نفی جنس کے لئے۔ لائے نفی جنس جونکہ نفی کی وجہ سے عمل کر رہا تھا، اور الّا نے آکر اس کے نفی کو تھوڑ دیا، تو اب یہ عمرو میں عمل نہیں کرتا۔

اب عمروٌ کو بدل بنانا ہے۔ اب اگر اسکا حمل لفظوں پر کریں گے تو حمل صحیح نہیں رہے گا۔ کیونکہ احدَ مبنی علی الفتح ہے۔ اور الّا عمرَو نہیں پڑھ سکتے کیونکہ الّا نے "لائے نفی جنس" کے عمل کو تھوڑ دیا۔ لہٰذا اب محل پر حمل کرتے ہے، اور محل کے اعتبار سے احد مبتدا ہے۔اس کے مطابق عمرٌو مرفوع پڑھا جائے گا۔

و ما زیدٌ شیئًا الا شئٍ لا یُعْبَأ بہٖ و ما زیدٌ شیئًا اور زید کوئی چیز نہیں ہے۔ الا شئٌ مگر ایسی چیز لا یُعْبَأُ بہٖ جس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ یعنی زید ایسا چیز ہے جسکی پرواہ نہیں کی جاتی۔ اَعْبَأُ: میں پرواہ نہیں کرتا۔ لا اَعْبَأُ بِزَیْدٍ: مجھے زید کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ تو دیکھئے شَیْئٌ نکرۃ ہے اور اس کے بعد "لا یُعْبَأُ" فعل آ

رہا ہے۔ اور نکرۃ کے بعد فعل عموماً صفت بنتا ہے۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کرتے وقت موصوف سے پہلے ایسا یا ایسی کا لفظ لاتے ہے۔

یہاں شیئٌ کے لئے صفت کیوں لایا گیا؟ آپ کو پتہ ہے ہم نے مستثنیٰ منہُ سے مستثنیٰ کو نکالنا ہے۔ تو لازمی بات ہے مستثنیٰ منہ کے اندر تعدُّد کا ہونا ضروری ہے۔ اگر اُس میں تعدُّد نہیں تو مستثنیٰ کا اُس سے نکالنا بھی صحیح نہیں۔ یعنی اگر صاحب کافیہ؈ مستثنیٰ کی صفت نہ لاتے، تو پھر الا سے ماقبل بھی شَیئ ہے اور الّا کے مابعد میں شیئ ہے۔ تو یہ استثناء صحیح نہیں رہتا۔ مثلاً میں کہتا ہوں، ما جاءنی زیدٌ الّا زیدٌ: نہیں آیا میرے پاس زید مگر زید آیا۔ تو یہ کلام صحیح نہیں۔ کیونکہ اِلّا سے پہلے زید کی نفی ہے اور اِلّا کے بعد زید کا اثبات ہے۔ یہ تو تناقُض لازم آیا۔ اور یہ جائز نہیں۔ اور اس کو استثناءُ شَیئًا من نَفسہٖ کہتے ہے۔ اور یہ جائز نہیں۔ پس مستثنیٰ منہ بھی شَیئ کا لفظ ہے اور استثنیٰ بھی شَیئ کا لفظ ہے، تو یہ جائز نہیں۔ اس لئے صاحب کافیہ؈ نے شئ کی صفت "لا یُعْبَأُ بِہٖ " بڑھا دی۔

لا یُعْبَأ بِہٖ : مستثنیٰ ایسی چیز ہے جس کی پرواہ نہ کی جائے۔ معلوم ہوا ما قبل میں شیئًا مطلق ہے۔ وہ دونوں قسم کے چیزوں کو شامل ہے۔ ایک وہ چیز جس کی پرواہ کی جاتی ہے۔ اور ایک وہ چیز جس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ تو یہ دو ہو گئے۔ اور ان میں سے ایک چیز جس کی پرواہ نہیں کی جاتی اُس کو نکالا گیا۔ تو ایک وہ چیز رہ گئی جس کی پرواہ کی جاتی ہے۔ تو اب " استثناءُ شَیئًا من نَفسہٖ لازم نہیں آیا۔

اب شیئٌ کو ہم نے شیئًا کے محل سے بدل بنانا ہے۔ ماقبل میں شیئًا منصوب ہے۔ اور الّا کے ما بعد شیئٌ کا حمل ہم لفظوں پر نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ شیئًا کو نصب "ما" دے رہا ہے۔ اور یہ "ما" مشابہ بہ لیسَ ہے۔ اور یہ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب دیتا ہے۔ تو اس "ما" مشابہ بلیس نے شیئًا کو نصب دیا۔ اور یہ عمل نفی کی وجہ سے کرتا ہے۔ اور اِلّا کی وجہ سے اسکی نفی ٹوٹ چکی ہے۔ تو لہٰذا اب وہ مابعد میں عمل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اب لفظوں پر حمل صحیح نہ رہا۔ یعنی اِلّا شیئًا کہنا صحیح نہ رہا، کیونکہ "ما" عمل نہیں کر سکتا۔ تو پھر محل پر حمل کریں گے، اور محل کے اعتبار سے شیئًا مرفوع ہے، کیونکہ شیئًا خبر ہے۔ لہٰذا الّا کے بعد شَیئٌ کا محل پر حمل کرتے ہوئے مرفوع پڑھیں گے۔

پس خلاصہ یہ کہ یہاں صاحب کافیہ؈ نے تین مثالیں ذکر فرمائی، جن میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے محل سے بدل بنایا۔ پہلے مثال میں یہ بتلایا کہ کلام مثبت کے اندر مِنْ کو نہیں بڑھایا جاتا، دوسری اور تیسری مثال میں یہ بتلایا کہ "لا اور ما" کی نفی اِلّا کی وجہ سے ٹوٹ چکی ہے۔ لہٰذا مابعد میں وہ عمل نہیں کر سکتے۔

یہی بات اب صاحب کافیہ؈ فرما رہے ہیں۔

لِاَنَّ مِنْ اس لئے کہ "مِنْ" کا لفظ لا تُزَادُ بَعْدَ الْاِ ثْبَاتَ اثبات کے بعد نہیں بڑھایا جاتا۔ بلکہ اس کو کلام منفی میں بڑھایا جاتا ہے۔ اس سے پہلا مثال ما جاءنی مِنْ احدٍ الا زیدٌ مراد ہے۔ اور "ما اور و ما و لا

لا" جو ہیں۔ اس سے بعد کے دو مثالیں لا احدَ فیہا الا عمرٌو اور ما زیدٌ شیئًا الا شئ لا یُعْبأ بہ مراد ہے۔ لا تُقَدَّرَانِ انکو مقدَّر نہیں کیا جاتا عاملتَین اس حال میں کہ یہ عمل کرنے والے ہوں۔ بعدَہٗ ای بعدَ الاثباتِ: اثبات کے بعد۔ "ما اور لا" پہلے آئے تھے۔ ما قبل میں کلام منفی تھا، پھر اِلّا نے آکر اس کے منفی کو تھوڑ دیا تو ما قبل میں کلام مثبت آیا۔ اور کلام مثبت کے اندر "ما اور لا" کو مقدَّر نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ جب ہم استثنیٰ کو بدل بناتے ہیں، تو بدل تکرار عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ تو پھر اِلّا کے بعد بھی ایک "لا اور ما" کو مقدَّر ماننا پڑے گا۔ حالانکہ اِلّا کے بعد "لا اور ما" کو مقدَّر نہیں مان سکتے۔ لانہما عملتا لِلنَّفْيِ اس لئے کہ یہ دونوں عمل کرتے ہیں نفی کی وجہ سے۔ و قَدِ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِاِلّا اور تحقیق ٹوٹ گئی نفی اِلّا کے ساتھ۔

صاحب کافیہؒ نے پچھلے مثالوں میں فرمایا کہ جب لفظوں پر حمل صحیح نہ ہو تو پھر محل پر حمل کریں گے۔ اب یہاں ایسی مثالیں ذکر فرما رہے ہیں کہ جہاں لفظوں پر حمل کرنا ٹھیک ہو۔ بخلاف یہ مثالیں ماقبل کے خلاف ہے۔ لیسَ زیدٌ شیئا الا شیئا یہ کہنا صحیح ہے۔ لیسَ زیدٌ شیئا الا شیئا میں مستثنیٰ بھی شیئا ہے اور مستثنیٰ منہ بھی شیئا ہے۔ حالانکہ دونوں میں فرق ہونا چاہئے۔ لہٰذا یہاں یا تو "لَا یُعْبَأُ بہٖ" صفت نکالے۔ اور صاحب کافیہؒ نے اس کو دوبارہ ذکر نہیں کیا کیونکہ ماقبل میں وہ چیز ایک مرتبہ ذکر ہو چکا ہے۔

یا "لا یعبأ بہٖ" مقدَّر نکالنے کی بھی ضرورت نہیں۔ شیئًا کی جو تنوین ہے۔ تنوین کبھی تحقیر کے لئے بھی آتی ہے۔ تنوین کبھی تعظیم کے لئے بھی آتی ہے۔ تو یہاں بھی شیئًا کی تنوین یا تعظیم کے لئے بنائے یا تحقیر کے لئے بنائے۔ تو معلوم ہوا چیزیں دو قسم پر ہیں۔ ایک حقیر اور ایک عظیم۔ اگر مستثنیٰ کی تنوین یہاں تحقیر کے لئے لے لیں، تو معنیٰ یہ ہوگا، زید کچھ بھی نہیں مگر ایک حقیر چیز۔ اور ماقبل میں شیئًا مطلق تھا وہ عظیم کو بھی شامل تھا اور حقیر کو بھی شامل تھا۔ تو اِلّا کے ذریعے اُس میں سے حقیر کو نکال دیا گیا۔ تو مستثنیٰ منہ میں تعدُّد آیا۔

یا مستثنیٰ کی تنوین تعظیم کے لئے بناؤ۔ تو پھر ایک چیز باقی رہ جائیگی۔ اور ماقبل میں تعدُّد بھی آجائے گا۔

لیسَ زیدٌ شیئا الا شیئا: لیسَ فعل از افعال ناقصہ، زیدٌ مرفوع لفظًا لیس کا اسم، شیئًا منصوب لفظًا مبدل منہ، الّا حرف استثنا شیئًا منصوب لفظًا بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے ملکر لیس کا خبر۔

اشکال: اشکال یہ کہ "لیس" بھی تو عمل نفی کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ اور الّا نے آکر اس نفی کو ختم کر دیا۔ جب لیسَ کے عمل کو ختم کیا تو الّا کے مابعد منصوب نہیں ہونا چاہئے۔ تو صاحب کافیہؒ فرما رہے ہیں کہ ایسا نہیں! لیسَ عمل نفی کی وجہ سے نہیں کر رہا بلکہ فعل کی وجہ سے عمل کر رہا ہے۔ پس اِلّا کے

آنے سے لیس کا نفی ہونا ٹوٹ گیا لیکن اس کا فعل ہونا اب بھی باقی ہے۔ لہٰذا لیسَ مابعدِ اِلَّا میں بھی عمل کریگا اور مستثنیٰ شیئًا کو نصب دے گا۔

لِاَنہا عَمِلَتْ للفعلیة اس لئے کہ "لیسَ" نے عمل کیا فعل ہونے کی وجہ سے۔ فلا اثرَ پس کوئی اثر نہیں فیہا لیسَ کے عمل کے ٹوٹنے میں۔ ھا ضمیر راجع کرو، فِی انْتِقَاضِ عَمَلِ لیسَ کو۔ لِنَقْضِ مَعْنَی النَّفْیِ نفی کے معنیٰ کے ٹوٹنے کا۔ یعنی اِلَّا کے ذریعے لیسَ کے نفی کا معنیٰ تو ٹوٹ گیا، لیکن اِلَّا لیسَ کے عمل کو ختم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ لیسَ فعل ہونے کی وجہ سے عمل کر رہا ہے نہ کہ نفی ہونے کی وجہ سے عمل کر رہا ہے۔ لِبَقاءِ الامرِ باقی رہنے اُس امر کے۔ یعنی لیسَ کا معنیٰ تو الّا کے ذریعے ختم ہوا لیکن وہ امر جس کی وجہ سے لیسَ عمل کر رہا ہے وہ امر باقی ہے۔ اور وہ امر لیس کا فعل ہونا ہے۔ اَلْعَامِلَةِ ھِیَ کہ یہ لیسَ عمل کرنے والا ہے۔ ھی ای لیس۔ ھِیَ ضمیر لیسَ کو راجع ہے۔ جس طرح فعل کے لئے فاعل چاہئے، اسی طرح اسم فاعل کے لئے بھی فاعل چاہئے۔ اور فاعل یا تو ضمیر آئے گی اور یا آگے اسم ظاہر فاعل بنے گا۔ تو یہاں اس کے ضمیر کو آگے ظاہر کر کے العاملةِ کے لئے فاعل بنایا۔ یہ بتلانے کے لئے کہ العاملةِ کے اندر جو ضمیر ہے وہ ماقبل میں الامرِ کو نہیں لوٹ رہی بلکہ وہ لیس کو لوٹ رہی ہے۔ تو لفظوں کے اعتبار سے العاملة یہ صفت ہے الامر کی۔ کیونکہ الامر بھی معرفة ہے اور العاملة بھی معرفہ ہے۔ اور معرفة کے بعد معرفة آئے تو عمومًا موصوف صفت بنتے ہے۔ تو لفظوں کے اعتبار سے العاملة یہ صفت ہے الامر کی اور معنی کے لحاظ سے یہ صفت ہے لیسَ کی۔ کیونکہ اسکے اندر جو ضمیر ہے وہ لیس کو راجع ہے جو اس نے آگے ظاہر کر دی۔ لاجلہٖ اُس چیز کی وجہ سے۔ یعنی لیسَ کا فعل ہونے کی وجہ سے۔ ھا ضمیر راجع ہے الامر کو۔ خلاصہ یہ کہ اِلَّا نے تو لیس کے نفی کو ختم کر دیا۔ لیکن لیس نفی کی وجہ سے عمل نہیں کر رہا بلکہ فعل ہونے کی وجہ سے عمل کر رہا اور اس کا فعل ہونا باقی ہے لہٰذ لیسَ مستثنیٰ میں عمل کریگا۔

وَ مِنْ ثَمَّ جاز اور اسی وجہ سے یہ ترکیب جائز ہے۔ لیس زیدٌ الا قائمًا ترکیب۔ لیسَ فعل از افعال ناقصہ، زیدٌ مرفوع لفظًا لیس کا اسم، الّا حرف استثناء، قائمًا لیس کی خبر، لیسَ اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو لیسَ نے فعل ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ میں عمل کیا۔

وامتنعَ اور یہ ترکیب مُمْتَنِعٌ ہے۔ ما زیدٌ الا قائمًا ما مشابہ بلیس ہے۔ اس نے قائمًا کو نصب دیا۔ لیکن یہ قائم کو نصب نہیں دے سکتا۔ کیونکہ یہ نفی کی وجہ سے عمل کر رہا ہے اور اسکی نفی اِلَّا کے ذریعے ٹوٹ گئی۔

درس 63۔ و مَخْفُوضٌ بعدَ غیرٍ اور مستثنیٰ مجرور ہوگا غیرُ کے بعد۔ اسکو آپ بعدَ غیرَ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس صورت میں غیرَ غیر منصرف ہوگا۔ اسکے اندر ایک سبب علمیت ہے۔ کیونکہ غیرُ سے لفظ

غیرُ مراد ہے۔ وہ جو عبارتوں کے اندر غیرُ کا لفظ آتا تھا، اُس کا نام ہی ہم نے غیرُ رکھ دیا۔ جب بھی کوئی لفظ بولا جائے اور مراد وہ لفظ ہو تو وہ علم کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور ایک اس میں تانیث ہے۔ یعنی یہ کلمہ ہے۔ کلمۃٌ تانیث کی تاء ہے۔ اگر ہم اسکو لفظٌ کی تاویل میں لے لیں، تو اب یہ منصرف بن جائے گا کیونکہ اب اس میں صرف علمیت کی سبب باقی رہی۔ اور بعدَ غیرٍ پڑھیں گے۔ و سِوىٰ اور مستثنیٰ مجرور ہوگا سِوىٰ کے بعد۔ اس کو سِوىٰ پڑھنا بھی جائز اور سُوىٰ پڑھنا بھی جائز۔ و سَواء اور سَوَاء کے بعد بھی مستثنیٰ مجرور ہوگا۔ اس کو آپ سِواء بھی پڑھ سکتے ہیں۔ و بعدَ حاشا فی الاکثر اور اکثر علماء کے نزدیک حاشا کے بعد مستثنیٰ مجرور ہوگا۔

و اعرابُ غیرٍ اور غیرُ کا اعراب فیه ای فی بابِ الاستثناءِ: یا ایک فی الاستثناء: استثنیٰ میں غیرُ کا اعراب۔ کاعراب المستثنی بِاِلّا علی التفصیل مستثنیٰ بَاِلّا کی اعراب کی طرح ہوگا اُسی تفصیل پر۔ اِلّا کے بعد جو مستثنیٰ آتا تھا، اُس کا اعراب غیرُ کو دیں گے، اس شرط کے ساتھ کہ وہ غیرُ استثنیٰ کے لئے آئے۔
یاد رکھو! اِلّا اصل میں استثنیٰ کے لئے وضع ہے۔ اور غیرُ اصل میں وضع ہے صفت کے لئے۔ لیکن کبھی کبھی ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ کبھی غیرُ آتا ہے استثنیٰ کے لئے اِلّا کی جگہ، اور کبھی اِلّا آجاتا ہے صفت کے لئے غیرُ کی جگہ۔ اِلّا تو حرف تھا اور حرف مبنی ہوتا ہے اس پر اعراب آتا ہی نہیں اور مستثنیٰ پر اعراب آتا تھا۔ اب غیرُ آیا ہے۔ تو غیرُ کا ما بعد یعنی مستثنیٰ تو مضافٌ الیه بن جائے گا۔ مثلاً، جاءنی القومُ غیرَ زیدٍ: زید تو یہاں مضافٌ الیه ہے اُس پر جرّ آئے گا۔ لیکن غیرُ جب استثنیٰ کے لئے آئے تو پھر غیرُ کا اعراب کیا ہوگا؟ اگر غیرُ صفت کے لئے آئے تو پھر تو آسان ہے جو اعراب موصوف کا ہوگا وہی اعراب غیرُ کا ہوگا۔ اور جب غیرُ استثنیٰ کے لئے آئے توکہتے ہیں غیرُ کا وہی اعراب ہوگا جو اِلّا کے مستثنیٰ کا تھا۔

غیرُ کے اعراب کی وضاحت:

اگر مستثنیٰ منقطع ہوا تو غیرُ کو بھی مستثنیٰ منقطع کے اندر نصب دیں گے۔ مثلاً جاءنِی القومُ غیرَ حِمارٍ۔

اگر مستثنیٰ متصل ہو کلام مُوْجَبْ کے اندر تو پھر بھی غیر کو نصب دیں گے۔ جاءنی القومُ غیرَ زیدٍ

اگر مستثنیٰ مُقدَّم ہو تو اس صورت میں بھی غیر منصوب ہوگا۔ ما جاءَنی غیرَ زیدٍ احدٌ۔ یہاں مستثنیٰ متّصل ہے، کلام غیر موجب میں ہے اور مستثنیٰ مقدّم ہے۔

اگر مستثنیٰ متصل ہو، کلام غیر موجب میں ہو،مستثنیٰ غیر مقدَّم ہے، اور مستثنیٰ منه مذکور ہو۔ تو اس صورت میں غیر پر نصب بھی جائز اور مستثنیٰ منهُ سے بدل بنانا بھی جائز۔

نصب کی صورت میں مثلاً: ما جاءنِی احدٌ غیرَ زیدٍ۔ اور بدل کی صورت میں: ما جاءنِی احدٌ غیرُ زیدٍ۔

اگر مستثنیٰ متصل ہو، کلام غیر موجب میں ہو، اور مستثنیٰ منه مذکور نه ہو تو اس صورت میں غیر کا اعراب علیٰ حسبِ العوامل ہوگا۔ مثلاً، ما جاءنِي غيرُ زيدٍ، ما رَأيتُ غيرَ زيدٍ اور ما مررتُ غيرَ بِزيدٍ۔

و غيرٌ صفةٌ اور غیرُ ایسی صفت ہے۔ اس کو غیرُ صفةٌ بھی پڑھ سکتے ہے۔ پھر غیرُ غیر منصرف ہوگا۔

حُمِلَتْ علىٰ اِلّا جس کا حمل اِلّا پر ہوتا ہے۔ فى الاستثناءِ استثنیٰ کے اندر کما حُملت اِلّا عليها فى الصفة جیسے صفت کے اندر اِلّا محمول ہے غیرُ پر۔ مطلب یه که اِلّا تو اصل میں وضع ہے استثنیٰ کے لئے، لیکن کبھی کبھار صفت کے لئے بھی آتا ہے۔ اور غیرُ اصل میں وضع ہے صفت کے لئے لیکن کبھی کبھار استثنیٰ کے لئے بھی آتا ہے۔

آگے صاحب کافیهؒ فرماتے ہیں که اِلّا صفت کے لئے کب استعمال ہوتا ہے؟ اذا كانت تابعةً لِجَمْعٍ مَنْكُورٍ جب یه تابع ہو ایسی جمع کے بعد جب یه نکرۃ ہو۔ یعنی اِلّا ایسی جمع کے بعد آئے جو که نکرۃ ہو۔ غيرِ محصُورٍ اور اُس جمع منکور میں حصر بھی نه ہو۔یعنی اُس نے اپنے تمام افراد کا احاطه نه کیا ہو۔ محصور: جس نے تمام افراد کا احاطه کیا ہو۔ جیسے نکرۃ تحت النفی ہو تو وہ عُموم اور استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ مثلاً: ما جاءنی رجلٌ: میرے پاس کوئی آدمی نہیں آیا۔ یہاں رجلٌ نکرۃ ہے اور تحت النفی آیا۔ تو اس کا مطلب یه ہوا که میرے پاس ایک بھی آدمی نہیں آیا۔ تو اس نکرۃ نے ساروں کا حصر کرکے سب کی نفی کر دی۔اب رجلٌ لفظوں کے اعتبار سے مفرد ہے، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہے۔ کیونکه یه جمع کا معنیٰ ادا کر رہا ہے۔ یه ہوا استغراق جنسی کا مثال۔

اسی طرح عدد بھی ہے۔ اس میں بھی استغراق ہوتا ہے۔ یعنی اپنے تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، عشرونَ درهمًا۔ تو اِس عشرونَ نے بیس کے بیس سب درهم کا احاطه کیا۔

تو صاحب کافیهؒ نے غیر محصور کہه کر استغراقِ جنسی کو بھی نکالا اور عدد کو بھی نکالا۔ صاحب کافیهؒ نے یه دونوں کیوں نکالا ؟ اسکی وجه سُنو!

مثلاً میں کہتا ہوں! جاءنی الرّجالُ اِلّا زیدًا۔ یہاں مستثنیٰ منه "الرجال" ہے۔ الف لام کے ذریعے کسی کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ تو معلوم ہوا که اس سے کوئی خاص لوگ مراد ہے۔ جس کا پته مجھے بھی ہے اور آپ کو بھی ہے۔ تو معلوم ہوا که استثنیٰ صحیح ہے۔ اگر اُس جماعت کے اندر زید پہلے سے داخل تھا تو یه مستثنیٰ متصل ہو جائے گا، اور اگر زید پہلے سے داخل نہیں تھا تو یه مستثنیٰ منقطع ہو جائے گا۔ پس یاد رکھو! استثنیٰ کے لئے ضروری ہے که آپ کو قطعی طور پر یه معلوم ہو که مستثنیٰ، مستثنیٰ منه کے اندر داخل ہے یا داخل نہیں۔ پس جب آپ کو قطعی طور پر معلوم ہو که مستثنیٰ، مستثنیٰ منه کے اندر داخل ہے تو یه مستثنیٰ متصل ہوا، اور جب آپ کو قطعی طور پر معلوم ہو که مستثنیٰ، مستثنیٰ منه کے اندر داخل نہیں تو یه مستثنیٰ منقطع ہوا۔ اور جب میں یه کہوں، جاءنی رجالٌ : میرے پاس کچھ لوگ آئے۔ رِجال نکرۃ ہے

یعنی "کچھ لوگ"، اور اس میں تَعِین نہیں۔ اور جب تَعِیّن ہی نہیں تو اب آپ کو یہ پتہ چل نہیں سکتا کہ زید اس میں پہلے سے داخل ہے یا نہیں۔ اگر زید پہلے سے داخل ہوتا تو آپ اسکو متصل بناتے اور اگر پہلے سے داخل نہ ہوتا تو آپ اسے منقطع بناتے ، لیکن یہاں تو پتہ ہی نہیں چلتا۔ اور "کچھ لوگ" سے پتہ نہیں کون سے کچھ لوگ مراد ہے۔ لیکن یہاں ہم قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے، پس لہٰذا اس "اِلَّا" کو ہم صفت پر محمول کرنا پڑے گا۔ اور "اِلَّا زیدٌ" کہیں گے۔ کیونکہ ماقبل میں موصوف "رجالٌ" مرفوع ہے۔ یعنی جاءنی رجالٌ اِلَّا زیدٌ کہیں گے۔ یہاں اِلَّا، غیرُ کے معنیٰ میں ہے۔ اور اِلَّا تو حرف ہے، اور حرف پر اعتبار آتا ہی نہیں۔ لہٰذا وہ اعراب زید پر آئے گا۔

پس جمع منکور غیر محصور کے اندر اِلَّا کو ہم صفت پر محمول کرتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں ہم نہ اس کو مستثنیٰ متصل بنا سکتے ہیں نہ مستثنیٰ منقطع بنا سکتے ہیں۔

حصر والی مثال: مثلاً، ما جاءنِی رجلٌ : یہ رجلٌ نکرۃ تحت النفی نے عموم اور استغراق جنس کا فائدہ دیا۔ یعنی کوئی بھی آدمی میرے پاس نہیں آیا۔ تو زید بھی آدمیوں میں سے ہے۔ تو زید کی بھی نفی ہو گئی۔ تو اب آپ آگے کہتے ہیں، "الّا زیدٌ" یعنی ما جاءنی رجلٌ الّا زیدٌ۔ تو یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ رجلٌ یہاں معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہے کیونکہ یہ نکرۃ تحت النفی ہے۔ اور یہ محصور ہے کیونکہ اس نے ہر رجل کا حصر کر لیا۔ تو اس صورت میں اب استثناء صحیح ہوا۔ اسی لئے صاحب کافیہ نے دوسرا شرط یہ لگایا تھا کہ وہ جمع منکور غیر محصور ہوگا۔ کیونکہ غیر محصور کے اندر پھر استثنیٰ صحیح نہیں ہوتا۔ اور جب استثناء صحیح نہ ہو تو پھر اس صورت میں "اِلَّا" صفت کے لئے ہوگا۔ اور جو اعراب صفت پر آتا ہے وہی اعراب اِلَّا کے مابعد پر آئے گا۔

عدد کی مثال: مثلاً میں کہتا ہوں، لِفُلَانٍ عَلَیَّ عَشَرَۃُ دَرَاھِمَ اِلَّا دِرْھَمًا۔ فلاں کے مجھ پر دس درھم ہیں مگر ایک درھم نہیں، یعنی نو درھم ہیں۔ تو یہاں عدد آیا۔ اور عشرۃ کے اندر وہ ایک درھم شامل تھا جس کا میں نے استثناء کیا۔ تو یہاں استثناء کرنا صحیح ہے۔ اور یہ مستثنیٰ متصل بن جاتا ہے۔ تو محصور کے اندر استثنیٰ صحیح ہوتا ہے۔ اور محصور کے آنے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلا: یا تو حصر استغراقِ جنس کے ساتھ آئے ۔ جیسا کہ نکرۃ تحتَ النفی، دوسرا: یا حصر عدد کے ساتھ آئے۔ دونوں صورتوں میں استثنیٰ صحیح ہوتا ہے۔ پس اس لئے صاحب کافیہ نے جمع منکور غیر محصور کی شرط لگائی تھی۔

لِتَعَذُّرِ الاستثناءِ بوجہ استثناء کے متعذّر ہونے کی وجہ سے۔ یعنی استثناء کے ممکن نہ رہنے کی وجہ سے۔ یعنی یہاں نہ مستثنیٰ متصل ممکن ہے اور نہ استثنیٰ منقطع ممکن ہے۔ تو اس صورت میں پھر اِلَّا کو صفت پر محمول کریں گے۔

مثلُ لو کان فیھما اٰلِھَۃٌ الا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا اگر ہوتے زمین اور آسمان کے اندر اٰلِھَۃٌ کچھ اور معبود الا اللّٰہُ علاوہ اللہ کے لَفَسَدَتَا تو دونوں فاسد ہو جاتے۔ یعنی اِن کا نظام خراب ہو جاتا۔ تو دیکھئے اِلَّا آیا

اور یہ تابع ہے اٰلِهَةٌ کی۔ اور اٰلِهَةٌ یہ اِلٰہ کی جمع ہے۔ اٰلِهَةٌ نکرۃ ہے اور غیر محصور ہے۔ پس اٰلِهَةٌ جمع منکور غیر محصور ہے، تو لہٰذا "اِلّاَ" یہاں صفت کے لئے آرہا ہے۔ یہ "برھانِ تمانُع" کہلاتی ہے۔ اور توحید کی دلیل ہے۔ کہ ایک ہی اِلٰہ ہے - ایک اللہ ہے۔ اس زمین اور آسمان میں ایک ہی معبود ہے۔ اور کوئی معبود نہیں۔

وَ ضَعُفَ اور ضعیف ہے۔ یعنی اِلّاَ کا حمل کرنا ضعیف ہے غیرُ پر۔ پیچھے ذکر ہوا کہ اِلّا محمول ہوتا ہے غیرُ پر صفت کے اندر جب یہ "اِلّاَ" جمع منکور غیر محصور کے تابع ہو۔ اس کے علاوہ باقی صورتوں میں اِلّاَ کو غیرُ پر محمول کرتے ہوئے صفت بنانا ضعیف ہے۔ **فی غیرہٖ** ھا ضمیر جمع منکور غیر محصور کو راجع ہے۔ یعنی جمع منکور غیر محصور کے علاوہ میں اِلّاَ کا غیرُ پر محمول کرنا ضعیف ہے۔

و اِعرابُ سَوٰی و سِواءَ النَّصبُ علی الظَّرفِ عَلَی الاَصَحِّ صحیح مذہب کے مطابق سَوٰی اور سِواء کا اعراب منصوب ہوگا ظرفیت کی بناء پر۔ یہ سویٰ اور سواء استثناء کے لئے آتے ہیں لیکن کلام کے اندر یہ ظرف یعنی مفعول فیہ واقع ہوتے ہیں۔ اور مفعول فیہ منصوب ہوتے ہیں۔ یہ امام سیبویہؒ کا مذہب ہے۔ امام سیبویہؒ کے نزدیک یہ لازمُ الظرفیۃ ہے، یعنی جب بھی کلام میں آئے تو ظرف واقع ہوں گے۔ جبکہ کوفہ کے نحوی علماءؒ فرماتے ہیں، کہ یہ غیرُ کی طرح صفت بھی واقع ہو سکتے ہیں۔ اور پھر ان پر تینوں اعراب رفع، نصب اور جرّ آسکتے ہیں۔

یہاں تک مستثنیٰ کی بحث ختم ہوئی۔ لیکن اس سے متعلق ایک قیمتی بات یاد رکھئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مستثنیٰ کے اندر عامل کون ہوتا ہے؟ مثلاً، جاءنی القومُ الّا حمارًا، جاءنی القومُ الّا زیدًا، ما جاءنی اِلّاَ زیدًا احدٌ وغیرہ میں مستثنیٰ کے اندر عامل کون ہے؟ یاد رکھو! مستثنیٰ میں عامل فعل یا معنئِ فعل ہوتا ہے۔ مثلاً جاءنی احدٌ الّاَ زیدًامیں زید کو نصب جاء فعل نے دیا۔ یہ اکثر علماء کے نزدیک ہے۔ بعض علماءؒ کے نزدیک مستثنیٰ میں عامل "اِلّاَ" ہوا کرتا ہے۔ اور اِلّاَ یہ قائم مقام ہے "اَسۡتَثۡنِیۡ" کے - متکلم کا صیغہ ہے باب استفعال سے، میں اِستثنیٰ کرتا ہے۔

درس 64۔ خبرُ کان و اخواتِھا افعالِ ناقصہ کی خبر **ھو الۡمُسندُ بعدَ دُخولِھا** کانَ اور اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد وہ خبر مسند ہوتی ہے۔ کانَ افعال ناقصہ میں سے ہے۔ اور افعال ناقصہ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہے۔ بھئی جب وہ مبتدا اور خبر ہے، تو ان میں پہلے سے ہی اِسناد موجود ہے۔ خبر تو پہلے سے مُسند ہے، تو اس کا کیا معنیٰ ہوا، کہ کان کے آنے کے بعد وہ خبر مُسند بنے گا؟ جواب یہ کہ پہلا اِسناد ختم ہو جائے گا۔ مثلاً زیدٌ قائمٌ پر جب کانَ داخل ہوجائے تو کانَ زیدٌ قائمًا بن جائے گا۔ تو قائمٌ تو پہلے سے مسند تھا۔ اب اس کا کیا مطلب کہ کانَ کے آنے کے بعد یہ قائم مسند بن جائے گا۔ تو جواب یہ کہ پہلا اسناد ختم ہوا اور یہ جدید اسناد ہے۔ **مثلُ کان زیدٌ قائمًا**

وَ اَمرُهُ کامر خبر المبتدأ اور کانَ کی خبر کا معامله مبتدا کے خبر کی معاملے کی طرح ہے۔ امرهُ میں ها ضمیر خبرِ کانَ کو راجع ہے۔ یعنی مبتدا کے لئے خبر چاہئے ہوتا ہے۔ اور مبتدا میں اصل ہے معرفة ہونا، اور خبر میں اصل ہے نکرة ہونا۔ تو وہ احوال جو ہم نے مبتدا خبر میں پڑھے تھے وہ احوال یہاں بھی جاری ہوں گے۔ جیسے مبتدا کی خبر کبھی مفرد ہوتی ہے اور کبھی جمله، تو کان کی خبر بھی کبھی مفرد ہوگی اور کبھی جمله۔ کان کی خبر بھی کبھی معرفة آسکتی ہے جس طرح مبتدا کی خبر کبھی معرفة آسکتی ہے۔ وغیرہ و یَتَقَدَّمُ معرفةً اور مقدَّم ہو جاتی ہے اس حال میں که وہ معرفة ہو۔ مبتدا اور خبر کے اندر اگر خبر معرفة ہو تو پھر اس کو مبتدا پر مقدّم کرنا جائز نہیں۔ مثلاً زیدُنِ القائمُ میں القائمُ زیدٌ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکه پھر التباس لازم آئے گا، اور یہ پته نہیں چلے گا که کون مبتدا ہے اور کون خبر۔ لیکن کانَ کی خبر جب معرفة ہو تو پھر اسکو مقدّم کرنا بھی صحیح ہے۔ اور یہ اس لئے صحیح ہے کیونکه کانَ کا اسم مرفوع ہوتا ہے، اور کانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے۔ تو یہ اعراب بتلائے گا که کون کان کا اسم ہے اور کون کان کا خبر۔ مثلاً۔ کانَ زیدُنِ القائمَ میں زیدٌ کان کا اسم ہے اور القائمَ کان کی خبر۔ اب اگر ترتیب بدل دے، جیسا که کانَ القائمَ زیدٌ۔ تو اب یہ اعراب بتلاتا ہے کا القائمَ کان کے لئے خبر مقدّم ہے اور زیدٌ کان کا اسم مؤخر ہے ۔

لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے، که التباس لازم نه آئے۔ اگر کوئی ایسا صورت ہو که دونوں پر اعراب تقدیری ہو۔ یا دونوں پر اعراب محلاً ہو، تو پھر اس صورت میں کانَ کے اسم کو کانَ کے خبر پر مقدّم رکھنا واجب ہے۔

و قد یُحذُف عاملُه اور کبھی کانَ کی خبر کے عامل کو حذف کیا جاتا ہے۔ کانَ کے خبر میں عامل کانَ یا اسکے اخوات ہے۔ تو اس عامل کو کبھی کبھار حذف کیا جاتا ہے۔ فی نحوِ اس قسم کے مثالوں میں الناسُ مَجْزِیُّونَ بِاَعمالِهم اِنْ خیرًا فخیرٌ وَ اِنْ شرًا فشرٌّ الحدیث: الناسُ مَجْزِیُّونَ لوگ بدلا دیئے جانے والے ہیں بِاَعمالِهم اپنے عملوں سے اِنْ خیرًا فخیرٌ اگر ان کے عمل اچھے ہوئے تو اسکا بدلا بھی اچھا ہوگا وَ اِنْ شرًا فشرٌّ اور اگر اُس کے عمل برے ہوئے تو جزا بھی بری ہوگی۔

یہاں یہ بات ذکر ہو رہی ہے! که خبرِ کانَ کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے۔ تو یہاں "اِنْ خیرًا فخیرٌ" پر نظر رکھئے۔ جب ایسی جگه جس میں اِنْ شرطیه کے بعد ایک اسم آئے، اور آگے فا کے ساتھ اُس کی جزا ذکر ہو، اور جزا کے بعد ایک اسم ہو۔ تو صاحب کافیهؒ فرماتے ہیں که اس جیسے جگھوں کے اندر کان کے خبر کے عامل کو حذف کرنا جائز ہے۔

یاد رکھو! "اِنْ اور لَوْ" حروف شرط میں سے ہیں۔ اور حروف شرط ہمیشه فعل پر داخل ہوتے ہیں اسم پر داخل نہیں ہوتے۔ اور وجه اس کی یہ ہے که شرط تعلیق کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی ایک کام کو دوسرے

کام کے ساتھ لٹکا دیتی ہے۔ اور تعلیق ہوگی زمانے کے اندر۔ اور زمانہ فعل کے اندر ہے ۔ پس "اِنْ خیرًا" میں یہ اِنْ شرطیہ ہے ، اور اِنْ شرطیہ فعل پر داخل ہوتا ہے اسم پر نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہاں فعل محذوف ہے۔ اور "اِنْ اور لَوْ" کے بعد اکثر "کانَ" کو حذف کیا جاتا ہے، کثرتِ استعمال کی وجہ سے۔

تو اصل عبارت یوں ہے، " اِنْ کانَ عَمَلُهُمْ خیرًا فَجَزَاءُهُمْ خیرٌ وَ اِنْ کانَ عملُهُمْ شرًّا فَجَزَاءُهُمْ شَرٌّ": اگر ان کا عمل بہتر ہوا، تو اُن کا بدلہ بھی اچھا ہوگا، اور اگر اُن کا عمل برا ہوا، تو اُن کی جزا بُری ہوگی۔

پس اِنْ حرف شرط ہے اور حرف شرط فعل پر داخل ہوتا ہے اور یہاں اِنْ کے بعد اسم ہے تو اس سے خود بخود پتہ چلتا ہے کہ فعل کو حذف کیا گیا ہے۔ نیز فا کے بعد ایک اسم ہے۔ اور فا آئی ہے جزا پر۔ اور جزا ایک اسم نہیں ہوتا بلکہ جزا جملہ ہوتا ہے۔ اور جملہ اگر اسمیہ ہو تر اس کے لئے کم از کم دو اسم چاہئے ہوتا ہے۔

و یجوز فی مثلها اور جائز ہے ان جیسے مثالوں میں **اربعةُ اَوْجُهٍ** چار وجہیں پڑھنا۔ یعنی چار اعراب پڑھنا جائز ہیں۔

پہلی صورت: اس میں پہلا اسم منصوب ہے اور دوسرا اسم مرفوع ہے۔ ایک تو یہ ہم نے پڑھی، "اِنْ خیرًا فخیرٌ و اِنْ شرًّا فَشَرٌّ" ہے جسکی اصل " اِنْ کانَ عَمَلُهُمْ خیرًا فَجَزَاءُهُمْ خیرٌ وَ اِنْ کانَ عملُهُمْ شرًّا فَجَزَاءُهُمْ شَرٌّ " ہے۔ تو اس میں "کانَ" کو بھی حذف کیا، اور کانَ کے اسم "عملُهم" کو بھی حذف کیا۔ اور خیرًا کانَ کی خبر ہے۔ تو دیکھو! کانَ کے خبر کی عامل کو حذف کیا گیا ہے۔ اور جَزَاءُهُمْ ہے مبتدا اور خیرٌ ہے اسکی خبر۔ تو مبتدا کو بھی حذف کیا گیا اور اسکی خبر عبارت میں موجود ہے۔ اور آگے " وَ اِنْ کانَ عملُهُمْ شرًّا فَجَزَاءُهُمْ شَرٌّ" میں کانَ اور اس کے اسم عملُهم کو حذف کیا گیا۔ اور پھر فَجَزَاءُهُمْ شرٌّ میں جَزَاءُهُمْ مبتدا کو حذف کیا گیا اور اسکی خبر "شرٌّ" باقی رکھا گیا۔

پس اِنْ خیرًا فخیرٌ و اِنْ شرًّا فشرٌّ میں ترکیب کی تفصیل۔ اِنْ خیرًا میں اِنْ کے بعد کانَ کو محذوف نکالنا ہے۔ اب خیرًا منصوب ہے اور کان کی خبر منصوب ہوتا ہے۔ تو اس صورت میں کانَ کو بھی محذوف نکالیں گے اور کانَ کے اسم کو بھی محذوف نکالیں گے۔ اور کان کا اسم مرفوع ہوتا ہے۔ تو کلام یوں ہوگا۔ اِنْ کانَ عَمَلُهُمْ خیرًا۔ پھر آگے فخیرٌ میں، فا چونکہ جملة پر داخل ہوتا ہے۔ اور اس میں یہ خیرٌ نکرة ہے اور مرفوع ہے پس یہ خبر بن جائے ہے۔ اور اس کے لئے مبتدا محذوف نکالیں گے۔ اور مبتدا یہاں "جزاءُهم" ہے۔ تو کلام بن جائے گا، فَجَزَاءُهم خیرٌ ہو جائے گا۔ یعنی " اِنْ کانَ عَمَلُهُمْ خیرًا فَجَزَاءُهُمْ خیرٌ" بن جائے گا۔ اور آگے " وَ اِنْ شَرًّا فشرٌّ" بن جائے گا، "وَ اِنْ کَانَ عَمَلُهُمْ شَرًّا فَجَزَاءُهُم شرٌّ" بن جائے گا۔

اگلے تین تراکیب بھی اسی طرح ہوگی۔

دوسری صورت: اب یہ پہلی صورت کا عکس ہے۔ یعنی پہلے اسم کو مرفوع پڑھو اور دوسرے اسم کو منصوب پڑھو۔ ای "اِنْ خیرٌ فخیرًا وَ اِنْ شَرٌّ فَشَرًّا"۔ ترکیب۔ اِنْ کانَ فِي عملِهِمْ خیرٌ فیَکُوْنُ جزائُهُمْ خیرًا وَ اِنْ

كانَ فِی عملِهِمْ شرٌّ فیَکُوْنُ جَزائُهُمْ شرًّا۔ یہاں اِنْ کے بعد خیرٌ مرفوع آیا ہے اور یہ کانَ کے لئے اسم ہوتا ہے تو کانَ کو بھی محذوف نکالنا پڑے گا اور کانَ کے خبر "فی عملِهم" کو بھی محذوف نکالنا پڑے گا۔ جار مجرور خبر بن سکتے ہیں۔ کسی کے لئے اسم نہیں بن سکتے۔ اور آگے فخیرًا میں خیرًا منصوب ہے۔ لہٰذا یہ مبتدا کے لئے خبر نہیں بن سکتا اور کانَ کے لئے خبر بن سکتا ہے۔ کیونکہ کانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے۔ اور فا چونکہ جملہ پر داخل ہوتا ہے، لہٰذا اب یہاں کانَ فعل کو محذوف نکالیں گے۔ تو یہاں یکونُ فعل محذوف نکالیں گے اور اس کے ساتھ اس کا اسم "جزائُهُم" نکالیں گے۔ پس "اِنْ خیرٌ" بن جائے گا، "اِنْ کانَ فی عملِهِمْ خیرٌ"۔ اور آگے فَخَیْرًا بن جائے گا، "فَیَکُوْنَ جَزَائُهُمْ خیرًا۔ اسی طرح " اِنْ شَرٌّ فشرًّا" میں بھی ہے۔

تیسری صورت: یعنی دونوں کو مرفوع پڑھو۔ "اِنْ خیرٌ فخیرٌ وَ اِنْ شَرٌّ فَشَرٌّ" ترکیب۔ اِنْ کانَ فِی عملِهِمْ خیرٌ فجَزائُهُمْ خیرٌ وَ اِنْ کانَ فِی عملِهِمْ شَرٌّ فجَزائُهُمْ شَرٌّ۔

چوتھی صورت: یعنی دونوں کو منصوب پڑھو۔ "اِنْ خیرًا فخیرًا وَ اِنْ شَرًّا فَشَرًّا" ترکیب۔ اِنْ کانَ عملُهُمْ خیرًا فیَیَکُوْنُ جَزائُهُمْ خیرًا وَ اِنْ کانَ عملُهُمْ شَرًّا فَیَکُوْنُ جَزائُهُمْ شَرًّا۔

خلاصہ بحث: اِنْ کے بعد کانَ ضرور نکالنا ہے۔ اگر اِنْ کے بعد اسم منصوب ہو، تو پھر کانَ اور کانَ کی اسم دونوں محذوف نکالیں گے۔ اور اگر اِنْ کے بعد اسم مرفوع ہو تو پھر کانَ اور کانَ کی خبر (جار مجرور کی صورت) میں محذوف نکالیں گے۔ آگے شرط کے لئے "فا" آتی ہے۔ اور "فا" جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ دونوں پر داخل ہو سکتی ہے۔ اگر فا کے بعد اسم مرفوع ہو تو اس صورت میں مبتدا محذوف نکالیں گے۔ اور اگر فا کے بعد اسم منصوب ہو تو پھر اس صورت میں کانَ اور کان کا اسم محذوف نکالیں گے۔ کیونکہ مبتدا کی خبر منصوب نہیں ہوتی بلکہ کانَ کی خبر منصوب ہوتی ہے۔

ان چار جگھوں میں سب سے احسن یعنی اقویٰ صورت یہ ہے جو کہ کتاب میں درج ہے۔ اور یاد رکھو! ضعف کا پتہ حذف سے چلے گا۔ جس میں جتنی زیادہ حذف ہو اُس میں اُتنی ہی زیادہ ضُعف ہوگی۔

پہلی صورت جو کہ کتاب میں ذکر ہے۔ "اِنْ خیرًا فخیرٌ" میں کانَ اور کانَ کا اسم حذف ہے۔ اور جزا میں سے مبتدا "جزائُهم" ہے۔ یعنی کل تین چیزیں حذف ہوئی۔

دوسری ترکیب، "اِنْ خیرٌ فخیرًا" میں کانَ، کانَ کی خبر یعنی جار مجرور، اور جزا میں سے کانَ اور کانَ کا اسم یعنی پانچ چیزیں حذف کی گئی ہے۔ باقی دو بھی اسی طرح خود دیکھ لیں۔

اب صاحب کافیہ؈ اُن جگھوں کو ذکر فرما رہے ہیں، جن میں کانَ اور اسکے اَخوات کو حذف کرنا واجب ہے۔ **ویَجِبُ الحَذفُ فی مثلِ** اور کان کو حذف کرنا واجب ہے اس قسم کے مثالوں میں۔

اَمّا انت مُنْطلِقاًنِ انطلقت ای لِاَنْ کنتَ منطلقاًنِ انْطَلَقْتُ۔ اَمَّا انتَ کو اٹھا لے اور اسکی جگہ لِاَنْ کنتَ رکھ لے۔ تو بن جائے گا، "لِاَنْ کنتَ منطلقاًنِ انْطَلَقْتُ"۔ لِاَنْ کنتَ منطلقا اس لئے کہ تو چلنے والا تھا، اِنْطَلَقْتُ میں چلا۔ میں اس لئے چلا کہ تو چل رہا تھا۔ تو یہ "لِاَنْ" جار مجرور ہے۔ اور جار مجرور آٹھ چیزوں

میں سے کسی ایک چیز سے متعلق ہوتا ہے۔ اور یہ یہاں "اِنْطَلَقْتُ" جو آخر میں فعل آرہا ہے اس سے متعلق ہے۔ اِنْطَلَقْتُ : میں چلا، لِاَنْ کنتَ منطلقا: کیونکہ تو چلنے والا تھا۔

اب کیا کیا گیا کہ اصل میں "لان کنت منطلقا" سے یہ "اَمَّا انت منطلقًا" بن گیا۔ سب سے پہلے "لِاَنْ کنتَ منطلقًا" سے لام کو حذف کیا گیا۔ تو "اَنْ کنتَ منطلقًا" رہ گیا۔ اور یہ اس لئے حذف کیا گیا، کیونکہ اَنْ مصدریہ ہے، اور اَنِ مصدیہ سے عمومًا لام کو حذف کیا جاتا ہے۔ اب "اَنْ کنتَ منطلِقًا" رہ گیا۔ پھر "اَنْ کنتَ" میں سے "کانَ" کو حذف کیا۔ کانَ تو حذف ہوا لیکن کانَ کے ساتھ ضمیر متصل مخاطب کی تھی۔ اب وہ ضمیر منفصل بن گئی یعنی انتَ۔ اب "اَنْ انتَ منطلقًا اِنطلقتُ" رہ گیا۔ اب کانَ کو حذف کیا گیا تھا تو اس کے عوض "ما" لائے گئے۔ تو عبارت "اَنْ ما انتَ منطلقًا انطلقتُ" بن گیا۔ پھر "اَنْ ما" سے "اَمَّا" بن گیا۔ اور کلام "اَمَّا انتَ منطلقَانِ انْطلقْتُ" بن گیا۔

تو کانَ کو اُن جگہوں میں حذف کرنا واجب ہے، جہاں ہم کانَ کا عوض لائیں گے۔ اور جب آپ عوَض لائے تو مُعَوَّض نہیں لا سکتا۔

درس 65۔ اسمُ اِن واخواتھا اِنَّ اور جو اِن کے مشابہ کلمات ہیں، اِن کا اسم بھی منصوب ہوگا۔ ھو المسندُ الیہ بعدَ دخولِہا ان کا اسم ان کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے۔ مثلُ اِنَّ زیدًا قائمٌ ۔ترکیب خود کرے۔

المنصوبُ بِلَا الَّتِی لِنَفْیِ الْجِنْسِ منصوبات میں سے ایک وہ ہے جو منصوب ہو لائے نفی جنس کی وجہ سے۔ المنصوبُ وہ جو منصوب ہوتا ہے بِلَا لَا کے ساتھ۔ یہاں لا کا لفظ مراد ہوتا ہے۔ اور جب لفظ بولا جاتا ہے تو وہ عَلَم کے درجے میں ہوتا ہے۔ اَلَّتِی وہ لا۔ اَلَّتِی یہ صفت ہے "لا" کے لئے۔ اسم موصول ہے اور معرفۃ ہے۔ لِنَفْیِ الْجِنْسِ جو نَفْیِ جنس کے لئے ہو۔ یہ جنس کی نفی کے لئے نہیں ہوتا، بلکہ یہاں مضاف محذوف ہوتا ہے۔ ای لِنَفْیِ صفتِ الجنسِ : جنس کی صفت کے لئے نفی ہوتا ہے۔ یعنی لائے نفی جنس، جنس کی نفی کے لئے نہیں ہوتا بلکہ جنس کی صفت کی نفی کے لئے ہوتا ہے۔

دیکھئے! میں نے کہا، لَا رجلَ قائمٌ : کوئی شخص کھڑا نہیں۔ یہاں پر جنسِ رجل کی نفی نہیں کی گئی۔ اگر جنس رجل کی نفی ہوتی تو پھر " کوئی شخص موجود نہیں" ترجمہ کرتے۔ بلکہ رجل کی ایک صفت یعنی قیام کی نفی کی گئی۔

یہاں صاحب کافیہؒ نے یہ نہیں کہا کہ لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ جس طرح فرمایا تھا کہ کانَ کی خبر منصوب ہوتا ہے، یا فرمایا تھا کہ اِنّ کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ بلکہ صرف منصوب کہا۔ اس لئے کہ لائے نفی جنس کا اسم ہمیشہ منصوب نہیں ہوتا۔ بلکہ کبھی مرفوع بھی ہوتا ہے، کبھی مبنی علی الفتح ہوگا، اور کبھی منصوب ہوگا۔

هو المسندُ اليه وہ جو لائے نفی جنس کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے وہ مسند الیہ ہوتا ہے۔ بعدَ دُخولِہا لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد۔ ھا ضمیر راجع ہے لائے نفی جنس کو۔ لائے نفی جنس کا اسم اُس وقت منصوب ہوتا ہے جب اس میں تین شرائط پائے جائے۔ یہ شرائط صاحب کافیہؒ آگے ذکر فرما رہے ہیں۔ يَلِيْہَا ملا ہوا ہو وہ جو منصوب ہے وہ اسم۔ یعنی "لا" کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ درمیان میں کوئی اور چیز نہ ہو۔ یہ پہلی شرط ہے۔ ھا ضمیر راجع ہے "لا" کو، اور عربی میں حرف زیادہ تر مؤنث مستعمل ہے۔ مذکر بھی مستعمل ہے لیکن وہ بہت کم ہے۔ نكرةً اس حال میں کہ وہ اسم نکرۃ ہو۔ یہ دوسری شرط ہے۔ مضافًا او مُشَبَّهًا بہٖ تیسری شرط یہ ہے کہ مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو۔ مشابہ مضاف: مشابہ مضاف وہ اسم ہوتا ہے جب تک اس کے ساتھ دوسرا اسم نہ ملایا جائے اس کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آتا۔ مثلا میں کہتا ہوں، عشرونَ یعنی بیس۔ تو یہ بیس کیا چیز ہے۔ جب تک اس کے ساتھ دوسرا اسم یعنی درھم یا رجل وغیرہ نہ ملایا جائے عشرونَ سمجھ میں نہیں آتا۔

آگے صاحب کافیہؒ دو مثالیں ذکر فرما رہے ہے۔ پہلا مثال مضاف کی ہے۔ اور دوسرا مثال مشابہ مضاف کی ہے۔ مثلُ لا غلامَ رجلٍ ظريفٌ فيها نہیں ہے کسی آدمی کا غلام خوش طبع اُس گھر کے اندر۔ ظریفٌ یہ خبرِ اوّل ہے اور فیھا ای فی الدارِ یہ خبرِ ثانی ہے۔ یہ خبر ثانی اس لئے لایا تا کہ کذب لازم نہ آئے۔ اگر یوں کہتا، لا غلامَ رجلٍ ظریفٌ: کسی مرد کا کوئی غلام خوش طبع نہیں ہے۔ تو پھر اس سے کذب لازم آتا۔ اور جب یہ کہا، لا غلامَ رجلٍ ظریفٌ فیھا: اُس گھر میں کوئی غلام خوش طبع نہیں۔ تو ایسا ممکن ہے۔

صاحب کافیہؒ نے لائے نفی جنس کے اسم کے منصوب ہونے کی جو تین شرائط ذکر فرمائے تھے۔ وہ یہاں موجود ہے۔ پہلا یہ کہ "لا" اور غلام کے درمیان فصل نہیں۔ دوسرا یہ کہ غلام کا لفظ نکرۃ ہے، اگر چہ اس کی اضافت کی گئی ہے۔ لیکن جب نکرۃ کی اضافت نکرۃ کی طرف کیا جائے تو پھر بھی وہ نکرۃ ہی رہتا ہے۔ اور تیسرا یہ کہ غلام کا لفظ مضاف واقع ہو رہا ہے اور رجلٍ مضافٌ الیہ ہے۔

یہ مشابہ مضاف کی مثال ہے۔ وَ لا عشرينَ دِرهمًا لك : آپ کے لئے کوئی بیس دِرھم نہیں ہے۔ عشرینَ "لا" کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ یہ پہلا شرط ہوا۔ عشرینَ نکرۃ ہے یہ دوسرا شرط ہے۔ اور تیسرا شرط عشرینَ یہاں مشابہ مضاف ہے۔ اب عشرینَ منصوب ہے۔ حالت رفعی میں یہ واؤ کے ساتھ آتا ہے۔ اور حالت نصبی جرّی میں یا کے ساتھ آتا ہے۔

فان كان مُفردًا اگر لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہو، یعنی کہ لائے نفی جنس کا اسم مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ فهو مبنِيٌّ تو وہ مبنی ہوگا۔ علىٰ ما اُس علامت پر يُنصبُ بہٖ جس کے ساتھ نصب دیا جاتا ہے۔ یعنی مبنی ہوگا علامتِ نصب پر۔ اور علامتِ نصب، فتحہ بھی ہے، کسرۃ بھی ہے، یا ماقبل

مفتوح بھی ہے، یا ما قبل مکسور بھی ہے اور الف بھی ہے۔ مثالیں: ضربتُ رجلاً میں نصب فتح کے ساتھ آیا۔ رَأیتُ مسلماتٍ میں نصب کسرة کے ساتھ آیا۔ ضربتُ رجلَیْنِ میں نصب "یا ما قبل فتحه" کے ساتھ آیا۔ اکرمتُ مسلمینَ میں نصب "یا ما قبل کسرة" کے ساتھ آیا۔ رَأیتُ اَباکَ میں نصب "الف" کے ساتھ آیا۔ تو جو بھی علامت ہوگی اُس اسم کی نصب کی، تو لائے نفی جنس کا اسم اُس علامت پر مبنی ہو جائے گا، جب وہ اسم لائے نفی جنس کا اسم بن رہا ہو اور اُس میں وہ تیسری صورت مضاف یا مشابه مضاف کی نه پایا جائے۔ مثلاً، "لا رجلَ فی الدارِ"۔ رجل میں پہلا شرط پایا جاتا ہے یعنی "لا" کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ دوسرا شرط بھی پایا جاتا ہے کیونکه رجل نکرة ہے۔ لیکن تیسرا شرط پایا نہیں جاتا، کیونکه رجل کسی کی طرف مضاف نہیں ہے۔ تو اب یه مبنی علی الفتح ہوا۔ اسی طرح تثنیه میں، "لا رجلَیْنِ فی الدار" کہیں گے۔ اور جمع میں "لا مسلمِیْنَ فی الدار" کہیں گے۔ یه سارے مبنی ہیں۔

لا رجلَ فی الدار وغیرہ کے مثالوں میں یه اسم مبنی اس لئے ہے کہ یه متضمن ہے مِنْ کو۔ اصل میں "لَا مِنْ رجلٍ فی الدار" ہے۔ تو یه مِنْ جو ہے یه رجل میں چھپ گیا۔ اور مِنْ تو حرف ہے۔ اور حروف مبنی ہوتے ہیں۔ تو اس مِنْ نے رجل کو بھی مبنی بنا دیا۔ جیسے اَحَدَ عشَرَ میں اَحَدَ بھی مبنی ہے اور عَشَرَ بھی مبنی ہے۔ یه اصل میں اَحَدٌ وَّ عَشَرٌ تھا۔ تو یه واؤ درمیان میں آ رہا تھا۔ اور واؤ حرف ہے۔ اور حرف مبنی ہوتا ہے۔ تو یه واؤ پھر عَشَرٌ میں چھپ گیا۔ تو یه واؤ چونکه مبنی تھا تو جس کے اندر چھپ گیا وہ بھی مبنی ہو گیا۔ اسی طرح اَمْسِ بھی مبنی ہے۔ کیونکه یه اصل میں اَلْاَمْسِ تھا۔ پھر الف لام اس کے اندر چھپ گیا۔ اور الف لام حرف ہے۔ اور حرف مبنی ہوتا ہے۔ تو جب الف لام اَمسِ کے اندر چھپ گیا تو اس نے اَمْسِ کو مبنی کر دیا۔

و اِنْ کان معرفةً اور اگر لائے نفی جنس کا اسم معرفة ہو۔ کانَ کے اندر ھو ضمیر راجع ہے لائے نفی جنس کو۔ یعنی دوسرا شرط نه پایا جائے۔ **او مفصولا بینَهُ و بینَ لا** اور یا "لا" اور لائے نفی جنس کے اسم کے درمیان فاصله ہو۔ یعنی پہلی شرط نه پایا جائے۔ یعنی ساتھ ملا ہوا نه ہو۔ **وجبَ الرفعُ** تو ان دونوں صورتوں میں لائے نفی جنس کے اسم کو مرفوع پڑھنا واجب ہے۔ **و التکریرُ** اور اس کے ساتھ ایک اور لا کا تکرار بھی ہوگا اور ساتھ ایک اور اسم بھی آئے گا۔

اگر پہلے دو شرطوں میں سے کوئی ایک نه پائی گئی ، یعنی ساتھ نه ملا ہوا ہو، یا نکرة نه ہو بلکه معرفة ہو، تو اس صورت میں رفع پڑھنا واجب ہے۔ اور نیز یاد رکھو! تکرارِ "لا" ہوگا یعنی "لا" دو دفعه آئے گا۔ اور اس کے ساتھ ایک اور اسم بھی آئے گا۔

اب دوسری شرط کو ختم کرتے ہیں۔ نکرة کی جگه معرفة لاتے ہے۔ تو میں کہوں گا، لَا زیدٌ فی الدار، اور تکرار "لا" بھی ہوگا، اور ایک اور اسم بھی ہو گا، یعنی "لا زیدٌ فی الدارِ و لا عمرٌو"۔

یا پہلی شرط نہ ہو، یعنی ساتھ نہ ملا ہوا ہو یعنی لا اور اسم کے درمیان فصل آجائے۔ تو تکرار "لا" بھی ہوگا، اور ایک اور اسم بھی ہوگا۔ مثلاً میں کہتا ہوں، لا فی الدارِ رجلٌ وَ لَا اِمۡرَءَةٌ۔ یہاں "لا" اور رجل کے درمیان فصل کے لئے "فی الدار" آیا ہے۔ اِمۡرَءَة کا ہمزہ وصلی ہے۔ لَا اِمۡرَءَةٌ کو لَمۡرَءَةٌ پڑھیں گے۔

و مثلُ قَضِيَّةٌ و لا ابا حسنٍ لها یہاں پر صاحب کافیہؒ مذکورۃ ضابطوں پر ذکر ہونے والے ایک اعتراض کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اے صاحب کافیہؒ آپ نے ابھی بتایا کہ لائے نفی جنس کا اسم جب معرفة ہو تو اُس پر رفع پڑھنا واجب ہے اور نیز تکرارِ لا اور تکرارِ اسم ہوگا۔ ہم آپ کو دکھاتے ہیں، کہ لائے نفی جنس کا اسم معرفة آیا، لیکن نہ تو وہاں پر تکرار ہے اور نہ ہی وہاں اُس پر رفع ہے۔ دیکھئے، قَضِيَّةٌ و لا ابا حسنٍ لها۔ ای هٰذِهِ قَضِيَّةٌ : یہ ایک معاملہ ہے۔ یہ ایک مسئلہ ہے۔ یہاں مبتدا محذوف ہے اور قَضِيَّةٌ اُسکی خبر ہے۔ ابو الحسنؓ یہ کنیت ہے حضرت علیؓ کی۔ تو یہ معرفة ہے۔ اور لائے نفی جنس ہے۔ اور اسکا اسم معرفة آیا۔ تو اسکو مرفوع ہونا چاہئے تھا۔ اور نیز تکرارِ لا ہونا چاہئے تھا۔ لیکن یہ مرفوع نہیں منصوب ہے اور تکرار لا بھی نہیں۔ ابا حسنٍ، ابٌ یہ اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے۔

مُتَاَوَّلٌ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں، "مُتَاَوَّلٌ" یعنی اس میں تاویل کی گئی ہے۔ یعنی تاویل کر کے ہم اس کو نکرۃ بناتے ہے۔ تو تاویل کیسے کی گئی۔ تو یہاں پر "مثلُ" کا لفظ محذوف نکال لیتے ہیں۔ یعنی، قَضِيَّةٌ و لا مِثلَ ابی حسنٍ لها۔ قَضِيَّةٌ ایک معاملہ ہے، ایک مسئلہ ہے۔ و لا مِثلَ ابی حسنٍ اور کوئی ابو الحسن کے مثل نہیں لها:اس معاملے کے لئے۔ یعنی اس معاملے کے لئے کوئی ابو الحسن کے مثل نہیں۔ تو مثل کا لفظ مضاف محذوف نکال لیا۔ (یہاں ذہن میں ایک سوال آتا ہے کہ مثلُ تو مضاف ہوا معرفة کی طرف۔ تو پھر مثلُ کو معرفة ہونا چاہئے۔ لیکن کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں جس کے اندر بہت زیادہ ابہام ہوتا ہے، اگر وہ معرفة کی طرف مضاف بھی ہو جائے تو وہ پھر بھی معرفة نہیں بنتا۔ اُن الفاظ میں سے ایک مثلُ بھی ہے۔ اسی طرح غیرُ اور شِبۡهُ وغیرہ بھی ہیں۔ معرفة کسی متعین ذات پر دلالت کرتا ہے۔ اور اگر میں کہوں، مثلُ زیدٍ: زید جیسا، تو کوئی بھی متعین نہیں ہوا۔ اسی طرح غیرُ زیدٍ: زید کے علاوہ، تو یہاں بھی کوئی متعین نہیں ہوا۔ اور شِبۡهُ زیدٍ: زید کے مشابہ: تو یہاں بھی کوئی متعین نہیں ہوا۔)

یا ابو حسن سے مراد اسکی صفت مشہورہ ہے۔ تو اسکے ساتھ تاویل کی گئی۔ ای قَضِيَّةٌ: ایک مسئلہ ہے۔ وَلَا فیصَلَ لها: اور اسکے لئے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو، قَضِيَّةٌ وَ لاَ حاکِمَ لَها: ایک مسئلہ ہے اور اس کے لئے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔ تو یہ فیصل اور حاکم دونوں نکرۃ ہیں۔ تو پھر یہ مبنی علی الفتح ہو گئے۔ تو یہاں تین جواب ہو گئے۔

یاد رکھو! یہ ابو الحسن حضرت علیؓ چوتھے خلیفہ راشد کے۔ یہ قول ہے، قَضِيَّةٌ وَلَا اَبَا حسنٍ لَها: یعنی معاملہ ہے اور کوئی اسکو حل کرنے والا ہی نہیں۔ یہ صحابہؓ کا قول ہے۔ اس لئے کہ حضرت علیؓ فیصلہ کرنے میں بڑے مشہور تھے۔ حدیث میں بھی آتا ہے، آپؐ فرماتے ہیں، "اَقۡضیٰ کُمۡ علی" تم میں سب

سے بہتر فیصلہ کرنے والے حضرت علی رض ہے۔ تو حصرت علی رض کی یہ خصوصیت تھی، کہ وہ مشکل سے مشکل فیصلہ چٹکیوں میں حل فرماتا۔

آپ رض بڑے حاضر جواب تھے۔ یہودی کا واقع جس نے انڈے دینے والے اور دودھ دینے والے جانور کے بارے میں پوچھا تھا۔ لنا کا واقعہ: جس میں ابوبکر رض، حضرت عمر رض اور حضرت علی رض کہاں جا رہے تھے۔ علی رض درمیان میں تھے۔ تو ایک صاحب نے فرمایا کے اے علی رض آپ ہمارے درمیان ایسے ہیں جیسا کہ "لنا" کا نون ہوتا ہے۔ تو حضرت علی رض نے فورًا جواب دے دیا کہ اگر میں درمیان سے ہٹ گیا تو آپ "لا" بن جائیں گے۔ کھجور کی گھٹلیوں کا واقعہ بھی بڑا مشہور ہے۔

حضرت علی رض کے نام کے ساتھ ہم کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہُ پڑھتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ کے زمانے میں خوارج کا فتنہ اٹھا تھا۔ ایک دن آپ جمعہ کو تقریر فرما رہے تھے۔ تو خوارج درمیان میں کھڑے ہو کر نعرہ لگاتے تھے، سَوَّدَ اللّٰہُ وجْھَکَ : اللہ آپ کے چہرے کو سیاہ کر دے۔ (نعوذ باللہ) ۔ تو پھر مسلمان اس کے مقابلے میں کہتے تھے، کَرَّمَ اللّٰہُ وجھَہُ۔: اللہ اُن کے چہرے کو مُکَرَّم فرمائیں۔ یعنی اُنہیں عزت نصیب فرمائیں۔

اسی طرح حضرت علی رض کو حیدرِ کرّار کہتے ہیں۔ کَرَّ کا معنیٰ ہے پلٹ کر حملہ کرنا۔ تو یہ حضرت علی رض کے جنگ کا کوئی خاص انداز تھا جس میں وہ پلٹ پلٹ کر حملے کیا کرتے تھے۔ اُسی سے اسکا نام حیدرِ کرّار پڑ گیا۔ حیدر: شیر

چنانچہ جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا اور حضرت علی رض وہاں نہ ہوتے تو صحابہ رض فرماتے، " قَضِیَّۃٌ وَ لَا اَبَا حسنٍ لَہا": ایک معاملہ ہے اور اسکا کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔ تو صاحب کافیہ رح فرماتے ہیں کہ اس "ابا حسن" میں تاویل کر کے نکرۃ بنایا گیا ہے۔

و فی مثلِ لا حولَ و لا قوۃَ الا باللہ خمسۃُ اوجُہٍ اور "لا حولَ و لا قوّۃَ الّا باللّٰہِ" جیسے جملوں کے اندر پانچ وجہیں جائز ہیں۔ لا حولَ و لا قوّۃَ اِلّا باللّٰہِ سے وہ مقام مراد ہے، جس میں تکرارِ لا آ رہا ہو، اور "لا" کے ساتھ اسم کا بھی تکرار ہو، اور وہ اسم نکرۃ ہو ساتھ ملا ہوا ہو۔ تو اس قسم کی جگھوں میں پانچ وجہیں پڑھنا جائز ہے۔ ترجمہ: لا حولَ نہیں ہے رُجوع کرنا اور نہیں ہے پلٹنا گناہ سے، حَوْل: پھرنا، پلٹنا، رُجوع کرنا: یہاں حول تو لائے نفی جنس کا اسم ہے اور اسکا خبر محذوف ہے، ای لا حولَ موجودٌ و لا قوۃ اور قوّت نہیں ہے نیکی کی، ای لا قوّۃ موجودٌ۔ تو دونوں کی الگ الگ خبر نکال لئے۔ اور اگر چاہے تو دونوں کی ایک خبر بھی نکال سکتے ہیں۔ لا حولَ و لا قوّۃ موجودانِ ، الا باللہ مگر اللہ کی مدد کے ساتھ۔ پس دو خبروں کی صورت میں کلام یوں ہوگا۔ لا حولَ موجودٌ و لا قوّۃَ موجودٌ الا باللہ۔ اور ایک خبر کی صورت میں کلام یوں ہوگا، "لا حولَ و لا قوّۃَ موجودانِ الا باللہ"۔ اور دونوں کی ایک ہی خبر مفرد بھی نکال سکتے ہے۔ "لا حولَ و لا قوّۃ موجودٌ الا باللہ"۔

بھئی میں نے آپ کو بتلایا تھا کہ تین قسم کے نام ہیں۔ ضَمٌّ، فَتْحٌ اور کسرٌ بغیر تاء کے یہ ایک قسم کے نام ہیں۔ اور یہ خاص ہے مبنی کے ساتھ۔ ضَمَّةٌ، فتحةٌ اور کسرَةٌ تاء کے ساتھ یہ دوسرے قسم کے نام ہیں۔ یہ عام ہے۔ دونوں کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں۔ مبنی میں بھی استعمال ہوتے ہے اور معرب میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اور رفْعٌ، نصْبٌ اور جرٌّ یہ تیسرے قسم کے نام ہیں۔ یہ خاص ہے معرب کے ساتھ۔

اس عبارت کو پانچ طریقوں سے پڑھنا جائز ہیں۔ اب صاحب کافیہ کے عبارت میں یہ نام آئیں گے جو اوپر ذکر ہوئے، جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ لائے نفی جنس کا اسم معرب ہے یا مبنی۔ فتحُهُما پہلی صورت کہ دونوں اسموں پر فتحه پڑھنا۔ تو معلوم ہوا کہ دونوں کو مبنی علی الفتح پڑھنا جائز ہے۔ یعنی "لا حولَ و لا قوّةَ الا باللّٰہ"۔ و فتحُ الاوّلِ و نصبُ الثانی دوسری صورت یہ کہ پہلے کو مبنی علی الفتح پڑھو اور دوسرے کو معرب پڑھو۔ یعنی "لا حولَ و لا قوّةً الّا باللّٰہ"۔ و رفعُهُ ای فتحُ الاوّلِ و رفعُ الثانی: اور ثانی پر رفع پڑھے۔ پہلے کو اُسی طرح مبنی علی الفتح پڑھے۔ یعنی "لا حولَ و لا قوةٌ الا باللّٰہ"۔ و رفعُهُما اور دونوں پر رفع پڑھو۔ یعنی "لا حولٌ و لا قوةٌ الا باللّٰہ"۔ و رفعُ الاَوَّلِ علیٰ ضُعْفٍ و فتحُ الثانی اور پہلے کو رفع کے ساتھ پڑھو اور یہ رفع ضعیف ہے، اور دوسرے کو فتحه کے ساتھ پڑھو۔ یعنی "لا حولٌ و لا قوَّةَ الا باللّٰہ"۔

و اذا دَخَلَتِ الهمْزةُ اور جب اس لائے نفی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہو جائے لم يَتَغَيَّرِ العَملُ تو اس لائے نفی جنس کا عمل بدلتا نہیں۔ مثلاً دیکھو! لَا رجلَ قائمٌ تھا۔ اب اس پر ہمزہ استفہام لے آؤ۔ اَلَا رجلَ قائمٌ۔ یہ اسی طرح رہے گا۔ جس طرح پہلے لا اپنے اسم کو مبنی بنا رہا تھا یہ اب بھی ویسے ہی رہے گا۔ تو ہمزہ استفہام کے داخل ہونے سے اس لائے نفی جنس کے عمل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ و معناها اور اس ہمزہ کا معنیٰ اَلْاِسْتفهامُ استفہام ہوگا، مثلاً میں کہتا ہوں، لا رجلَ فی الدار۔ اس سے میں خبر دے رہا ہوں۔ اور جب میں کہوں، "اَلَا رجلَ فی الدارِ" تو اب میں نفی نہیں کر رہا بلکہ استفہام کر رہا ہوں۔ تو جب ہمزہ استفہام آئے تو کبھی معنیٰ استفہام ہوگا۔ والعَرضُ اور کبھی معنیٰ عرض ہوگی ہمزہ استفہام کے آنے سے۔ یعنی عرض کا فائدہ دے گا۔ عرض کی مثال: اَلَا نُزُولَ لَکَ عندنا فَتُحْسِنَ اِلَیْکَ: کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لائیں گے کہ ہم آپ کے ساتھ نیکی کریں۔ یہاں ہمزہ استفہام تو آرہا ہے۔ لیکن مطلب استفہام نہیں بلکہ درخواست کرنا ہے۔ والتمنی اور لائے نفی جنس سے پہلے ہمزہ استفہام کبھی تمنّی کا فائدہ دیتا ہے۔ تمنی کی مثال: اَلَا مَا اَفَاَشْرَبَهُ: کیا پانی نہیں کہ میں اُسے پی لیتا۔ یہاں استفہام مقصد نہیں بلکہ تمنی مقصد ہے، کہ کاش مجھے پانی ملتا اور میں اُسے پی لیتا۔

سوال یہ کہ یہ مسئلہ کیوں ذکر کیا، صاحب کافیہ نے؟ جواب یہ کہ لائے نفی جنس نفی کا فائدہ دیتا ہے۔ اور نفی کی وجہ سے لائے نفی جنس عمل کرتا ہے۔ اور جب اس سے پر ہمزہ استفہام داخل ہو جائے تو یہ نفی کا فائدہ نہیں دیتا۔ تو اس کی نفی ٹوٹ چکی ہے۔ تو وہاں جیسے ہم نے استثنیٰ کے بحث میں پڑھا تھا کہ "اِلّا" کے بعد وہ "لا" عمل نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ اِلّا آکر اُس کے نفی کو تھوڑ دیتا تھا۔ تو یہاں پر بھی لائے نفی جنس کی نفی ہمزہ استفہام کے آنے سے ختم ہو چکی ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اب بھی لائے نفی جنس عمل کرے گا کہ عمل نہیں کرے گا۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ اب بھی لائے نفی جنس عمل کریگا، اگر چہ اسکی نفی ٹوٹ چکی ہے۔

یہاں تک لائے نفی جنس کے اسم ک پوری تفصیل گزر گئی۔ اب لائے نفی جنس کے تابع کا کیا حکم ہے۔ صاحب کافیہؒ اب وہی بتلائے گا۔ توابع کل پانچ ہے۔ یعنی، صفت، تاکید، بدل، عطف بیان اور معطوف بحرف ہے۔ لائے نفی جنس کے تین اعراب آتے ہیں۔ یا تو منصوب ہوگا یا تو مرفوع ہوگا اور یا مبنی علی الفتح ہوگا۔ اگر لائے نفی جنس منصوب ہو یا مرفوع ہو تو اسکا تابع بھی منصوب ہوگا یا مرفوع ہوگا۔ لیکن اگر لائے نفی جنس مبنی علی الفتح ہو تو اس صورت میں لائے نفی جنس کے تابع کا کیا اعراب ہوگا۔ صاحب کافیہؒ اب اسکی تفصیل بیان فرما رہے ہیں۔ صاحب کافیہؒ اُن پانچ توابع میں سے ایک یا دو کو ذکر فرمائیں گا۔ اس لئے کہ باقی کی تصریح ائمہ سے نہیں آئی۔ یعنی کوئی ایسی روایت نہیں جو صاحب کافیہؒ تک پہنچی ہو۔

درس 66۔ **و نعتُ الْمَبْنِیِّ** مبنی کی نعت۔ صفت اُس لائے نفی جنس کے اسم کی جو مبنی ہو۔ لائے نفی جنس کا اسم اُس وقت مبنی ہوتا ہے، جب نکرۃ ہو، ساتھ ملا ہوا اور مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ جیسا کہ لَا رجلَ فی الدارِ۔ المبنیِّ پر جر پڑھنا ہے کیونکہ یہ مضافٌ الیہ ہے۔ اور الاوَّلُ پر رفع پڑھنا ہے کیونکہ یہ نعت کی صفت ہے۔ **اَلْاَوَّلُ** ای نعتُ المبنیِّ الاوّلُ اُسکی پہلی صفت۔ یعنی لائے نفی جنس کے اسم جو کہ مبنی ہو اُسکی پہلی صفت۔ کبھی کبھار ایک ہی چیز کی کئی صفات ذکر کی جاتی ہے۔ اگر صفات کئی ہوں تو یہاں پہلے نمبر والا صفت مراد ہے۔دوسری، تیسری کا ذکر مراد نہیں۔ **مُفردا** اس حال میں کہ وہ صفت مفرد ہو۔مفرد کا معنیٰ یہاں یہ ہے کہ مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو۔ **یَلِـیْہِ** موصوف کے ساتھ ملے ہوئے ہو۔ یعنی درمیان میں کوئی فاصل نہ ہو۔ **مبنیٌّ و معربٌ رفعا و نصبا** مبنی ہوگی یا معرب ہوگی اس حال میں کہ مرفوع پڑھا جائے یا منصوب۔ یعنی اس کو مبنی بنانا بھی صحیح اور معرب بنانا بھی صحیح۔ مثلاً، لا رجلَ شریفَ فی الدارِ۔ تو دیکھو! چار شرطیں اُنہوں نے ذکر کی۔ اگر وہ چار شرائط لائے نفی جنس کے اسم کی صفت میں پائے جائے پو پھر اس صفت کو معرب بھی پڑھ سکتے ہیں اور مبنی بھی۔ پہلی شرط: وہ لائے نفی جنس کے اُس اسم کی صفت ہو جو مبنی ہو۔ دوسری شرط یہ کہ وہ صفت

اوّل ہو، تیسری شرط یہ ہے کہ وہ صفت مفرد ہو، مضاف یا مشابہ مضاف نہ ہو، چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ صفت اپنے موصوف سے ملا ہوا ہو یعنی درمیان میں کوئی فاصل نہ ہو۔ پس جب یہ چار شرائط پوری ہو تو پھر اس کو معرب بنانا بھی صحیح اور مبنی بنانا بھی صحیح۔ یعنی " لا رجلَ شریفَ فی الدارِ " بھی صحیح۔ اور اسکو معرب پڑھنا بھی صحیح ہے۔ معرب مرفوع کی صورت میں، "لا رجلَ شریفٌ فی الدارِ" اور معرب منصوب کی صورت میں، "لا رجلَ شریفًا فی الدارِ"۔

سوال۔ اس صفت کو مرفوع اور منصوب کیوں پڑھتے ہیں؟ جواب یہ کہ رجلَ مبنی ہے۔ اور ہم نے اس کے صفت کو معرب بنانا ہے۔ اگر ہم لفظوں کے تابع کرے تو منصوب آئے گا۔ اور اگر محل کے تابع کرے تو پھر یہ مرفوع ہوگا۔ رجل ہمیشہ سے مبنی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی یہ بِنا عامل کی وجہ سے آئی ہے۔ تو اس وقت یہ ہے تو مبنی لیکن یہ بنا اعراب کی طرح ہے۔ کیونکہ اعراب بھی عامل کی وجہ سے آتی ہے۔ تو رجلَ کی فتح، مُعرب کی نصب کی طرح ہے ۔ پس لہٰذا صفت کو جب لفظوں کی تابع بنائیں تو اس کو منصوب پڑھیں گے۔ ای لا رجلَ شریفًا فی الدارِ۔

اور محل پر حمل کرتے ہوئے رفع پڑھنا بھی جائز۔ کیونکہ لائے نفی جنس مبتدا اور حبر پر داخل ہوتا ہے۔ تو لائے نفی جنس کا اسم محل کے اعتبار سے مبتدا ہے۔اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے۔ لہٰذا رجلَ کی جو تابع ہے یہاں یعنی شریف، تو اس کو مرفوع پڑھیں گے، کیونکہ یہاں ہم نے اس کا حمل رجلَ کے محل پر کر دیا۔ یعنی لا رجلَ شریفٌ فی الدارِ۔

مثلُ لا رجلَ ظریفَ و ظریفٌ و ظریفًا ای لا رجلَ ظریفَ۔ ظریفَ مبنی ہے۔ لا رجلَ ظریفٌ۔ میں ظریفٌ معرب ہے اور رجل کے محل پر حمل کیا۔ اور لا رجلَ ظریفًا میں ظریفًا مبنی ہے اور رجلَ کے لفظوں پر حمل کیا۔ جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔

وَ الّا ای وَ اِنْ لَمْ یَکُنْ کذٰلک : اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی اُن چار شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی پوری نہ ہو۔ فالاعرابُ ای فالاعرابُ واجبٌ: پھر اعراب پڑھنا واجب ہے۔ اور اعراب میں پھر وہی دونوں حالتیں جاری ہوں گی۔ نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور رفع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لا رجلَ شریفَ ظریفٌ فی الدارِ یا لا رجلَ شریفَ ظریفًا فی الدارِ۔ مطلب کہ پہلی صفت نہ ہو دوسری صفت ہو۔ تو اس دوسری صفت کو مبنی نہیں بنا سکتے۔ یہ ایک تابع کی بات ہوئی۔ آگے دوسرے تابع کی بات فرما رہے ہیں۔

و العطفُ علی اللفظ عطف کرنا حمل کرتے ہوئے اسمِ لا کے لفظوں پر و علی المحلِّ اور اُس اسمِ لا کے محل پر جائزٌ جائز ہے۔ اگر لائے نفی جنس کے اسم کا تابع معطوف ہو۔ تو پھر معطوف پر بھی وہی دونوں اعراب پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی لفظوں پر حمل کرتے ہوئے معطوف کو منصوب پڑھیں گے۔ اور محل پر حمل کرتے ہوئے معطوف کو مرفوع پڑھیں گے۔ فی مثلِ لا ابَ وَ ابنًا و ابنٌ ای لا ابَ وَ ابنًا

اور لَا اَبَ و ابنٌ۔ یہاں صاحب کافیه نے پوری مثال ذکر نہیں فرمائی بلکه صرف لائے نفی جنس کے اسم کو ذکر فرمایا۔ پورا مثال اس طرح ہوگا۔ لا اَبَ وَ ابنًا مثلُ زیدٍ۔ اس صورت میں معطوف ابن منصوب ہے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے۔ اور لا اَبَ وَ ابنٌ مثلُ زیدٍ۔ اس صورت میں معطوف ابن مرفوع ہے اسم لا کے محل پر حمل کرتے ہوئے۔

و مثل لا ابَا له و لا غلامَیَ له جائزٌ لا اَبَ له میں لا ابَا له اور لا غلامینِ لهُ میں لا غلامَیَ له پڑھنا بھی جائز ہے۔ جمع بھی اس پر قیاس کریں اور تثنیه کا انہوں نے بتا دیا۔ **تشبیهًا لهُ بالمضافِ** اِسم لا کو مضاف کے ساتھ مشابه بنانے کے لئے۔ تشبیهًا مفعول له ہے۔ جیسا که ضربتُ زیدًا تادیبًا میں تادیبًا مفعول له ہے۔ یه علّت بتاتا ہے۔ شَبَّهَ یُشَبِّهُ تَشْبِیۃً: تشبیه دینا، مُشابه بنانا۔ **لمشارکتهٖ** بوجه اُس اِسم لا کے شریک ہونے کے **لهُ** مضاف کے ساتھ **فی اصل معناه** اُس مضاف کے اصلِ معنیٰ میں۔ یعنی وہ اِسم لا شریک ہے مضاف کے ساتھ اصلِ معنیٰ میں۔ اور مضاف کا اصلِ معنیٰ اختصاص ہے۔

تو کہتے ہیں که اس قسم کے ترکیبوں میں مضاف والی صورت دینا بھی جائز ہے۔ اس سے مراد وہ ترکیبیں ہیں جہاں لائے نفی جنس کے بعد نکرۃ آئے، اور وہ نکرۃ لائے نفی جنس کے ساتھ ملا ہوا ہو، اور اس کے بعد لامِ اختصاص آئے۔

وضاحت:

لا اَبَ له میں لائے نفی جنس کا اسم مبنی علی الفتح ہے۔ کیونکه یہاں تیسرا شرط پورا نہیں۔ پہلا شرط پورا ہے یعنی یه نکرۃ ہے، دوسرا شرط بھی پورا ہے یعنی لا کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ لیکن تیسرا شرط پورا نہیں یعنی آگے مضافٌ الیه نہیں ہے۔ اس لئے یه مبنی علی الفتح ہے۔ اور "لا غلامَیْنِ له" میں پہلا شرط پورا ہے یعنی یه نکرۃ ہے، دوسرا شرط بھی پورا ہے "لا" کے ساتھ ملا ہوا ہے، جبکه تیسرا شرط پورا نہیں، کیونکه آگے مضافٌ الیه نہیں آ رہا۔ اور تثنیه کی صورت میں حالت نصبی یا ماقبل فتحه کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں غلامَیْنِ مبنی علی الفتح ہے۔ صاحب کافیهؒ فرماتا ہے که اس میں "لا ابَا له" اور "لا غلامَیَ له" بھی جائز ہے۔

اَبٌ اسمائے سته میں سے ہے۔ اور اسمائے سته کا اعراب حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ، حالت نصبی میں الف کے ساتھ، اور حالت جرّی میں یا کے ساتھ آتا ہے۔ لیکن ویسے نہیں، وہاں کئی شرائط انہوں نے ذکر کی ہیں۔ وہ شرائط یه ہیں۔ اسمائے ستّه ہو، مکبَّرہ ہو، مؤحَّدہ ہو، مضافّه ہو غیرِیائے متکلم کی طرف۔ جب یه شرائط پائے جائے تو پھر حالت رفعی واؤ کے ساتھ، حالت نصبی الف کے ساتھ اور حالت جرّی یا کے ساتھ ہوگا۔ لیکن یہاں "لا اَبَ له" میں اب مضاف نہیں ہے۔ اب واؤ، الف اور یا کے ساتھ اس کا اعراب نہیں آئے گا، اب تینوں اعراب اس پر حرکت والے آئیں گے۔ یعنی ابًا، ابٌ اور ابٍ۔

اب یہاں پر دیکھئے! اب ہم ذرا اسکی اضافت کرے، جاءنِی ابو زیدٍ، رأیتُ ابَا زیدٍ، مررتُ بِاَبِی زیدٍ۔ یہ الف جو آیا، "رأیتُ ابَا زیدٍ" میں یہ الف اس وقت آتا ہے جب منصوب ہو اور مضاف ہو رہا ہو غیرِ یائے متکلم کی طرف۔ تو اُس وقت ابٌ کے ساتھ الف آیا کرتا ہے ویسے الف آیا نہیں کرتا۔

تو دیکھو! میں نے کہا، ابو زیدٍ : زید کا باپ، تو اضافت نے ابٌ کی تخصیص کی زید کے ساتھ۔ اسی طرح جب میں نے کہا، "لا ابَ لہٗ" تو اس میں بھی اَبٌ کے بعد لام آ رہا ہے۔ اور "لام" اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے۔ جیسے اضافت اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے، اس طرح یہ "لام" بھی اختصاص کا فائدہ دیتا ہے۔ مثلاً غلامُ زیدٍ میں غلام کی زید کی طرف اضافت ہو رہا ہے۔ اور یہ اضافت اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے، کہ غلام خاص ہے زید کے ساتھ۔ اور غلامُ زیدٍ میں لام مقدّر ہوتا ہے۔ یہ اصل میں "غلامٌ لِزیدٍ" ہے۔ تو اضافت نے اختصاص کا فائدہ دیا، اور جب میں نے کہا "لا ابَ لہُ" یہاں پر بھی لام آیا۔ اور لام بھی اختصاص کا فائدہ دیتا ہے۔ تو یہ ترکیب، "لا ابَ لَہُ" مشابہ ہو گئی مضاف، مضاف الیہ کی معنیٰ کے اعتبار سے۔ یعنی جیسے اضافت اختصاص کا فائدہ دے رہی ہے یہ ترکیب بھی اختصاص کا فائدہ دے رہی ہے۔ تو جب یہ "لا ابَ لہُ" اختصاص کا فائدہ دے رہی ہے یعنی یہ اُس کی طرح ہے تو ہم صورت بھی اُس کی طرح دے رہے ہیں۔ یعنی ابٌ جب مضاف ہے حالت نصبی میں تو اباہُ کہیں گے۔ اور جیسے یہ اباہُ تخصیص کا فائدہ دے رہا ہے، تو یہ "لا ابَ لہُ" میں لام بھی تخصیص کا فائدہ دے رہا ہے، تو اس میں "لا ابَا لہُ" کہنا جائز ہے۔ کیونکہ تخصیص کے اندر دونوں مشترک ہے۔ اَبَا پر تنوین نہیں آئے گی۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ "لا ابَ لہ" میں "لا ابَا لہ" کہنا جائز ہے۔ اور یہ "اَبَا" مبنی علی الفتح ہے۔

اسی طرح میں کہتا ہوں! جاءنی غلامَا زیدٍ اصل میں جاءنی غلامانِ لِزیدٍ تھا۔ پھر اضافت کی وجہ سے نون گر گیا اور جاءنی غلاما زیدٍ ہو گیا۔ اور حالت نصبی میں رَأیتُ غُلَامَیۡ زیدٍ بنتا ہے۔ اور "غلامَیۡ زیدٍ" یہ اختصاص کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی زید کے دو غلام۔ اور "لا غلامَیۡنِ لہ" میں بھی لام آ رہا ہے اور یہ اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے۔ تو یہ ترکیب بھی اضافت والے ترکیب کے ساتھ مشابہ ہو گئی۔ جب یہ اُس کے ساتھ اصلِ معنیٰ میں شریک ہے تو صورت بھی اُسی طرح دیتے ہے، جیسے اضافت میں نون گر گیا تھا تو "لا غلامَیۡنِ لہُ" میں بھی نون گرانا جائز ہے، اور "لا غُلَا مَیۡ لہ" کہنا جائز ہوگا۔ تو خلاصہ یہ کہ "لا غلامینِ لہُ" میں "لا غلاما لہ" کہنا جائز ہے۔

وَمِنۡ ثَمَّ اور اسی وجہ سے۔ ثَمَّ اسم اشارہ ہے۔ **لم یَجُزۡ لا ابَا فیها** جائز نہیں ہے یہ ترکیب "لا ابَا فیها" بلکہ "لا ابَ فیها" کہیں گے۔ اسکو مضاف جیسی صورت دیتے ہے اَبَ سے اَبَا پڑھنا جائز نہیں۔ کیونکہ لامِ اختصاص نہیں آ رہا اور یہ مضاف کے ساتھ اصلِ معنیٰ میں شریک نہیں ہوا۔ اور جب یہ اصلِ معنیٰ میں مضاف کے ساتھ شریک نہیں ہوا تو مضاف جیسی صورت دینا بھی جائز نہیں۔

آگے صاحب کافیہؒ ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔ پہلے اشکال کو سمجھ لیجئے۔ بھئی یاد رکھو! "وَ مثلَ لَا ابا لهُ وَ لَا غُلامَیَ لَهُ" کو ہم نے مضاف والی صورت دی ہے۔ اس پر امام خلیل ابن احمدؒ، امام سیبویہؒ، علامہ زَمَخشَرِیؒ وغیرہ اور جمہور علماءِ نحوؒ اعتراض فرماتے ہیں کہ یہ "اَبٌ اور غلامَین" اصلاً معنیٰ کے اعتبار سے مضاف ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ یہ "ابٌ" جو ہے یہ "لا اَبَا له" میں مضاف ہے ھا ضمیر کی طرف اور "لا غلامَیَ لهُ" میں یہ غلامَیَ مضاف ہے ھا ضمیر کی طرف اور یہ اضافت معنیٰ کے اعتبار سے ہے۔ اور جب مضاف ہو تو حالت نصبی میں اَبٌ کے ساتھ "الف" آرہا ہے۔ اور جب تثنیہ اور جمع کی اضافت ہو تو اس سے نون گر جایا کرتا ہے۔ تو یہ بھی اصل میں مضاف ہے۔ اس لئے اَبٌ کے ساتھ الف آیا اور غُلامَیَ سے نون تثنیہ گر گیا۔ تو درحقیقت یہ مضاف ہیں۔

اور جب یہ مضاف ہے تو اب اے صاحب کافیہؒ آپ کا اشکال ہی ختم ہو گیا۔ یعنی آپ نے فرمایا تھا کہ جس طرح مضاف اختصاص کا فائدہ دے رہے ہیں اسی طرح یہ ترکیبیں " لَا ابَ لهُ وَ لَا غُلامَیْنِ لَهُ"بھی اختصاص کا فائدہ دے رہے ہیں۔ اور اس اختصاص کی وجہ سے یہ کہنا " لَا ابا لهُ وَ لَا غُلامَیَ لَهُ" کہنا جائز ہے۔ حالانکہ یہ اصلاً معنیٰ کے اعتبار سے مضاف ہے۔ اور جب یہ معنیٰ کے اعتبار سے مضاف ہے، تو اب اس میں لائے نفی جنس کے اسم کی تینوں خصوصیات پائے گئے۔ یعنی پہلا یہ کہ یہ نکرۃ ہے، اور یہ نکرۃ "لا" کے ساتھ ملا ہوا بھی ہے، اور یہ مضاف بھی ہے، تو اس صورت میں یہ لائے نفی جنس کا اسم منصوب ہوتا ہے۔ اور ابٌ کی حالت نصبی اضافت کے وقت ابا ہے اور غلامینِ کی حالت نصبی غلامَیَ اضافت کے ساتھ۔ پس اے صاحب کافیہؒ "لَا ابا لهُ وَ لَا غُلامَیَ لَهُ" میں یہ ابا مبنی علی الفتح نہیں بلکہ منصوب ہے۔ اور غلامَیَ بھی مبنی نہیں بلکہ منصوب ہے۔

خلاصہ اس بحث کا یہ کہ صاحب کافیہؒ کے نزدیک "لَا ابَ لهُ وَ لَا غُلامَیْنِ لَهُ" کو لَا ابا لهُ وَ لَا غُلامَیَ لَهُ" کہنا جائز ہے۔ اور صاحب کافیہؒ کے نزدیک دونوں اسماء "ابا" اور "غلامی" مبنی ہیں۔ جبکہ جمہور علماء نحوؒ، امام سیبویہؒ، امام خلیل ابن احمدؒ اور علامہ زمحشریؒ وغیرہ کے نزدیک لَا ابا لهُ وَ لَا غُلامَیَ لَهُ" میں یہ دونوں اسماء منصوب ہیں۔

جمہور علماء کے مذہب پر اعتراض ہوتا ہے، کہ یہ "ابا" اور "غلامی" یہ کیسے مضاف ہیں؟ کیونکہ مضاف اور مضافٌ الیہ کے درمیان کوئی لام وغیرہ نہیں آتا۔ یہاں تو ہم دیکھتے ہیں کہ لام لفظوں میں آرہا ہے۔ مضاف اور مضافٌ الیہ کے درمیان ہمیشہ لام مقدّر ہوتا ہے۔

جمہور علماءؒ جواب دیتے ہیں، کہ یہ وہ لام اختصاص نہیں۔ وہ لام اختصاص حذف ہو چکا ہے۔ ہاں یہ دوسرا لام ہے جو اُس لامِ اختصاص کی تاکید کے لئے آیا ہے۔ یعنی جیسا کہ غلامُ زیدٍ اصل میں غلامٌ لزیدٍ تھا، جیسے وہاں غلامُ زیدٍ کہہ کر لام کو مقدر کیا۔ اسی طرح یہاں بھی "لا اباهُ" تھا اصل میں اور لام درمیان

میں مقدّر ہے۔ لیکن پھر وہ جو لامِ اختصاص مقدّر کیا پھر اُس کی تاکید کے لئے دوسرا لام لے آئے جو "لا ابا له" میں آپ کو نظر آتا ہے۔ اور لامِ اختصاص تو اب بھی حذف ہو چکا ہے۔

اس پر پھر اشکال ہوا جمہور علماء نحوؒ پر۔ کہ جب لامِ اختصاص حذف ہوا، تو اب یہ "لا ابا لهٗ" اور "لا غلامَیْ لهٗ" میں یہ دونوں اسماء اب معرفة بن گئے، کیونکہ معرفة کی طرف جب کوئی چیز مضاف ہو تو وہ معرفة بنتا ہے۔ اور یہاں ابٌ کی اضافت ھا ضمیر کی طرف ہو رہی ہے تو یہ معرفة بن گیا، اور اسی طرح غلامین کی اضافت ھا ضمیر کی طرف ہو رہی ہے تو یہ بھی معرفة بن گیا۔ تو لائے نفی جنس کا اسم معرفة ہو گیا۔ اور جب لائے نفی جنس کا اسم مرفوع ہوتا ہے تو وہ منصوب نہیں ہوتا، حالانکہ یہاں پر آپ اسے منصوب پڑھ رہے ہیں۔ حالانکہ معرفة کی صورت میں لائے نفی جنس کا اسم مرفوع پڑھا جاتا ہے اور تکرار لا ہوتا ہے اور ساتھ ایک اور اسم بھی ہوتا ہے۔

جمہور علماء نحوؒ اسکا جواب دیتے ہیں۔ جمہور علماء نحوؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو دوسرا لام ہم لے کر آئے ہیں، یہ تو اسی لئے لائے ہیں کہ یہ معرفہ نہ بن جائے لفظوں کے اعتبار سے۔ جمہور علماء نحوؒ فرماتے ہیں کہ معنیٰ کے اعتبار سے یہ اب بھی معرفة ہے لیکن صورت کے اعتبار سے یہ نکرة ہے۔ تو اب اس میں تینوں شرطیں پوری ہوئی، یعنی یہ نکرة بھی ہوا، لائے نفی جنس کے ساتھ ملا ہوا بھی ہے اور مضاف بھی ہے۔ تو اس صورت میں لَا ابا لهٗ وَلَا غُلامَـیْ لَهٗ" میں یہ دونوں اسمیں منصوب ہیں نہ کہ مبنی ہیں۔

یہ ہُوا جمہورؒ کا مذہب کہ یہ حقیقتًا مضاف ہے۔ صاحب کافیہ علامہ ابن حاجبؒ اسکو ردّ کر رہے ہیں۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حقیقتًا مضاف نہیں، بلکہ جس طرح مضاف اختصاص کا فائدہ دے رہا ہے تو یہ ترکیب بھی اختصاص کا فائدہ دے رہا تھا، تو فائدہ چونکہ دونوں کا ایک ہے اس لئے ہم نے اس ترکیب کو مضاف والا حکم دیا، ورنہ حقیقتًا یہ مضاف، مضاف الیہ نہیں ہے۔ اگر یہ مضاف ہوا تو پھر اسکے معنیٰ میں خرابی لازم آتی ہے۔

و لیسَ بِـمُضافٍ یہ اسمِ لا مضاف نہیں ہے۔ صاحب کافیہؒ جمہور علماء نحوؒ کے مذہب پر رد فرما رہے ہیں۔ **لِفسادِ المعنیٰ** کیونکہ معنیٰ خراب ہو رہا ہے۔ **خلافا لسیبویہ** بخلاف امام سیبویہؒ کے۔ کیونکہ امام سیبویہؒ فرماتے تھے کہ یہ حقیقتًا مضاف ہے۔ صاحب کافیہؒ نے باقی ائمہ اور جمہور کو ذکر نہیں کیا۔ بلکہ یہاں صرف امام سیبویہؒ کو ذکر کیا۔ اور یہ امام نحو کے اندر مشہور بھی بہت ہے۔ اختلاف بتلانا مقصد تھا۔ اس کے لئے صرف امام سیبویہؒ کو ذکر کیا۔ اور یہ امام نحو کے اندر مشہور بھی بہت ہے۔

صاحب کافیہ کے نزدیک: لا ابا لهٗ: "لا" لائے نفی جنس ہے، ابا لائے نفی جنس کا اسم مبنی علی الفتح، لهٗ لائے نفی جنس کی خبر۔

امام سیبویہؒ کے نزدیک: لا ابا لهٗ: یہ "ابا لهٗ" ابا مضاف، لام تاکید کے لئے، اور ھا ضمیر مضافٌ الیہ ہے۔ جب یہ مضاف، مضافٌ الیہ ہوئے تو لازمی بات ہے یہ لائے نفی جنس کا اسم ہوا، اور آگے لائے نفی

جنس کی خبر کو محذوف ماننا پڑے گا۔ تو ایک تو یہ خرابی لازم آئے گی کہ خبر کو ہم نے الگ محذوف نکالنا پڑے گا۔ اور پھر خبر "موجودٌ" کو محذوف نکالنا پڑے گا۔

نیز یہاں پر ہے "لا ابَا لہ" اسکا مقصد کیا ہے۔ یعنی "لا ابا لہ" کی ترکیب کا مقصد کیا ہے۔ صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا ہے "کہ فلاں کا باپ ہی نہیں ہے"۔ تو "جنسِ اب" کی نفی کرنا مقصد ہے اُس شخص کے لئے۔ اور اگر ہم اس کو مضاف مان لے تو اس کا معنیٰ ہوگا "لا اباَلہُ موجودٌ"۔ یعنی اُس کا وہ جو معلوم باپ ہے اُس سے وجود کی نفی ہوگی۔ یعنی اُس کا جو معلوم باپ ہے اُس کا وجود نہیں ہے۔ اور معلوم باپ سے وجود کی نفی کرنا، یہ معنیٰ صحیح نہیں بنتا۔

لا ابا لہ موجودٌ میں ترجمہ کرتے وقت آپ نے "معلوم" کا ترجمہ کیوں کیا۔ جواب یہ کہ جمہور کے نزدیک یہ اب کا لفظ مضاف ہے ھا ضمیر کی طرف۔ اور معرفۃ کی طرف جب کوئی چیز مضاف ہو تو وہ معرفۃ بن جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ابٌ کا لفظ معرفۃ ہے۔ اور جب ابٌ معرفۃ ہے تو معرفۃ تو کسی متعیَّن ذات پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہاں پر بھی جب اضافت آگئی تو "لا ابا لہ موجودٌ" یہ "لا ابوہُ موجودٌ" کے معنیٰ میں ہوا۔ یعنی اُس کا جو معلوم اور متعیّن باپ ہے۔ اُس سے ایک صفت وجود کی نفی کی گئی۔ تو جب ایک چیز معلوم اور متعیّن ہوا تو اس سے وجود کی نفی کیسے کی جاتی ہے؟ تو یہ درست نہیں۔

اسی طرح "لا غُلَامَیَ لَہُ موجودَانِ" اُس کے وہ جو دو متعیَّن غلام ہیں اُن کا کوئی وجود نہیں۔ تو یہ بات بھی درست نہیں بنتی۔

درس کے شروع میں، میں نے آپ سے کہا تھا، کہ "لا ابًا لہُ" نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ جمہور کے نزدیک یہ "اب" مضاف ہے۔ اور مضاف پر تنوین نہیں آتا۔ اضافت مانع تنوین ہے۔

و یُحْذَفُ کثیرا اور بسا اوقات لائے نفی جنس کے اسم کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ فی مثلِ اس قسم کے مثالوں میں۔ لا علیکَ ای لا بأسَ علیکَ: یہاں قرینہ موجود ہے۔ لائے نفی جنس یہاں جار مجرور "علیکَ" پر داخل ہوتا ہے۔ حالانکہ لائے نفی جنس جار مجرور پر داخل نہیں ہوتے بلکہ یہ اسم پر داخل ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا اسم محذوف ہے اور وہ "بأسَ" ہے۔ ترجمہ: آپ پر کوئی حرج نہیں۔ یعنی کوئی فکر نہ کر۔ کسی کو تسلی دینے کے لئے یہ جملہ بولا جاتا ہے۔

درس 67۔ منصوبات کی بحث میں یہ آخری منصوب ہے۔ خبرُ ما و لا المشَبَّھتین بلیس اُس "ما اور لا" کی خبر جو لیس کی مشابہ ہو۔ یہ خبر بھی منصوب ہوتی ہے۔ ھو المسند بعد دخولِہما ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد وہ خبر مسند ہوتی ہے۔ و ھی لُغۃٌ حِجازیَّۃٌ اور یہ حجازی لغت ہے۔ تِہامہ اور نجد کے درمیان کا علاقہ جس میں مکہ، مدینۃ وغیرہ آتے ہیں، یہ حجاز کہلاتا ہے۔ یعنی اھل حجاز والے "ما اور لا" کے خبر پر نصب پڑھتے ہیں۔ یعنی "ما زیدٌ قائمًا" یہ اھل حجاز کا لغت ہے۔ اور بنو تمیم والے نصب نہیں

دیتے، وہ کہتے ہیں، "ما زیدٌ قائمٌ"۔ کہتے ہیں زیدٌ مبتدا، قائمٌ اسکی خبر اور "ما" عمل ہی نہیں کرتا۔ اور قرآن بھی اہل حجاز کی لغت میں ہے۔ قرآن میں آتا ہے، "ما ھٰذا بشرًا"، تو دیکھو "ما" نے اپنے خبر کو نصب دیا۔ جبکہ بنو تمیم والے کہتے ہیں کہ یہ "ما" خبر کو نصب نہیں دیتے اور "ما ھٰذا بشرٌ" پڑھیں گے۔

آگے صاحب کافیہ علامہ ابن حاجب ؒ اُن صورتوں کو ذکر فرما رہے ہیں جن میں "ما اور لا" کا عمل لغو ہو جائے گا۔ یعنی "ما اور لا" عمل نہیں کرے گا۔ یعنی "ما اور لا" اپنی خبر کو نصب نہیں دیگا۔

فَإذا زیدتْ إن مع ما جب اِنْ کو بڑھا دیا جائے "ما" کے ساتھ۔ اُس میں پہلا صورت یہ ہے کہ جب "ما" کے بعد "اِنْ" کا اضافہ کیا جایا۔ مثلاً، ما زیدٌ قائمًا کے اندر "ما" نے اپنے اسم کو رفع دیا اور خبر کو نصب دیا۔ "ما" کا معنیٰ تھا نفی، اسی نفی کے معنیٰ کے لئے کبھی "اِنْ" بھی آتا ہے۔ تو "ما" کی تاکید کے لئے ہم نے "اِنْ" بڑھا دیا۔ اور "ما اِنْ زیدٌ قائمٌ" پڑھیں گے۔ یہ "اِنْ" کے آنے کی وجہ سے اب "ما" کا عمل لغو ہو گیا، اور یہ اب اپنے اسم کو نصب نہیں دے سکتا۔

اَوِ انْتَقَضَ النَّفْيِ بِالَّا یا "ما" کی نفی ٹوٹ جائے اِلّا کے ساتھ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نفی ٹوٹ جائے "اِلّا" کے ساتھ۔ ما زیدٌ قائمًا: زید کھڑا نہیں۔ جب خبر سے پہلے اِلّا آجائے تو اِلّا نفی کو تھوڑ دیتا ہے، اور "ما" تو نفی کی وجہ سے عمل کرتا ہے، اور جب "ما" کی نفی ٹوٹ گئی تو اب یہ اپنے خبر کو نصب نہیں دے سکتا، یعنی "ما زیدٌ الّا قائمٌ" پڑھیں گے۔

او تقدَّمَ الخبرُ بطلَ العملُ یا "ما" کی خبر، "ما" کے اسم پر پر مقدَّم ہو جائے، تو "ما" کا عمل باطل ہو جائے گا۔ تیسری صورت یہ کہ جب خبر ، اسم پر مقدَّم ہو جائے۔ یعنی "ما قائمٌ زیدٌ" قائمٌ جو کہ خبر تھا اس کو مقدَّم کیا، اور زیدٌ جو کہ "ما" کا اسم تھا اسکو مؤخر کر دیا۔ تو اس صورت میں بھی "ما" کا عمل لغو ہو جاتا ہے۔

و اذا عُطِفَ علیه بِمُوجبِ فالرَّفْعُ اور جب خبر "ما" پر عطف کیا جائے ایجاب والے حرف کے ساتھ، تو پھر رفع پڑھیں گے۔ موجِب سے مراد "بل اور لٰکن" ہے۔ وہ حرف عطف جو ایجاب کے لئے ہو۔ مُوجِبْ: اثبات کرنے والا۔ نفی کے بعد جب "بل اور لٰکن" آئے تو اثبات کا فائدہ دیتے ہے۔ آپ نے کہا، "ما زیدٌ قائمًا : زید کھڑا نہیں، "بل قاعدٌ": بلکه بیٹھا ہے۔" یہاں "بَل" کے ساتھ "قاعدٌ" کا عطف کیا گیا "قائمًا" پر۔ اور یوں کہیں گے، "ما زیدٌ قائمًا بَل قاعدٌ"۔ یہاں "بَل" نے اثبات کا فائدہ دیا اور "ما" کی نفی تھوڑ دی۔ اب "بَل" حرف عطف ہے۔ قاعدٌ معطوف ہے۔ اور قائمًا معطوفٌ علیه ہے۔ قائمًا اگر چه لفظوں کے اعتبار سے منصوب ہے۔ لیکن محل کے اعتبار سے یہ خبر ہے اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔پس قائمًا محلاً مرفوع ہے۔ لہٰذا قاعدٌ معطوف کو حمل کیا قائمًا معطوف علیه کے محل پر۔ اور قاعدٌ کو رفع دیا۔

اسی طرح "لٰکن" بھی ہے۔ "ما زیدٌ جالسًا لٰکن قائمٌ"۔

درس 68۔ المجرورات اس میں کئی ترکیبیں ہو سکتی ہیں۔

1۔ ای ھٰذا بحثُ المجروراتِ۔ المجرورات کو خبر بنائے۔ اس کے لئے مضاف محذوف نکالے، اور مبتدا بھی محذوف نکالے۔

2۔ المجروراتِ کو مبتدا بنائے، اس کے لئے بحث مضاف محذوف نکالے۔ اور خبر ھٰذا بھی محذوف نکالے تو "بحثُ المجروراتِ ھٰذا" ہو جائے گا۔

3۔ یا صرف مبتدا محذوف نکالے، ھٰذِہِ المجروراتِ۔

4۔ یا اسکو مفعول بنائے، اِقْرَأِ المجروراتِ۔

5۔ المجرورات کو مبتدا بنائے اور ھٰذا خبر کو محذوف نکالے۔ المجروراتُ ھٰذِہٖ

5۔ یا اسکا کوئی اعراب نہیں اور عنوان ہے، "اَلْمجروراتْ"۔

هوَ مَا اشْتَمَلَ مجرور وہ چیز ہے جو مشتمل ہو۔ ھو ضمیر راجع ہے مجرور کو۔ مجرورات جمع ہے۔ اس کے ضمن میں مجرور آگیا۔ مفرد بھی آگیا تو ضمیر اُس مفرد کو راجع ہے۔ علیٰ عَلَمِ الْمُضافِ الیهِ مضاف الیہ کی علامت پر۔ یعنی مجرور وہ ہے جو مضافٌ الیہ کی علامت پر مشتمل ہو۔ اور مضافٌ الیہ کی علامت جرّ ہے۔ یعنی جس پر جرّ آئے وہ مجرور ہے۔ اور یہ جرّ کئی صورتوں میں آتا ہے۔ کبھی جرّ کسرہ کی صورت میں آتا ہے۔ مثلاً مررتُ برجلٍ۔ اور کبھی یہ جرّ نصب کی صورت میں آتا ہے۔ مثلاً مررتُ بِاَحْمَدَ۔ یہ احمدُ غیر منصرف ہے۔ اور کبھی جرّ "یا" کے ساتھ آتا ہے اسمائے ستہ مکبرہ میں۔ مثلاً مررتُ بَاَبِیْکَ۔ اور تثنیہ میں بھی جرّ "یا" کی صورت میں آتا ہے۔ رَأَیْتُ مُسْلِمَیْنِ۔ اور جمع میں بھی جرّ یا کی صورت میں آتا ہے۔ مررتُ بِمُسْلِمِیْنَ۔ نیز جرّ کبھی تقدیری ہوگا۔ مثلاً مررتُ بِمُوْسیٰ۔

آگے صاحب کافیہؒ مضافٌ الیہ کی تعریف بتاتے ہیں۔ و المضافُ الیهِ کلُّ اسْمٍ اور مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے۔ نُسِبَ اِلیهِ شئٌ کہ نسبت کی جائے اُس کی طرف کسی چیز کی۔ بواسطةِ حرفِ الجرِّ بواسطہ حرف جرّ کے۔ لفظا او تقدیرا اس حال میں کہ وہ حرف جرّ لفظوں میں ہوگا یا وہ حرف جرّ مقدّر ہوگا۔ مثلاً مررتُ بزیدٍ میں مضافٌ الیہ زید ہے۔ اور زید کی طرف مُرور کی نسبت کی گئی ہے حرف جرّ "با" کے واسطے سے۔ اور یہ حرف جرّ "با" لفظی ہے۔ اور غلامُ زیدٍ میں زید مضافٌ الیہ ہے، اور اس کی طرف غلام کی نسبت حرف جر کے واسطے سے کی گئی ہے۔ اور یہ حرف جرّ تقدیری ہے۔ اور غلامُ زیدٍ کی ترکیب کو اصطلاح میں مضاف، مضافٌ الیہ کہتے ہے۔ مُرادًا اس حال میں کہ اُس کا ارادہ بھی کیا گیا ہوگا۔ ارادے کا مطلب ہے کہ اُس کا اثر ظاہر ہوگا۔ بھئی وہ جو حرف جرّ تھا چاہے لفظوں میں ہو چاہے تقدیری ہو، اُس کا اثر بھی ظاہر ہوگا۔ مثلاً میں نے کہا، غلامُ زیدٍ جو کہ اصل میں غلامٌ لزیدٍ تھا۔ وہ لام

اب لفظوں میں موجود نہیں لیکن اب بھی اسکا ارادہ کیا گیا ہے لہٰذا اس وجہ سے زید پر جرّ آگیا ہے۔ یعنی اُس لام کا اثر ظاہر ہو رہا ہے۔

کبھی کبھار بغیر حرف جرّ کے واسطے سے بھی کسی چیز کی نسبت دوسرے کی طرف کی جاتی ہے۔ مثلاً میں نے کہا، صمتُ یومَ الجمعةِ۔ یہاں صوم کی نسبت ہے جمعه کی طرف۔ یعنی صوم جمعه کے دن میں رکھا گیا۔ تو یہاں پر "فی" کا معنیٰ مقدّر ہے۔ یہاں پر بھی حرف جرّ آگیا لیکن اس کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ کیونکه یومَ الجمعةِ پر اسکا اثر ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکه یومَ پر جر نہیں آیا۔

آگے صاحب کافیہؒ حرف جرّ کے مقدّر ہونے کے شرائط ذکر فرما رہے ہیں۔ **فالتقديرُ شرطُهٗ** حرف جرّ کے مقدّر ہونے کی شرط یه ہے۔ **اَنْ يكونَ الْـمُضافُ اِسْمًا** که مضاف ایسا اسم ہو۔ **مُجَرَّدًا** که مضاف کو خالی کیا گیا ہو **تنوينُهٗ** اسکی تنوین کو۔ مُجَرَّدًا اسم مفعول کا صیغه ہے۔ اور تنوین اس کے لئے نائب الفاعل ہے۔ اور اسم مفعول کے اندر نائب فاعل اس کے اندر عموماً ضمیر ہوا کرتی ہے لیکن کبھی کبھار آگے اسم ظاہر کی صورت میں بھی آتا ہے۔

مضاف سے ہمیشه تنوین گر جاتا ہے۔ اور اسی طرح قائم مقام تنوین بھی مضاف سے گر جاتا ہے۔ قائم مقام تنوین سے مراد نون تثنیه اور نون جمع ہے۔ مثلاً غلامُ زيدٍ میں غلام سے تنوین گر گئی۔ غلاما زيدٍ میں غلاما سے نون تثنیه گر گیا۔ اسی طرح مسلمو مصرٍ میں مسلمو سے نون جمع گر گیا۔ **لاجلِها** ای لِاَجْلِ الْاِضافَةِ : اضافت کی وجه سے۔ یعنی اُس اسم سے تنوین اضافت کی وجه سے گرائی جائے تو پھر حرف جرّ کو مقدّر کرنا جائز ہے۔ کبھی تنوین الف لام کی وجه سے بھی گر جاتا ہے۔ الف لام کی وجه سے گرنے والا تنوی مراد نہیں۔ جب کسی اسم پر تنوین آجائے تو اُس سے اسم تام ہو جاتا ہے۔ لیکن جب تنوین گر جائے تو اس سے پته چلتا ہے که اسم تام نہیں اور آگے کوئی اور اسم آرہا ہے۔ جیسا که "غلامُ" یه اسم تام نہیں، معلوم ہوا آگے مضافٌ الیه آرہا ہے، یعنی غلامُ زيدٍ۔

و هی معنويَّةٌ و لفظيَّةٌ اور اضافت معنوی ہوتی ہے اور لفظی ہوتی ہے۔ یعنی اضافت دو قسم پر ہے۔ ایک اضافتِ معنوی اور اضافت لفظی۔

اضافتِ لفظی وہ ہوتا ہے که صیغه صفت کا ہو اور مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ زيدٌ ضاربٌ عمرًوا: زید عمرو کی پٹھائی کرنے والا ہے۔ یه عمرًوا کو نصب ضاربٌ نے دیا۔ یه ضاربٌ صفت کا صیغه ہے۔ اور کبھی اس کی اضافت کرتے ہے، جیسا که "زيدٌ ضاربُ عمرٍو"۔ تو یه "ضاربُ عمرٍو" اضافت لفظی ہے۔ یعنی اضافت لفظی میں دو شرطیں ہیں۔ ایک یه که صیغه صفت کا ہو۔ دوسرا یه که مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور صفت کے صیغوں سے اسم فاعل، اسم مفعول اور صفت مشبه مراد ہیں۔ اور

معمول سے مراد فاعل اور مفعول ہیں۔ اگر اِن میں سے کوئی ایک بھی شرط منتفی ہو گئی تو یہ اضافت لفظی نہ رہے گی بلکہ اضافتِ معنوی بن جائے گا۔

اور اضافت معنوی وہ ہوتا ہے جو اسکے علاوہ ہو۔ یعنی جس میں صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو۔ چاہے وہ صفت کا صیغہ ہی ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو۔ جیسا کہ "کریمُ البلدِ" میں یہ "کریم" صفت کا صیغہ ہے۔ لیکن البلد یہ معمول نہیں ہے "کریم" کے لئے۔ کیونکہ البلد یہ نہ فاعل ہے "کریم" کے لئے اور نہ مفعول ہے "کریم" کے لئے۔ کریمٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ صفت مشبہ فعل لازم سے بنتا ہے۔ اور اس کے لئے مفعول کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ فعل لازم سے بنتا ہے۔ پس "کریم" صفت کا صیغہ تو ہے لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہیں۔ لہٰذا یہ اضافت لفظی نہ ہوا بلکہ اضافت معنوی ہوا۔ اسی طرح غلامُ زیدٍ میں غلام صفت کا صیغہ نہیں۔ نہ یہ اسم فاعل ہے، نہ اسم مفعول ہے اور نہ صفت مشبہ ہے۔ تو یہ اضافت بھی اضافتِ لفظی نہیں بلکہ اضافتِ معنوی ہے۔ پس اضافت لفظی کے دونوں شرائط میں سے اگر ایک بھی شرط منتفی ہو جائے تو یہ اضافت لفظی نہ رہے گی بلکہ اضافت معنوی رہ جائے گی۔

فالمعنویةُ اضافت معنویہ یہ ہے۔ اَنْ یکونَ الْمُضافُ غیرَ صفةٍ کہ مضاف ایسی صفت نہ ہو۔ اگر ترجمہ یوں کرے کہ "مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو" تو یہ ترجمہ غلط ہوگا، کیونکہ اضافتِ معنوی میں مضاف صفت کا صیغہ ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ "کریمُ البلدِ" میں ہے۔ اور اگر یہ ترجمہ کیا جائے، "مضاف صفت کا صیغہ نہ ہو" تو پھر اس سے بہت ساری صورتیں نکل جائیں گی۔ مضافةٍ الی معمولـِہا جو مضاف ہو رہی ہے اپنے معمول کی طرف۔ و ھی اِمّا بمعنی اللام اور اضافتِ معنوی یا تو لام کے معنیٰ میں ہوگی۔ اضافتِ معنوی تین حروف یعنی لام، مِنْ اور فِی کے ساتھ ہو تا ہے۔ اگر مضافٌ الیہ، مضاف کے لئے جنس ہو، یعنی مضاف اپنے مضاف الیہ سے بنی ہو، تو اس صورت میں "مِنْ" کے ساتھ اضافت ہوگی۔ مثلاً، خاتمُ فِضَّةٍ ای خاتـمٌ مِنْ فِضَّـةٍ۔ اور اگر وہ مضافٌ الیہ اپنے مضاف کے لئے ظرف ہے تو پھر اضافت "فی" کے ساتھ ہوگی۔ مثلاً ، صلوۃُ الیلِ ای صلوٰۃٌ فی الیلِ۔ یہاں پر "لیل" ظرف ہے "صلوٰۃ" کے لئے۔ اور اگر مضافٌ الیہ نہ تو مضاف کے لئے جنس ہو اور نہ ظرف ہو تو پھر اضافت "لام" کے ساتھ ہوگی۔

آگے صاحب کافیہؒ دوشرائط ذکر فرما رہے ہیں۔ اگر یہ دو شرائط نہ پائے جائے مضافٌ الیہ کے اندر تو پھر اضافت "لام" کے ساتھ ہوگی۔ پہلا شرط یہ کہ مضافٌ الیہ مضاف کے جنس سے نہ ہو تو پھر یہ اضافت لام کے ساتھ ہوگی۔ دوسرا یہ کہ مضافٌ الیہ اپنے مضاف کے لئے ظرف نہ ہو تو پھر بھی یہ اضافت لام کے ساتھ ہوگی۔ فی ما عَدَا جِنْسَ الْمُضَافِّ مضاف کے جنس کے علاوہ میں، یعنی مضافٌ الیہ مضاف کے لئے جنس نہ ہو۔"ما" سے مراد مضافٌ الیہ ہے۔ خاتمُ فضَّةٍ میں یہ فضَّةٍ ، خاتم کے لئے

جنس ہے۔ تو یہ اضافت مِن کے ساتھ آئی۔ و ظرفَهُ ای وَ فی ما عَدَا ظَرْفَهُ : اور مضافٌ الیہ، مضاف کے لئے ظرف نہ ہو۔ ظرفَ کا عطف جنس پر ہوتا ہے۔ مثلاً صلٰوۃُ الیلِ میں یہ لیل، صلٰوۃ کے لئے ظرف ہے۔ تو یہاں اضافت لام کے ساتھ نہیں بلکہ "فی" کے ساتھ ہے۔ ای صلٰوۃٌ فی الیلِ۔ اگر یہ دو صورتیں نہ ہو تو پھر اضافت "لام" کے ساتھ ہوگی۔

او بمعنی مِنْ اور اضافت مِنْ کے معنیٰ میں ہوگی۔ فی جنسِ المضافِ مضاف کی جنس میں۔ او بمعنی فی اور یا اضافت "فی" کے ساتھ ہوگی فی ظرفِه جب مضافٌ الیہ ظرف ہو اپنے مضاف کے لئے۔ و ھو قلیلٌ اور یہ قلیل ہے۔ یعنی یہ جو اضافت "فی" کے معنیٰ میں ہوتی ہے یہ نہایت قلیل ہے۔ یعنی بہت قلیل استعمال ہوتی ہے۔ مثلُ مثال کے طور پر غلامِ زیدٍ غلامِ اس لئے پڑھا کہ یہ مثلُ کے تحت آ رہا ہے۔ اسی طرح آگے خاتمِ پڑھیں گے۔ اس مثال میں مضافٌ الیہ "زید" اپنے مضاف "غلام" کے لئے نہ جنس ہے اور نہ ہی ظرف۔ لہٰذا یہ اضافت لام کے ساتھ ہوگی۔ ای غلامٌ لِزیدٍ۔ و خاتمِ فضةٍ اس مثال میں یہ فِضَّة، خاتم کے لئے جنس ہے۔ یعنی انگوٹھی چاندی سے بنی ہے۔ یعنی مضاف اپنے مضاف الیہ سے بنا ہے۔ تو یہ اضافت "مِن" کے ساتھ ہوگی، ای خاتمٌ مِنْ فضةٍ۔ و ضَرْبِ الیوم اس مثال میں "الیوم" یہ ظرف ہے "ضَرْب" کے لئے۔ تو یہ اضافت "فی" کے ساتھ ہوگی۔ ای ضربٌ فی الیومِ۔

آگے صاحب کافیہؒ اِضافت معنوی کے فائدے ذکر فرما رہے ہیں۔ اگر یہ معرفة کی طرف مضاف ہو تو یہ تعریف کا فائدہ دے گا، اور اگر نکرہ کی طرف مضاف ہو تو پھر یہ تخصیص کا فائدہ دے گا۔

و تُفیدُ تعریفا مع المعرفةِ اور اِضافتِ معنوی تعریف کا فائدہ دیتی ہے معرفة کے ساتھ۔ جیسا کہ "غلامُ زیدٍ" میں غلام نکرۃ ہے لیکن جب اسکی اضافت زید کی طرف کی گئی تو اس سے غلام بھی معرفة بن گیا۔ و تخصیصًا مع النکرۃِ اور اضافت معنوی تخصیص کا فائدہ دیتی ہے نکرۃ کے ساتھ۔ جیسا کہ غلامُ رجلٍ میں نکرت کی اضافت نکرۃ کی طرف کی گئی، اس نے تخصیص کا فائدہ دیا۔ اور اس سے غلامُ امْرَءَۃٍ نکل گیا۔ اسی طرح غلامُ مسلمٍ نے تخصیص کا فائدہ دیا اور اس سے غلامُ کافرٍ نکل گیا۔

و شرطُھا اور اضافت معنوی کی شرط ہے۔ ھا ضمیر راجع ہے اضافت معنوی کو۔ تجریدُ المضافِ من التعریفِ خالی کرنا مضاف کو تعریف سے۔ چونکہ اضافت معنوی نے تعریف کا فائدہ دینا ہے تو شرط یہ ہے کہ مضاف پہلے ہی سے معرفة نہ ہو۔ بلکہ مضاف پہلے سے معرفة ہو پھر اضافت معنوی کے ذریعے وہ معرفة بن جاتا ہے۔ اگر وہ اسم پہلے سے معرفة ہو تو اس اضافت کی تعریف ضائع چلی جائے گی۔ جیسا کہ "غلامُ زیدٍ" میں ہم نے غلام کی اضافت زید کی طرف اس لئے کی تا کہ یہ غلام متعین ہو جائے۔ اگر الغلام ہے، تو یہ تو پہلے ہی سے متعین ہے۔ لہٰذا "الغلام" میں پھر اضافت کی ضرورت نہیں۔

اور اگر معرفۃ کی اضافت نکرۃ کی طرف کی جائے، تو اس سے تخصیص پیدا ہو جائے گا۔ اور معرفۃ میں تعریف پہلے سے موجود ہے۔ اور تعریف یہ اعلیٰ ہے تخصیص سے۔ کیونکہ تعریف کے اندر ایک چیز پوری طرح سے متعین ہوتی ہے، جبکہ تخصیص کے اندر ایک چیز پوری طرح سے متعین نہیں ہوتی۔ تو اس صورت میں اعلیٰ کی اضافت ادنیٰ کی طرف ہو جائے گی۔ لہٰذا اضافتِ معنوی کے اندر مضاف کا معرفۃ سے خالی ہونا ضروری ہے۔

صاحبِ کافیہؒ کے نزدیک اضافت معنوی میں مضاف کا معرفۃ ہونا صحیح نہیں۔ لیکن کوفہ کے نحوی علماءؒ فرماتے ہیں، کہ جب عدد کی اضافت کی جائے معدود کی طرف، تو عدد کا معرفۃ ہونا جائز ہے۔ جیسا کہ "اَلثَّـلٰثَةُ الْـاَثْوَابِ" میں دونوں معرفۃ ہیں۔

تین سے لے کر دس تک عدد کی تمیز جمع مجرور آتی ہے۔ جیسا کہ ثلاثۃُ رجالٍ۔ یہاں پر اضافت ہے۔ ثلاثۃ کی اضافت ہو رہی ہے رجال کی طرف۔ ثلاثۃ نکرۃ ہونا چاہئے کیونکہ اس نے اگلے لفظ سے تعریف یا تخصیص اخذ کرنا ہے۔ لیکن اس کے اندر کوفہ والے فرماتے ہیں کہ "الثلاثۃُ الرجالِ" کہنا بھی جائز ہے۔ کوفہ کے علماءؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثابت ہے کہ عرب کبھی کبھار عدد کے اندر معرفۃ لا کر اس کی اضافت کرتے ہیں۔

و ما اَجَازَہُ الْکُوفِیُّونَ اور وہ جس کی اجازت دی ہے کوفہ والوں نے **مِنْ** یہ "مِنْ" بیان ہے "ما" کا۔ یعنی کوفہ والوں نے کس چیز کی اجازت دی ہے۔ **اَلثَّلٰثَةُ الْاَ ثْوابِ** یہ جو اَلثَّلٰثَةُ الْاَ ثْوابِ کی اجازت دی ہے۔ **و شِبْهِهٖ** اور جو اِس کے مشابہ ہے۔ بھئی اس کے مشابہ کیا ہے۔ "مِنْ" آگے خود بیان ہے۔ **مِنَ الْعَدَدِ** یعنی کہ عدد۔ یعنی جہاں بھی عدد کی اضافت ہو معدود کی طرف، تو اس میں عدد کا معرفۃ لانا کوفہ والوں کے نزدیک جائز ہے۔ **ضَعِیفٌ** کوفہ والوں کا یہ قول صاحب کافیہؒ کے نزدیک ضعیف ہے۔ ای ضَعِیفٌ قیاسًا و استعمالاً۔ یعنی قیاس کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے اور استعمال کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔

اَلثَّلٰثَةُ الْاَ ثْوابِ قیاس کے لحاظ سے بھی یہ ترکیب ضعیف ہے۔ کیونکہ اَلثَّلٰثَةُ الْاَ ثْوابِ میں اِضافت کی تعریف یعنی مضاف کا معرفۃ بننا ضائع ہو رہا ہے۔ اور اَلثَّلٰثَةُ الْاَ ثْوابِ استعمال کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ عرب کے جو بڑے بڑے فصیح اور بلیغ لوک ہیں اُن کے کلام میں ہم نے تلاش کیا، تو اس قسم کی ترکیبیں نہایت قلیل ملی۔ اور اُن فصیح و بلیغ لوگوں کا جو استعمال ہے، جب وہ عدد کو مضاف کرتے ہیں معدود کی طرف تو وہ عدد کو نکرۃ رکھتے ہیں۔

عام نحوی علماءؒ فرماتے ہیں، کہ یہ دونوں اَلثَّلٰثَةُ الْاَ ثْوابُ موصوف صفت ہے یا مبدل منہ اور بدل بنے گی۔ اَلثَّلٰثَةُ موصوف اَلْاَ ثْوابُ اسکی صفت۔ یا اَلثَّلٰثَةُ مبدل منہُ اور اَلْاَ ثْوابُ اس سے بدل۔ تو معلوم ہوا کہ

دونوں ہی مرفوع یا دونوں ہی منصوب یا دونوں ہی مجرور ہوں گے۔ جبکہ کوفہ کے نحویؒ فرماتے ہیں کہ اَلثَّلٰثَةُ الْاَ ثْوابِ کہ ثانی اَلْاَ ثْوابِ مجرور ہی ہوگا کیونکہ وہ مضافٌ الیہ ہے۔ کیونکہ مضافٌ الیہ ہمیشہ مجرور ہوتا ہے۔ اور پہلا اَلثَّلٰثَةُ عامل کے مطابق، مرفوع، منصوب یا مجرور ہو سکتا ہے۔

پس کوفہ والے یہ اجازت صرف عدد کے اندر دیتے ہیں۔ کہ اگر عدد معرف باللام ہو تو وہ آگے معرفۃ کی طرف مضاف ہو سکتا ہے۔ لیکن باقی نحوی حضراتؒ کے مطابق کوفیوں کا یہ قول ضعیف ہے۔

و اللفیظیَّةُ اَنْ یکونَ الْمُضافُ صفةً مضافةً الٰی معمولِها اور اِضافتِ لفظیہ ایسی صفت ہے کہ مضاف ایسی صفت ہو جو مضاف ہو رہی ہو اپنے معمول کی طرف۔ مثلُ ضاربُ زیدٍ اصل میں تھا، عمرٌو ضاربٌ زیدًا: عمرو پٹھائی کرنے والا ہے زید کا۔ تو "زید" یہ معمول ہے "ضاربٌ" کے لئے۔ یہ ضاربٌ کے لئے مفعول بن رہا ہے۔ ضاربٌ نے زیدًا کو نصب دیا ہے۔ اب اس "ضاربٌ" کی اضافت کر دو تو "عمرٌو ضاربُ زیدٍ" بن جائے گا۔ تو اب یہ صفت کا صیغہ اسکی اضافت ہو رہی ہے اپنے معمول کی طرف۔ و حَسَنُ الوجهِ زیدٌ حَسَنُ الْوَجْهِ۔ زید اچھے چہرے والا ہے۔ "حسنٌ" صفت مشبہ ہے اور "الوجهُ" اس کے لئے فاعل ہے۔ تو اس میں بھی صفت کی اضافت اپنے معمول کی طرف کی گئی تو یہ اضافتِ لفظی ہو گئی۔

و لا تفیدُ الا تخفیفًا فی اللفظِ اور یہ اضافتِ لفظی فائدہ نہیں دیتی مگر تخفیف کا لفظوں میں۔ یعنی لفظوں میں صرف تخفیف کا فائدہ دیتا ہے۔ جب "ضاربُ زیدٍ" کہا تو ضاربٌ سے تنوین گر گئی۔ یہی تخفیف ہے اور یہ اضافت لفظی صرف اس کا فائدہ دیتا ہے۔ باقی یہ تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتا۔ ضاربُ یہ زید کی طرف مضاف ہے لیکن اب بھی یہ نکرۃ کا نکرۃ ہے، جیسا کہ پہلے "ضاربٌ زیدًا" کے اندر نکرۃ تھا۔ حسنُ الوجهِ میں حسنُ اب بھی نکرۃ تھا اور اضافت سے پہلے حسنٌ بھی نکرۃ تھا۔ و مِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے۔ ثَمَّ اسم اشارہ بعید ہے۔ جازَ جائز ہے۔ مررتُ برجلٍ حَسَنِ الوَجْهِ میں گزرا ایک ایسے آدمی پر جو اچھے چہرے والا تھا۔ دیکھو! رجلٍ موصوف اور حسنِ الوجهِ مضاف مضاف الیہ ملکر صفت بن رہا ہے۔ اب دیکھو! رجل نکرۃ ہے اور حسن الوجہ بظاہر معرفۃ لگ رہا ہے۔ لیکن یہ معرفۃ نہیں، کیونکہ یہ اضافت لفظی ہے۔ تو حسن الوجہ جب نکرۃ ہے تو یہ رجل کے لئے صفت بن سکتا ہے۔ کیونکہ موصوف صفت میں تعریف اور تنکیر کے اندر مطابقت کا ہونا ضروری ہے۔

وَ امْتَنَعَ اور یہ ترکیب ممتنع ہے۔ مررتُ بزیدٍ حسنِ الوجهِ یہ ترکیب اس لئے ممتنع ہے کیونکہ اس میں زید موصوف بن رہا ہے اور یہ معرفۃ ہے۔ جبکہ حسن الوجہ کے اندر اضافت لفظی ہے اور یہ نکرۃ ہے۔ تو موصوف صفت میں تعریف اور تنکیر کے لحاظ سے مطابقت نہیں پائی گئی۔ اس لئے یہ ترکیب ممتنع ہے۔

درس 69۔

اضافت لفظی لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ لہٰذا جہاں پر لفظوں میں تخفیف آجاتی ہے وہاں پر اضافت لفظی جائز ہوگی۔ اور جہاں پر لفظوں میں تخفیف نہیں آتی تو وہاں پر اضافت لفظی جائز نہیں ہوگی۔

و جاز الضاربا زیدٍ یہ اصل میں الضاربانِ زیدًا: وہ دو شخص پٹھائی کرنے والے زید کی۔ الضاربانِ یہ عامل ہے، اور زیدًا اس کے لئے مفعول یعنی معمول ہوا۔ اور پھر آپ نے اضافت کر دی، تو "الضاربا زیدٍ" بن گیا۔ تو اضافت کی وجہ سے "الضاربا" کا نون گر گیا۔ تو اس میں تخفیف حاصل ہو گئی۔ پس صیغہ صفت کا ہے، اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہو رہا ہے۔ تو یہ اضافت لفظی ہوا۔ اور اس سے تخفیف بھی آگئی۔ تو یہ اضافت لفظی جائز ہے۔ اگر چہ یہاں معرف باللام کی اضافت ہو رہی ہے۔ لیکن یہ اضافت لفظی ہے اور لفظوں میں تخفیف آئی اس وجہ سے یہ جائز ہے۔

و الضاربو زیدٍ یہ اصل میں الضاربونَ زیدًا : وہ زید کی پٹھائی کرنے والے۔ الضاربونَ صیغہ اسم فاعل ہے۔ اور زیدًا اسکا مفعول یعنی معمول ہے۔ اور جب اس صفت کے صیغے کی اضافت اپنے معمول کی طرف کرے، تو "الضاربُو زیدٍ" بن جائے گا۔ اور اس سے الضاربونَ کا نون جمع گر گیا۔ تو اس اضافت لفظی سے لفظوں میں تخفیف آگئی۔ لہٰذا یہ اضافت لفظی جائز ہے۔ اگر چہ یہاں معرف باللام کی اضافت ہو رہی ہے۔ لیکن یہ اضافت لفظی ہے اور لفظوں میں تخفیف آئی اس وجہ سے یہ جائز ہے۔

و امتنعَ الضاربُ زیدٍ اور "الضاربُ زیدٍ" مُمتنع ہے۔ یہ اصل میں "الضاربُ زیدًا" تھا۔ یہاں الضاربُ صفت کا صیغہ ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اسکی اضافت اپنے معمول زید کی طرف کرے، تو یہ " الضاربُ زیدٍ" بن جائے گا۔ لیکن اس اضافت نے لفظوں میں تخفیف کا فائدہ نہیں دیا۔ لہٰذا جو اضافتِ لفظیہ کا مقصد تھا وہ حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ اضافتِ لفظی جائز نہیں۔

خلافًا لِلْفَرَّاءِ بخلاف امام فرّاءؒ کے۔ امام فرّاءؒ کے نزدیک "الضاربُ زیدٍ" کہنا جائز ہے۔ کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ امام فرّاءؒ کا یہ خیال تھا، کہ یہ اصل میں "ضاربٌ زیدًا" تھا۔ اور اضافت لفظی میں یہ "ضاربُ زیدٍ" بن گیا، اور تخفیف حاصل ہو گئی۔ اب اس اضافت نے تخفیف کا فائدہ دیا اور پھر اس پر الف لام آگیا، اور "الضاربُ زیدٍ" بن گیا۔ تو کہتے ہیں کہ شائد اُس کا خیال یہ ہے کہ یہ اضافت پہلے ہے اور الف لام بعد میں آیا ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ اُن کی یہ بات دُرست نہیں۔ کیونکہ اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ الف لام اضافت کے بعد آیا ہے۔ حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ الف لام اضافت سے پہلے آیا ہے۔

وَ ضَعُفَ اور ضغیف ہے۔ اب صاحب کافیہ اضافت لفظیہ کے کچھ اور مسائل ذکر فرما رہے ہیں۔ اور اضافت لفظی کی کچھ اور صورتیں بتلا رہے ہیں۔

الواهبُ الْمِائَةِ الهِجَانِ و عبدِها :: واهب: عطا کرنے والا، ھِجان: سفید اونٹنی، مفرد کے لئے بھی یہی ھِجان مستعمل ہے اور جمع کے لئے بھی یہی ھِجان مستعمل ہے۔ عبد: غلام، عبدھا کی ھا ضمیر راجع ہے المائة الھجان کی طرف۔ الواھبُ الْمِائَةِ الھِجَانِ و عبدِھا: سو سفید اونٹنیاں اور اُن کے غلام عطا کرنے والا۔ شاعر کسی کی تعریف کر رہا ہے کہ سو اونٹنیاں بھی عطا کرنے والا ہے اور اُن اونٹنیوں کے غلام بھی عطا کرنے والا ہے۔ اشکال یہ ہوتا ہے کہ غلام تو اونٹنی کا نہیں ہوتا، بلکہ غلام تو کسی انسان کا ہوتا ہے۔ تو یہ اونٹنی کے غلام کا کیا معنیٰ؟ کہتے ہیں کہ "عبدِھا" سے مراد اُس کے چرواہے ہیں۔ جس طرح غلام ہر وقت آقا کی خدمت کرتا ہے اسی طرح چرواہا بھی ہر وقت جانوروں کی خدمت کرتا رہتا ہے۔ اس لئے چرواہوں کو اُن کا غلام کہا۔

اَلْمِائَةِ الھِجَانِ یہ الثلاثةُ الاثواب کی طرح ہے۔ : کوفہ والوں کے نزدیک اس میں اَلْمِائَةِ مضاف ہے اور الھِجَانِ یہ معدود ہے اور مضافٌ الیہ ہے۔ کیونکہ کوفہ والوں کے نزدیک جب عدد مضاف ہو رہا ہو معدود کی طرف تو اس میں عدد کا معرفت لانا ٹھیک ہے۔ تو الواھبُ : مضاف، الْمِائَةِ : مضافٌ الیہ مضاف، الھِجَانِ : مضافٌ الیہ:

لیکن جمہور کے نزدیک اَلْمِائَةِ الھِجَانِ میں اَلْمِائَةِ کو موصوف بنائیں گے اور الھِجَانِ کو اس کی صفت بنائیں گے۔ یا اَلْمِائَةِ کو مبدل منہ بنائیں کے اور الھِجَانِ کو اسکی بدل بنائیں گے۔

اب دیکھئے! الواھبُ یعنی عطا کرنے والا، اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ تو کس چیز کو عطا کرنے والا، یہ اصل میں تھا، الواھبُ الْمِائَةَ الھِجَانَ۔ اور اَلْمِائَةَ الھِجَانَ یہ الواھب کے لئے مفعول ہوا۔ پھر اس الواھب کی اضافت کی گئی اَلْمِائَةَ الھِجَانَ کی طرف۔ تو صفت کے صیغے کی اضافت کی گئی اپنے معمول کی طرف۔ تو "الواھبُ الْمِائَةِ الھِجَانِ" بن گیا۔ تو یہ اضافت لفظیہ ہوا۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اضافت لفظیہ تو لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، لیکن یہاں تو کوئی تخفیف نہیں آیا۔

تو جواب یہ کہ آگے صاحب کافیہ بتلا رہے ہیں، کہ " و انما جاز الضاربُ الرجلِ" یہ ترکیب جائز ہے۔ اور یہ "الواھبُ الْمِائَةِ الھِجَانِ" محمول ہے "الضاربُ الرجلِ" پر۔ یعنی یہ ترکیب "الواھبُ الْمِائَةِ الھِجَانِ" جائز ہے۔

و عبدِ ھا میں یہ عبدِ مجرور ہے۔ اس کا عطف اَلْمِائَةِ الھِجَانِ پر ہو رہا ہے۔ اور اَلْمِائَةِ الھِجَانِ مضافٌ الیہ ہے اور مجرور ہے تو اس لئے یہ "عبدِھا" مجرور ہوا۔ کیونکہ معطوف کا وہی اعراب ہوتا ہے جو معطوفٌ علیہ کا ہوتا ہے۔

صاحبِ کافیہؒ فرماتے ہیں کہ شعر کے اندر یہ جو ترکیب آئی یہ ضعیف ہے۔ یاد رکھو! یہ قدیم زمانے کے شاعر کا شعر ہے۔ اور نحو کے اندر بطور استدلال کے پیش کیا جا رہا ہے۔ اور اُنکے اشعار سے لغت کے قوانین اخذ کئے جاتے ہیں۔ صاحب کافیہ اس کو اس لئے ضعیف قرار دیتے ہیں کہ عام جو فصحاء اور بلغاء

ہیں اُن کے کلام میں ایسا نہیں آیا ہے۔ اگر کہے ایک جگه آئے تو اس سے کوئی قاعده اور ضابطه نہیں بنایا جاتا۔ اور اس شاعر نے وه طریقه کلام اختیار کیا جو دوسرے سارے شاعروں نے اختیار نہیں کیا ہے۔ لہٰذا اس کو ضعیف قرار دیا۔

صاحب کافیه نے اس کو اضافت لفظی کی وجه سے ضعیف قرار نہیں دیا۔ بلکه آگے عبدِها جو معطوف آرہا ہے۔ اس پر اشکال ہے۔ معطوف ہوتا ہے معطوفٌ علیه کے حکم میں۔ اب معطوفٌ علیه کو ذرا اٹھاؤ اور اس کی جگه معطوف رکھو، تو کلام یوں بن جائے گا، "الواهبُ عبدِها"۔ اور یه ترکیب جائز نہیں ہے۔ اس اعتبار سے صاحب کافیهؒ نے کہا که یه ضعیف ہے۔

کیونکه "الواهبُ الْمِائَةِ الهِجَانِ" تو جائز تھی کیونکه یه "الضاربُ الرجلِ" کی طرح تھی۔ الضاربُ اسم فاعل ہے صفت کا صیغه ہے۔ اور آگے الرجل آرہا ہے جو که اسم جنس ہے اور معرف باللام ہے۔ اسم جنس سے مراد یہاں جو ذاتِ مُبْہَم پر دلالت کرے۔ تو رَجُلٌ نے ذاتِ مُبہم پر دلالت کی۔ یا یوں کہے که نکرۃ آئے اور الف لام کی وجه سے معرفة بنایا ہو۔ پس اسی طرح "الواهبُ الْمِائَةِ الهِجَانِ" میں بھی الواهب اسم فاعل ہے صفت کا صیغه ہے۔ اور المائة بھی اسم جنس ہے معرف باللام ہے۔ تو یه دونوں ایک جیسے ترکیبیں ہوئی۔ اور یه جائز ہیں۔

لیکن "الواهبُ عبدِها" یه ترکیب "الضاربُ الرجل" کی طرح نہیں۔ کیونکه "الواهبُ عبدِها" میں الواهب اسم فاعل تو ہے لیکن "عبدِ ها" اسم جنس معرف باللام نہیں۔ لہٰذا یه ترکیب "الواهبُ عبدِها" کو "الضاربُ الرجل" پر محمول نہیں کر سکتے۔ تو فصاحت کے اعتبار سے یه ترکیب کمزور ہوئی۔ پس "الواهبُ عبدِها" یه ترکیب "الضاربُ زیدٍ" کی طرح ترکیب ہوئی۔ "الضاربُ زیدٍ" بھی اضافت لفظی تھا لیکن لفظوں میں کسی قسم کی تخفیف کا فائده نہیں دیتا تھا، اسی طرح "الواهبُ عبدِها" بھی اضافت لفظی ہے لیکن لفظوں کے اعتبار سے کسی قسم کی تخفیف کا فائده نہیں دیتا۔

پس جب "الواهبُ عبدِها" یه "الضاربُ زیدٍ" کی طرح ترکیب ہوئی۔ اور "الضاربُ زیدٍ" جائز نہیں پس لہٰذ اس "الواهبُ عبدِها" کو صاحب کافیهؒ نے ضعیف قرار دیا۔ اس پر اشکال ہوتا ہے "الضاربُ زیدٍ" کو کہا که مُمتنع ہے۔ یعنی "الضاربُ زیدٍ" کی ترکیب جائز ہی نہیں۔ اور اس "الواهبُ عبدِها" کو صرف ضعیف قرار دے رہے ہے۔ اس "الواهبُ عبدِها" کو بھی مُمتنع کہنا چاہئے۔ تو جواب یه که "الضاربُ زیدٍ" میں الضارب براهِ راست "زید" پر داخل ہو رہا ہے۔ اور یہاں پر "الواهبُ" براهِ راست "عبدِها" پر داخل نہیں ہو رہا بلکه "عبدِها" تو معطوف ہے۔ اور کئی ایسی چیزیں جس کی معطوفٌ علیه میں اجازت اور گنجائش نہیں ہوتی لیکن معطوف میں اُن کی گنجائش ہوتی ہے۔ مثلاً "یا الحارثُ" کہنا صحیح نہیں۔ کیونکه الحارثُ منادیٰ ہے اور منادیٰ پر الف لام داخل ہوا ہے۔ اور جب منادیٰ معرف باللام ہو تو اس پر "یا" داخل نہیں ہو سکتی، کیونکه الف لام بھی آله تعریف اور یا بھی آله تعریف۔ تو اس صورت میں خرابی یه

آئیں گی که دو آله تعریف جمع ہو جائیں گے۔ لہٰذا "یا زیدُ" کہنا تو صحیح لیکن "یا الحارثُ" کہنا صحیح نہیں۔ اور پھر "یا ایُّھا الحارثُ" کہیں گے۔ لیکن اگر "الحارثُ" کو میں معطوف بنانا چاہوں تو پھر یہ ترکیب " یا زیدُ والحارثُ" جائز ہے۔ اور یہاں اس لئے جائز ہے کیونکہ الحارثُ معطوف بن رہا ہے اور معطوف کے اندر اس کی گنجائش ہے۔

اسی طرح عربی میں کہتے ہیں، رُبَّ شَاةٍ و سَخْلَتِھَا: بہت سی بھیڑ بکریاں اور اُن کے بچے۔ سَخْلَۃٌ: بھیڑ بکری کے بچے۔ اب یاد رکھو! رُبَّ ہمیشه نکرۃ پر داخل ہوتا ہے۔ رُبَّ کو معرفة پر داخل کرنا جائز نہیں۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں یہاں پر که شاۃٍ معطوفٌ علیه نکرۃ تو ہے۔ لیکن معطوف سَخْلَتِھَا مضاف ہو رہا ہے ضمیر کی طرف اور معرفة بن رہا ہے۔ اور یہ سخلتِھا معطوف ہے شاۃ پر۔ اور شاۃ پر رُبَّ داخل ہو رہا ہے، تو گویا "سَخْلَتِھَا" پر بھی رُبَّ داخل ہو رہا ہے۔ تو گویا رُبَّ داخل ہوا معرفة پر۔ اور رُبَّ معرفة پر داخل نہیں ہوتا۔ پس اگر براہ راست رُبَّ سَخْلَتِھَا کہا جائے تو یہ کہنا جائز نہیں۔ لیکن اگر سَخْلَتِھَا کو معطوف بنایا جائے تو پھر اس میں اس کی گنجائش ہے۔

تو یہاں پر بھی "الواھبُ عبدِھا" کہا، اور "عبدِھا" معطوفٌ علیه نہیں بلکه معطوف ہے۔ لہٰذا اگر یہاں "الواھبُ عبدِھا" براہ راست ہوتا تو صاحب کافیہؒ اسکو ممتنع کہتے ، لیکن "الواھبُ عبدِھا" یہاں براہ راست نہیں۔ اس لئے صاحب کافیہؒ نے اس کو ضعیف کہا۔

و انما جاز اَلضَّاربُ الرجلِ اور جائز ہے "الضاربُ الرجلِ" اضافت لفظی **حَمْلاً علی الْمُختارِ** محمول کرتے ہوئے اسکو مختار صورت پر **فی الْحَسَنِ الوَجْهِ** "الحسنُ الوجهِ" کے اندر۔

صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں که "الضّاربُ الرجلِ" کی ترکیب جائز ہے۔ اس پر اشکال یہ ہوتا ہے که یہ تو اضافت لفظی ہے، اور اضافت لفظی تخفیف کا فائدہ دیتا ہے، اور یہاں کوئی تخفیف نظر نہیں آتا۔ تو صاحب کافیه فرماتے ہیں که "الضاربُ الرجلِ" کی ترکیب جائز ہے۔ کیونکه یہ محمول ہے اَلْحَسَنُ الوجهِ پر۔ اور یہ دونوں ترکیبیں ایک جیسی ہیں۔ جس کی تفصیل نیچھے درج ہیں۔

اور "الحسنُ الوجهِ" پر حمل کرتے ہوئے "الضّاربُ الرّجلِ" کی ترکیب بھی جائز ہے۔ کہتے ہے که "الضّاربُ الرجلِ" بھی "الحسنُ الوجهِ" کی طرح ہے۔ جس طرح "الحسنُ الوجهِ" میں مضاف اَلْحَسَنُ صفت کا صیغه ہے اور اس پر الف لام آیا ہے، اسی طرح "الضّاربُ الرجلِ" میں بھی مضاف "الضارب" صفت کا صیغه ہے اور اس پر الف لام آیا ہے۔ اور "الحسنُ الوجهِ" میں مضافٌ الیه "اَلوَجْهِ" اسم جنس ہے جس پر الف لام آیا ہے۔ اسی طرح "الضّاربُ الرجلِ" میں "الرجل" بھی اسم جنس ہے جس پر الف لام آیا ہے۔ تو ثابت ہوا که "الضّاربُ الرجلِ" بھی "الحسنُ الوجهِ" کی طرح ہے۔

"الحسنُ الوجهِ" میں تخفیف کیسے پیدا ہوا؟ اسکی وضاحت:

الحسنُ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اور الوجہ اسکا معمول ہے۔ اصل میں یوں تھا، "الحسنُ الوجهُ" پھر اسکی اضافت کر دی، تو اب یہ اضافت لفظی ہوئی ، کیونکہ صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف۔ اس پر آپ کے ذہن میں فورًا اشکال آئے گا کہ اضافت لفظی تو تخفیف کا فائدہ دیتا ہے اور یہاں پر کسی قسم کا تخفیف حاصل نہیں۔ کہتے ہیں یہاں تخفیف حاصل ہوئی۔ یہ الوجهُ اصل میں "وَجْهُهُ" تھا۔ الف لام نہیں تھا، بلکہ اس کے آخر میں ضمیر لگی ہوئی تھی۔ اور کلام یوں تھا، "الحسنُ وَجْهُهُ" اچھا ہے اُس کا چہرہ۔ پھر اضافت کر دی گئی، تو "الحسنُ وَجْهِهِ" بن گیا۔ اور ھا ضمیر کو تخفیف کرتے ہوئے حذف کیا گیا۔ اور ھا ضمیر کی وجہ سے وجْہٌ کا لفظ معرفۃ تھا، کیونکہ اسکی اضافت ضمیر کی طرف تھی۔ اور جب "ھا" ضمیر کو حذف کیا گیا تو پھر یہ نکرۃ بن رہا تھا، لہٰذا اس پر الف لام لے آئے تا کہ اسکی تعریف ختم نہ ہو۔ تو اضافت کی وجہ سے "الحسنُ الوجهِ" ہوا، تو اس میں تخفیف آئی۔ پس اضافت لفظی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ اور کبھی یہ تخفیف تنوین یا قائمِ مقامِ تنوین کے گرنے سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی ضمیر کے گرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور "الحسنُ الوجهِ" میں بھی تخفیف حاصل ہوئی کیونکہ ضمیر گر گئی ہے۔

بھئی یاد رکھو! یہاں تین ترکیبیں یعنی تین طرح پڑھنا جائز ہیں۔ پہلا: الحسنُ الوجهُ، تو الحسنُ صفت مشبہ ہوئی اور الوجهُ اس کے لئے فاعل ہوا۔ دوسرا: اس میں "الحسنُ الوجهَ" پڑھنا بھی جائز۔ الحسنُ صفت مشبہ ہے۔ اسکے اندر ضمیر اسکا فاعل ہوا، اور "اَلْوَجهَ" کو منصوب پڑھیں گے۔ تو یہ شِبہ مفعول ہوا۔ شبہ مفعول صفت مشبہ میں آتی ہے۔ کیونکہ صفت مشبہ فعل لازم سے بنتی ہے۔ اور فعل لازم صرف فاعل پر پورا ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے کوئی مفعول نہیں آتا۔ جب صفت مشبہ کے لئے مفعول نہیں آتا تو یہ کسی کو نصب نہیں دے سکتا۔ لیکن عبارات کے اندر آتا ہے کہ صفت مشبہ نصب دیتے ہیں۔ تو یہ "الوجهَ" مفعول تو ہے ہی نہیں "الحسنُ" کے لئے ، پس یہ شبہ مفعول ہوا۔ یعنی مفعول کے مشابہ ہے۔ تیسرا یہ کہ اس میں الحسنُ الوجهِ پڑھنا بھی جائز ہے۔ جسکی تفصیل اوپر گزر گئی۔ اس میں الحسن مضاف ہے اور اسکے اندر فاعل کی ضمیر آئیں گی۔

لیکن اس میں مختار یعنی پسندیدہ "الحسنُ الوجهِ" ہے اضافت کے ساتھ۔

و الضَّارِبُکَ اور جائز ہے "الضاربُکَ" بھی۔ اسکا عطف بھی الضَّاربُ الرجلِ پر ہے۔ اور عبارت، " وَ اِنَّما جازَ الضَّارِبُکَ" بن گیا۔ اور جائز ہے "الضاربُکَ" بھی

صورت مسئلہ یہ ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، زیدٌ ضاربٌ عمرًوا۔ ضاربٌ یہاں اسم فاعل ہے اور صفت کا صیغہ ہے۔ اور عمرًوا اسکا مفعول ہے۔ اب "عمرًوا" مفعول کے بجائے آپ مفعول مخاطَب کی ضمیر بنانا چاہتے ہیں۔ یعنی زید نے عمرو کی پٹھائی نہیں کی بلکہ مخاطَب کی پٹھائی کی۔ تو پھر ضمیر لائیں گے۔ اور ضمیر کی پھر دو صورتیں ہیں۔ یا ضمیر متصل لائیں گے یا ضمیر منفصل لائیں گے۔ تو ضمیر متصل بھی لا

سکتے ہیں اور ضمیر منفصل بھی لا سکتے ہیں۔ اور بحث ہمارا ضمیر متصل کے ساتھ ہے۔ تو مفعول کے لئے ضمیر متصل "کاف" ضمیر ہے۔ اور "کاف" ضمیر متصل ہونے کی وجہ سے آتے ہی ضارب کے ساتھ جُڑ جائیں گی۔

پہلے کلام، "زیدٌ ضاربٌ عمرًوا" تھا۔ اب عمرًوا کو اُٹھائیں اور اسکی جگہ "کاف" ضمیر لائیں۔ اور یہ کاف ضمیر متصل ہونے کی وجہ سے آتے ہی ضاربٌ سے جُڑ جائیں گی۔ اور اسکے جُڑنے کی وجہ سے ضاربٌ سے تنوین گر جائیں گی۔ اور کلام، "زیدٌ ضاربُکَ" بن جائے گا۔ عام نحوی حضرات؂ اور صاحب کافیہ؂ وغیرہ کے نزدیک یہ کاف ضمیر منصوب محلاً ہے اور ضارب صیغہ اسم فاعل کے لئے مفعول بہٖ ہے۔ اور اسی طرح "الضاربُکَ" ہے۔ الضارب صیغہ صفت کا ہے۔ اور کاف ضمیر منصوب محلاً آگے اسکا مفعول آرہا ہے ضمیر متّصل کی صورت میں۔ تو یہاں کوئی اضافت نہیں۔ لہٰذ جمہور کے مطابق یہاں کوئی اشکال نہیں۔

لیکن امام سیبویہ؂ وغیرہ فرماتے ہیں، کہ کاف ضمیر مفعول بہٖ کی ضمیر تھی۔ لیکن ضارب کے ساتھ جُڑنے کے بعد پھر اس کی اضافت کر دی گئی۔ اب یہ "کاف" ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ ہے، اب بھی یہ مفعول ہی ہے۔ اس پر پھر اشکال ہوتا ہے، کہ بھئی یہ تو اِضافتِ لفظی ہو گئی۔ یعنی صیغہ صفت کا ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف۔ اور اضافتِ لفظی تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ اور یہاں کسی قسم کی کوئی تخفیف حاصل نہیں ہوئی، کیونکہ ضاربٌ سے تنوین تو اِضافت سے پہلے گر چکی تھی۔
کیونکہ جب کاف ضمیر متصل ضاربٌ کے ساتھ جُرنے کے لئے آیا، تو ملنے سے ضاربٌ سے تنوین گر گئی۔ اور اضافت تو تنوین گرنے کے بعد ہوئی۔ پس لہٰذا اس اضافت لفظی نے کسی بھی قسم کی تخفیف کا فائدہ نہیں دیا، اور اسی وجہ سے اسکو جائز نہیں ہونا چاہئے۔

امام سیبویہ؂ جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ ترکیب "ضاربُکَ" اضافت لفظی یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ تنوین لفظوں سے گری تھی۔ اور اس لئے گری تھی کیونکہ ضمیر متصل ساتھ آئی تھی۔ لیکن تقدیرًا ابھی بھی تنوین موجود ہے۔ اور جب آپ اضافت کریں گے تو وہ جو تنوین مقدّر ہے وہ گر جائے گی۔ پس "ضاربُکَ" اضافت لفظی ہے اور اس نے تخفیف کا فائدہ دیا۔ لفظًا اگر چہ تخفیف نہیں آئی لیکن تقدیرًا تخفیف آئی، یعنی اضافتِ لفظی نے تنوین مقدرّہ کو گرایا۔

امام سیبویہ؂ کا مذہب چل رہا ہے۔ اور جب ضاربُکَ جائز ہے تو یہ "الضاربُکَ" بھی اُس جیسی ترکیب ہے تو یہ بھی جائز ہے۔سوال یہ ہے کہ یہ "الضاربُکَ" کس طرح "ضاربُکَ" کی طرح ہے۔ فرماتے ہیں، کہ جیسے ضاربُکَ کے اندر ضارب سے تنوین گر گئی تھی قبل الاضافت، اور اسی طرح " الضاربُکَ" کے اندر ضارب سے تنوین گر گئی تھی قبل الاضافت الف لام کے آنے کی وجہ سے۔ اور جیسے ضاربُک کے ساتھ ضمیر متّصل ہے اور الضاربُکَ کے ساتھ بھی ضمیر متّصل ہے۔ پس دونوں میں تنوین اضافت سے

پہلے گر گئی ہے اور دونوں کے ساتھ ضمیر متّصل ساتھ جُڑی ہوئی ہے۔ نیز دونوں میں صفت کے ایسے صیغ کی اضافت ضمیر متصل کی طرف ہو رہی ہے جس کی تنوین قبلَ الاضافت گر گئی ہے۔ تو یہ دونوں ایک جیسے ہوئے۔ پس جب ضاربُکَ جائز ہے تو الضاربُکَ بھی جائز ہے۔

و شِبْہُہُ اور جو اس کے مشابہ ہے وہ بھی جائز ہے۔ اسکے مشابہ اس طرح بنائے کہ کاف ضمیر کی جگہ کوئی اور ضمیر متصل لائے۔ اور پھر ایسا اسم فاعل کا صیغہ لاؤ جس کی تنوین اضافت سے پہلے گر چکی ہو اور مضاف ہو رہا ہو ضمیر متصل کی طرف۔ مثلاً، الضارِبِی یا الضارِبُہُ۔

فیمن قال ای فی قولِ من قالَ۔ اُن لوگوں کے قول کے مطابق، جو یہ کہتے ہیں۔ قول کا لفظ مَن سے پہلے مضاف محذوف نکالا۔ اِنَّہُ مضافٌ یہ مضاف ہے۔ یہ جائز ہے اُن لوگوں کے قول کے مطابق بھی جو یہ کہتے ہیں کہ یہ "الضاربُکَ" مضاف ہے۔ باقی علماءؒ جو "الضاربُکَ" کو اضافت لفظی نہیں مانتے، اُن کے نزدیک تو ہے ہی جائز۔ لیکن وہ علماء جو "الضاربُکَ" کو اضافت لفظی کہتے ہے اُن کے نزدیک بھی جائز ہے۔ جس میں امام سیبویہؒ بھی جائز ہے۔ جسکی تفصیل اوپر گزر گئی۔ حملاً علٰی ضاربِکَ بوجہ حمل کرتے ہوئے ضاربُکَ پر۔ اس کی تفصیل بھی اوپر گزر گئی۔

پس خلاصہ یہ ہوا، کہ صاحب کافیہؒ وغیرہ کے نزدیک الضاربُکَ میں سرے سے اضافت ہے ہی نہیں۔ لہٰذا کسی قسم کا کوئی اشکال نہیں۔ اور امام سیبویہؒ کے نزدیک " الضاربُکَ" میں اضافت لفظی ہے۔

درس 70- یاد رکھو! کوفہ والے نحوی علماءؒ فرماتے ہیں، کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز ہے۔لیکن معنیٰ وہی رکھتے ہیں جو موصوف صفت کی صورت میں حاصل ہوتا تھا۔ تو یہ اضافت جائز ہے۔ جیسے "المسجدُ الجامعُ": وہ مسجد جو جمع کرنے والی ہے یعنی لوگوں کو۔ المسجدُ موصوف ہے اور الجامعُ اسکی صفت ہے۔ یہاں پر موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز ہے، جب یوں کہا جائے، "مسجدُ الجامِعِ"۔ جب "المسجدُ" کو مضاف بنانا ہے تو اس کو الف لام سے خالی کر دیا اور "الجامع" مضافٌ الیہ پر کسرۃ لایا۔ اور موصوف صفت کی صورت میں جو معنیٰ تھا اب بھی وہی معنیٰ حاصل ہو رہا ہے، یعنی وہ مسجد جو جمع کرنے والی ہے۔

اسی طرح کوفہ والوں کے نزدیک، صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف جائز ہے۔ مثلاً، "ثیابٌ اخلاق"۔ اخلاق یہ جمع ہے خَلَفٌ کی۔ خلَف: پُرانا، تو "ثیابٌ اخلاق" کے معنیٰ، ایسے کپڑے جو پرانے ہیں، یعنی پرانے کپڑے۔ تو یہاں ثیابٌ موصوف ہے اور اخیافٌ صفت ہے۔ لیکن اس کے اندر صفت کی اضافت موصوف کے اندر جائز ہے۔ تو یوں کہنا، " اخلاق ثیابٍ" کہنا جائز ہے۔ اور معنیٰ اب بھی وہی ہے جو پہلے ترکیبِ وصفی میں حاصل ہوتا تھا، یعنی پرانے کپڑے۔

کوفه والے اس اضافت کو اس لئے جائز قرار دیتے ہیں، کہ اس سے تخفیف بھی حاصل ہوتی ہے، اور تعریف اور تخصیص بھی حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ "المسجدُ الجامعُ" سے "مسجدُ الجامعِ" بنایا۔ تو دیکھو المسجد سے الف لام گر گیا، تو اس سے تخفیف آگئی۔ اور نیز مسجد ہے نکرۃ اور الجامع ہے معرفۃ، تو جب نکرۃ کی اضافت معرفۃ کی طرف کیا تو اس سے تعریف بھی آئی اضافت کے اندر۔ جیسا کہ غلامُ زیدٍ میں غلام معرفۃ بن جاتا ہے۔ تو دیکھو "مسجدُ الجامعِ" اس اضافت نے تعریف کا بھی فائدہ دیا اور تخفیف کا فائدہ بھی دیا۔

اور اگر صفت کی اضافت موصوف کی طرف کر دے۔ موصوف صفت پہلے "ثیابٌ اخلاق" تھے۔ پھر اخلاق کو پہلے کر دیا ثیاب پر اور مضاف بنایا تو "اخلاق ثیابٍ" بنا۔ اور یہاں جب اضافت کی گئی تو اخلاق سے تنوین گر گئی۔ تنوین کے گرنے سے تخفیف حاصل ہوئی۔ اور نیز جب نکرۃ کی اضافت نکرۃ کی طرف کر دے تو تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسا کہ غلامُ رجلٍ کہنے سے عورتوں کے غلام خارج ہوئے تو اس سے تخصیص آئی۔ تو یہاں بھی "اخلاق ثیابٍ" میں اخلاق بھی نکرۃ اور ثیاب بھی نکرۃ، تو یہ تخصیص کا فائدہ دے رہی ہے۔ اخلاق: پرانی، تو پرانی تو بہت سی چیزیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن جب اس کی اضافت ثیاب کی طرف کر دی گئی تو اس سے تخصیص پیدا ہو گئی۔ پس لہٰذا اس میں تخفیف بھی آگئی اور تخصیص بھی آگئی۔ پس یہ جائز ہے۔

پس کوفہ والوں کے نزدیک صفت کی اضافت موصوف کی طرف جائز اور موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز ہوتی ہے۔

جبکہ علامہ ابن حاجبؒ اور دوسرے نحوی علماءؒ وغیرہ فرماتے ہیں، کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں جائز، اور صفت کی اضافت موصوف کی طرف نہیں جائز۔ وہ فرماتے ہیں! کہ ایک ہے ترکیب وصفی اور ایک ہے ترکیب اضافی۔ دونوں کے معنیٰ الگ الگ ہیں۔ جیسا کہ "المسجدُ الجامعُ" یہ ترکیب وصفی ہے۔ ایک موصوف ہے اور دوسرا صفت۔ اور ایک ترکیب اضافی ہے، جیسا کہ "مسجدُ الجامعِ"۔ فرماتے ہیں کہ دونوں کے فائدے الگ الگ ہیں۔ لہٰذا ایک ترکیب دوسرے کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

مثلاً ترکیب وصفی: زیدٌ العالمُ: وہ زید جو عالم ہے۔ یہ ترکیب وصفی ہے اور یہ "اتِّصافُ الشئِ بالشئِ" کا فائدہ دیتا ہے۔ کہ ایک چیز مُتَّصِفٌ ہو رہی ہے دوسری چیز کے ساتھ۔ تو یہاں زید متصف ہو رہا ہے علم کے ساتھ۔

اور ایک ہے ترکیب اضافی، جیسا کہ "غلامُ زیدٍ"۔ ترکیب اضافی "نسبت" کا فائدہ دیتی ہے۔ کہ ایک چیز منسوب ہو رہا ہے دوسری چیز کی طرف۔ غلامُ زیدٍ نے یہ فائدہ دیا کہ یہ غلام منسوب ہے زید کی طرف۔ یعنی ترکیب اضافی سے "اضافةُ شيئٍ الی شيئٍ" کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

پس دونوں ترکیبوں کے فائدے الگ الگ ہیں۔ تو لہٰذا جب دونوں کے معنیٰ الگ الگ ہیں۔ تو ایک ترکیب دوسری کی قائم مقام نہیں ہو سکتی۔

پس وہ معنیٰ جو موصوف صفت کی ترکیب سے حاصل ہوتا ہے وہ مضاف مضافٌ الیہ کی ترکیب سے حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا " المسجدُ الجامعُ" میں "مسجدُ الجامع" جائز نہیں۔

و لا یُضَافُ موصوفٌ الی صفةٍ اور مضاف نہیں کیا جاتا موصوف کو صفت کی طرف **و لا صفتٌ الی موصوفِھا** اور نہ ہی صفت کی اضافت کی جاتی ہے اپنے موصوف کی طرف۔

صاحب کافیہؒ نے یہاں دو ضابطے ذکر فرمائیں۔ پہلا ضابطہ یہ کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف جائز نہیں۔ یہاں صاحب کافیہؒ کے اس پہلے ضابطے پر ذیل کے مثالوں کی صورت میں اشکال ہوتا ہے۔ کہ اے صاحب کافیہؒ آپ تو فرماتے ہیں کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں کی جاسکتی۔ ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ، "مسجدُ الجامعِ" جو کہ اصل میں المسجدُ الجامعُ" تھا۔ اس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف کی گئی ہے۔ اور اسی طرح "الجانبُ الغربِیُّ" تھا۔ پھر اس میں موصف کی اضافت صفت کی طرف کی گئی۔ اور "جانبُ العربِیِّ" بنا۔ اسی طرح "الصلوٰتُ الاولیٰ" تھا۔ پھر اس میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف کی گئی اور "صلوٰتُ الاولیٰ" ہو گیا۔ صلوٰتُ الاولیٰ کا معنیٰ ہے پہلی نماز یعنی فجر کی نماز۔ اسی طرح "البقلة الحمقاۃُ" میں موصوف کی اضافت صفت کی طرف کی گئی، تو " بقلةُ الْحَمْقَاۃُ" بن گیا۔ تو اے صاحب کافیہؒ آپ کا قانون تو ٹوٹ رہا ہے ان مثالوں سے۔ بقلة الحمقاہ: ساگ کی ایک قسم ہے۔

وَ مثلُ مسجدُ الجامعِ وَ جانبُ الغربیِّ و صلوٰتُ الْاُولیٰ و بَقْلَۃُ الْحَمْقَاہ صاحب کافیہ جواب فرماتے ہیں۔ کہ ان ساری مثالوں میں تاویل کی گئی ہے۔ **متأوَّلٌ** یعنی اِن سارے مثالوں میں تاویل کی جائے گی، تو پھر یہ ہمارے ضابطے کے مطابق ہو جائیں گی۔

صاحب کافیہؒ نے دوسرا ضابطہ یہ ذکر فرمایا کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف جائز نہیں۔ آگے آنے والے مثالوں سے صاحب کافیہؒ کے بیان کردہ اس دوسرے ضابطے پر اشکال ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں! کہ اے صاحب کافیہؒ آپ نے فرمایا کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف جائز نہیں۔ ہم آپؒ کو دکھاتے ہیں، کہ کلام عرب کے اندر صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ جیسا کہ "جردُ قطیفةٍ" میں جردُ مضاف ہے اور قطیفةٍ مضافٌ الیہ ہے۔ اور یہ اصل میں "قطیفةٌ جردٌ" تھا۔ قطیفةٌ موصوف ہے اور جردٌ اسکی صفت۔ اور اس میں عرب "جردُ قطیفةٍ" کہہ دیتے ہیں۔ اور اسی طرح "ثیابٌ اخلاقٌ" کے اندر عرب اخلاقٌ جو کہ صفت ہے اسکی اضافت ثیابٌ کی طرف کرتے ہے۔ اور "اخلاقُ ثیابٍ" کہتے ہیں۔ تو اے صاحب کافیہؒ آپ کا دوسرا ضابطہ بھی ٹوٹ گیا۔

بھئی جو تاویل کی گئی ہیں اُن کو غور سے سنو! "مسجدُ الجامعِ" اصل میں "مسجدُ الوقفِ الجامعِ" ہے۔ اس میں مسجد کی اضافت "الوقف" کی طرف کی گئی ہے۔ الوقف موصوف ہے اور الجامع اسکی صفت ہے۔ موصوف صفت ملکر یہ مضافٌ الیہ ہوا مسجد مضاف کے لئے ۔ تو دیکھو! مسجد یہ مضاف ہے الوقف کی طرف نہ کہ الجامع کی طرف۔ اور یہ الجامع صفت ہے الوقف کی نہ کہ یہ صفت ہے مسجد کی ۔ تو دیکھا نہ موصف کی اضافت ہوئی اپنے صفت کی طرف اور نہ الجامع یہ مسبد کی صفت ہے۔

"جانبُ الغربِيِّ" صاحب کافیہؒ تاویل کر کے فرماتے ہیں، کہ "جانبُ المکانِ الغربِیٍّ"۔

" صلوٰتُ الاولیٰ" اصل میں "صلوٰتُ ساعةِ الأوْلیٰ" ہے۔ : پہلے گھڑی کی نماز۔

"بقلةُ الحمقاه" یہ اصل میں "بقلةُ البِذْرَةِ الحمقاه" یا بقلةُ الحَبَّةِ الحمقاه۔ حبة اور بِذْرَة : دانہ، بیج۔ بقلة: سبزی، ترکاری۔ حمقاہ یہ حماقت سے ہے۔ یہ ساگ ایسی جگہ پر اُگتی ہے جہاں پر سیلاب کا پانی بہتا ہو۔

آگے آنے والے مثالوں سے صاحب کافیہؒ کے دوسرے ضابطے پر بھی اشکال ہوتا ہے، کہ دیکھو! یہاں صفت کی اضافت موصوف کی طرف کی گئی۔ و مثلُ: جردُ قطیفةٍ و اخلاقُ ثیابٍ متأوَّلٌ اس کا بھی صاحب کافیہؒ جواب فرماتے ہیں۔ کہ اس جیسے مثالوں میں تاویل کی گئی ہے۔

صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں، کہ یہ اصل میں قَطِیفَةٌ جَرْدٌ تھا۔ قطیفة: مخملی چادر۔ وہ کپڑا جس پر باریک سے بال ہوں اُس مخمل کہتے ہیں۔ اور پُرانی بوسیدہ بغیر بالوں والی چادر کو قطیفة جردٌ کہتے ہے۔ جَرْدٌ: بے بال، بغیر بالوں والا۔ اَجْرَدْ: گنجا۔ تو قطیفةٌ موصوف تھا اور جردٌ اسکی صفت تھی۔ پھر قطیفة کو حذف کر لیا گیا اور جَرْدٌ رہ گیا۔ اور جردٌ کامعنیٰ ہے پرانا یا پرانی، اور وہ کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے۔ تو اب اس جَرْدٌ میں عُموم تھا۔ لہٰذا آگے اس کی اضافت کر دی گئی قطیفةٌ کی طرف۔ اب اس میں تخصیص آگئی۔

اسی طرح "اخلاقُ ثیابٍ" یہ اصل میں " ثیابٌ اخلاقٌ" تھا۔ ثیابٌ اخلاقٌ: ایسے کپڑے جو پرانے ہیں۔ اَخْلَاقٌ جمع ہے خَلَقٌ کی، لام کے فتحہ کے ساتھ۔ پھر ثیاب کو حذف کیا گیا اور اخلاق رہ گیا۔ اخلاق یعنی پرانے، اور پرانے تو کوئی بھی چیز ہوا کرتی ہے۔ تو اب اس میں ابہام تھا۔ لہٰذا اب اس کی اضافت ثیاب کی طرف کی گئی۔ تو معلوم ہوا کہ پرانی چیز کپڑے کے جنس میں سے ہے۔ تو اس سے تخصیص پیدا ہو گئی۔

صاحب کافیہؒ یہاں ایک اور ضابطہ بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں، کہ اگر دو اسم بالکل ایک جیسے ہوں عموم و خصوص کے اعتبار سے۔ یعنی پہلے اسم کے اندر جتنا عموم ہو، دوسرے اسم کے اندر بھی اُتنا ہی عموم ہو۔ یا پہلے اسم کے اندر جتنا خصوص ہو دوسرے اسم کے اندر بھی اُتنا ہی خصوص ہو۔ تو پھر اِن کی اضافت ایک دوسرے کی طرف نہیں کی جائیں گی۔ کیونکہ اضافت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

مثلاً، لیث کا معنیٰ بھی شیر ہے۔ اور اسد کا معنیٰ بھی شیر ہے۔ عموم کے اندر دونوں برابر ہیں۔ اب میں اس کی اضافت کرتا ہے۔ جاءنِی لیثُ اسدٍ : میرے پاس شیر کا شیر آیا۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ کوئی تخصیص پیدا نہیں ہوا۔ یا جیسے منع کا معنیٰ بھی روکنا، اور حَبس کا معنیٰ بھی روکنا۔ یہ دونوں عموم میں برابر ہیں، اس لئے اسکی اضافت جائز نہیں۔ مثلاً، حَبْسُ مَنْعٍ: منع کرنے کا منع کرنا۔ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ **و لا یضافُ** اور اضافت نہیں کی جاتی **اسمٌ** ایسا اسم **مُمَاثِلٌ لِلْمضافِ الیهِ** جو مضافٌ الیه کے مشابه ہو۔ **فی العُمُومِ و الْخُصُوصِ** عموم اور خصوص میں مشابه ہو۔ تو اضافت نہیں کی جائیگی ایسے اسم کی جو عموم اور خصوص میں مضافٌ الیه کے مشابه ہو۔ **کَلَیثٍ و اسدٍ** جیسے لیث اور اسد۔ یہ مثال ہے عین کی۔ عین وہ چیز جس کا وجود ہو۔ **و حبسٍ و منعٍ** یہ دونوں بھی مترادف الفاظ ہیں۔ حبس کا معنیٰ ہے روکنا، اور منع کا معنیٰ بھی روکنا ہے۔ اور "روکنا" مصدر ہے۔ اور خارج میں مصدر کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ہاں جو مصدر آئے، خارج میں مصدر سے حاصل ہونے والا ہیئت ہے۔ دوڑنا ہمیں خارج میں نظر نہیں آتا بلکه دوڑ نظر آئے گی۔ ہنسنا ہمیں خارج میں نظر نہیں آئے گا بلکه ہنسی خارج میں نظر آئے گی۔ تو یہ "حبس اور منع" یہ معنیٰ کے قبیل سے ہے جسکا خارج میں کوئی وجود نہیں۔ **لِعدمِ الفائدۃِ** تو ایسے اسماء مضاف نہیں کئے جائیں گے فائدہ کے نہ ہونے کی وجہ سے۔ **بِخِلافِ کُلُّ الدَّرَاهِمِ وَ عینُ الشَّیِٔ** بخلاف کُلُّ الدِراهم اور عین الشئ جیسے ترکیب جائز ہے۔ **فانَّهُ یَختَصُّ بهِ** اس لئے که اس سے مضاف، مضافٌ الیه کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے۔

صاحب کافیهؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں که عموم و خصوص میں مضاف اور مضافٌ الیه دونوں برابر ہو تو پھر اضافت جائز نہیں۔ لیکن اگر مضاف عام ہو اور مضافٌ الیه خاص ہو تو پھر اضافت جائز ہے۔ جیسا که "کُل" یہ عام ہے۔ اسکا معنیٰ، "ساری کی ساری چیز" یہ کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے۔ اور "الدراھم" خاص ہے۔ تو "کل الدراھم" نے تخصیص کا فائدہ دیا۔ تو "اِضافۃُ العام الی الخاص" جائز ہے۔

اسی طرح "عینُ الشَّئِ" میں، عین وہ چیز جس کا وجود ہو۔ یہ اضافت جائز ہے، اس لئے که اس میں پہلا عام ہے اور ثانی خاص ہے۔ "عین" کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے، کسی بھی چیز کا وجود ہو سکتا ہے۔ اور "الشئ" یہ خاص ہے۔ عینُ الشئ: وہ متعیّن چیز۔ الف لام کے ذریعے متعیّن چیز کی طرف اشارہ ہوا۔

اعرابی حکائی کی صورت میں کلُّ الدراھم پڑھنا بھی جائز۔ اور یہ بخلاف کے لئے مضافٌ الیه ہے تو پھر کلِّ الدراھم وَ عینِ الشئِ پڑھنا بھی جائز۔

صاحب کافیهؒ نے یہ ضابطه بتلایا که دو اسم جب عموم اور خصوص کے اندر برابر ہوں، تو پھر اس کی اضافت جائز نہیں۔ اس پر اشکال ہوا، کے اے صاحب کافیهؒ ہم آپ کو بتلاتے ہیں که دو اسم عموم اور خصوص میں برابر ہوں گے، لیکن پھر بھی اس میں ایک کی اضافت دوسری کی طرف کی گئی ہے۔

جیسا کہ عربوں سے ہم نے سُنا ہے، "سعیدُ کُرْزٍ"۔ یاد رکھو! سعید ایک آدمی تھا۔ اور "کُرْز" اُسکا لقب تھا۔ تو اب دیکھو، "سعید" سے بھی مراد وہی شخص ہے، اور "کُرز" سے بھی مراد وہی شخص ہے۔ تو یہ دونوں خصوص کے اندر برابر ہوئے۔ اور آپ نے بتلایا کہ جب عموم اور خصوص میں برابر ہو تو پھر اضافت جائز نہیں۔ لیکن یہاں تو "سعید" کی اضافت "کُرز" کی طرف ہو رہا ہے۔

و قولُهم اور عربوں کا کہنا سعیدُ کُرزٍ و نحوُهُ متأول صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں، کہ "سعیدُ کرزٍ" اور اس جیسے لفظ میں تاویل کی گئی ہے۔

کیسے تاویل؟ یاد رکھو! ایک ہے دال ایک ہے مدلول۔ جب میں نے کہا، "زید" تو اس نے ذات زید پر دلالت کی۔ یا یوں کہو، ایک ہے اسم ایک ہے مسمّیٰ۔ "زید" اسم ہے۔ اور وہ جو ذاتِ زید ہے وہ "مُسمّیٰ" ہے۔ جب میں نے کہ، زید آگیا۔ تو وہ ذات جو کہ زید کے ساتھ موسوم ہے وہ آگئی۔ تو اسم بول کر میں نے "مسمّیٰ" مراد لیا۔ ۔ ۔ میں کہتا ہوں، میں نے "زید" لکھا۔ تو اسکا معنیٰ یہ کہ میں نے "اسمِ زید" لکھا، اور ذات زید نہیں لکھا۔ تو کبھی اسم بول کر مسمیٰ مراد لیتے ہیں اور کبھی اسم بول کر اسم ہی مراد لیتے ہیں۔ میں نے کہا، "زید میرے پاس آیا۔" تو اس سے مسمّیٰ مراد ہوتا ہے۔ اور میں نے کہا، "میں نے زید لکھا۔" تو اس سے اسم مراد ہوتا ہے۔ یا یوں کہیں کہ اس میں ایک دال ہے اور دوسرا مدلول۔ تو "سعیدُ کُرزٍ" میں سعید بول کر مسمّیٰ یعنی ذات سعید مراد لی کئی۔ اور "کُرْز" سے لفظ مراد لے لیا۔ مثلاً میں نے کہا، "جاءنی سعیدُ کُرْزٍ"۔ یہاں سعید ذات یا مدلول کے معنیٰ میں ہے۔ اور کُرز سے مراد یہ لفظِ کُرْز یعنی یہ اسم ہی مراد ہے۔ تو "جاءنی سعیدُ کرزٍ" کا معنیٰ یہ ہوا کہ اس لفظ "کُرز" کا مدلول میرے پاس آیا۔ اور کُرز کا مدلول وہ ذات ہے۔ ای جاءنی مدلولُ هٰذَا اللفظِ۔ یا یوں کہو، "جاءنی مدلولُ کرزٍ" کہ جس پر کرز دلالت کرتا ہے وہ میرے پاس آیا۔

درس 71- باپ اضافت کی چل رہی تھی۔ اب صاحب کافیہؒ اضافت کے بارے میں چند اور باتیں آپ کو بتلانا چاہتے ہیں۔ کہ جب یائے متکلم کی طرف کسی چیز کی اضافت کی جائے تو اُسے کیسے پڑھیں گے۔

و اذا اُضیفَ الِاسْمُ الصحیحُ اور جب اضافت کر دی جائے اُس اسم کی جو صحیح ہو۔ اسم صحیح سے مراد یہاں علمِ نَحْوُ والا صحیح ہے۔ یعنی صحیح ایسا اسم ہے جس کے آخر میں حرف علّت نہ ہو۔ اس لئے کہ نحویوں نے بحث کرنا ہے اعراب سے۔ اور اعراب کسی کلمة کے آخری حرف پر ظاہر ہوتا ہے۔

اَوِ الْمُلْحَقُ بِهٖ ای مُلْحَقُ بالصَّحیح یا مُلحَق بالصَّحیح کی طرف اضافت کی جائے۔ یعنی جاری مجرائے صحیح۔ یعنی جو اعراب صحیح پر آتا ہے وہی اعراب ملحق بالصَّحیح پر بھی آتا ہے۔ جاری مجرائے صحیح وہ ہوتا ہے جس اسم کے آخر میں "واو" یا "یا" آجائے اور اسکا ماقبل ساکن ہو۔ جیسا کہ دَلْوٌ اور ظَبْیٌ۔ جیسے صحیح پر تینوں اعراب آتے ہیں اسی طرح جاری مجرائے صحیح پر بھی تینوں اعراب آتے ہیں۔ جیسا کہ، جاءنِی زیدٌ، رأیتُ زیدًا، مررتُ بزیدٍ اسی طرح جاءنِی دَلْوٌ، رأیتُ دَلْوًا، مررتُ بدَلْوٍ۔ اور جاءنِی ظَبْیٌ،

رَأیتُ ظَبْیَ، مررتُ بظَبْیِ۔ حالانکہ یہاں پر آخر میں "واو" اور "یا" آتی ہے۔ لیکن اس سے ماقبل سکون آیا۔ اور اس سکون کی وجہ سے "واو" اور "یا" پر اب حرکت کا پڑھنا آسان ہے۔ اِلٰی یاءِ الْمُتَکَلِّمِ جب صحیح یا جاری مجرائے صحیح کی اضافت یائے متکلم کی طرف کی جائے۔ کُسِرَ اٰخِرہُ تو جاری مجرائے صحیح اور صحیح کے آخر کو کسرہ دے دیں گے۔ یعنی غلامْ کی اضافت "یا" کی طرف کرنی ہے۔ تو غلام کی آخر میں "میم" پر کسرہ آئے گا۔ یعنی غُلَامِیْ۔ کیونکہ "یا" اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے۔ اسی طرح دَلْوٌ کی اضافت "یا" کی طرف کرنی ہے تو دَلْوٌ کے آخری حرف "واو" کو کسرہ دو یعنی "دَلْوِیْ" پڑھنا ہے۔

والیاءُ مَفْتُوحَۃٌ اَوْ سَاکِنَۃٌ اور "یا" مفتوح ہوگی یا ساکن ہوگی۔ تو اِس یائے متکلم پر فتحہ پڑھنا بھی جائز ہے اور اسکو ساکن پڑھنا بھی جائز ہے۔ یعنی غلامِیْ پڑھنا بھی جائز اور غلامِیَ پڑھنا بھی جائز۔ اسی طرح دَلْوِیَ پڑھنا بھی جائز اور دَلْوِیْ پڑھنا بھی جائز۔

فان کان اٰخِرُہُ اِلِــفًا اور اگر اُس اِسم کا آخر الف تھا۔ یعنی جس اسم صحیح یا اسم جاری مجرائے صحیح کی اضافت آپ "یائے متکلم" کی طرف کر رہے ہیں۔ اور اس کے آخر میں "الف" ہو۔ تُثْبَتُ تو وہ الف "ثابت" رکھا جائے گا۔ مثلاً "غلامانِ" کی اضافت "یائے متکلم" کی طرف کرنے میں "نونِ تثنیہ" تو اضافت کی وجہ سے گر جائے گا۔ اور "غُلَامَایَ" پڑھیں گے۔ تو اس صورت میں "یائے متکلم" پر فتحہ ہی پڑھیں گے۔ کیونکہ اگر "یا" کو ساکن رکھا جائے تو الف بھی ساکن اور "یا" بھی ساکن تو اجتماع ساکنین لازم آجائے گا۔ اسی طرح اسم مقصور "عصیٰ" کی اضافت جب "یائے متکلم" کی طرف کرے تو "عَصَایَ" پڑھیں گے۔ اور "رَحیٰ" کی اضافت "یائے متکلم" کی طرف کرنے سے "رَحَایَ" پڑھیں گے۔

وَ ھُذَیْلٌ تُقَلِّبُھا لِغَیرِ التَّثْنِیَۃِ یاءً تَقَلِّبُهَا بھی پڑھ سکتے ہیں، اور اس میں "ھا" ضمیر راجع ہے "الف" کو۔ اور قبیلہ ھُذیل والے بدل لیتے ہیں "اُس الف" کو تثنیہ کے علاوہ میں یاء کے ساتھ۔
یعنی تثنیہ میں قبیلہ ھُذیل والے بھی "غلامَایَ" پڑھتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ باقی صورتوں میں جب "الف" آخر میں آرہا ہو۔ تو وہ اِس "الف" کو "یا" سے بدلتے ہیں اور پھر "یا" کا "یا" میں ادغام کرتے ہیں۔ جیسا کہ "عَصَایَ" میں عَصَیَّ اور رَحَایَ میں رَحَیَّ پڑھتے ہیں۔
سوال۔ تثنیہ کے اندر قبیلہ ھذیل والے کیوں "الف" کو سلامت رکھتے ہیں؟ جواب یہ کہ تثنیہ کے اندر پھر التباس لازم آئے گا۔ تثنیہ کو ذرا حالتِ نصبی میں لے جاؤ، یعنی غلامانِ کی جگہ غلامَیْنِ ہو جائے گا۔ اب جب اس کی اضافت "یائے متکلم" کی طرف کی جائے، تو نون تو اضافت کی وجہ سے گر جائے گا، پھر غلامَیْ کے آخر میں بھی یا آگئے اور اس کے اضاف "یائے متکلم" ہے۔ تو پھر یاء کا یاء میں ادغام کریں گے اور اسکو غُلَامَیَّ پڑھیں گے۔ اور اگر وہ اسی طرح حالتِ رفعی اور حالت جرّی میں بھی غُلَامَیَّ پڑھتے، تو پھر

حالت نصبی کا التباس لازم آتا حالت رفعی اور حالت جرّی کے ساتھ۔ تو اس وجہ سے تثنیہ کے اندر وہ "الف" کو ثابت رکھتے ہیں تا کہ التباس لازم نہ آئے۔

وَاِنْ کَانَ یاءً اُدْغِمَتْ اور اگر اُس اسم جاری مجرائے صحیح کے آخر میں یاء آئے تو وہ پھر یاء کا یاء میں ادغام کرتے ہیں۔ جیسا کہ قاضِیْ کے آخر میں خود "یاء" آرہا ہے۔ اور جب اسکی اضافت "یائے متکلم" کی طرف کی جائے تو پھر وہ پہلی یاء کا دوسرے یاء میں ادغام کرتے ہیں۔ اور "قاضِیَّ" پڑھتے ہیں۔ اور تثنیہ کے اندر بھی کبھی حالت نصبی جرّی میں یاء آجاتا ہے۔ جیسا کہ غُلامَیْنَ کی اضافت جب یائے متکلم کی طرف کی جائے تو نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر جائے گا، اور یاء کا یاء میں ادغام کیا جائے گا تو حالت نصبی اور جرّی میں "غُلَامَیَّ" پڑھیں گے۔ جمع کے اندر بھی کبھی آخر میں یاء آجاتی ہے۔ مسلمونَ کو جب حالت نصبی جرّی میں لے جائے تو مسلمِیْنَ بن جاتا ہے۔ اور جب اسکی اضافت یائے متکلم کی طرف کی جائے تو نون جمع اضافت کی وجہ سے گر جاتا ہے، اور پھر یاء کا یاء میں ادغام کرنے سے حالت نصبی اور حالت جرّی میں "مُسْلِمِیَّ" بن جاتا ہے۔

و ان کان واوًا اور اگر آخر میں واؤ تھا۔ قُلِبَتْ یاءً واؤ کو "یا" سے بدل دیں گے۔ وَ اُدْغِمَتْ اور ادغام کیا جائے گا۔ مثلاً مُسلمونَ کے آخر سے اضافت کی وجہ سے نون گر جائے گا۔ تو آخر میں "واو" رہ جائے گا۔ اور جب "مُسْلِمُو" کی اضافت "یائے متکلم" کی طرف کرلے تو اس واؤ کو "یا" سے بدل دیں گے۔ اور پھر یا کا یا میں ادغام کریں گے تو مُسْلِمُیَّ بن جائے گا۔ پھر "یا" کی وجہ سے ماقبل حرف کو کسرہ دیں گے تو یہ "مُسْلِمِیَّ" بن جائے گا۔ اور اگر "یا" سے ما قبل فتحہ آئے تو پھر فتحہ کو برقرار رکھیں گے۔

اسی طرح مُصْطَفَوْنَ کی اضافت کرے "یائے متکلم" کی طرف۔ تو "نون" اضافت کی وجہ سے گر جائے گا۔ پھر "واو" اور "یا" جمع ہو گئے۔ تو واؤ کو یا کر کے "یا" میں ادغام کریں گے۔ تو "مُصْطَفَیَّ" بن جائے گا۔ اب یا کا ماقبل مفتوح ہے۔ لہٰذا فتحہ کو برقرار رکھیں گے۔

وَ فُتِحَتِ الیاءُ لِلسَّاکنین اور یا کو فتحہ دیا جائے گا ساکنین کی وجہ سے۔ یعنی اجتماع ساکنین کی وجہ سے "یا" پر فتحہ پڑھیں گے۔ ان تمام صورتوں میں ہم نے دیکھا۔ جیسا کہ گزرا، " عَصَیَّ، رَحَیَّ، غُلَامَایَ، قَاضِیَّ، غُلَامَیَّ، مُسْلِمِیَّ اور مُصْطَفَیَّ"۔ ان ساروں میں "یا" پر فتحہ پڑھا۔ کیونکہ اگر "یا" پر فتحہ نہ پڑھے تو پھر اجتماع ساکنین لازم آئے گا۔

وَ اَمَّا الْاَسْمَاءُ السِّتَّۃُ باقی اسمائے ستة جو ہیں۔ فَاَخِی و اَبِی جب اس کی اضافت یائے متکلم کی طرف ہو جائے تو اسے "اَخِی اور اَبِی" کی طرح پڑھیں گے۔ یاد رکھو! یہ جو اسمائے ستّة ہیں یہ محذوفةُ الاَعْجَازْ ہیں۔ عَجُزْ کہتے ہیں آخری حصّہ۔ یعنی اِس کا پچھلا حصّہ محذوف ہیں۔ یعنی اِن کے آخری حرف محذوف ہیں۔ جیسا کہ "اَخٌ" اصل میں "اَخَوٌ" تھا۔ "اَبٌ" اصل میں "اَبَوٌ" تھا۔ "حَمٌ" اصل میں "حَمَوٌ" تھا۔ "هَنٌ" اصل میں "هَنَوٌ" تھا۔ "فَمٌ" اصل میں "فَوَہٌ" تھا۔ اور "ذُو" اصل میں "ذَوَوٌ" تھا۔ پھر ان سب کے واؤ کو خلافُ

القیاس حذف کیا گیا۔ جیسا کہ "اَخَوٌ" سے "واؤ" حذف کر کے "اَخٌ" بنایا۔ پھر اس کے آخری حرف پر اعراب جاری کر دیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا، کہ جب اس کی اضافت "یا" ضمیر کی طرف کی جائے تو کیا وہ "حذف شدہ واؤ" واپس آئے گا کہ نہیں۔ تو کہتے ہیں کہ وہ واؤ جو حذف ہو چکا ہے وہ واپس نہیں آئے گا۔ لہٰذا جب اَخٌ کی اضافت "یا" کی طرف کریں گے تو اَخِی پڑھیں گے۔ اَبٌ کی اضافت "یا" کی طرف کریں گے تو "اَبِی" پڑھیں گے۔

وَ اَجَازَ الْمُبَرِّدُ اَخِیَّ وَ اَبِیَّ اور اجازت دی ہے امام مبردؒ نے "اَخِیَّ اور اَبِیَّ" کی۔ تو اُن کے نزدیک وہ "واو" واپس آجائے گا۔ پھر "واو اور یا" جمع ہو جائیں گے۔ تو واو کو یا کر کے اور پھر یا کا یا میں ادغام کریں گے۔ تو اَخِیَّ اور اَبِیَّ بن جائیں گا۔

و تقولُ حَمِیْ و ھَنِیْ اور کوئی عورت یوں کہیں گی حَمِیْ اور ھَنِیْ۔ تقولُ واحد مؤنث غائبہ کا صیغہ ہے۔ خاوند کا باپ عورت کا حَمٌ ہوتا ہے۔ یعنی سُسَر۔ لہٰذا حَمٌ کی اضافت مذکر کی طرف نہیں ہوگی بلکہ مؤنث کی طرف ہوگی۔ ھَنٌ یہ فَرْجُ الْمَرْأَۃ یعنی عورت کی شرمگاہ کو بھی کہتے ہیں۔ اور نیز ہر اُس چیز کو بھی کہا جاتا ہے جس کا ذکر عیب ہو۔

اس کو صاحب کافیہ نے الگ ذکر کیا۔ یہ بھی اُسی طرح ہے، اَخی، اَبی، حمیْ اور ھَنی۔ ان دونوں کو الگ اس لئے ذکر کیا، کیونکہ "اَخِی اور اَبِی" میں امام مبرد کا اختلاف بتلانا تھا۔ اُن میں امام مبرد نے "ابِیَّ اور اخیَّ" کی اجازت دی ہے۔ اور حمیْ اور ھنیْ میں اجازت نہیں دی ہے۔ اس لئے ان کو الگ ذکر کیا۔

و یقالُ فِیَّ فی الاکثر وَ فَمِیْ اور فِیَّ کہا جاتا ہے اکثر استعمالات میں، اور فَمِیْ بھی کہتے ہیں۔

فَمٌ: منہ، فَمٌ اصل میں فَوَہٌ تھا۔ پھر ھا کو خلافُ القیاس حذف کر لیا گیا۔ کیونکہ یہ محذوفۃ الاعجاز میں سے ہیں۔ جیسا کہ یَدٌ اصل میں یَدَیٌ تھا، دَمٌ اصل میں دَمَوٌ تھا۔ تو وہاں سے بھی واؤ حذف ہوا۔ اور اِن اسمائے ستہ مکبرّہ سے بھی آخری حرف حذف ہوا۔

تو فَوَہٌ سے ھا خلافُ القیاس حذف ہوا۔ اور نسیا منسیا ہو گیا۔ اب وہ واپس نہیں آئیں گی۔ تو "فَوٌ" بن گیا۔ اور آخری کلمہ پر اعراب جاری ہوتے ہے۔ اور جب اس "واؤ" پر اعراب نے جاری ہونا تھا، تو یہ واؤ بھی گر جاتا، لہٰذا ابھی سے اس کا اعلاج کیا گیا اور اس "واؤ" کو میم کر دیا گیا۔ کیونکہ "واؤ" اور "میم" میں مناسبت ہے۔ کیونکہ دونوں شفوی ہیں۔ یعنی شفتین یعنی ہونٹوں سے ادا ہوتے ہیں۔ پس دونوں میں مناسبت تھی تو "واؤ" کو "میم" سے بدلا اور "فَمٌ" بن گیا۔

سوال: "فَوٌ" سے یہ واؤ کیسے گرتی؟ جواب۔ اگر میں یوں کہوں، "ھٰذا فَوٌ"، "رَأیتُ فَوًا" اور مررتُ بِفَوٍ"۔ تو دیکھا جب میں نے "فَوٌ" پڑھا۔ تو واؤ پر ضمہ پڑھا۔ یعنی فَوُنْ۔ تو واؤ متحرک آیا۔ اور ضابطہ ہے کہ جب واؤ متحرک سے ماقبل فتحہ ہو تو اسکو الف سے بدلتے ہیں۔ تو یہ فَانْ بن جاتا۔ اور پھر یہاں التقائے

ساکنین آجاتا۔ اور اجتمائے ساکنین کی وجہ سے الف گر جاتا تو "فَنْ یعنی فً" رہ جاتا۔ یعنی صرف "فا" رہ جاتی۔ اس لئے "فَوْہٌ" سے ھا کو حذف کر کے واؤ کو میم کیا تو "فَمٌ" بن گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ "فَمٌ" کی اضافت کرنے کے بعد اس میم کو واؤ سے بدلیں گے یا نہیں بدلیں گے۔ تو صاحب کافیہ کے نزدیک اکثر کے نزدیک وہ واؤ واپس آجائے گا۔ یعنی فَوٌ بن جائے گا۔ اور جب فَوٌ کی اضافت یائے متکلم کی طرف کریں گے، تو واو کو "یا" سے بدلیں گے۔ اور پھر "یا" کا "یا" میں ادغام کریں گے تو فِیَّ بن جائے گا۔ اور کبھی کبھی فَمِیَ بھی پڑھ دیتے ہیں۔ یعنی واؤ کو واپس نہیں لاتے ، میم کو برقرار رکھتے ہیں اور اسکی اضافت یائے متکلم کی طرف کرکے "فَمِیَ" کہتے ہیں۔

جب اسمائے ستۃ مکبرہ کو اضافت سے منقطع کریں تو اس صورت میں پھر کیسے پڑھیں گے۔ تو کہتے ہیں کہ پھر یوں پڑھیں گے۔ **وَاِذا قُطِعَتَ** اور جب ان اسمائے ستۃ مُکَبَّرہ کو اضافت سے منقطع کرے۔ **قِيلَ** تو کہا جائے گا **اخٌ و ابٌ و حمٌ و هنٌ و فمٌ** یہ پانچ ہو گئے۔ "ذُو" کی بات رہ گئی۔ آگے جا کر "ذو" کے بارے میں صاحب کافیہ بتلائیں گے۔ کہ "ذو" کو کبھی بھی اضافت سے منقطع نہیں کیا جا سکتا۔

"ذُو" کو اضافت سے کیوں منقطع نہیں کیا جاتا؟ اسکی وجہ سُنو! اسکی وجہ یہ کہ "ذو" کو وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ وہ اسم جنس کو نکرۃ کی صفت بنائے۔ فرض کرے میں "مال" کو "رجل" کی صفت بنانا چاہتا ہوں۔ تو "مال" تو ہے جنس اور اس کو "رجل" یعنی نکرۃ کی صفت بنانا چاہتا ہوں۔ اور یہ "مال" اس وقت صفت نہیں بن سکتا نکرۃ کی۔ یعنی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ "رجلٌ مالٌ" : آدمی مال ہے۔ تو "مال" یہ براہ راست "رجل" کی صفت بن نہیں سکتا۔ تو لہٰذا اُس کو "ذو" کے ذریعے صفت بنایا جاتا ہے۔ یعنی جاءنی رجلٌ ذو مالٍ۔ آیا میرے پاس مال والا آدمی۔ تو "ذو" نے یہ فائدہ دیا کہ اسم جنس کو نکرۃ کی صفت بنایا۔

تو لہٰذا "ذو" کو وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اس کی اضافت اسم جنس کی طرف ہو۔ لہٰذا "ذو" کو اضافت سے منقطع نہیں کیا جاتا۔

اخٌ اصل میں اَخَوٌ تھا۔ تثنیہ میں یہ واؤ واپس آجاتا ہے۔ یعنی اَخَوَانِ، ابٌ اصل میں اَبَوٌ تھا۔ تثنیہ میں واؤ واپس آجاتا ہے یعنی اَبَوَانِ۔ وغیرہ۔ معلوم ہوا ان سب کا آخر حذف ہوا ہے۔

وَ فَتْحُ الفاءِ اَفْصَحُ مِنْهُما اور فَمٌ کے اندر "فاء" کا فتحہ وہ زیادہ فصیح ہے ضمّہ اور کسرے سے۔ یاد رکھو! یہ جو فَمٌ ہے، اس میں تین لُغات ہیں۔ یعنی فَمٌ، فُمٌ اور فِمٌ۔ یعنی یہ مُثَلَّثُ الفاء ہے۔ یعنی فاء پر تینوں حرکتیں پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن اَفْصَحَ یعنی زیادہ فَصِيح لُغت فَمٌ ہے۔

و جاءَ حَمٌ مثلُ يَدٍ و خَبْءٍ و دَلْوٍ و عصًا مطلقًا اور حَمٌ کا لفظ یَدٌ کی طرح بھی آیا ہے، خَبْءٌ کی طرح بھی آیا ہے، دَلْوٌ کی طرح بھی آیا ہے، اور عَصًا کی طرح بھی آیا ہے، مطلقًا، مطلقًا کا مطلب یہ ہے کہ

چاہے بغیر اضافت کے ہو یا اضافت کے ساتھ ہو۔ یعنی حَمٌ کا لفظ حالتِ اِفراد میں یا حالتِ اضافت میں ان چار لفظوں یعنی ید، خبء، دلو اور عصا کی طرح آیا ہے۔

دیکھو! حَمٌ کیسے یَد کی طرح آیا ہے؟ یَدٌ کو ذرا بغیر اضافت کے پڑھے:جیسا کہ: جاءنی یدٌ، رأیتُ یدًا، مررتُ بِیَدٍ۔ اسی طرح حَمٌ کو بھی بغیر اضافت کے پڑھے۔ جاءنی حمٌ، رأیتُ حَمًا، مررتُ بِحَمٍ۔ تو اس پر تینوں اعراب یَدٌ کی طرح آئے۔

اب "ید" کی اضافت کرو۔ جیسا کہ: هٰذا یَدُکَ، رَأیتُ یَدَکَ، مررتُ بِیَدِکَ۔ اسی طرح "حَمٌ" کے اندر بھی اضافت میں، هٰذا حَمُکِ، رَأیتُ حَمَکِ، مررتُ بِحَمِکِ۔ تو اضافت میں بھی حَمٌ پر تینوں اعراب یَدٌ کی طرح آئے ہیں۔

اسی طرح حَمٌ یہ حبءٌ کی طرح بھی آیا ہے۔ اضافت کے ساتھ بھی اور بغیر اضافت کے بھی۔ تو اس صورت میں حَبْئٌ کی طرح حَمْئٌ پڑھیں گے۔ حَبْئٌ: پوشیدہ چیز۔ هٰذا حَبْءٌ، رأیتُ حَبْءًا، مررت بِحَبْءٍ۔ اسی طرح هٰذا حَمْءٌ، رأیتُ حَمْءً اور مررتُ بِحَمْءٍ پڑھو۔

اور اضافت کی صورت میں۔ هٰذا حَبْئُکَ، رأیتُ حَبْئَکَ، مررتُ بِحَبْئِکَ۔ اسی طرح حَمْئٌ میں بھی پڑھو۔ هٰذا حَمْئُکِ، رأیتُ حَمْئَکِ اور مررتُ بِحَمْئِکِ۔(کیونکہ حَمْئٌ کی اضافت مؤنث کی طرف کی جاتی ہے)

اور حَمٌ یہ دَلْوٌ کی طرح بھی آیا ہے۔ اضافت کے ساتھ بھی اور بغیر اضافت کے بھی۔ تو اس صورت میں حَمْوٌ پڑھیں گے۔ جیسا کہ بغیر اضاف کے ہم پڑھتے ہیں۔ هٰذَا دَلْوٌ، رَأیتُ دَلْوًا ، مررتُ بِدَلْوٍ اور هٰذَا حَمْوٌ، رَأیتُ حَمْوًا اور مررتُ بِحَمْوٍ۔

اور اضافت کی صورت میں یوں پڑھتے ہیں۔ هٰذا دَلْوُکَ، رَأیتُ دَلْوَکَ، مررتُ بِدَلْوِکَ اور هٰذا حَمْوُکِ، رأیت حَمْوَکِ اور مررتُ بِحَمْوِکِ۔

اور حمٌ یہ عَصًا کی طرح بھی آیا ہے۔ اضافت کے ساتھ بھی اور بغیر اضافت کے بھی۔ تو اس صورت میں حَمًا پڑھیں گے۔ جیسا کہ بغیر اضافت کے ہم یوں پڑھتے ہیں۔ هٰذا عَصًا، رأیتُ عَصًا، مررتُ بِعَصًا تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہے۔ اسی طرح حَمًا میں بھی تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہیں۔ جیسا کہ هٰذا حَمًا، رأیتُ حمًا، مررتُ حمًا۔

اور اضافت کی صورت میں یوں پڑھتے ہیں۔ هٰذا عَصَاکَ، رأیتُ عَصَاکَ، مررتُ بِعَصَاکَ اسی طرح هٰذا حَمَاکِ، رأیتُ حَمَاکِ، مررتُ بِحَمَاکِ

و جاء هَنٌ مثلُ یدٍ مطلقًا اور "هَنٌ" یہ مطلقًا "یَدٌ" کی طرح آیا ہے۔ یعنی حالت افراد اور حالت اضافت دونوں میں "یدٌ" کی طرح ہے۔ جیسا کہ یَدٌ بغیر اضافت کے ہم یوں پڑھتے ہیں، هٰذا یَدٌ، رأیتُ یدًا،

مررتُ بِیَدٍ۔ تو "ھَنٌ" کو بھی بغیر اضافت کے "یدٌ" کی طرح پڑھتے ہیں۔ جیسا کہ، ھٰذا ھَنٌ، رأیتُ ھَنًا اور مررتُ بِھَنٍ۔

اور "یَدٌ" کو اضافت کے ساتھ پڑھے تو، ھٰذا یدُکَ، رأیتُ یَدَکَ، مررتُ بِیَدِکَ۔ اسی طرح ھَنٌ کو بھی اضافت کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ یعنی ھٰذا ھَنُکِ، رأیتُ ھَنَکِ، مررتُ بِھَنِکِ۔

وَ ذُو لا یُضَافُ اِلیٰ مُضْمَرٍ اور "ذو" کی اضافت ضمیر کی طرف نہیں کی جاتی۔ کیونکہ "ذو" وضع ہی اس لئے ہے کہ یہ اسم جنس کی طرف مضاف ہے۔ جیسے مال اسم جنس ہے۔ اور پھر اُس اسم جنس کو نکرہ کے لئے صفت بناتا ہے۔ وَلَا یُقْطَعُ اور "ذو" کو اضافت سے منقطع بھی نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ یہ وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ مضاف ہو اور اسم جنس کو نکرہ کی صفت بنا دے۔

درس 72۔ ابھی تک بحث جو ہم پڑھ رہے تھے، یعنی مرفوعات، منصوبات اور مجرورات۔ اِن سب میں عامل براہ راست داخل ہوتا تھا، اور معمول کو رفع، نصب یا جرّ دیتا تھا۔ اب کچھ توابع ذکر ہوں گے۔ توابع پر عامل براہ راست اثر انداز نہیں ہوتا۔ لیکن اِن پر رفع آجاتا ہے جب اِن کے ماقبل پر رفع ہو، یا اِن پر نصب آجاتا ہے جب اِن کے ماقبل پر نصب ہو، یا اِن پر جرّ آجاتا ہے جب ان کے ماقبل پر جرّ ہو۔ جیسے، جاءنِی زیدُنِ العالمُ: آیا میرے پاس وہ زید جو عالم ہے۔ اب "زید" پر جو رفع آیا، تو اس کو براہ راست جاءَ نے فاعل بنایا اور اسکو رفع دیا۔ لیکن "العالم" پر جو رفع آرہا ہے یہ براہ راست جاءَ کی وجہ سے نہیں آیا، بلکہ یہ "زید" کے واسطے سے آیا۔ تو "العالم" تابع ہے "زید" کا۔ تو جو ماقبل میں ہے یعنی "زید" وہ متبوع کہلائے گا اور جو مابعد میں ہے یعنی "العالم" یہ تابع کہلائے گا۔ اب توابع کے بارے میں صاحب کافیہؒ ہمیں بتلائیں گے۔ اَلتَّوَابِعُ کُلُّ ثَانٍ توابع ہر دوسرا ہے۔ یعنی دوسرے درجے میں ہے۔ صفت بھی تابع میں سے ہیں۔ مثال کے طور پر " جاءنِی زیدُنِ العالمُ" میں اوّلِ درجہ میں موصوف یعنی "زید" ہے۔ اور دوسرے درجے میں صفت یعنی "العالمُ" ہے۔ یعنی "زید" کی طرف نظر کرتے ہوئے صفت یعنی "العالم" دوسرے درجے میں ہے۔ اسی طرح اگر کئی صفات اکھٹے ہو جائیں تو وہ بھی موصوف کی طرف نظر کرتے ہوئے دوسرے درجے والا کہلایا جائے گا۔ یعنی " جاءنِی زیدُنِ العالمُ العاقلُ الشریفُ" تو "العاقلُ" بھی زید کی طرف نظر کرتے ہوئے دوسرے درجہ میں ہے۔ اسی طرح "الشریفُ" بھی دوسرے درجے میں ہے زید کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ باعرابِ سابقِہ جو اپنے سے پہلے والے کے اعراب کے ساتھ ہو۔ من جہۃٍ واحدۃٍ ایک ہی جہت سے ہو۔ ایک ہی جہت میں ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ دونوں میں اعراب کا مُقتضی ایک ہی ہو۔ ای مِنْ مُقْتَضٍ واحدٍ۔ دیکھو! جاءنِی زیدُنِ العالمُ۔ آیا میرے وہ پاس جو عالم ہے۔ دونوں میں جو اعراب آرہا ہے وہ مُقتضی واحد سے آرہا ہے۔ "زید" پر رفع فاعلیت کی وجہ سے آرہا ہے۔ تو زید کی فاعلیت نے "رفع" کا تقاضا کیا۔ تو جس فاعلیت نے زید کے اندر رفع کا تقاضا کیا تو اُس فاعلیت

نے "العالم" کے اندر بھی فاعلیت کا تقاضا کیا۔ تو "زید" اور "العالم" دونوں میں اعراب کا مقتضی ایک ہوا۔ اور اس مُقتضی نے تقاضا کیا کہ "العالم" بھی زید کی طرح مرفوع ہونا چاہیئے۔

میں نے جب کہا" جاءنِی زیدُنِ العالمُ "۔ تو میرا مقصد مَجِیئَتْ کی نسبت صرف مطلقِ زید کی طرف نہیں ہے، بلکہ میرا مقصد مجیئت کی نسبت "زیدُنِ العالمُ" کی طرف ہے۔ یعنی زید کے ساتھ ساتھ جو تابع ہے اُس کی طرف بھی ہے۔ پس دونوں میں مقتضی فاعلیت ہے۔ اسی طرح رأیتُ زیدَنِ العالمَ میں جس مفعولیت نے زید کے اندر نصب کا تقاضا کیا تو اُسی مفعولیت نے "العالم" کے اندر بھی نصب کا تقاضا کیا۔ تو دونوں میں اعراب کے مقتضی ایک ہی چیز ہے۔

اسی طرح مثلاً، "ضربتُ رجلاً جاهلاً"۔ میں نے ایسے شخص کی پٹھائی کی جو جاهل ہے ۔ تو رجلاً کے نصب کا تقاضا مفعولیت نے کیا۔ اور اسی مفعولیت نے صفت یعنی "جاهلاً" کے اندر بھی نصب کا تقاضا کیا۔

یہ جو مصنفؒ نے فرمایا کہ "من جِهةٍ واحدةٍ" اور جس کا میں نے ترجمہ کیا "من مقتضٍ واحدٍ"۔ تو اس قید کے ذریعے "خبر" کو نکالا۔ دیکھو! مبتدا ہے پہلے مرتبہ میں اور خبر ہے دوسرے مرتبہ میں ۔ مبتدا پر رفع آتا ہے اور خبر پر بھی رفع آتا ہے۔ اور مصنفؒ نے جب کہا، "کُلُّ ثانٍ باعرابِ سابِقِہٖ": ہر وہ جو دوسرے مرتبہ میں ہو، اور اُسی اعراب کے ساتھ ہو جو تابع کا تھا۔ تو اس تعریف میں "خبر" بھی داخل ہو رہا تھا۔ کیونکہ خبر بھی دوسرے درجہ میں ہوتا ہے۔ اور خبر کا اعراب بھی وہی ہوتا ہے جو اس سے پہلے یعنی مبتدا کا تھا۔ لیکن آگے جب مصنفؒ نے فرمایا کہ "مِنۡ جِهَةٍ واحدَةٍ": دونوں میں مقتضی ایک ہی ہو۔ اب اس قید سے خبر خارج ہوئی۔ اس لئے کہ مبتدا اور خبر دونوں میں مقتضی ایک نہیں ہوتا۔

وہ جو مقتضی ہے رفع کا مبتدا کے اندر وہ الگ ہے، اور وہ جو مقتضی ہے رفع کا خبر کے اندر وہ الگ ہے۔ مُبتدا میں رفع کا تقاضا "ابتدا" کر رہا ہے۔ اور خبر میں رفع کا تقاضا "ابتدا" کر رہا ہے۔ لیکن یہ دونوں "ابتدا" الگ الگ ہیں۔ مبتدا میں "ابتدا" اس اعتبار سے عامل ہے کہ یہ مُسند الیہ ہے۔ اور خبر میں یہی "ابتدا" عامل ہے لیکن اس اعتبار سے کہ یہ مسند ہے ۔ تو دونوں میں "ابتدا" کی حیثیت بدل گئی۔ تو مبتدا اور خبر میں مقتضی ایک نہیں ہوا بلکہ الگ الگ ہوئے۔

اسی طرح مفعول ثانی، مفعول ثالث بھی خارج ہوئے۔ مثلاً، اَعطیتُ زیدًا درهمًا، میں "زیدًا" بھی مفعول اور "درهما" بھی مفعول۔ زیدًا مفعول اوّل اور درهمًا مفعول ثانی۔ اس درهمًا کو کوئی بھی تابع نہیں کہتا۔ کیونکہ یہ تابع کے تعریف میں داخل ہی نہیں۔ کیونکہ تابع کے تعریف میں ہم نے کہا، "کُلُّ ثانٍ: یعنی دوسرے مرتبے میں ہو"۔ تو مفعول ثانی بھی دوسرے مرتبہ میں ہے۔ پھر فرمایا " بِاعرابِ سابِقِہٖ: اور اُس کا بھی وہی اعراب ہے جو سابق کا ہو"۔ تو مفعول ثانی کا بھی وہی اعراب ہے جو سابق یعنی مفعول اوّل کا ہے۔ یعنی "زیدًا" پر بھی نصب تھا تو درهمًا پر بھی نصب تھا۔ تو یہاں تک مفعول ثانی "تابع" کے تعریف

میں داخل ہے۔ لیکن جب مصنفؒ نے فرمایا کہ "مِن جهةٍ واحدةٍ"۔ یعنی دونوں میں اعراب کا مقتضی ایک ہی ہو۔ اور یہاں دونوں یعنی مفعول اوّل اور مفعول ثانی میں اعراب کا مقتضی الگ الگ ہیں۔ جو زید کے اندر اعراب کا تقاضا کرنے والی چیز ہے وہ ہے مفعولیت۔ لیکن کونسے مفعول ہونا؟ تو یہ مفعول اوّل ہونا۔ اور دِرهمًا کے اندر مفعولیت کا تقاضا کرنے والی چیز مفعول ثانی ہونا ہے۔ تو دونوں میں اعراب کا تقاضا کرنے والے مختلف چیزیں ہیں۔

اب مصنفؒ توابع کو شروع فرما رہے ہیں۔ پانچ توابع ہیں۔ اس میں سے پہلا صفت ہے۔

یہاں تین لفظ ہیں۔ ایک ہے نَعتٌ، ایک ہے وَصفٌ، ایک ہے صِفَةٌ۔ اِن تینوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ البتہ "نَعت" اصطلاح ہے کوفہ والوں کی۔ جبکہ بصرہ والے نحویؒ "وصف اور صِفَةٌ" کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ اسکو صِفَةٌ پڑھنا ہے، عربی میں صِفَتٌ نہیں۔ صِفَةٌ کے آخر میں گول تا آرہی ہے۔ اور پورے کلام عرب میں گول "تا" کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے۔

یہاں پر صاحب کافیہؒ نے کوفہ والوں کے اصطلاح کو اختیار فرمایا۔

اَلنَّعتُ تابعٌ صِفَة وہ تابع ہے۔ **يَدُلُّ علىٰ معنىً فى مَتبُوعِهٖ** جو دلالت کرتی ہے ایسے معنیٰ پر جو اِس کے متبوع میں پایا جائے۔ مثلاً جاءنِى زيدُنِ العالمُ میں یہ علم کی صفت زید کے اندر پایا جاتا ہے۔ تو یہ صفت "العالم" ایسا تابع ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو اسکے متبوع یعنی "زید" میں پایا جاتا ہے۔

مُطلقا یعنی مطلق طور پر۔ یعنی کسی حالت کے ساتھ مُقیَّد نہیں ہے۔ تو صاحب کافیہؒ نے مطلقًا کی قید کیوں لگائی۔ بعض علماءؒ نے فرمایا ہے، کہ "مطلقا" کے قید کے ذریعے "حال" کو نکالا ہے۔ کیونکہ "حال" بھی ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے، جو اُسکے متبوع کے اندر پایا جاتا ہے۔ مثلاً میں نے کہا، جاءنِى زيدًا راكبًا: آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ تو یہ "رُكُوب یعنی سوار ہونے کا معنیٰ" زید کے اندر پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ "رُکوب" کا معنیٰ زید کے اندر قید کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ یعنی آنے کی حالت میں وہ سوار ہے۔ یعنی مجیئت کی حالت میں وہ سوار ہے ۔ تو رُکوب کا معنیٰ زید کے ساتھ مطلقًا نہیں بلکہ یہ آنے کے حالت کے ساتھ مُقیَّد ہے۔

تو جاءنِى زيدًا راكبًا کا یہ معنیٰ نہیں کہ "زید مطلقًا سوار ہے۔" بلکہ "زید آنے کی حالت میں سوار ہے"۔ تو جب صاحب کافیہؒ نے "نَعت" کی تعریف میں "مطلقًا" کی قید لگائی تو یہ "حال" خارج ہوا۔ کیونکہ یہ رُکوب مطلقًا نہیں بلکہ مُقیَّد ہے مجیئت کے ساتھ۔ لہٰذا "حال" اس تعریف سے نکل گیا۔

لیکن شارحِ ہندی فرماتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اور حق بھی یہی ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ یعنی مُطلَقًا کے قید کے ذریعے "حال" کو نہیں نکالا جا رہا۔ اس لئے کہ بات چل رہی ہے توابع کی! اور "حال" توابع میں سے نہیں۔ توابع تو کُل پانچ ہیں۔ جن میں، نعت ہے، معطوف بحرف ہے، بدل ہے، تاکید

ہے اور عطفِ بیان ہیں۔ اور اُن میں سے کوئی ایک بھی حال نہیں۔ تو جب صاحب کافیہ رح نے کہہ دیا کہ "النعتُ تابعٌ" تو تابع کہہ کر "حال" کو نکال دیا۔ لہٰذا مطلقًا کے قید کے ذریعے "حال" سے احتراز نہیں۔

پھر "مطلقًا" کے قید کے ذریعے کس چیز سے احتراز ہے؟ تو شارح هندی رح فرماتے ہیں کہ یہ "تاکید" سے احتراز ہے۔ مثلاً میں نے کہا، "جاءنِي القومُ کُلُّھُم": آئی میرے پاس وہ قوم ساری کی ساری۔ تو "کُلُّھُمْ" تاکید ہے قوم کے لئے۔ تو "کُلُّھُمْ" شُمُول اور اجتماع پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہ شمول اور اجتماع "قوم" میں پایا جاتا ہے۔ تو لہٰذا اس پر بھی "نعت" کی تعریف صادق آئی۔ کہ یہ ایسا تابع ہے جو دلالت کر رہا ہے ایسے معنیٰ پر جو اُس کے متبوع میں ہے۔ تو "تاکید" بھی نعت کی تعریف میں داخل ہو رہا تھا۔ لہٰذا علامہ ابن حاجب رح نے "مطلَقًا" کی قید لگا کر تاکید کو نعت کی تعریف سے خارج کر دیا۔ اس لئے کہ یہ شُمول اور اجتماع جو قوم کے اندر پایا جاتا ہے یہ مطلَقًا نہیں بلکہ "نسبت" کے حالت میں ہے۔ جب مجیئت کی نسبت قوم کی طرف کی گئی تو اُس اعتبار سے ہے - یعنی مجیئت کے اندر وہ قوم ساری کی ساری آئی۔ یعنی ساری قوم کے لئے مجیئت ثابت ہے۔ تو یہ شمول جو قوم کے اندر آیا یہ مطلقًا نہیں بلکہ نسبت کی حالت میں ہے۔

تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ مطلقًا کی قید "تاکید" کو نکالنے کے لئے لگائی گئی۔ کیونکہ "جاءنی القومُ کلُّھم" میں یہ کُلُّھم بھی ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا تھا جو اُس کے متبوع یعنی "قوم" کے اندر تھا۔ اور کلُّھم شمول اور اجتماع پر دلالت کرتا ہے اور یہ شمول اور اجتماع "قوم" کے اندر پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ شمول اور اجتماع صرف "آنے کے حالت" میں شمار ہے۔ تو یہ مطلَقًا نہیں رہا۔ بلکہ نسبت والا رہا۔ جب اُس قوم کی طرف مجیئت کی نسبت کی جائے تو پھر شمول اور اجتماع والا معنیٰ پایا جائے گا۔

اب صفت کا فائدہ کیا ہے؟ یاد رکھو! نکرہ کی بھی صفت آسکتی ہے اور معرفة کی بھی صفت آسکتی ہے۔ جب نکرہ کی صفت آجائے تو یہ تخصیص کا فائدہ دیتا ہے۔ اور جب معرفة کی صفت آئے تو "توضیح" کا فائدہ دے گی۔

و فائدتُہُ تخصِیصٌ: تخصیص کہتے ہیں دیگر احتمالات کو ختم کرنا یا کم کرنا۔ مثلاً میں نے کہا، جاءنی رجلٌ: آیا میرے پاس ایک شخص۔ تو اس رجل میں عموم ہے۔ دنیا کے تمام رجل پر بولا جاتا ہے۔ اب نکرہ کے ساتھ صفت ملائے، جیسا کہ، جاءنِي رجلٌ عالِمٌ: آیا میرے پاس عالم آدمی۔ اب اس صفت نے تخصیص کا فائدہ دیا۔ کیونکہ رجلِ عالم کا اطلاق دنیا کے تمام مردوں پر نہیں ہوتا، بلکہ جو غیرِ عالم ہے وہ اِس سے خارج ہوئے۔ تونکرہ کے صفت آنے سے احتمالات کم ہوئے۔

او توضیحٌ اور جب معرفة کی صفت آئے تو یہ توضیح کا فائدہ دیگا۔ توضیح کا معنیٰ یہ ہے کہ غیر کے احتمال کو ختم کریں گی۔ میں نے کہا "جاءنِي زیدٌ": آیا میرے پاس زید۔ تو اس زید کے اندر احتمال ہے عالم ہونے کا بھی اور عالم نہ ہونے کا بھی۔ اور جب میں نے کہا، جاءنِي زیدُنِ العالِمُ۔ اب "العالم" یہ

معرفة کی صفت آیا۔ اور معرفة کی صفت توضیح کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی غیر کے احتمال کو ختم کرتا ہے۔ تو اس "العالم" نے غیرِ عالم کے احتمال کو ختم کیا۔

بعض علماءؒ نے "توضیح" کا اور معنیٰ کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ توضیح کا معنیٰ ہے "اشتراک" کو ختم کرنا۔ بعض اوقات ایک ہی نام دو، تین آدمیوں کا ہوتا ہے۔ مثلاً زید دو آدمیوں کا نام تھا۔ البتہ اُس میں ایک عالم ہے اور ایک تاجر۔ تو جب میں نے کہا، "جاءَنِی زیدٌ" میرے پاس زید آیا۔ تو اس سے یہ پتہ نہ چلا کو "عالم زید" آیا ہے یا "تاجر زید" آیا ہے۔ اور جب میں نے آگے "العالمُ" صفت لگائی تو اِس صفت نے زید کے اندر اشتراک کو ختم کر دیا۔ اور بتلا دیا کہ وہ "تاجر زید" یہاں پر مراد نہیں بلکہ "عالم زید" مراد ہے۔

و قد یکونُ لِمُجَرَّدِ الثَّناءِ اور کبھی "نعت" محضِ ثناء کے لئے آتی ہے۔ میں نے کہا، توضیح کا معنیٰ یہ ہے کہ غیر کے احتمال کو ختم کرے۔ "بسم اللهِ الرّحمانِ الرَّحیم"۔ لفظِ اللہ موصوف ہے، الرحمان صفت اوّل ہے، الرحیم صفت ثانی ہے۔ تو دیکھو معرفہ کی صفت آرہی ہے۔ لفظ اللہ معرفة ہے۔ اور اَعرَفُ المعارف ہے علی الاطلاق۔ اور معرفة کی صفت توضیح کے لئے آتی ہے۔ اور توضیح کا معنیٰ ہے غیر کے احتمال کو ختم کرنا۔ لیکن یہاں یہ توضیح کے لئے نہیں۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ تو رحمان ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کے اندر غیر رحمان ہونے کا امکان ہی نہیں۔ تو پھر یہ صفت یہاں صرف مدح و ثناء کے لئے آئی۔ اور "الرحیم" یہ صفت بھی صرف مدح کے لئے آئی۔ کیونکہ ذات باری تعالیٰ کے اندر غیر رحیم ہونے کا امکان ہی نہیں۔ کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ تو "ارحمُ الرَّاحمین" ہے۔

اَوِ الذَّمِّ یا کبھی "نعت" محضِ ذم کے لئے آتی ہے۔ جیسے اعوذُ باللهِ مِن الشیطٰنِ الرجیم۔ الشیطان موصوف اور الرجیم صفت۔ اور یہ صفت معرفة کی آئی۔ اور معرفة کی صفت توضیح کے لئے ہوتی ہے۔ اور توضیح یعنی غیر کے احتمال کو ختم کرنا۔ اور یہاں پر غیر کا احتمال نہیں۔ یعنی شیطان مردود ہی ہے اس میں غیر مردود ہونے کا امکان ہی نہیں۔ جب غیر مردود ہونے کا امکان ہی نہیں تو پھر یہ صفت "ذم" کے لئے لائی گئی۔

بھئی یہ پتہ کیسے چلے گا کہ معرفة کی صفت کبھی توضیح کے لئے ہوتی ہے، کبھی مدح کے لئے اور کبھی ذم کے لئے۔ تو یاد رکھو! اگر صفت کا آپ کو پہلے سے پتہ نہ ہو تو یہ صفت توضیح کے لئے ہوگی۔ اور اگر صفت کا پہلے سے پتہ ہو تو پھر یہ مدح یا ذم کے لئے ہوگی۔

مثلاً میں نے کہا، "جاءَنِی زیدُنِ العالمُ"۔ اگر آپ کو پہلے سے پتہ تھا کہ زید عالم ہے تو یہ صفت مدح کے لئے ہے۔ کیونکہ جب آپ کو پتہ ہے کہ زید عالم ہے تو اب آپ کے نزدیک اس میں غیر عالم ہونے کا احتمال نہیں۔ اور پھر بھی وہ صفت لے آیا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ صفت مدح کے لئے ہے۔

اَوِ التَّوْکِیْدِ یا کبھی "نعت" محضِ تاکید کے لئے آتی ہے۔ نَحوُ نَفْخَۃٌ واحدۃٌ : ایک دفعہ کا پھونکنا۔ اس میں نفخۃ موصوف اور واحدۃ اسکی صفت۔ نفخۃ کے اندر یہ "تا" وحدت کی آرہی ہے۔ اس "تا" نے بتلایا کہ ایک دفعہ کا پھونکنا مراد ہے - پھر یہ واحدۃ اسکے لئے صفت لائی گئی۔ تو یہ بتلا رہے ہیں کہ یہ "تاکید" کے لئے ہے۔ وہی "ایک" والا معنیٰ جو پہلے سے حاصل ہو رہا تھا، اس "واحدۃ" نے آکر اُس کو پختہ کر دیا۔ یعنی اس میں تاکید پیدا کر دی۔

یا مثلاً میں کہتا ہوں، جاءنِی رجلٌ واحدٌ۔ یہاں رجلٌ میں وہی ایک والا معنیٰ معلوم ہو رہا تھا۔ پھر یہ واحدٌ والی صفت اس "ایک" کے معنیٰ کو پختہ کرنے کے لئے یعنی تاکید کے لئے لایا گیا۔

بھئی اب تک تمام نحوی علماءؒ یہ کہتے آرہے ہیں کہ صفت مشتق ہوگی۔ یعنی صفت جب بھی آئیگی وہ مشتق کا صیغہ ہوگا۔ مُشتق ہو ہوتا ہے جو مصدر سے بنا ہو۔ مثلاً "ضاربٌ" یہ مشتق ہے۔ ضَرَبَ، یَضْرِبُ وغیرہ یہ سب مشتق ہیں۔ تو صفت عموماً مشتق کا صیغہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ، "جاءنی زیدُ نِ العالمُ" میں یہ "العالمُ" مشتق کا صیغہ ہے۔ اسی طرح "رأیتُ رجلاً قائمًا" میں یہ قائمًا مشتق کا صیغہ ہے۔ تو آپ غور کریں! کہ عموماً صفت مشتق کا صیغہ ہوگا۔

اور کبھی کبھی صفت غیر مشتق بھی آجایا کرتا ہے۔ تو پھر وہ علماء جو اس بات کے قائل ہیں کہ صفت غیر مشتق نہیں ہوتا، پھر وہ اِس غیر مشتق کو مشتق کی تاویل میں کر دیتا ہے۔

صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ کوئی تاویل کی ضرورت نہیں، صفت بھی مشتق بن سکتا ہے اور غیر صفت بھی مشتق بن سکتا ہے۔ تو دیکھئے صاحب کافیہؒ آگے یہ بات کر رہے ہیں۔

وَ لا فَصْلَ بینَ اَنْ یَّکونَ مُشْتَقًّا اَوْ غَیْرَہُ اور کوئی فرق نہیں اس بات کے درمیان کہ وہ صفت مشتق ہو یا مشتق نہ ہو۔ اذا کان وَضْعُہُ جب کہ اُس غیر مشتق کی وضع، ھا ضمیر غیر مشتق کو راجع ہے۔ لِغَرَضِ الْمَعْنیٰ اُس معنیٰ کی عرض کے لئے ہو۔ یعنی وہ معنیٰ جو متبوع میں پایا جاتا ہے۔ المعنیٰ میں الف لام آیا ہے۔ اور الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ اور "المعنیٰ" کا ترجمہ یہاں پر "اُس معنیٰ" کرے۔ اور کونسا معنیٰ مراد ہے۔ یعنی وہ معنیٰ جو متبوع میں پایا جاتا ہے۔

یعنی غیر مشتق بھی صفت بن سکتا ہے جب اُس غیر مشتق کی وضع اُس معنیٰ کے لئے ہو جو اُس کے متبوع میں پایا جاتا ہو۔ بھئی جب ایک چیز کی وضع اُس معنیٰ کے لئے ہوجو اُس کے متبوع میں پایا جاتا ہو تو وہ صفت بن سکتی ہے۔ عُمُومًا عموم کے طریقے پر۔ یعنی تمام استعمالات میں۔ بھئی دیکھو! بعض الفاظ ایسے معنیٰ کے لئے وضع کئے گئے ہیں، کہ وہ تمام استعمالات میں صفت بن کر استعمال ہوتے ہیں۔ یعنی وہ تمام استعمالات کے اندر ایسے معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں جو اُس کے متبوع میں پایا جاتا ہے۔ جبکہ

بعض الفاظ ایسے نہیں۔ وہ ہمیشہ ایسے الفاظ پر دلالت نہیں کرتا جو غیر میں یعنی متبوع میں پایا جاتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی وہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں جو اُس کے متبوع میں پائے جاتے ہیں۔

تو بعض الفاظ ایسے ہیں کہ ہمیشہ صفت کے طور پر استعمال ہوں گے اور بعض الفاظ ایسے ہیں کہ ہمیشہ صفت کے طور پر استعمال نہیں ہوں گے۔

اب صاحب کافیہؒ ایسے الفاظ کو ذکر فرما رہے ہیں جو تمام استعمالات میں صفت کے طریقے پر استعمال ہوتے ہیں۔ **نحوُ تَمِیْمِیٌّ** بنو تمیم والا۔ یاد رکھو! یہ اسم منسوب کہلاتا ہے۔ کسی اسم کے آخر میں یائے مشدَّد لگائی جاتی ہے نسبت کے لئے۔ جیسا کہ لاہور کے آخر میں یائے مشدد لگایا جائے تو "لاھوریٌّ" یعنی لاہور والا۔ اسم منسوب کے اندر ہمیشہ نائب فاعل ہوتا ہے۔ تو "تَمِیْمِیٌّ" ہمیشہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو غیر میں پایا جاتا ہے۔ تو یہ ہمیشہ صفت کے طور پر استعمال ہوگا۔ اور اسکا موصوف کبھی عبارت کے اندر مذکور ہوگا اور کبھی مُقَدَّر ہوگا۔ **و ذی مالٍ** یہ "ذی مالٍ" بھی ہمیشہ صفت کے طریقے پر استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے کہ لفظِ "ذو" کو وضع ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اسم جنس کو نکرہ کی صفت بنا دے۔ جب "مال" کو رجلٌ کی صفت بنانا چاہے، تو "مال" ویسے تو "رجل" کی صفت نہیں بنتا، تو "ذو" کے ذریعے اسے رجل کا صفت بنایا گیا۔ یعنی "رجلٌ ذو مالٍ"۔ یعنی "تَمِیْمِیٌّ" اور "ذو مالٍ" ہمیشہ صفت کے طور پر استعمال ہوں گے۔

تو دیکھو! نہ " تَمِیْمِیٌّ" مشتق ہے اور نہ ہی "ذو مال" مشتق ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ تمام استعمالات میں صفت ہی استعمال ہوتے ہیں۔ اور ہمیشہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو اسکے غیر میں پایا جاتا ہے۔

او خُصوصًا اور یا خاص استعمالات میں۔یعنی ہمیشہ ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتے جو غیر میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی ایسے معنیٰ پر دلالت کریں گے جو غیر میں پائے جائیں گے، تو اِس صورت میں صفت کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ **مثلُ مررتُ برجلٍ اَیِّ رَجُلٍ** میں گزرا ایک شخص پر جو بڑا ہی کامل تھا۔ یعنی میں بڑے کامل آدمی پر گزرا۔ یاد رکھو! یہ "اَیُّ" کئی معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسم موصول کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، استفہام کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے وغیرہ اور کبھی صفت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو یہاں پر "اَیِّ رجلٍ" میں اَیِّ صفت ہے رجل کی۔ اور یہ "کمال" پر دلالت کرنے کے لئے نکرہ کی صفت بنایا جاتا ہے۔ تو یہاں "کامل ہونے" کے معنیٰ پر "اَیُّ" نے دلالت کی۔

"اَیُّ" ہمیشہ اس معنیٰ پر دلالت کرنے کے لئے وضع نہیں کیا گیا ہے۔ بعض استعمالات میں وہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو یہاں کیا۔

ترکیب۔ رجلٍ موصوف، اَیِّ رجُلٍ مضاف اور مضافٌ الیہ ملکر صفت۔

و مررتُ بِهٰذَا الرَّجُلِ اور میں گزرا اِس شخص پر۔ ھٰذا موصوف ہے اور "الرجل" اسکی صفت ہے۔ تو "الرجل" یہاں پر غیر مشتق ہے۔ اور یہ صفت بن رہا ہے اسم اشارہ "ھٰذا" کے لئے۔ اور یہ تمام استعمالات میں صفت نہیں بنتا بلکہ کبھی کبھار صفت بنتا ہے۔ جیسے اس موقع پر یہ ھٰذا کے لئے صفت بنتا ہے۔ اور یہ "رَجُلِّیة" کا معنیٰ "ھٰذا" مشارٌ الیہ کے اندر پایا جاتا ہے۔ پس "ھٰذا" موصوف ہے اور "الرجل" صفت ہے۔ اور صفت ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو اس کے متبوع میں پایا جائے۔ تو یہاں پر "الرجل" نے رجلیۃ پر دلالت کی اور یہ رجلیۃ کا معنیٰ اُسکے متبوع "ھٰذا" کے اندر پائی گئی ہے۔

و بزیدٍ ھٰذا ای مررتُ بزیدٍ ھٰذا: یہاں پر "زیدٍ" موصوف اور "ھٰذا" اسکی صفت۔ اب یہاں "ھذا" ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو "زید یعنی ھٰذا کے متبوع" میں پایا جاتا ہے۔ ھٰذا دلالت کرتا ہے مشارٌ الیہ پر اور یہ مشارٌ الیہ کا معنیٰ زید میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ مشارٌ الیہ زید ہے۔

تو دیکھئے! تَمِیْمِیٌّ یہ بھی غیرِ مشتق، ذی مالٍ یہ بھی غیر مشتق، اَیٌّ یہ بھی غیرِ مشتق، اَلرَّجُل یہ بھی غیرِ مشتق، ھٰذا یہ بھی غیرِ مشتق، لیکن یہ سارے صفت بن رہے ہیں۔ اب اور نحوی علماءؒ اِن میں تاویلیں کر کے اُس کو مشتق کی تاویل میں کر دیتے ہیں۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کوئی مشتق کی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور صفت مشتق بھی ہو سکتی ہے اور غیر مشتق بھی ہو سکتی ہے۔

پس یہ ہے کہ غیر مشتق صفت اُس وقت بنے گی جب اِس کی وضع ایسے معنیٰ کے لئے ہو جو اُس کے متبوع میں پایا جائے۔ چاہے یہ وضع عام ہو یعنی تمام استعمالات میں ہو چاہے یہ وضع خاص ہو یعنی خاص استعمالات میں ہو۔ اور "تَمِیْمِیٌّ اور ذو مال" وضع ہی اس معنیٰ کے لئے کئے گئے ہیں کہ اس کا معنیٰ غیر میں پایا جاتا ہے۔ تو یہ ہمیشہ صفت کے طور پر استعمال ہوں گے۔ ہاں اس کا موصوف کبھی عبارت میں مذکور ہوگا اور کبھی محذوف نکالنا پڑے گا۔ اور باقی جو مثالیں ذکر کی، یعنی "اَیٌّ" ، "الرجل" اور "ھٰذا" یہ تمام استعمالات میں ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتے جو اس کے متبوع میں پایا جائے۔ تو یہ ہمیشہ صفت نہیں بنیں گے۔ لیکن جب اسکا معنیٰ اسکے متبوع میں پایا جائے تو یہ اُس وقت صفت بنیں گے۔

درس 73- وَ تُوْصَفُ النَّکِرَۃُ بالجملۃِ الخبریۃِ اور وصف بیان کیا جاتا ہے، نکرۃ کا، جملہ خبریہ کے ساتھ۔ چاہے جملہ فعلیہ ہو یا چاہے جملہ اسمیہ ہو۔ اور جملہ انشائیہ کے ساتھ وصف بیان نہیں کیا جاتا۔ اگر جملہ انشائیہ وصف بن بھی جائے تو ہمیں اس میں تاویل کرنا پڑھتا ہے مفعول فیہِ کے ساتھ۔ جیسا کہ "مررتُ برجلٍ اضرِبْہُ" میں "اِضْرِبْہُ" جملہ انشائیہ ہے، اور یہ "رجل" کی صفت بن رہی ہے۔ لیکن یہ تو جملہ انشائیہ ہے اور جملہ انشائیہ صفت نہیں بنتا، لہٰذا ہمیں اس میں تاویل کرنا پڑتا ہے۔ یعنی، "مررتُ برجلٍ اقولُ فیہِ اِضْرِبْہُ": میں ایسے آدمی کے پاس سے

گزرا ، کہ میں اُس کے بارے کہتا ہوں، اُس کی پٹھائی کرو۔ تو جملہ انشائیہ اُس وقت صفت بنتا ہے جب اس میں "اَقولُ فیه" کی تاویل کیا جائے یا "مَقُولٌ فیه" کی تاویل کیا جائے۔

جملة نکرة کے حکم میں ہوتا ہے۔ لہٰذا جملة نکرة کی صفت بنتا ہے۔ تو صفت کبھی مفرد آتا ہے جیسا کہ، "جاءَنِی رجلٌ عالمٌ" میں رجلٌ موصوف ہے اور عالمٌ اسکی صفت ہے۔ اور عالمٌ مفرد کا صیغہ ہے۔ لیکن کبھی کبھار اس کے لئے جملہ بھی لاتے ہیں۔ جیسا کہ "جاءَنِی رجلٌ ضربَکَ": میرے پاس ایسے آدمی آیا جس نے آپ کی پٹھائی کی تھی۔ ترکیب میں "ضربَکَ" جملہ ہے جس کے اندر ھو ضمیر راجع ہے موصوف "رجلٌ" کو۔ پھر موصوف صفت ملکر جاءَ کے لئے فاعل بنتا ہے۔

وَ يَلْزَمَ الضَّمِيْرُ اور اُس کے ساتھ ضمیر لازم ہے۔ بھئی جملے کا اپنا مستقل مفہوم ہے۔ وہ اپنا معنیٰ ادا کرنے میں غیر کا محتاج نہیں ہوتا۔ یعنی کسی کے ساتھ جُڑنے کا محتاج نہیں۔ اور آپ اسکو کسی کے ساتھ جُڑنا چاہتے ہیں۔ تو لازمی بات ہے کہ اس کے اور موصوف کے درمیان ربط ہونا چاہئے۔ اور وہ ربط عموماً ضمیر کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور اسکو عائد کہتے ہیں۔

آگے مصنفؒ صفت بحالِهٖ اور صفت بحالِ متعلِّقِهٖ کے بارے میں فرماتے ہیں۔ جب صفت کا معنیٰ اُسکے متبوع میں پایا جائے تو اسے صفت بحالِهٖ کہتے ہیں۔ اور کبھی صفت کا معنیٰ اُس کے متبوع میں نہیں بلکہ متبوع کے متعلِّق میں پایا جاتا ہے۔ تو اسے صفت بحالِ متعلِّقِهٖ کہتے ہیں۔ جیسا کہ جاءَنِی رجلٌ عالمٌ کے اندر عالمٌ صفت ہے۔ اور اس عالمٌ نے ایک معنیٰ علم پر دلالت کی، اور یہ معنیٰ اُس کے ماقبل موصوف یعنی رجلٌ میں پایا جاتا ہے۔ تو اسے صفت بحالِهٖ کہتے ہیں۔ اور "جاءَنِی رجلٌ عالمٌ ابوهُ" : آیا میرے پاس ایسا آدمی کہ اُس کا باپ عالم ہے۔ یہاں "ابوهُ" یہ متعلق ہے رجلٌ سے۔ اور یہ علم کی صفت یہاں پر "رجلٌ" کے اندر نہیں بلکہ "رجلٌ کے متعلق ابوهُ" میں پایا جاتا ہے۔ تو اسے صفت بِحالِ متعلِّقِهٖ کہتے ہیں۔

و تُوصَفُ بِحالِ الْمَوصوفِ اور صفت بیان کیا جاتا ہے اُس حال کے ساتھ جو اُس موصوف میں ہے۔ حال کا معنیٰ حالت اور هَيْئَت کے ہے۔ یعنی وصف بیان کیا جاتا ہے موصوف ہی کے حالت اور هَيْئَتْ کے ساتھ۔ جیسا کہ، "رأیتُ رجلاً قائمًا"۔ اس قائمًا نے رجل کی حالت اور هَيْئَت بتا دی۔ تو اسے صفت بحالِهٖ کہتے ہیں۔ **وَ بِحالِ مُتَعَلِّقِهٖ** اور صفت بیان کیا جاتا ہے اُس حال کے ساتھ جو اُس موصوف کے متعلق میں ہو۔ یعنی وصف بیان کیا جاتا ہے موصوف کے متعلق ہی کے حالت اور هَيْئَتْ کے ساتھ۔ جیسا کہ "رأیتُ رجلاً قائمًا ابوهُ" میں قائمًا نے رجل کے متعلق "ابوه" کے حالت اور ھیئت کو بیان کیا۔ تو اسے صفت بحالِ متعلقهٖ کہتے ہیں۔

نحو مررت برجلٍ حَسَنٍ غلامُهُ : میں گزرا ایک ایسے آدمی پر کہ اُسکا غلام اچھا ہے۔

ترکیب۔ مررتُ فعل با فاعل،(مَرَّ فعل ہے) با جارّہ رجلٍ مجرور لفظًا موصوف، حسنٍ مجرور لفظًا صفت مشبہ، غلامُ مرفوع لفظًا مضاف، ھا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ جو کہ لوٹ رہی ہے موصوف رجل کو،

مضاف اپنے مضاف الیه سے ملکر فاعل ہوا صفت مشبہ حسن کا، صفت مشبہ اپنے فاعل سے ملکر صفت ہوا۔ موصوف اپنے صفت سے ملکر مجرور ہوا، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے فعل مررتُ کے ساتھ۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔ (حسنٍ لفظوں کے اعتبار سے رجلٍ کی صفت ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے غلام کی صفت ہے۔ یعنی صفت بحالِ متعلِّقِہٖ وہ ہوتا ہے جو لفظوں میں ایک کی صفت ہو اور معنیٰ میں دوسرے کی صفت ہو۔)

یاد رکھو! وہ صفت جو صفت بحالِہٖ ہو وہ اپنے موصوف کے ساتھ دس چیزوں میں مطابقت رکھتا ہے۔ اور وہ صفت جو صفت بحالِ متعلِّقِہٖ ہو وہ اپنے موصوف کے ساتھ پانچ چیزوں میں مطابقت رکھتا ہے۔

فَالْاَوَّلُ پس پہلی قسم جو ہے۔ یعنی صفت بحالِہٖ جو ہے۔ یَتْبَعُہٗ تابع ہوتی ہے۔ ھا ضمیر موصوف کو راجع ہے۔ یعنی وہ صفت جو صفت بحالِہٖ ہے وہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے۔ فی الاعرابِ اور وہ صفت جو صفت بحالِہٖ ہے وہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے اعراب میں، یعنی رفع، نصب اور جرّ میں۔ تو یہ تین چیزیں ہو گئیں۔ اگر موصوف مرفوع ہوتا ہے تو صفت بھی مرفوع، اگر موصوف منصوب ہوتا ہے تو صفت بھی منصوب اور اگر موصوف مجرور ہوتا ہے تو صفت بھی مجرور۔ وَ التَّعریفِ و التَّنْکیرِ

اور وہ صفت جو صفت بحالِہٖ ہے وہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے تعریف اور تنکیر میں بھی۔ اگر موصوف معرفۃ ہو تو صفت بھی معرفہ ہوں گی، اور اگر موصوف نکرہ ہو تو صفت بھی نکرہ ہوں گی۔ تو یہاں تک پانچ چیزیں ہو گئیں جس میں صفت اپنے موصوف کے تابع ہے۔ وَ الْاِفْرادِ وَ التَّثْنِیۃِ وَالْجَمْعِ

اور وہ صفت جو صفت بحالِہٖ ہے وہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے مفرد، تثنیہ اور جمع ہونے میں بھی۔ یعنی موصوف مفرد تو صفت بھی مفرد، موصوف تثنیہ تو صفت بھی تثنیہ اور اگر موصوف جمع ہو تو صفت بھی جمع ہوں گی۔ تو یہاں تک آٹھ چیزیں ہو گئیں جس میں صفت بحالِہٖ اپنے موصوف کے تابع ہے۔ والتذکیرِ والتَّانیثِ اور وہ صفت جو صفت بحالِہٖ ہے وہ اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے تذکیر اور تانیث میں بھی۔ اگر موصوف مذکر تو صفت بھی مذکر اور اگر موصوف مؤنث تو صفت بھی مؤنث۔ تو یہاں تک دس چیزیں ہو گئیں جس میں صفت بحالِہٖ اپنے موصوف کے تابع ہے۔

تو یوں کہو! چار چیزوں میں مطابقت ضروری ہے۔ رفع، نصب اور جرّ میں سے ایک آئے گا، تعریف اور تنکیر میں سے ایک آئے گا، مفرد، تثنیہ اور جمع میں سے ایک آئے گا اور تذکیر و تانیث میں سے ایک آئے۔ تو گویا ایک ہی وقت میں موصوف اور صفت میں چار چیزوں میں مطابقت ضروری ہے۔ اور تفصیلی کلام کرو تو گویا دس چیزوں میں مطابقت ضروری ہے۔

والثانی اور دوسری قسم جو ہے۔ یعنی صفت بحالِ مُتَعَلِّقِہٖ جو ہے۔ یَتْبَعُہٗ وہ تابع ہوتی ہے موصوف کے ۔ فی الخمسۃِ الْاُوَلِ پہلی پانچ چیزوں میں۔ یعنی وہ صفت جو صفت بحالِ متعلقہٖ ہے وہ

اپنے موصوف کے پانچ چیزوں میں تابع ہوتی ہے۔ اور وہ پانچ چیزیں رفع، نصب ، جرّ، تعریف اور تنکیر ہیں۔ جیسے مررتُ برجلٍ حسنٍ۔ تو دیکھو "حسن" مطابق ہے "رجل" کے ساتھ اعراب میں بھی اور تعریف و تنکیر میں بھی۔ رجل مجرور ہے تو حسن بھی مجرور ہے۔ رجل نکرہ ہے تو حسن بھی نکرہ ہے۔ **و فی البَواقی کالفِعلِ** اور یہ صفت بحالِ متعلقِہٖ باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہے۔ صفت بحالِ متعلقِّہٖ وہ ہوتا ہے جو لفظوں میں تو صفت ہو موصوف کی اور معنیٰ میں صفت ہو اُس کے متعلق کی۔ تو باقی چیزوں سے مراد مفرد، تثنیہ، جمع، تذکیر اور تانیث ہیں۔ تو اِن پانچ چیزوں میں یہ فعل کی طرح ہے۔

فعل کا فاعل اگر اسم ظاہر ہو تو فعل کو ہمیشہ مفرد ہی لاتے ہیں۔ چاہیے اسم ظاہر مفرد ہو، تثنیہ ہو یا جمع ہو۔ مثلاً آپ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے پٹھائی کی۔ تو آپ یوں کہیں گے، "ضربَ رجلٌ"، آپ نے کہا دو آدمیوں نے پٹھائی کی تو آپ کہیں گے، "ضربَ رجلانِ"، آپ نے کہا کئی آدمیوں نے پٹھائی کی، تو آپ یوں کہیں گے، "ضربَ رجالٌ"۔ تو یہ صفت بحالِ متعلقِہٖ بھی فعل کی طرح ہوگی۔ یعنی اگر صفت بحالِ متعلقِہٖ کا فاعل آگے اسم ظاہر آرہا ہو تو یہ صفت بحالِ متعلقِہٖ ہمیشہ مفرد رہے گی۔

اور اگر فاعل مذکر ہو تو فعل بھی مذکر لاتے ہے، جیسا کہ "ضربَ رجلٌ" یا "ضربَ زیدٌ" اور اگر فاعل مؤنث حقیقی ہو تو فعل بھی مؤنث لاتے ہے، جیسا کہ "ضربتْ ھندٌ" اور اگر فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو تو پھر فعل مذکر بھی لا سکتے ہے اور مؤنث بھی لا سکتے ہیں، جیسا کہ "طَلَعَ الشمسُ" اور "طَلَعَتِ الشَّمْسُ"۔ تو یہ صفت بحالِ متعلقِہٖ بھی اسی طرح ہوگی۔ یعنی اگر فاعل اسم ظاہر مذکر ہو تو پھر "حسن" لایا جائے گا۔ اور اگر فاعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی ہو تو پھر "حسنة" لایا جائے گا۔ اور اگر فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو تو پھر "حسن اور حسنة" دونوں لائے جا سکتے ہیں۔

وَمِنْ ثَمَّ حَسُنَ اور اسی وجہ سے اچھی ہے۔ یعنی یہ مثال اچھی ہے۔ یعنی یہ مثال بہتر ہے، ثَمَّ اسم اشارہ ہے۔ **قام رجلٌ قاعِدٌ غِلْمَانُہٗ** کھڑا ہوا ایسا آدمی کہ بیٹھے ہوئے ہیں اُس کے غلام۔ یہاں پر "قاعدٌ" لفظوں میں صفت ہے "رجل" کی اور معنیٰ کے لحاظ سے یہ صفت ہے "غلاموں کی"۔ یعنی یہ قعود غلاموں میں پایا جاتا ہے اور رجل کے اندر نہیں پایا جاتا۔

ترکیب۔ قامَ فعل، رجلٌ مرفوع لفظًا موصوف، قاعدٌ مرفوع لفظًا صیغہ اسم فاعل، غِلْمَانُ مرفوع لفظًا مضاف، ھا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ، مضاف اپنے مضافٌ الیہ سے ملکر فاعل ہوا قاعدٌ صیغہ اسم فاعل کے لئے، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت ملکر فاعل، فعل فاعل ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اور اِنہوں نے کہا تھا کہ یہ صفت بحالِ متعلقِہٖ باقی پانچ چیزوں میں فعل کی طرح ہے۔ اور فاعل جب اسم ظاہر تھا تو فعل ہمیشہ مفرد ہی لایا جاتا۔ تو دیکھو یہاں پر "غِلمانُہٗ" اسم ظاہر ہے جمع کا صیغہ ہے اور اس کے لئے صفت بحالِ متعلقِہٖ "قاعدٌ" مفرد لایا گیا۔ نیز آپ یہ بھی کہہ سکتے

ہیں، "قاعدَةٌ غِلْمَانُهُ" کیونکه غلمان جمع ہے اور جمع بتاویل جماعَةٌ کے واحد مؤنث ہے۔ اور جب اسم ظاہر واحد مؤنث کے حکم میں ہو تو اس کے لئے صفت بحالِ متعلقِهٖ "قاعدَةٌ" مؤنث لایا جا سکتا ہے۔ پھر ہم یوں کہتے کہ، "قامَ رجلٌ قاعدَةٌ غلمانُهُ"، اب قاعدَةٌ لفظوں میں صفت "رجل" کی۔ اور رجل مذکر ہے۔ لیکن ہم نے پہلے بتایا تھا کہ یہ جو صفت بحالِ متعلقِهٖ اپنے موصوف کے ساتھ صرف پانچ چیزوں میں مطابقت رکھتا ہے۔ اور اُن پانچ چیزوں میں تذکیر و تانیث نہیں تھی۔ اُن پانچ چیزوں میں اعراب تھے یعنی رفع، نصب اور جرّ۔ اور وہ اب بھی ہے۔ رجلٌ مرفوع تو قاعدةٌ بھی مرفوع۔ اور اُن پانچ چیزوں میں تعریف اور تنکیر تھے۔ تو دیکھئے رجلٌ نکرة ہے تو قاعدَةٌ بھی نکرة ہے۔ باقی مفرد، تثنیه،جمع، تذکیر اور تانیث میں مطابقت ضروری نہیں۔ یعنی "رجلٌ" مذکر اور "قاعدةٌ" مؤنث تو پھر بھی یه صفت بن سکتی ہے "رجل" کے لئے۔

وَ ضَعُفَ اور ضعیف ہے یہ مثال۔ قاعدون غِلْمَانُهُ ای قامَ رجلٌ قاعدون غلمانُهُ یہ مثال ضعیف اس لئے ہے کہ جب فاعل اسم ظاہر آرہا ہو، چاہے مفرد ہو، تثنیه ہو یا جمع تو فعل ہمیشه مفرد لایا جا سکتا ہے۔ چونکه صفت بحالِ متعلقِهٖ بھی فعل کی طرح ہے۔ تو یہاں بھی "قاعدٌ" مفرد کا صیغه لانا چاہئے تھا۔ یعنی "قاعدٌ غِلمانُهُ" تو کہه سکتے ہیں اور "قاعدُونَ غلمانُهُ" نہیں کہه سکتے۔ صاحب کافیه‌رح نے یه فرمایا که یه ضعیف ہے اور یه نہیں فرمایا که یه جائز ہی نہیں۔

یاد رکھئے! فعل کے اندر "الف" یه تثنیه کی علامت بھی ہے اور فاعل بھی ہے۔ اسی طرح فعل کے اندر "واؤ" یه جمع کی علامت بھی ہے اور فاعل بھی ہے۔ جیسا که ضربا میں "الف" تثنیه کی علامت ہے اور فاعل بھی ہے۔ اور ضربوا میں "واؤ" جمع کی علامت بھی ہے اور فاعل بھی ہے۔ نیز یه "الف" اور "واؤ" ضمیریں ہیں۔ اور ضمیر کسی بھی حالت میں نہیں بدلتا چاہے حالت رفعی ہو، حالت نصبی ہو، یا حالت جرّی۔ لیکن اسم کے اندر جب "الف" آجائے تو یه تثنیه کی علامت ہوتی ہے جبکه ضمیر نہیں ہوتی۔ جیسا که رجلانِ میں یه الف تثنیه کی علامت ہے اور ضمیر نہیں۔ کیونکه حالت نصبی جرّی میں یه الف "یا" سے تبدیل ہوتا ہے۔ جیسا که رأیتُ رجلَیْنِ۔ اور اسی طرح مسلمونَ کے اندر یه واؤ جمع کی علامت تو ہے لیکن ضمیر نہیں۔ کیونکه یه حالت نصبی جرّی میں "یا" سے تبدیل ہوتا ہے جیسا که رأیتُ مسلمِیْنَ۔ پس اگر "الف" اور "واؤ" تثنیه اور جمع میں ضمیریں ہوتی تو پھر یه حالت نصبی اور جرّی میں نه بدلتے اور اپنے حالت پر رہتے۔ نیز اگر یه "الف" اور "واؤ" فاعل ہوتے تو پھر اسم مشتق میں آتے اور اسم جامد میں نه آتے۔

چنانچه یه "قاعدُونَ" ضعیف ہے۔ اگر فعل ہوتا تو ہم کہتے جائز ہی نہیں۔ یعنی "یقعدونَ غِلمانُهُ" جائز ہی نہیں۔ کیونکه یقعدونَ کے اندر "واؤ" بھی فاعل اور آگے "غلمانُهُ" بھی فاعل، اور ایک فعل کے لئے دو فاعل نہیں آسکتے۔ اور "غلمانُهُ" اگر چه جمع ہے لیکن اسم ظاہر ہے تو اس کے لئے فعل مفرد لانا پڑتا ہے،

اور یوں کہنا پڑتا ہے، "یقعدُ غلمانُہٗ"۔ تو پھر "قاعدُونَ غلمانُہٗ" میں بھی آپ کو کہنا چاہئے تھا کہ یہ جائز نہیں؟ لیکن آپ نے اسے ضعیف کہا۔ کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ صفت بحالِ متعلقِہٖ فعل کی طرح ہے۔ تو جب فعل کی طرح ہوا تو فعل کی صورت میں "یقعدونَ غلمانُہٗ" جائز ہی نہیں تو پھر "قاعدونَ غلمانہٗ" میں بھی کہنا چاہئے تھا کہ یہ جائز نہیں۔ لیکن آپ نے اسے صرف ضعیف قرار دے دیا۔ فرماتے ہیں کہ فرق ہے۔ ابھی بتلایا کہ فعل کے اندر "واؤ" فاعل ہوتا ہے جبکہ اسم فاعل کے اندر "واؤ" فاعل نہیں ہوتا بلکہ صرف جمع کی علامت ہوتی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ یہ صرف ضعیف ہے البتہ جائز ہے۔

وَ یَجُوزُ اور یہ جائز ہے۔ قُعودٌ غِلْمَانُہٗ ای قامَ رجلٌ قعودٌ غلمانُہٗ کہنا جائز ہے۔ قُعُود یہ بھی جمع ہے قاعدٌ کی لیکن یہ جمع مکَسَّر ہے۔ "قاعدُون" جمع مذکر سالِم تھی۔ جس میں مفرد "قاعد" کا وزن برقرار تھا۔ اور "قعودٌ" میں مفرد "قاعدٌ" کا وزن ٹوٹ گیا۔

یہاں پر سوال یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل مفرد لایا جاتا ہے۔ اور "یقعدونَ غلمانُہٗ" میں آپ فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہی نہیں۔ اور آپ نے فرمایا کہ یہ صفت بحالِ متعلقِہٖ فعل کی طرح ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی یہ کہنا چاہئے تھا کہ "قعودٌ غلمانُہٗ" جائز نہیں جس طرح "یقعدون غلمانہ" جائز نہیں۔ یا یوں کہنا چاہئے تھا کہ یہ "قاعدُونَ غلمانُہٗ" کی طرح ضعیف ہے۔ لیکن آپ اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ اسے جائز قراد دیتے ہیں؟

کہتے ہیں کہ یہ ضعیف نہیں، اس لئے کہ اس کی مُناسبت فعل سے ختم ہوئی۔ کیونکہ وزن ہی ہم نے توڑ دیا اور ایک نیا وزن بنا دیا۔ اور فعل کے اندر فعل کو توڑ کر نیا وزن نہیں بنایا جا سکتا۔ اُس فعل میں تعلیل وغیرہ تو کیا جاتا ہے لیکن اُس کو بالکل توڑ کر ایک نیا لفظ نہیں بنایا جاتا۔ تو یہ جمع مکسّر ہے اور جمع مکسّر گویا مفرد کے حکم میں ہے۔ اور جب مفرد کے حکم میں ہوا تو پھر یہ جائز ہوا۔ یہ اسی طرح ہے جس "قاعدٌ غلمانُہٗ" آپ نے کہا۔

وَالْمُضْمَرُ لَا یُوْصَفُ و لا یُوصَفُ بِہٖ اور ضمیر جو ہے نہ تو اُس کا وصف بیان کیا جاتا ہے اور نہ اُس کے ساتھ کسی کا وصف بیان کیا جاتا ہے۔ بتلانا یہ چاہتا ہے کہ ضمیر نہ موصوف بنتی ہے نہ صفت بنتی ہے۔ اس لئے کہ ضمیر تو معرفہ ہے۔ اور معرفہ کی صفت توضیح کے لئے لایا جاتا ہے۔ اور ضمیر تو "اعرفُ المعارَف" ہے۔ جیسا کہ "انا" متکلم کی ضمیر، انسان سب سے زیادہ اپنے نفس سے واقف ہوتا ہے۔ تو "انا" کے اندر کوئی دوسرا ابہام اور احتمال نہیں۔ اور صفت توضیح کے لئے لایا جاتا ہے۔ اور جب یہاں کوئی اور احتمال ہی نہیں تو صفت لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی طرح "انت" مخاطَب کی ضمیر۔ اور مخاطب تو انسان کے سامنے ہوتا ہے۔ اور جو سامنے ہوتا ہے اُسے انسان اچھی طرح پہچان لیتا ہے۔ لہٰذا وہاں بھی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اور غائب کی ضمیر وہ محمول ہے اسی مخاطَب اور متکلم کی ضمیر پر
-

تو لہٰذا ضمیر کی صفت نہیں لائی جاتی کیونکہ ضمیر نہایت واضح ہے۔ اسکی توضیح کی ضرورت نہیں۔ اور یہ ضمیر صفت بھی نہیں بنتی۔ کیونکہ صفت کی ابھی ہم نے تعریف پڑھی کہ صفت وہ تابع ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو متبوع یعنی موصوف میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ "جاءنِی زیدُ نِ العالمُ"۔ یہ العالمُ زید کی صفت ہے۔ اور یہ "العالم" صفت علم پر دلالت کرتا ہے اور یہ "علم" زید کے اندر پایا جاتا ہے۔ جبکہ ضمیر ایسا نہیں۔ ضمیر تو ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتی جو غیر میں پایا جائے۔ بلکہ یہ تو خود ذات پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا یہ صفت نہیں بن سکتی۔

درس 74۔ آنے والے متن کو سمجھنے سےپہلے ایک بات سمجھ لیں۔ بھئی آپ نے معرفة کی کئی اقسام پڑھی ہیں۔ یاد رکھو! اِن سب میں تعریف ایک درجے کے نہیں۔ بعض تعریف کے اندر اعلیٰ ہیں اور بعض تعریف کے اندر ادنیٰ ہیں۔ یعنی بعض کے اندر تعریف زیادہ ہیں اور بعض کے اندر تعریف کم ہیں۔

تو یاد رکھو! معرفوں کے اندر سب سے زیادہ تعریف ضمیروں میں ہیں۔ اور ضمیروں کے اندر پھر سب سے زیادہ تعریف متکلِّم کے ضمیر میں ہے۔ پھر اُس کے بعد مُخاطَبؔ کے ضمیر میں ہے اور پھر غائب کے ضمیر میں ہے۔ پھر اُس کے بعد دوسرا درجہ عَلَم کا ہے۔ عَلَم کے اندر تعریف ضمیروں سے کم ہوتی ہے لیکن معرفة کے جو باقی اقسام ہیں اُن سے زیادہ ہے۔ پھر تیسرے درجے پر تعریف اسم اشارہ کے اندر ہے۔ اور چوتھے درجے میں دو ہیں۔ ایک مُعَرَّف باللام اور ایک اسمِ موصول۔ یعنی "الرَّجُلُ اور الذی" دونوں کی تعریف برابر درجے کے ہیں۔

ایک اور معرفة وہ ہے جو اِن سب کی طرف مضاف ہو۔ جیسا کہ "غلامُهُ یا غلامِی" میں یہ "غلام" ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ اسی طرح "غلامُ زیدٍ" میں "غلام" زید یعنی عَلَم کی طرف مضاف ہے۔ اور "غلامُ هٰذا" میں "غلام" اسم اشارہ کی طرف مضاف ہے۔ یا "غلامُ الرَّجُلِ" میں "غلام" معرف باللام کی طرف مضاف ہے۔ یا "غلامُ الذی ضربَکَ: غلام اُس شخص کا جس نے آپ کی پٹھائی کی تھی۔" تو اس میں "غلام" اسم موصول کی طرف مضاف ہے۔ تو اِس معرفة کا کیا حکم ہے؟ یعنی یہ معرفة کس درجہ میں ہے۔ اوپر کے چار درجوں میں تو اس معرفة کا ذکر نہیں آیا۔ تو یاد رکھو! مُضاف اُسی درجے کا ہوگا جس درجے کا مضافٌ الیہ ہوگا۔ مضاف بھی مضافٌ الیہ سے تعریف اخذ کرتا ہے۔

غلامُهُ کے اندر غلام میں پہلے درجے کی تعریف ہے۔ یعنی جو درجہ ضمیر کا تھا وہی درجہ مضاف کا ہوا۔ غلامُ زیدٍ کے اندر غلام میں دوسرے درجے کی تعریف آگئی۔ کیونکہ عَلَم دوسرے درجہ کا معرفة ہے۔ "غلامُ هٰذا" میں غلام میں تیسرے درجے کی تعریف آگئی۔ کیونکہ اسم اشارہ تیسرے درجے کا معرفه ہے۔ "غلامُ الرجلِ" میں غلام میں چوتھے درجے کی تعریف آگئی۔ کیونکہ معرف باللام چوتھے درجے کا معرفه ہوتا ہے۔ یا "غلامُ الذی ضربَکَ" میں غلام کی اضافت اسم موصول کی طرف ہے۔ تو اس نے اسم موصول سے چوتھے درجے کی تعریف اخذ کی۔

تو خلاصہ یہ کہ مضاف اپنے مضافٌ الیہ سے تعریف اخذ کرتا ہے اور مضاف کے اندر اُسی درجے کی تعریف آجاتی ہے جو مضافٌ الیہ کے اندر ہو۔

اب اِن سے ضمیریں تو نکل گئی۔ کیونکہ ضمیر نہ موصوف بنا کرتی ہے اور نہ ہی صفت بنا کرتی ہے۔ باقی رہ گیا، عَلَم، اسم اشارہ، اسم موصول اور معرف باللام اور اِن میں سے کسی ایک کی طرف مضاف۔ اور اگر ضمیر کی طرف مضاف ہو تو وہ بھی آگیا۔ اب اِن کا کیا حکم، اور اسکی صفت کس درجے کی آسکتی ہیں۔ کون کس کے لئے صفت بن سکتا ہے؟

دیکھو! موصوف جب معرفہ ہو تو صفت بھی معرفۃ لانا ہوگا۔ تو صفت کس درجہ کی لا سکتے ہوں؟ صاحب کافیہؒ اب ضابطہ بتلا دینا چاہتا ہے۔ صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ

وَ الْمَوْصُوفُ اَخَصُّ اَوْ مُساوٍ کہ موصوف صفت سے اخصّ ہوگا یا صفت کے برابر ہوگا تعریف میں۔ یعنی موصوف اپنے صفت سے تعریف کے اندر اخصّ ہوگا یا برابر ہوگا۔ یعنی موصوف کی تعریف اپنے صفت سے اعلیٰ ہونی چاہئے یا کم از کم برابر ہونی چاہئے۔ کیونکہ موصوف اور صفت میں سے اصل موصوف ہوتا ہے۔ اور صفت تابع ہے۔ اور اصل کو اعلیٰ ہونا چاہیے تعریف میں تابع سے۔ اگر اعلیٰ نہیں تو کم از کم برابر ہونا چاہئے اُس سے ادنیٰ نہیں ہونا چاہئے۔ و مِن ثَم اور اسی وجہ سے لَمْ يُوصَفْ ذواللامِ موصوف نہیں کیا جاتا ذو اللام کو۔ یعنی معرف باللام کو موصوف نہیں کیا جاتا۔ اِلّا بِمِثْلِهِ مگر اُسی کے مثل کے ساتھ۔ ذو اللام کے مثل خود ذواللام بھی ہے اور اسم موصول بھی ہے۔

چونکہ معرف باللام چوتھے درجے کا معرفہ ہے، تو لہٰذا جب معرف باللام موصوف بن جائے تو اسکی صفت معرف باللام ہی آسکتا ہے نیز اسم موصول بھی معرف باللام کے لئے صفت بن سکتا ہے کیونکہ اسم موصول بھی چوتھے درجے کا ہے، اور اسم اشارہ یا علم اسکی صفت نہیں آسکتی۔ اور اگر کوئی اسم معرف باللام یا اسم موصول کی طرف مضاف ہو تو وہ بھی معرف باللام کی صفت بن سکتی ہے۔

تو "الرجل" کی صفت معرف باللام بھی آسکتی ہے۔ یعنی کہ "الرجلُ العالمُ"۔ نیز اسم موصول بھی "الرجل" کی صفت آسکتی ہے۔ یعنی کہ " الرجلُ الذی ضربَکَ"۔ اس میں "الرجل" موصوف اور "الذی ضربک" اسکی صفت۔ نیز جب کوئی اسم معرف باللام کی طرف مضاف ہو تو وہ بھی "الرجل" کی صفت بن سکتی ہے، کیونکہ یہ مضاف بھی چوتھے درجے کا معرف ہوا۔ جیسا کہ "الرجلُ صاحبُ الفَرَسِ": "الرجل" موصوف اور "صاحبُ الفرس" اُسکی صفت۔ نیز اسی طرح اگر کوئی اسم اسم موصول کی طرف مضاف ہو جائے تو وہ بھی چوتھے درجے کا معرفۃ بن جاتا ہے۔ اور پھر وہ "الرجل" کے لئے صفت بن سکتا ہے۔ جیسا کہ " الرجلُ غلامُ الذی ضربَکَ" تو یہ "الرجل" موصوف اور "غلام الذی ضربکَ" اُسکی صفت۔

خلاصہ یہ کہ معرف باللام کی صفت چار قسم کے لفظ آسکتے ہیں۔ اوّل معرف باللام ہی آسکتا ہے اور معرف باللام کی طرف جو مضاف ہو وہ بھی آسکتا ہے۔ اسم موصول بھی آسکتا ہے اور اسم موصول کی طرف جو مضاف ہو وہ بھی آسکتا ہے۔

اَوْ بِالْمُضَافِ اِلٰی مِثْلِهٖ اور موصوف نہیں کیا جائے گا معرف باللام کو مگر وہ جو مضاف ہو اسکے مثل کی طرف۔ یعنی جو ذواللام کی طرف مضاف ہو یا اسم موصول کی طرف مضاف ہو تو وہ معرف باللام کے لئے صفت بن سکتے ہیں۔ جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔

یا ذو اللام سے مراد "معرّف باللام" نہ لے، بلکہ جس پر "الف لام" آئے وہ مراد لے لیں۔ جیسا کہ "الرجل" پر بھی الف لام آیا ہے اور "الذی" پر بھی الف لام آیا ہے۔ الرجل میں الف لام نے تعریف کا فائدہ دیا لیکن الذی میں الف لام نے تعریف کا فائدہ نہیں دیا اور یہ الف لام زائد ہے۔ کیونکہ اسم موصول پہلے سے معرفۃ ہے۔ تو ذواللام کی صفت یا تو ذواللام آئیگی اور یا جو ذواللام کی طرف مضاف ہو وہ ذواللام کی صفت آئیگی۔

یہ صاحب کافیہؒ پر ایک اشکال ہوتا ہے اُس کا جواب ذکر کر رہے ہیں۔ صاحب کافیہؒ نے فرمایا کہ موصوف کی تعریف صفت سے اعلیٰ ہوگی یا کم از کم صفت کے برابر ہوگی۔ معلوم ہوا جو اُسی کے درجے کا ہے وہ بھی اُس کے لئے صفت بن سکتا ہے اور جو اُسی سے نچلے درجے کا ہے وہ بھی اُسی کا صفت بن سکتا ہے۔ تو لہٰذا ضابطہ کے مطابق اسم اشارہ کی صفت چھ قسم کی چیزیں بننی چاہئے۔ اسم اشارہ تیسرے درجے کا ہے۔ تو جو تیسرے درجے میں ہیں وہ بھی اس کے صفت بن سکتے ہیں۔ اور چوتھے درجے میں جو ہیں وہ بھی اسم اشارہ کے لئے صفت بن سکتے ہیں۔

پس تعریف کے مطابق اسم اشارہ بھی اسم اشارہ کا صفت بن سکتا ہے۔ اور جو اسم اشارہ کی طرف مضاف ہو وہ بھی اسم اشارہ کا صفت بن سکتے ہیں۔ معرف باللام بھی اسم اشارہ کا صفت بننا چاہئے اور جو معرف باللام کی طرف مضاف ہو وہ بھی اسم اشارہ کا صفت بننا چاہئے۔ اسم موصول کو بھی اسم اشارہ کا صفت بننا چاہئے اور جو اسم موصول کی طرف مضاف ہو اُسے بھی اسم اشارہ کا صفت بننا چاہئے۔ تو یہ کُل چھ چیزیں ہو گئیں جسے اسم اشارہ کا صفت بننا چاہئے۔

لیکن آپ نحوی حضراتؒ فرماتے ہیں کہ اسم اشارہ کی صفت صرف معرف باللام آسکتا ہے یا اسم موصول آسکتا ہے۔ اور چھ میں سے باقی چار اسم اشارہ کی صفت نہیں آسکتے۔ یعنی اسم اشارہ کی صفت اسم اشارہ بھی نہیں آسکتا، اور جو اسم اشارہ کی طرف مضاف ہو وہ بھی اسم اشارہ کی صفت نہیں آسکتا۔ جو معرف باللام کی طرف مضاف ہو وہ بھی اسم اشارہ کی صفت نہیں آسکتا اور جو اسم موصول کی طرف مضاف ہو وہ بھی اسم اشارہ کی صفت نہیں آسکتا۔ تو آپ فرمائیں کہ اسکی کیا وجہ ہے؟ تو صاحب کافیہؒ اِس کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

وَ اِنَّمَا الْتُزِمَ اور التزام کیا گیا ہے وَصْفُ بَابِ هٰذا بابِ ھٰذا کا وصف بیان کرنا۔ بابِ ھٰذا سے مراد اسم اشارہ کا باب ہے۔ بذی اللام ذواللام کے ساتھ۔ یعنی بابِ ھٰذا کا وصف ذواللام کے ساتھ بیان کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔ ذواللام سے مراد معرف باللام اور اسم موصول دونوں ہیں۔صاحب کافیہؒ نے صرف "معرف باللا" کو ذکر کیا اور اسم موصول کو ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ جب اسم موصول اپنے صله سے ملتا ہے تو وہ معرف باللام کی حکم میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ "الذی ضربَ" یہ "الضارب" کے معنیٰ میں ہے۔ تو دیکھو! موصول اپنے صله کے ساتھ ملکر معرف باللام کے معنیٰ میں ہوا۔ پس اسم موصول بھی معرف باللام میں داخل ہو گیا۔ "بذی اللام" جار مجرور کو متعلق کرو "وصف" کے ساتھ۔ لِلْاِبْـهَامِ بوجه اِبْہام کے۔ کیونکه اسم اشارہ کے اندر ابہام ہوتا ہے۔

یعنی اسم اشارہ کے اندر ابہام کی وجه سے ہم نے یه حکم لگا دیا ورنه چھ کے چھ جائز ہونا چاہئے تھا۔ تو اسم اشارہ تقاضا کر رہا ہے که اس کے ابہام کو دور کیا جائے جنس بیان کرنے کے ساتھ۔ بھئی "ھٰذا" کے ذریعے تو ہر چیز کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ھٰذا کے ذریعے میں دیوار کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، ھٰذا کے ذریعے میں کتاب کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، ھٰذا کے ذریعے میں انسان کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہوں، تو کیا صرف ھٰذا کہنے سے جنس کا تَعَیُّنْ ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب نہیں میں ہے۔ یعنی ھٰذا کہنے سے جنس کا پته نہیں چلتا۔

پس ھٰذا کے اندر ابہام ہوتا ہے۔ جنس کا پته نہیں چلتا، تو یه چاہتا ہے که میرا کوئی ایسی صفت آئے جو میرے اس ابہام کو دور کر دے اور جنس کو بیان کر دے۔ اور اُن چھ چیزوں میں سے جو اِس "ھٰذا" کے ابہام کو دور کرے اور جس کے ذریعے جنس بیان ہو جائے اُس کو ھٰذا کی صفت بنانا جائز اور باقیوں کو صفت بنانا جائز نہیں۔ اور اُن چھ میں سے صرف معرَّف باللام کے ذریعے اور اسم موصول کے ذریعے ھٰذا کے جنس کو بیان کیا جا سکتا ہے۔

باقیوں کے ذریعے! کہتے ہیں ابہام دور ہی نہیں ہوتا۔ جب ابہام ہی دور نہیں ہوتا تو پھر اُن کو صفت بنانا بھی جائز نہیں۔ باقی چار کے ذریعے ابہام کیوں دور نہیں ہوتا۔ ذرا دیکھئے اُن چار میں۔

1۔ جب اسم اشارہ کی صفت اسم اشارہ لایا جائے۔ تو اسم اشارہ میں تو ابہام ہے لہٰذا ابہام دور نہیں ہوا۔

2۔ وہ جو اسم اشارہ کی طرف مضاف ہو، اُس کو اسم اشارہ کی صفت لائے۔ بھئی جو مضاف ہے اُس نے تو خود تعریف اسم اشارہ سے اخذ کی ہے، تو وہ خود محتاج ہے دوسرے سے تعریف مانگتا ہے۔ تو اِس کے ذریعے اسم اشارہ کے ابہام کو دور نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا جو مضاف ہو اسم اشارہ کی طرف اُس کو بھی اسم اشارہ کی صفت بنانا صحیح نہیں۔

3۔ اسی طرح وہ جو معرف باللام کی طرف مضاف ہو، وہ بھی اسم اشارہ کی صفت نہیں بنایا جا سکتا۔ کیونکه اُس نے تو خود اپنا تعریف معرَّف باللام سے اخذ کی ہے تو اِس سے بھی اسم اشارہ کے ابہام کو دور

نہیں کیا جس سکتا۔ جیسا کہ، "غلام" کے اندر ابہام تھا۔ آگے "الرجل" نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔ تو "غلامُ الرجلِ" میں غلام کے ابہام کو دوسرے نے دور کر دیا۔ جب اسکے ابہام کو خود دوسرے نے دور کیا تو یہ خود اسم اشارہ کے ابہام کو کیسے دور کریگا۔

4۔ اسی طرح جو اسم موصول کی طرف مضاف ہے وہ بھی اسم اشارہ کی صفت نہیں بنا سکتے۔ کیونکہ اس مضاف نے خود اپنا ابہام دوسرے کے ذریعے دور کیا ہے تو یہ اسم اشارہ کے ابہام کو کیسے دور کریگا۔

و مِن ثَم اور اسی وجہ سے **ضَعُفَ** ضعیف ہے یہ آنے والا ترکیب **مررتُ بهذَا الْاَبْـيَـضِ** ترکیب۔ مررتُ فعل با فاعل، با جارّہ هٰذا اسم اشارہ موصوف، الابیض اُسکی صفت، تو اسم اشارہ کی صفت معرَّف باللام آئی۔ **و حَسُنَ** اور اچھی ہے یہ آنے والا ترکیب **بِهٰذَا الْعَالِمِ** ای مررتُ بِهٰذا العالِم۔ ترکیب۔ مررتُ فعل با فاعل، با جارّہ هٰذا اسم اشارہ موصوف، العالِم اُسکی صفت، تو هٰذا اسم اشارہ ہے اور اُسکی صفت معرَّف باللام آئی۔ تو معرَّف باللام اسم اشارہ کی صفت لانا جائز ہے۔ تو لہٰذا یہ دونوں ترکیبیں جائز ہوئی۔ البتہ پھر بھی اِن دونوں ترکیبوں میں فرق ہے۔ پہلی ترکیب ضعیف ہے۔ اور دوسرا کلام بغیر ضعف کے صحیح ہے۔

اب اسکی کیا وجہ کہ ایک ترکیب ضعیف ہے اور دوسرا ترکیب اچھی ہے۔ ہم نے کہا تھا کہ معرّف باللام اسم اشارہ کی صفت اس لئے لاتے ہیں تا کہ اسم اشارہ کے اندر جو ابہام ہوتا ہے وہ دور ہو جائے۔ تو معرّف باللام آکر اسم اشارہ کی جنس بیان کرتا ہے اور اس کی ابہام کو دور کر دیتا ہے۔ تو لہٰذا اگر اسم اشارہ کی صفت ایسا معرَّف باللام آئے جو اسم اشارہ کی جنس کی تعیین کر دے، تو یہ تو ٹھیک ہے۔ اگر ایسا معرَّف باللام آئے جو جنس کی تعیین ہی نہیں کر رہا، تو پھر ایسا کلام ضعیف ہوگا۔

تو دیکھو! پہلی مثال میں اسم اشارہ کی صفت "اَلْاَبْیَضُ" آئی، اور اسکا معنیٰ ہے "سفید"۔ اور اس سے جنس کی کوئی تعیین نہیں ہوئی۔ سفید تو کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے۔ سفید تو بستہ بھی ہو سکتا ہے، سفید تو دیوار بھی ہو سکتی ہے، سفید تو حیوان بھی ہو سکتا ہے وغیرہ۔ اور اسم اشارہ تو تقاضا کر رہا تو اکہ اسے کے ابہام کو دور کر دیا جائے اور جنس کو بیان کیا جائے۔ اور الابیض نے جنس بیان نہیں کیا۔ تو لہٰذا "مررتُ بهٰذا الابیضِ" یہ ترکیب ضعیف ہے۔ اور "مررتُ بهٰذا العالِمِ" یہ ترکیب صحیح ہے۔ کیونکہ العالِم نے آکر اسم اشارہ کے ابہام کو دور کر دیا اور جنس بیان کر دی کہ یہ جو مشارٌ الیہ ہے یہ انسان کی جنس میں سے ہے۔ کیونکہ علم "انسان" کے پاس ہوتا ہے۔ اور پھر یہ بھی متعیّن کر دیا کہ انسانوں میں سے "رجل" میں سے ہے۔

درس 75۔ **العطفُ تابعٌ** عطف وہ تابع ہے۔ اس سے مراد معطوف بالحرف ہے۔ **مقصودٌ بالنسبةِ** جو مقصود ہو نسبت کے ساتھ۔ **مَعَ مَتْبُوعِہٖ** ساتھ اپنے متبوع کے۔ یعنی تابع بھی مقصود بالنسبة ہوتا

ہے اور متبوع بھی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے۔ تو اس تعریف کے ذریعے باقی چاروں توابع خارج ہوئے۔ تو یہ جامع مانع تعریف ہوئي۔ جس کی وضاحت نیچے دی گئی ہے۔

معطوف بالحرف کے علاوہ باقی توابع چار ہیں۔ یعنی کہ صفت، تاکید، بدل اور عطف بیان۔

تو دیکھئے! صفت تابع ہے اور متبوع موصوف ہے۔ تو اِن میں موصوف مقصود ہوا کرتا ہے اور صفت تو وضاحت وغیرہ کے لئے آتی ہے۔ تو اس میں موصوف مقصود بالنسبۃ ہو گیا۔ اب بدل اور مبدل منہُ کو دیکھئے۔ تو ان میں بدل مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اور مبدل منہ کو ویسے تمہید کے طور پر ذکر کر دیتا ہے۔ اب آئیں مؤکد تاکید کی طرف۔ مثلاً جاءنِی القومُ کُلُّھُم۔ اس میں قوم "مؤکد" ہے اور "کلھم" اُسکی تاکید۔ تو اس میں "قوم" یعنی مؤکَّد مقصود بالنسبۃ ہے نہ کہ تاکید۔ آگے عطفِ بیان آیا۔مثلاً جاءنِی ابُو حفصٍ عمرُ رض ۔ آئے میرے پاس ابو حفص یعنی کہ عمر رض۔ تو عمر رض کی لفظ نے آکر ابو حفص کی وضاحت کر دی۔ تو یہ "ابو حفص" معطوفٌ علیہ ہے اور "عمر رض" یہ عطفِ بیان ہے۔ اس میں مقصود بالنسبۃ "ابو حفص" ہے۔ اور عمر رض کو صرف وضاحت کے لئے لایا گیا۔

تو دیکھا آپ نے جتنے بھی توابع پڑھے اُن میں سے یا تو صرف تابع مقصود بالنسبۃ ہوا کرتا ہے یا صرف متبوع مقصود بالنسبۃ ہوا کرتا ہے۔ متبوع مقصود بالنسبۃ ہوگا صفت کے اندر بھی، تاکید کے اندر بھی اور عطفِ بیان کے اندر بھی۔ اور تابع مقصود بالنسبۃ ہوگا بدل کے اندر۔

لیکن عطف کے اندر تابع بھی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اور متبوع بھی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے۔ لہٰذا صاحب کافیہ رح نے تعریف ایسے کی جس نے باقی سارے توابع کو خارج کر دیا۔

آگے صاحب کافیہ رح اس کی شرط بیان فرما رہے ہیں۔ **وَ یَتَوَسَّطُ** کہ درمیان میں آئے **بینَہُ و بینَ متبوعِہٖ** تابع اور متبوع کے درمیان **احدُ الْحُروفِ الْعَشَرَۃِ** دس حروف میں سے کوئی ایک حرف۔ عطف کے دس حروف ہیں۔ یعنی معطوفٌ علیہ اور معطوف بحرف کے درمیان دس حروف میں سے کوئی ایک حرف آئے گا۔ **و سَیَأتِیْ** اور وہ دس حروف عنقریب آجائیں گی حروف کی بحث میں ان شاء اللہُ تعالیٰ۔ **مثلُ قام زیدٌ و عمرٌو** کھڑا ہوا زید اور عمرو۔ تو دیکھا! عمرٌو کا عطف زید پر ہو رہا ہے۔ تو زید معطوفٌ علیہ ہے او عمرٌو معطوف ہے۔ اور دونوں کے درمیان ایک حرفِ عطف ہے۔

و اذا عُطِفَ عَلَی الْمَرفُوعِ الْمُتَّصِلِ اُکِّدَ بِمُنْفَصِلٍ ای وَ اِذَا عُطِفَ عَلَی الْمُضمَرِ الْمَرْفُوْعِ المُتَّصِلِ اُکِّدَ بِمُنْفَصِلٍ ۔ مرفوع سے مراد ضمیر ہے تو المضمر موصوف محذوف نکال دے۔ اور جب عطف کیا جائے ضمیر مرفوع متصل پر تو اِسکی تاکید لائی جائے گی ضمیر منفصل کے ساتھ۔ **مثلُ ضربتُ انا و زیدٌ**

دیکھو! میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ میں نے بھی پٹھائی کی اور زید نے بھی پٹھائی کی۔ تو میں کہوں گا، "ضربتُ" اب ضربتُ میں یہ "تا" ضمیر، ضمیر مرفوع متصل ہے اور فاعل کی ضمیر ہے۔ اب اس پر میں

عطف کرنا چاہتا ہوں زید کا۔ تو "زید" کا اس پر عطف کرنا صحیح نہیں۔ یعنی "ضربتُ و زیدٌ" یہ کہنا صحیح نہیں۔ یہ صحیح اس لئے نہیں کہ ضمیر مرفوع متصل جُزِ کلمہ کی طرح ہے لفظوں کے اعتبار سے بھی اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی۔ اور جُزِ کلمہ پر تو عطف کرنا صحیح نہیں۔ تو یہاں "ضربتُ و زیدٌ" میں زید کا عطف "تا" ضمیر پر کر رہا ہوں۔ اور تا ضمیر تو جز کلمہ کی طرح ہے لفظوں کے اعتبار سے بھی اور معنیٰ کے لحاظ سے بھی۔

لفظوں کے اعتبار سے جُزِ کلمہ اس طرح ہے کہ ضمیر مرفوع متصل اکیلی نہیں رہ سکتی۔ ضربتُ کی "تا" ضمیر کبھی اکیلے نہیں آسکتی۔ اسی طرح ضربا کی "الف" ضمیر کبھی اکیلے نہیں آسکتی۔ وغیرہ

معنیٰ کے اعتبار سے بھی یہ جُزِ کلمہ کی طرح اس طرح ہے کہ یہ فعل کے لئے فاعل ہے۔ اور فعل فاعل کے ساتھ مل کر پورا ہوتا ہے۔

تو جب یہ ضمیر مرفوع متصل جز کلمہ کی طرح ہوا، تو جُزِ کلمہ پر تو اسم کا عطف کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ لفظِ زید کا "دال"۔ یہ "دال" زید کے لئے جز کلمہ ہے اور اس پر تو عطف نہیں کیا جا سکتا۔ تو جب مرفوع متصل پر عطف کرنا جائز نہیں تو پھر اس صورت میں اِس ضمیر کی تاکید لاتے ہیں ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ۔ اور یوں کہیں گے، ضربتُ انا و زیدٌ۔ اس میں ضربتُ فعل با فاعل ہے۔ "تا" ضمیر ہے مؤکد اور "انا" ضمیر اسکی تاکید ہے۔ اور اس تاکید کی وجہ سے اب "تا" ضمیر کے اندر قوّت آگئی۔ اب اس "تا" ضمیر پر عطف کرنا صحیح ہوا۔ اور یہ نہ کہنا کہ زیدٌ کا عطف "انا" ضمیر پر ہے، بلکہ زیدٌ کا عطف "تا یعنی تُوٌّ" ضمیر پر ہے۔

"انا" ضمیر پر عطف اس لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ "انا" ضمیر تو تاکید ہے، اور آگے صاحب کافیہ ضابطہ بتلائیں گے کہ معطوف، معطوف علیہِ کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔ تو جب آپ زید کا عطف "انا" ضمیر پر کریں گے، تو "انا" ضمیر تو تاکید ہے اور پھر زید بھی تاکید بن جائے گا۔ اور یہ تو صحیح نہیں۔ تو لہٰذا زیدٌ کا عطف ضربتُ کی "تُوٌّ" ضمیر پر ہے۔

آپ نے پڑھا ہے کہ ضمیر تین قسم پر ہے۔ یا مرفوع ہوگی، یا منصوب ہوگی یا مجرور ہوگی۔ پھر یہ جو مرفوع ہے یہ دو قسم پر ہے۔ یا متّصل ہوگی یا منفصل ہوگی۔ ضمیر مرفوع متّصِل صرف فعل کے ساتھ آئے گی۔ جیسا کہ ضربَ میں ھوَ ضمی، ضربتُ میں "تا" ضمیر، وغیرہ ضمیر مرفوع متصل ہے۔ مرفوع اس لئے کیونکہ یہ فاعل ہے۔ اور ایک قسم ہے ضمیر مرفوع منفصل یعنی، "انا، نحنُ، انتَ، انتما، انتم، انتِ، انتما، انْتُنَّ، ھُو، ھما، ھم، ھی، ھما، ھنَّ"۔ یعنی مقامِ رفع میں الگ لانا ہو تو پھر یہ ضمیر لائیں گے۔ مثلاً "انا قائمٌ"۔ نصب والے مقام میں منصوب ضمیر لایا جائے گا۔ اور جرّ والے مقام میں مجرور ضمیر لایا جائے گا۔

اسی طرح منصوب بھی دو قسم پر ہے۔ یا منصوب متّصل ہوگی یا منصوب منفصل ہوگی۔ جیسے "ضَرَبْتُکَ" میں یہ کاف ضمیر، ضمیر منصوب متصل کی ہے۔ کیونکہ یہ ترکیب کے اندر مفعول بنتا ہے۔

اسی طرح اِنَّکَ میں اِنَّ کے ساتھ ضمیر ملی ہوئی ہے۔ اور یہ ضمیر متصل ہے۔ اور اِنَّ کا اسم منصوب ہوا کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہ ضمیر منصوب متصل ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ضمیر منصوب متصل فعل کےساتھ بھی ملتی ہے اور حرف کے ساتھ بھی ملتی ہے۔

اور ضمیر منصوب منفصل، " اِیَّایَ، اِیَّانَ، اِیَّاکَ، اِیَّاکِ، اِیَّاکُمْ، اِیَّاکُمَا، اِیَّاکُما، اِیَّاکُنَّ، اِیَّاہُ، اِیَّاھما، اِیَّاھم، اِیَّاھَا، اِیَّاھُما، اِیَّاھُنَّ" یہ ہیں۔ اور جب ضمیر کو عامل سے الگ ذکر کرنا ہو اور وہ نصب کا مقام ہو تو پھر اِن کو الگ لایا جاتا ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید میں آیا ہے، " اِیَّاکَ نَعْبُدُ"۔ اصل میں یوں ہونا چاہئے تھا، "نَعْبُدُکَ": اے اللہ ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں۔ تو نَعْبُدُ کے اندر نحنُ ضمیر فاعل کی ہوئی اور یہ کاف ضمیر مفعول بہ کا ہوا۔ تو یہ "کاف" ضمیر منصوب متصل ہے۔ پھر اس ضمیر کو حَصَر پیدا کرنے کے لئے نَعْبُدُ پر مقدَّم کر دیا گیا۔ اور جب مقدَّم کیا تو اب متصل نہیں لایا جا سکتا، تو ضمیر منفصل ہوگی۔ اور جب ضمیر منفصل ہو گئی تو پھر ضمیر منصوب منفصل لائیں گے۔ کیونکہ مفعول منصوب ہوتی ہے۔ اور "کاف" ضمیر کے مطابق ضمیر منصوب متصل " اِیَّاکَ" ہے۔ تو یوں کہا، " اِیَّاکَ نَعْبُدُ": اے اللہ ہم تیرے ہی عبادت کرتے ہیں۔ دیکھا! عبادت کو بند کر دیا گیا، ذاتِ باری تعالیٰ کے اندر۔ یہ حصر کا فائدہ تقدیم نے دیا۔ نَعْبُدُکَ میں غیر کی نفی نہیں تھی۔ اور اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں غیر کی نفی ہے۔

اور ایک ہے ضمیر مجرور۔ ضمیر مجرور صرف متّصل آتی ہے اور منفصل نہیں آتی۔

تو صاحب کافیہؒ اِن میں سے فرماتے ہیں کہ جب عطف کیا جائے ضمیر مرفوع متَّصل پر۔ اور ضمیر مرفوع متّصل صرف فعل کے ساتھ آتی ہے۔ تو اُسکی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائی جائے گی۔ اور یہ ضمیر منفصل مرفوع ہوگی۔ کیونکہ مرفوع ضمیر کی تاکید بھی مرفوع لائی جاسکتی ہے۔

اِلّا اَنْ یَقَعَ فَصْلٌ مگر یہ کہ فصل واقع ہو جائے۔ **فَیَجُوزُ تَرْکُہُ** تو ترک کرنا بھی جائز ہے۔ یعنی ضمیر منفصل لانا بھی جائز اور ترک کرنا بھی جائز۔ **مثلُ ضربتُ الیومَ و زیدٌ** اب یہاں دیکھئے، زیدٌ کا عطف ضربتُ کے اندر "تُوٌّ" ضمیر پر ہو رہا ہے۔ اور وہ تو ضمیر مرفوع متصل ہے۔ اور جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیا جائے تو تاکید کا لانا ضروری تھا۔ لیکن یہاں پر فصل "الیومَ" مفعول فیہ آگیا۔ تو اس فصل کی وجہ سے تاکید کا لانا ضروری نہیں۔ لہٰذا "ضربتُ الیومَ و زیدٌ" کہنا جائز ہوا، اور یہ بھی جائز "ضربتُ انَا الْیَومَ و زیدٌ"۔ یعنی تاکید کے ساتھ لانا بھی جائز اور بغیر تاکید کے بھی جائز۔ اور تاکید کو حذف کرنا اس لئے جائز قرار دیا کہ درمیان میں فصل آنے کی وجہ سے کلام لمبا ہو گیا۔ پس بہتر یہ ہے کہ اب کلام کو مختصر کیا جائے اور "انا ضمیر یعنی تاکید" کو حذف کیا جائے۔

خلاصہ: معلوم ہوا کہ ضمیر مرفوع متّصل پر عطف کرنے کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ یا تو فصل کا ہونا ضروری ہے یا تاکید کا لانا ضروری ہے۔ اگر فصل نہیں تو تاکید کا لانا ضروری ہے۔ اور اگر فصل ہے تو تاکید کو چھوڑ بھی سکتے ہیں۔

و اذا عُطِفَ اور جب عطف کیا جائے۔ **عَلَی الضَّمِیْرِ الْمَجْرُوْرِ** ضمیر مجرور پر **اُعِیْدَ الخَافِضُ** تو اعادہ کیا جائے گا "جرّ" دینے والے کا، یعنی وہ عامل جو جرّ دیتا ہے اُس کا اِعادہ کیا جائے گا۔ **نحو مررت بک و بزیدٍ** مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں، میں آپ پر اور زید پر گزرا۔ اگر میں یہ کہتا، "میں آپ پر گزرا، تو میں "مررتُ بِکَ" کہوں گا۔ اب میں اس "کاف" ضمیر مجرور پر "زید" کا عطف کرنا چاہتا ہوں۔ اور ضمیر مجرور بھی جُزِ کلمہ کی طرح ہوتی ہے۔ کیونکہ ضمیر مجرور صرف متَّصل آتی ہے۔ تو یہ مجرور ہوگی یا مضافٌ الیہ ہونے کی وجہ سے یا حرف جرّ داخل ہونے کی وجہ سے۔

تو اب یہ ضمیر مجرور جُزِ کلمہ کی طرح ہے اور جُزِ کلمہ پر تو عطف جائز نہیں۔ اور ہم اس پر عطف کرنا چاہتے ہیں۔ تو پھر ایک صورت یہ تھی کہ اُس ضمیر متصل کی تاکید لائی جائے ضمیر منفصل کے ساتھ۔ اور ضمیر مجرور منفصل تو کوئی ہے ہی نہیں۔ لہٰذا اب ایک ہی صورت رہ گئی، اور وہ یہ ہے کہ وہی عامل جو اِس ضمیر پر داخل ہوا ہے اُس عامل کو دوبارہ لایا جائے۔ اور "بِکَ" میں کاف ضمیر کو "با" نے جرّ دیا، تو یہی "با" اب زید پر بھی داخل ہوگا۔ اور یوں کہیں گے، مررتُ بکَ و بِزَیدٍ۔

چاہے جرّ دینے والا اسم ہو تو پھر بھی اُس اسم کا اعادہ کیا جائے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "المالُ بَیْنِی و بینَ زیدٍ"۔ تو زید کا میں عطف کرنا چاہتا تھا بینِی کے ساتھ جو یائے متکلم ہے اس پر۔ تو "یا ضمیر متکلم" کو جرّ بَیْنَ اسم نے دے دیا۔ تو اس بینَ اسم کو زید پر بھی لایا جائے گا۔

بھئی یاد رکھو! یہ علمائے بصرہ کا مذہب ہے۔ اُن کے نزدیک بغیر اعادہ خافض کے ضمیر مجرور متصل پر عطف قبیح ہے۔ البتہ علمائے کوفہ فرماتے ہیں جائز ہے۔ علماءِ بصرہ فرماتے ہیں کہ بغیر اعادہ خافض کے عطف تو کر سکتے ہیں لیکن نا پسندیدہ ہے۔ اور علماءِ کوفہؒ کے نزدیک بغیر قبح کے بھی جائز ہے۔ مثال جیسا کہ، "صلّی اللّٰہُ علیهِ و آلِهٖ وسلَّم"۔ یہاں "علیه" میں علیٰ "ھا" ضمیر پر داخل ہوا جو کہ ضمیر مجرور متَّصِل ہے۔ اور آگے آلِهٖ میں "آل" کا عطف مجرور متّصل پر ہو رہا ہے، اور یہ عطف بغیر اعادہ خافض کے ہوا۔ یعنی "علیٰ" دوبارہ نہیں آیا۔

وَ الْمَعْطُوفُ فی حُکمِ المعطوفِ علیه اور معطوف، معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ حرف عطف سے پہلے والا معطوفٌ علیہ کہلاتا ہے۔ اور حرف عطف کے بعد والا معطوف کہلاتا ہے۔ معطوفٌ علیہ: اُس پر عطف کیا گیا ہے۔ یعنی اگر معطوفٌ علیہ فاعل تھا تو معطوف بھی فاعل ہوگا۔ اگر معطوفٌ علیہ مفعول ہو تو معطوف بھی مفعول ہوگا اور اگر معطوفٌ علیہ خبر ہو تو معطوف بھی خبر ہوگا وغیرہ۔

جیسا کہ جاءنِی زیدٌ و عمرٌو۔ زید جاءَ کے لئے فاعل بن رہا ہے۔ اور عمرٌو کا عطف زید پر ہوا تو یہ عمرٌو بھی جاءَ کے لئے فاعل بن رہا ہے۔ اور ضربتُ زیدًا و عمرًوا، میں زیدًا یہ مفعول بہٖ بن رہا ہے ضربتُ فعل کے لئے، اور عمرًوا کا عطف زیدًا پر ہو رہا ہے تو یہ عمرًوا بھی مفعول بنے گا ضربتُ فعل کے لئے۔

وَ مِنۡ ثَمَّ اور اسی وجہ سے لم یَجُزۡ جائز نہیں ہے فی ای فی ھٰذَا الکلامُ اس کلام کے اندر یعنی ما زیدٌ بِقائمٍ اَو قائمًا و لا ذاھبٌ عمرٌو جائز نہیں مگر اس کے اندر "ذاھبٌ" پر صرف رفع جائز ہے۔ ما زیدٌ بِقائمٍ اَو قائمًا و لا ذاھبٌ عمرٌو یہ دو مثالیں ہیں جو صاحب کافیہ نے اکھٹے ذکر فرمائی۔ یعنی کہ "ما زیدٌ قائـِمًا و لا ذاھبٌ عمرٌو" یہ ایک مثال ہوا اور "ما زیدٌ بِقائمٍ و لا ذاھبٌ عمرٌو" یہ دوسرا مثال ہوا۔ اِلّا الرَّفۡعُ مگر رفع جائز ہے۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ آپ اِن دونوں مثالوں میں "ذاھبٌ" پر صرف رفع پڑھ سکتے ہیں۔ نصب یا جرّ نہیں پڑھ سکتے۔ تفصیل نیچے ملاحظہ کیجئے۔

دیکھو یہ "ما" مشابہ بلیسَ ہے۔ اور "ما" مشابہ بلیسَ اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب دیتا ہے۔ جیسا کہ، ما زیدٌ قائمًا: زید کھڑا نہیں ہے۔ لیکن اسی "ما مشابہ بِلیسَ" کے خبر پر کبھی "با" زائدہ لے آتے ہیں اور کلام میں تاکید پیدا کرتے ہیں۔ اور یوں کہتے ہیں، "ما زیدٌ بِقائمٍ"۔ اور یاد رکھو! یہ حروفِ جارّہ زائدہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ اور "بِقائمٍ" میں یہ "با" جارّہ زائدہ ہوئی، اور قائمٍ مجرور ہوا لفظوں کے اعتبار سے اور منصوب ہوا محل کے اعتبار سے، کیونکہ یہ "ما" مشابہ بِلیس کی خبر ہے۔

جس طرح فعل معروف کے لئے فاعل چاہئے، فعل مجہول کے لئے نائب فاعل چاہئے تو اسی طرح اسم فاعل کے لئے بھی فاعل چاہئے۔ وہ الگ بات ہے وہ فاعل آپ کو کم ہی نظر آئے گا، عموماً اُسی کے اندر ضمیر چھپی ہوئی ہوگی۔ تو یہاں "قائمٌ" آیا، اور قائـمٌ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اور اسم فاعل کے لئے ہمیشہ فاعل چاہئے۔ اور آگے کوئی اسم ظاہر تو ہے ہی نہیں جو اسکا فاعل بن جائے، تو معلوم ہوا کہ وہ فاعل اس کے اندر ضمیر ہے ۔ اور وہ فاعل "ھو" ضمیر ہے اور وہ "زید" کو راجع ہے۔ کیونکہ یہ قائمٌ خبر ہے اور خبر کو مبتدا سے جوڑا جاتا ہے۔

پس دونوں یعنی "ما زیدٌ بقائمٍ" اور "ما زیدٌ قائمًا" میں قائمًا کے اندر ایک ضمیر ہے جو کہ زید کو راجع ہے۔ اور زید "ما" مشابہ بلیس کا اسم ہے۔

تو یہ دو جملے ہیں۔ صاحب کافیہؒ نے دو مثالیں اکھٹی ذکر کر لی۔ "بقائمٍ اور قائمًا" میں ایک ہی آسکتا ہے۔ تو کلام یوں بن جائے گا، "ما زیدٌ بِقائمٍ و لا ذاھبٌ عمرٌو" اور یا بقائمٍ کی جگہ قائمًا رکھ دے۔ تو "ما زیدٌ قائمًا و لا ذاھبٌ عمرٌو" بن جائے گا۔ تو صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں، کہ ان دونوں صورتوں میں آپ "ذاھِبٌ" پر صرف رفع پڑھ سکتے ہیں، نصب اور جرّ نہیں پڑھ سکتے۔

یہ نصب اور جرّ کیوں نہیں پڑھ سکتے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ فرماتے ہیں اس لئے، فرض کریں آپ، "ما زیدٌ قائـِمًا و لا ذاھبٌ عمرٌو" یہ کہنا چاہتے ہیں۔ تو ذاھبٌ کا عطف آپ قائـِمًا پر کرنا چاہتے ہیں۔ اور قائـِمًا منصوب ہے تو ذاھِبًا کو بھی آپ منصوب لانا چاہتے ہیں۔ تو فرماتے ہیں کہ جائز نہیں۔ یعنی "ما زیدٌ قائـِمًا و لا ذاھبًا عمرٌو" جائز نہیں۔ ذاھِبًا کا عطف آپ قائمًا پر نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ ابھی ہم نے آپ کو ضابطہ بتلا دیا کہ معطوف، معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔ اور "قائـِمًا" تو خبر بن رہا ہے زید

کے لئے۔ اور "قائمًا" کے اندر ایک ضمیر ہے جو زید کی جانب لوٹ رہی ہے۔ جبکہ "ذاھبٌ" کے اندر کوئی ضمیر نہیں جو زید کو لوٹے، کیونکہ اسکے آگے اسم ظاھر یعنی عمرو فاعل خود آرہا ہے۔ پس ذاھبٌ کے اندر ضمیر نہیں، تو یہ خبر نہیں بن سکتا، اور اس لئے یہ عطف بھی جائز نہیں۔

اب دوسری صورت "ما زیدٌ بِقائمٍ و لا ذاھبٌ عمرٌو" کی طرف دیکھئے۔ یہاں آپ ذاھِبٌ کا عطف "قائمٍ" پر کرنا چاہتے ہیں۔ اور قائمٍ مجرور ہے تو آپ ذاھبٌ کو بھی مجرور پڑھنا چاہتے ہیں۔ یعنی آپ "ما زیدٌ بِقائمٍ و لا ذاھبٍ عمرٌو" پڑھنا چاہتے ہیں۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ آپ اس کو مجرور بھی نہیں پڑھ سکتے۔ کیونکہ معطوف، معطوفٌ علیہ کے حکم میں ہوا کرتا ہے۔ اور یہاں پر معطوفٌ علیہ "قائمٍ" کے اندر ضمیر موجود ہے جو کہ زید کو لوٹ رہی ہے، اور ذاھبٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں بلکہ آگے اسکا فاعل عمرو خود آرہا ہے۔ اس لئے اس پر عطف کرتے ہوئے "ذاھبٌ" پر جرّ پڑھنا جائز نہیں۔

لا ذاھبٌ عمرٌو کی ترکیب۔ یہ مبتدا کی قسم ثانی ہے۔ یہاں ذاھبٌ پر نظر رکھئے۔ صیغہ صفت کا ہو، اور حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد آئے۔ اور یہ رفع دے رہا ہو اسم ظاہر کو۔ تو یہاں "ذاھِبٌ" صفت کا صیغہ ہے، حرف نفی کے بعد آرہا ہے اور آگے اسم ظاھر کو رفع دے رہا ہے۔ تو ترکیب یوں ہوگی۔ ذاھِبٌ صیغہ اسم فاعل، عمرٌو اس کے لئے فاعل جو قائم مقام خبر کے ہے۔ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر یہ مبتدا ہوا۔ تو یہ ایسا مبتدا ہے جس کی خبر کوئی نہیں۔

آگے صاحب کافیہؒ ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں۔ صاحب کافیہؒ نے ابھی ضابطہ بتلایا کہ اگر معطوفٌ علیہ کے اندر ضمیر ہو تو معطوف کے اندر بھی ضمیر کا ہونا ضروری ہے۔ تو اے صاحب کافیہؒ ہم آپ کو مثال دکھلاتے ہیں، کہ معطوفٌ علیہ کے اندر تو ضمیر موجود ہے لیکن معطوف کے اندر ضمیر موجود نہیں۔ تو اے صاحب کافیہؒ آپ کے قانون کے مطابق تو یہ جائز نہیں ہونا چاہئے تھی لیکن یہ بالاتفاق جائز ہے۔ تو آپ کا ضابطہ تو ٹوٹ گیا۔ دیکھئے! "الذی یَطِیْرُ": وہ چیز جو اُڑتی ہے۔ طارَ یطِیرُ: اُڑنا، یطیرُ کے اندر ھو ضمیر ہے جو الذی کو راجع ہے۔ یہ "یطیرُ" صلہ ہے اسم موصول کا۔ اور موصول کے صِلے کے اندر ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو اسم موصول کو لوٹے۔ تو یہ "یطیرُ" معطوفٌ علیہ ہوا۔ اور اس معطوفٌ علیہ کے اندر ضمیر موجود ہے۔ اس پر "فا" کے ذریعے عطف ہوا۔ اور آگے "یَغْضَبُ زیدٌ": تو زید غصے ہوتا ہے۔ تو "یَغْضَبُ" کے لئے زید فاعل بنتا ہے۔ جب فاعل آگے آگیا تو اب "یَغْضَبُ" کے اندر ضمیر نہیں۔ پورا معنیٰ: "وہ چیز جو اُڑتی ہے تو زید غصّے ہوتا ہے۔" "الذُّبابُ": وہ مکھی ہے۔ اور یہ خبر ہے مبتدا کے لئے۔

اب دیکھئے! اشکال صاحب کافیہ پر یہ ہو رہا ہے، کہ صاحب کافیہؒ نے بتلایا کہ جب معطوفٌ علیہ کے اندر ضمیر ہو تو پھر معطوف کے اندر بھی ضمیر کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہاں "یطیرُ" کے اندر تو

ضمیر ہے اور "یَغۡضَبُ" کے اندر کوئی ضمیر نہیں کیونکہ اس کے لئے تو فاعل زید خود آرہا ہے۔ حالانکہ یہ کلام تو بالکل صحیح ہے۔

صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ یہ تو ہمارے بحث ہی سے خارج ہے۔ ہم بات کر رہے ہیں عطف کی، اور یہ جو "فا" آئی یہ "فا سببیہ" ہے عطف کے لئے نہیں۔

وَ اِنَّمَا جَازَ اور جائز ہے یہ ترکیب الذی یَطِیْرُ فَیَغْضَبُ زیدُنِ الذُّبَابُ مکھی وہ چیز ہے جو اُس کے اُڑنے کی سبب سے زید کو غصّہ چڑھتا ہے۔ لانہا فاءُ السببیۃِ اس لئے کہ یہ فائے سببیۃ ہے۔

جاءَنِی زیدٌ و عمرٌو۔ یہاں جاءَ عامل ہے۔ زیدٌ بھی معمول ہے اور عمرٌو بھی معمول ہے۔ تو یہاں ایک معمول کا عطف دوسرے معمول پر ہو رہا ہے۔ تو کبھی ایک معمول کا عطف ہو رہا ہے ایک معمول پر۔ اور کبھی دو یا زیادہ معمولوں کا عطف ہو رہا ہے دو یا زیادہ معمولوں پر ایک ہی حرفِ عطف کے ذریعے۔ مثلاً میں نے کہا، ضربَ زیدٌ عمرًا۔ تو زید کو رفع ضرب فعل نے دیا اور عمرو کو نصب بھی ضربَ فعل نے دیا۔ تو زید اور عمرو دونوں کے اندر عامل ضرَبَ ہے۔ ایک کو ضربَ نے رفع دیا ہے اور فاعل بنایا ہے اور دوسرے کو ضربَ نے نصب دیا ہے اور مفعول بنایا ہے۔ اب یہ دو معمول ہیں ایک ہی عامل کے۔ جیسے یہ دونوں معمول ہیں اسی طرح دو اور معمول لاتے ہیں اور ایک ہی حرف عطف کے ذریعے اس پر عطف کرتے ہیں۔ مثلاً، "ضربَ زیدٌ عمرًا وَ خالدٌ بَکرًا"۔ پٹھائی کی زید نے عمرو کی اور خالد نے بکر کی۔ تو خالدٌ کا عطف زیدٌ پر ہوا اور بکرًا کا عطف عمرًا پر ہوا۔ تو یہاں پر دو معمولوں کا عطف ہو رہا ہے دو معمولوں پر ایک ہی حرف عطف کے ساتھ۔ اور اِن دونوں معمولوں کے اندر عامل ایک ہی ہے۔ تو یہ عطف ہوا، "عطف علیٰ معمولَی عاملٍ واحدٍ": عاملِ واحد کے معمولین پر عطف کرنا۔ یاد رکھو! یہ بالاتفاق جائز ہے۔ وجہ یہ کہ یہ حرف عطف "واؤ" نائب ہوتا ہے عامل کا۔ تو حرف عطف ایک ہی عامل کا نائب بن سکتا ہے۔

لیکن اگر عطف کیا جائے دو ایسے معمولوں کا دو ایسے معمولوں پر جن میں عامل مختلف ہوں یعنی الگ الگ ہوں۔ تو اس میں اختلاف ہیں، یہاں پر تین مذاہب ہیں۔ ایک مذہب ہے امام فرّاءؒ کا، ایک مذہب ہے امام سیبویہؒ کا اور ایک مذہب ہے جمہور نحوی علماءؒ کا۔

امام سیبویہؒ کا مذہب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے۔ یعنی کہ دو معمولوں کا عطف کیا جائے دو ایسے معمولوں پر جن میں عامل مختلف ہوں تو یہ جائز نہیں۔ مثلاً آپ کہتے ہیں، اَتَحۡسَبُ کُلَّ سَوۡدَاءَ تَمۡرَۃً وَ بَیۡضَاءَ شَحۡمَۃً : کیا تو گمان کرتا ہے کہ ہر کالی چیز کھجور ہے اور ہر سفید چیز چربی ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی تیرا یہ گمان کرنا صحیح نہیں۔ جیسا کہ ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتا۔

ترکیب۔ ہمزہ استفہام، تحسَبُ فعل اور انت ضمیر اسکے اندر فاعل، کُلَّ منصوب ہے اور مفعول بن رہا ہے، سوداءَ غیر منصرف ہے اور کُلَّ کے لئے مضافٌ الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ (الف تانیث آیا اور

یہ قائم مقام دو سببوں کے ہیں۔ یہ اَسْوَدُ کی تانیث ہے۔ اور غیر منصرف کا جرّ نصب کے ساتھ آتا ہے۔) تو کُلَّ سوداءَ مفعول اوّل ہے تَحْسَبُ فعل کے لئے اور تمرۃً یہ مفعول ثانی ہے تحسبُ فعل کے لئے۔ کیونکہ تَحْسَبُ افعال قلوب میں سے ہے، اور افعال قلوب دو مفعول چاہتے ہیں۔ تو یہاں پر ایک مفعول "کُلَّ سَوْدَاءَ" ہوا اور دوسرا مفعول "تَمْرَۃً" ہے۔ اب آگے "واؤ" حرف عطف کے ذریعے بَیْضَاءَ کا عطف سَوْدَاءَ پر کیا، اور شَحْمَۃً کا عطف تَمْرَۃً پر ہے۔

تو دیکھو! دو معمولوں کا عطف ہو رہا ہے دو معمولوں پر لیکن دونوں کے عامل مختلف ہیں۔ دیکھو بَیْضَاءَ کا عطف ہو رہا ہے سَوْدَاءَ پر۔ اور سَوْدَاءَ ہے مجرور اور اسکے اندر عامل کُلُّ ہے۔ کُلَّ مضاف ہے اور اس نے سوداءَ کو جرّ دیا۔ اور آگے شَحْمَۃً کا عطف تَمْرَۃً پر ہوا۔ اور تَمْرَۃً کو نصب "تَحْسَبُ" فعل نے دیا ہے۔ تو دیکھو! دو معمولوں کا عطف دو معمولوں پر ہوا لیکن دونوں کے عامل مختلف ہیں۔ سَوْدَاءَ میں عامل ہے "کُلُّ" اور تمرۃً میں عامل ہے "تَحْسَبُ"۔ تودو معمولوں کا عطف ہوا دو ایسے معمولوں پر جن کے عامل مختلف ہیں۔ امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں۔

امام سیبویہؒ کی دلیل: آپ نے پڑھا ہے کہ حرف عطف نائب ہوا کرتا ہے عامل کا۔ اور یہ ضعیف ہے یعنی حرف ہے۔ اور یہ حرف ایک عامل کا تو نائب بن سکتا ہے لیکن دو عاملوں کا نائب نہیں بن سکتا۔ جب آپ نے کہا تھا، جاءنِی زیدٌ و عمرٌو، تو آپ نے عمرٌو کا عطف زیدٌ پر کیا۔ اور اس میں حرف عطف "واؤ" نائب بن گیا "جاءَ" کا جو کہ عامل ہے زیدٌ میں۔ تو یہ حرف عطف اگر چہ ضعیف ہے لیکن ایک کا نائب بن سکتا ہے اس میں کوئی مسئلہ نہیں۔

اسی طرح جب دو عاملوں کا عطف دو عاملوں پر کیا تھا، لیکن عامل ایک ہی تھا، جیسے "ضربَ زیدٌ عمرًوا و بکرٌ خالدًا"۔ تو یہاں پر بھی دو معمولوں کا عطف دو معمولوں پر ہوا لیکن حرف عطف نائب بنا ایک ہی معمول کا۔ تو حرف عطف ایک ہی عامل کا نائب بن سکتا ہے۔

لیکن جب آپ دو معمولوں کا عطف دو ایسے معمولوں پر کرتے ہیں جن میں عامل مختلف ہوں، تو امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں۔ کیونکہ حرف عطف نائب ہوتا ہے عامل کا، اور یہ حرف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ایک عامل کا نائب تو بن سکتا ہے لیکن دو عاملوں کا نائب نہیں بن سکتا۔ لہٰذا یہ اُن کے نزدیک جائز نہیں۔ تو لہٰذا امام سیبویہؒ کے نزدیک، "عطف علیٰ معمولَیْ عامِلَیْنِ مختلفینِ" جائز نہیں۔ یعنی عطف کرنا دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر یہ جائز نہیں ہے۔

امام فرّاءؒ کا مذہب: وہ فرماتے ہیں کہ یہ مطلَقًا جائز ہے۔

جمہور علماءؒ کا مذہب: وہ فرماتے ہیں کہ اُس وقت جائز ہے جب اِن دو معمولوں میں سے مجرور مقدّم ہو۔ اور اگر مجرور مقدّم نہیں تو پھر یہ جائز نہیں۔ لہٰذا جمہور کے نزدیک یہ مثال **اَتَحْسَبُ کُلَّ سَوْدَاءَ تَمْرَۃً وَ بَیْضَاءَ شَحْمَۃً** جو اوپر ذکر کیا گیا ہے جائز ہے۔ یہاں **بَیْضَاءَ** اور **شَحْمَۃً** کا عطف ہو رہا ہے اور اس میں

سے مقدَّم بَیْضَاءَ ہے جو کہ مجرور ہے۔ کیونکہ ان دونوں معمولوں میں سے پہلے آنے والا معمول مجرور ہے۔ اور بعد والا معمول جو بھی ہو اُس سے ہمارا بحث نہیں۔

تو جمہور امام سیبویہؒ کو جواب دیتے ہیں، کہ آپ کی بات ٹھیک ہے، کہ حرف عطف نائب ہوتا ہے عامل کا اور یہ دو عاملوں کا نائب نہیں بن سکتا۔ لیکن یہاں پر بات ہے سِماع کی۔ ہم نے بڑے فصیح و بلیغ عربوں سے یہی سُنا ہے جب مجرور مقدَّم ہو تو عطف کر دیا کرتے ہیں۔ تو جمہور کے نزدیک "عطف علیٰ معمُولَیْ عاملین مختلفینِ" یہ جمہور کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ مجرور مقدَّم ہو۔ تو جمہور کا مذہب خلافُ القیاس ہے۔ اور یہ اپنے مَوْرِدْ پر بند رہے گا۔ اور قیاس اس پر نہیں کر سکتا۔ نیز مرفوع مقدَّم ہو یا منصوب مقدَّم ہو تب بھی اسکی اجازت نہیں دی جاتی۔

جبکہ امام فرّاءؒ کے نزدیک "عطف علیٰ معمُولَیْ عاملین مختلفینِ" ہر صورت میں جائز ہے۔ اُس کی دلیل یہ ہے کہ جب عربوں سے ہم نے یہ سنا کہ مجرور مقدَّم ہو تو پھر یہ جائز ہوتا ہے۔ تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے باقی دو صورتوں میں بھی یہ جائز قرار دیا گیا۔ کیونکہ مسئلہ تو یہی تھا کہ حرف عطف دو کا نائب نہیں بن سکتا۔ لیکن جب آپ نے خود سُن لیا کہ جب مجرور مقدَّم ہو تو عرب عطف کر دیا کرتے ہیں۔ اور اس حالت میں حرف عطف کو دو عاملوں کا نائب بنا دیا۔ تو جب "مجرور" کی حالت میں وہ دو عاملوں کا نائب ہو سکتا ہے تو باقی دو حالتوں یعنی منصوب اور مرفوع میں بھی حرف عطف دو عاملوں کا نائب بن سکتا ہے۔

جمہور علماءؒ امام فرّاءؒ کو جواب دیتے ہیں۔ کہ یہ مسئلہ سِماع کا ہے۔ یعنی یہ مسئلہ خلافُ القیاس ثابت ہوا ہے۔ اور صرف اُسی صورت میں جائز قرار دیا جائے گا جس کا ہم نے عربوں سے سِماع کیا ہے اور باقی صورتوں میں جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔ اور جو مسئلہ خلافُ القیاس ہو تو وہ اپنے مُورِد میں بند رہتا ہے۔

وَ اِذَا عُطِفَ علیٰ عاملین مختلفین عبارت اصل میں یوں ہے۔ وَاِذَا عُطِفَ علیٰ مَعْمُوْلَیْ عَامِلَیْنِ مُخْتَلِفَیْنِ۔ عاملین سے پہلے مَعْمُوْلَیْ کا لفظ محذوف ہے۔ اصل میں معمولینِ تھا۔ نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ اور جب عطف کیا جائے دو مختلف عاملوں کے معمولوں کا **لم یَجُزْ** تو یہ جائز نہیں۔ یہ جمہور کا مذہب ہے۔ **خلافا للفراءؒ** بخلاف امام فرّاءؒ کے۔ کیونکہ اُن کے نزدیک مطلقًا جائز ہے۔ جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔ **اِلَّا فِی نَحْوِ** مگر اس صورت کے اندر۔ جمہور کے نزدیک جائز نہیں مگر اس قسم کے مثالوں میں جائز ہے۔یہ "الّا فی نحوِ" "لم یجز" کے ساتھ جوڑ لو۔ جمہور کا مذہب یوں ہوگا: وَاِذَا عُطِفَ علیٰ عاملین مختلفین لم یجُزْ الّا فی نحوِ: جمہور کے نزدیک "عطف علی معمُولَیْ عاملین مختلفینِ" جائز نہیں ہے مگر اس قسم کے مثالوں میں **فی الدار زیدٌ والحجرةِ عمرٌو** اس صورت میں

"عطف علی معمُولَیْ عاملین مختلفینِ" جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دیکھئے جو معمول مجرور ہے وہ مقدّم ذکر کیا ہے۔ فی الدار زیدٌ وَ الحجرةِ عمرٌو میں دیکھئے۔ الدارِ مجرور ہے اور "فی الدارِ" یہ خبر مقدَّم ہے۔ اور زیدٌ یہ مبتدا مؤخر ہے۔ آگے "حجرة" کا عطف "الدار" پر ہو رہا ہے اور عمرٌو کا عطف زیدٌ پر ہو رہا ہے۔ اور یہاں دیکھئے، الدار کے اندر عامل "فی" ہے اور زید مبتدا ہے اور اس کے اندر عامل "ابتدا" ہے، یعنی عامل معنوی ہے۔ تو دیکھا یہ دونوں معمول ہیں اور اس کے عامل الگ الگ ہیں۔ اِن پر حجرة اور عمرو کا عطف کیا گیا۔ تو جمہور کے نزدیک یہ اُس وقت جائز ہے جب جمہور مقدّم ہو۔ اور "والحجرَةِ عمرٌو" میں مجرور مقدّم ہے۔ تو جمہور کے نزدیک یہ جائز ہوا۔

خلاصہ یہ کہ جمہور کے نزدیک "عطف علی معمُولَیْ عاملین مختلفینِ" جائز نہیں، مگر اس قسم کے مثالوں میں "فی الدار زیدٌ والحجرةِ عمرٌو" میں جائز ہے کیونکہ یہاں مجرور مقدّم ہے۔

خلافا لسیبویہ برخلاف امام سیبویہؒ کے۔ یعنی اُس کے نزدیک مطلقًا جائز نہیں چاہے مجرور مقدّم ہی کیوں نہ ہو۔ اور دلیل اُن کی یہ ہے کہ حرف عطف نائب ہوتا ہے عامل کا۔ اور یہ حرف عطف ضعیف ہے۔ یہ ایک عامل کا تو نائب بن سکتا ہے لیکن دو عاملوں کا نائب نہیں بن سکتا۔

سوال: علامہ ابن حاجبؒ نے وَاِذا عُطِفَ علیٰ عاملین مختلفین کے اندر مَعْمُوْلَیْ کا لفظ کیوں حذف کیا؟ وجہ اس کی یہ کہ علامہ ابن حاجبؒ بہت بڑے نحوی ہے۔ اور اگر معمولین یہاں ذکر کر دیا جاتا۔ تو عبارت یوں بنتا "عطف علی معمُولَیْ عاملین مختلفینِ" تو "معمول" کا لفظ "عامل" کے لفظ پر مقدّم ہو جاتا۔ اور نحو کے اندر ترکیب میں "معمول" کا "عامل" پر مقدّم ہونا پسندیدہ نہیں۔ لہٰذا اُنہوں نے بھی یہ پسند نہیں کیا کہ "معمول" کے لفظ کو "عامل" کے لفظ پر مقدّم کیا جائے۔ اسی وجہ سے معمولَین کے لفظ کو حذف کیا۔

دوسری وجہ یہ کہ صاحب کافیہؒ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ کا سارا دارومدار عامل پر ہے اور معمول پر نہیں۔ اس لئے معمول کو حذف کیا اور عامل کو ذکر کیا۔ مسئلہ کا دارومدار عامل پر اسی طرح ہے کہ اگر عامل ایک ہو تو پھر یہ تو بالاتفاق جائز ہے۔ اور اگر عامل مختلف ہو تو پھر اختلاف ہے اس مسئلہ کے اندر۔ تو مسئلے کا سارا دارو مدار عاملوں پر ہے۔ اور جب عامل دو سے زیادہ ہوں تو یہ بات بالاتفاق جائز نہیں۔

درس 76- توابع کی اقسام میں سے ہم نے معطوف بالحرف کو پڑھا، جس میں تابع بھی مقصود بالنسبة ہوتا ہے اور متبوع بھی مقصود بالنسبة ہوتا ہے۔ اس پر ایک اشکال ہوتا ہے۔ کہ حروف عاطفہ میں سے ایک "بَلْ" بھی ہے، ایک "اَوْ" اور "اَمْ" وغیرہ بھی ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں، جاءَنِی زیدٌ بل عمرٌو۔ میرے پاس زید آیا بلکہ عمرو آیا۔ تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ "عمرو" آیا ہے میرے پاس۔ کیونکہ آپ نے "بل" کے

ذریعے زید کو چھوڑ دیا اور عمرو کی بحث شروع کی۔ تو دیکھو! یہاں دونوں مقصود نہیں بلکہ صرف تابع یعنی عمرو مقصود ہے۔ اور اے صاحب کافیہؒ آپ نے کہا تھا کہ دونوں مقصود ہوتے ہیں۔

نیز ایک "اَوْ" بھی ہے اسی طرح۔ جاءنِی زیدٌ اَوْ عمرٌو۔ آپ کسی کو بتانا چاہتے ہیں کہ میرے پاس زید اور عمرو دونوں میں سے ایک آیا تھا۔ تو دیکھو! "اَوْ" حرف عطف تو ہے لیکن یہاں پر دونوں مقصود نہیں بلکہ ایک ہی مقصود ہے۔ اور آپ نے تو کہا تھا کہ تابع بھی مقصود ہوتا ہے اور متبوع بھی مقصود ہوتا ہے۔

تو جواب یہ کہ "بَلْ" کے اندر متبوع بھی مقصود ہے اور تابع بھی مقصود ہے لیکن متبوع مقصود تھا ابتِداءً اور تابع مقصود ہے انتہاءًا۔ اسی طرح "اَوْ" کے ذریعے بھی دونوں مقصود ہیں لیکن علیٰ سبیلِ البدل۔

یہ تیسرا تابع ہے۔ ایک "نعت" گزری اور ایک "عطف بالحرف" گزرا۔ التاکیدُ تابعٌ تاکید وہ تابع ہے۔ یُقَرِّرُ اَمْرَ الْمَتْبُوْعِ جو متبوع کے حال کو پکّا کر دیتا ہے۔ امر سے مراد "حال" ہے۔ فی النسبۃِ نسبت میں اَوِ الشُّمُوْلِ یا شُمول کے اندر۔ یعنی نسبت کے اندر متبوع کے حال کو پکّا کر دیتا ہے۔ یا شمول کے اندر متبوع کے حال کو پکّا کر دیتا ہے۔

نسبت کے اندر: مثلاً میں کہتا ہوں۔ جاءنِی امیرُ المؤمنین امیرُ المؤمنین۔ میں نے کہا میرے پاس امیرُ المؤمنین تشریف لائے۔ آپ نے خیال کیا کہ امیرُ المؤمنین تو بڑے آدمی ہیں۔ وہ کہاں آئے، اپنے کسی سیکرٹری وغیرہ کو بھیج دیا۔ یا اپنے کسی خاص آدمی کو بھیج دیا۔ تو چونکہ وہ بہت خاص آدمی ہے، تو گویا متکلم نے یہ تعبیر کیا کہ امیرُ المؤمنین خود میرے پاس آئے۔ تو گویا یہاں پر احتمال تھا کہ میں کلام مجازًا کر رہا ہوں۔ یعنی امیرُ المؤمنین تو نہیں آیا لیکن اُس کا کوئی خاص آدمی آیا ہو۔ اور میں نے کہا، "جاءنِی امیرُ المؤمنین"۔ لیکن میں پھر کہتا ہوں "امیرُ المؤمنین"۔ تو دوبارہ اس "امیرُ المؤمنین" کو لاتا ہوں تا کہ مجاز کا احتمال ختم ہو جائے۔ اور مجیئت کی نسبت جو امیرُ المؤمنین کی طرف ہو رہی ہے یہ مجازًا نہیں ہے بلکہ حقیقتًا ہے۔ تو دیکھو اس تاکید نے نسبت کو پکّا کیا۔

شمول کے اندر: میں کہتا ہوں، جاءنِی طلبۃُ الدَّرجۃِ الثالثۃِ۔ میرے پاس درجۃ ثالثہ والے طلباء آئے۔ آپ نے سوچھا، دو چار چھ یا دس آئیں ہوں گے۔ میں نے کہا "کُلُّھُمْ" یعنی سارے کے سارے آئیں ہیں۔ تو اس "کُلُّ" نے شُمول کا فائدہ دے دیا۔ کہ یہاں جو طلبۃ ثالثہ مراد ہیں اِن میں بعض افراد مراد نہیں بلکہ سارے افراد مراد ہیں۔ تو یہاں تاکید نے شمول کا فائدہ دیا۔

خلاصہ یہ کہ تاکید وہ تابع ہے جو پکّا کرتا ہے متبوع کے حال کو نسبت میں یا شُمول میں۔

یاد رکھو! تاکید کے تین فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ: سامِع سے غفلت کے ضرر کو دور کرنا۔ میں نے "جاءنِی امیرُ المؤمنین امیرُ المؤمنین" میں امیرُ المؤمنین کو دو دفعہ ذکر کیا۔ یہ دو مرتبہ کیوں ذکر کیا؟ تا کہ سامع

غافل نہ ہو جائے کہ یہ مجیئت کی نسبت کس کی طرف ہو رہا ہے۔ تو اس غفلت سے جو نقصان ہو رہا تھا اس کو ختم کرنے کے لئے میں نے امیرُ المؤمنین کو دو دفعہ ذکر کیا۔

دوسرا فائدہ: غلطی کے وہم کو دور کر دیتا ہے۔ میں نے جب دوسرے مرتبہ امیرُ المؤمنین کہا، تو اس نے سامع کے غلطی کے وہم کو دور کر دیا۔ ہو سکتا ہے کہ سامع یہ سمجھا ہو کہ اُس نے یہ کہنا تھا کہ "جاءنِی زیدٌ" اور غلطی سے منہ سے امیرُ المؤمنین کا لفظ نکل آیا۔

تیسرا فائدہ: مجاز کے احتمال کو ختم کرتا ہے۔ جب میں نے کہا، "جاءنی امیرُ المؤمنین"۔ اُسے وہم ہو سکتا تھا کہ امیرُ المؤمنین تو خود نہیں آئے ہوں گے، اُس نے اپنا کوئی خاص آدمی بھیجا ہو۔ اور یہ جو مجیئت کی نسبت امیرُ المؤمنین کی طرف ہے یہ حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ مجازًا ہے۔ خود تو امیرُ المؤمنین نہیں آئے ہوں گے بلکہ اپنے کسی خاص آدمی کو بھیجا ہوگا۔ تو اس مجاز کے وہم کو ثانی امیرُ المؤمنین لانے سے دور کر دیا۔

وَ هُو لَفظِيٌّ وَ مَعنَوِيٌّ اور تاکید دو قسم پر ہے۔ ایک لفظی ہے اور ایک معنوی ہے۔ **فا للفظی** **تکريرُ اللفظِ الاَوّلِ** پس لفظی وہ ہے جو اوّل لفظ کا تکرار کیا جائے۔ اور یہ اسم، فعل، حرف سب میں جاری ہوتی ہیں۔ اور بعینِہٖ اُسی لفظ کے ساتھ ہوگا۔ مثلاً جاءنی زیدٌ زیدٌ، ضرب ضَربَ زیدٌ: پٹھائی کی پٹھائی کی زید نے۔ اسی طرح ضربتَ انتَ بھی تاکید لفظی ہے۔ لیکن حقیقتًا تاکید لفظی نہیں بلکہ حُکمًا تاکید لفظی ہے۔ اس لئے کہ "تا" ضمیر مرفوع متّصل ہے اور اسکو دوبارہ لانا ممکن نہیں تھا۔ اس لئے اس کی جگہ ضمیر مرفوع منفصل تاکید کے لئے لایا۔ پس تاکید لفظی دو قسم پر ہوا۔ یا تو حقیقتًا وہی لفظ آئے گا یا حکمًا وہی لفظ آئے گا۔ **نحو جاءنی زیدٌ زیدٌ** مثلاً جاءنی زیدٌ زیدٌ **ویجری فی الالفاظِ کُلِّہا** اور یہ تمام قسم کے الفاظ میں جاری ہوتی ہے۔ تاکید لفظی اسم میں بھی جاری ہوتی ہے، فعل میں بھی جاری ہوتی ہے اور حرف میں بھی جاری ہوتی ہے۔

وَ الْمَعنَوِیُّ بِالفاظٍ محصورةٍ اور تاکید معنوی چند الفاظ کے ساتھ ہے۔ محصورة: گِنے ہوئے۔ اور وہ نو لفظ ہیں۔ **و ھی** اور وہ الفاظ یہ ہیں۔ **[1]نفسُه و [2]عینُه و [3،4]کلاھُما و [5]کُلُّهُ و [6]اَجْمَعُ و [7]اَکْتَعُ و [8]اَبْتَعُ و [9]اَبْصَعُ۔** کلاھما میں صرف مذکر کو ذکر کیا۔ جب اصل کو ذکر کیا تو فرع خود بخود ساتھ آ گئی۔ یعنی کِلْتَاھُما خود بخود آگئی۔ تو یہ کل نو الفاظ ہو گئے۔

یہ نو الفاظ متبوع کی تاکید کے لئے آتے ہیں۔ اور متبوع کبھی مفرد ہوگا، کبھی تثنیہ اور کبھی جمع۔ تو تاکید کبھی مفرد کی آئیگی، کبھی تثنیہ کی اور کبھی جمع کی۔ تو یہ سارے الفاظ ہر ایک کے لئے نہیں آتے۔ آگے متن میں صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ کس کس کے ساتھ آئیں گے۔ تو آگے صاحب کافیہؒ تفصیل بتلاتے ہیں۔

فَالْاَوَّلَانِ يَعُمَّانِ پس اِن میں سے پہلے دو عام ہیں۔ یعنی نفسُهُ اور عینُهُ عام ہیں۔ یعنی یہ مفرد کی تاکید کے لئے بھی آسکتے ہیں، تثنیہ کی تاکید کے لئے بھی آسکتے ہیں اور جمع کی تاکید کے لئے بھی آسکتے ہیں۔ بِاخْتِلَافِ صيغتِهِمَا انکے صیغوں کے اختلاف کے ساتھ۔ و ضميرِهِما اور ضمیروں کے اختلاف کے ساتھ۔ بھئی صیغہ بھی بدلے گا اور ضمیر بھی۔ مفرد کے لئے مفرد کا صیغہ اور ضمیر بھی مفرد کا ہو جائے گا، تثنیہ کے لئے صیغہ بھی تثنیہ کا ہو جائے گا اور ضمیر بھی تثنیہ کی ہو جائے گی، جمع کے لئے صیغہ بھی جمع کا اور ضمیر بھی جمع کا ہو جائے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں، جاءنِي زيدٌ نفسُهُ: زید خود میرے پاس آیا۔ یہ نفسُهُ تاکید ہے زید کی۔ زید مرفوع تو نفسُهُ بھی مرفوع آیا، اور دیکھئے مفرد ہے زید تو نفس کا لفظ بھی مفرد اور ساتھ "ها" ضمیر بھی مفرد۔ تثنیہ کی صورت میں، "جاءنِي الزيدانِ نفسا هُما"۔ نفسانِ تثنیہ تھا اور اضافت کی وجہ سے نونِ تثنیہ گر گیا۔ یہاں ہم نے تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف کر دی۔ اور عربوں کے ہاں تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں۔ تو اس صورت میں وہ پہلے تثنیہ کو جمع سے بدل دیتے ہیں۔ اور یوں کہتے ہیں، "جاءنِي الزيدانِ انفُسُهُما"۔ دیکھئے قرآن مجید میں بھی آیا ہے، "السَّارِقُ و السَّارِقَةُ فاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا"۔ یہاں پر "هما" ضمیر تثنیہ کی ہے تو "يَدٌ کی تثنیہ يَدَيْنِ" آنا چاہئے تھا اور "يَدَيْهِمَا" ہونا چاہئے تھا۔ يَدَيْنِ کی نون اضافت سے گر جاتا۔ لیکن یہاں پر يَدَيْنِ کو اَيْدِيَهُمَا سے بدلا، کیونکہ کلام عرب میں تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف پسندیدہ نہیں۔

اور جمع کی صورت میں، جاءنِي الزيدُونَ اَنْفُسُهُمْ کہیں گے۔ یہاں متبوع الزیدونَ جمع کا صیغہ ہے۔ تو اَنْفُس جمع کا صیغہ لایا اور "هُم" ضمیر بھی جمع کی لائی گئی۔

اسی طرح مؤنث کی صورت میں، جاءنِي هندٌ نفسُها، تثنیہ کی صورت میں جاءنِي الهندانِ اَنْفُسُهُمَا اور جاءنِي الهنداتُ اَنْفُسُهُنَّ۔ تقول نَفْسُهُ واحد مذکر کے لئے و نَفْسُها واحد مؤنث کے لئے و اَنْفُسُهُما اور تثنیہ مذکر و مؤنث میں اَنْفُسُهُما کہیں گے۔ نفساهما بھی بعض کے نزدیک جائز ہے لیکن پسندیدہ نہیں۔ و اَنْفُسُهُم جمع مذکر میں اَنْفُسُهُمْ کہیں گے۔ و اَنْفُسُهُنَّ اور جمع مؤنث میں اَنْفُسُهُنَّ کہیں گے۔ اِن سب کی مثالیں اوپر گزر گئی۔

اسی طرح "عين" بھی ہے "نفس" کی طرح۔ تو متبوع کے مطابق آپ یوں کہیں گے، "عينُهُ، عينُها، اَعْيُنُهُما، اَعْيُنُهُمْ اور اَعْيُنُهُنَّ"۔ تو "عين" کو بھی "نفس" پر قیاس کریں۔

والثانى للمُثَنّٰى اور دوسرا یعنی "كِلَا" تثنیہ کی تاکید کے لئے آئے گا۔ تقول كلاهما و كلتا هما مذکر کے لئے "كلا هما" اور مؤنث کے لئے "كِلْتَا هُما" آئے گا۔ مثلاً، جاءنِي الزيدانِ كِلَاهُمَا یا یوں کہے، جاءنِي زيدٌ و عمرٌو كِلَاهُمَا۔ مؤنث کے لئے، جاءَنِي هندٌ و زينبُ كِلْتَاهُمَا۔

والباقی لِغَیْرِ الْمُثَنّٰی اور باقی پانچ غیر مُثَنّٰی کی تاکید کے لئے آئیں گے۔ یعنی یا تو مفرد کی تاکید کے لئے آئیں گے یا جمع کی تاکید کے لئے آئیں گے۔ یعنی تثنیہ کے علاوہ کے لئے۔ باقی پانچ سے مراد " کُلٌّ و اَجْمَعُ ، اَکْتَعُ ، اَبْتَعُ اور اَبْصَعُ " ہے۔ تو یہ پانچ یا تو مفرد کی تاکید کے لئے آئیں گے یا جمع کی تاکید کے لئے آئیں گے۔ اب اس کے لانے کی صورت کیا ہوگی۔ نفس اور عین میں تو بتلا دیا تھا کہ صیغہ بھی بدلے گا اور ضمیر بھی بدلیں گی۔

"کُلُّہٗ" کے بارے صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ اس میں صرف ضمیر بدلیں گے اور "کُل" کے لفظ کو آپ نے نہیں چھیڑنا۔ یعنی مفرد کے لئے مفرد کی ضمیر اور جمع کے لئے جمع کی ضمیر لاؤ۔ مذکر کے لئے مذکر کی ضمیر اور مؤنث کے لئے مؤنث کی ضمیر۔ باختلاف الضمیر ضمیر کے اختلاف کے ساتھ۔

فی کُلِّہٖ و کُلِّھَا و کُلِّھِم و کُلِّھِنَّ مفرد مذکر کے لئے کُلُّہٗ، مفرد مؤنث کے لئے کُلُّھَا، جمع مذکر کے لئے کُلُّھم اور جمع مؤنث کے لئے کُلُّھُنَّ۔ مفرد کی صورت میں مثال: اِشْتَرَیْتُ الغلامَ کُلَّہٗ : میں نے پورے کا پورا غلام خرید لیا۔ اِشْتَرَیْتُ الجارِیَۃَ کُلَّھَا: میں نے پوری کی پوری باندھی خرید لی۔ اور جمع مذکر کی تاکید کے لئے۔ جاءِنِی القومُ کلُّھم۔ اور جمع مذکر کی تاکید کے لئے۔ جاءَتِ النِّساءُ کُلُّھُنَّ۔

و الصیغ فی البواقی ای باختلاف الصِّیَغِ فِی البَوَاقِی: اور باقی میں صیغوں کے اختلاف کے ساتھ۔ یعنی کلّہ میں تو کُلٌّ نے تبدیل نہیں ہونا تھا اور ضمیر نے تبدیل ہونا تھا۔ اب باقی چار " اَجْمَعُ ، اَکْتَعُ ، اَبْتَعُ اور اَبْصَعُ" جو رہ گئے اِن میں ضمیر تو کوئی نہیں، لہٰذا اِن میں صیغوں کا اختلاف ہوگا۔ مفرد کے لئے مفرد کا صیغہ،جمع کے لئے جمع کا صیغہ، مذکر کے لئے مذکر کا صیغہ اور جمع کے لئے جمع کا صیغہ۔ یہ چار بھی تثنیہ کے لئے تاکید نہیں بنتے۔ تقول اَجْمَعُ و جَمْعَاءُ و اجمعون و جُمَعُ واحد مذکر کے لئے اَجْمَعُ، واحد مؤنث کے لئے جَمْعَاءُ، اور جمع مذکر کے لئے اجمعونَ، اور جمع مؤنث کے لئے جُمَعُ۔ تاکید کے لئے لائے جائیں گے۔ اب تین رہ گئے یعنی " اَکْتَعُ ، اَبْتَعُ اور اَبْصَعُ" تو یہ تین بھی اجمعُ پر قیاس کریں اور اسی طرح آئیں گے۔ اَکْتَعُ کے اندر " اَکْتَعُ، کَتْعَاءُ، اَکتَعُوْنَ اور کُتَعُ" آئیں گے۔ اَبْتَعُ کے اندر "اَبْتَعُ، بَتْعَاءُ، اَبْتَعُوْنَ اور بُتَعُ" آئیں گے۔ اور اَبْصَعُ کے اندر "اَبْصَعُ، بَصْعَاءُ، اَبْصَعُوْنَ اور بُصَعُ" آئیں گے۔

و لا یؤکَّدُ بِکُلٌّ وَ اَجْمَعُ اور تاکید نہیں لائی جائیں گی "کُلٌّ اور اَجْمَعُ" کے ساتھ۔ اَلّا ذُو اجزاءٍ مگر اجزاء والے کی۔ یَصِحُّ افْتِرَاقِھا حِسًّا او حُکْمًا ایسے اجزاء کی صحیح ہو اُس کا جُدا ہونا حِسًّا یا حُکمًا۔ حِسًّا یعنی جو آنکھوں سے نظر آئیں۔ یعنی حقیقۃً۔ بھئی یاد رکھو! کُلٌّ اور اَجْمَعُ یہ شُمول کا فائدہ دیتا ہے۔ تو شُمول وہی پر آئے گا جہاں پر اجزاء ہو۔

بعض صورت میں اجزاء تو ہوں گے لیکن وہ آپس میں جُدا نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ "جاءِنِی زیدٌ کُلُّھُم" کہنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ زید کے تو اجزاء ہیں لیکن وہ زید سے جدا نہیں ہو سکتے۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا

کہ زید کا ہاتھ آیا ہو وغیرہ۔ تو زید کے اجزاء نہ حقیقتًا الگ الگ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی حُکمًا الگ الگ ہو سکتے ہیں۔

بعض صورت میں حقیقتًا تو الگ نہیں ہو سکتے لیکن حُکمًا الگ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً غلام یا باندی ہے۔ تو غلام کو نصف بھی کوئی خرید سکتا ہے، ثُلث بھی کوئی خرید سکتا ہے، ربع بھی کوئی خرید سکتا ہے۔ یعنی دو آدمیوں نے ایک غلام کو خریدا تو ہر ایک کا نصف حصّہ ہوا۔ وغیرہ۔ تو یہاں اجزاء حقیقتًا تو الگ نہیں ہوئے مگر حکمًا الگ ہوئے ہیں۔

تو بس مؤکّد کم از کم اجزاء والا ہونا چاہئے، اور وہ اجزاء بھی ایسے ہو جو ایک دوسرے سے جُدا ہو سکے، چاہے حقیقتًا جدا ہو سکے یا حُکمًا جدا ہو سکے۔ پھر ہی کُلُّ اور اَجمَعُ شمول کا فائدہ دیں گے۔ اگر اُس کے اجزاء آپس میں جُدا ہو ہی نہیں سکتے، یعنی الگ الگ ہو ہی نہیں سکتے، نہ ہی حقیقتًا الگ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی حکمًا الگ الگ ہو سکتے ہیں۔ تو لہٰذا اس صورت میں شمول کا فائدہ تو بے کار ہوا۔ پس اس صورت میں کُلُّ اور اجمَعُ تاکید کا فائدہ نہیں دیگا۔

اسی طرح قوم ہے۔ قوم کم از کم تین افراد کو کہتے ہیں۔ اور یہ تین افراد ایک دوسرے سے حقیقتًا جدا ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس قوم کی تاکید "کلّ" اور "اجمع" کے ساتھ کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ یہ ذو اجزاء ہے۔ اور اجزاء ایسے ہیں کہ اِن کا ایک دوسرے سے جدا ہونا صحیح ہے حِسًّا۔

مثلُ اکرمتُ القومَ کلَّھُم میں نے ساری کی ساری قوم کا اکرام کیا۔ دیکھو! القومَ منصوب ہے تو اس کی تاکید "کلّ" بھی منصوب لایا۔ کیونکہ "تاکید" تابع ہے اور تابع اور متبوع کا اعراب ایک ہوتا ہے۔

و اشتریتُ العبدَ کلَّہُ : اور میں نے سارا غلام خرید لیا۔ اَلعَبد کے اجزاء حِسًّا تو جدا نہیں ہو سکتے لیکن حُکمًا جدا ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا کُلُّ کے ذریعے تاکید لانا صحیح ہوا۔ بخلافِ جاءَ زیدٌ کلُّہُ یہ کہنا صحیح نہیں۔ کیونکہ زید کے اجزاء نہ تو حقیقتًا جدا ہو سکتے ہیں اور نہ ہی حُکمًا جدا ہو سکتے ہیں، اس لئے یہاں کُلُّ کے ذریعے تاکید لانا صحیح نہیں۔

جب آپ ضمیر متّصل کی تاکید "نفس یا عین" کے ساتھ لانا چاہتے ہوں تو اس کا طریقہ کیا ہوگا۔ صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ براہ راست "نفس یا عین" کو تاکید نہ بنانا، بلکہ اُس ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لاؤ پھر "نفس یا عین" کے ساتھ لاؤ۔ اور قاعدہ وہی ہوگا کہ فعل کے مطابق "نفس یا عین" کا صیغہ بھی بدلے گا اور ساتھ ضمیر بھی بدلے گا۔ مثلاً ضَرَبَ کے اندر جو "ھو" ضمیر ہے اور اسکی تاکید میں نفس کے ساتھ لانا چاہتا ہوں تو یوں کہوں گا، "ضربَ ھُوَ نفسُہُ"۔ اسی طرح ضَرَبْتَ کے اندر "تا" ضمیر ہے اور اسکی تاکید میں نفس کے ساتھ لانا چاہتا ہوں تو یوں کہوں گا، "ضربْتَ انتَ نفسُکَ"۔ تو فعل کے مناسبت سے نفس کے ساتھ ضمیر بھی "کاف" لایا۔ اسی طرح ضَرَبَتْ کے لئے "ضَرَبَتْ ھِیَ نَفسُھا"۔ اور متکلم کی صورت میں "ضَرَبْتُ انا نَفْسِیْ": میں نے خود پٹھائی کی۔ نَفْسُ یہاں پریائے

متکلم کی طرف مضاف ہے، اور جو بھی اسم یائے متکلم کی طرف مضاف ہو تو اسکا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔ تو نفسؐ کا اعراب مرفوع تقدیرًا ہے۔ تو صاحب کافیہ یہی بات کر رہے ہیں۔ وَ اِذا أُكِّدَ الضميرُ المرفوعُ المتصلُ بالنفسِ والعينِ اور جب تاکید لائی جائے ضمیر مرفوع متّصل کی "نفس" اور "عین" کے ساتھ أُكِّدَ بِمُنْفَصِلٍ تو اُس کی تاکید لائی جائے گی ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ۔ مثلُ ضربتَ انتَ نفسُکَ نفسُ یہاں پر "انتَ" ضمیر کی تاکید ہے۔ اور اَنْتَ ضمیر فاعل کی ہے۔ تو یہ نفسُ فاعل کا تاکید ہوا۔ اور تاکید تابع ہوتا ہے تو اِس پر وہی اعراب آئے گا جو متبوع پر آئے گا، اور متبوع یہاں پر فاعل ہے۔ تو فاعل مرفوع ہوتا ہے اس لئے نفسُ بھی یہاں مرفوع ہی ہوگا۔ کتابت کی غلطی سے نفسَکَ لکھا ہے۔ یہ ضابطہ جو صاحب کافیہؒ نے ابھی بیان کیا یہ صرف مرفوع متصل میں ہے۔ منصوب متصل وغیرہ میں نہیں۔

یا درمیان میں فصل آ جائے، یعنی ضمیر مرفوع متّصل اور نفس یا عین کے درمیان فصل آ جائے تو پھر ضمیر مرفوع منفصل کا لانا ضروری نہیں۔ اور یہ فصل اگر ایک حرف کے ذریعے بھی ہو تو پھر بھی ٹھیک ہے۔ مثلاً، زیدٌ ضربَ بِنَفْسِہٖ۔ زید نے خود پٹھائی کی۔ تو ضربَ کے اندر ھو ضمیر ہے۔ اور آگے جو نفسُ کا لفظ آیا ہے یہ اُسی ھُوَ کی تاکید ہے۔

ترکیب۔ زیدٌ مرفوع لفظًا مبتدا، ضربَ فعل، اسکے اندر ھو ضمیر مؤکد جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا کو، با جارّہ زائدہ نَفْسِ مجرور لفظًا اور مرفوع محلاً مضاف، ھا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر تاکید، مؤکد تاکید ملکر فاعل ہوا ضربَ فعل کے لئے،

اب یہ جو لفظ آتے ہیں اَجْمَعُ، اَبْتَعُ، اَکْتَعُ، اَبْصَعُ، اس کے بارے میں صاحب کافیہؒ بتلانے لگے ہیں۔ کہ یہ الفاظ کس طرح استعمال ہوں گے۔ اسکا کیا طریقہ کار ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ یہ جو تین لفظ ہیں، " اَبْتَعُ، اَکْتَعُ، اَبْصَعُ" یہ اَجْمَعُ کے تابع ہے۔ تو یہ تین لفظ جب بھی استعامل ہوں گے تو اَجْمَعُ کے تابع ہو کر استعمال ہوں گے۔ اَجْمَعُ آئے گا تو یہ تین لفظ آسکتے ہیں اور اگر اَجْمَعُ نہیں تو یہ بھی نہیں آسکتے۔ اور ان تینوں کا اَجْمَعُ کے بغیر کوئی معنیٰ نہیں۔ اور نیز یہ تینوں اَجْمَعُ پر مقدَّم بھی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اَجْمَعُ متبوع ہے۔ اور متبوع مقدَّم ہے۔ پھر نیز ان میں ایک اور بات یاد رکھو! چاہے اسکو اَجْمَعُ کے ساتھ ذکر کرو یا نہ کرو۔ چاہے اِن میں دو کو ذکر کرو یا چاہے اِن میں تین کو ذکر کرو۔ تو صاحب کافیہ آگے یہی بات بتلانا چاہتے ہیں۔ وَ اَکْتَعُ وَ اَخَواہُ اور اکْتَعُ اور جو اُس کے دو اخوان ہے۔ یعنی اَبْتَعُ اور اَبْصَعُ۔ اَتْبَاعٌ لِاَجْمَعُ یہ تینوں یعنی " اَبْتَعُ، اَکْتَعُ، اَبْصَعُ " تابع ہیں اَجْمَعُ کے فلا تَتَقَدَّمُ علیہِ پس لہٰذا یہ تینوں اجمعُ پر مقدَّم نہیں ہو سکتے۔ وَ ذِکْرُھَا اور ان تینوں یعنی " اَبْتَعُ، اَکْتَعُ، اَبْصَعُ " کا ذکر دونَہٗ عِلاوہ اَجْمَعُ کے۔ ھا ضمیر راجع ہے اَجْمَعُ کے ضَعِیفٌ ان تینوں یعنی " اَبْتَعُ، اَکْتَعُ، اَبْصَعُ " کا ذکر اَجْمَعُ کے

علاوہ ضعیف ہے۔ بعض علماءؒ نے اِس کو جائز قراد دیا ہے۔ لیکن یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ تابع بغیر متبوع کے یعنی بغیر اصل کے آنا صحیح نہیں۔

درس 77- توابع کی بحث میں آج ہم چوتھا تابع یعنی بدل پڑھیں گے۔ اس سے پہلے ہم نے تین توابع پڑھیں۔ جن میں نَعت، معطوف بالحرف اور تاکید شامل ہیں۔ نیز نَعت، تاکید اور عطف بیان میں متبوع مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے۔ جبکہ بدل میں تابع مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے۔ اور معطوف بالحرف میں متبوع اور تابع دونوں مقصود بالنسبۃ ہوتے ہیں۔ بدل کے بارے میں صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ اَلْبَدَلُ تابعٌ بدل ایسا تابع ہے مَقْصُوْدٌ کہ وہ مقصود ہوتا ہے۔ بِـمَا اُس چیز میں نُسِبَ اِلَی المتبوع جسکی نسبت کی گئی ہے متبوع کی جانب۔ جس چیز کی نسبت متبوع کی جانب کی گئی ہے اُس میں بدل مقصود ہوتا ہے۔ تو اس تعریف سے نعت، عطف بیان اور تاکید خارج ہو گئے۔ کیونکہ ان تینوں میں متبوع مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی اس میں معطوف بالحرف داخل تھا۔ کیونکہ اُس میں متبوع بھی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اور تابع بھی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے۔ جیسا کہ جاءنِی زیدٌ و عمرٌو میں زید بھی مقصود بالنسبۃ ہے اور عمرو بھی مقصود بالنسبۃ تھا۔ تو معطوف بالحرف ابھی بھی تعریف میں داخل تھا۔ لیکن آگے صاحب کافیہؒ نے "دونَہٗ" کہہ کر معطوف بالحرف کو "بدل" کی تعریف سے نکالا۔ تو یہ جامع مانع تعریف ہوا۔ دونَہٗ ای دونَ المتبوعِ نہ کہ متبوع۔ ھا ضمیر راجع ہے متبوع کو۔ یعنی متبوع مقصود نہیں ہوگا بلکہ تابع مقصود ہوگا۔

یاد رکھو! اس میں سے جو پہلے آتا ہے یعنی متبوع وہ "مُبدَل منہُ" کہلاتا ہے۔ اور جو تابع ہوتا ہے وہ بدل کہلاتا ہے۔ تو مبدَل منہُ اور بدل میں "بدَل" مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے۔ اور مبدَل منہ کو صرف تمہید کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ میں نے کہا، "سُلِبَ زیدٌ ثَوْبُہٗ" : چھینا گیا زید اُس کے کپڑے۔ "ثَوْبُہٗ" یہ بدل الاشتمال ہے۔ اور یہاں پر یہ "زید" مبدَل منہُ کو جو ذکر کیا گیا اسے صرف تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا۔ و ھو بدلُ الکُلِّ و البعضِ وَ الِاشْتِمَالِ و الغلَطِ بدل کی چار قسمیں ہیں۔ اور وہ "بدلُ الکُل"، بدلُ البعض، بدلُ الاشتمال اور بدلُ الغلط ہیں۔

اب صاحبِ کافیہ اِن چاروں کی تعریف فرماتے ہیں۔ فالْاَوَّلُ پس پہلا جو ہے یعنی بَدَلُ الکُل۔ مَدْلُوْلُہٗ اُس کا جو مدلول ہے۔ ھا ضمیر راجع ہے اَوّل کو یا یہ کہہ دیں کہ یہ بدلُ الکل کو راجع ہے۔ مَدْلُولُ الاَوَّلِ وہ اوّل کا مدلول ہوتا ہے۔ یعنی متبوع کا مدلول۔ اِس اوّل سے مراد "متبوع" ہے۔ کیونکہ متبوع پہلے آتا ہے اور تابع بعد میں آتا ہے۔ یعنی بَدَل الکل کا مدلول وہ مبدل منہ کا مدلول ہوتا ہے۔ مدلُول: جس پر وہ لفظ دلالت کرے۔ میں نے کہا، "زید"۔ اس لفظِ زید نے ذاتِ زید پر دلالت کی۔ مثلاً زید آپ کا ساتھی

ہے تو میں نے جیسے زید کہا تو آپ کے ذہن میں زید کا تصوُّر آیا۔ تو لفظِ زید نے ذاتِ زید پر دلالت کی۔ تو یہ لفظِ زید ہوا "دال" اور ذات زید ہوا "مدلول"۔

یعنی جس چیز پر مبدل منہُ دلالت کرتا ہے تو بدلُ الکل بھی اُس چیز پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی دونوں کا مدلول ایک ہوگا۔ یعنی مبدل منہُ اور بدل کی ذات ایک ہی ہوتی ہے۔ مثلاً میں نے کہا، جاءنِی زیدٌ اخوکَ۔ آیا میرے پاس زید تمہارا بھائی۔ تو "زید" نے بھی اُسی ذات پر دلالت کی، "اخوک" کے لفظ نے جس پر دلالت کی۔ زید کیا ہے؟ آپ کا بھائی ہے۔ تو پہلے میں ایک اسم لایا، اور اُس کے بعد میں نے اخوکَ کہا۔ تو زید نے اُسی ذات پر دلالت کی جو آپ کا بھائی ہے۔ اور "اخوکَ" کے لفظ نے بھی اُسی ذات پر دلالت کی جو آپ کا بھائی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جو پہلے آیا یعنی مبدَل منہ اور جو بعد میں آیا یعنی بدل الکل، دونوں نے ایک ہی ذات پر دلالت کی۔ تو دونوں کا مدلول ایک ہوا۔

و الثانی جُزْءُہٗ اور دوسرا یعنی بَدَلُ البعض کا مدلول متبوع کا جُز ہوگا۔ پورا عبارت اس طرح ہے، "والثانی مدلُولُہٗ جُزْءُ الْاَوَّلِ"۔ جُزْءُہٗ میں ھا ضمیر "الاوَّل" کو راجع ہے۔ یعنی بدل البعض، مبدَل منہ کا جز ہوتا ہے۔ الاوَّل سے مراد مبدَل منہُ ہے۔ مثلاً ضربتُ زیدًا رَاْسَہٗ: میں نے زید کو مارا اُس کے سر کو۔یعنی اُس کے سر پر مارا۔ تو یہ رأسؔ مبدل منہُ یعنی زید کا جُز ہے۔ تو یہ ثانی یعنی رأس یہ بدَلُ البعض ہے۔ اور یہ زید کے جُز پر دلالت کرتا ہے۔

و الثالثُ اور تیسرا جو ہے یعنی بدلُ الاشتمال۔ بینَہُ اُس کے درمیان، یعنی بدَل کے درمیان و بینَ الاوَّلِ اَوَّل سے مراد متبوع یعنی مبدَل منہ، یعنی تابع اور متبوع کے درمیان یا یوں کہے مبدَل منہ اور بدل کے درمیان مُلَابَسَۃٌ تعلق ہوگا۔ بِغَیْرِھِما اِن دونوں کے علاوہ۔ یعنی بدل اور مبدل منہ کے درمیان تعلق ہوگا اِن دونوں مذکورہ تعلقوں کے علاوہ۔ مذکورہ تعلقوں کی تفصیل نیچے دیکھئے۔

بھئی اوپر جو یہ تعلق ذکر ہوا۔ پہلی قسم یعنی بدل الکل میں بدل کا اپنے مبدل منہ سے کُلیَّت والا تعلق ہوتا ہے۔ یعنی بدل اپنے مبدل منہ کا کُل ہوتا ہے۔ جیسا کہ "جاءنِی زیدٌ اَخُوْکَ" میں یہ اَخوکَ پورے زید پر دلالت کرتا ہے۔ اور دوسری قسم یعنی بدل البعض میں، میں نے کہا، ضربتُ زیدًا رأسَہٗ میں یہ رأس، زید کا جُز ہے۔ تو بدل البعض میں جُزئیت کا تعلق ہے۔

تو ایک تعلق تو کُلیَّت والا ہے جو اوپر ذکر ہوا اور ایک تعلق جُزئیت والا ہے جو اوپر ذکر ہوا۔ تو بدلُ الاشتمال میں اس کے علاوہ کا تعلق ہوگا۔ یعنی ثانی اوّل کا کُل بھی نہیں ہوتا اور جُز بھی نہیں ہوتا۔ یعنی بدلُ الاشتمال اپنے مبدَل منہ کا کُل بھی نہیں ہوتا اور جز بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً سُلِبَ زیدٌ ثَوْبُہٗ: چھینا گیا زید اُس کے کپڑے۔ تو یہاں پر ثانی یعنی بدل الاشتمال "ثَوب" ہے۔ اور یہ ثوب مبدَل منہ یعنی زید کا نہ جُز

ہے اور نہ ہی کُل ہے۔ لیکن ثَوّب کا ایک تعلق ہے زید کے ساتھ۔ مگر کُلیّت اور جُزئیت والا تعلق نہیں ہے۔

بدل الاشتمال کی ایک اور تعریف۔ بدل الاشتمال وہ ہے کہ مبدَل منهُ محل نہ ہو وقوع فعل کا۔ ذہن منتظر رہتا ہے کہ کوئی ایسا لفظ ذکر کیا جائے گا جو وقوع فعل کا محلّ بن سکے۔ یعنی فعل کو قبول کر سکے۔ میں نے کہا سُلِبَ زیدٌ : چھینا گیا زید، تو زید کو چھینا نہیں جاتا۔ تو یہاں پر زید وقوع فعل کو قبول ہی نہیں کرتا۔ تو اب ذہن منتظر ہے کوئی اور کلمه آنا چاہئے کہ فعل کو قبول کر لے۔ اور وہ لفظ محل بن جائے وقوع فعل کے لئے۔ چنانچہ " ثَوْبُهٗ " آگے بدلُ الاشتمال آگیا۔

دوسری مثال: اَعْجَبَنِی زیدٌ عِلْمُهٗ: تعجب میں ڈالا مجھے زید نے اُس کے علم نے۔ اب یہ علمُهٗ بدل الاشتمال ہے زید سے۔ جب آپ نے کہا اَعْجَبَنِیْ زیدٌ: تعجب میں ڈالا مجھے زید نے، تو ابھی بھی ذہن منتظر ہے کہ کوئی کلمه ایسا آجائے جو وقوع فعل کو قبول کرے۔ اس لئے کہ کسی کی ذات "مِنْ حیثُ الذات" کسی کو تعجب میں ڈالنی والی نہیں ہوتی۔ اُس ذات کا کوئی وصف ہوگا کوئی فعل ہوگا جو دوسرے انسان کو تعجب میں ڈالے گا۔ اور آگے "علمُهٗ" نے فعل کو قبول کیا۔ کیونکه اُسکا علم ایک ایسا صفت ہے جو کسی انسان کو تعجب میں ڈال دیں۔

والرابعُ اور چوتھا یہ ہے۔ بدل کی چوتھی قسم یعنی بدلُ الغلط۔ **اَنْ تَقْصِدَ الیه** کہ آپ ارادہ کرے اُس کا۔ یعنی آپ ارادہ کرے اُس بدل الغلط کا۔ **بعدَ اَنْ غَلَطْتَّ** بعد اُس کے کہ آپ نے غلطی کی **بِغَیرِہٖ** اُس کے غیر کے ساتھ۔ یعنی متبوع کے ساتھ۔ نیچے والے مثال میں وہ زید جو متبوع آیا تھا اُس میں آپ نے غلطی کی تھی۔

آپ نے کہا جاءِنِی زیدٌ عمرٌو۔ تو آپ کہنا تو یہ چاہتے تھے "جاءِنِی عمرٌو" غلطی سے منه سے "زید" کا لفظ نکل گیا۔ یعنی "جاءِنِی زیدٌ" پھر آپ فورًا صحیح لفظ لائے "عمرٌو" ۔ اور یوں کہا "جاءِنِی زیدٌ عمرٌو" تو یہ عمرو بدل الغلط ہے ۔

بدلُ الغلط کا یہ معنیٰ نہیں کہ یہ غلط ہے ۔ بلکہ اس کو بدل الغلط اس لئے کہتے ہیں کہ غلطی اس کا سبب بنی۔ آپ نے غلطی سے زید کہا، تو آپ کی یہ غلطی اس بدل کے لانے کی سبب بنی۔ اس لئے اسکو بدلُ الغلط کہتے ہیں۔

و یکونانِ معرفتین و نکرتین و مُخْتَلِفَیْنِ اور یہ دونوں یعنی مبدل منه اور بدل معرفة بھی ہو سکتے ہیں، دونوں نکرة بھی ہو سکتے ہیں اور مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی مبدل منه معرفة ہو اور بدل بھی معرفة ہو ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مبدل منه نکرة ہو اور بدل بھی نکرة ہو۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ مبدل منهُ معرفة ہو اور بدل نکرة ہو۔ اور ایسا بھی ہو سکتا ہے مبدل منهُ نکرة ہو اور بدل معرفة ہو۔ تو یہ کُل چار صورتیں ہوئی۔

و اذا کان نکرۃً مِنْ مَعرفۃٍ اور جب نکرۃ آئے معرفۃ سے۔ یعنی جب نکرۃ بدل آئے معرفۃ سے۔ مبدل منہ اور بدل میں مقصود بالنسبت بدل ہوتا ہے۔ یعنی ثانی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے اور اوّل یعنی مبدَل منہ تو صرف تمہید کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ جب ثانی مقصود ہو تو اسے اوّل سے اعلیٰ ہونا چاہئے۔ اور اگر ثانی اعلی نہیں تو کم از کم اوّل کے برابر ہونا چاہئے اور ادنیٰ درجہ کا نہیں ہونا چاہئے۔

تو لہٰذا اگر مبدَل منہُ معرفۃ اور اس سے بدل بھی معرفۃ آیا تو بھی مسئلہ ٹھیک۔ کیونکہ ثانی اعلیٰ نہیں تو ادنیٰ بھی نہیں کم از کم برابر ہے۔ اور اگر مبدل منہ اور بدل دونوں نکرۃ ہو تو پھر بھی ٹھیک ہے۔ کیونکہ جو مقصود ہے وہ اعلیٰ نہیں تو کم از کم برابر تو ہے۔ تیسری صورت یہ کہ اگر مبدل منہ نکرۃ ہو اور بدل معرفۃ ہو۔ تو یہ صورت تو بالکل مطلوب ہے۔ کیونکہ بدل مقصود بالنسبۃ ہے اور اوّل سے اعلیٰ بھی ہے۔

لیکن اگر اسکا عکس ہو جائے مبدل منہ معرفۃ ہو اور بدل نکرۃ آجائے تو پھر یہ تو عکس ہو گیا مطلوب کا۔ کیونکہ ثانی مقصود ہے اور وہ نکرۃ آرہا ہے۔ یعنی ادنیٰ آرہا ہے۔ تو غیر مقصود اعلیٰ ہوا اور مقصود ادنیٰ ہوا۔ لہٰذا اس صورت میں اس نکرۃ کی صفت لانا واجب ہے۔ کیونکہ صفت کی وجہ سے نکرۃ کے اندر تخصیص آجاتی ہے۔ اور تخصیص سے وہ معرفۃ تو نہیں بنا لیکن معرفۃ کے قریب ہوا۔ اور "قریب الی الشیئ فی حکم الشیئ" ہوتا ہے۔ تو لہٰذا یہ بھی معرفۃ ہی کے حکم میں ہوگیا۔ لہٰذا اب اسکا بدل بنانا صحیح۔

فالنعتُ ای فالنعتُ واجبٌ خبر محذوف ہے۔ تو صفت لانا واجب ہے۔ یعنی جب نکرۃ بدل آئے معرفۃ سے تو اس صورت میں نکرۃ کی صوت لانا واجب ہے۔ وضاحت اوپر گزر گئی۔ اور یہ قاعدہ صرف بدلُ الکل میں ہے۔

مثلُ مثال کے طور پر قرآن مجید میں آیا ہے۔ **بالناصیۃِ ناصیۃٍ کاذبۃٍ** **لَنَسْفَعًا بالناصیۃِ:** ہم کھینچیں گے اُن کو پیشانی کے بالوں سے **ناصیۃٍ** ایسی پیشانی **کاذبۃٍ** جو جھوٹ بولنے والی ہے۔ ناصیۃ: سر کے اگلے حصّے کے بال۔ الناصیۃ یہ مبدل منہُ ہے۔ اور ناصیۃٍ اس سے بدل آرہا ہے۔ اور بدل ہے نکرۃ اور مبدل منہ ہے معرفۃ تو اس صورت میں بدل کا لانا واجب۔ تو اسی وجہ سے بدل کی صفت "کاذبۃ" لائی گئی۔ اللہ ہم سب کی جہنم سے حفاظت فرمائیں۔ آمین۔

و یکونانِ ظاھِرَیْنِ وَ مُضمَرَیْنِ وَ مُختَلِفَیْنِ اور دونوں اسم ظاھر ہوں گے اور دونوں ضمیریں ہوں گی اور دونوں مختلف بھی ہوں گے۔ یعنی مبدَل منہُ اور بدل دونوں اسم ظاہر بھی سکتے ہیں۔ جیسا کہ "جاءنِی زیدٌ اخوکَ" اس مثال میں مبدل منہ "زید" یہ بھی اسم ظاہر ہے اور بدل "اخوک" بھی اسم ظاہر ہے ۔ اور مبدل منہ اور بدل دونوں ضمیریں بھی ہو سکتے ہیں۔ اور مبدل منہ اور بدل دونوں مختلف بھی ہو

سکتے ہیں۔ یعنی مبدل منہ اسم ظاہر ہو اور بدل ضمیر ہو۔ یا اس کا عکس ہو۔ یعنی مبدل منہ ضمیر ہو اور بدل اسم ظاہر ہو۔ تو یہ کل چار صورتیں بن گئیں۔

وَ لا یُبْدَلُ ظاهِرٌ مِنْ مُضْمَرٍ اور اسم ظاہر کو اسم ضمیر سے بدل نہیں لایا جائے گا بَدَلُ الْکُلِّ جب کہ وہ بدلُ الکلّ ہو اِلَّا مِنَ الْغَائِبِ ای اِلَّا مِنَ الْمُضْمَرِ الْغَائِبِ: مگر غائب کی ضمیر سے۔ یعنی بدل الکل میں جب مبدل منہ ضمیر ہو اور آپ بدل کو اسم ظاہر لانا چاہتے ہو تو اس صورت میں مبدل منہ غائب کی ضمیر ہونا چاہئے۔ نَحْوُ ضربتُهُ زیدًا میں نے اُس کی پٹھائی کی زید کی۔ تو ضربتُهُ ایک مفعول چاہتی ہے اور "ھا" ضمیر منصوب متصل ساتھ آگئی۔ ضرَبْتُهُ: میں نے اُس کی پٹھائی کی۔ ضربتُهُ میں غائب کی ضمیر ہے۔ تو اس سے اسم ظاہر کو بدل لانا جائز ہے۔ اور آپ یوں نہیں کہہ سکتے، ضرَبْتُکَ زیدًا۔ اور یوں بھی نہیں کہہ سکتے، "ضرَبْتَنِی زیدًا"۔

وجہ اسکی یہ ہے کہ بدل مقصود ہوتا ہے۔ اور مقصود کو غیر مقصود سے اعلیٰ ہونا چاہئے۔ اور اگر مقصود اعلیٰ نہ ہو غیر مقصود سے تو کم از کم برابر ہونا چاہئے۔ اور اگر یہاں مبدل منہُ کو مخاطَب یا متکلم کی ضمیر کو بنائیں تو پھر بدل اُس سے ادنیٰ ہو جائے گا۔ کیونکہ متکلِّم کی ضمیر میں سب سے زیادہ تعریف ہوتا ہے۔ اس کے بعد مخاطَب کی ضمیر میں سب سے زیادہ تعریف ہوتا ہے۔ اور "هُو" کی ضمیر میں کچھ ابہام ہے۔ تو اس کے لئے مرجع چاہئے۔ اس وجہ سے غائب کی ضمیر کا درجہ اِن دونوں سے کم ہے۔ اور اسم ظاہر کا درجہ تو اِن سے کم ہے۔

لہٰذا اسم ظاہر کو غائب کی ضمیر سے تو بدل لایا جا سکتا ہے۔ اور کسی اور ضمیر سے بدل نہیں لایا جا سکتا، ورنہ پھر مقصود یعنی بدل ادنیٰ ہو جائے گا اور غیر مقصود یعنی مبدل منہ اعلیٰ ہو جائے گا۔

ایک دو باتیں بدل کی اور یاد رکھئے! یاد رکھو! بدل ہمیشہ اسمِ جامد ہوگا اور یہ مشتق نہیں آتا۔ بدل مشتق کا صیغہ آئے یہ کلام عرب میں نہایت نادِر ہے۔ نیز ایک نہایت اہم ضابطہ ہمیشہ یاد رکھنا۔ یہ بدل تَکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ گویا کہ اس پر عامل دوبارہ داخل ہو رہا ہو۔ تو اس کے لئے عامل کو مقدَّر مانا جاتا ہے۔ مثلاً، جاءنِی زیدٌ اخوکَ: میرے پاس آیا زید آپکا بھائی۔ اور یہ "اخوکَ" بدل الکل ہے۔ اور بدل تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے۔ یعنی اس کے لئے عامل کو دوبارہ مقدّر نکالا جاتا ہے۔ تو یہاں پر زیدٌ کو رفع "جاء" نے دیا۔ تو آگے "اخوکَ" کے لئے ایک اور "جاءَ" نکالنا پڑے گا۔ یعنی "جاءنِی زیدٌ جاءنِی اخوکَ"۔ تو دیکھا یہ دو جملوں کے حکم میں ہوا۔

عطفُ البیانِ توابع میں سے آخری تابع عطفُ البیان ہے۔ تابعٌ ایسا تابع ہے غیرُ صِفَةٍ جو صفت سے غیر ہوتا ہے۔ یُوَضِّحُ مَتْبُوعَهُ اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے۔ مثلُ اَقْسَمَ بِاللهِ ابو حَفْصٍ عُمَرُ قسم کھا لی اللہ کی ابو حفص نے عمرؓ نے۔ تو دیکھو! ابو حفص اس سے عُمر عطف بیان آیا۔ اور

جو عطف بیان سے پہلے ہوتا ہے اُس معطوفٌ علیه کہتے ہے۔ تو "ابو حفص" معطوفٌ علیه ہے اور "عمر رض" اس سے عطف بیان ہے۔ اب دیکھئے! "ابو حفص" جب متکلم نے کہا تو پتہ نہ چلا کہ "ابو حفص" سے کون مراد ہے۔ کیونکہ یہ کنیت "ابو حفص" زیادہ مشہور نہیں۔ اور حضرت عمر رض اپنے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ تو "ابو حفص" جب کہا تو اس سے پتہ نہ چلا، تو آگے جب "عمر" کہا تو معلوم ہوا کہ اس سے حضرت عمر رض مراد ہے۔

اسی لئے کہا کہ عطف بیان ایسا تابع ہے جو صفت کے علاوہ ہو اور اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے۔ بھئی غیرُ صفةٍ کی قید لگائی۔ کیونکہ آپ کو پتہ ہے کہ جب معرفة کی صفت آئے تو وہ توضیح کا فائدہ دیتی ہے۔ تو صفت بھی وضاحت کے لئے آتی ہے اور عطف بیان بھی وضاحت کے لئے آتا ہے۔ تو وہ بھی تعریف کے اندر داخل ہو رہی تھی، تو "غیرُ صفةٍ" کی قید لگا کر صفت کو عطف بیان کی تعریف سے نکال دیا۔

عطف بیان کے بارے میں مصنف رح نے فرمایا کہ عطفِ بیان کے ذریعے متبوع کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ عطف بیان زیادہ واضح ہوگا اپنے متبوع سے۔ یہ ضروری نہیں۔ بس دونوں کے ملنے سے وضاحت حاصل ہو جاتی ہو۔ مثلاً تین آدمی ہیں۔ ایک کا نام عبدُالله ہے، دوسرے کا نام بھی عبدُالله ہے اور تیسرے کا نام زید ہے۔ اور یاد رکھو! یہ زید کی کنیت بھی ابو بکر ہے۔ اور ایک عبدُالله کی کنیت بھی ابوبکر ہے۔ اب میں کہتا ہوں، "جاءَنِی عبدُاللهِ" تو اس سے پتہ نہ چلا کو کونسا عبدُالله آیا۔ اسی طرح میں کہتا ہوں، "جاءَنِی ابو بکرٍ" تو اس سے بھی پتہ نہیں چلا کہ کون آیا۔ کیونکہ ابو بکر یہ دو لوگوں کی کنیت ہے۔ پس اگر "ابو بکر" اکیلا کہتا ہوں تو بھی پتہ نہیں چلتا اور اگر "عبد الله" اکیلا کہتا ہوں تو بھی پتہ نہیں چلتا۔ اب میں کہتا ہوں "جاءَنِی عبدُاللهِ ابو بکرٍ"۔ اب تعیین ہوا کو کونسا عبدُالله مراد ہے۔ اور کونسے کنیت والا ابو بکر مراد ہے۔ اور وہ عبد الله خارج ہوا جس کی کنیت ابوبکر نہیں تھا اور وہ ابوبکر بھی خارج ہوا جس کا نام عبدالله نہیں تھا۔ تو اس مثال میں نہ تو ابوبکر زیادہ واضح تھا اور نہ عبدالله زیادہ واضح تھا مگر دونوں کے ملنے سے وضاحت ہو گئی۔

تو دیکھا! عطف بیان نے اشتراک کو ختم کر دیا۔ یعنی وضاحت سے مراد اشتراک کو ختم کرنا ہے۔ جیسے صفت کے اندر بعض لوگ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے اشتراک ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک زید تاجر ہے اور ایک زید عالم ہے۔ اب میں کہتا ہوں، جاءَنِی زیدٌ۔ تو اس سے پتہ نہ چلا کہ کونسا زید آیا۔ اور آگے جب "العالمُ" کو صفت لایا تو اس صفت نے آکر اشتراک کو ختم کر دیا۔ اور بتلا دیا کہ وہ زید آیا ہے جو کہ عالم ہے اور وہ زید مراد نہیں جو کہ تاجر ہے۔

تو یہاں پر عبدالله کے اندر بھی اشتراک تھا اور ابو بکر کے اندر بھی اشتراک تھا ۔ تو لہٰذا جب میں نے کہا "عبدالله ابو بکر" تو اس ابو بکر نے آکر اُس اشتراک کو ختم کر دیا۔

وَ فَصْلُهُ اور عطف بیان کا فرق۔ ھا ضمیر راجع ہے عطفِ بیان کو۔ مِنَ البَدَلِ بدل سے لفظًا فی مثلِ لفظوں کے اعتبار سے اس قسم کے مثالوں میں ہوگا۔ بھئی معنیٰ کے اعتبار سے تو عطف بیان اور بدل دونوں میں تو فرق ہیں۔ لیکن لفظوں کے اعتبار سے کیسے پتہ چلے گا۔ بھئی یاد رکھو! یہ عطف بیان اور بدل میں فرق بڑا مشکل ہے۔ یعنی عطف بیان اور بدل الکل میں فرق بڑا مشکل ہے۔ یہاں تک کہ علّامہ رَضِی فرماتے ہیں جنھوں نے کافیہ کی مشہور ترین شرح لکھی۔ تمام علماء کافیہ کی تشریح کی سلسلے میں اُس کی طرف رُجوع کرتے ہیں۔ اور یہ شرح کئی جلدوں میں ہے۔ اور اُس میں وہ لکھتے ہیں کہ ابھی تک مجھے "بدلُ الکُل" اور "عطفِ بیان" میں کوئی خاص فرق معلوم نہیں ہوا۔ بلکہ میں نے جب بھی عطف بیان میں غور کیا تو وہ مجھے بدلُ الکل معلوم ہوا۔ جیسا کہ "ابو حفص" اور "عمر" دونوں کا مدلول ایک ہے۔ دونوں کے درمیان صرف اعتباری فرق ہے۔ کیسے؟

بدلُ الکل اور مبدل منہ میں بدلُ الکل مقصود ہوتا ہے اور مبدَل منہ وہاں پر غیرِ مقصود ہوتا ہے۔ یعنی ثانی مقصود ہوتا ہے۔ اور عطفِ بیان میں معطوفٌ علیہ یعنی متبوع مقصود ہوتا ہے اور عطف بیان کو وضاحت کے لئے لایا جاتا ہے۔ یعنی ثانی کو وضاحت کے لئے لایا جاتا ہے۔ تو ثانی اگر مقصود ہو تو اُس صورت میں وہ بدل کہلائے گا۔ اور اگر ثانی کو وضاحت کے لئے ذکر کیا تو یہ عطف بیان ہو جائے گا۔ اور اگر ثانی کو ذکر کیا اِس لئے کہ وہی مقصود ہے تو وہ بدل الکل ہے۔

تو یہی "ابو حفصٍ عمرُ" بدل کی بھی مثال بن سکتی ہے اگر اس سے مقصود ثانی یعنی "عمر رض" ہو۔ اوّل کو تمہید کے طور پر ذکر کیا اور ثانی مقصود بالنسبۃ تھا۔ تو یہ بدلُ الکل بن گیا۔ اور اگر اوّل مقصود تھا اور ثانی کو وضاحت کے لئے ذکر کیا گیا تو پھر یہ عطف بیان بن جائے گا۔ تو یہ معنیٰ کے لحاظ سے فرق ہوا۔ اور لفظوں کے لحاظ سے فرق اس قسم کے مثالوں میں ہوگا۔

انا ابنُ التَارِکِ الْبَکْرِیِّ بِشْرٍ انا ابنُ میں بیٹا ہوں اُس شخص کا التَارِکِ الْبَکْرِیِّ بِشْرٍ کہ وہ کر چھوڑنے والا ہے بَکْرِی بِشْر کو۔ شاعر کہتا ہے کہ میں اُس شخص کا بیٹا ہوں، جس نے بکری بشر کو مرنے کے قریب حالت میں جنگل میں چھوڑ آگیا تھا۔ اور پرندے اس انتظار میں تھا کہ کب اِس بکری بِشر کی روح نکل جائے اور ہم اُس کا گوشت کھائیں۔

تو دیکھئے! یہاں اَلْبِکْرِی معطوفٌ علیہ ہے اور بِشْرٍ اُس سے عطف بیان ہے۔ اور یہ بِشْرٍ وضاحت کے لئے لایا گیا۔ کہ بکری سے کون مراد ہے۔ یعنی وہ بکری جو بشر ہے۔ اب یہاں دیکھئے! یہ بِشْرٍ عطفِ بیان ہے بکْرِی سے۔ لیکن اِس کو بدل بنانا جائز نہیں۔ اس لئے کہ بدل تکرار عامل کے حُکم میں ہوتا ہے۔ گویا کہ اُس پر عامل دوبارہ داخل ہوتا ہے۔ اور جب آپ "بِشر" کو "بکری" سے بدل بنائے۔ تو بِکری کے اندر عامل "التارک" ہے۔ "التارکِ البکرِیِّ" یہ مضاف مضافٌ الیہ ہے۔ مضاف صفت کا صیغہ ہے۔ تارِکْ اسم فاعل ہے۔ اور مضافٌ الیہ پر بھی الف لام داخل ہو رہا ہے۔ تو یہ "الضاربُ الرجلِ" کی طرح ہوا۔ (الضاربُ

الرجلِ، الحسنُ الوجهِ الضاربُ زیدٍ اس کی وضاحت مجرورات کے بحث میں اضافت کے بحث میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔ جس میں الضاربُ زیدٍ والا صورت جائز نہیں تھا۔ تفصیل وہاں پر دیکھ سکتے ہیں۔ یہ دونوں مثالیں " الواھب المائۃ الھجان و عبدھا" کے آگے پیچھے گزرے تھے۔) تو "الضاربُ الرجلِ" اضافت لفظی ہے اور یہ جائز ہے۔ اور اسی طرح "التارکِ البکریِّ" بھی اضافت لفظی ہے تو یہ جائز ہوا۔ اور اب ہم اگر "بشرٍ" کو بدل بنائیں اور بدل تکرارِ عامل کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور بِکری میں عامل "التارک" تھا تو گویا وہ "التارِک" بشرٍ پر دوبارہ داخل ہوا۔ تو یہ "التارکِ بِشْرٍ" بن جائے گا۔ تو عبارت یوں ہوں گی، " انا ابنُ التّارِکِ الْبِکْرِیِّ التارِکِ بِشْرٍ" تو التّارِکِ الْبِکْرِیِّ کہنا تو جائز، اور "التارِکُ بِشْرٍ" یہ تو "الضاربُ زیدٍ" کی طرح ہوا۔ جس میں مضاف تو صفت کا صیغہ ہے لیکن مضافٌ الیہ پر الف لام داخل نہیں۔ اور یہ صورت تو جائز نہیں۔ تو لہٰذا اب اسکو بدل بنانا جائز نہیں۔ اور پھر یہ عطفِ بیان بنے گا۔ کیونکہ بدل بنانے کی صورت میں یہ "الضاربُ زیدٍ" کی طرح بن جائے گا اور "الضاربُ زیدٍ" کہنا تو جائز نہیں۔ تو یہ فرق ہوا لفظوں کے اعتبار سے۔

تو عطف بیان میں ایک بڑی قیمتی بات یاد رکھو! عطفِ بیان ہمیشہ اسم جامد ہوگا مشتق نہیں ہوگا۔ اور ہمیشہ معرفۃ ہوگا۔ اور کبھی بھی جملہ نہیں ہو سکتا۔

درس 78۔ مصنفؒ نے ابتدا میں بتلایا تھا کہ اسم دو قسم پر ہے۔ ایک معرب اور دوسرا مبنی۔ معرب کی طویل بحث ختم ہوئی۔ آج سے اسم کی دوسری قسم مبنی کے بارے میں پڑھیں گے۔

اَلْمَبْنِیُّ مَا نَاسَبَ مَبْنِیَّ الْاَصْلِ مبنی وہ اسم ہے جو کہ مناسب ہو مبنی الاصل کے ساتھ۔ یعنی کہ مبنی الاصل کے ساتھ اُس کی مناسبت ہو۔ اور مبنی الاصل تین چیزیں ہیں۔ تمام حروف ہیں، فعل ماضی ہے اور فعل امر حاضر۔ پس جس اسم کی اِن تینوں کے ساتھ مناسبت آجائے تو وہ اسم بھی مبنی بن جائے گا۔

مُناسبت سے ہر مناسبت مراد نہیں بلکہ کچھ خاص مناسبتیں مراد ہیں۔ ورنہ مناسبت بایں اعتبار تو پہلے سے ہے کہ اسم بھی لفظ ہوتا ہے اور فعل اور حرف بھی لفظ ہوتے ہیں۔ تو یہ مناسبت مراد نہیں۔

مثلاً مناسبت ہونا محتاج ہونے کے اندر، جیسے اسم اشارہ اور اسم موصول حرف کی طرح ہے محتاج ہونے میں۔ تو اسم اشارہ اور اسم موصول کی مناسبت آگئی حرف کے ساتھ احتیاج کے اندر۔ جیسے حرف اپنا معنیٰ ادا کرنے میں غیر کا محتاج ہوتا ہے۔ دوسرا کلمہ حرف کے ساتھ ملے گا تو اسکا معنیٰ سمجھ میں آئے گا ورنہ اسکا معنیٰ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اسی طرح اسم اشارہ اور اسم موصول بھی محتاج ہوتے ہیں جس طرح حرف محتاج تھا۔ اسم اشارہ محتاج ہوتا ہے مشارٌ الیہ کا۔ اور اسمِ موصول محتاج ہوتا ہے صلہ کا۔ تو محتاج ہونے میں یہ دونوں حرف کی طرح ہوئے۔ تو اسی وجہ سے اسم اشارہ اور اسم موصول مبنی ہیں۔

یا مثلاً مناسبت ہو اُسکی جگہ پر واقع ہو۔ یعنی اِسم مبنی الاصل کی جگہ پر واقع ہو جائے۔ تو یہ بھی مناسبت ہے۔ جیسے فعل امر ہے اِضْرِبْ، اسی سے اسمِ فعل بناتے ہیں ضَرَابِ۔ ضَرَابِ اسم ہے لیکن اِضْرِبْ کا معنیٰ ادا کر رہا ہے۔ اسی طرح نَزَالِ کا معنیٰ ہے اِنْزِلْ۔ یعنی فَعَالِ وزن پر امر بنا لیا کرتے ہے اِسم فعل۔ اکثر افعال سے یہ بنا دیا جاتا ہے۔ جب آپ نے کہا، "ضَرَابِ زیدًا" تو یہ ضَرَابِ "اِضْرِبْ" کی جگہ پر آیا۔ اور اِضْرِبْ تو مبنی الاصل ہے پس ضَرَابِ جب اِضْرِبْ کی جگہ پر آیا اور اُس کے ساتھ مناسبت پیدا ہوئی تو یہ بھی مبنی الاصل بن گیا۔

یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ وہ اسم فعل ماضی یا فعل امر کے معنیٰ کو متضمن ہو تو وہ اسم پھر مبنی الاصل بن جاتا ہے۔ یعنی وہ اسم اُس فعل کے معنیٰ میں ہو۔ تو یہاں ضَرَابِ "اِضْرِبْ" کے معنیٰ میں ہے۔ اور اِضْرِبْ تو ہے مبنی الاصل تو ضَرَابِ بھی مبنی بن جائے گا۔

یا اور مناسبت کہ وہ اسم متضمن ہو مبنی الاصل کو۔ جیسے خَمْسَةَ عَشَرَ۔ یہ اصل میں خَمْسَةٌ و عَشَرٌ تھا۔ تو درمیان میں واؤ تھا، اور واؤ حرف ہے اور حرف تو مبنی الاصل ہے۔ اب اِن دونوں کو جوڑ دیا۔ اور واؤ چھپ گیا ثانی کے اندر۔ اور دونوں کو جوڑ کر "خَمْسَةَ عَشَرَ" بنایا۔ اور واؤ تھا مبنی الاصل اور مبنی اسکے اندر چھپ گیا تو اِسکو بھی مبنی بنایا۔ تو یہ بھی مناسبت ہے کہ وہ اسم مبنی الاصل کو متضمن ہو یعنی اُس اسم کے اندر مبنی الاصل موجود ہو۔

او وقعَ غیرَ مُرَکَّبٍ اور یا وہ اسم واقع ہو اِس حال میں کہ مرکب نہ ہو۔ یعنی یا تو سرے سے مرکب ہی نہ ہو، یا مرکب تو ہو لیکن ساتھ اُس کا عامل نہ ہو۔ تو یہ اسم بھی مرکب بن جائے گا۔ دیکھئے! میں نے کہا "زید"۔ تو یہ "زید" چونکہ ترکیب میں واقع نہیں اس لئے یہ مبنی ہے۔ یعنی "زید" کسی کے ساتھ مرکب نہیں۔ اب آپ اسکو نہ مرفوع پڑھ سکتے ہے نہ منصوب اور نہ ہی مجرور بلکہ یہ مبنی علی السکون ہوگا۔ تو بالفعل یہ مبنی ہے ہاں بالقوۃ یہ معرب ہے۔ یعنی "زید" اس وقت مبنی ہے لیکن اس میں معرب بننے کی صلاحیت ہے۔ جب بھی یہ ترکیب میں آئے گا ایسا ترکیب کہ اس کا عامل بھی ساتھ ہو تو وہ عامل اس کو رفع، نصب یا جرّ دیگا۔

تو دیکھا! "زید" سرے سے ترکیب میں واقع نہیں تھا۔ یا وہ اسم ترکیب میں تو واقع ہو لیکن ساتھ اُس کا عامل نہ ہو۔ جیسے "غلامُ زیدٍ"۔ غلامُ مضاف اور زیدٍ مضافٌ الیہ۔ زیدٍ یعنی مضافٌ الیہ کا عامل تو موجود ہے جس نے زید کو جرّ دیا۔ اور زید کا عامل "غلام" یعنی مضاف ہے۔ لیکن "غلامُ" کا لفظ تو ترکیب میں واقع ہے لیکن ترکیب میں اُس کا عامل ساتھ موجود نہیں۔ پس یہ "غلامُ" کا لفظ بھی مبنی ہوا۔ تو غلامُ پر رفع، نصب اور جرّ نہیں پڑھ سکتے کیونکہ ساتھ عامل موجود نہیں۔

تو یہاں صاحب کافیہؒ نے مبنی کے لئے دو شرطیں ذکر کی۔ پہلا شرط یہ ذکر فرمایا کہ اسم کی مناسبت ہو مبنی الاصل کے ساتھ، اور دوسری شرط یہ ذکر کی کہ وہ اسم ترکیب میں واقع ہی نہ ہو یا ترکیب میں

تو ہو لیکن اُس ترکیب میں اُس اسم کے ساتھ اُس کا عامل موجود نہ ہو۔ اب چاہے دونوں شرطیں پائی جائے یا دونوں میں سے کوئی ایک شرط پائی جائے تو وہ اسم مبنی بن جائے گا۔ مثلاً، "هٰؤُلَاءِ" یہ اسم اشارہ ہے۔ اور اس کی مناسبت مبنی الاصل حرف کے ساتھ ہے۔ اور یہ مناسبت احتیاج میں ہے ۔ تو یہ پہلی شرط پائی گئی اس میں۔ دوسرا یہ کہ "هٰؤُلَاءِ" ترکیب میں بھی واقع نہیں ہے۔ تو یہ دوسری شرط بھی پائی گئی اس میں۔ یا دونوں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط پایا جائے۔ اب اس "هٰؤُلَاءِ" کو ترکیب میں لاؤ۔ یعنی جاءَنِی هٰؤُلَاءِ۔ اب دوسری شرط تو نہیں لیکن پہلی شرط اس میں اب بھی موجود ہے کیونکہ اس کی مناسبت مبنی الاصل حرف کے ساتھ ہے۔ یا بعض اسم ایسے ہوں گے جس میں پہلی شرط نہیں پائی جائیں گی جبکہ دوسری شرط پائی جائیں گی اُس میں۔ جیسا کہ "زید" کا لفظ جب اکیلا ہو ترکیب میں واقع نہ ہو۔ یا ترکیب میں ہو لیکن ساتھ اُس کا عامل نہ ہو جیسا کہ "غلامُ زیدٍ" میں غلامُ کا لفظ ترکیب میں تو ہے لیکن اس وقت اسکا عامل ساتھ موجود نہیں۔ تو یہ "زیدٌ اور غلامٌ" بالفعل مبنی ہے لیکن بالقوۃ یہ معرب ہیں۔ یعنی اس وقت تو یہ مبنی ہیں لیکن اس میں معرب بننے کی صلاحیت موجود ہے۔

و حُكْمُهُ اور مبنی کا حکم یہ ہے۔ **اَنْ لَّا یَخْتَلِفَ اٰخِرُهٗ** کہ اسکا آخر نہ بدلتا ہے۔ یعنی مبنی کا آخر مختلف نہیں ہوگا۔ **لِاخْتِلَافِ الْعَوَامِلِ** عوامل کی اختلاف کی وجہ سے۔ جیسا کہ جاءنِی هٰؤُلَاءِ، رَأیتُ هٰؤُلَاءِ اور مررتُ بِهٰؤُلَاءِ۔ تو تینوں حالتوں میں مبنی اُسی طرح رہتا ہے۔ عوامل کیوجہ سے مبنی کا آخر نہیں بدل سکتا۔ ویسے کسی اور وجہ سے کبھی بدل سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص آپ سے ملنے آیا اور آپ نے کہا، مَنْ اَنْتَ۔ تو یہ مَنْ اسم موصول ہے۔ مبنی ہے اور مبنی علی السُّکون ہے۔ اب کسی عامل کی وجہ سے نہ اس پر رفع آسکتا ہے ، نہ نصب آسکتا ہے اور نہ ہی جرّ آسکتا ہے۔ لیکن اس مَنْ میں نون کا سکون کسی اور وجہ سے حرکت میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مَنْ کے آگے جب اَلرَّجُل لگا دے تو اس کو مَنِ الرَّجُل پڑھتے ہے۔ اب ہم مَن پر کسرہ پڑھتے ہیں۔ لیکن یہ کسرہ کسی عامل کی وجہ سے نہیں بلکہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے پڑھتے ہیں۔ **وَ اَلْقَابُهٗ ضَمٌّ و فَتْحٌ و كَسْرٌ وَ وَقْفٌ** اور مبنی کے حرکتوں کے نام ضمّہ ہے فتحہ ہے اور کسرہ ہے اور وقف ہے۔ یہاں پر تین قسم کے نام ہیں۔ ضَمٌّ، فَتْحٌ اور کسرٌ یہ خاص ہے مبنی کے ساتھ۔ رَفْعٌ، نَصْبٌ اور جَرٌّ یہ خاص ہے معرب کے ساتھ۔ اور ضَمَّةٌ، فَتْحَةٌ اور كسرَةٌ یہ عامل ہے۔ معرب کے ساتھ بھی استعمال ہوتے ہیں اور مبنی کے ساتھ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ کتابت کی غلطی سے القابُهٗ کی عبارت پہلے آئی تھی۔ اصل میں حُكْمُهُ کی عبارت پہلے ہے۔

مبنیات آٹھ قسم پر ہے۔ آگے صاحب کافیہؒ اُن کے نام گنواتے ہیں۔ **و هی [1]الْمُضْمَرَاتُ و [2]اسماءُ الاشارَةِ و [3]الموصولاتُ و [4]المركباتُ و [5]الكناياتُ و [6]اَسْمَاءُ الْاَفْعَالِ وَ [7]الْاَصواتُ و [8]بعضِ الظروف**

اَلْمُضْمَرُ ما وُضِعَ ضمیر وہ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو لِمُتَکَلِّمٍ متکلِّم کے لئے۔ یعنی متکلِّم پر دلالت کرے۔ اَوْ مُخَاطَبٍ یا ضمیر کو اس لئے وضع کیا گیا ہو کہ وہ مخاطَبْ پر دلالت کرے۔ اَوْ غَائِبٍ یا ضمیر کو وضع کیا گیا ہو ایسے غائب کے لئے - بھئی دیکھئے غائبٍ نکرہ آیا۔ اور نکرہ کے بعد تَقَدَّمَ فعل آرہا ہے۔ اور جب نکرہ کے بعد فعل آئے تو وہ فعل اُس نکرہ کے لئے صفت بنے گا۔ اور موصوف صفت کا ترجمہ کرتے وقت موصوف سے پہلے "ایسا یا ایسی" کا لفظ لاتے ہیں۔ تَقَدَّمَ ذِکْرُہُ کہ گزر چکا ہو اُس کا ذکر۔ غائب کے ضمیر کے لئے شرط ہے کہ اُسکا مرجع موجود ہو۔ اور اُس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو۔ تو اس شرط کے ذریعے اسم ظاہر کو تعریف سے نکالا۔ کیونکہ اسم ظاہر کے لئے پہلے سے مرجع کا گزرنا شرط نہیں۔

لَفظا یعنی مرجع کا ذکر یا تو لفظًا پہلے گزر چکا ہو۔

لفظوں کے اعتبار سے مرجع پھر دو قسم پر ہے۔ یا تو وہ مرجع حقیقتًا مقدَّم ہوگا یا وہ مرجع تقدیرًا مقدَّم ہوگا۔ دیکھئے! میں نے کہا، زیدٌ فی دارِہٖ : زیدٌ مبتدا، اور یہ "فی دارِہٖ" کی ھا ضمیر زید کو راجع ہے۔ اور زید کا لفظ پہلے حقیقتًا گزر چکا ہے۔ اور کبھی مرجع حقیقتًا مقدَّم نہیں ہوتا جبکہ تقدیرًا مقدَّم ہوتا ہے۔ جیسے میں کہتا ہوں، "فی دارِہٖ زیدٌ"۔ تو یہاں پر خبر "فی دارِہٖ" مقدَّم ہے اور مبتدا "زیدٌ" مؤخر ہے۔ اور "فی دارِہٖ" میں ھا ضمیر زید کو راجع ہے۔ تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو اضمار قبل الذکر آیا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ زید لفظوں کے اعتبار سے تو مؤخر ہے لیکن رُتبے کے اعتبار سے مقدَّم ہے کیونکہ زید مبتدا ہے۔ یا یوں کہو کہ لفظوں ہی کے اعتبار سے زید مقدَّم ہے لیکن تقدیرًا مقدم ہے حقیقتًا نہیں۔

او معنًی یا مرجع کا ذکر معنًی پہلے گزر چکا ہو۔ یہ بھی دو صورتوں میں ہے۔ یعنی مرجع لفظوں میں تو پہلے نہیں گزرا لیکن کسی اور لفظ کے ضِمَنْ میں گزرا ہو۔ جیسے مثال سے بات سمجھ میں آئے گی۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، " اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰیٰ ": تم لوگ عدل کرو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ هُوَ اَقْرَبُ: وہ زیادہ قریب ہے۔ یعنی عَدَل زیادہ قریب ہے تقویٰ کے۔ اور عدل کا کہیں پیچھے ذکر نہیں ہوا۔ لیکن اِس "ھو" کا مرجع معنًی مقدَّم ہو چکا ہے۔ کیونکہ "اِعْدِلُوْا": عدل کرو، تو اِس فعل کے ضِمَنْ میں "عَدل" بھی آگیا۔ تو لفظوں کے اعتبار سے تو عدل مقدَّم نہیں لیکن معنیٰ کے اعتبار سے عدل مقدَّم ہے۔ یعنی کسی اور لفظ کے ضِمَن میں آگیا اور وہ لفظ "اِعْدِلُوْا" ہے۔

کیونکہ اِعْدِلُوْا فعل ہے۔ اور فعل تین چیزوں پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی فعل کا مفہوم تین چیزوں کا مرکّب ہے۔ ایک مصدر پر، دوسرا زمانہ پر، اور تیسرا نسبت الی الفاعل پر۔ مثلاً میں نے کہا "ضَرَبَ" تو اس نے ضَرْبٌ پر بھی دلالت کی۔ اور زمانہ پر بھی دلالت کی، کہ ماضی والا زمانہ تھا۔ اور نسبت الی الفاعل پر بھی دلالت کی کہ کوئی اس ضَرْبٌ کے کرنے والا ہے۔ تو یہاں پر اِعْدِلُوْا فعل آیا۔ اور اِس میں بھی تین

چیزیں ہیں۔ اور ان تین چیزوں میں سے ایک مصدر یعنی "عدل" بھی ہے۔ تو اِعۡدِلُوۡا کے ضِمَن مین عدل بھی آیا تھا۔ پس خلاصه یه که لفظوں کے اعتبار سے تو مرجع نہیں گزرا لیکن معنیٰ کے لحاظ سے مرجع گزر گیا ہے۔

دوسری صورت یه که قرینه اُس مرجع پر دلالت کر رہا ہو۔ یعنی مرجع لفظوں میں بھی نہیں، کسی اور لفظ کے ضِمَنۡ میں بھی نہیں گزرا، لیکن سِیاقِ کلام یا کوئی قرینه اُس پر دلالت کر رہا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے، وراثت کا مسئله ذکر ہو رہا ہے قرآن مجید میں، اور وہاں ذکر ہوتا ہے، "وَلِاَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنۡهُمَا السُّدُسُ": اور اُس میّت کے والدین جو ہیں اُن میں سے ہر ایک کے لئے سُدُس ہے۔ تو یہاں پر اَبَوَيۡهِ میں ھا ضمیر مَیِّت یا مُوَرِّث کو راجع ہے۔ اور ماقبل میں تو مُوَرِّث کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ نه لفظوں کے اعتبار سے کہیں گزرا ہے، نه ہی کسی اور لفظ کے ضِمَنۡ میں گزرا ہے۔ لیکن سِیاقِ کلام اُس پر دلالت کر رہا ہے که یه ھا ضمیر مُوَرِّث کو راجع ہے۔ اس لئے که بات چل رہی ہے میراث کی یعنی وراثت کی۔ اور وراثت وہی پر ہوگی جہاں کوئی مُوَرِّث پایا جائے۔ تو مورِث کا ذکر معنیً ہو چکا ہے اگر چه لفظًا نہیں ہو چکا۔

او حُكۡمًا یا مرجع کا ذکر حُكۡمًا پہلے گزر چکا ہو۔ اور وہ ضمیر شان، ضمیر قِصّه وغیرہ میں ہے۔

ضمیر شان، ضمیر قصّه میں ایک مُبۡہَم ضمیر ہوتی ہے اور آگے آنے والا جمله اُسکی تفسیر کرتا ہے۔ هُوَ زيدٌ قائمٌ۔ هُوَ: شان یه ہے، کیا شان ہے زيدٌ قائمٌ: زید کھڑا ہے۔ اس میں "هُوَ" ضمیر شان ہے۔ یعنی کیا شان ہے، یا کیا حالت ہے یا کیا قصّه ہے۔ تو اس نے آگے بتلا دیا که "زید کھڑا ہے۔" تو یه آگے آنے والا جمله "زيدٌ قائمٌ" اس ضمیر کی تفسیر ہے۔ یہی ضمیر اگر مذکر کی ہو تو ضمیر شان کہلاتی ہے اور اگر مؤنث کی ہو تو ضمیر قِصَّه کہلاتی ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، هِيَ زينبُ قائمةٌ: قِصَّه یه ہے که زینب کھڑی ہے۔ تو یه هِيَ ضمیر قِصَّه ہے۔ اور آگے آنے والا جمله "زينبُ قائمةٌ" اُسکی تفسیر ہے۔

اِسی طرح رُبَّ کے ساتھ بھی کبھی ضمیر آتی ہے۔ وہ بھی گویا حُكۡمًا اُس کا مرجع مقدَّم ہو چکا۔ تو بھئی یه آگے آنے والا جمله اس کی تفسیر بیان کرتا ہے اور ماقبل میں اسکا کوئی مرجع ذکر نہیں ہوتا۔ حالانکه اِنہوں نے پہلے کہا تھا که مرجع مقدّم ہونا چاہئے لفظًا، معنیً۔ تو اس ضمیر کا مرجع نه لفظًا مقدّم ہے اور نه ہی معنیً مقدَّم ہے۔ لیکن حُكۡمًا اس کا مرجع مقدَّم ہے۔ بھئی وجه یه که یہاں پر بات کو ذہن میں اچھی طرح بٹھانا مقصد تھا۔ اور اس لئے پہلے ضمیر لائی گئی اور مرجع پہلے نہیں لایا گیا۔ تو جب ضمیر لائی گئی اور غائب کی ضمیر لائی گئی، اور غائب کی ضمیر کے لئے تو ہمیشه مرجع چاہئے ہوتا ہے، تو سننے والے نے جب سُنا "هُوَ" اور اس کا مرجع چونکه پہلے گزرا نہیں، تو سننے والا پوری طرح آپ کی طرف متوجه ہو جاتا ہے۔ اور پھر آپ فورًا کہتے ہیں، زيدٌ قائمٌ: زید کھڑا ہے۔ تو اب جب سننے والے کی پوری توجه تھی تو بات اچھی طرح ذہن میں بیٹھ گئی۔

تو یہاں پر ضمیر شان اور ضمیر قصّہ میں اِس لئے غائب کی ضمیر کو مقدّم کیا جاتا ہے تا کہ سامع کی ذہن میں بات اچھی طرح بیٹھ جائے۔ لہٰذا گویا کہ اُس میں مرجع حُکماً مقدَّم ہو چکا ہے آپ میں اور مُخاطَب میں مُتَعَیَّن ہو چکا ہے۔ آپ بھی جانتے ہو اُس کو اور مخاطب بھی جانتا ہے اُس کو۔

تو ضمیریں تین قسم پر ہوئی۔ اور اسکے علاوہ باقی اسماء اسم ظاہر کہلاتے ہیں۔ اور اسم ظاہر غائب کے حکم میں ہے۔ یعنی اسم ظاہر غائب شُمار ہوتا ہے۔

و هو مُتَّصِلٌ وَ مُنْفَصِلٌ اور وہ ضمیر متّصل ہے اور منفصل ہے۔ یعنی ضمیر یا متصل ہو گی یا منفصل ہوگی۔ کتابت کی غلطی سے "وَ" کی جگہ "اَو" لکھا گیا تھا۔ **فالْمنفصلُ الْمُستَقِلُّ بِنَفْسِهٖ** منفصل جو ہے وہ خود مستقل ہوتی ہے۔ بنفسِهٖ ای بِذاتِهٖ۔ **و الْمُتَّصِلُ غيرُ الْمُستَقِلِّ بنفسِهٖ** اور متَّصل غیر مستقل ہوتی ہے اپنے ذات کے اعتبار سے۔ ضمیر متصل وہ ہے جو ماقبل کلمہ کے ساتھ ملی ہو اور جُزِ کلمہ کی طرح ہو۔ جیسے ضَرَبْتُ میں یہ "تُوٌّ" ضمیر فعل کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ تو یہ ضمیرِ متصل ہے ۔ اور ضمیر متصل غیر مستقل ہوتی ہے۔ یعنی الگ اکیلی قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ جب بھی آئے گی اس طور پر آئے گی کہ ما قبل کلمہ کے ساتھ ملی ہوئی ہوگی۔

اور ضمیر منفصل مستقل ہوتی ہے یعنی وہ کوئی ایسا کلمہ نہیں چاہتی جو اِس سے پہلے آئے اور وہ اُس کے ساتھ جُڑ جائے۔ بلکہ یہ خود مستقل ہوا کرتی ہے۔

و هو مرفوعٌ و منصوبٌ و مجرورٌ اور پھر یہ ضمیر تین قسم پر ہے۔ یا مرفوع ہوگی یا منصوب ہوگی یا مجرور ہوگی۔ **فالاَوَّلانِ** پس پہلی دو جو ہیں۔ یعنی مرفوع اور منصوب۔ **مُتَّصِلٌ وَ مُنْفَصِلٌ** وہ متصل بھی ہے اور منفصل بھی ہے۔ **و الثالثُ متصل فقَطْ** اور تیسری صرف متصل ہے۔ یعنی ضمیر مجرور صرف متَّصِل ہوتی ہے۔ **فذلک خمسةُ انواعٍ** تو یہ پانچ انواع ہوئی۔

اَلْاَوَّلُ ضَرَبْتُ و ضُرِبْتُ الی ضَرَبْنَ و ضُرِبْنَ پہلی قسم ضمیر مرفوع متّصل۔ معروف میں ضربتُ سے لے کر ضَرَبْنَ تک۔ گردان: ضَرَبْتُ، ضَرَبْنا، ضَرَبْتَ، ضَرَبْتُما، ضَرَبْتُمْ، ضَرَبْتِ، ضَرَبْتُمَا، ضَرَبْتُنَّ، ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوا، ضَرَبَتْ، ضَرَبَتا، ضَرَبْنَ۔ اور مجہول میں ضُرِبْتُ سے لے کر ضُرِبْنَ تک۔ گردان:ضُرِبْتُ، ضُرِبْنَا، ضُرِبْتَ، ضُرِبْتُمَا، ضُرِبْتُمْ، ضُرِبْتِ، ضُرِبْتما، ضُرِبْتُنَّ، ضُرِب، ضُرِبَا، ضُرِبُوا، ضُرِبَتْ، ضُرِبَتَا، ضُرِبْنَ۔

یاد رکھو! صرفی گردان میں پہلے غائب کے صیغیں آتے ہیں، اس کے بعد مخاطَب کے صیغیں آتے ہیں اسکے بعد متکلم کے صیغے آتے ہیں۔ اور نحوی گردان میں پہلے متکلم کے ضیغیں آتے ہیں اسکے بعد مُخاطَب کے صیغیں اور اس کے بعد غائب کے صیغیں آتے ہیں۔ نحوی حضرات بحث کرتے ہیں تعریف و تنکیر سے۔ لہٰذا وہ سب سے پہلے اُن صیغھوں کو لائے گا جن میں تعریف سب سے زیادہ ہو۔ اور سب سے آخر میں اُن صیغھوں کو لائے گا جن میں تعریف سب سے کم ہو۔

والثانی دوسری قسم ضمیر مرفوع منفصل: انا الٰی ھُنَّ انا سے لے کر ھُنَّ تک۔ وہی ترتیب نحوی گردان یعنی انا، نحنُ، انتَ، انتما، انتم، انتِ، انتما، انتُنَّ، ھو، ھما،ھم، ھی، ھما، ھنَّ۔

و الثالثُ اور تیسری قسم ضمیر منصوب متصل کی۔ ضَرَبَنِی الیٰ ضَرَبَھُنَّ ضربَنِی سے لے کر ضَرَبَھُنَّ تک۔ یعنی، ضربنی، ضربَنا، ضربَکَ، ضَرَبَکَ، ضَرَبَکُمَا، ضَرَبَکُمْ، ضَرَبَکِ، ضَرَبَکُما، ضَرَبَکُنَّ، ضَرَبَہُ، ضَرَبَھُما، ضَرَبَھُمْ، ضَرَبَھَا، ضَرَبَھُما، ضَرَبَھُنَّ۔ وَ اِنَّنِی الیٰ اِنَّھُنَّ اور اِنَّنِی سے لے کر اِنَّھُنَّ تک۔ تو اِنَّ بھی اپنے اسم کو نصب دیتا ہے۔ تو اس کے ساتھ ضمیر منصوب آئیگی۔ یعنی اِنَّنِی، اِنَّنَا، اِنَّکَ، اِنَّکُمَا، اِنَّکُمْ، اِنَّکِ، اِنَّکُمَا، اِنَّکُنَّ، اِنَّہُ، اِنَّھُما، اِنَّھُمْ، اِنَّھَا، اِنَّھُما، اِنَّھُنَّ۔

والرابعُ اور چوتھی قسم ضمیر منصوب منفصل کی۔ اِیَّایَ الیٰ ایاھُن اِیَّایَ سے لے کر اِیَّاھُنَّ تک۔ اِیَّایَ، اِیَّانا، اِیَّاکَ، اِیَّاکُما، اِیَّاکُمْ، اِیَّاکِ، اِیَّاکُمَا، اِیَّاکُنَّ، اِیَّاہُ، اِیَّاھُما، اِیَّاھُمْ، اِیَّاھَا، اِیَّاھُما، اِیَّاھُنَّ۔ تو نصب والے مقام میں یہ ضمیر لاتے ہیں۔

والخامسُ اور پانچوی قسم یعنی ضمیر مجرور متصل۔ غلامِي و لی الیٰ غلامِھِن و لھن غُلَامِي سے لے غُلَامُھُنَّ تک۔ اور لِی سے لے کر لَھُنَّ تک۔ گردان: غُلَامِي، غُلَامُنا، غُلَامُکَ، غُلَامُکما، غُلَامُکم، غُلَامُکِ، غُلَامُکما، غُلَامُکُنَّ، غُلَامُہُ، غُلَامُھُما، غُلَامُھُم، غُلَامُھا، غُلَامُھما، غُلَامُھُنَّ۔ اور لِی، لنا، لکَ، لکما، لکم، لکِ، لکما، لکنَّ، لہُ، لھما، لھم، لھا، لھما، لھنَّ۔

صاحب کافیہ نے مثالوں کے ضمن میں ایک عظیم فائدہ آپ کو بتلا دیا۔ وہ یہ ہے کہ ضمیر مرفوع متّصل صرف فعل کے ساتھ ملا کرتی ہے۔ معلوم ہوا ضمیر مرفوع متصل کسی اسم کے ساتھ بھی نہیں جُڑتی اور کسی حرف کے ساتھ بھی نہیں جُڑتی۔ اُسکے بعد ضمیر منصوب متصل کے بارے میں آپ کو پتہ چل گیا کہ وہ فعل کے ساتھ بھی جُڑتی ہے اور حرف کے ساتھ بھی جُڑتی ہے، لیکن اسم کے ساتھ نہیں جُڑتی۔ اور اُسکے بعد ضمیر مجرور متصل کے بارے میں بھی آپ کو پتہ چل گیا کہ وہ اسم کے ساتھ بھی جُڑتی ہے اور حرف کے ساتھ بھی جُڑتی ہے۔ لیکن فعل کے ساتھ نہیں جُڑتی۔

درس 79- اب صاحب کافیہؒ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ ضمیر کبھی بارز ہوا کرتی ہے اور کبھی ضمیر مستتر ہوا کرتی ہے۔ بارز ہوگی تو نظر آئے گا اور اُس پر تلفُّظ ہوگا۔ اور کبھی مُسْتَتِرْ ہوگی۔ جیسے دیکھئے ضربَ، ضَرَبَ کا اسناد جب اسم ظاہر کی طرف نہ ہو تو اسکے اندر ایک ضمیر ہوتی ہے۔ اور وہ ضمیر مُسْتَتِرْ یعنی پوشیدہ ہے۔ اور کبھی وہ ضمیر بارز ہوگی ، نظر آئیگی یعنی ظاہر ہوگی۔ جیسے ضَرَبْتُ کے اندر تُوٌّ ضمیر بارِز ہے۔

تو یہ ضمیر متّصل بارز بھی ہو سکتی ہے اور مستتر بھی ہو سکتی ہے۔ اب یہ مستَتِر کن کن صیغھوں میں آئیگی۔ تو آگے صاحب کافیہؒ وہ آپ کو بتلاتے ہیں۔ فالمرفوعُ المتصلُ خاصَّۃً مرفوع مُسْتَتِر

خاص طور پر۔ مرفوع متصل خاص طور پر کہا، تو معلوم ہوا کہ ضمیر منصوب متصل اور ضمیر مجرور متصل کبھی مستتر نہیں ہوگی۔ وہ ہمیشہ بارز ہوگی۔ اور یہ ضمیر مرفوع متصل فعل کے ساتھ جُڑی ہوئی آتی ہے اور جُز کلمہ کی طرح ہوتا ہے۔ تو کبھی کبھی فعل کے اندر چھپ جاتی ہے۔ يَسْتَتِرُ فی الماضی وہ پوشیدہ ہوتی ہے اُس ماضی میں۔ الماضی یہاں الف لام آیا اور الف لام کے ذریعے کسی چیز کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ للغائبِ والغائبةِ جو غائب کے لئے ہو اور غائبہ کے لئے ہو۔ غائب سے مراد واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اور غائبہ سے مراد واحد مؤنث غائبہ کا صیغہ ہے۔ یعنی ماضی کا پہلا اور چوتھا صیغہ۔ ماضی کے اِن دونوں صیغوں میں ضمیر مستتر ہوگی جب ان کا اسناد اسم ظاہر کی طرف نہ ہو۔ جیسا کہ "ضربَ زیدٌ" میں ضربَ کا اسناد زید کی طرف ہوا ہے۔ تو اب ضربَ میں ضمیر نہیں۔ لیکن اگر زید آگے نہ آتا تو پھر ضربَ کے اندر "ھو" ضمیر مستتر ماننا پڑتا۔ اور ضَرَبَتْ کے اندر "ھِیَ" ضمیر مستتر ہے۔ اور یہ جو "تا" آرہی ہے آخر میں یہ تانیث کی علامت ہے اور فاعل نہیں۔ یہ "تا" صرف یہ بتلاتی ہے کہ اِس فعل کا اسناد مؤنث کی طرف ہوا ہے مذکر کی طرف نہیں۔

یاد رکھو! پہلا اور چوتھا صیغہ اس کا فاعل اسم ظاہر آسکتا ہے۔ باقی کسی صیغے کا فاعل اسم ظاہر نہیں آسکتا۔ باقی تمام صیغوں کا فاعل ہمیشہ ضمیر آئیگی۔

و المضارع اس کا عطف ماضی پر ہے۔ ای فی الماضی و فی المضارعِ: اور مضارع کے اندر۔ مضارع کے اندر مستتر ضمیر کن صیغوں میں ہوگا، آگے وہ بتلا رہے ہیں۔ للمتکلم مُطْلَقًا متکلِّم کے لئے مطلقاً۔ چاہے واحد متکلم کے لئے ہو یا متکلّم مع الغیر کے لئے ہو۔ یعنی واحد متکلم اور جمع متکلم کے صیغوں میں ہمیشہ ضمیر مستتِر ہوگی۔ جیسا کہ "اَضْرِبُ" میں "انا" ضمیر مستتِر ہے، اور "نَضْرِبُ" میں "نحنُ" ضمیر مستتِر ہے۔ اَضْرِبُ میں "الف" فاعل نہیں۔ کیونکہ فاعل کبھی فعل پر مقدَّم نہیں ہو سکتا۔ یہ "الف" صرف متکلِّم کی علامت ہے۔ اور نَضْرِبُ کے اندر بھی "نون" فاعل نہیں کیونکہ فاعل کبھی فعل پر مقدَّم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ "نون" صرف جمع متکلِّم کی علامت ہے۔ و المخاطَبِ اور اسی طرح وہ مضارع جو واحد مذکر مُخاطَبْ کے لئے ہو۔ اُس کے اندر بھی ضمیر مستتِر ہوگی۔ یعنی تَضْرِبُ کے اندر "انتَ" ضمیر پوشیدہ ہے۔ والغائبِ اور مضارع کے واحد مذکر غائب کے صیغے میں بھی ہمیشہ مستتِر ضمیر ہوگی جب اسکا اسناد اسم ظاہر کی طرف نہ ہو۔ جیسا کہ یَضْرِبُ کے اندر ھو ضمیر پوشیدہ ہوتا ہے جب یَضْرِبُ کا اسناد اسم ظاہر کی طرف نہ ہو۔ جب یَضْرِبُ زیدٌ کہا تو اب یَضْرِبُ کے اندر ضمیر نہیں کیونکہ آگے اسکا اسناد زید کی طرف ہو رہا ہے۔ اور زیدٌ یَضْرِبُ میں اب یَضْرِبُ کے اندر ھو ضمیر پوشیدہ ہے جو کہ زید کو راجع ہے۔ و الغائبةِ اور مضارع کے واحد مؤنث غائبہ کے صیغے میں بھی ہمیشہ ضمیر مستتِر ہوگی اگر اسکی اسناد آگے اسم ظاہر کی طرف نہ ہو۔ جیسا کہ تَضْرِبُ هندٌ میں تضرِبُ کے اندر

کوئی ضمیر نہیں کیونکہ آگے اسکا اسناد اسم ظاہر کی طرف ہو رہا ہے۔ اور ھندٌ تضربُ میں تضربُ کے اندر ھِیَ ضمیر پوشیدہ ہے جو کہ ھندٌ کو راجع ہے۔

و فی الصِّفَةِ مُطْلَقًا اور صفت کے اندر مطلقًا۔ اور صفت کے صیغوں میں ہمیشہ فاعل کی ضمیر مستتِر ہوگی جب آگے اُس کا فاعل اسم ظاہر نہ ہو۔ صفت سے مراد صفت کے صیغیں ہیں۔ چاہیے اسم فاعل ہو، چاہیے اسم مفعول ہو، چاہیے صفت مشبّہ ہو، چاہیے اسم تفضیل ہو۔ اسم فاعل فاعل کا تقاضا کرتا ہے، اسم مفعول نائب فاعل کا تقاضا کرتا ہے، صفت مشبّہ اور اسم تفضیل بھی فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ تو یہ چاروں صفت کے صیغیں ہیں یہ فاعل یا نائب فاعل کو چاہتے ہیں اور اِن کے بغیر نہیں آتے۔ جیسے ضربَ فاعل کے بغیر نہیں آسکتا، ضُرِبَ نائب فاعل کے بغیر نہیں آسکتا، اسی طرح صفت کے صیغ بھی ہمیشہ فاعل یا نائب فاعل کو چاہتے ہیں۔ ہاں وہ الگ بات ہیں صفت کے صیغوں میں عمومًا آپ کو فاعل نظر نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ فاعل اِنہی کے اندر ضمیرِ مستتِر ہوا کرتی ہے۔

اس پر ذہن میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ضربا، ضربُوا وغیرہ میں "الف اور واؤ" وغیرہ فاعل ہیں تو ضاربانِ اور ضاربونَ کے اندر بھی "الف اور واؤ" آرہے ہیں تو ضاربانِ اور ضارِبونَ میں تو ضمیر مستتِر نہ رہی۔ تو ضمیر بارِز آگئی، اور آپ فرماتے ہیں کہ صفت کے صیغوں میں ضمیر مستتِر ہوا کرتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب یہ کہ یہ صفت کے صیغیں جو ہیں اِن کے اندر یہ جو "الف" اور "واؤ" آتے ہیں یہ فاعل کی ضمیریں نہیں ہیں بلکہ یہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں۔ سوال: اس بات کی دلیل کیا ہے کہ یہ "الف" اور "واؤ" فاعل نہیں بلکہ تثنیہ کی علامتیں ہیں۔ جواب۔ دلیل اس کی یہ کہ اگر یہ ضمیر ہوتی تو ضمیر کبھی بدلتی نہیں۔ کیونکہ ضمیر تو مبنی ہوتا ہے۔ لیکن اِنہی "ضاربانِ اور ضاربونَ" میں دیکھئے "الف" اور "واؤ" بدل جاتے ہیں۔ یعنی حالت رفعی میں آپ کہتے ہیں "ضاربانِ" اور حالت نصبی جرّی میں آپ کہتے ہیں "ضارِبَیْنِ"۔ تو دیکھا "الف" بدل گیا "یا" سے۔ نیز حالتِ رفعی میں "ضاربون" کو "واؤ" کے ساتھ کہتے ہیں۔ اور حالت نصبی جرّی میں "یا ماقبل کسرہ" کے ساتھ کہتے ہیں یعنی "ضارِبِیْنَ" کہتے ہیں۔ تو یہ "واؤ" بدل گیا "یا" سے۔ تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ ضاربانِ اور ضاربونَ کے اندر یہ "الف" اور "واؤ" فاعل کی ضمیریں نہیں بلکہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں۔

نیز دوسری دلیل یہ کہ اگر یہ "الف" اور "واؤ" فاعل ہوتے تو صرف صفت کے صیغوں میں آتے۔ لیکن یہ تو اسم جامد میں بھی آتے ہیں۔ جیسا کہ "رجلٌ" اسم جامد ہے۔ اور اسکی تثنیہ "الف" کے ساتھ آتی ہے یعنی رجلانِ۔ حالانکہ رجل کا لفظ کوئی اسم فاعل کا تقاضا ہی نہیں کرتا پھر بھی اس میں "الف" آ رہا ہے۔ نیز الزَّیدُونَ اسم جامد کے اندر "واؤ" آرہا ہے۔ حالانکہ زید کا لفظ فاعل کا تقاضا نہیں کرتا۔ تو معلوم ہوا کہ "الف" اور "واؤ" ضمیریں نہیں بلکہ صرف تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں۔

اسی لئے صاحب کافیہؒ نے فرمایا، "و فی الصفةِ مطلقًا" کہ صفت کے صیغوں میں مطلقًا ضمیر مستتر ہوگی۔ مطلقًا کا معنیٰ یہ ہے کہ چاہے صفت کا صیغہ مفرد ہو یا تثنیہ ہو یا جمع ہو چاہے مذکر ہو چاہے مؤنث ہو۔ اِن کے اندر ہمیشہ ضمیرِ مستتر ہوگی بشرطیکہ آگے اس کا فاعل اسم ظاہر نہ ہو۔ اگر اسم فاعل آگے اسم ظاہر ہو وہ الگ بات ہے لیکن بہرحال صفت کے صیغوں میں جو "الف" اور "واؤ" آتے ہیں یہ فاعل نہیں بلکہ تثنیہ اور جمع کی علامتیں ہیں۔

ترکیب کا ایک قیمتی ضابطہ: یاد رکھو! میں کہتا ہوں، "انا ضاربٌ"، "انتَ ضاربٌ"، "هوَ ضاربٌ"۔

هوَ ضاربٌ کی ترکیب۔ هوَ مرفوع محلاً مبتدا، ضاربٌ صیغہ اسم فاعل اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا کو، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی مبتدا کی۔ مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ضاربٌ کو ہم نے "ھو" سے جوڑنا تھا تو اس لئے ہم نے ضاربٌ کے اندر غائب کی ضمیر نکالی۔ تو یاد رکھو! یہ صفت کے صیغے کو جس کے لئے خبر بنائیں گے تو اس میں اُسی کے مطابق ضمیر نکالیں گے۔ اگر اس کو غائب کے لئے خبر بنا رہے ہیں تو اس میں غائب کی ضمیر نکالیں گے۔ اگر اس کو متکلم کے لئے خبر بنا رہے ہیں تو اس میں متکلم کی ضمیر نکالیں گے، اور اگر اس کو مخاطَب کے لئے خبر بنائیں گے تو اسکے اندر مُخاطَب کی ضمیر نکالیں گے۔

اب میں کہتا ہوں، "انا ضاربٌ" تو ضاربٌ کے اندر "انا" ضمیر فاعل کی ہے۔ اور "انا" ضمیر میں یہ نہیں کہنا کہ یہ لوٹ رہی ہے مبتدا کی طرف۔ اسی طرح "انتَ ضارِبٌ" میں ضارِبٌ کے اندر انتَ ضمیر فاعل کی ہے۔ - اور "انتَ" ضمیر میں بھی یہ نہیں کہنا کہ یہ لوٹ رہی ہے مبتدا کی طرف۔

اسی طرح "هُمَا ضارِبانِ" میں ھما مبتدا اور ضاربانِ کے اندر "ھما" ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر "ھما" کے لئے خبر۔ مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یہاں یہ نہیں کہنا کہ یہ "الف" ضمیر ہے۔ بلکہ "الف" تو تثنیہ کی علامت ہے۔

اسی طرح "انتما ضاربَانِ" میں ضاربانِ کے اندر "انتما" ضمیر فاعل کی ہے۔ اور "نحنُ ضاربونَ" میں ضاربونَ کے اندر "نحنُ" ضمیر ہے۔ اور "هم ضاربونَ" میں ضاربون کے اندر "هم" ضمیر ہے۔ اور "انتم ضاربونَ" میں ضاربونَ کے اندر "انتم" ضمیر فاعل کی ہے۔

اسی لئے صاحب کافیہؒ نے فرمایا، "و فی الصفة مطلقًا" یعنی صفت کے اندر مطلقًا فاعل کی ضمیر مستتِر ہوگی اگر آگے اس کا فاعل اسم ظاہر نہ آرہا ہو۔ اور صفت کا صیغہ چاہے مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو، مذکر ہو یا مؤنث ہو۔ سب کے اندر فاعل کی ضمیر مستتِر ہوگی اگر آگے اس کا فاعل اسم ظاہر نہ ہو۔

وَ لا يَسُوغُ الْمُنْفَصِلُ ای لا یجوزُ الضمیرُ الْمُنْفَصِلُ: اور جائز نہیں منفصل ضمیر کا لانا **اِلّا لِتَعَذُّرِ الْمُتَّصِلِ** مگر ضمیر متَّصِل کے ممکن نہ ہوتے ہوئے۔ جس وقت ضمیر متصل کا لانا ممکن نہ رہے۔ بھئی یاد رکھو! کلام عرب میں ضمیر متّصل اصل ہے۔ یعنی ضمیر متَّصِل کو لایا جائے۔ چونکہ کلام کو

مختصر ہونا چاہئے۔ "خيرُ الكلامِ مَا قَلَّ وَ دَلَّ": بہترین کلام وہ ہے جو قلیل ہو اور دلالت کرے پوری طرح۔ لہٰذا اختصار ضمیر متّصل کی صورت میں آتی ہے نہ کہ ضمیر منفصل کی صورت میں۔ لہٰذا جب تک ضمیر متصل سے کام چلتا ہو تو ضمیر منفصل کا لانا جائز نہیں۔ ہاں ایسا مقام آگیا کہ ضمیر متصل کا لانا ممکن ہی نہ رہا تو پھر ضمیر منفصل کو لائیں گے۔

اب صاحب کافیہؒ متصل ضمیر کی بجائے منفصل ضمیر لانے کی پہلی وجہ بیان فرما رہے ہیں۔ و ذلک اور وہ جو تَعَذُّر ہوگا۔ یعنی کس وجہ سے ہوگا، کیوں ضمیر متصل کا لانا ممکن نہیں ہوتا۔ تو صاحب کافیہؒ آگے اِس کی چند وجوہات بیان فرما رہے ہیں۔ بالتقديمِ علىٰ عاملهٖ بسبب اپنے عامل پر مقدَّم ہونے کے۔ اور وہ ضمیرِ متَّصِل کا لانا ممکن نہیں ہوگا بسبب ضمیر کے اپنے عامل پر مقدّم ہونے پر۔ تو اس صورت میں مجبورًا منفصل ضمیر لانا پڑے گی۔ کیونکہ ضمیر متصل اپنے عامل کے آنے کے بعد اُس کے ساتھ جُڑتی ہے۔ جیسے ضربا میں یہ "الف" ضمیر "ضربَ" کے پورے ہونے کے بعد جُڑ گیا۔ تو جو بھی ضمیر جُڑتی ہے تو وہ عامل کے پورے ہونے کے بعد جُڑتی ہے۔ آخر کی جانب جُڑتی ہے، شروع میں نہیں جُڑے گی۔

تو اب ایسا مقام آگیا کہ کسی وجہ سے آپ چاہتے ہیں کہ اِس ضمیر کو میں عامل پر مقدَّم کر دوں۔ اور جب آپ ضمیر کو عامل پر مقدَّم کریں گے تو ضمیر اب عامل پر مقدَّم ہو گئی اب اس کے جُڑنے کی کوئی صورت نہیں۔ تو مجبورًا اب متَّصل نہیں لائیں گے اور مُنفصل ضمیر لائیں گے۔

صاحب کافیہؒ ساتھ ساتھ مثالیں بھی ذکر فرما رہے ہیں۔ اسکی مثال ایک دو سطر کے بعد آرہا ہے، "اِيَّاکَ ضربتُ"۔ اصل میں تھا، "ضَرَبْتُکَ": میں نے آپ کی پٹھائی کی ہے۔ کاف ضمیر مفعول کی ہے اور متصل ہے۔ اور اصل بھی یہ ہے کہ متصل ضمیر کو لایا جائے۔ لیکن میں کلام کے اندر حصر پیدا کرنا چاہتا ہوں یعنی تخصیص لانا چاہتا ہوں اور اِس کے لئے ضروری ہے کہ ضمیر کو مقدّم کر دوں۔ اور جب ضمیر کو مقدَّم کردوں تو پھر متصل ضمیر لانے کی صورت باقی نہ رہا اور یوں نہیں کہہ سکتا "کَ ضَرَبْتُ" تو اب منفصل ضمیر کو لاؤں گا۔ اور کہوں گا اِيَّاکَ ضَرَبْتُ: میں نے آپ ہی کی پٹھائی کی ہے۔ یعنی میں نے اپنے "ضَرَبْ" کو آپ کے ذات میں بند کر دیا۔ یعنی کسی اور کی میں نے پٹھائی نہیں کی۔

اب صاحب کافیہؒ ضمیر متصل کے بجائے ضمیر منفصل لانے کی دوسری وجہ ذکر فرما رہے ہیں۔ او بالفصل یا بسبب جُدا کرنے کے لِغَرْضٍ کسی غرض کے۔ یعنی کسی غرض کی وجہ سے ضمیر متصل کو ضمیر منفصل لانا پڑتا ہے۔ جیسے آگے مثال دیکھئے۔ " وَ ما ضربکَ الَّا اَنا" : آپ کی پٹھائی نہیں کی مگر میں نے۔ یعنی آپ کی پٹھائی صرف میں نے کی ہے۔ آپ یہاں پر "ما" اور "اِلَّا" کے ذریعے فاعلیت کے اندر حصر لانا چاہتے ہیں۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ فاعل کو "اِلَّا" کے بعد ذکر کیا جائے۔ اور جب "اِلَّا" کے

بعد فاعل کو ذکر کریں گے تو فعل پہلے ہوا اور فاعل "اِلَّا" کے بعد ہوا۔ اور اِتِّصال کی کوئی صورت اب نہیں کیونکہ درمیان میں "اِلَّا" آرہا ہے۔ تو اب مجبورًا منفصل ضمیر کو لانا پڑے گا۔ اسی لئے "انا" لے آئے۔

یہ "انا" ضربَ کے لئے فاعل ہے۔ تو اس پر ذہن میں اشکال آرہا ہے کہ ضربَ تو صیغہ ہے غائب کا اور "انا" متکلّم کی ضمیر ہے۔ تو یہ "انا" ضربَ کے لئے کیسے فاعل بنا۔ تو جواب یہ کہ دراصل "انا" یہاں فاعل نہیں۔ فاعل یہاں محذوف ہے اور وہ مستثنیٰ منہُ ہے ۔ اصل میں تھا، "وَ ما ضربَکَ احدٌ اِلَّا انا": آپ کی کسی نے پٹھائی نہیں کی سوائے میرے۔ تو اصل فاعل اَحَدٌ تھا اور وہ مستثنیٰ منہُ ہے۔ اُس کو حذف کر دیا گیا، جب اُس کو حذف کر دیا گیا تو اب ضربَ فاعل چاہتا تھا تو "انا" کو اس کا فاعل بنا دیا گیا۔

اس سوال کا دوسرا جواب۔ کہ انا ضمیر منفصل ہے۔ اور ضمیر منفصل اسم ظاہر کے درجے میں ہوتا ہے۔ اور ضربَ کے لئے اسم ظاہر تو فاعل آسکتا ہے۔ لہٰذا "انا" جب اسم ظاہر کے درجے میں ہوا تو یہ ضربَ کے لئے فاعل آسکتا ہے۔

اب صاحب کافیہؒ ضمیر متصل کے بجائے ضمیر منفصل لانے کی تیسر وجہ ذکر فرما رہے ہیں۔

اَوْ بِالحذفِ یا بسبب حذَف کرنے کے۔یعنی عامل کو حذف کرنے کی وجہ سے ضمیر متصل کی وجہ سے ضمیر منفصل لانا ہوگا۔ جب عامل کو آپ نے حذف کر دیا تو اب اتِّصال کی کوئی صورت نہیں۔ چونکہ ضمیر تو مذکور ہے اور مذکور کو محذوف سے نہیں جوڑا جاتا۔ لہٰذا اس صورت میں بھی آپ ضمیر متصل نہیں لا سکتے اور مجبورًا ضمیر منفصل لانا پڑے گا۔ جیسے دیکھئے! " وَاِیَّاکَ و الشَّرَّ"۔ یہ تحذیر ہے "اِیَّاکَ و الاسدَ" جیسے، جسے ہم نے پہلے پڑھا ہے۔ تو "ایاکَ و شرَّ" اصل میں "اِتَّقِ نَفْسَکَ و الشَّرَّ"۔ تو یہاں پر عامل حذف ہوا۔ اب کاف ضمیر متصل لانے کی کوئی صورت نہیں۔ لہٰذا یہاں منفصل ضمیر لانا پڑے گی۔

اب صاحب کافیہؒ ضمیر متصل کے بجائے ضمیر منفصل لانے کی چوتھی وجہ ذکر فرما رہے ہیں۔

او بِکونِ العاملِ معنویًّا اور یا عامل کے معنوی ہونے کی وجہ سے۔ چونکہ ضمیر تو لفظ ہے اور عامل معنیٰ ہے۔ اور لفظ کو معنیٰ سے نہیں جوڑا جا سکتا۔ تو اب اتِّصال کی کوئی صورت نہ رہی لہٰذا اس صورت میں بھی ضمیر منفصل کو لایا جائے گا۔ جیسے "انا زیدٌ"۔ انا مبتدا اور زیدٌ اُسکی خبر۔ اور مبتدا میں عامل "ابتدا" ہوتا ہے۔ اور "ابتدا" عامل معنوی ہے۔ اور جب عامل معنوی "انا" میں عامل ہے۔ تو "انا" کو ہم عامل معنوی سے جوڑ نہیں سکتے۔ تو جب اتصال کی کوئی صورت نہ رہی تو ضمیر منفصل کو لایا گیا۔

اب صاحب کافیہؒ ضمیر متصل کے بجائے ضمیر منفصل لانے کی پانچویں وجہ ذکر فرما رہے ہیں۔

او حرفًا اور یا عامل حرف ہو۔ **والضمیرُ مَرفُوعٌ** اس حال میں کہ ضمیر مرفوع ہو۔ جیسے "وَ ما انتَ قائمًا"۔ ترکیب۔ "ما" مشابہ بِلیسَ انتَ مرفوع محلاً "ما" مشابہ بِلیسَ کا اسم، قائمًا منصوب اسکی خبر،

"ما" مشابه بِلیسَ اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ بنا۔ تو "انتَ" لے کے آئے۔ ضمیر مرفوع لے کر آئے۔ یعنی ضمیر مرفوع منفصل لے کر لائے۔ اور متّصِل نہیں لا سکتے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس لئے کہ ضمیر مرفوع متّصل صرف فعل کے ساتھ جوڑا کرتی ہے۔ اور یہاں عامل حرف ہے۔ تو حرف کے ساتھ ضمیر مرفوع متصل جُڑ ہی نہیں سکتی۔ تو اب مجبورًا ضمیر مرفوع منفصل کو لانا پڑا۔

درس 80۔ اب صاحب کافیہؒ ضمیر متصل کے بجائے ضمیر منفصل لانے کی چھٹی وجہ ذکر فرما رہے ہیں۔

یہ ذرا مشکل بات ہے۔ غور سے پڑھئے۔ آپ نے پڑھا ہے صفت دو قسم پر ہے۔ ایک صفت بحالِہٖ ہے اور صفت بحالِ متعلقِّہٖ ہے۔ صفت بحالِہٖ وہ ہوتا ہے جو ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو متبوع کے اندر پایا جائے۔ جیسا کہ "جاءنی رجلٌ عالمٌ": آیا میرے پاس ایسا آدمی جو عالم ہے۔ رجلٌ موصوف ہے اور عالمٌ اسکی صفت ہے۔ اب دیکھئے یہ صفتِ علم رجل کے اندر پایا جاتا ہے نہ کہ غیرِ رجل میں۔ تو عالمٌ صفت بحالِہٖ ہوا۔ کیونکہ عالمٌ ایسے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے جو اِسکے متبوع میں پایا جاتا ہے۔

ترکیب۔ جاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر متکلم مفعول، رجلٌ موصوف عالمٌ صیغہ اسم فاعل اسکے اندر ھوَ ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے موصوف رجلٌ کو، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف صفت ملکر جاءَ کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اور اگر صفت ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو متبوع میں نہ پایا جائے بلکہ متبوع کے متعلِّق میں پایا جائے۔ تو اسکو صفت بحالِ متعلِّقِہٖ کہتے ہے۔ جیسے میں نے کہا، جاءَنِی رجلٌ عالمٌ ابوہُ۔ یہ "ابوہُ" فاعل بن رہا ہے عالمٌ صیغہ اسم فاعل کے لئے۔ اب عالمٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں کیونکہ آگے اسم ظاہر "ابوہُ" اس کے لئے فاعل بن رہا ہے۔ ترجمہ: آیا میرے پاس ایسا آدمی کہ عالم ہے اُس کا باپ۔

ترکیب۔ جاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہٖ، رجلٌ مرفوع لفظًا موصوف، عالمٌ صیغہ اسم فاعل، ابوہُ مضاف مضافٌ الیہ ملکر فاعل ہوئے عالمٌ صیغہ اسم فاعل کے لئے۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر یہ صفت ہوئی موصوف رجل کے لئے۔ موصوف اپنے صفت سے ملکر فاعل ہوا جاءَ کے لئے۔ جاءَ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

آپ نے ترکیب کے اندر دیکھا کہ عالمٌ یہ صفت ہے رجلٌ کی۔ لیکن عالمٌ جس معنیٰ پر دلالت کرتا ہے یعنی علم۔ تو یہ علم کی صفت رجل میں نہیں پایا جاتا بلکہ رجل کے متعلق یعنی اُس کے باپ میں پایا جاتا ہے۔ تو عالمٌ لفظوں کے اعتبار سے صفت ہے رجلٌ کی اور معنیٰ کے لحاظ سے یہ صفت ہے اُس کے متعلق یعنی ابوہُ کے ۔

اب یاد رکھو! یہ موصوف صفت، ایک صفت بحالِہٖ ہوتی ہے اور ایک صفت بحالِ متعلِّقِہٖ ہوتی ہے۔ اسی طرح خبر کے ذریعے بھی صفت بیان کی جاتی ہے۔ بھئی میں نے کہا، زیدٌ قائمٌ۔ زیدٌ مبتدا، قائمٌ اُسکی خبر۔ اس خبر نے آپ کو بتلا دیا کہ زید موصوف ہے قیام کے صفت کے ساتھ۔ یعنی زید کے لئے قیام ثابت ہے۔ جب زید کے لئے قیام ثابت ہے تو وہ موصوف ہو گیا قیام کے ساتھ۔

تو یاد رکھو! صفت اور خبر میں بڑا گہرا تعلُّق ہے۔ وہی چیز قبلَ العلم ہو تو خبر ہے۔ اور بعدَ العلم ہو تو صفت ہے۔ ابھی آپ کو پتہ نہیں تھا میں نے آپ کو بتلایا زیدٌ عالمٌ۔ اب یہی عالمٌ خبر ہے اور زید مبتدا ہے۔ اور جب آپ کو پتہ چل گئی تو یہی صفت بن گئی۔ یعنی خبر بھی مبتدا کی صفت بیان کرتی ہے۔

اب خبر کے اندر جو صفت بیان ہوتی ہے وہ کبھی مبتدا کے لئے ثابت ہوگی یا کبھی مبتدا کے لئے نہیں بلکہ مبتدا کے متعلّق کے لئے ثابت ہوگی۔ یعنی خبر کبھی مبتدا کی حالت بیان کریں گی اور کبھی مبتدا کے متعلق کی حالت بیان کریں گی۔

مثالوں سے بات سمجھ میں آئیں گی۔ زیدٌ ضاربٌ: زیدٌ مبتدا، ضاربٌ صیغہ اسم فاعل، ھو ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل جو کہ مبتدا کو راجع ہے۔ تو معلوم ہوا کہ زید ضارب ہے۔ تو ضارب ایسی صفت ہے جو مبتدا کے لئے ثابت ہے۔ اب اگر اس ضاربٌ کے لئے میں آکے اسم ظاہر لے آؤ، جیسا کہ، "زیدٌ ضاربٌ ابوہُ": زید کہ پٹھائی کرنے والا ہے اُس کا باپ۔ اب یہ ضاربیت جو وصف ہے یہ زید میں نہیں بلکہ زید کے متعلق یعنی اُس کے باپ میں پایا جاتا ہے۔ تو ضاربٌ لفظوں میں زید کی خبر ہے لیکن معنیٰ کے لحاظ سے یہ "ابوہُ" کی خبر ہے یعنی ضارب معنیٰ کے اعتبار سے زید کے متعلق کی خبر ہے۔

تو جیسے صفت کبھی بحالِہٖ ہوتی ہے اور کبھی بحالِ متعلِّقِہٖ ہوتی ہے۔ اِسی طرح خبر کے ذریعے بھی جو وصف بیان ہوتا ہے وہ بھی کبھی مبتدا کے لئے ثابت ہوگا اور کبھی مبتدا کے متعلِّق کے لئے ثابت ہوگا۔

اب یاد رکھو! یہ جو موصوف ہے یہ "مَنْ هِيَ لَهُ" ہے۔ مَنْ: وہ ذات، هِيَ ضمیر راجع کرو صفت کو، تو مَنْ: وہ ذات، هِيَ: صفت، لَهُ: اُس کے لئے ہو۔ لَهُ کی ھا ضمیر "مَنْ" کو راجع ہے۔ کیونکہ مَنْ اسم موصول ہے۔ اور موصول کے لئے صلہ میں عائد چاہیئے۔ اور یہ "هِيَ لَهُ" اُسکا صلہ ہے۔

یعنی موصوف "مَنْ هی لَهُ" ہوتا ہے۔ یعنی موصوف وہ ذات ہے کہ صفت اُس کے لئے ہوتی ہے۔ مثلاً، جاءنِي رجلٌ عالمٌ۔ یہ عالمٌ صفت ہے رجلٌ کی۔ تو رجلٌ "مَنْ هِيَ لَهُ" ہوا۔ یعنی رجلٌ وہ ذات ہے جس کے لئے یہ عالمٌ صفت ہے۔ یعنی رجلٌ وہ ذات ہے کہ یہ عالمٌ صفت اُسکی اپنی ہے۔ اب یہ صفت تو کبھی موصوف یعنی "مَنْ هِيَ لهُ" پر جاری ہوتی ہے۔ اور کبھی یہ صفت غیرِ مَنْ هِيَ لَهُ پر جاری ہوتی ہے۔ بھئ میں نے کہا، جاءنی رجلٌ عالمٌ، یہ عالمٌ صفت ہے رجلٌ کی اور یہ "مَنْ هِيَ لَهُ" پر جاری ہوتا ہے۔ یعنی یہ علم "مَنْ هِيَ لَهُ" میں تو پایا جاتا ہے۔ "مَنْ هِيَ لَهُ" سے وہی موصوف رجلٌ مراد ہے۔ بس یوں سمجھو کہ

وہی صفت بحالِہ کا نام "مَنْ ھِیَ لَہٗ" رکھا۔ اچھا! اب میں کہتا ہوں، جاءنی رجلٌ عالمٌ ابوہٗ۔ اب عالمٌ لفظوں کے اعتبار سے رجلٌ کی صفت ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے ابوہٗ کی صفت ہے۔ تو لفظوں کے اعتبار سے تو یہ صفت ہے رجلٌ کی، تو رجلٌ "مَنْ ھِیَ لَہٗ" ہوا۔ اور یہ صفت عالمٌ "مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری نہیں ہوا بلکہ "غیرِ مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری ہوا۔

تو صفت بحالِہ وہ صفت ہے جو "مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری ہوتی ہے۔ اور صفت بحالِ متعلقِہ وہ صفت ہے جو "مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری نہیں ہوتی بلکہ " غیرِ مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری ہوتی ہے۔ اسی طرح خبر جو ہے وہ کبھی ایسی صفت ہوگی جو "مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری ہوگی اور کبھی خبر ایسی صفت ہوگی جو "غیرِ مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری ہوگی۔ جیسا کہ زیدٌ ضاربٌ میں زیدٌ مبتدا ہے اور ضاربٌ خبر ہے زیدٌ کی۔اور ضاربٌ صفت پر دلالت کرتی ہے۔ تو اسے مبتدا یعنی زیدٌ پر جاری بھی ہونا چاہیئے۔ تو مبتدا "مَنْ ھِیَ لَہٗ" ہوا ضاربٌ کے لئے۔ یعنی ضاربیۃ کی یہ صفت "مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری ہوا۔ اب میں کہتا ہوں، زیدٌ ضاربٌ ابوہٗ۔ یہاں پر ضاربٌ لفظوں کے اعتبار سے خبر ہے یعنی صفت ہے زید کی اور معنیٰ کے اعتبار سے یہ خبر ہے یعنی صفت ہو ابوہٗ کی۔ یعنی یہ ضاربیۃ زید کی باپ میں پائی جاتی ہے۔ تو ضاربیۃ کی یہ صفت "غیرِ مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری ہوا۔

دیکھئے ایک ترکیب پر غور کیجئے۔ میں نے کہا، زیدٌ عمرٌو ضاربُہٗ۔ زیدٌ مبتدائے اوّل ہے اور "عمرٌو ضاربُہٗ" پورا جملہ مل کر زیدٌ کے لئے خبر بن رہا ہے۔ اور عمروٌ ضاربُہٗ کے اندر عمرٌو مبتدا ہے اور ضاربُہٗ اُسکی خبر ہے۔ تو مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوا مبتدا کی۔

ترکیب۔ زیدٌ مبتدائے اوّل، عمرٌو مبتدائے ثانی، ضاربُ صیغہ اسم فاعل اسکے اندر ھو ضمیر اسکا فاعل جو کہ راجع ہے عمرو کو، اور آگے ھا ضمیر مضافٌ الیہ ہے اور یہ زیدٌ مبتدائے اوّل کو راجع ہے۔ یعنی ضارب ایک شخص ہے تو ظاہر سی بات ہے مضروب دوسرا شخص ہوگا۔ تو صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مضافٌ الیہ سے ملکر شبہ جملہ ہو کر یہ خبر ہوئی عمرو کی۔ مبتدائے ثانی اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر پھر یہ خبر ہوئی زید مبتدائے اوّل کی۔ پھر زید مبتدائے اوّل اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ: زید کہ عمرو پٹھائی کرنے والا ہے اُسکی۔

اب دیکھئے ضارب لفظوں کے اعتبار سے خبر عمرو کی ہے۔ اور یہ ضارب جس صفت پر دلالت کرتا ہے وہ عمرو ہی میں پائی جاتی ہے۔ تو اس مثال میں عمرو "مَنْ ھِیَ لَہٗ" ہوا۔ اور یہ ضاربیۃ والا صفت "مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر ہی جاری ہے۔

اب آپ اسی جملہ کو لانا چاہتے ہیں اور بتلانا یہ چاہتے ہیں کہ زید نے عمرو کی پٹھائی کی۔ یعنی ہم زید کی ضاربیۃ بتلانا چاہتے ہیں۔ اب ترکیب اس طرح ہوگی۔ زیدٌ مبتدائے اوّل، عمرٌو مبتدائے ثانی، ضاربُ صیغہ اسم فاعل اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ راجع ہے مبتدائے اوّل زید کو، اور ھا ضمیر

مجرور محلاً مضافٌ الیہ جو کہ راجع ہے مبتدائے ثانی کو۔ تو دیکھا پٹھائی کرنے والا زید ہوا، اور عمرو کی پٹھائی ہوئی۔ تو ضارب کی صفت آئی۔ تو یہ ضاربیۃ کی صفت لفظوں کے اعتبار سے عمرو کی صفت ہے۔ لیکن یہ ضاربیۃ عمرو کے لئے ثابت نہیں بلکہ زید کے لئے ثابت ہے ۔ تو ضاربیۃ کی یہ صفت "غیرِ مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری ہوئی۔

زیدٌ عمرٌو ضاربُہٗ کا ترجمہ پہلی صورت میں یہ ہوا کہ عمرو پٹھائی کرنے والا ہے زید کی۔ اور دوسری صورت میں ترجمہ یہ ہوا کہ زید پٹھائی کرنے والا ہے عمرو کی۔ تو اب اس وقت ضاربیۃ کی یہ صفت "غیر مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری ہوا ہے لیکن سننے والے کو کوئی پتہ نہیں چلے گا۔ سننے والا تو یہی سمجھے گا کہ یہ ضاربیۃ عمرو کے لئے ثابت ہے۔ کیونکہ یہ ضاربُہٗ عمرو کی خبر ہے۔ سننے والا ہمیشہ یہ سمجھے گا کہ پٹھائی کرنے والا عمرو ہے۔ اور آپ کا مقصد یہ ہے کہ پٹھائی کرنے والا زید ہے۔ تو سننے والے کو کبھی بھی پتہ نہیں چل سکتا کہ زید پٹھائی کرنے والا ہے۔

تو جب بھی ایسا موقع آئے کہ خبر ایسی صفت ہو جو "غیرِ مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری ہو۔ تو پھر ضمیر متَّصِل نہیں لائیں گے۔ بلکہ ضمیر منفصل لائیں گے۔ اب آپ یہ بتلانا چاہتے تھے کہ یہ ضارب زید ہے۔ یعنی ضاربیۃ کی اس صفت کو "غیرِ مَنْ ھِیَ لَہٗ" یعنی زید پر جاری کرنا چاہتے تھے۔ تو ضمیر متصل لانا جائز نہیں اور ضمیر منفصل لائیں گے۔ تو ضاربُ کے اندر پہلے ہم نے ضمیر متصل "ھو" نکالی تھی۔ لیکن آپ اس صفت کو "غیرِ مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری کرنا چاہتے ہیں تو اب متَّصل لانا جائز نہیں۔ تو اب منفصل ضمیر لاؤ۔ اور ضمیر مرفوع منفصل لائیں گے، کیونکہ ضارب کے اندر "ھو" ضمیر فاعل کی تھی یعنی ضمیر مرفوع متَّصل تھا۔ تو اب وہی فاعل باہر نکال کر ضمیر منفصل لاؤ اور یوں کہو، " زیدٌ عمرٌو ضاربُہٗ ھوَ"۔

" زیدٌ عمرٌو ضاربُہٗ ھوَ" کی ترکیب۔ زیدٌ مبتدائے اوّل، عمرٌو مبتدائے ثانی، ضاربُ صیغہ اسم فاعل مضاف، ھا ضمیر مضافٌ الیہ، ھوَ ضمیر مرفوع محلاً ضارب کے لئے فاعل۔ پہلے یہ ھو ضارب کے اندر چھپا ہوا تھا۔ اب اسکو ظاہر کیا گیا۔ اب اس ھُو نے آپ کو بتلانا ہے کہ ضاربیۃ کی یہ صفت "غیرِ مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری ہونا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ضارب "زید" ہے اور عمرو نہیں۔

تو یاد رکھو! جب بھی خبر ایسی صفت ہو جو "غیرِ مَنْ ھِیَ لَہٗ" پر جاری ہو تو اس صورت میں ضمیر متصل لانا جائز نہیں بلکہ ضمیر منفصل لائیں گے۔ جیسا کہ " زیدٌ عمرٌو ضاربُہٗ ھوَ" میں یہ ھو بتلائے گا کہ یہ صفت "مَنْ ھِیَ لَہٗ" یعنی عمرو پر جاری نہیں بلکہ "غیرِ مَنْ ھِیَ لَہٗ" یعنی زید پر جاری ہوا ہے۔ اور اگر آپ ھو ضمیر منفصل نہ لاتے تو پھر ضاربیۃ کا التباس لازم آتا۔ یعنی آپ زید کو ضارب بتلانا چاہتے تھے اور سننے والا یہ سمجھتا کہ عمرو ضارب ہے۔

تو یہاں پر اگر آپ ھوَ نہ لاتے تو التباس آتا۔ تو اب وہ صورتیں جن میں التباس نہ بھی آتا ہو اُن کو بھی ہم نے اِسی پر محمول کر دیا۔ جب ایک جگہ ہم نے ضابطہ بنا دیا تو پورے باب کا وہی حکم کر دیا تاکہ

سارا باب ایک جیسا ہو جائے۔ تو جب ایک جگہ واجب کر دیا تو سب جگہ واجب کر دیا۔ تو جب بھی خبر ایسی صفت ہو جو "مَنْ هِيَ لَهُ" پر جاری نہ ہو بلکہ "غیرِ مَنْ هِيَ لَهُ" پر جاری ہو۔ تو اس صورت میں ضمیر متصل نہیں لائیں گے بلکہ ضمیر منفصل لائیں گے۔ اگر چہ التباس کا شبہ بھی نہ وہاں پر۔

صاحب کافیہ کی مثال: هندٌ زیدٌ ضاربَتُهُ هِيَ ۔ هندٌ مبتدائے اوّل، زیدٌ مبتدائے ثانی، ضاربةٌ صیغہ اسم فاعل، ھا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہٖ جو کہ راجع ہے زید کو ، هِيَ ضمیر مرفوع محلاً ضاربةٌ کے لئے فاعل جو کہ راجع ہے هندٌ کو۔ تو صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے ملکر شبہ جملہ ہو کر زیدٌ مبتدائے ثانی کے لئے خبر، پھر مبتدائے ثانی اپنے خبر سے ملکر یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہوئی هندٌ کی۔ اور هندٌ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تو "ضاربَتُهُ هِيَ" لفظوں کے اعتبار سے زید کی صفت ہے۔ تو زید "مَنْ هِيَ لَهُ" ہے۔ اور یہ صفت "غیرِ مَنْ هِيَ لَهُ" پر جاری ہوا ہے۔ تو لہٰذا اسی صورت میں اب فاعل ضمیر متصل نہیں لائیں گے بلکہ یہ هِيَ ضمیر منفصل اسی لئے لائیں گے۔ ورنہ ضاربةٌ کے اندر خود ضمیر مُسْتَتِر بھی آسکتی ہے۔ اور صاحب کافیہؒ کے اس مثال میں التباس کا بھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔ آپ "هِيَ" ضمیر نہ بھی لاؤ پھر بھی التباس کا خطرہ نہیں۔ پتہ چل رہا ہے کہ پٹھائی کرنے والی هندٌ ہے۔ کیونکہ ضاربَةٌ مؤنث کا صیغہ آرہا ہے۔ اور وہ ضاربَة ہند ہے۔ صاحب کافیہؒ اس مثال کے ذریعے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اگر التباس کا کوئی خطرہ نہ بھی ہو تب بھی ضمیر منفصل کو لائیں گے۔ تو جب التباس کا خطرہ نہ بھی ہو تو جب وہاں پر ضمیر منفصل لانا واجب ہے تو جب التباس کا خطرہ ہو تو وہاں پر بطریقِ اولیٰ ضمیر منفصل کا لانا ضروری ہے۔

اب صاحب کافیہؒ ضمیر متصل کے بجائے ضمیر منفصل لانے کی چھٹی وجہ ذکر فرما رہے ہیں۔ اور درس کے شروع سے میں نے کافی تفصیل لکھی۔

اَوْ بِکونِـهٖ یا ہونا ضمیر کا اِس طور پر، ھا ضمیر راجع ہے ضمیر کو۔ **مسندًا الیهِ** کہ اسناد کیا گیا ہو اُس ضمیر کی طرف **صفةٌ** ایسی صفت کا۔ اس صفةٌ کو مرفوع پڑھنا ہے کیونکہ یہ صفةٌ نائب فاعل ہے مسند کے لئے۔ کیونکہ مُسْنَد اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اور اسمِ مفعول کے لئے ہمیشہ نائب فاعل چاہئے۔ **جَرَتْ علٰی غیرِ مَنْ هِيَ لَهٗ** جو جاری ہو رہی ہے "غیرِ مَنْ هِيَ لَهُ" پر۔ بھئی ضاربَةٌ میں هِيَ ضمیر اسکا فاعل ہے۔ اور فاعل مسند الیہ ہوتا ہے۔ تو هِيَ ضمیر یہ ایسی ضمیر ہے کہ اِسناد کیا گیا ہے اِس کی طرف ایسی صفت کا جو "غیرِ مَنْ هِيَ لَهُ" پر جاری ہوا ہے۔

درس 81۔ صاحب کافیہؒ نے ضمیر متصل کے بجائے ضمیر منفصل لانے کی چھ وجوہات یہاں پر ذکر فرمائیں ہیں۔ اب ہر ایک صورت کی مثال ذکر فرما رہے ہیں۔ **مثلُ ایاک ضربت** یہ پہلی صورت کی

مثال ہے۔ و ما ضربک الا انا یہ دوسری صورت کی مثال ہے۔ و ایاک و الشر یہ تیسری صورت کی مثال ہے۔ و انا زیدٌ یہ چوتھی صورت کی مثال ہے۔ و ما انت قائما یہ پانچویں صورت کی مثال ہے۔ و ہندٌ زیدٌ ضاربتُہٗ ھی یہ چھٹی اور آخری صورت کی مثال ہے۔

اب صاحب کافیہؒ یہاں سے وہ مقام بتلا رہے ہیں جہاں پر آپ کو اختیار ہے ضمیر متّصِل بھی لا سکتے ہیں اور ضمیر منفصل بھی لا سکتے ہیں۔ وَ اذا اجْتَمَعَ ضَمِیْرَانِ اور جب جمع ہو جائیں دو ضمیریں و لیس احدُھما مرفوعا اور اُن میں سے کوئی ایک بھی مرفوع نہ ہو۔ فان کان احدُھما اَعْرَفَ اگر اُن دونوں میں سے ایک زیادہ معرفۃ ہو۔ یعنی دونوں ضمیریں متکلم کی نہ ہو۔ نہ ہی دونوں ضمیریں مخاطَب کی ہو۔ اور نہ ہی دونوں ضمیریں غائب کی ہو۔ کیونکہ اِس صورت میں پھر دونوں ضمیروں میں تعریف برابر ہوگا۔ لہٰذا دونوں ضمیریں مختلف ہونا چاہیئے۔ اگر ایک ضمیر متکلم کی ہے تو دوسرا مخاطَب یا غائب کا ہونا چاہیئے۔ اسی طرح اگر ایک ضمیر مُخاطَب کی ہے تو دوسرا ضمیر متکلم یا غائب کا ہونا چاہیئے۔ وَ قَدَّمْتَہٗ اور جس میں تعریف زیادہ ہے آپ نے اُس کو مقدّم بھی کیا ہے۔ فلک الخیارُ فی الثانی تو دوسرے ضمیر میں آپ کو اختیار ہے۔ چاہے تو منفصل لائے چاہے تو متصل لائے۔ یہاں پر صاحب کافیہؒ نے تین شرطیں ذکر فرمائیں۔ جب یہ تینوں شرطیں پائی جائے تو پھر ضمیر منفصل کا لانا بھی جائز اور ضمیر متصل کا لانا بھی جائز۔ دو ضمیریں آئی ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ اِن میں سے کوئی ایک بھی مرفوع نہ ہو، دوسری شرط یہ کہ دونوں ضمیریں تعریف میں برابر نہ ہو،یعنی ایک میں تعریف زیادہ ہو اور دوسری میں تعریف کم ہو۔ تیسری شرط یہ کہ جس میں تعریف زیادہ ہے آپ نے اِسکو مقدَّم بھی کیا ہو۔ اب جو ثانی ضمیر ہے اِس میں آپ کو اختیار ہے۔ اس میں ضمیر متصل لانا بھی جائز اور ضمیر منفصل لانا بھی جائز۔ نحوُ اَعْطَیْتُکَہٗ و اعطیتُکَ اِیاہ یہ پہلی مثال ہے۔ اس میں دونوں ضمیریں منصوب ہیں۔

باب اعطیتُ دو مفعول چاہتا ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں۔ اَعْطَیْتُ زیدًا دِرْھَمًا: میں نے زید کو دِرْھَم عطا کیا۔ اعطیتُ فعل با فاعل ہے، زیدًا منصوب لفظًا مفعول اوّل، درھمًا منصوب لفظًا مفعول ثانی، فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اب زیدًا کی جگہ بھی آپ ضمیر لانا چاہتے ہیں اور درھما کی جگہ بھی آپ ضمیر لانا چاہتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں کہ مخاطَب کو میں نے عطا کیا۔ تو زید کی جگہ ضمیر منصوب متصل لاؤ۔ اور یوں کہو، "اَعْطَیْتُکَ" اور فرض کریں درھما کا ذکر بھی ماقبل میں ایک مرتبہ گزر چکا ہے۔ تو اسکی جگہ اب غائب کی ضمیر لائیں گے۔ تو اس ثانی ضمیر میں ضمیر منصوب متصل لانا بھی جائز ہے اور ضمیر منصوب منفصل لانا بھی جائز ہے۔ تو ضمیر منصوب متّصل کی

صورت میں یوں کہیں گے، "اَعۡطَیۡتُکَہٗ" اور ضمیر منصوب منفصل لانے کی صورت میں یوں کہیں گے، "اَعۡطَیۡتُکَ اِیَّاہٗ"۔

تو یہ اُس وقت ہوگا جب تینوں شرطیں پائی جائے۔ اگر اُن تین شرطوں میں سے ایک شرط بھی نہیں پائی گئی تو پھر آپ صرف ضمیر منفصل ہی کو لائیں گے۔ یہاں دیکھئے۔ کاف ضمیر آئی اور ھا ضمیر آئی۔ تو ہمارے پاس دو ضمیریں آئی۔ اِن دونوں ضمیروں میں کوئی بھی مرفوع نہیں۔ تو پہلی شرط پائی گئی۔ اور دونوں ضمیروں میں کاف ضمیر یعنی مخاطَب کی ضمیر کے اندر زیادہ تعریف ہے اور دوسرے یعنی ھا ضمیر جو کہ غائب کی ضمیر ہے اسکے اندر تعریف کم ہے۔ تو دوسری شرط بھی پائی گئی۔ اور جس میں تعریف زیادہ ہے تو وہ مقدَّم بھی ہے تو تیسری شرط بھی پائی گئی۔ تو اب ثانی ضمیر کو ضمیر متَّصل لانا بھی جائز اور ضمیر منفصل لانا بھی جائز۔

و ضَرۡبِیۡکَ و ضَرۡبِی ایاکَ یہ دوسری مثال ہے۔ اس میں ایک ضمیر مجرور ہے اور دوسرا ضمیر منصوب ہے۔ یہاں پر ضَرۡبٌ مصدر آیا۔ مصدر بھی اپنے فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب دیتا ہے۔ ہاں کبھی مصدر کی فاعل یا مفعول کی طرف اضافت بھی کر دیا کرتے ہیں۔ اور جب اضافت کرتے ہیں تو پھر مضافٌ الیہ تو مجرور ہوا کرتا ہے۔

دیکھے اس مثال میں: ضَرۡبِیۡکَ:میرا مارنا تجھے۔ مثلاً جملہ یوں ہے، اَعۡجَبَنِی ضربیکَ: مجھے تعجب میں ڈالا میرا تجھے مارنے نے۔ یعنی میں نے جو تیری پٹھائی کی اِس نے مجھے تعجُّب میں ڈالا۔ تو اِس میں ضَرۡب مصدر آیا۔ اور اِس ضَرۡب کے ساتھ آگے متکلِّم کی ضمیر ہے۔ تو اسکی طرف مصدر کی اضافت ہوئی۔ یعنی پٹھائی کرنے والا متکلِّم ہے اور مخاطَب کی پٹھائی کی ہے۔ تو متکلم کی ضمیر فاعل کی تھی اور اسکی طرف ضَرۡبٌ کی اِضافت کر دی گئی۔ تو یہ ضمیر مجرور متصل ہے مضافٌ الیہ۔ اور آگے کاف ضمیر مخاطِب کی مفعول ہے۔ کیونکہ مصدر فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب دیتا ہے۔ تو فاعل کی طرف تو اضافت کی گئی اور مفعول کو نصب دیا۔ تو اب یہاں یہ کاف ضمیر منصوب ہے کیونکہ یہ ضَرۡب کے لئے مفعول واقع ہو رہی ہے۔

تو دیکھئے ! ضَرۡبیکَ کے اندر دو ضمیریں آئی۔ اور جب دو ضمیریں آئے تو پھر دوسری ضمیر میں آپ کو اختیار ہوتا ہے چاہے دوسرا ضمیر متصل لائے یا چاہے منفصل لائے۔ بشرطیکہ اس میں وہ تینوں شرائط پائی جائے۔ تو دیکھتے ہیں کہ اِن دو ضمیروں میں تینوں شرطیں پوری ہے کہ نہیں۔ تو پہلی شرط یہ کہ اِن دو ضمیروں میں کوئی مرفوع نہ ہو۔ اور اِن دونوں میں سے کوئی بھی مرفوع نہیں۔ پہلی ضمیر"یا" کی مضافٌ الیہ ہے اور مجرور ہے اور دوسرا کاف ضمیر مفعول کی منصوب ہے۔ لہٰذا پہلی شرط پائی گئی۔ دوسری شرط یہ کہ اِن میں سے ایک کے اندر تعریف زیادہ ہوں دونوں ضمیریں ایک درجے کے نہ ہوں۔ "یا" متکلم کی ضمیر ہے اور "کاف" مخاطَب کی ضمیر ہے۔ اور "یا" ضمیر کے اندر تعریف زیادہ ہے۔ لہٰذا دوسری

شرط بھی پوری ہوئی۔ تیسری شرط یہ کہ جس میں تعریف زیادہ ہو اُس کو آپ نے مقدَّم بھی کیا ہو۔ اس میں "یا" ضمیر مقدَّم ہے اور اس میں تعریف بھی سب سے زیادہ ہے۔ لہٰذا تیسری شرط بھی پوری ہوئی۔ اور جب تینوں شرطیں پوری ہو جائے تو پھر ثانی ضمیر میں اختیار ہے کہ آپ ضمیر متصل لانا چاہتے ہیں یا ضمیر منفصل لانا چاہتے ہیں۔ تو ثانی ضمیر متصل ہونے کی صورت میں یوں کہیں گے، "ضربیکَ" اور ثانی ضمیر منفصل لانے کی صورت میں "ضربی ایّاکَ" کہیں گے۔

و الا ای وَاِنْ لَمْ یَکُنْ کَذٰلِکَ: اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی تینوں شرطیں پوری نہ ہو۔ چاہیے ایک پوری نہ ہو، یا دو پوری نہ ہو یا تینوں پوری نہ ہو۔ **فھو منفصلٌ** تو وہ منفصل ہوگی۔ **نحو اعطیتہ ایاہُ او ایّاک** ای اعطیتُہُ ایاہُ یا اعطیتُہُ اِیّاکَ ۔ اعطیتُ کے ساتھ تو ہمارا بحث ہی نہیں۔ پہلی مثال اعطیتہُ ایّاہُ میں اعطیتُ کے بعد دو ضمیریں آئی ہیں۔ پہلا بھی غائب کی ضمیر ہے اور دوسرا بھی غائب کی ضمیر ہے۔ اب اگر یہاں تینوں شرطیں پائی جائے تو اِتِّصال اور انْفِصَال دونوں جائز۔ اور اگر تینوں میں سے کوئی بھی شرط نہیں پائی گئی تو پھر صرف انفصال ہوگا۔ اور یہاں دیکھئے، پہلی شرط کے مطابق دونوں ضمیریں مرفوع نہ ہوں تو یہ شرط پائی گئی دونوں ضمیریں مرفوع نہیں ہے۔ دوسرا شرط یہ تھا کہ دونوں ضمیروں کے اندر ایک میں تعریف زیادہ ہو اور دوسری میں تعریف کم ہو۔ لیکن یہاں دونوں ضمیریں غائب کی ہے۔ تو لہٰذا دوسری شرط نہیں پائی گئی۔ لہٰذا اب یہاں صرف انفصال ہوگا اور یوں کہیں گے، اَعْطَیْتُہُ اِیَّاہُ۔ اور یہ کہنا اَعْطَیْتُہُہُ جائز نہیں۔

دوسری مثال: اعطیتُہُ اِیّاکَ۔ یہاں پر اعطیتُ کے بعد دو ضمیریں آئی ہے۔ پہلا ضمیر غائب کی ہے اور دوسرا ضمیر مخاطَب کی ہے۔ پہلی شرط کے مطابق دونوں ضمیریں مرفوع نہیں ہونی چاہئے۔ اور یہاں دونوں ضمیریں منصوب ہیں۔ لہٰذا پہلی شرط پوری ہوئی۔ دوسری شرط کے مطابق ایک ضمیر میں تعریف زیادہ ہو اور دوسرے ضمیر میں تعریف کم ہو۔ یہاں بھی غائب کی ضمیر میں تعریف کم ہے اور مخاطَب کی ضمیر میں تعریف زیادہ ہے۔ تیسرا شرط یہ کہ جس کے اندر تعریف زیادہ ہو اُس کو مقدَّم کرنا ہے۔ لیکن یہاں پر غائب کی ضمیر کو مقدَّم کیا ہے جس میں تعریف کم ہے۔ پس لہٰذا تیسری شرط پوری نہیں ہوئی۔ تو اب اتصال کی کوئی صورت باقی نہیں رہی اور صرف انفصال ہی کریں گے اور یوں کہیں گے، "اعطیتُہُ اِیّاکَ"۔ اور یہ کہنا "اَعْطیتُہُکَ" کہنا جائز نہیں۔

و المُختارُ فی خبرِ بابِ کانَ الانفصالُ باب کان کے خبر میں انفصال پسندیدہ ہے۔ یعنی ضمیر منفصل کا لانا پسندیدہ ہے۔ دیکھو! کانَ ایک اسم چاہتا ہے جسے وہ رفع دیتا ہے اور ایک خبر چاہتا ہے جسکو وہ نصب دیتا ہے۔ جیسا کہ، "کانَ زیدٌ قائمًا"۔ یہ زید مرفوع ہے کانَ کا اسم، اور یہ قائمًا منصوب ہے کانَ کی خبر۔ اب دیکھئے اِن دونوں کی جگہ اگر ضمیریں آتی ہیں۔ مثلاً زید کی جگہ مخاطَب کی ضمیر لاؤ۔ تو کانَ سے مخاطب کا صیغہ "کُنْتَ" ہے۔ تو کانَ کا اسم تو اس کے ساتھ متصل آیا۔ اور مثلاً عبارت

میں قائماً کا لفظ پہلے گزرا ہو تو اسکی جگہ ضمیر منصوب منفصل اِیَّاہُ لائیں گے اور یہ قائماً کو لوٹ رہی ہے۔ تو اس صورت میں ثانی ضمیر متصل بھی لا سکتے ہو اور منفصل بھی لا سکتے ہو۔ یعنی کُنتَہُ بھی کہہ سکتے ہوں اور کُنْتَ اِیَّاہُ بھی کہہ سکتے ہو۔ اور "کنتَ اِیَّاہُ" یہ ضمیر منفصل والی صورت پسندیدہ ہے۔ تو پورا جملہ یوں ہو جائے گا، کانَ زیدٌ قائماً و کنتَ اِیَّاہُ یہ کہنا بھی جائز۔ اور کانَ زیدٌ قائماً و کنتَہُ کہنا بھی جائز۔ لیکن پسندیدہ انفصال والی صورت ہے۔

و الاکثرُ لو لا انت الیٰ اٰخرہٖ اور اکثر "لَوْ لَا اَنْتَ" آتا ہے آخر تک۔ دیکھو "لَوْ لَا" کے بعد مبتدا آیا کرتا ہے اور اسکی خبر کو وجوباً حذف کیا جاتا ہے۔ مثلاً، لَوْ لَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عمرُ۔ ای "لَوْ لَا عَلِیٌّ مَوْجُوْدٌ لَھَلَکَ عمرُ"۔ تو موجودٌ کو حذف کیا اور اسکی جگہ جوابِ لَوْ لَا کو اسکا قائم مقام بنایا۔ اور جب جوابِ لَوْ لَا کو اس کا قائم مقام بنا دیا تو اب لَوْ لَا کے خبر کو حذف کرنا واجب ہو گیا۔ اب اس لَوْ لَا کے بعد کونسے ضمیر کو لائیں گے۔ چونکہ لَو لا کے بعد مبتدا آتا ہے تو ضمیر مرفوع منفصل لائیں گے۔ لَوْ لَا کے بعد ضمیر مرفوع متصل اس لئے نہیں لا سکتے کیونکہ لَوْ لَا حرف ہے۔ اور حرف کے ساتھ ضمیر مرفوع متصل کبھی نہیں جُڑتی۔ کیونکہ ضمیر مرفوع متصل صرف فعل کے ساتھ جُڑتی ہے۔

تو اکثر طور پر لَوْ لَا کے بعد ضمیر مرفوع منفصل لاتے ہیں۔ جیسا کہ، لَوْ لَا انتَ، لَوْ لَا انتما، لَوْ لَا انتم، لَوْ لَا انتِ، لَوْ لَا انتما، لَوْ لَا انتم، لَوْ لَا ھُوَ، لَوْ لَا ھما، لَوْ لَا ھُمْ، لَوْ لَا ھِیَ، لَوْ لَا ھما، لَوْ لَا ھُنَ، لَوْ لَا انا، لَوْ لَا نحنُ۔

وَ عسیتَ الیٰ آخِرِھا اور اسی طرح عَسیتَ آتا ہے آخر تک۔ اور عَسَا کے ساتھ ضمیر مرفوع متّصِل لاتے ہیں۔ اس لئے کہ عَسَا ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر۔ تو عَسَا کے ساتھ اسکا اسم آئے گا۔ اور اکثر طور پر وہ اسم مرفوع متصل لائیں گے۔ بھئی عَسَا افعالِ مقاربہ میں سے ہے۔ افعالِ مقاربہ کی بحث آگے آئے گی۔ یہ ایک اسم کو چاہتا ہے اور ایک خبر کو چاہتا ہے۔ اب عَسَا کے ساتھ کونسی ضمیر آئیگی متصل یا منفصل۔ تو کہتے ہیں کہ اکثر عَسَا کے ساتھ ضمیر مرفوع متصل لائیں گے۔ کیونکہ عَسَا کا اسم مرفوع ہوا کرتا ہے۔ اور یہ عَسَا فعل ہے اور فعل کے ساتھ ضمیر مرفوع متصل جُڑ سکتی ہے۔ اور گردان اس طرح ہوگا۔ عَسَیْتَ، عَسَیْتُما، عَسَیْتُمْ، عَسَیْتِ، عَسَیْتما، عَسَیْتُنَّ، عَسَاہُ، عَسَاھما، عَسَاھم، عَسَاھا، عَسَاھما، عَسَاھُنَّ، عَسَیْتُ، عَسَیْنا۔

و جاء لولاکَ البتہ "لَوْ لَاکَ" بھی آتا ہے بعض لغتوں میں۔ لَوْ لَا کے ساتھ کاف ضمیر مجرور کی ہے۔ تو کبھی لَوْ لَا جرّ دیتا ہے۔ تو یہاں پر لَوْ لَا کے ساتھ ضمیر مجرور متصل آگئی۔ یعنی اکثر تو لَوْ لَا کے بعد ضمیر مرفوع منفصل لاتے ہیں لیکن کبھی کبھار اس کے ساتھ ضمیر مجرور متصل بھی آتی ہے۔ تو لَوْ لَا کَ سے آخر تک گردان دیکھ لیں۔ لَوْ لَاکَ، لَوْ لَاکما، لَوْ لَاکم، لَوْ لَاکِ، لَوْ لَاکما، لَوْ لَاکُنَّ، لَوْ لَاہُ، لَوْ لَا ھما، لَوْ لَا ھم، لَوْ لَا ھا، لَوْ لَا ھما، لَوْ لَا ھُنَّ، لَوْ لَایَ، لَوْ لَانا۔

و عساکَ الیٰ اٰخرِھما اور بعض لغتوں میں "عساکَ" بھی آتا ہے آخر تک۔ اور عَسَا کے اندر آپ کو بتایا تھا کہ اس کے بعد اکثر ضمیر مرفوع متصل آتی ہے۔ لیکن کبھی کبھار یہ حرف جرّ کے طور پر بھی عمل کرتا ہے۔ اور اس کے بعد ضمیر مجرور متّصل آتی ہے۔ گردان: عَسَاکَ، عَسَاکما، عَسَاکم، عَسَاکِ، عَسَاکما، عَسَاکنَّ، عَسَاہُ، عَسَاھما، عَسَاھُم، عَسَاھا، عَسَاھما، عَسَاھنَّ، عَسَایَ، عَسَانا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے۔ کہ ابھی کچھ صفحات پہلے ہم نے نحوی گردان پڑھی تھی۔ اور نحوی گردان میں متکلم کے صیغیں پہلے آتے ہیں۔ کیونکہ نحوی حضرات تعریف و تنکیر سے بحث کرتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ تعریف متکلّم کے صیغوں میں ہوتا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے متکلم کے صیغیں لاتے ہیں۔ پھر دوسرے درجے میں مخاطَب کے صیغیں لائیں گا اور پھر غائب کے صیغیں لائیں گا۔ لیکن یہاں پر صاحب کافیہ نے بتلایا " لَوْ لَا انتَ" سے لے کر آخر تک۔ تو یہاں پر مخاطَب کے صیغ پہلے کر دئیے اور متکلم کے صیغیں آخر میں چلے گئے۔ تو صاحب کافیہؒ پر اشکال ہوا کہ یہ تو آپنے نحوی گردان کی مخالفت کر دی۔ جواب یہ کہ صاحب کافیہؒ یہی تو بتلانا چاہتے ہیں آپکو۔ یہاں پر مخاطَب کی ضمیریں پہلے لا کر بتلا دیا کہ وہ ترتیب کوئی ضروری نہیں۔

"لَوْلَا اور عَسَا" یہ جرّ تو دیتے ہیں لیکن کسی کے ساتھ متَعلّق نہیں ہوتے۔ جیسے حروفِ جارّہ زائدہ کسی کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے۔ جیسے رُبَّ کسی کے ساتھ متعلّق نہیں ہوتے۔

کبھی کبھی عبارتوں میں نونِ وقایہ بھی آتی ہے۔ صاحب کافیہؒ اب پوری تفصیل بتلاتے ہیں کہ نونِ وقایہ کہاں کہاں پر آتے ہیں۔ **و نونُ الوقایۃِ معَ الیاءِ** اور نونِ وقایۃ "یا" کے ساتھ۔ "یا" سے مرادیائے متکلم کی ضمیر ہے۔ **لازمۃٌ فی الْماضِی** ماضی میں لازم ہے۔ یعنی ماضی کے صیغوں میں لازم ہے۔

دیکھو میں کہتا ہوں، "ضربَنِی"۔ اب ضربَ کا مفعول میں بنانا چاہتا ہوں "یا" ضمیر کو۔ اور "یا" کو جب ضربَ سے جوڑ دوں گا تو "یا" اپنے سے ماقبل کسرہ چاہتی ہے۔ تو لازمی بات ہے یوں پڑھنا پڑھے گا "ضَرَبِي"۔ اور "ضَرَبَ" تو ماضی ہے اور ماضی مبنی ہوتی ہے۔ تو اب ماضی کے آخر کو کسرہ سے بچانے کے لئے ایک نون درمیان میں لایا جاتا ہے، اور کسرہ وہ نون قبول کر لیتا ہے اور ماضی کی بِنا اُسی طرح رہتی ہے۔ تو اب "ضَرَبَنِي" کہیں گے۔ تو اب "یا" سے ماقبل کسرہ بھی آگیا اور ماضی کی آخری حرکت میں کوئی تبدیلی بھی نہیں آئی۔ تو اس "نون" کو نونِ وقایہ کہتے ہے۔ یعنی یہ "نون" ماقبل کے آخری حرکت کی حفاظت کرتا ہے۔

و فی المضارع اور مضارع میں بھی۔ یعنی یائے متکلم کی ضمیر سے پہلے نونِ اعرابی کا لانا مضارع کے اُن صیغوں میں لازم ہے جو نون اعرابی سے خالی ہو۔ **عَرِیًّا عن نونِ الْاِعرابِ** اس حال میں کہ وہ مضارع خالی ہو نونِ اعرابی سے۔ بھئی مضارع کے صیغوں میں بھی نونِ وقایہ آتا ہے۔ لیکن اُن صیغوں میں آئے گا

جو نونِ اعرابی سے خالی ہوں۔ جن صیغوں میں نونِ اعرابی موجود ہے اُس کے بارے میں آگے چل کر بتائیں گے۔ نیز تثنیه اور جمع والا نون، نونِ اعرابی ہے۔ جمع مؤنث والا نون، نونِ اعرابی نہیں۔ بلکه یه نون جمع مؤنث کی ضمیر ہے۔

تو مضارع کے وہ صیغیں جو نونِ اعرابی سے خالی ہیں اُن میں بھی نونِ اعرابی کا لانا لازم ہے۔ اور مضارع کے اندر سات صیغیں نونِ اعرابی سے خالی ہوتے ہیں۔ اور یوں کہیں گے، "یَضْرِبُنِی، تَضْرِبُنِی، یَضْرِبْنَنِی، تَضْرِبُنِی، تَضْرِبْنَنِی، اَضْرِبُنِی، نَضْرِبُنِی"۔ اَضْرِبُنِی، نَضْرِبُنِی اگر چه یوں کہتے نہیں۔ اور یوں کہتے ہیں اَضْرِبُ نَفْسِی، درمیان میں نفس کا لفظ لاتے ہیں۔ جس کی بحث آگے آئیں گی۔

و اَنْتَ ای وَ انتَ مُخَیَّرٌ: یه انتَ مبتدا ہے اور آگے اس جملے کے آخر میں "مُخَیَّرٌ" آتا ہے یه انت کی خبر ہے۔ یعنی اَنْتَ مُخَیَّرٌ: آپکو اختیار ہے۔ یعنی آپ کو اختیار ہے کہ "یا" ضمیر متکلم سے پہلے نون وقایه لائے یا نه لائے۔ مع النون فیهِ ای وَ انتَ مُخَیَّرٌ مع النون فی المضارِعِ :اور آپ کو اختیار ہے مضارع میں جبکه وہ نون کے ساتھ ہو۔ جب فعل مضارع میں نونِ اعرابی آجائے تو اُس میں آپکو اختیار ہے، اگر آپ نونِ وقایه لانا چاہتے ہیں تو لا بھی سکتے ہو اور اگر نه لانا چاہتے ہوں تو نه بھی لا سکتے ہوں۔ اور مضارع کے اندر سات صیغیں ایسے ہیں جن میں نون اعرابی آتا ہے۔

وہ سات صیغیں " یضربانِ، یضربُونَ، تضربانِ، تضربانِ، تضربونَ،تضربینَ اور تضربانِ" ہیں۔

نونِ وقایه کے بغیر۔ یضربانِی، یضربُونِی، تضربانِی، تضربانِی، تضربونِی،تضربینِي اور تضربانِي

جب نون اعرابی والے صیغوں کے آخر میں نون وقایه لائیں گے۔ تو ایک نون، نونِ اعرابی والا ہوگا اور دوسرا نون، نون وقایه والا ہوگا۔ تو دو "نون" جمع ہو گئے۔ تو اس صورت میں پہلے نون کا دوسرے نون میں ادغام کریں گے۔ تو گردان اسی طرح ہوگا۔

نونِ وقایه کے ساتھ۔ یضربَانِّی، یضربُونِّی، تضربانِّی، تضربانِّی، تضربونِّی،تضربینِّی اور تضربانِّی

تو اس پر ذہن میں فوراً اشکال آتا ہے کہ یضربانِّی میں الف اور نون کے درمیان اجتماع ساکنین آیا۔اور یضربُونِّی میں واؤ اور نون کے درمیان اجتماع ساکنین آیا اور یه تو جائز نہیں۔ تو جواب یه که اجتماع ساکنین دو قسم پر ہے۔ ایک اجمتاع ساکنین علیٰ غیر حدِّہٖ ہے اور ایک اجتماع ساکنین علیٰ حدِّہٖ ہے۔ تو یه اجتماع ساکنین علیٰ حدِّہٖ ہے اور یہاں پر الف اور واؤ نہیں گریں گے۔ اور اجتماع ساکنین جائز وہاں پر ہوتا ہے جب اوّل حرف مدّہ ہو اور ثانی حرف مُدغم ہو۔ تو یہاں سارے صیغوں میں "الف" اور "واؤ" مدّہ ہیں اور ثانی حرف یعنی "نون" مُدغم ہے۔

وَ لَدُنْ اور اسی طرح لَدُنْ کے اندر بھی آپ کو اختیار ہے کہ یائے ضمیر متکلم سے پہلے نون وقایه لا بھی سکتے ہو اور نه بھی لا سکتے ہو۔ نونِ وقایه کے بغیر "لَدُنِی" کہیں گے اور نونِ وقایه کے ساتھ "لَدُنِّی" کہیں گے۔ و اِنَّ و اَخَوَاتِها اور اسی طرح اِنَّ اور اِس کے جو مشابه کلمات ہیں، ان کے اندر بھی آپ کو

اختیار ہے کہ یائے ضمیر متکلم سے پہلے نون وقایہ لا بھی سکتے ہو اور نہ بھی لا سکتے ہو۔ اِنَّ کے مشابہ کلمات وہ حروف مشبہ ہے جس کے آخر میں نون آتا ہو۔ جیسا اَنَّ، کَاَنَّ اور لٰکِنَّ ۔

حروفِ مشبہ بالفعل نونِ وقایہ کے بغیر۔ اِنِّی، اَنِّی، کَاَنِّی، ، لٰکِنِّی،

حروفِ مشبہ بالفعل نونِ وقایہ کے ساتھ۔ اِنَّنِیْ، اَنَّنِی، کَاَنَّنِی، ، لٰکِنَّنِی، ۔

حروف مشبہ میں "لیتَ اور لَعَلَّ" کی بحث نیچے آنے والی ہے۔

مُخَیَّرٌ اِن سب میں اختیار ہے۔ اور اس کی بحث اوپر گزر گئی۔ کہ یہ مخیرٌ "انتَ" کے لئے خبر ہے۔

و یُخْتارُ فی لیتَ و مِن و عَن و قَدْ و قَطْ اور پسندیدہ ہے "لیتَ، مِنْ، عَنْ، قَدْ اور قَطْ" کے اندر۔ یعنی آپ کو اختیار ہے کہ یائے ضمیر متکلم سے پہلے نونِ وقایہ لایا جائے یا نہ لایا جائے۔ مگر "لیتَ، مِنْ، عَنْ، قَدْ اور قَطْ" اِن کے اندر یائے ضمیر متکلم سے پہلے نون وقایہ کا لانا پسندیدہ ہے۔ اور یوں کہیں گے۔ "لیتَنِی، مِنِّی، عَنِّی، قَدْنِی اور قَطْنِی"۔ "قَدْ اور قَطْ" اسم فعل ہیں بمعنیٰ یکفِی یا حَسْبُ یعنی کافی ہے۔ قَدْنِی: کافی ہے میرے لئے، قَطْنِی: کافی ہے میرے لئے۔

اسمِ فعل: اسمِ فعل وہ ہوتا ہے جو ہوتا تو اِسم ہے لیکن فعل کا معنیٰ ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اسمِ فعل کی بحث عنقریب آنے والی ہے۔

وَ عَکْسُهَا لَعَلَّ اور لَعَلَّ انکا عکس ہے۔ یعنی "لعلَّ" میں یائے ضمیر متکلم سے پہلے نونِ وقایہ کا نہ لانا پسندیدہ ہے۔ یعنی لَعَلِّی کہنا پسندیدہ ہے اور لَعَلَّنِی کہنا پسندیدہ نہیں۔

درس 82- بھئی کبھی کبھار مبتدا کے ساتھ ساتھ خبر بھی معرفة آجایا کرتی ہے۔ جیسا کہ زیدُنِ العالمُ۔ زیدٌ مبتدا اور العالمُ اُسکی خبر۔ تو اوّل نظر میں ایسا لگتا ہے کہ زید بھی معرفة اور العالم بھی معرفة تو موصوف صفت کا شُبہ پڑھتا ہے۔ تو لہٰذا اس صورت میں جب خبر بھی معرفة ہو تو ایک مرفوع منفصل کا صیغہ لایا جاتا ہے مبتدا اور خبر کے درمیان۔ ضمیر مرفوع منفصل یہ ہیں۔ " هو، هما، هم، هی، هما، هنَّ، انتَ، انتما، انتم، انتِ، انتما، انتنَّ، انا، نحنُ"۔ اس جیسا ایک صیغہ لایا جاتا ہے اِس مبتدا اور خبر کے درمیان۔ یہ صیغہ اس لئے لاتے ہیں تاکہ فرق ہو جائے صفت اور خبر کے درمیان۔ اور یوں کہیں گے، "زیدٌ هُوَ العالمُ"۔ اب اس ھو نے آکر بتلا دیا کہ یہ "العالمُ" زید کے لئے صفت نہیں بلکہ خبر واقع ہو رہی ہے۔ یہی بات کر رہے ہیں صاحب کافیہؒ **وَ یَتَوَسَّطُ بینَ الْمُبتَدَأ و الخبرِ** اور مبتدا اور خبر کے درمیان میں آتا ہے **قَبْلَ الْعَوَامِلِ و بعدَها** عوامل سے پہلے اور عوامل کے بعد۔ یہاں عوامل سے مراد عواملِ لفظیہ مراد ہے۔ یعنی کبھی کبھار مبتدا اور خبر پر عامل لفظی داخل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حروفِ مشبہ بالفعل مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہے۔ مبتدا کو اُن کا اسم کہتے ہے اور خبر کو خبر کہتے ہیں۔ تو پہلے تھا زیدٌ عالمٌ۔ اور اِنَّ کے داخل ہونے کے بعد "اِنَّ زیدًا عالمٌ" بن گیا۔ اسی طرح کانَ بھی مبتدا اور خبر پر

داخل ہوتا ہے۔ تو پہلے زیدٌ عالمٌ تھا اب "کانَ زیدٌ عالمًا" بن گیا۔ تو دیکھا عالم لفظی داخل ہوا مبتدا اور خبر پر۔ یا جیسے افعال قلوب داخل ہوتے ہیں مبتدا اور خبر پر۔ "زیدٌ عالمٌ" تھا۔ اب اس پر حسبتُ یا ظَنَنْتُ داخل کرے۔ تو "حسبتُ زیدًا قائمًا" بن جائے گا۔ اور بھی کئی عوامل ہیں جو مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔

تو صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ یہ صیغہ لاتے ہیں مبتدا اور خبر کے درمیان۔ جب خبر معرفۃ ہو۔ اور یہ اس لئے لاتے ہیں تاکہ فرق ہو جائے مبتدا خبر کا موصوف صفت سے۔ اگر یہ صیغہ درمیان میں نہ ہوتا تو شبہ پڑھتا کہ مابعد صفت ہے۔ اور جب یہ صیغہ آجائے تو یہ بتلا دیتا ہے کہ مابعد صفت نہیں بلکہ خبر ہے۔ اور صاحبِ کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ یہ صیغہ عوامل لفظیہ سے پہلے بھی آسکتا ہے اور عوامل لفظیہ کے بعد بھی آسکتا ہے۔ تو "زیدٌ ھُو العالمُ" میں کوئی عوامل لفظی نہیں۔ تو عوامل لفظیہ آنے سے پہلے بھی یہ صیغہ آسکتا ہے۔ اور عوامل لفظیہ کے آنے کے بعد بھی یہ صیغہ آسکتا ہے، "کانَ زیدٌ ھوَ العالمَ"۔

اس پر ذہن میں ایک اشکال آتا ہے کہ زیدُنِ العالمُ میں تو موصوف صفت کا اشتباہ پڑھتا ہے۔ کیونکہ زید بھی معرفۃ اور العالمُ بھی معرفۃ، نیز زید بھی مرفوع اور العالمُ بھی مرفوع۔ تو یہاں تو ٹھیک ہے یہ صیغہ بتلا دیگا کہ العالمُ صفت نہیں بلکہ خبر ہے۔ لیکن بعض جگہ تو اعراب سے ہی فرق ہو جاتا ہے۔ وہاں تو التباس لازم نہیں آتا۔ تو پھر وہاں لانے کی کیا ضرورت ہے۔ مثلاً میں نے اِنَّ داخل کیا، "اِنَّ زیدًا ھُو العالمُ"۔ اب تو زیدًا منصوب ہے اور العالمُ مرفوع ہے۔ اور منصوب کی صفت بھی منصوب آجاتی ہے۔ تو العالمُ مرفوع ہوا تو اسکی رفع نے بتا دیا کہ یہ زید کے لئے صفت نہیں۔ تو اب تو ضمیرِ فصل کی ضرورت نہیں تھی۔ اب کیوں لائے؟ تو جواب یہ کہ یہ بھی اُسی پر محمول ہے۔ جب ایک جگہ ہم نے اجازت دے دی تو سارے باب کا ایک ہی حکم کرنے کے لئے وہ صورتیں جس میں التباس نہ بھی آتا تو اُن میں بھی صیغہ فصل لانا جائز ہوا۔

اور یہ یاد رکھو! صاحب کافیہ بتلائیں گے۔ کہ یہ مرفوع منفصل کا صیغہ لاتے ہیں درمیان میں۔ اور یہ نہیں کہا کہ ضمیر منفصل لاتے ہے درمیان میں۔ جیسا کہ "کانَ زیدٌ ھوَ القائمَ"۔ اس "ھو" کو میں نے ضمیر نہیں کہا بلکہ مرفوع منفصل کا صیغہ کہا۔ اس کو صیغہ کیوں کہا؟ اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے، بعض علماء تو اِس کو ضمیر ہی بنا کر اس کو مبتدا بناتے ہیں۔ اور بعض علماء اِس کو حرف قرار دیتے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے صاحب کافیہؒ اس کو صیغہ سے تعبیر کریں گے۔ اور اسکا نام "فَصل" رکھیں گے۔ صاحب کافیہؒ اس کو فَصَل کہیں گے۔ فَصَل کا معنیٰ ہے فرق کرنا۔ تو یہ صیغہ بھی فرق کرنے والا ہے خبر اور صفت کے درمیان میں۔

اور نیز صاحب کافیہؒ یہ بھی بتلائیں گے کہ اِسکا مبتدا کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ اب اگر مبتدا اسم ظاہر ہے اور اسمِ ظاہر کو غائب شمار کیا جاتا ہے تو یہ صیغہ فصل بھی غائب والا ہوگا۔ تو اگر اسم

ظاہر مفرد ہے تو یوں کہیں گے، زیدٌ ھو العالمُ، اور اگر مبتدا تثنیہ ہے تو یہ صیغہ فصل بھی اُسی کے مطابق لائیں گے، الزیدانِ ھُما العالمانِ، اور جمع کی صورت میں، الزیدونَ ھُمُ العالمونَ کہیں گے۔ بتلانا یہ ہے کہ یہ صیغہ فصل مبتدا کے مطابق ہوگا۔ اگر مبتدا غائب ہے تو یہ صیغہ بھی غائب والا لائیں گے، اگر مبتدا مخاطَب ہے تو یہ صیغہ بھی مخاطَب والا لائیں گے، اور اگر مبتدا متکلم کی ضمیر ہے تو یہ صیغہ بھی متکلم والا لائیں گے۔ اور اگر مبتدا مفرد ہے تو صیغہ مفرد والا لائیں گے، اگر مبتدا تثنیہ ہے تو صیغہ بھی تثنیہ والا لائیں گے، اور اگر مبتدا جمع ہے تو صیغہ بھی جمع والا لائیں گے۔ اور اگر مبتدا مذکر ہے تو صیغہ بھی مذکر والا لائیں گے اور اگر مبتدا مؤنث ہے تو صیغہ بھی مؤنث والا لائیں گے۔ تو معلوم ہوا اس صیغے کا مبتدا کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ خطاب، غیبت اور تکلُّم کے اندر، اِفراد، تثنیہ اور جمع کے اندر اور تذکیر و تانیث میں۔ تو جب بھی ایسا صیغہ آئے درمیان میں تو اِس کو آپ فصل بنا دیں گے۔ اور پھر اس میں اختلاف ہے بعض علماءؒ اسکو حرف بناتے ہیں۔ اور بعض علماءؒ اسکو ضمیر بنا کر مبتدائے ثانی بنا دیتے ہیں۔ دیکھئے تفصیل آ رہی ہے کتاب میں۔

صیغةٌ مرفوع مُنْفَصِلٍ مرفوع منفصل کا صیغہ۔ صاحب کافیہؒ اسکو صیغہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کے ضمیر ہونے میں اختلاف ہے۔ **مُطَابِقٍ لِلْمُبْتَدَأِ** اور یہ مرفوع منفصل کا صیغہ مبتدا کے مطابق ہوگا، اور یہ مطابقت آٹھ چیزوں میں ہوگا۔ یعنی خطاب، غیبت، تکلم، اِفراد، تثنیہ، جمع، تذکیر اور تانیث۔ اور ایک ہی وقت میں تین چیزوں میں مطابقت ہوگا۔ یعنی خطاب، غیبت اور تکلم سے ایک، افراد، تثنیہ اور جمع سے ایک، تذکیر اور تانیث میں سے ایک۔ **وَ يُسَمّٰى فَصْلًا** اور اِس صیغے کو فصل کہتے ہیں۔ **لِتَفْصِلَ بين کونِه خبرًا و نعتًا** تا کہ فرق ہو جائے خبر اور صفت کے درمیان۔ کتابت کی غلطی سے يُفَصِّلَ لکھا گیا ہے۔ فَصَّلَ يُفَصِّلُ تَفْصِيْل کے معنیٰ ہے، کسی چیز کی تفصیل کرنا، اُس کو کھولنا۔ یہاں پر تفصیل مراد نہیں بلکہ یہ پر فرق کرنا مراد ہے۔ اور فرق کرنا یہ فَصَلَ يَفْصِلُ مجرَّد سے آئے گا مزید سے نہیں آئے گا۔ اور "لِتَفْصِلَ" ہونا چاہیئے۔ کیونکہ یہ فرق وہ "صیغة" کر رہا ہے۔ اور "صیغه" مؤنث ہے۔ تو مؤنث کے لئے مؤنث کا فعل لے کر آئیں گے۔ ہاں اگر "يَفْصِلَ" ہے تو پھر اسکو مذکورٌ کی تاویل میں لینا پڑے گا۔ تاکہ وہ مذکور یعنی وہ صیغة فرق کر دے۔

و شرطُهٗ اَنْ يكونَ الخبرُ معرفةً اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ خبر معرفة ہونی چاہیئے۔ بھئی خبر جب معرفة ہو تو یہ فصل لائیں گے لیکن اس فصل کا لانا واجب نہیں۔ کبھی لائیں گے اور کبھی نہیں لائیں گے۔ فصل لائیں تو بھی جائز نہ بھی لائیں تو بھی جائز۔ لیکن اگر لانی ہے تو پھر اُس کے لئے شرط یہ ہے کہ خبر معرفة ہو۔ **اَوْ اَفْعَلَ مِنْ كذا** یا خبر "اَفْعَلُ مِنْ كذا" ہو۔ "اَفْعَلُ مِنْ كذا" سے مراد اسم تفضیل ہے۔ وہ اسم تفضیل جو مُسْتَعْمَلْ ہو مِنْ کے ساتھ۔

اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔ کبھی یہ الف لام کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، کبھی یہ اضافت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، کبھی یہ "مِن" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ تو صاحب کافیہؒ یہ بتلاتے ہیں کہ خبر یا تو معرفۃ ہو یا ایسا اسم تفضیل ہو جو "مِنْ" کے ساتھ استعمال ہوتا ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں، زیدٌ افضلُ مِنْ عمرٍو۔ تو دیکھو یہ خبر اسم تفضیل ہے۔ اور ایسا اسم تفضیل ہے جو "مِنْ" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ تو اب بھی فصل کا لانا جائز ہے۔ اور یوں کہہ سکتے ہیں، زیدٌ ھو افضَلُ مِنْ عمرٍو۔

سوال پیدا ہوتا ہے اب فصل لانے کی کیا ضرورت ہے؟ زیدُنِ العالمُ میں تو موصوف صفت کا شبہ تھا، یہ " زیدٌ افضلُ مِنْ عمرٍو" میں موصوف صفت کا شبہ ہی نہیں تو پھر اس میں فصل کیوں لایا جاتا ہے؟ شبہ اس لئے نہیں کہ زید معرفۃ ہے اور اَفضلُ نکرۃ ہے۔ اور جب جار مجرور اس سے ملکر متعلق ہو جائے تب بھی یہ نکرۃ ہی رہے گا۔ اور نکرۃ تو معرفۃ کی صفت نہیں بن سکتا۔ تو یہاں تو موصوف صفت کا شُبہ ہی نہیں ہے۔ واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ زید مبتدا ہے اور افضل من عمرو اُسکی خبر ہے۔ پھر کیوں فصل لایا جاتا ہے؟ جواب یہ کہ یہ بھی اُسی پر محمول ہے۔ یعنی معرفۃ پر محمول ہے۔ یہ بھی معرفۃ کی طرح ہے۔ بھئی کس اعتبار سے معرفۃ کی طرح ہے؟ کہتے ہیں کہ اس اعتبار سے معرفۃ کی طرح ہے کہ جیسے معرفۃ پر الف لام داخل نہیں ہوتا تو اِس افعَلُ پر جو مِنْ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اس پر بھی الف لام داخل نہیں ہوتا۔ تو یہ اسم تفضیل معرفۃ کی طرح ہوا۔ اور معرفۃ میں جب فصل لاتے ہیں تو اس اسم تفضیل میں بھی فصل لاتے ہیں۔

یہ اَفْعَلُ جو مِنْ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اس پر الف لام کیوں داخل نہیں ہوتا؟ اس لئے کہ اسم تفضیل کے استعمال کے تو تین ہی طریقے ہیں۔ اسم تفضیل یا الف لام کے ساتھ آئے گا، یا مِن کے ساتھ آئے گا اور یا اضافت کے ساتھ آئے گا۔ اور یہ اسم تفضیل "مِن" کے ساتھ آرہا ہے اور جب "مِنْ" کے ساتھ آ رہا ہے تو اب الف لام کے ساتھ نہیں آسکتا۔ ایک وقت میں اسم تفضیل ایک ہی طریقے سے آئے گا۔

تو یہاں پر اسم تفضیل "مِنْ" کے ساتھ آیا ہے۔ تو اب اس پر الف لام نہیں آسکتا۔ تو جیسے معرفۃ پر الف لام نہیں آسکتا اس طرح اِس اسم تفضیل پر بھی الف لام نہیں آسکتا۔ تو اس اعتبار سے یہ معرفۃ کی طرح ہوا۔ اور جب خبر معرفۃ ہو تو پھر فصل لاتے ہیں تو یہاں بھی فصل لائیں گے۔

مثلُ کان زیدٌ ھو افضلَ من عمرٍو اس مثال میں یہ "ھو" فصل ہے۔ اور "افضلَ من عمرٍو" کانَ کی خبر ہے۔ اور کانَ کی خبر منصوب ہوتا ہے۔

اب اس ھو کا اعراب کیا ہوگا؟ و لا مَوْضِعَ له عندَ الخليلِ اور کوئی محل نہیں اعراب کے اعتبار سے اس کے لئے نزد امام خلیلؒ کے۔ امام خلیل ابن احمدؒ بہت بڑے نحوی اور امام لُغت گزرے ہیں۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ ھو کے لئے کوئی محلِّ اعراب نہیں۔ کیونکہ یہ حرف ہے۔ اور حرف کا کوئی محلِّ اعراب

نہیں ہوتا۔ جس طرح "فی" حرف ہے اور حرف کا کوئی محلِّ اعراب نہیں ہوتا۔ **و بعضُ العَربِ**

یَجْعَلُهُ مبتدَءً و ما بعدَهُ خبرَهُ اور بعض عرب اس فصل کو مبتدا بناتے ہیں اور اسکے مابعد کو اِسکی خبر بناتے ہیں۔ تو امام خلیل ؒ کے نزدیک ھو کا کوئی محلِّ اعراب نہیں۔ اور یوں پڑھیں گے، کانَ زیدٌ ھوَ افضلَ مِنْ عمرٍو۔ تو اس صورت میں یہ "افضلَ مِنْ عمرٍو" خبر ہے کانَ کے لئے۔ اور بعض عرب علماء ؒ اس ھو کو ضمیر بناتے ہیں۔ تو اس صورت میں یہ ھوَ مبتدا ہوگا اور "افضلَ مِنْ عمرٍو" یہ ھو کے لئے خبر ہوگا۔ اور چونکہ خبر مرفوع ہوتی ہے تو اس کو "افضلُ مِنْ عمرٍو" پڑھیں گے۔ اور کلام یوں ہوگا، "کانَ زیدٌ ھوَ افضلُ مِنْ عمرٍو"۔

کانَ زیدٌ ھوَ افضلُ مِنْ عمرٍو کی ترکیب۔ کانَ فعل، زیدٌ کانَ کا اسم، ھوَ مبتدا، افضلُ من عمرٍو خبر، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہو کر یہ کانَ کی خبر بن گیا۔ تو اب اس صورت میں پورا جملہ کانَ کی خبر بنے گا۔ اور جملہ تو مبنی ہوتا ہے لہٰذا پورا جملہ محل کے اعتبار سے منصوب ہوگا۔

سوال یہ پیدا ہوا کہ عرب کس طرح اس کو مبتدا اور خبر بناتے ہیں۔ عرب کو مبتدا اور خبر کا پتہ ہی نہیں؟ یہ تو نحوٗ کے اصطلاحات ہیں۔ تو جواب یہ کہ عرب اس کو استعمال اس طور پر کرتے ہیں کہ نحوی علماء ترکیب کے اندر اس کو مبتدا اور خبر بناتے ہیں۔

بعض عرب اس کو " کانَ زیدٌ ھوَ افضلَ مِنْ عمرٍو" پڑھتے ہیں۔ تو اس صورت میں افضلَ مِنْ عمرٍو یہ کان کا خبر ہوا اور "ھو" کو فصل ماننا پڑے گا۔ اور اس صورت میں یہ ھو حرف ہوگی۔ اور بعض عرب اس کو "کانَ زیدٌ ھوَ افضلُ مِنْ عمرٍو" پڑھتے ہیں۔ تو اس صورت میں "ھو" کو ضمیر مان کر مبتدا ماننا پڑے گا۔ اور افضلُ مِنْ عمرٍو یہ "ھو" کے لئے خبر بنے گا۔ اور پھر "ھوَ افضلُ مِنْ عمرٍو" یہ پورا جملہ کانَ کے لئے خبر بنے گا۔ یاد رکھو اس فصل کو "عِماد یعنی سُتون" بھی کہتے ہے۔ جس طرح ستون چھت کو گرنے نہیں دیتا اسی طرح یہ فصل یعنی عماد بھی اپنے ما بعد کو صفت کی طرف گرنے نہیں دیتا۔ یعنی خبر کو صفت کی طرف گرنے نہیں دیتا۔ اگر یہ نہ ہوتی تو پھر صفت کا شبہ ہوتا۔

بھئی ضمیر غائب جب بھی کلام میں لائی جائے اس کے لئے مرجع کا ہونا ضروری ہے۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ضمیر غائب کا مرجع مقدَّم ہوگا یا لفظًا، یا معنیً یا حُکمًا۔ تو حکمًا سے مراد ضمیرِ شان اور ضمیر قصہ وغیرہ ہے۔ ضمیر شان ایک مُبہم ضمیر ہوتی ہے، جملے سے پہلے آتی ہے اور آگے آنے والا جملہ اُسکی تفسیر کرتا ہے۔ جیسا کہ "ھو زیدٌ قائمٌ" : شان یہ ہے کہ زید کھڑا ہے۔ شان کا معنیٰ ہے حال یا حالت۔ تو یہ ھُوَ ضمیر، ضمیرِ شان ہے اور آگے آنے والا جملہ "زیدٌ قائمٌ" اسکی تفسیر بیان کرتا ہے۔ اور اگر یہی ضمیر مؤنث کی ہو تو ضمیر قِصّہ کہلاتی ہے۔ جیسا کہ "ھِیَ زینبُ قائمۃٌ" : قصّہ یہ ہے کہ زینب کھڑی ہے۔ تو آگے آنے والا جملہ "زینبُ قائمۃٌ" یہ "ھیَ" کی تفسیر کر رہی ہے۔

بھئی ہونا تو یوں چاہیئے کہ ضمیر کا مرجع پہلے آنا چاہیئے اور ضمیر بعد میں آنا چاہیئے۔ لیکن بعض اوقات ایسا مَحَل ہوتا ہے۔ کہ متکلم چاہتا ہے کہ میں جو بات کررہا ہوں وہ سننے والے کے ذہن میں بیٹھ جائے۔ تو اس صورت میں پھر وہ ضمیر شان لاتا ہے۔ اور ضمیر شان ایک مُبہم ضمیر ہوتا ہے۔ اب ضمیر آگئی، اور آگے آنے والا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ اور مرجع تو پیچھے کوئی گزرا نہیں۔ تو سامِع یعنی سُننے والا متوجہ ہو جاتا ہے، دماغ متوجہ ہوا، آنکھیں کھل گئی، کان کھڑے ہو گئے، کہ ضمیر آگئی اور مرجع ابھی تک کوئی گزرا نہیں۔ تو سامع کی پوری توجہ متکلم کی طرف ہو جاتی ہے۔ اب سامع پوری طرح متوجہ ہوا تو متکلم نے "ھو" کے بعد کہا "زیدٌ قائمٌ"۔ اور جب سامع پوری توجہ کے بعد ایک بات کو سنے گا تو اُس کی ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائیگی۔ تو اس ضمیر کو اس مقصد کے لئے مقدَّم کیا جاتا ہے مرجع پر۔ تو یہاں پر حکمًا گویا اِس کا مرجع مقدَّم ہو چکا۔ تو گویا آپ نے ذہن میں "زیدٌ قائمٌ" کا تصور کیا اور یہی ھو ضمیر اُس کی طرف لوٹا دی۔ اور آگے پھر تفسیر جملے میں بھی لے آئیں اور کہا "زیدٌ قائمٌ"۔

خلاصہ یہ کہ اِس ضمیر کو ابہام پیدا کرنے کے لئے پہلے ذکر کیا جاتا ہے اور بعد میں اسکی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ تو ابہام کے بعد تفسیر ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے۔

اب اس ضمیر کو مذکر کب لایا جاتا ہے اور مؤنث کب لایا جاتا ہے۔ تو جب کلام میں عمدہ یعنی مسند الیہ مذکر ہو تو یہ ضمیر مذکر لایا جائے گا، جیسا کہ زیدٌ قائمٌ میں عمدہ یعنی مسند الیہ "زیدٌ" مذکر ہے تو اس صورت میں یہ ضمیر مذکر لائی جائیں گی اور یوں کہا جائے گا، ھو زیدٌ قائمٌ۔ اور جب کلام میں عمدہ یعنی مسند الیہ مؤنث ہو تو پھر یہ ضمیر مؤنث لائی جاتی ہے۔ جیسا کہ زینبُ قائمةٌ میں عمدہ یعنی زینب مؤنث ہے تو یہ ضمیر مؤنث لائی جائے گی اور یوں کہا جائے گا، "ھی زینبُ قائمةٌ"۔

وَ يَتَقَدَّمُ قبلَ الـجُملةِ اور جملے سے پہلے آتی ہے۔ یہاں صاحب کافیہؒ کی عبارت پر اشکال ہوتا ہے۔ جب یتقدَّم کہا تو "قبل" کا لفظ لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ یعنی یتقدّم کے لفظ سے پتہ چل گیا کہ پہلے ہے تو دوبارہ پہلے کہنے کی ضرورت نہیں۔ تو یہ "قبل" کا لفظ کیوں لے کر آئیں۔ تو جواب یہ ہے کہ مقام تاکید کا تقاضا کر رہا تھا کیونکہ ضمیر تو ہمیشہ مرجع کے بعد لاتے ہیں، لیکن یہاں پر ضمیر کو تو مرجع سے پہلے لایا جاتا ہے۔ تو یہ مَقام تاکید کا تھا کہ تاکید کے ساتھ بات کی جائے۔ کہ یہ ضمیر مرجع کے بغیر پہلے ہی آرہی ہے اور اِسکا مرجع حکمًا مقدَّم ہے۔ نہ لفظًا مقدَّم ہے اور نہ معنًی مقدَّم ہے۔ کسی طور پر بھی اسکا مرجع پہلے نہیں گزرا **ضميرُ غائبٍ** ایک غائب کی ضمیر **يُسَمّٰى ضميرَ الشّانِ وَ الْقِصَّةِ** جسے ضمیر شان اور ضمیر قصّہ کہتے ہیں۔ **يُفَسَّرُ** جسکی تفسیر بیان کی جاتی ہے **بِالْجُملةِ بعدَهُ** اُس جملہ کے ساتھ جو اُس کے بعد ہوتا ہے۔

و يكونُ مُنْفَصِلاً وَ مُتَّصِلاً اور یہ ضمیر منفصل بھی آسکتی ہے اور منفصل بھی آسکتی ہے۔ منفصل کی مثال، ھو زیدٌ قائمٌ اور ھی زینبُ قائمةٌ۔ تو یہ "ھو اور ھی" منفصل ضمیریں ہیں۔ اور یہ متصل

بھی آسکتی ہے۔ مثلاً اِنَّهٗ زیدٌ قائمٌ۔ تو اِنَّ کے ساتھ یہ ضمیر، ضمیر شان ہے اور متصل ہے۔ مستترًا وَ بارزًا اور یہ ضمیر مستتِر بھی آسکتی ہے اور بارز بھی آسکتی ہے۔ یہ "اِنَّهُ زیدٌ قائمٌ" کے ساتھ یہ ضمیر متَّصِل بھی ہے اور بارز بھی ہے۔ اور کبھی مستتر بھی آسکتی ہے، جیسا کہ کانَ زیدٌ قائمٌ۔ تو کانَ کے اندر هوَ ضمیر مستتر ہے اور یہ ضمیر شان ہے۔ اگر کوئی آپ کے سامنے یہ کہے "کانَ زیدٌ قائمٌ" تو فورًا یہ حکم نہ لگائیں کہ یہ کلام تو غلط ہے، کیونکہ کانَ کی خبر تو منصوب ہوتا ہے اور "کانَ زیدٌ قائمًا" ہونا چاہئے۔ بلکہ یہ کلام صحیح ہے، کانَ کے اندر ضمیر شان ہے مستتر اور آگے زیدٌ قائمٌ پورا جملہ کانَ کی خبر واقع ہو رہا ہے۔

کانَ زیدٌ قائمٌ کی ترکیب۔ کانَ فعل از افعال ناقصہ، هُوَ ضمیر مستَتِر ضمیر شان، زیدٌ مرفوع لفظًا مبتدا، قائمٌ اُسکی خبر، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ کانَ کے لئے خبر ہے۔ تو "زیدٌ قائمٌ" پورا جملہ منصوبُ المحل ہے۔ کانَ اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

عَلیٰ حَسَبِ العواملِ عوامل کے مطابق۔ نحو هو زیدٌ قائمٌ شان یہ ہے کہ زید کھڑا ہے۔ یہاں پر ھو ضمیر منفصل ہے اور بارز ہے۔ ترکیب۔ ھو ضمیر شان مبتدائے اوّل، زیدٌ مبتدائے ثانی، قائمٌ خبر، مبتدائے ثانی اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوا مبتدائے اوّل کے لئے، و کان زیدٌ قائمٌ اس میں کانَ کے اندر هُوَ ضمیر، ضمیر شان ہے اور متصل ہے اور مستَتِر ہے۔ ترکیب اوپر گزر گئی ہے۔ وَ اِنَّهُ زیدٌ قائمٌ اور یقینًا شان یہ ہے کہ زید کھڑا ہے۔ یہاں پر ضمیر شان بارز ہے اور متصل ہے۔ ترکیب۔ اِنَّ حرف از حروف مشبہ بالفعل، ھا ضمیر شان اِنَّ کا اسم منصوب محلاً، اور زیدٌ قائمٌ پورا جملہ مرفوع محلاً اِنَّ کی خبر۔ تو اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

و حذفُهُ مَنْصُوبًا ضعیفٌ اور اس ضمیر شان کو حذف کرنا اِس حال میں کہ یہ منصوب ہو یہ ضعیف ہے۔ ابھی آپ کے سامنے مثالیں گزری، ضمیر شان منصوب بھی آسکتی ہے اور مرفوع بھی آسکتی ہے۔ جیسا کہ "ھو زیدٌ قائمٌ" میں ھو مرفوع ہے۔ اور "کان زیدٌ قائمٌ" میں کانَ کے اندر ضمیر شان ہے جو کہ مرفوع ہے کیونکہ کانَ کا اسم مرفوع ہوتا ہے۔ اور "اِنَّهُ زیدٌ قائمٌ" میں یہ "ھا" ضمیر، ضمیر شان ہے اور منصوب محلاً ہے کیونکہ اِنَّ کا اسم منصوب ہوتا ہے۔

پس اگر ضمیر شان یا ضمیر قصّہ مرفوع ہو تو اِسکا حذف کرنا پھر جائز نہیں۔ اور اگر ضمیر شان یا ضمیر قصّہ منصوب ہو تو پھر اسکو حذف کر سکتے ہو لیکن اس کا حذف ضعیف ہے۔

اِلّا مع اَنَّ اذا خُفِّفَتْ فَاِنَّهُ لازمٌ مگر اُس وقت جب اَنَّ مُخَفَّفَہ ہو تو پھر ضمیر شان کا حذف لازم ہے۔ یاد رکھو! اِنَّ اور اَنَّ حروف مشبہ بالفعل میں سے ہیں اور یہ مُشَدَّدَہ ہیں۔ کیونکہ اِن کے نون پر شدّ آ رہا ہے۔ لیکن کبھی اِن میں تخفیف کرتے ہیں۔ اور شدّ کو ختم کرتے ہیں۔ اور نون کو گرا دیتے ہیں۔ اِنَّ کو

اِنْ پڑھتے ہیں اور اَنَّ کو اَنْ پڑھتے ہیں۔ تو یہ اِنْ مخففہ من المثقلہ کہلاتا ہے۔ اور اسی طرح اَنْ مخففہ مِن المُثقّلہ کہلاتا ہے۔ اور اَنَّ کو جب اَنْ پڑھے تو اِس وقت اَنْ کا اسم ہمیشہ ضمیر شان ہوا کرتا ہے اور محذوف ہوا کرتا ہے۔ بھئی اس لئے کہ جب بھی اَنَّ کو مخففہ بنا دیتے ہیں تو اسکے اسم کو حذف کر دیتے ہیں اور وہ اسم ضمیر شان ہوتی ہے۔ جیسے "وَآخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ربِّ العالَمِیْنَ"۔ یہ جو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے پہلے "اَنْ" آیا۔ یہ اَنْ مخففہ مِن المُثقَّلہ ہے۔ جب میں نے آپ کو یہ بتلا دیا کہ یہ اَنْ مخففہ مِن المُثقَّلہ ہے تو ساتھ ہی ایک اور بات آپ سمجھ گئے۔ اور وہ بات یہ کہ اِس اَنْ مخففہ مِن المُثقَّلہ کا اسم ضمیر شان ہے جو کہ محذوف ہے۔ اور اصل کلام "وَآخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنَّهٗ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ربِّ العالَمِیْنَ"۔ تو اصل میں اَنَّـهٗ ہے۔ اور جب اس کو مخففہ مِن المُثقَّلہ یعنی اَنْ کیا تو اس کے اسم یعنی ضمیر شان کو بھی حذف کیا گیا۔ تو جب بھی اَنْ مخففہ مِن المُثقَّلہ آئے تو اس کے اسم یعنی ضمیر شان کو حذف کیا جاتا ہے اور آگے آنے والا پورا جملہ اسکی خبر بنتا ہے۔

درس 83۔ مبنیات میں سے دوسرا اسم اشارہ ہے۔ آج صاحب کافیہؒ اُس کے بارے میں بحث کریں گے۔ فرماتے ہیں **اَسماءُ الْاِشارۃِ ما وُضِعَ لِمُشَارٍ الیهِ** اسمائے اشارہ وہ ہے جس کو مشارٌ الیہ کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ مشارٌ الیہ: وہ چیز جس کی جانب اشارہ کیا جائے۔ اُس کے لئے اسم اشارہ کو وضع کیا گیا ہے۔ **وھی ذا لِلْمُذَکَّرِ** اور واحد مذکر کے لئے "ذا" اسم اشارہ ہے۔ آپ اکثر استعمال کرتے ہیں "هٰذَا"۔ تو اس میں یہ "ذا" اسم اشارہ ہے اور "ھا" تنبیہ کے لئے ہے۔ یعنی کسی کو متوجہ کرنے کے لئے ہے۔ **وَلِمُثَنَّاہُ ذانِ و ذَیْنِ** اور مذکر کے تثنیہ کے لئے "ذانِ" ہے اور "ذَیْنِ" ہے۔ ھا ضمیر مذکر کو راجع ہے۔ تثنیہ اگر وہ مرفوع ہو تو "ذانِ" اسم اشارہ استعمال کرتے ہے ۔ اور اگر منصوب یا مجرور ہو تو "ذَیْنِ" اسم اشارہ استعمال کریں گے۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ یہ تو مبنی ہے اور مبنی عامل کے آنے سے بدلتا نہیں۔ اور یہاں تو اسم اشارہ بدل رہا ہے، حالت رفعی میں ذانِ ہے تو حالت نصبی جرّی میں ذَیْنِ ہے۔ جیسے تثنیہ کے اندر رجلان حالت رفعی میں ہے اور رَجُلَیْنِ حالت نصبی اور جرّی میں ہے۔ تو یہ تو عوامل کے آنے سے بدل رہا ہے۔ حالانکہ یہ تو مبنی ہے اور مبنی تو بدلتا نہیں۔ جواب۔ علماءِ نحوُ یہ جواب دیتے ہیں یہ جو "ذانِ اور ذَینِ" بدلے ہوئے آپ کو نظر آتے ہیں یہ عامل کی وجہ سے نہیں بدلے، بلکہ اِن کو وضع ہی اس طرح کیا گیا ہے۔ کہ حالت رفعی میں ذانِ استعمال کرنا ہے اور حالت نصبی جرّی میں ذَیْنِ استعمال کرنا ہے۔ تو ذانِ الگ وضع ہوا ہے اور ذَیْنِ الگ وضع ہوا ہے۔ اور تثنیہ میں وہی رجلانِ بدل جاتا ہے رَجُلَیْنِ سے۔ یعنی رجلان کا الف بدل گیا ہے "یا" سے۔ اور یہ جو ذَیْنِ میں "یا" آیا ہے۔ یہ ذان کی "الف" سے بدل کر نہیں آیا ہے۔ بلکہ یہ ذَیْنِ

اسی طرح وضع کیا گیا ہے۔ ہاں جہاں مرفوع محل ہے تو وہاں ذانِ استعمال ہوتا ہے اور جہاں منصوب اور مجرور محل ہے تو وہاں ذَیْنِ استعمال ہوتا ہے۔

وَلِلْمُؤَنَّثِ اور مؤنث کے لئے تا و ذی و تی و تِہٖ و ذِہٖ و تِہِی و ذِھِی یہ سارے واحد مؤنث کے لئے اسم اشارہ ہے۔ اور مؤنث کے لئے اکثر ہم "ھٰذِہٖ" استعمال کرتے ہیں۔ تو یہ "ذِہٖ" اسم اشارہ ہے اور اس پر "ھا" تنبیہ والی داخل ہوئی ہے۔ ولِمُثَنَّاہُ ای لِمُثَنَّی المؤنَّثِ: ھا ضمیر مؤنث کو راجع ہے۔ اور مؤنث کی تثنیہ کے لئے تانِ و تَیْنِ حالت رفعی میں تانِ استعمال ہوتا ہے اور حالت نصبی جرّی میں تَیْنِ استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ عامل کے آنے سے نہیں بدلے ہیں بلکہ یہ وضع ہی اسی طرح ہے کہ حالت رفعی کے لئے تانِ وضع ہے اور حالت نصبی جرّی کے لئے تَیْنِ وضع ہے۔ اور یہ تثنیہ کے ساتھ اسکی مشابہت آگئی ہے یہ اتفاقاً ہے۔ ولِجَمْعِھِما اور جمع مذکر اور جمع مؤنث دونوں کے لئے اُولآءِ مدًّا وَ قصرًا مَدًّا مصدر ہے حال بن رہا ہے۔ اور مصدر کبھی اسم فاعل کے معنیٰ میں بھی آتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ تو یہاں اسم مفعول کے معنیٰ میں لیں گے۔ ای اُولآء مَمْدُودًا و مَقْصورًا: اور اُولآء دونوں کی جمع کے لئے ہے۔ مذکر کی جمع کے لئے بھی اور مؤنث کی جمع کے لئے بھی۔ اس حال میں کہ یہ ممدود بھی ہے اور مقصور بھی ہے۔ یعنی مدّ کے ساتھ بھی ہے اور الف مقصورہ کے ساتھ بھی ہے۔ بھئی یہ الف کے بعد ہمزہ آئے تو اس کو مدّ کہتے ہیں۔ اس کو خوب کھینچتے ہیں۔ اور اگر آخر میں الفِ مقصورۃ آئے تو اُس کو الف جتنا لمبا کرتے ہے۔ تو یہ اُولآء ممدود بھی آیا ہے اور مقصور بھی۔ عبارت میں جو ذکر ہے "اُولآء" یہ ممدود ہے۔ یعنی مدّ کے ساتھ ہے۔ اور مقصور "اُولیٰ" ہوگا۔ آخر میں ہمزہ نہیں ہوگا۔ تو "اُولیٰ" کے درمیان میں "واؤ" آرہا ہے لیکن اس کو پڑھنا نہیں۔ اور یہی "واؤ" ممدود میں بھی نہیں پڑھنا اور مقصور میں بھی نہیں پڑھنا۔

سوال: جب اس "واؤ" کو پڑھتے نہیں تو اسکو کیوں لکھا جاتا ہے؟ جواب اس کا یہ ہے بھئی کہ اگر "واؤ" نہ لکھے تو پھر اُلیٰ کا التباس لازم آتا ہے اِلیٰ کے ساتھ۔ پھر پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ اُلیٰ اسم اشارہ ہے یا اِلیٰ حرف جرّ ہے۔ تو لہٰذا فرق کرنے کے لئے درمیان میں "واؤ" لکھتے ہیں۔ اور جب مقصور میں "واؤ" لکھا تو ممدود میں بھی "واؤ" لکھا تا کہ سارے ایک جیسے ہو جائے۔

وَ یَلْحَقُھا حرفُ التَّنْبِیہِ اور اسکے ساتھ حرفِ تنبیہ بھی مل جاتا ہے۔ جیسا کہ ھٰذا اور ھٰذِہٖ میں ملا تھا۔ و یَتَّصِلُ بھا حرفُ الخِطابِ اور حرفِ خطاب بھی جُڑ جایا کرتا ہے اسمائے اشارہ کے ساتھ۔ یہ ذاکَ کے اندر جو کاف آتا ہے یہ کاف حرفیہ خطابیہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح ذٰلِکَ کے اندر جو کاف ہے یہ کاف حرفیہ خطابیہ کہلاتا ہے۔ یہ ضمیر نہیں۔ سوال۔ یہ حرفیہ خطابیہ کس لئے ساتھ جوڑتا ہے؟ جواب۔ یہ اس لئے جوڑتا ہے کہ مخاطَب آپکا مفرد ہے، تثنیہ ہے یا جمع ہے یا مذکر ہے یا مؤنث ہے۔

یعنی آپ مشارٌ الیہ کے بارے میں اپنے مخاطب کو کوئی بات بتلا رہے ہیں تو یہ کاف حرفیہ خطابیہ اُس مخاطب کی وضاحت کریں گا۔ کہ یہ مخاطب مفرد ہے، یا تثنیہ ہے یا جمع ہے یا مذکر ہے یا مؤنث۔ نیچے مثالوں سے بات خوب سمجھ آئے گا۔

دیکھو وہ دور زید کھڑا ہے۔ اور میں کسی ایک فرد کو دکھاتا ہوں کہ وہ زید ہے۔ تو میں یوں کہوں گا، "ذاکَ زیدٌ یا ذالِکَ زیدٌ": ترجمہ: وہ زید ہے۔ اب یہ ذالکَ کے ساتھ حرفیہ خطابیہ جو میں نے جوڑا اس نے بتلایا کہ میں ایک مذکر فرد کو بتلا رہا ہوں کہ وہ مشارٌ الیہ زید ہے۔ اگر میرے سامنے دو فرد تھے اُن کو میں اشارہ کر کے زید کے بارے بتلاتا ہوں تو یوں کہوں گا، ذالِکُمَا زیدٌ۔ ترجمہ: وہ زید ہے۔ اس "کما" حرفیہ خطابیہ نے بتلایا کہ میں نے دو مذکر فردوں کو بتلایا کہ وہ زید ہے۔ یعنی کُما نے بتلایا کہ میرے مخاطب دو ہیں اور وہ مذکر ہیں۔ اسی طرح کئی افراد میرے سامنے ہیں اور میں اُن کو دکھلاتا ہوں کہ وہ زید ہے۔ تو میں یوں کہوں گا، "ذالِکم زیدٌ: وہ زید ہے۔ اس "کُم" حرفیہ خطابیہ نے یہ بتلایا کہ میرے مخاطَب دو سے زیادہ ہیں۔

اسی طرح اگر میرے سامنے مؤنث ذات ہو اور میں اُس کو دکھلاتا ہوں کہ وہ زید ہے تو میں یوں کہوں گا، ذالِکِ زیدٌ: وہ زید ہے۔ اس "کاف" حرفیہ خطابیہ نے بتلایا کہ میرا مخاطب ایک ہے اور مؤنث ہے۔ اگر دو ہوئی تو میں "ذالکما زیدٌ" کہوں گا۔ اور ترجمہ وہی ہے، "وہ زید ہے۔" اور اس "کما" حرفیہ خطابیہ نے بتلایا کہ میرے مخاطب دو ہیں اور وہ مؤنث ہیں۔ اور اگر دو سے زیادہ ہوئیں تو میں "ذالِکُنَّ زیدٌ" کہوں گا۔ ترجمہ: وہ زید ہے۔ اس کُنَّ حرفیہ خطابیہ نے بتلایا کہ میرے مخاطب دو سے زیادہ ہیں اور سارے مؤنث ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کاف حرفیہ خطابیہ صرف یہ بتلاتا ہے کہ مخاطَب مفرد ہے یا تثنیہ یا جمع ہے۔ اور مذکر ہے یا مؤنث۔ سوال: یہ "کاف حرفیہ خطابیہ" حرف کیوں ہے۔ جواب۔ سارے مثالوں کے اندر اس کا کوئی ترجمہ ہم نے نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ حرف ہے۔ نیز حرف ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اسکی جگہ اسم ظاہر نہیں آسکتا۔ اگر یہ ضمیر ہوتی تو ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہمیشہ آسکتا ہے۔ میں نے کہا، ضربُتُکَ: میں نے آپ کی پٹھائی کی۔ اب میں کاف ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لا سکتا ہوں، یعنی ضربتُ زیدًا: میں نے زید کی پٹھائی کی۔ تو ضمیر کی جگہ تو اسم ظاہر ہمیشہ آسکتا ہے لیکن اس کی جگہ اسم ظاہر نہیں آسکتا۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ حرف ہے۔

اور یہ حرف خطاب پانچ ہیں۔ واحد مذکر کے لئے "کَ" مذکر اور مؤنث تثنیہ کے لئے "کما"، مذکر جمع کے لئے "کم"، واحد مؤنث کے لئے "کِ"، جمع مؤنث کے لئے "کنَّ"۔ تو یہ کل پانچ ہوئے۔

اسی طرح اسمائے اشارہ بھی پانچ اقسام کے ہوئے۔ اس لئے کہ ایک واحد مذکر کے لئے، ایک تثنیہ مذکر کے لئے، ایک جمع مذکر و مؤنث کے لئے، ایک واحد مؤنث کے لئے، ایک تثنیہ مؤنث کے لئے۔ جمع مذکر

اور جمع مؤنث مشترک ہیں ابھی صاحب کافیہ نے بتلایا کہ اس کے لئے اُولآءِ بھی آسکتا ہے اور اُولیٰ بھی آسکتا ہے۔

اور اسمائے اشارہ کے ان پانچ انواع میں سے ہر نوع کے ساتھ حرف خطاب مل سکتا ہے۔ تو کل پچیس قسمیں بن جائیں گے۔

و ھی خمسةٌ اور یہ حرف خطاب پانچ ہیں فی خمسةٍ پانچ میں۔ یعنی اسمائے اشارہ پانچ انواع پر ہے۔ ای خمسةٌ مضروبةٌ فی خمسةٍ: یہ ایسے پانچ ہوئے جو ضرب دئیے گئے ہیں پانچ میں۔ فیکونُ خمسةً و عشرینَ تو مجموعہ پچیس ہوا۔ تو یہ پچیس طرح پر بن گیا۔ و ھی اور وہ یہ ہیں۔ ذاک الیٰ ذاکُنَّ ذَاکَ سے لے کر ذَاکُنَّ تک۔ گردان: ذاکَ، ذاکما، ذاکم، ذاکِ، ذاکُما، ذَاکُنَّ۔ ذاکما مذکر اور مؤنث مخاطب میں مشترک ہے۔ یہ تو واحد مذکر اسم اشارہ والے پانچ ہوئے۔ و ذانک الیٰ ذانکُنَّ اور اسی طرح ذَانِکَ سے لے کر ذانِکُنَّ تک۔ ذَانِکَ، ذَانِکُمَا، ذَانِکُمْ، ذَانِکِ، ذَانِکما، ذَانِکُنَّ۔ یہ تثنیہ مذکر اسم اشارہ والے پانچ ہو گئے۔ ذَانِکُمَا مذکر اور مؤنث مخاطب میں مشترک ہے۔ و کذلک البواقی اور اسی طرح باقی ہیں۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ دو کی تو میں نے مثالیں ذکر کی اور باقی کو آپ اسی پر قیاس کریں۔ باقی بھی اسی طرح ہے۔

و یقال ذا للقریب و ذلک للبعید و ذاک للمتوسط اور کہا جاتا ہے کہ "ذا" اسم اشارہ قریب کے لئے ہے۔ اور ذالکَ اسم اشارہ بعید کے لئے ہے۔ اور "ذاکَ" اسم اشارہ متوسِّط کے لئے۔ "ذا" کے اندر سب سے کم حروف ہے تو یہ قریب کے لئے ہے، ذاکَ میں ایک حرف بڑھ گیا تو یہ متوسِّط کے لئے اور ذالکَ میں حروف مزید بڑھ گئے تو یہ بعید کے لئے۔ و تلک و تانِّک و ذانِّک مُشَدَّدَتَیْنِ اور تلک اور تانِّکَ اور ذانِّکَ اس حال میں کہ یہ دونوں مشدد ہیں۔ تانّـکَ اور ذانِّـکَ میں نون مشدَّد ہے۔ و اُولالِکَ اور اسی طرح اولالِکَ۔ یعنی یہ چار "تلکَ، تانِّـکَ، ذانِّـکَ اور اُولالِکَ" جو ہیں مثلُ ذٰلک یہ ذالکَ کے مثل ہے۔ یعنی جیسے "ذالک" بعید کے لئے آتا ہے تو یہ چاروں "تلکَ، تانّـکَ، ذانِّـکَ اور اُولالِکَ" بھی بعید کے لئے آتے ہیں۔

و اَمّا ثَمَّ و ھُنَا و ھَنَّا یہ تین اسمائے اشارات " ثَمَّ و ھُنَا و ھَنَّا" جو ہیں۔ ھَنَّا کو ھِنَّا بھی پڑھ سکتے ہیں۔ فللمکان خاصَّةً یہ مکان کے لئے آئیں گے خاص طور پر۔ یہ تینوں " ثَمَّ و ھُنَا و ھَنَّا " کسی مکان کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آئیں گے۔ زمانے یا معنیٰ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے نہیں آئیں گے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "وہ بات آپ کو یاد ہے یا نہیں جو میں نے ایک ہفتہ پہلے کہی تھی۔"۔ تو اس میں "وہ بات" ایک معنیٰ ہے۔ اور آپ معنیٰ کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا آپ اِن تینوں " ثَمَّ و ھُنَا و ھَنَّا " کو نہیں لا سکتے۔

یہ تینوں "ثَمَّ و ھُنَا و ھَنَّا" حقیقتاً مکان کی طرف اشارہ کرنے کے لئے وضع ہے۔ اور اگر زمانے یا معنیٰ کے لئے یہ تینوں استعمال کریں گے تو یہ مجاز کے طور پر ہوگا۔

اَلْمَوصولُ مبنیات میں سے تیسرا اسم موصول ہے۔ یاد رکھو! یہ جو اسم مفعول ہے اس نے کلام کے اندر کبھی فاعل بننا ہے، کبھی مفعول بننا ہے، کبھی مضافٌ الیه بننا ہے، کبھی خبر بننا ہے کبھی مبتدا بننا ہے وغیرہ۔ یعنی کلام کا جُز بنے گا۔ لیکن کہتے ہیں کہ یہ کبھی بھی کلام کا جُز نہیں بن سکتا جب تک اُس کے ساتھ اُس کا صِلہ نہ ملے۔ اور موصول کا صلہ ہمیشہ جملہ ہوا کرتا ہے۔ بھئی دراصل اسمِ موصول کے اندر اِبہام ہوتا ہے: اس کا ترجمہ "وہ جو کہ" کے ساتھ کرتے ہیں۔ تو اس میں ابہام ہوتا ہے۔ اور اس میں اتنا زیادہ ابہام ہوتا ہے کہ مفرد کے ساتھ اس کا ابہام دور نہیں ہوتا بلکہ اِس کے ابہام دور کرنے کے لئے پورا جملہ چاہیئے۔ اس لئے اسکا صلہ ہمیشہ جملہ آئے گا۔

مثلاً میں نے کہا، جاءَ الذی: آیا وہ جو کہ، تو اس میں ابہام ہے اور سننے والے کو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ متکلم کا مطلب کیا ہے۔ اب آگے ایک جملہ "ضرَبَکَ" لائے، یعنی "جاءَ الذی ضربَکَ": آیا وہ کہ جس نے آپ کی پٹھائی کی۔ تو اب بات پوری ہو گئی۔

صلہ چونکہ جملہ ہوتا ہے اور جملہ اپنے مفہوم ادا کرنے میں مستقل ہوتا ہے۔ وہ کسی کے ساتھ جُڑنے کا محتاج نہیں۔ "ضرَبَکَ" جو میں نے صلہ بنایا، یہ تو پورا جملہ ہے۔ یہ کسی کے ساتھ جُڑنے کا محتاج نہیں۔ لیکن جب آپ اس کو صلہ بنا کر موصول سے جُڑتے ہیں تو پھر ربط ضروری ہے۔ اور جملے کو جس چیز سے جوڑا جائے تو ربط چاہیئے۔ اور وہ ربط عائد کہلاتا ہے۔ پھر وہ عائد کئی قسم پر آسکتا ہے۔ الف لام کی صورت میں بھی آسکتا ہے۔ اور ضمیر وغیرہ کی صورت میں بھی آسکتا ہے۔ یا اُسی ایک اسم کا دوبارہ اُس میں اِعادہ کر دیا جائے وہ بھی عائد بن سکتا ہے۔ لیکن یہ جو صلہ ہے اِس میں عائد صرف ضمیر ہی آئے گی۔ عائد کی کوئی اور صورت یہاں جائز نہیں۔

تو "جاءَ الذی ضربَکَ" میں ضربَ کے اندر ھو ضمیر ہے جو کہ لوٹ رہی ہے الذی اسم موصول کو۔ اور آگے کاف ضمیر تو مخاطَبْ کی ضمیر ہے۔ اور مخاطب کی ضمیر کسی کو نہیں لوٹتی۔ اسی طرح متکلم کی ضمیر بھی کسی نہیں لوٹتی۔ تو اسم موصول کو ہر حال میں صلہ اور عائد چاہیئے۔ چاہیے یہ فاعل بنے، مفعول بنے، مبتدا بنے، خبر بنے وغیرہ۔ یہی بات کر رہے ہیں صاحب کافیہ رح۔

آگے صاحب کافیہ اسم موصول کی تعریف بیان کر رہا ہے۔ **الموصولُ ما لا یَتِمُّ جُزْءً** موصول وہ ہے جو پورا نہیں ہوتا جُز ہونے کی حیثیت سے۔ یعنی وہ جملے کا پورا جُز نہیں بنتا۔ **اِلّا بِصَلَةٍ و عائِدٍ** مگر صلہ کے ساتھ اور عائد کے ساتھ۔ یعنی جب اسم موصول کے ساتھ صلہ اور عائد مل جائے تو وہ پھر جملے کا جز بن سکتا ہے۔ **وَ صِلَتُهُ جُمْلَةٌ خبریةٌ** اور اسکا صلہ جملہ خبریہ ہوگا۔ اسم موصول کا صلہ

ہمیشہ جملہ ہوگا۔ **والعائدُ ضمیرٌ لہُ** اور عائد اِسکی ضمیر ہوگی۔ یعنی صلہ کے اندر ضمیر ہوگی اور وہ اسم موصول کو لوٹے گی۔ عائد کی آنے کی کئی صورتیں ہیں۔ لیکن صاحب کافیہ نے بتلایا کہ اس میں عائد ہمیشہ ضمیر ہوگی۔

اسم فاعل اور اسم مفعول پر جو الف لام داخل ہوتا ہے یہ الف لام اسمی کہلاتا ہے۔ یہ دراصل اسم موصول ہے جو الف لام کی صورت میں آیا ہے۔ اسی لئے اسکو الف لام اسمی کہتے ہیں کہ یہ دراصل اسم موصول ہے۔ اسکے علاوہ باقی الفاظ پر جو الف لام آتا ہے وہ الف لام حرفی کہلاتا ہے۔ اور الف لام حرفی تعریف کا فائدہ دیا کرتا ہے۔

تو اسم فاعل اور اسم مفعول پر جو الف لام داخل ہوتا ہے وہ اسم موصول ہے۔ اور اسم موصول کا صلہ جملہ ہوتا ہے۔ لیکن اِس الف لام اسمی کا صلہ وہی اسم فاعل یا وہی اسم مفعول ہوگا۔ میں نے کہا، "الضَّارِبُ" تو اس میں الف لام اسم موصول ہے۔ اور ضاربُ اس الف لام اسمی کا صلہ ہے۔ اسی طرح "المَضْرُوبُ" تو اس میں الف لام اسم موصول ہے۔ اور مضرُوب اس الف لام اسمی کا صلہ ہے۔ اس پر فورًا ایک اشکال ذہن میں آتا ہے کہ اے صاحب کافیہ؟ ابھی آپ نے بتلایا کہ اسم موصول کا صلہ ہمیشہ جملہ آیا کرے گا۔ لیکن یہ "ضارب" اور "مضروب" یہ تو جملہ نہیں بلکہ مفرد ہے۔ کیونکہ ضاربٌ: پٹھائی کرنے والا، تو اس سے پوری بات سمجھ میں نہیں آئی۔ المضروب: وہ جسکی پٹھائی ہوئی۔ تو اس سے بھی کوئی معنیٰ سمجھ میں نہیں آیا۔ تو اے صاحب کافیہ؟ یہاں تو صلہ مفرد آرہا ہیں اور آپ نے ابھی بتلایا کہ موصول کا صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب اِس کا یہ کہ یہ اسمِ موصول الف لام کی صورت میں آیا ہے، تو چونکہ اسم موصول کی شکل الف لام جیسے ہوئی اور الف لام تو ہمیشہ مفرد پر داخل ہوتا ہے کبھی بھی جملہ پر داخل نہیں ہوتا۔ تو جب اسم موصول الف لام کی صورت میں آیا اور الف لام مفرد پر داخل ہوتا ہے تو لہٰذا اس الف لام کے صلے کو بھی ہم نے مفرد والی صورت دے دی۔

الضاربُ اصل میں الذی یَضْرِبُ تھا۔ پھر الذی کو ہم نے الف لام کی صورت دے دی اور الف لام "یضربُ" پر داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ "یَضربُ" جملہ ہے، تو "یَضْرِبُ" کو بھی ہم نے مفرد والی صورت دے دی اور "ضارب" بنایا۔ تو الذی یضربُ سے الضاربُ بن گیا۔

اور المضروبُ اصل میں الذی یُضْرَبُ تھا۔ پھر الذی کو ہم نے الف لام کی صورت دے دی اور الف لام "یُضْرَبُ" پر داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ "یُضْربُ" جملہ ہے، تو "یُضْرَبُ" کو بھی ہم نے مفرد والی صورت دے دی اور "مضروب" بنایا۔ تو الذی یُضْرَبُ سے المضروبُ بن گیا۔

وَ صلۃُ الْاَلِفِ و اللامِ اسْمُ فاعلٍ اوِ اسْمُ مفعولٍ اور الف لام کا صلہ یا تو اسمِ فاعل ہوگا یا اسمِ مفعول ہوگا۔ اسمائے موصولہ کون کون سے ہیں۔ صاحبِ کافیہ؟ وہی گِنوا رہے ہیں۔ **و ھِیَ اَلَّذی** اور یہ

اَلَّذِی ہے۔ اور اسم موصول اَلذی واحد مذکر کے لئے آئے گا۔ اسکو وَ هِیَ اَلَّذِی پڑھنا اور هِیَ الَّذِی نہ پڑھنا۔ یعنی هی اور اَلذی کے درمیان فصل کر کے پڑھنا ہے۔ اس لئے کہ اَلَّذِیْ سے لفظِ اَلَّذِیْ مراد ہے۔ تو وہ جو اَلَّذِیْ عبارتوں میں آتا ہے اُس کا نام ہی اَلَّذِی رکھ دیا۔ اور جب اَلَّذِیْ نام رکھ دیا تو اس کا الف لام قطعی بن گیا۔ تو اب یہ الف لام درمیان عبارت میں گرے گا نہیں۔ **وَ اَلّتی** اور اسم موصول اَلّتِي واحد مؤنث کے لئے آئے گا۔ **وَ اَللَّذَانِ** اور اسم موصول اَللَّذَانِ تثنیہ مذکر کے لئے آئے گا۔ **وَ اَللّتَانِ** اور اسم موصول اَللّتَانِ تثنیہ مؤنث کے لئے آئے گا۔ **بالالف والیاءِ** الف اور یاء کے ساتھ۔ یعنی اگر حالت رفعی میں آئے تو اَلّذانِ اور اللّتَانِ کہنا ہے۔ اور حالت نصبی اور جرّی میں اَلّذَیْنِ اور اللّتَیْنِ کہیں گے۔ اور حالت رفعی، نصبی اور جرّی میں یہ عامل کی وجہ سے بدلے نہیں بلکہ یہ تو اس طور پر وضع کئے گئے ہیں۔

پھر ایک اور بات پر غور کریں۔ اللذان پر دو لام لکھیں ہیں۔ اور اسکو حالت نصبی جرّی میں لے جاؤ تو اَللَّذَیْنِ ہے۔ اور جمع کے لئے اَلَّذِیْنَ ہے۔ اگر اعراب لگے نہ ہو تو پھر تثنیہ اور جمع کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔ اس لئے تثنیہ پر دو لام لائیں اور جمع پر ایک لام لایا تا کہ فرق کا پتہ چل جائے۔

وَ الْأُولیٰ اور اسم موصول میں ایک اُولیٰ ہے۔ اس میں بھی واؤ اس لئے لکھا تا کہ اِلیٰ کے ساتھ اسکا فرق آجائے۔ **وَ اَلَّذِیْنَ** اور اسم موصول اُولیٰ اور اَلَّذِینَ جمع مذکر کے لئے آئے گا۔ **وَ اَللائِی وَ اَللاءِ وَ اَللایِ وَ اَللاتی وَ اَللَّواتِیْ** یہ سارے اسمائے موصولہ ہیں۔ یہ پانچ جمع مؤنث کے لئے آتے ہیں۔ نیز یہ اُولیٰ جمع مؤنث کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ مشہور یہ جمع مذکر کے لئے ہے۔ اسی طرح اَللَائِی، اَللَاءِ اور اَللَايِ یہ جمع مذکر کے لئے بھی آتے ہیں، لیکن زیادہ مشہور جمع مؤنث میں ہیں۔ اور اَللَّاتی اور اَللَّوَاتِی یہ جمع مؤنث کے لئے ہیں۔

وَ مَنْ و ما اور اسمائے موصولہ میں سے "مَنْ" اور "ما" بھی ہیں۔ مَنْ ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ ذوی العقول تین چیزیں ہیں۔ یعنی انسان، جنّات اور فرشتے۔ اور "ما" غیرِ ذوی العقول کے لئے آتا ہے۔ جو عقل نہیں رکھتے۔ **وَ اَیٌّ و اَیَّةٌ** اسی طرح اَیٌّ اور اَیَّةٌ بھی اسمائے موصولہ میں سے ہیں۔ **و ذُو الطَّائِیَّةُ** اور وہ "ذُو" جو قبیلہ طے والا ہے، وہ بھی اسم موصول ہے۔ طے عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اُسی قبیلہ سے خاتَم طائی ہے۔ طائی نسبت کے لئے ہے۔ یعنی وہ خاتَم جو طے قبیلے والا ہے۔

و ذا بعدَ ما اور وہ "ذا" جو "ما" کے بعد آئے یہ بھی اسم موصول ہے۔ **للاستفهامِ** اور وہ "ما" استفہام کے لئے ہو۔ یعنی "ما استفہامیہ" کے بعد جو "ذا" آئے یہ بھی اسم موصول ہے۔ بھئی یہ "ما" استفہام کے لئے بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ میں آپ سے کہتا ہوں، "ما تَفْعَلُ": آپ کیا کر رہے ہو؟ کبھی کبھی اس "ما" کے بعد "ذا" بھی لگا دیتے ہیں، اور یوں کہتے ہیں، "ما ذا تفعلُ": تو صاحب کافیہؒ نے بتلا دیا کہ یہ "ذا" اسم موصول ہے کیونکہ یہ "ما" استفہامیہ کے بعد آرہا ہے۔

والالفُ واللامُ اسی طرح الف لام بھی اسم موصول ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول پر داخل ہوتے ہیں۔ یہ سارے اسمائے موصولہ ہو گئے۔

والعائدُ المفعولُ یجوزُ حذفُہُ کبھی کبھار عائد کی ضمیر مفعول واقع ہو رہا ہے تو اُس صورت میں اُس کو حذف کرنا جائز ہے۔ لفظوں سے تو گر جائیں گے، لیکن المحذوفُ کالمذکور ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، جاءَ الذِی ضَرَبْتُہُ: آیا وہ شخص جس کی میں نے پٹھائی کی تھی۔ ترکیب۔ جاءَ فعل، الذی اسم موصول، ضربتُ فعل با فاعل، ھا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہٖ جو لوٹ رہی ہے الذی اسم موصول کو، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر موصول کا صلہ، موصول اپنے صلہ سے ملکر جاءَ کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

تو یہ ضربتُہُ میں یہ ھا ضمیر عائِد ہے اور یہ مفعول بن رہی ہے۔ اور مفعول کلام میں فَضْلہ ہوا کرتا ہے یعنی زائد چیز۔ لہٰذا اُسکو حذفہ کرنا بھی جائز۔ لہٰذا یوں بھی میں کہہ سکتا ہوں، جاءَ الذی ضربْتُ۔ تو آپ فورًا ہی اشکال نہ کرے کہ یہاں تو عائد ہی کوئی نہیں۔ بلکہ آپ خود سمجھ گئے کہ یہاں پر عائد محذوف ہے۔

درس 84۔ آج ہم پڑھیں گے کہ کسی چیز کی اسم موصول کے ذریعے خبر کیسے دی جاتی ہے۔ یاد رکھو! نحویوں نے یہ باب بنایا ہے اور اسکا نام رکھا ہے "بَابُ الاِخْبَارِ بِالَّذِی: اَلَّذِی کے ساتھ خبر دینے کا باب۔" یعنی اس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ کسی چیز کے بارے میں اَلَّذِیْ یعنی اسم موصول کے ذریعے خبر دینا چاہیے تو کیسے دی جائیگی۔ اور اس باب کے بنانے کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم کی مشق ہو جائے اُس نے نحوُ وغیرہ کے قوانین اب تک پڑھے ہیں یاد کئے ہیں اُن میں سے اُن کی مشق ہو جائے۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں۔

دیکھئے پہلے باب کو ویسے سمجھ لیجئے۔ جب آپ اَلَّذِیْ کے ذریعے کسی چیز کے بارے میں خبر دینا چاہتے ہیں، مثلاً ضربتُ زیدًا ایک جملہ ہے۔ اب اس زید کے بارے میں آپ اَلَّذِیْ کے ذریعے خبر دینا چاہتے ہیں تو کیا طریقہ ہے۔ تو اس کا طریقہ کار یہ ہے کہ سب سے پہلے اُس جملے کے شروع میں اَلَّذِیْ لے آئیں۔ تو "ضربتُ زیدًا" تھا اس کے شروع میں اَلَّذِیْ لے آئیں۔ تو بن گیا " اَلَّذِیْ ضربتُ زیدًا " پھر کس کے بارے میں خبر دینی ہے آپ نے، تو زید کے بارے میں خبر دینی ہے، اُس کو اُٹھا کر اُس کی جگہ ضمیر رکھ دے، وہ ضمیر جو اسم موصول کو لوٹے۔ تو یہاں زید کو اُٹھائے اور اُس کی جگہ پر ضمیر رکھ دیں، اور وہ ضمیر اسم موصول کی جانب لوٹے۔ یعنی وہی ضمیر عائد ہو گی۔ اور زیدًا چونکہ منصوب ہے تو اسکی جگہ ضمیر منصوب متصل لائے تو " اَلَّذِیْ ضربتُہُ" بن گیا۔ تو یہ ضربتُہُ صلہ بن گیا اَلَّذِیْ اسم موصول کا۔ موصول اپنے صلے کے ساتھ ملکر مبتدا بن گیا، اور جس کی خبر دینی تھی اب اُس کو آگے خبر بنا کر لے آؤ۔ یعنی زید کے بارے میں خبر دینی تھی تو اب جملہ بن جائے گا، "اَلَّذِیْ ضربتُہُ زیدٌ"۔ ترجمہ: وہ جسکی میں نے پٹھائی کی زید ہے۔

قامَ زیدٌ : اس جملے میں زید فاعل ہے تو ہم نے زید کو اٹھا کر اس کی جگہ مرفوع متصل کا ضمیر لائیں گے۔ تو یہ اَلّذِیۡ قامَ بن جائے گا۔ اَلّذِیۡ اسم موصول، قامَ فعل اسکے اندر ھو ضمیر فاعل کی جو لوٹ رہی ہے اسم موصول اَلَّذِیۡ کو، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، اَلّذِیۡ اسم موصول اپنے صلے سے ملکر مبتدا، اب آگے زیدٌ کو اس کے لئے خبر بنائیں تو جملہ یوں بن جائے گا " اَلّذِیۡ قامَ زیدٌ" اس میں " اَلّذِیۡ قامَ" مبتدا ہے اور "زیدٌ" خبر ہے۔ تو مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

و اذا اَخۡبَرۡتَ بِاَلّذِیۡ اور جب تو خبر دے اَلّذِیۡ کے ساتھ۔ آپ نے اسکو بِالَّذِی ہمزہ وصل کے ساتھ نہیں پڑھنا بلکہ فصل کی صورت اختیار کرنا اور بِاَلّذِیۡ پڑھنا۔ یعنی "با" کو کسرہ کے ساتھ اور "اَلّذِیۡ" کو ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھنا۔ اس سے لفظ " اَلّذِیۡ" یعنی اسم موصول مراد ہے۔ صَدَّرۡتَہَا تو اسکو صدرِ کلام میں لے آئیں گے۔ یعنی کلام کی ابتدا اَلَّذِیۡ سے کریں گے۔ و جَعَلۡتَ اور بنا دیں گے مَوۡضِعَ الۡمُخۡبَرِ عنہُ مخبر عنہ کی جگہ۔ یعنی جس کے بارے میں آپ خبر دینا چاہتے ہیں اُس کی جگہ پر رکھ دیں گے۔ ضمیرا ایسی ضمیر لھا جو اسم موصول کی ہو۔ یعنی اُس مخبر عنہ کی جگہ اسم موصول کی ضمیر رکھ دیں گے۔ وَ اَخَّرۡتَہٗ اور اُس مُخۡبَرۡ عنہُ کو مؤخر کر دیں گے۔ خَبَرًا اس حال میں کہ وہ خبر ہو۔

فاذا اَخۡبَرۡتَ عن زیدٍ جب تو خبر دے زید کے بارے میں مِنۡ ضربتُ زیدًا "ضَرَبۡتُ زیدًا" جملے میں سے قلتَ تو آپ یوں کہیں گے الذی ضربتُہٗ زیدٌ وہ جس کی میں نے پٹھائی کی وہ زید ہے۔ تو دیکھا زید کو مؤخر کر دیا خبر بنا کر۔

آپ نے پڑھا ہے کہ اسم فاعل اور اسم مفعول پر جو الف لام آتا ہے وہ اسم موصول ہوتا ہے۔ اب آپ اُس الف لام کی صورت میں جو اسمِ موصول ہے اُس کے ذریعے خبر دینا چاہتے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ اُس کے ذریعے بھی خبر دے سکتے ہیں۔ لیکن اُس کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ جملہ فعلیہ ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ آپ نے اس سے اسم فاعل یا اسم مفعول بنانا ہے اور جملہ فعلیہ ہوگا تو پھر آپ اُس سے اسم فاعل یا اسم مفعول بنا سکیں گے۔ اگر فعل معروف ہوگا تو آپ اُس سے اسم فاعل بنائیں گے اور اگر فعل مجھول ہوا تو آپ اس سے اسم مفعول بنائیں گے۔ و کذلک الالفُ و اللامُ اور اسی طرح الف لام ہے فی الجملۃ الفعلیۃ خاصَّۃً جملہ فعلیہ کے اندر خاص طور پر لِیَصِحَّ بِناءُ اسۡمُ الفاعلِ اَوِ الۡمَفۡعولِ جملہ فعلیہ کہ شرط اس لئے لگائی ہے تا کہ صحیح ہو جائے اسم فاعل اور اسم مفعول کی بناء۔ یعنی اسم فاعل اور اسم مفعول کا بنانا صحیح ہو جائے۔

فَاِنْ تَعَذَّرَ امرٌ منها اگر کوئی امر اِن میں سے ممکن نہ رہے۔ یعنی اِن تین اُمور میں سے کوئی امر ممکن نہ رہے۔ وہ تین اُمور یہ ہیں۔ پہلا یہ کہ جملہ کے شروع میں اسم موصول لے آؤ، دوسرا یہ تھا کہ وہ اسم جس کے بارے میں خبر دینی تھی اُس کی جگہ اِسم موصول کی ضمیر رکھ دیں گے۔ اور تیسری شرط یہ تھی کہ اُس اِسم کو خبر بنا کر مؤخر کر دیں گے۔ اگر اِن تین اُمور میں سے کوئی ایک بھی ممکن نہ رہا۔ یعنی کوئی ایک مُتَعَذِّر ہو گیا۔ تَعَذَّرَ الْاِخْبَارُ تو اَلَّذِیْ کے ساتھ خبر دینا بھی مُتَعَذِّر ہو جائے گا۔ یعنی تینوں اُمور ممکن ہوں گے تو اَلَّذِیْ کے ساتھ خبر دینا ممکن ہوگا۔ اور اگر اُن تین امور میں سے کوئی ایک امر بھی مُتَعَذِّر ہو گیا تو اَلَّذِیْ کے ساتھ خبر دینا پھر ممکن نہیں۔

و مِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے اِمْتَنَعَ فی ضمیر الشانِ ممتنع ہے ضمیر شان کے اندر۔ یعنی ضمیر شان میں ممتنع ہے کہ اس کی خبر اَلَّذِیْ کے ساتھ دی جائے۔ ضمیر شان، مثلاً میں کہتا ہوں، ھو زیدٌ قائمٌ: شان یہ ہے کہ زید کھڑا ہے۔ اب اس "ھو" ضمیر شان کے بارے میں آپ خبر دینا چاہتے ہیں اسم موصول اَلَّذِیْ کے ذریعے۔ لیکن یہاں پر تیسرا امر ممکن نہیں۔ یعنی یہ "ھو" ضمیر شان کو مؤخر کرنا ممکن نہیں۔ کیونکہ ضمیر شان جملے سے پہلے آیا کرتی ہے بعد میں نہیں آیا کرتی۔ لہٰذا اس کو مؤخر کرنا ممکن نہیں تو اس وجہ سے اسم موصول کے ذریعے اس کی خبر دینا بھی ممکن نہیں۔

و الموصوفِ اسی طرح موصوف کے اندر بھی اَلَّذِیْ اسم موصول کے ذریعے خبر نہیں دی جا سکتی۔ مثلاً میں نے کہا، ضربتُ زیدَنِ العاقلَ: میں نے پٹھائی کی اُس زید کی جو عاقل ہے۔ زیدًا یہاں موصوف ہے اور العاقلَ اُسکی صفت ہے۔ موصوف صفت ملکر یہ ضربتُ کے لئے مفعول ہوا۔ اب آپ صرف موصوف کے بارے میں الذی کے ساتھ خبر دینا چاہتے ہیں۔ تو لازمی بات ہے اِس موصوف کو اُٹھا کر اسکی جگہ اسمِ موصول کی ضمیر رکھنا پڑے گا۔ تو ضمیر موصوف بن جائے گی۔ اور ضمیر کے بارے میں ہم نے پڑھا تھا کہ ضمیر نہ موصوف بنتی ہے اور نہ ہی صفت بنتی ہے۔ لہٰذا یہاں اس موصوف کی جگہ اسم موصول کی ضمیر رکھنا ممکن نہیں۔ تو یہاں پر دوسرا امر ممکن نہیں۔ لہٰذا صرف موصوف کے بارے میں الذی کے ذریعے خبر دینا صحیح نہیں۔

والصفةِ اسی طرح صرف صفت کے بارے میں آپ اَلَّذِیْ اسم موصول کے ذریعے خبر دینا چاہتے ہیں۔ مثلاً، ضربتُ زیدَنِ العاقلَ: یہ العاقل صفت ہے اور اسکے بارے میں خبر دینا چاہتے ہیں اسم موصول اَلَّذِیْ کے ذریعے۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ لازمی بات ہے کہ اس صفت کو اٹھائیں گے اور اسکی جگہ اسم موصول کی ضمیر رکھ دیں گے۔ اور ہم نے پڑھا ہے کہ ضمیر نہ صفت بن سکتی ہے اور نہ ہی موصوف بن سکتی ہے۔ لہٰذا دوسرا امر ممکن نہ رہا۔ اس لئے صرف صفت کے بارے میں اَلَّذِیْ کے ذریعے خبر دینا صحیح نہیں۔

تو اکیلے موصوف کے بارے میں اَلَّذِیْ اسم موصول کے ساتھ خبر نہیں دے سکتے اور اسی طرح اکیلے صفت کے ساتھ بھی اَلَّذِیْ اسم موصول کے ذریعے خبر نہیں دے سکتے۔

ہاں موصوف صفت کو ملا کر اُن دونوں کی خبر اَلَّذِیْ کے ساتھ دینا جائز ہے۔ مثلاً "ضربتُ زیدَنِ العاقلَ" جملہ تھا۔ تو شروع میں اَلَّذِیْ لے آئے۔ تو جملہ یوں بنے گا، " اَلَّذِیْ ضربتُ زیدَنِ العاقلَ "۔ اب زیدَنِ العاقلَ دونوں کو اٹھا کر اسکی جگہ مفعول کی ضمیر رکھ دو۔ تو جملہ یوں بنے گا، اَلَّذِیْ ضربتُـہُ۔ اور یہ ھا ضمیر اَلَّذِیْ اسم موصول کو راجع ہے۔ اور پھر اس " زیدَنِ العاقلَ " کو خبر بناؤ۔ تو یہ جملہ یوں بنے گا، " اَلَّذِیْ ضربتُـہُ زیدُنِ العاقلُ "۔ وہ جس کی میں نے پٹھائی کی وہ زید ہے جو عاقل ہے۔

والمصدرِ العاملِ اور اسی طرح وہ مصدر جو عامل ہو اُن کی خبر بھی اَلَّذِیْ کے ساتھ دینا صحیح نہیں۔ دیکھو بھئی! اَعْجَبَنِیْ ضَرْبُکَ زیدًا : تعجب میں ڈالا یا مجھے پسند آیا آپ کا مارنا زید کو۔ مجھے پسند ایا آپ کا زید کو مارنا۔ ضَرْبُکَ میں ضَرْبُ مضاف ہے اور کاف ضمیر مضافٌ الیہ ہے۔ اور زیدًا منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر ضَرْبُ کے لئے مفعول ہے۔ تو ضَرْب مصدر ہے اور یہ عامل ہے اور یہ زیدًا کو نصب دے رہا ہے۔

اب اس ضَرْب مصدر کو اُٹھا کر میں اَلَّذِی کے ساتھ اسکی خبر دینا چاہتا ہوں۔ تو اس صورت میں ضَرْب مصدر کو اُٹھا کر اسکی جگہ ضمیر رکھنی پڑے گی۔ اور یہ مصدر تو عامل تھا، تو اسکی جگہ ضمیر عامل بن جائے گی۔ حالانکہ ضمیر تو کبھی بھی عامل نہیں بن سکتا۔

لہٰذا وہ مصدر جو عامل ہو، صرف اُس مصدر کو اُٹھا کر اُس کی خبر اَلَّذِیْ کے ذریعے دینا جائز نہیں۔ ہاں مصدر کو معمول سمیت اُٹھا کر اُس کی خبر اَلَّذِیْ کے ذریعے دینا جائز ہے۔ تو ضَرْبُکَ زیدًا سارے کو اُٹھا کر ضمیر رکھ دے۔

تو اس جملہ " اَعْجَبَنِیْ ضَرْبُکَ زیدًا " کے شروع میں اَلَّذِیْ لے آؤ۔ نیز یہ "ضَرْبُکَ زیدًا" یہ جملہ "اَعْجَبَنِیْ" کے لئے فاعل بن رہا تھا، تو فاعل کی ضمیر لے آؤ۔ اور فاعل کی ضمیر اَعْجَبَ کے اندر چھپ گئی۔ تو " اَلَّذِیْ اَعْجَبَنِیْ " یہ موصول صلہ مل کر مبتدا بن گیا۔ اَعْجَبَ کے اندر ھو ضمیر مستتر راجع ہے اَلَّذِیْ اسم موصول کو۔ اور آگے "ضَرْبُکَ زیدًا" کو اس مبتدا کی خبر بناؤ۔ تو کلام یوں ہو جائے گا، " اَلَّذِیْ اَعْجَبَنِیْ ضَرْبُکَ زیدًا"۔ لیکن فرق یہ کہ پہلے "ضَرْبُکَ زیدًا" فاعل بن رہا تھا اَعْجَبَنِیْ کے لئے۔ اور اب "ضَرْبُکَ زیدًا" خبر بن رہا ہے اَلَّذِیْ کے لئے۔

ترکیب۔ اَلَّذِیْ اسم موصول، اعجبَ فعل اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے اسم موصول کو، نون وقایہ، "یا" ضمیر متکلم منصوب محلاً مفعول بہٖ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ، موصول صلہ ملکر مبتدا، ضَرْب مصدر مضاف، کاف ضمیر مجرور

محلاً مضافٌ الیه، زیدًا منصوب لفظًا مفعول بہٖ، ضربٌ مصدر اپنے مضافٌ الیه اور مفعول سے ملکر خبر، مبتدا خبر ملکر جمله اسمیه خبریه ہوا۔

خلاصه یه که صرف مصدر کو اٹھائیں تو اَلَّذِیْ کے ساتھ اسکا خبر دینا صحیح نہیں۔ اور اگر مصدر کو معمول سمیت اٹھائیں تو پھر اَلَّذِیْ کے ساتھ خبر دینا صحیح ہوتا ہے۔

والحالِ اسی طرح مُمْتَنِع ہے حال میں۔ یعنی حال کی خبر بھی الذی کے ساتھ دینا جائز نہیں۔ مثلاً جاءَنِی زیدٌ راکبًا: آیا میرے پاس زید اس حال میں که وہ سوار تھا۔ اب "راکبًا" ہے حال اور آپ اس "راکبًا" کی خبر دینا چاہتے ہیں اَلَّذِیْ اسم موصول کے ذریعے تو یه جائز نہیں۔ یه اس لئے ممتنع ہے که اس صورت میں "راکبًا" کو اٹھا کر اسکی جگه ضمیر رکھنے پڑے گی۔ اور حال تو ہمیشه نکرہ ہوا کرتا ہے اور ضمیر تو معرفه ہے۔ لہٰذا حال کو اُٹھا کر اور اِس کی جگه اسم موصول کی ضمیر رکھنا صحیح نہیں۔

وَ الضَّمِیْرِ الْمُسْتَحِقِّ لِغَیْرِهَا وہ ضمیر جو مستحق ہے غیرِ اَلَّذِیْ کے۔ یعنی وہ ضمیر اَلَّذِیْ کے علاوہ کسی اور کو لوٹ رہی ہے۔ تو اُس ضمیر کو اُٹھا کر اُس کی خبر دینا اَلَّذِیْ کے ذریعے صحیح نہیں۔ مثلاً، زیدٌ ضَرَبْتُهٗ: ترکیب۔ زیدٌ مبتدا، ضربتُ فعل با فاعل، اسکے اندر تُــوٌّ ضمیرِ بارز فاعل ہے، اور ھا ضمیر منصوب محلاً مفعول به ہے اور یه زید مبتدا کو لوٹ رہی ہے۔ تو فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے ملکر جمله فعلیه ہو کر یه خبر ہوئی مبتدا کی۔ تو ضَرَبْتُهٗ کی ھا ضمیر مستحق ہے زید کی۔ اب یه ھا ضمیر جو که مستحق ہے زید کی، آپ اسکی خبر اَلَّذِیْ کے ساتھ دینا چاہتے ہیں تو یه جائز نہیں۔

یه اس لئے جائز نہیں که تین اُمور میں سے دوسرا اَمر ممکن نہیں۔ کیونکه یہاں پر شروع میں اَلَّذِیْ لانا پڑے گا۔ اور پر اس ضمیر کو اُٹھا کر اس کی جگه اسم موصول کی ضمیر رکھنا پڑے گا۔ اور جب اسم موصول کی ضمیر رکھ دیں گے تو پچھلا اسم جو که "زید" تھا وہ بغیر عائد کے رہ جائے گا۔ اور اس صورت میں "ضربتُهٗ" کا زید کے ساتھ کوئی ربط ہی نہیں رہے گا۔ تو لہٰذا وہ ضمیر جو اَلَّذِیْ کے علاوہ کسی اور اسم کا مستحق ہو تو اُسکا خبر بھی اَلَّذِیْ کے ساتھ دینا صحیح نہیں۔

وَ الِاسْمِ الْمُشْتَمِلِ علیهِ وہ اسم جو مشتمل ہو اُس ضمیر پر ۔ وہ ضمیر جو غیر کے مستحق ہے یعنی اَلَّذِیْ کے علاوہ کسی اور کے مستحق ہے یعنی اَلَّذِیْ کے غیر کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اُس اسم کے بارے میں بھی اَلَّذِیْ کے ساتھ خبر دینا صحیح نہیں۔

مثلاً، زیدٌ ضَرَبْتُ غلامَهٗ۔ ترکیب۔ زیدٌ مبتدا، ضربتُ فعل با فاعل، تُــوٌّ ضمیرِ بارز اسکے اندر اسکا فاعل، غلامَ منصوب لفظًا مضاف، ھا ضمیر مجرور محلاً مضافٌ الیه جو که لوٹ رہی ہے زید کو، مضاف اپنے مضافٌ الیه سے ملکر یه مفعول ہوا ضربتُ فعل کے لئے۔ ضربتُ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جمله فعلیه ہو کر خبر،

اب یہ غلامَہُ ایسا اسم ہے جو مشتمل ہے ایسی ضمیر پر جو کہ اَلَّذِیْ اسم موصول کے علاوہ کسی اور کو لوٹ رہی ہے یعنی زید کو لوٹ رہی ہے۔ اب یہ غلامَہ یہ اسم جو کہ غیر کی ضمیر پر مشتمل ہے، آپ اسکی خبر اَلَّذِیْ کے ساتھ دینا چاہتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں۔

یہ اس لئے جائز نہیں کہ اس کے لئے شروع میں اَلَّذِیْ لانا پڑے گا۔ اب دوسرا کام یہ کرنا ہوگا جس اسم کے بارے میں آپ اَلَّذِیْ کے ذریعے خبر دینا چاہتے ہیں تو اُسکو اُٹھا کر اس کی جگہ اَلَّذِیْ اسم موصول کی ضمیر رکھنا پڑے گی۔ تو غلامَہُ کو اُٹھا کر اسکی جگہ ضمیر رکھنا پڑے گی۔ تو کلام یوں ہوگا۔ اَلَّذِیْ زیدٌ ضَرَبْتُہُ۔ اور اب یہ ھا ضمیر جو "ضَرَبْتُہُ" کے ساتھ جُڑا ہوا ہے یہ اَلَّذِیْ اسم موصول کو لوٹ رہی ہے۔ اب زید کے ساتھ "ضَرَبْتُہُ" کا کوئی ربط نہیں رہا۔ اور زید بغیر عائد کے ہو گیا۔ اور یہ صحیح نہیں۔

تو لہٰذا وہ اسم جو کہ مشتمل ہو ایسے ضمیر پر جو اَلَّذِیْ کے علاوہ کو لوٹے اُس اِسم کے بارے میں بھی اَلَّذِیْ کے ذریعے خبر دینا صحیح نہیں۔

اب "ما" موصول آیا اور "مَنْ" موصول آیا۔ اس کے بارے میں صاحب کافیہؒ آپ کو بتلانا چاہتے ہیں۔

یاد رکھو! یہ "ما" بطور حرف کے بھی استعمال ہوتا ہے اور بطور اسم کے بھی استعمال ہوتا ہے۔ حرف کے طور پر جیسا کہ " ما ضربتُ زیدًا " یہ "ما" نافیہ ہے اور حرف ہے۔ اسی طرح "ما زیدٌ قائمًا" یہ "ما" مشابہ بلیسَ ہے، جو اپنے اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر کو نصب دیتا ہے۔ تو یہ "ما" بھی نافیہ ہے اور حرف ہے۔ اسی طرح "اِنَّمَا زیدٌ قائمٌ" یہ اِنَّ کے بعد "ما" کافّہ آرہا ہے۔ اور اس "ما کافّہ" نے اِنَّ کو عمل کرنے سے روک دیا۔ تو زیدٌ مرفوع مبتدا ہے اور قائمٌ مرفوع اُسکی خبر ہے۔ اور اگر یہ "ما کافّہ" نہ آتا تو زید نے اِنَّ کا اسم بننا تھا، اور قائم نے اِنَّ کی خبر بننی تھی۔ تو یہ "ما کافّہ" بھی حرف ہے۔

اور کبھی یہ "ما" اسم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جب یہ "ما" اسم بنے تو کس کس طور پر آسکتا ہے صاحب کافیہؒ آگے اُس کے بارے میں بتلاتے ہیں۔ **وَ مَا الْاِسْمِيَّةُ** اور وہ "ما" جو اسمیہ ہو۔ **موصولَةٌ** وہ "ما" موصولہ بھی آتا ہے۔ **وَ اسْتِفْهَامِيَّةٌ** وہ "ما" استفہامیہ بھی آتا ہے۔ جیسا کہ "ما تفعَلُ" تو کیا کر رہے ہو؟ یہ "ما" استفہامیہ ہے اور اسمیہ ہے۔ **و شرطيّةٌ** اور "ما" اسمیہ کبھی شرطیۃ آتا ہے۔ جیسا کہ "مَا تَصْنَعْ اَصْنَعْ": جو تم کرو گے میں کروں گا۔ **وَ موصوفَةٌ** اور یہ "ما اسمیہ" کبھی موصوفۃ بھی آتا ہے۔ یاد رکھو! یہ جو "ما" موصولہ ہوتا ہے اسکو اکثر جگہ "ما" موصوفہ بنانا بھی صحیح ہوتا ہے۔ بھئی بعینہٖ اسی طرح ہے۔ مثلاً ما موصول کی مثال: رَأَيْتُ مَا فِی الدارِ: میں نے دیکھ لی وہ چیز جو گھر میں ہے۔ ترکیب۔ رَأيتُ فعل فاعل، ما اسم موصول، فی الدار جار مجرور ملکر متعلق ہوئے ثَبَتَ فعل کے ساتھ۔ ثبتَ فعل اسکے اندر ھو ضمیر اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے "ما" موصولہ کو۔ تو کلام یوں ہوا، رَأيتُ ما ثَبَتَ فی الدار۔ ثبتَ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر "ما" موصولہ کے لئے صلہ، موصول صلہ ملکر یہ مفعول بہٖ ہوا رَأيتُ فعل کے لئے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے

ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ (جار مجرور کے لئے ثبتَ فعل اس لئے محذوف نکالا کیونکہ اس نے آگے صلہ بننا تھا اور صلہ جملہ ہوتا ہے۔ اور اگر جار مجرور کو ثابتٌ سے متعلق کرتے تو پھر یہ مفرد ہو جاتا اور ما موصولہ کے لئے صلہ نہیں بن سکتا تھا۔)

لیکن اسی "ما" موصول کو "ما" موصوفہ بنانا بھی جائز ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ "ما" موصولہ معرفۃ ہوتا ہے اور "ما" موصوفہ نکرۃ ہوتا ہے۔ نیز یہ فرق ہے کہ "ما" موصولہ کا صلہ جو آگے آئے گا وہ ہمیشہ جملہ ہوگا۔ جبکہ "ما" موصوفہ کے اندر جو مابعد آئے گا وہ صلہ نہیں کہلائے گی بلکہ صفت کہلائی جائیگی۔ اور صفت کے اندر تو کوئی شرط نہیں کہ وہ جملہ ہو یا غیر جملہ۔ یعنی آگے آنے والی صفت جملہ بھی ہو سکتی ہے اور مفرد بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اگر اس "ما" کو موصوفہ بنائے تو آگے "فی الدار" اس کے لئے صفت بنے گی۔ اور پھر یہاں پر آپ "ثابتًا" بھی نکال سکتے ہیں اور "ثبتَ" بھی نکال سکتے ہیں۔ پھر ثبتَ پورا جملہ بن کر "ما" کے لئے صفت بنے گا۔ اور "ثابتًا" صیغہ اسم فاعل شبہ جملہ بن کر "ما" کے صفت بنے گا۔ پھر موصوف اپنے صفت سے ملکر مفعول بہٖ ہوا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ بن جائے گا۔

و تَامَّةٌ اسی طرح وہ "ما" اسمیہ کبھی تامّہ بھی آئے گا۔ **بِمَعْنٰی شَیْءٍ** اور شَیْءٌ کے معنیٰ میں ہوگا۔ تَامَّہ کا یہ معنیٰ کہ یہ "صلہ" کا یا "صفت" کا محتاج نہیں۔ اور یہ "ما" تامّہ بمعنیٰ شَیْءٌ کے ہوتا ہے۔ بتلایا کہ یہ "ما" تامّہ نکرہ ہوتا ہے۔ جبکہ امام سیبویہؒ کے نزدیک یہ ما تامّہ "الشیءُ" کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ تو اُن کے نزدیک یہ معرفۃ ہوا۔ **وَ صِفَةٌ** اور یہ "ما" اسمیہ صفت بھی آتا ہے۔ مثلاً ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا مَا: میں نے اُسکی پٹھائی کی کوئی پٹھائی۔ یعنی کسی بھی قسم کی پٹھائی۔ تو یہ "ما" کبھی نکرہ کی صفت بھی آیا کرتا ہے۔ اور یہ عموم پیدا کرنے کے لئے آتا ہے۔

ضَرَبْتُهُ ضَرْبًا ما، کے اندر ضَرْبًا موصوف ہے اور "ما" اُسکی صفت ہے۔ اور یہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی یہ شامل ہوا معمولی پٹھائی کو بھی اور زبردست پٹھائی کو بھی۔ یعنی کسی قسم کی پٹھائی۔

و مَنْ كَذٰلِكَ اور مَنْ بھی اسی طرح ہے ۔ **الا فی التَّامَّةِ و الصِّفَةِ** مگر تامّہ میں اور صفت میں۔ یعنی ما جس طرح اسم موصول تھا، اسی طرح مَنْ بھی اسم موصول ہوتا۔ جس طرح ما موصوفہ تھا اسی طرح مَنْ بھی موصوفہ ہوتا ہے۔ جس طرح ما شرطیہ ہوتا تھا اسی طرح مَنْ بھی شرطیہ ہوتا ہے۔ جس طرح "ما" استفہامیہ ہوتا اسی طرح "مَنْ" بھی استفہام کے لئے آتا ہے۔ لیکن مَنْ تامّہ بھی نہیں ہوتا اور مَنْ صفۃ کے لئے بھی نہیں آتا۔

و ایٌ و ایَّةٌ كَمَنْ اَیٌّ اور اَیَّةٌ "مَنْ" کی طرح ہے۔ جیسے مَنْ تَامَّة اور صفت نہیں آسکتا اسی طرح اَیٌّ اور اَیَّةٌ بھی تامّۃ اور صفۃ نہیں آسکتے۔ باقی اَیٌّ اور اَیَّةٌ دونوں استفہامیہ، شرطیہ، موصولہ اور موصوفہ آسکتے ہیں۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اَیٌّ تو بالاتفاق صفت بھی آتا ہے۔ صفت کی بحث میں آیا تھا، مررتُ

برجلٍ اَیِّ رجلٍ۔ میں گزرا ایک ایسے شخص پر جو بڑا ہی کامل شخص تھا۔ تو اَیِّ کمال پر دلالت کرنے کے لئے نکرہ کی صفت آتی ہے۔ اس ترکیب میں رجلٍ موصوف ہے اور اَیِّ رجلٍ مضاف مضافٌ الیہ ملکر صفت بن رہے ہیں رجلٌ کے لئے۔ تو اَیِّ تو بطور صفت کے استعمال ہوتا ہے بالاتفاق۔ اور صاحب کافیہؒ نے فرمایا کہ اَیٌّ اور اَیَّۃٌ یہ دونوں "من" کی طرح ہے۔ اور یہ دونوں بھی مَنْ کی طرح صفت نہیں بن سکتے۔ جیساکہ مَنْ صفت نہیں بن سکتا تھا۔ تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ دونوں بھی صفت نہیں بن سکتے۔ جواب یہ کہ دراصل وہ اَیٌّ جو صفت کے طور پر آتا ہے وہ اَیٌّ استفہامیہ ہے۔ اور کبھی کبھار وہ صفت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا اُس اَیٌّ استفہامیہ کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ وہ پیچھے ذکر ہو چکا تھا۔ **وَ ھِیَ مُعْرَبَۃٌ وَحْدَھَا** اور یہ ہر ایک اکیلا مُعْرَب ہے۔ بھئی جتنے اسمائے موصولہ ذکر ہوئے وہ سارے کے سارے مبنی ہوتے ہیں۔ صرف یہ اَیٌّ اور اَیَّۃٌ مُعْرَب ہیں۔ اِن دونوں کے علاوہ اور کوئ معرب نہیں بلکہ باقی تمام اسمائے موصولہ مبنی ہیں۔ **اِلَّا اِذَا حُذِفَ صَدْرُ صِلَتِھَا** مگر یہ کہ جب اِس کے صدرِ صلہ کو حذف کیا جائے۔ پھر یہ بھی مبنی ہے۔ یہ موصول ہے آگے اس کا صلہ آئے گا، اور جب صلہ کے اوّل کو حذف کیا جائے تو پھر یہ اَیٌّ اور اَیَّۃٌ بھی مبنی بن جاتے ہیں۔

یاد رکھو اَیٌّ اور اَیَّۃٌ جب اسم موصول ہیں تو انکے لئے ہمیشہ صلہ چاہئے ہوتا ہے۔ اب یہ اَیٌّ اور اَیَّۃٌ کبھی اضافت کے ساتھ استعمال ہوں گے اور کبھی بغیر اضافت کے استعمال ہوں گے۔ جیسا کہ اَیُّھُم اور اَیَّتُھُنَّ اضافت کے ساتھ استعمال ہوئے۔ اور کبھی اَیٌّ اور اَیَّۃٌ اکیلے آئیں گے۔

جب اَیٌّ اور اَیَّۃٌ اضافت کے ساتھ استعمال ہو جائیں یا اَیٌّ اور اَیَّۃٌ بغیر اضافت کے استعمال ہو جائیں تو پھر آگے آئے گا اسکا صلہ۔ اور پھر آگے جو صلہ آئے گا وہ جملہ فعلیہ بھی آسکتا ہے اورجملہ اسمیہ بھی آسکتا ہے۔

اگر اَیٌّ اور اَیَّۃٌ کا صلہ جملہ فعلیہ آئے تو پھر وہاں تو صدرِ صلہ کی بات ہی نہیں۔ اگر اَیٌّ اور اَیَّۃٌ کا صلہ جملہ اسمیہ آئے۔ تو جملہ اسمیہ کے تو دو جز ہوا کرتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے مبتدا اور دوسرا ہوتا ہے خبر۔ مبتدا صدرِ صلہ ہوتا ہے۔

اب اَیٌّ اور اَیَّۃٌ کے استعمال کے چار طریقے بنتے ہیں۔ ایک صورت یہ کہ اَیٌّ اور اَیَّۃٌ مضاف نہیں اور صدرِ صلہ مذکور ہیں۔ دوسری صورت یہ کہ اَیٌّ اور اَیَّۃٌ مضاف نہیں اور صدرِ صلہ مذکور نہیں۔ تیسرا صورت یہ کہ اَیٌّ اور اَیَّۃٌ مضاف ہیں اور صدر صلہ مذکور نہیں اور چوتھی صورت یہ ہے کہ اَیٌّ اور اَیَّۃٌ مضاف ہیں اور صدرِ صلہ مذکور ہے۔ تو یہ کل چار صورتیں بن گئیں۔

تو وہ صورت جس میں اَیُّ مضاف ہو اور صدرِ صلہ محذوف ہو۔ اُس صورت میں اَیٌّ مبنی بن جائے گا۔ بشرطیکہ وہ جو صدرِ صلہ محذوف ہے وہ ایسی ضمیر ہو جو کہ اِسی اَیٌّ کو لوٹ رہی تھی۔ دیکھو! قرآن مجید میں اسکی مثال آتی ہے، "ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَانِ عِتِيًّا" : ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ: پھر

ہم کھینچ نکالیں گے، مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ: ہر گروہ میں سے، اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا: جو رحمان پر زیادہ سخت ہے باعتبار سرکشی کے ۔ یعنی اللہ کی ذات کے بارے میں زیادہ سرکشی کرتا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم اُس کو قیامت کے دن کھینچ نکالیں گے۔ سب کے سامنے اُس کو لے آئیں گے۔ اور پھر جہنم میں داخل کریں گے۔

تو یہاں دیکھئے بھئی! اَيُّهُمْ اَشَدُّ آیا۔ اور اَیُّهُمْ اضافت کے ساتھ ہے۔ اور آگے "اَشَدُّ" ہے۔ تو صدرِ کلام یہاں محذوف ہے۔ اصل میں "هُوَ اَشَدُّ" ہے۔ تو یہاں پر اَیُّ استعمال ہوتا ہے اضافت کے ساتھ اور صدرِ کلام "ھو" محذوف ہے۔ تو اب "اَیُّ" مبنی بن جائے گا بشرطیکہ وہ صدرِ صلہ ایسی ضمیر ہو جو اِس اَیُّ کو لوٹے۔ تو وہ "ھو" ضمیر حذف ہے اور وہ اَیُّ کو لوٹ رہی تھی۔ لہٰذا اب "اَیُّ" مبنی بن گیا۔

لہٰذا اسی لئے آپ پڑھتے ہیں اَیُّهُم۔ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ : ہم کھینچ نکالیں گے ہر گروہ میں سے وہ جو زیادہ سرکش ہے۔ تو کھینچ نکالنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور "جو زیادہ سرکش ہیں" اُن کو نکالیں گے۔ تو معلوم ہوا "اَیُّهُمْ" مفعول واقع ہو رہا ہے۔ اور مفعول تو منصوب ہوا کرتا ہے۔ لیکن ہم اسکو مبنی علی الضم یعنی "اَيُّهُمْ" پڑھتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ مبنی ہے اگر معرب ہوتا تو اس پر نصب آتا۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ میں مفعول واقع ہو رہا ہے۔

تو دیکھا! "اَیُّ" جب اضافت کے ساتھ استعمال ہو۔ اور صدرِ صلہ محذوف ہو، اور صدرِ صلہ جو محذوف ہے ہو ہو بھی ایسی ضمیر جو کہ اَیُّ کو لوٹ رہی ہو۔ تو اس صورت میں اَیُّ کو مبنی بنائیں گے۔

و فی ما ذا صَنَعْتَ تو نے کیا کیا؟ **وَجْهان** "ما ذا" کے اندر دو وجہیں ہیں۔ **اَحَدُھما ما الذی**

اِن میں سے ایک وجہ "ما الذی" ہے۔ یعنی "ما" کے بعد جو "ذا" آتی ہے وہ اسم موصول اَلَّذِی کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ **وَجوابُهُ رَفْعٌ** اِن دو میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ یہ "ذا" جو "ما" کے بعد ہے یہ "الذی" کے معنیٰ میں ہے۔ اور اس کا جواب رفع میں دیں گے۔

فرماتے ہیں کہ یہ "ما ذا صَنَعْتَ" کے معنیٰ میں ہے۔ ما: کیا ہے، الذی صنَعْتَ: وہ جو تو نے کیا۔ تو "ذا" اسم موصول اور صنعْتَ اسکا صلہ۔ اصل میں صَنَعْتَهٗ ہے، لیکن مفعول کی ھا ضمیر محذوف ہے جو کہ لوٹ رہی ہے اسم موصول کو۔ تو "ما" مبتدا ہے، اور "الذی صنعتَ" موصول صلہ مل کر خبر، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ کیونکہ "ما" استفہام کے لئے آتا ہے۔

اور اسکا جواب بھی رفع میں دیا جائے گا۔ یعنی اسکا جواب مرفوع آئے گا۔ یعنی جواب بھی سوال کے مطابق ہوگا۔ لہٰذا آپ جواب میں کہیں گے، "اَلْاِکرام"۔ یعنی سائل نے پوچھا، "ما ذا صَنَعْتَ: وہ چیز کیا ہے جو تو نے کی؟ آپ نے جواب میں کہا،" اَلْاِکْرَامُ: ای الذی صَنَعْتُهُ الْاِکْرَامُ": وہ چیز جو میں نے کی وہ

اکرام ہے۔ پس اگر "ذا" الذی کے معنیٰ میں ہوا تو اسکا جواب رفع کے ساتھ دیا جائے گا تا کہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔ پس الذی صَنَعْتُهُ الْإِكْرَامُ میں یہ "الاکرامُ" خبر ہے "الذی صَنَعْتُهُ" موصول صلے کا۔

والاٰخرُ اور "ما ذا" کے اندر دوسری وجہ اَیُّ شَيْءٍ یعنی "ما" کے بعد جو "ذا" آتی ہے اس میں دوسری معنیٰ اَیُّ شَيْءٍ ہے۔ و جوابُهُ نَصْبٌ اور اسکا جواب نصب ہے۔ جب "ذا" کو اَیُّ شَيْءٍ کے معنیٰ میں لیا جائے تو ما ذا صَنَعْتَ: ما اَیَّ شَيْءٍ صَنَعْتَ کے معنیٰ میں ہو جائے گا۔ اور یہ " مَا اَیَّ شَيْءٍ" مفعول بن جائے گا صَنَعْتَ کے لئے۔ ترجمہ: تو نے کی کیا چیز؟ اس صورت میں "ما ذا صَنَعْتَ" کی ترکیب۔ مَا ذا مفعول مقدَّم اور صنعتَ فعل با فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ انشائیہ ہوا۔

اور اس کا جواب بھی نصب کے ساتھ دیا جائے گا، کیونکہ سوال منصوب ہے۔ اور جملہ فعلیہ کے ساتھ دیا جائے گا۔ اگر کسی نے پوچھا، "ما ذا صَنَعْتَ" تو جواب میں "اَلْإِكْرَامَ" کہیں گے۔ اور پوری ترکیب "صَنَعْتُ الْإِكْرَامَ" ہوگا۔

پس جب سوال جملہ اسمیہ ہو تو بہتر ہے کہ جواب جملہ اسمیہ میں ہو۔ اسی طرح اگر سوال جملہ فعلیہ ہو تو بہتر ہے کہ جواب جملہ فعلیہ میں ہو۔ ہاں یہ واجب نہیں۔

درس 85۔ آج ہم مبنیات میں سے اسماءِ افعال کے بارے میں پڑھیں گے۔ اسماءُ الْاَفعالِ ما اسمائے افعال وہ اسماء ہیں۔ یہ "ما" اسمِ موصول ہے۔ اور اسمائے موصولہ کے مدلولات ہوتے ہیں۔ یہ کسی چیز پر دلالت کرتا ہے۔ یہ "ما" عبارت ہے اسماء سے۔ یہاں "اسماء" مراد ہے۔ کان بمعنَی الْاَمْرِ اَوِ الْمَاضِي جو امر کے معنیٰ میں ہو یا ماضی کے معنیٰ میں ہو۔ اسمائے افعال اسم ہوتے ہیں لیکن اَمر یا ماضی کا معنیٰ ادا کرتے ہیں۔ نیز صاحب کافیہؒ نے امر کو مقدَّم کیا اور ماضی کو مؤخر کیا۔ اس لئے کہ اکثر اسمائے افعال امر کے معنیٰ میں ہے، اس لئے امر کو مقدَّم کیا اور ماضی کے لفظ کو مؤخَّر کر دیا۔ نحوُ رُوَيْدَ زیدًا ای اَمْهِلْهُ ای اَمْهِلْ زیدًا۔ یعنی زید کو مہلت دے دو۔ رُوَيْدَ اسمِ فعل ہے۔ اور یہ فعل امر اَمْهِلْ کا معنیٰ ادا کر رہا ہے۔ و هَيْهَاتَ ذٰلِکَ ای بَعُدَ یعنی دور ہوا۔ ذٰلِکَ فاعل ہے هَيْهَاتَ کے لئے۔ هَيْهَاتَ ذٰلِکَ: وہ دور ہوا۔ یا بَعُدَ ذٰلِکَ: تو یہ ماضی کے مثال ہے۔

اسمائے افعال اس لئے مبنی ہے کیونکہ یہ مبنی الاصل کی جگہ پر واقع ہوتے ہیں۔ آنا تو "اَمْهِلْ" ہونا چاہئے تھا لیکن اس کی جگہ "رُوَيْدَ" آیا۔ تو رُوَيْدَ مبنی کی جگہ پر آیا۔ تو مبنی کی جگہ پر آنا یہ بھی ایک مُناسبت ہے۔ اور ہم نے پڑھا تھا کہ جس کی مناسبت مبنی الاصل کے ساتھ آجائے وہ خود بھی مبنی بن جاتا ہے۔ اور یہ مُبالغہ کا فائدہ دیتا ہے۔ وہی امر ہے لیکن مبالغہ کے ساتھ۔ اور وہی ماضی ہے لیکن مبالغہ کے ساتھ۔

وَ فَعَالِ بِمَعْنَى الْاَمْرِ مِنَ الثُّلَاثِيِّ قِيَاسٌ اور وہ فَعَالِ جو اَمر کے معنیٰ میں ہوتا ہے ثُلاثی سے قیاسی ہے۔ بھئی فَعَالِ یہ امر کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اور یہ ثُلاثی سے قیاسی ہے۔ آپ بھی قیاس کر کے بنا سکتے ہیں۔ كَنَزَالِ بِمَعْنٰى اِنْزِلْ نَزَالِ بروزن فَعَالِ اور یہ اِنْزِلْ: نیچے اُتر آؤ کے معنیٰ میں ہے۔ تو اِنْزِل کی بجائے آپ نَزَالِ کہتے ہیں۔ اور یہ ثلاثی سے قیاسی ہے۔ یعنی آپ بھی بنا سکتے ہیں۔ مثلاً آپ نے کسی سے کہا "اِضْرِبْ زیدًا" : زید کی پٹھائي کر، اس کی جگہ آپ ضَرَابِ زیدًا کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح اور ابواب سے آپ قیاس کر کے بنا سکتے ہیں۔ اس لئے کہا کہ یہ ثلاثی سے قیاسی ہے۔ رُباعی سے نہیں آتا مگر نہایت نادِر یا قلیل۔ اور ثلاثی سے قیاسی کا یہ معنیٰ نہیں کہ ہر ثلاثی سے آتا ہے۔ مگر اکثر ثلاثی سے آتا ہے۔ اور بعض ثلاثی ایسے ہیں جن سے نہیں آتا۔

یہاں تک اسمِ فعل کی بحث ختم ہوئی۔ آگے جو صاحب کافیہؒ ذکر کر رہے ہیں ہو اسمِ فعل کے بارے میں نہیں بلکہ فَعَالِ وزن کے بارے میں ہے۔

اس فَعَالِ وزن پر اسمِ فعل کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی آتے ہیں۔ اب صاحب کافیہؒ اُن کے بارے میں بتلاتے ہیں۔ وَ فَعَالِ مَصْدَرًا مَعْرِفَةً كَفَجَارِ اور وہ فَعَالِ وزن جو اس حال میں ہو کہ مصدر ہو اور مصدر بھی وہ کہ معرفۃ ہو۔ جیسا کہ "فَجَارِ" ہے۔ اور یہ فَجَارِ بمعنیٰ اَلْفُجُوْرُ کے ہے۔ اور فُجور مصدر ہے۔ لہٰذا یہ نہیں کہ کہ فجارِ بمعنیٰ فُجُوْر کے ہے۔ بلکہ مصدر معرفۃ کہا اور فرمایا کہ فَجَارِ بمعنیٰ الفجور کے۔ تو فَعَالِ جو مصدر معرفۃ ہو۔ یہ مبنی ہوتا ہے۔ و صفةً ای فَعَالِ صِفَةً مثلُ یا فَسَاقِ مَبْنِيٌّ اسی طرح وہ فَعَالِ جو صفت کے لئے ہے جیسا کہ فَسَاقِ بروزن فَعَالِ یہ بھی مبنی ہے۔ اور "یا فَسَاقِ بمعنیٰ یا فاسِقَةُ" ہے۔ فَجَارِ مبنی علی الکسرہ ہی استعمال ہوگا۔ اسی طرح فَساقِ بھی مبنی علی الکسرہ ہی استعمال ہوگا۔ اب یہ دونوں مبنی کیوں ہیں۔ آگے صاحب کافیہؒ اُس کی علّت ذکر کر رہے ہیں۔ لِمُشَابَهَتِهٖ بوجہ اِس کے مشابہ ہونے کے۔ لَهُ یعنی یہ فَعَالِ وزن جو مصدر معرفۃ کے لئے آتا ہے اور یہ فَعَالِ وزن جو صفت کے لئے آتا ہے۔ یہ اُس فَعَالِ کے مشابہ ہے جو اسم فعل میں آیا تھا اور بمعنیٰ امر کے تھا۔ عَدْلاً وَّزِنَةً اور یہ مشابہت عَدْل اور وزن میں ہے۔ یعنی اُس کا وزن بھی فَعَالِ تھا جو اسم فعل میں آیا تھا اور بمعنی امر کے تھا۔ اور اِن دونوں کا وزن بھی فَعَالِ ہے جو مصدر معرفۃ کے لئے آتا ہے اور صفت کے لئے آتا ہے۔ تو یہ مشابہت وزن کے اعتبار سے ہوئی۔ نیز عَدل کے اعتبار سے بھی مشابَہت ہے۔ جیسے اُس فَعَالِ میں عدل ہوا تھا، جیسا کہ نَزَالِ معدول ہے اِنْزِلْ سے اور ضَرَابِ معدول ہے اِضْرِبْ سے۔ اِسی طرح اِن دونوں فَعَالِ میں بھی عَدل ہوا ہے۔ یعنی فَجَارِ معدول ہے اَلْفُجُوْر سے اور فَسَاقِ معدول ہے "یا فاسِقَةُ" سے۔

وَ فَعَالِ عَلَمًا اور فَعَالِ اس حال میں کہ وہ عَلَم ہو لِلْاَعْیَانِ اَعیان کے لئے۔ یعنی ذات کے لئے۔ مُؤَنَّثًا اس حال میں کہ وہ اعیان مؤنث ہو۔ یاد رکھو! یہ فَعَالِ مؤنث ذاتوں کے لئے عَلَمْ کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔ کَقَطَامِ و غَلَابِ جیسا کہ قَطَامِ اور غَلَابِ ہے۔ قطام یہ بھی عورت کا نام ہے۔ اور غلاب یہ بھی عورت کا نام ہے۔ تو دیکھو یہ علم ہے ذات کے لئے ہے اور مؤنث ذات کے لئے ہے۔ بھئی صاحب کافیہ نے عَلَمًا کہا۔ اِس علمًا کے ذریعے وہ فَعَالِ نکالا جو صفت تھا۔ پیچھے ذکر آیا کہ ایک فَعَالِ مصدر معرفة کے لئے آتا ہے اور فَعَالِ صفت کے لئے آتا ہے۔ تو جب علمًا کہا تو صفت والا فَعَالِ خارج ہوا۔ اور جب اَعْیَانْ کی قید لگائی یعنی وہ ذات کی نام ہو تو اس کے ذریعے وہ فَعَالِ نکالا جو مصدر کے لئے ہو۔ اس لئے کہ مصدر ذات نہیں ہوتی بلکہ مصدر تو ایک معنیٰ ہے۔ عَین سے مراد وہ جس کا خارج میں کوئی الگ وجود ہو اور مصدر کا خارج میں کوئی الگ وجود نہیں ہوتا۔ خارج میں کبھی آپ کو مصدر نظر نہیں آئے گا۔ مثلاً دوڑنا مصدر ہے۔ تو خارج میں یہ دکھائی نہیں دیتا۔ آپ کہیں گے کہ ہمیں تو دوڑنا دکھائی دیتا ہے۔ تو یہ دوڑنا مصدر نہیں دکھائی دیتا آپ کو بلکہ حاصل بالمصدر دکھائی دیتا ہے۔ یعنی مصدر سے جو ھیئت حاصل ہوئی وہ دکھائی دیتا ہے۔ تو خارج میں آپ کو دوڑنا دکھائی نہیں دیگا بلکہ دوڑنے سے جو ھیئت حاصل ہوتی ہے وہ نظر آئے گی یعنی دوڑ نظر آئے گی۔ اسی طرح خارج میں آپ کو ھنسنا دکھائی نہیں دیگا بلکہ ھنسی دکھائی دے گی۔ تو جب اَعْیَانْ کہا تو وہ فَعَالِ خارج ہوا جو مصدر معرفة ہو۔ تو یہ فَعَالِ جو کہ علم ہے ذات کے لئے ہے اور مؤنث ہوتا ہے یہ مبنی ہے اہل حجاز کی لغت میں۔ وَ مُعْرَبٍ فِی تَمِیْمٍ اور معرب ہے بنو تمیم کی لغت میں۔ غیرِ منصرف کے بحث میں علامه ابن حاجبؒ نے عدل کے اندر لکھا تھا، "و بابُ قَطَامٍ فی تَمِیْمٍ"۔ اور اُستادِ محترم محمد زھیر روحانی بازی مد ظله العالی نے یوں وضاحت کی تھی، " اسی طرح باب قَطَامَ ہے بنو تمیم کی لغت میں۔(یہ بھی نئی بات ہے۔) باب قطام سے مراد وہ فَعَال وزن ہے جس میں چار شرطیں پائی جائے۔ 1۔ اسم ہو صفت نہ ہو۔ 2۔ عَلَم ہو۔ 3۔ عَلَم بھی مؤنث ذات کا ہو۔ 4۔ آخر میں "را" نہ آتی ہو۔ تو اس قسم کا جو اسم ہوتا ہے تو بنو تمیم والے اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں۔ اور اس میں ایک سبب علمیت اور دوسرا سبب عدل تقدیری ہے۔ جبکہ باقی عرب اسکو مبنی پڑھتے ہیں۔ اور قَطَامِ پڑھتے ہیں۔" اِلَّا مَا کَانَ فِی آخِرِہٖ رَاءٌ مگر وہ کہ جس کے آخر میں "راء" ہو۔ وہ فَعَالِ وزن جو علَم ہو، اَعْیَانِ مؤنَّثه کے لئے، اُس کے آخر میں اگر "راء" آئے، جیسے حَضَارِ نَحْوُ حَضَارِ جیسا کہ "حَضَارِ" ہے۔ یہ ایک ستارے کا نام ہے۔ بنو تمیم والے بھی اسکو مبنی پڑھتے ہیں۔ تو جس فَعَالِ وزن کے آخر میں راء ہو تو اِس میں تو اختلاف نہیں۔ اہل حجاز بھی اس کو مبنی پڑھتے ہیں اور بنو تمیم والے بھی اس کو مبنی پڑھتے ہیں۔ لیکن جس فَعَالِ وزن کی آخر میں راء نہیں ہے تو حجاز والے اس کو مبنی پڑھتے ہیں اور بنو تمیم والے اس کو معرب (غیر منصرف) پڑھتے ہیں۔

مبنیات میں سے اگلی قسم اصوات ہے۔ اَلْاَصْوَاتُ کُلُّ لفظٍ اصوات یعنی آوازیں ہر ایسا لفظ ہے۔ حُکِیَ بِہٖ صوتٌ جس کے ذریعے حکایت کیا جائے آواز کو۔ یعنی کسی چیز کی آواز کو نقل کیا جائے۔ اَوْ صُوِّتَ بِهِ البَهَائِمُ یا آواز دی جائے اِس کے ذریعے مویشیوں کو۔مویشی کو بطور مثال کے ذکر کیا۔ بس کسی بھی چیز کو آواز دی جائے۔ چاہے پرندے ہو چاہے چوپائے ہو وغیرہ فالاَوَّلُ کغاقٍ پہلی کی مثال، جس میں آواز کی حکایت کی ہے، جیسا کہ غَاقٍ ہے۔ عرب والے کہتے ہیں کہ کوّا "غاقٍ غاقٍ" کرتا ہے۔ ہم اردو میں کہتے ہیں کوّا "کائیں کائیں" کرتا ہے۔ اب "غاقٍ" کے ذریعے اُنہوں نے کوّے کی آواز کی حکایت کی۔ یعنی "کائیں کائیں" کے ذریعے کوّے کی آواز کی حکایت ہم اردو میں کرتے ہیں۔ والثانی کَنَخٍّ جیسے عرب اونٹ کو بٹھاتے ہوئے نَخٍّ نَخٍّ کہتے ہیں۔

مبنیات میں سے اگلی قسم مرکبات ہیں۔ اَلْمُرکبَّاتُ کُلُّ اسْمٍ مِنْ کلمتین ہر ایسا اسم ہے جو مرکب ہو دو کلموں سے لیس بینَهُما نسبةٌ اِن دونوں کے درمیان نسبت نہ ہو۔ یعنی نہ نسبتِ تامّہ ہو۔ یعنی جملہ نہ ہو۔ اور نہ نسبتِ اضافی ہو۔ یعنی مضاف مضافٌ الیہ بھی نہ ہو۔ تو اب مرکبات میں تفصیل بتلا رہے ہیں کہ دونوں جُز مبنی ہوں گے، یا پہلا جُز مبنی ہوگا یا دوسرا جُز مبنی ہوگا۔

نسبتِ تامّہ یعنی جملہ نہ ہو۔ اگر جملہ ہوا تو پھر لازمی بات ہے کہ جُملہ کے اجزاء ہوں گے، تو پھر لازمی بات ہے کہ جملہ کے اجزا پر اعراب بھی آئے گا۔ اور جب اعراب آئے گا تو وہ مبنی نہیں رہے گا۔ ہاں جملہ مِنْ حیثُ الجملہ مبنی تو ہے۔ لیکن جملہ کے اجزاء مبنی نہیں۔ مثلاً "شَابَ قَرْنَاهَا" کسی نے ایک عورت کا نام رکھ دیا۔ "شَابَ قَرْنَاهَا": بالوں کی دونوں چوٹیاں سفید ہو گئیں۔ اس میں شَابَ فعل ہے اور قرنَا مرفوع ہے۔ اصل میں قَرْنَانِ تھا۔ نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ اور تثنیہ کا اعراب حالت رفعی میں الف کے ساتھ آتا ہے۔ تو دیکھو اِن پر تو باقاعدہ اعراب آ رہے ہیں۔ اور ہم ایسے مرکبات کی بحث کرتے ہیں جو مبنی ہوں گے۔ نیز نسبت اضافی بھی نہیں ہوتا چاہئے۔ کیونکہ اضافت اسم کے بڑے خاصّوں میں سے ایک ہے۔ اور اسم کے اندر تو معرب ہونا ہے۔

فَاِنْ تَضَمَّنَ الثَّانِي حَرْفًا اگر ثانی مُتَضَمِّنْ ہوا حرف کو۔ یعنی دو لفظ مل گئے اور دوسرے لفظ کے اندر حرف چھپ گیا۔ بُنِيَا تو دونوں جُز مبنی ہو جائیں گے۔ بُنِيَا تثنیہ کا صیغہ ہے۔ کَخَمْسَةَ عَشَرَ جیسے خَمْسَةَ عَشَرَ ہے۔ خَمْسَةَ عَشَرَ اصل میں خَمْسَةٌ وَّ عَشَرٌ تھا۔ پھر اس واؤ کو اُٹھا کر جُزِ ثانی عَشَرٌ کے اندر چُھپا دیا۔ اور واؤ چونکہ مبنی ہے کیونکہ حروف میں سے ہے۔ تو جب یہ عَشَرَ میں چُھپا تو اس نے عَشَرَ کو بھی مبنی بنا دیا، جبکہ خَمْسَةَ بھی مبنی بن گیا اس لئے کہ وہ درمیان میں آگیا۔ یعنی خَمْسَةَ کی تا درمیان میں آگئی اور آخر میں عشرَ کی راء آرہی ہے۔ اور درمیان میں اعراب نہیں آتا۔ اس لئے خمسةَ کی تا پر

اعراب نہیں آئے گا۔ تو درمیان میں آنے کی وجہ سے خمسۃ مبنی ہوا۔ اور عشرَ مبنی ہوا کیونکہ اس میں واؤ چھپا ہوا ہے۔

اِثْنَا عَشَرَ کی بات آگے آئیں گے۔ باقی اَحَدَ عَشَرَ، ثَلٰثَةَ عَشَرَ، اَرْبَعَةَ عَشَرَ، خَمْسَةَ عَشَرَ، سِتَّةَ عَشَرَ، سَبْعَةَ عَشَرَ، ثَمَانِيَةَ عَشَرَ، تَسْعَةَ عَشَرَ یہ سارے مراد ہیں۔ صاحب کافیہ نے صرف خَمْسَةَ عَشَرَ کی مثال بیان فرمائی۔

و حَادِيَ عَشَرَ اور جیسے حادِیَ عَشَرَ ہے۔ حادِیَ عَشَرَ کے دونوں جز خَمْسَةَ عَشَرَ کی طرح مبنی علی الفتح ہوں گے۔ حادِیَ عَشَرَ کا معنیٰ ہے گیارہواں۔ اور خَمْسَةَ عَشَرَ کا معنیٰ پندرہ ہے۔ اگر آپ کہنا چاہتے ہیں پندرھواں تو "خامِسَ عَشَرَ" کہیں گے۔ اور اَرْبَعَةَ عَشَرَ کا معنیٰ چودہ ہے۔ لیکن اگر آپ چودھواں کہنا چاہتے ہیں تو "رَابِعَ عَشَرَ" کہیں گے۔ اس میں پہلے جُز کو فاعل کے وزن پر لے جاتے ہیں۔

جیسا کہ اَحَدَ عَشَرَ تھا۔ تو اَحَدَ کو ہم فاعل کے وزن پر لے گئے تو حَادِیَ عَشَرَ بن گیا۔ اسی طرح ثَانِي عَشَرَ، ثَالِثَ عَشَرَ، الیٰ آخرہٖ۔ تو کہتے ہیں چاہے فاعل کا وزن ہو شروع میں یا فاعل کا وزن نہ ہو، دونوں صورتوں میں یہ دونوں جُز مبنی علی الفتح ہو جائیں گے۔

وَ اَخَوَاتِهَا اور جو خَمْسَةَ عَشَرَ اور حادِیَ عَشَرَ کے مشابہ کلمات ہیں۔ اِلَّا اثْنَىْ عَشَرَ مگر اِثْنَا عَشَرَ۔ اِس کا پہلا جُز معرب رہے گا۔ ثانی جُز عَشَرَ تو مبنی ہی ہے۔ اصل میں یہ اِثْنَانِ وَّ عَشَرٌ تھا۔ پھر واؤ عَشَرَ میں چُھپ گیا۔ اور عَشَرَ تو مبنی ہو گیا۔ اور جب اِس کو آپس میں جوڑ دیتے ہیں تو اِثْنَانِ کے نون کو گرا دیتے ہیں۔ اور جب نون گر گیا تو اِسکی مشابہت آگئی مضاف کے ساتھ۔ بھئی تثنیہ کی جب اضافت ہوتی ہے تو اِس کا نون بھی گِر جاتا ہے۔ تو اثنانِ کی مشابہت آگئی مضاف کے ساتھ۔ اور اِضافت تو اسم کے بڑے خاصّوں میں سے ہے۔ اور اِضافت کی وجہ سے تو غیر منصرف بھی منصرف بن جاتا ہے۔ پس اِثْنَانِ کی اضافت جب مضاف کے سات آگئی تو اِسکو بھی معرب بنا دیا گیا۔

اور حالت رفع میں ہم اِثْنَا عَشَرَ کہتے ہیں۔ اور حالتِ نصبی جرّی میں ہم اِثْنَىْ عَشَرَ کہتے ہیں۔ پہلا جُز بدل رہا ہے تو معلوم ہوا کہ اِثْنَا عَشَرَ کا پہلا جُز معرب ہے۔ اور یہ معرب اس لئے ہے کیونکہ اسکی مشابہت مضاف کے ساتھ آگئی۔

وَ اِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو۔ بھئی اوپر ذکر کیا کہ اگر ثانی متضمن ہو حرف کو، تو اگر ایسا نہ ہو یعنی ثانی جُز حرف کو متضمن نہ ہو۔ اُعْرِبَ الثَّانِي تو ثانی جُز کو اعراب دیا جائے گا۔ لیکن یہ یاد رکھو! کہ ثانی جُز جب متضمن نہ ہو حرف کو تو اسکو غیر منصرف کا اعراب دیا جائے گا۔ اوّل جُز تو مبنی ہی ہوگا کیونکہ وہ وسط میں آیا۔ کَبَعْلَبَکَّ جیسے بَعْلَبَکَّ ہے۔ یہ بَعْلٌ اور بَکٌّ دو الگ الگ لفظ تھے۔ دونوں کو ملایا اور ایک جُز بنایا۔ تو اب اس میں اوّل جُز تو مبنی بن جائے گا کیونکہ وسط میں آگیا۔ اور ثانی جُز

چونکہ حرف کو متضمن نہیں، لہٰذا اس پر اعراب پڑھا جائے گا۔ اور اعراب بھی غیر منصرف والا۔ جیسا کہ بَعْلَبَکَّ پر یہاں حرف جرّ کاف داخل ہوا ہے۔ اور غیر منصرف کا جرّ فتحہ کی صورت میں آتا ہے۔ تو کَبَعْلَبَکَّ کہا۔ حالت رفعی میں " جاءَ بَعْلَبَکُّ" کہیں گے۔ حالت نصبی میں "رأیتُ بَعْلَبَکَّ" اور حالت جرّی میں "مررتُ بِبَعْلَبَکَّ" پڑھیں گے۔

وَ بُنِیَ الْاَوَّلُ اور اوّل جُز کو مبنی بنایا جایا گا۔ فِی الْاَصَحِّ اَصَحِّ لغات میں۔ اس میں یاد رکھو! پانچ لُغتیں ہیں۔ اس میں صحیح تر لغت یہ ہے جو صاحب کافیہؒ نے بیان کی۔ یعنی ثانی معرب ہوگا اور اوّل مبنی ہو جائے گا۔

دوسری لُغت یہ ہے کہ دونوں جُز مبنی ہوں گے۔ یعنی تینوں حالتوں میں بَعْلَبَکَّ ہی رہے گا۔ جاءَ بَعْلَبَکَّ، رَأیتُ بَعْلَبَکَّ، مررتُ بِبَعْلَبَکَّ۔

اگلی تین لغات، تینوں کے اندر اضافت ہیں۔ پہلا مضاف ہوگا اور ثانی مضافٌ الیہ ہوگا۔ اور دونوں جُز معرب رہیں گے۔ نیز تینوں لغتوں میں پہلے جُز پر منصرف والا اعراب آئے گا۔ البتہ تینوں میں فرق یہ ہے کہ ایک لغت کے مطابق ثانی پر اعراب آئے گا منصرف والا۔ دوسری لغت کے مطابق ثانی پر اعراب آئے گا غیر منصرف والا۔ تیسری لُغت کے مطابق ثانی کو اپنے حال پر چھوڑ دیں گے۔ یعنی اِس ترکیب سے پہلے اگر وہ لفظ غیر منصرف تھا تو اب بھی غیر منصرف رہے گا۔ اور اگر اِس ترکیب سے پہلے وہ لفظ منصرف تھا تو اب بھی منصرف رہے گا۔ دیکھو! مثالوں سے بات سمجھ میں آئے گی۔

پہلی لغت کے مطابق: جب دونوں مضاف مضافٌ الیہ بنیں گے اور پہلا جُز بھی منصرف ہوگا اور دوسرا جُز بھی منصرف ہوگا۔ جاءَ بَعْلُ بَکٍّ۔ رَأیتُ بَعْلَ بَکٍّ۔ مررتُ بِبَعْلِ بَکٍّ۔ دیکھا اوّل بھی منصرف ہے اور ثانی بھی منصرف۔ بَعْل مضاف ہونے کی وجہ سے اس پر تنوین نہیں آتا۔

دوسری لغت کے مطابق: جب دونوں مضاف اور مضافٌ الیہ ہو، اور پہلا جُز منصرف جبکہ دوسرا جُز غیر منصرف ہوگا۔ جاءَ بَعْلُ بَکَّ۔ رَأیتُ بَعْلَ بَکَّ ۔ مررتُ بِبَعْلِ بَکَّ ۔

تیسری لغت کے مطابق: دوسرے جُز کو اپنے حال پر چھوڑنا ہے۔ فرض کریں اگر بَکٌّ پہلے سے منصرف ہو تو اب بھی منصرف رہے گا۔ اور یوں پڑھیں گے۔ جاءَ بَعْلُ بَکٍّ۔ رَأیتُ بَعْلَ بَکٍّ۔ مررتُ بِبَعْلِ بَکٍّ۔

اور اگر یہ بَکَّ پہلے غیر منصرف تھا تو اب بھی غیر منصرف رہے گا اور یوں پڑھیں گے۔ جاءَ بَعْلُ بَکَّ۔ رَأیتُ بَعْلَ بَکَّ ۔ مررتُ بِبَعْلِ بَکَّ۔

درس 86۔ مبنیات میں سے ہم آج کنایات کے بارے میں پڑھیں گے۔ یاد رکھو! کنایۃ کہتے ہیں کہ کسی مُعَیَّن چیز کو غیرِ صریح لفظ کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ مثلاً آپ دو ساتھی بیٹھے ہوئے ہیں اور زید کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ کہ زید نے یہ کیا، اور زید نے یہ کیا وغیرہ۔ پھر اچانک آپ کا کوئی اور ساتھی آتا ہے۔ اب آپ اِسکو زید کے بارے میں نہیں بتلانا چاہتے کہ زید نے یہ کیا۔ تو اب آپ کنایۃ کرتے ہیں۔

بلکه آپ اپنے ساتھی کو بتلاتے ہیں کہ فلاں نے میرے پاس آیا اور میں نے اُسے یوں یوں کہا۔ دیکھا! اب آپ نے زید نہیں کہا بلکہ "فلاں" کہا۔ یہ نہیں کہتے کہ "جاءنِی زیدٌ" بلکہ یوں کہتے ہیں، "جاءنِی فلانٌ"۔ یہ آپ نے کنایہ کیا۔ اِس "فلانٌ" سے دنیا کا ہر شخص مراد نہیں بلکہ ایک مُعَیَّن شخص مراد ہے۔ اور وہ "زید" ہے۔ تو "زید" ایک مُعَیَّن شخص ہے اِسکو آپ نے ایک غیر صریح لفظ سے ذکر کیا۔ یہ کنایة کہلاتا ہے۔ تو مُعَیَّن چیز کو غیرِ صریح لفظ کے ساتھ ذکر کرنا کنایہ کہلاتا ہے۔

لیکن یہاں پر کنایات سے یہ معنیٰ مصدری نہیں مراد۔ یہ جو میں نے معنیٰ لکھا "ذکر کرنا" یہ تو مصدری معنیٰ ہے۔ یہاں کچھ خاص الفاظ مراد ہے، جن کے ساتھ کنایہ کیا جاتا ہے۔ کچھ مُعَیَّن کنایات مراد ہے جو مبنی ہے۔ ہر کنایہ مبنی نہیں۔ جیسا کہ ابھی "فلانٌ" کا لفظ ذکر ہوا۔ جاءنِی فلانٌ تو یہ "فلانٌ" اگر چہ کنایہ کے لئے استعمال ہوا لیکن مبنی نہیں اور یہاں پر مرفوع ہے فاعل ہونے کی وجہ سے۔

اَلْکِنایاتُ کَمْ و کذا کنایات جو ہیں وہ "کم" اور "کذا" ہیں۔ **لِلْعَدَدِ** عدد کے لئے۔ یعنی عدد کے لئے "کم اور کذا" سے کنایة کرتے ہیں۔ اردو میں مثلاً ہم کہتے ہیں "اتنے اتنے"۔ مثلاً دو ساتھی بیٹے تھے۔ ایک ساتھی کہتا ہے کہ میں نے زید کو دس ہزار روپے دئیے۔ اس دوران آپکا تیسرا ساتھی آیا۔ اب آپ اسکو نہیں بتلانا چاہتے کہ میں نے زید کو کتنا رقم دیا۔ تو اب آپ اپنے ساتھی سے کہتے ہیں کہ میں نے زید کو "اتنے اتنے" روپے دئیے۔ تو یہ آپ نے ایک مُعَیَّن عدد سے غیرِ صریح لفظ کے ساتھ کنایہ کیا۔ تو اس کے لئے عربی میں "کم اور کذا" استعمال کرتے ہیں۔ **و کیتَ و ذیتَ لِلحدیثِ** اور "کیتَ اور ذیتَ" بات کے لئے ہیں۔ اِن کے ذریعے کسی بات سے کنایہ کیا جاتا ہے۔ اردو میں اِس کے لئے "یوں یوں یا ایسے ایسے" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ دو ساتھی آپس میں گفتگو کر رہے ہے زید کے بارے میں۔ اور اب کوئی تیسرا شخص آیا۔ اب آپ اُس سے بات چھپانا چاہتے ہیں۔ تو آپ اپنے ساتھی سے کہتے ہیں کہ میں نے زید کو "یوں یوں" کہا۔ یا یوں کہیں گے میں نے زید کو "ایسے ایسے" کہا۔ تو "یوں یوں" یا "ایسے ایسے" سے کوئی خاص مُعَیَّن جملہ مراد ہے یا کوئی خاص مُعَیَّن بات مراد ہے تو اِس سے آپ نے کنایہ کیا۔

اور یاد رکھو! یہ "کیتَ اور ذیتَ" مکرَّر استعمال ہوتے ہیں یعنی تکرار کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں حرف عطف واؤ کے ساتھ۔ مثلاً عربی میں کہیں گے، قَالَ زیدٌ کیتَ و کیتَ۔ اور اسی طرح کہیں گے، قالَ زیدٌ ذیتَ و ذیتَ۔

آگے کم استفہامیہ اور کم خبریہ کی وضاحت کر رہے ہیں۔ کَمْ استفہامیہ وہ ہے جس کے ذریعے سوال کیا جائے۔ اور کمِ خبریہ وہ ہے جس کے ذریعے کوئی خبر دی جائے۔ اب اِن کی آگے تمیز آئے گی۔ تو فرق ہے دونوں میں۔ مثلاً آپ دوسرے سے سوال کرتے ہیں۔ "کَمْ رجلاً ضربتَ": آپ نے کتنے آدمیوں کی پٹھائی کی۔ تو یہ "کَم" کے ذریعے آپ سوال کر رہے ہیں۔ تو یہ کَمْ استفہامیہ ہے۔ اور کبھی کَمْ کے ذریعے خبر دی جاتی

ہے۔ "کَمْ رجلٍ ضربتُ"۔ میں نے بہت سے آدمیوں کی پٹھائی کی۔ تو یہ آپ خبر دے رہے ہیں تو یہ "کَمْ خبریہ" کہلاتا ہے۔

اب ان دونوں یعنی کم استفہامیہ اور کم خبریہ میں فرق کیا ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ اِن کے تمییز مختلف ہوتی ہے۔ جو کم استفہامیہ ہے اُس کی تمییز مفرد منصوب آئے گی۔ جیسا کہ "کَمْ رجلاً ضربتَ" میں کَمْ کی تمییز رجلاً آیا جو کہ مفرد منصوب ہے۔ جبکہ کَمِ خبریہ کی تمییز مجرور ہوگی۔ اور پھر مجرور ہوتے ہوئے وہ مفرد بھی آسکتی ہے اور جمع بھی آسکتی ہے۔ مثلاً میں خبر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے بہت سے آدمیوں کی پٹھائی کی۔ تو میں کہوں گا، "کَمْ رجلٍ ضربتُ"۔ تو دیکھا! کم کی تمییز مفرد مجرور آئی۔ اور کَمِ خبریہ کی تمییز جمع مجرور بھی آسکتی ہے۔ جیسا کہ، "کَمْ رجالٍ ضربتُ": میں نے بہت سے آدمیوں کی پٹھائی کی۔ تو آگے صاحب کافیہ یہی بات بتلا رہے ہیں۔

فَکَمِ الِاسْتِفْہَامِیَّۃُ مُمَیِّزُھَا منصوبٌ مفردٌ پس کم استفہامیہ کی تمییز مفرد منصوب ہوگی۔ و الخبریۃُ اور کم خبریہ جو ہے مجرورٌ مفردٌ و مجموعٌ اُسکی تمییز مجرور ہوگی اور مفرد اور جمع ہوگی۔

و تَدْخُلُ مِنْ فیہِما اور مِنْ داخل ہوتا ہے اِن دونوں میں۔ یعنی کَمِ استفہامیہ میں بھی اور کَمِ خبریہ میں بھی مِنْ داخل ہوتا ہے۔ یعنی اِن دونوں کے تمییز پر مِنْ داخل ہوتا ہے۔ مثلاً کم استفہامیہ میں کہیں گے، " کَمْ مِنْ رجلٍ ضَرَبْتَ": معنیٰ وہی ہے۔ آپ نے کتنے آدمیوں کی پٹھائی کی؟ اور اسی طرح کَمِ خبریہ میں بھی "مِنْ" لے آؤ۔ "کَمْ مِنْ رجلٍ ضربتُ": میں نے بہت سے آدمیوں کی پٹھائی کی۔ تو کَمِ خبریہ کثرت کا معنیٰ ادا کرتا ہے۔ نیز عموماً ایک اور قرینہ بھی ساتھ ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ سوال عموماً مخاطب سے کیا جاتا ہے۔ تو کم استفہامیہ کے اندر عموماً مخاطَب کی ضمیر ہوگی یا مُخاطَب کا صیغہ ہوگا۔ ابھی تک بھی جتنے مثالیں ذکر ہوئی اُس میں بھی غور کریں تو کَمِ استفہامیہ میں مخاطَب کا صیغہ اور ضمیر استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ "کَمْ رجلاً ضَرَبْتَ"۔ تو یہ ضربتَ مخاطَب کا صیغہ ہے۔

اور خبر عموماً اپنے بارے میں دی جاتی ہے۔ تو جو کَمِ خبریہ ہے اُس میں عموماً متکلم کی ضمیر یا متکلم کا صیغہ ہوگا۔ جیسا کہ "کم رجلٍ ضربتُ" یا "کم رجالٍ ضربتُ" میں یہ ضربتُ متکلم کا صیغہ ہے۔

تو عموماً صیغے کے ذریعے پتہ چلے گا کہ یہ کَمْ کونسا ہے۔ اور جب مِنْ داخل ہو جائے تو پھر تو خصوصاً صیغہ کے ذریعے پتہ چلے گا کہ کونسا "کَمْ" ہے۔ جیسا "کَمْ مِنْ رجلٍ ضربتَ" اور "کَمْ مِنْ رجلٍ ضربتُ" دونوں کی صورت بالکل ایک جیسی ہے۔ تو پھر آپ صیغے کے ذریعے یا ضمیر کے ذریعے پہچانیں گے کہ یہ کم استفہامیہ ہے یا کَمِ خبریہ ہے۔ لیکن یہ یاد رکھو! یہ "مِنْ" زیادہ تر "کَمِ خَبَرِیَّہ" میں آتا ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں، "کَمْ مِنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنَاھَا": بہت سی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ تو یہ متکلم کی ضمیر قرینہ ہے یہاں پر کہ یہ "کَمِ خبریہ" ہے۔

و لهما صدرُ الکلامِ اور دونوں کے لئے صدرِ کلام ہوگا۔ یعنی کم استفہامیہ بھی صدارتِ کلام کو چاہتا ہے اور کَمِ خبریہ بھی صدارت کلام کو چاہتا ہے۔ کَمِ استفہامیہ تو ظاہر ہے استفہام والا معنیٰ ادا کر رہے ہے۔ اور استفہام والا کلمہ صدارتِ کلام کو چاہتا ہے تا کہ شروع سے پتہ چل جائے کہ سوال پوچھا جا رہا ہے۔ اور کَمِ خبریہ اِنْشَاءِ تَکْثِیْر کے لئے آتا ہے۔ تکثیر پیدا کرتا ہے کلام کے اندر۔ تو یہ بھی صدارتِ کلام کو چاہتا ہے تا کہ اوّلِ امر سے پتہ چل جائے۔

و کلاهما یَقَعُ مرفوعا و منصوبا و مجرورًا اور یہ دونوں واقع ہوتے ہیں مرفوع اور منصوب اور مجرور۔ تو یہ کَمِ استفہامیہ اور کَمِ خبریہ دونوں مبنی ہیں۔ لہٰذا اِن دونوں کا اعراب محلاً مرفوع بھی ہو سکتا ہے، محلاً منصوب بھی ہو سکتا ہے اور محلاً مجرور بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی "کَمْ" کلام کے شروع میں آیا تو یہ ممکن ہے کہ یہ محلاً مرفوع ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ محلاً منصوب ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ محلاً مجرور ہو۔ اب صاحب کافیہؒ آپ کو بتلائیں گے کہ کہاں پر مرفوع ہوگا، کہاں پر منصوب اور کہاں پر مجرور۔ تو فرماتے ہیں۔

یہاں پر صاحب کافیہؒ "کم" کے منصوب ہونے کی صورت بتلاتا ہے۔ **فَکُلُّ ما بعدَهُ فِعْلٌ** ہر وہ کَمْ جس کے بعد فعل ہو، ایسا فعل **غیرُ مُشْتَغِلٍ عنهُ** اِشْتَغَلَ کا صلہ "عَنْ" آ جائے، تو اِس کے معنیٰ ہوتے ہے "اِعْرَاضْ کرنا"۔ جیسے دُعا ہے، اگر دُعا کا صلہ لام آئے تو پھر تو دُعا کرنا ہے۔ اور اگر اسکا صلہ "علیٰ" آ جائے تو اسکا معنیٰ "بد دعا" کرنا ہے۔ جیسا کہ "دَعَوْتُ لَهُ": میں نے اُس کے لئے دُعا کی۔ اور "دَعَوْتُ عَلَیْهِ": میں نے اُس کے لئے بد دعا کی۔ تو دیکھا کہ صلے کے بدلنے سے معنیٰ ہی بدل گیا۔

اِشْتَغَلَ کا معنیٰ تو ہے مشغول ہونا۔ لیکن جب اسکا صلہ "عَنْ" آ جائے تو پھر اسکا معنیٰ مشغول ہونا نہیں بلکہ اعراض کرنا ہے۔ تو ہر وہ کَمْ جس کے بعد ایسا فعل ہو جو اُس سے اعراض نہ کر رہا ہو۔ اور جب وہ فعل اعراض نہیں کر رہا تو معلوم ہوا وہ اُس کے اندر عمل کر رہا ہے۔

بِضمیرِہٖ بَسبَب اُس کے ضمیر کی۔ یعنی وہ فعل ایسا نہ ہو کہ اِسکے ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے اُس سے اعراض کر رہا ہو۔

اس عبارت کو سمجھنے کے لئے "ما اُضْمِرَ عامِلُهُ علیٰ شرِیطَةِ التفسیر" کو دوبارہ دیکھئے۔

بھئی "ما اُضْمِرَ عامِلُهُ علیٰ شرِیطَةِ التفسیر" کی بحث صفحہ نمبر 106 اور 107 میں ہے۔ اُسی میں ایک مثال تھا، "زیدًا ضربتُهُ" اب دیکھئے اگر ہم اسکو "زیدًا ضربتُ" کہیں۔ تو ترکیب یوں ہوگا کہ ضربتُ فعل با فاعل ہے اور زیدًا اِسی ضربتُ کے لئے مفعول بہٖ مقدَّم ہے۔ لیکن اگر ہم یوں کہیں، "زیدًا ضَرَبْتُهُ" تو اب یہی ضربتُ آگے ھا ضمیر کو نصب دیتا ہے۔ تو اب یہی "ضَرَبْتُ" ماقبل والے زید کو نصب نہیں دے سکتا کیونکہ یہی ضربتُ ایک مفعول چاہتا ہے اور وہ آگے ھا ضمیر ہے۔ اب اس زیدًا کے لئے ہمیں عامل چاہئے

جو اِس کو نصب دے رہا ہو۔ اور وہ جو مذکور ضربتُ ہے وہ اس میں عمل نہیں کر رہا۔ تو دیکھو! زیدًا ایسا اسم ہے جس کے بعد فعل آ رہا ہے اور وہ فعل اِسی اسم کے ضمیر میں مشغول ہے، اِس طور پر کہ اگر اسی ضربتُ فعل کو اِسی اسم یعنی زیدًا پر مسلط کر دے یا اسی ضربتُ کے کسی مناسب کو اس زیدًا پر مسلط کر دے تو وہ فعل یا فعل کا مناسب اس زیدًا کو نصب دے سکتا ہے۔

تو یہاں ایک اور ضربتُ ماقبل میں محذوف نکالے۔ ای ضربتُ زیدًا ضَرَبْتُهُ۔ تو یہ ہے "ما اُضْمِرَ عامِلُهُ علیٰ شریطَةِ التفسیر"۔ یعنی اسم کے بعد فعل ہے اور فعل اُسی اسم کے ضمیر میں مشغول ہے۔ اگر یہی فعل اس اسم کے ضمیر میں مشغول نہیں رہتا تو پھر براہ راست اس اسم کو مفعول بناتا۔ لیکن اب چونکہ یہ فعل اِس کے ضمیر میں مشغول ہے تو لہٰذا یہ اب اس میں عمل نہیں کر سکتا تو اب اسی اسم کے لئے اسی فعل جیسا ایک اور فعل محذوف نکالا۔ اور پوری عبارت "ضربتُ زیدًا ضَرَبْتُهُ " بن گئی۔

اب آئیں واپس سبق پر۔ فَكُلُّ ما بَعْدَهُ : ہر وہ "کَمْ" جس کے بعد فِعْلٌ: ایسا فعل ہو غَيْرُ مُشْتَغِلٍ عنهُ: جو اُس سے اعراض نہ کر رہا ہو، یعنی اُسی کے اندر مشغول ہو۔ بِضَمِيرِهِ : اُس کَمْ کی ضمیر کی وجہ سے۔ یعنی کم کی ضمیر میں مشغول نہ ہو۔ اگر وہ فعل کم کی ضمیر میں مشغول ہوا تو پھر تو وہ اُس سے اعراض کر رہا ہوگا۔ جیسا کہ "زیدًا ضربتُهُ" میں یہ ضربتُهُ اعراض کر رہا ہے زیدًا سے۔ کیونکہ ضربتُهُ اِس کے ضمیر کے اندر مشغول ہے۔

كان منصوبا تو یہ کم منصوب ہوگا۔ معمولا معمول ہوگا علیٰ حَسَبِهِ ای علیٰ حَسَبِ عَمَلِ الْفِعْلِ: فعل کے عمل کے مطابق۔ مضاف یہاں محذوف نکالے اور ھا ضمیر فعل کو راجع ہے۔ یعنی یہ "کم" فعل کے عمل کے مطابق منصوب ہوگا۔

بھئی فعل کئی چیزوں کو نصب دیتا ہے۔مفعول بہٖ، مفعول فیہ، مفعول مطلق، حال وغیرہ کئی چیزوں کو نصب دیتا ہے۔ بھئی یہ تو طے ہو گیا کہ جب کَمْ کے بعد کوئی ایسا فعل ہو جو اُس کے ضمیر میں عمل نہ کر رہا ہو تو پھر وہ فعل اس کَمْ کے اندر عمل کریگا اور یہ کَمْ منصوب ہوگا۔ لیکن یہ کَمْ منصوب کس اعتبار سے ہوگا۔ یعنی یہ کَمْ مفعول بہٖ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، یا مفعول فیہ کی وجہ سے منصوب ہے، یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس کا پتہ تمیز سے چلے گا کہ یہ کَمْ کس وجہ سے منصوب ہے۔ تو اب یہاں کم کے آگے آنے والے تمییز سے پتہ چلے گا کہ یہ کَمْ کس وجہ سے منصوب ہے۔

مثالوں سے دیکھو! بات سمجھ میں آئے گی۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "کَمْ رجلاً ضربتَ"۔ یہاں رجلاً تمیز منصوب آ رہا ہے تو یہ بتلا رہا ہے کہ یہ کَمْ منصوب ہے۔ اسی طرح ایک سپاھی جنگ میں نہایت جوانمردی سے لڑتا ہے اور بہت سے کفّار کو واصل جہنم کر دیتا ہے یہاں تک کہ اُس خود بھی پتہ نہیں، تو وہ اپنے ساتھیوں سے اپنے بارے میں پوچھتا ہے، "کَمْ کافرًا قَتَلْتُ"۔ کتنے کافروں کو میں نے قتل کیا۔ تو یہ

ضروری نہیں که کَمۡ استفہامیه کے اندر ہمیشه مخاطب کا صیغه ہو۔ کبھی کبھار متکلم کا صیغه بھی آ سکتا ہے۔ لیکن اکثر مخاطب کا صیغه ہوتا ہے۔ تو مخاطب کا صیغه بھی ایک قرینه ہوتا ہے جو یه بتلائے که کَمۡ منصوب ہے۔ لیکن آپ نے سب سے پہلے تمییز کو دیکھنا ہے۔ تو دوسری مثال میں تمییز "کافرًا" نے بتلایا که یه کَمۡ منصوب ہے۔ اسی طرح "کَمۡ رجلاً ضَرَبۡتُ" میں بھی یه کَمۡ استفہامیه ہے اور منصوب ہے۔ کیونکه تمییز رجلاً نے بتلایا که یه کَمۡ منصوب ہے۔

اب ہم کَمۡ استفہامیه کی مثالیں لیتے ہیں۔ "کَمۡ رجلاً ضربتُ" میں کَمۡ کے بعد ایک فعل "ضَرَبۡتُ" آ رہا ہے۔ اور ضربتُ کے ساتھ کوئی ضمیر بھی ملی ہوئی نہیں جو کَمۡ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ معلوم ہوا یه فعل کَمۡ سے اعراض نہیں کر رہا اُسی ضمیر کے سبب سے۔ تو ایسی صورت میں صاحب کافیهؒ نے بتلایا که یه کَمۡ منصوب ہوگا۔ یه بات تو طے ہو گئی که کَمۡ منصوب ہے اس مثال "کَمۡ رجلاً ضربتُ" میں۔ اور یه کَمۡ معمول ہوگا اس فعل ضربتُ کے لئے۔ چونکه ضربتُ کے لئے مفعول چاہئے تو یه کَمۡ اس ضربتُ کے لئے مفعول ہے۔ اب یه کَمۡ کس اعتبار سے منصوب ہے، تو صاحب کافیهؒ بتلا رہے ہیں که یه تمییز سے پته چلے گا۔ تو یه رجلاً مفعول بہٖ بن سکتا ہے ضربتُ فعل کے لئے۔ رجلاً مفعول فیه نہیں بن سکتا۔ کیونکه مفعول تو زمانے یا مکان کا نام ہوتا ہے اور رجلاً تو اِن میں سے نہیں۔ رجلاً مفعول مطلق بھی نہیں بن سکتا۔ کیونکه مفعول مطلق تو مصدر ہوا کرتا ہے اور ماقبل فعل کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ تو آگے جو یه رجلاً تمییز آئی اس نے بتلایا که کَمۡ منصوب ہے مفعول بہٖ ہونے کے اعتبار سے۔

ترکیب۔ کَمۡ استفہامیه منصوب محلاً مُبۡہَمۡ مُمَیَّز، رجلاً منصوب لفظًا اُسکی تمییز، مُمَیَّز اپنے تمییز سے ملکر مفعول بہٖ مقدَّم ہوا ضربتُ کے لئے، ضربتُ فعل با فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ مقدَّم سے ملکر جمله فعلیه انشائیه ہوا۔ کیونکه استفہام ہے۔ تو کَمۡ منصوب ہے۔ اور مفعول بہٖ ہونے کی وجه سے منصوب ہے۔

اگلی مثال: کَمۡ یَوۡمًا سِرۡتَ: یَوۡمًا تمییز نے بتلایا که یه کَمۡ استفہامیه ہے۔ اسکے بعد فعل آ رہا ہے اور وہ فعل اِس کے ضمیر میں مشغول نہیں۔ تو معلوم ہوا که سرتَ فعل کَمۡ سے اعراض نہیں کر رہا۔ اور جب سرتَ فعل کَمۡ سے اعراض نہیں کر رہا تو اِس صورت میں صاحب کافیه نے بتلایا که یه کَمۡ منصوب ہوگا۔ اور پھر یه منصوب مفعول فیه ہونے کے اعتبار سے ہے کیونکه آگے کَمۡ کی تمییز یَوۡمًا مفعول فیه واقع ہو رہا ہے سِرۡتُ فعل کے لئے۔ ترجمه: کتنے دن تو چلا۔

ترکیب۔ کَمۡ استفہامیه منصوب محلاً مُبۡہَمۡ مُمَیَّز، یَوۡمًا منصوب لفظًا اُسکی تمییز، مُمَیَّز اپنے تمییز سے ملکر مفعول فیه مقدَّم ہوا سرتُ کے لئے، سرتُ فعل با فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیه مقدَّم سے ملکر جمله فعلیه انشائیه ہوا۔

مثال: کَمْ ضَرْبَۃً ضَرَبْتَ: ضربۃً تمییز نے بتلایا که یه کم استفهامیه ہے۔ اب یه دیکھتے ہیں که یه کَمْ منصوب ہے یا مرفوع ہے یا مجرور ہے۔ تو دیکھئے کَمْ کے بعد ایک فعل آرہا ہے۔ اور وہ فعل اس کے ضمیر کے اندر مشغول نہیں اور اس سے اعراض نہیں کر رہا۔ تو ایسی صورت میں کم منصوب ہوتا ہے۔ یه بات تو طے ہو گئی که کم منصوب ہے۔ اب یه کَمْ کس اعتبار سے منصوب ہے۔ تو اس کے تمییز کو دیکھتے ہیں۔ ضَرْبَۃً مصدر ہے تو یه کَمْ مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

ترکیب۔ کَمْ استفهامیه منصوب محلاً مُبْہَمْ مُمَیَّز، ضَرْبَۃً منصوب لفظًا اُسکی تمییز، مُمَیَّز اپنے تمییز سے ملکر مفعول مطلق مقدَّم ہوا ضربتَ فعل کے لئے، ضربتَ فعل با فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق مقدَّم سے ملکر جمله فعلیه انشائیه ہوا۔ ترجمه: کتنی ضربیں تو نے پٹھائی کی۔

کَمِ خبریه کی مثالیں: کَمْ رَجُلٍ ضَرَبْتُ: دیکھئے کَمْ کے بعد فعل آرہا ہے اور وہ فعل اِس کے ضمیر میں مشغول نہیں لہٰذا وہ فعل اس سے اعراض نہیں کر رہا۔ تو اس صورت میں یه کَمْ منصوب ہوتا ہے۔ اور رَجُلٍ ممیّز فعل ضربتُ کے لئے مفعول بہٖ واقع ہو رہا ہے تو یه کَمْ مفعول بہٖ کے اعتبار سے منصوب ہے۔

ترکیب۔ کَمْ منصوب محلاً مُضاف، رجلٍ مجرور لفظًا مضافٌ الیه، مُضاف اپنے مضافٌ الیه سے ملکر یه مفعول بہٖ مقدَّم ہوا ضربتُ کے لئے، ضربتُ فعل با فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ مقدَّم سے ملکر جمله فعلیه خبریه ہوا۔ کیونکه کَمْ خبریه ہے۔ تو کَمْ منصوب ہے۔ اور مفعول بہٖ ہونے کی وجه سے منصوب ہے۔

مثال: کَمْ ضَرْبَۃٍ ضَرَبْتُ: دیکھئے کَمْ کے بعد فعل آرہا ہے اور وہ فعل اِس کے ضمیر میں مشغول نہیں لہٰذا وہ فعل اس سے اعراض نہیں کر رہا۔ تو اس صورت میں یه کَمْ منصوب ہوتا ہے۔ اور ضَرْبَۃٍ تمییز فعل ضربتُ کے لئے مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے تو یه کَمْ مفعول مطلق کے اعتبار سے منصوب ہے۔

ترکیب۔ کَمْ منصوب محلاً مُضاف، ضَرْبَۃٍ مجرور لفظًا مضافٌ الیه، مُضاف اپنے مضافٌ الیه سے ملکر یه مفعول مطلق مقدَّم ہوا ضربتُ کے لئے، ضربتُ فعل با فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول مطلق مقدَّم سے ملکر جمله فعلیه خبریه ہوا۔ کیونکه کَمْ خبریه ہے۔ تو کَمْ منصوب ہے۔ اور مفعول مطلق ہونے کی وجه سے منصوب ہے۔

مثال: کَمْ یَوْمٍ سِرْتُ: دیکھئے کَمْ کے بعد فعل آرہا ہے اور وہ فعل اِس کے ضمیر میں مشغول نہیں لہٰذا وہ فعل اس سے اعراض نہیں کر رہا۔ تو اس صورت میں یه کَمْ منصوب ہوتا ہے۔ اور یَوْمٍ تمیز فعل ضربتُ کے لئے مفعول مطلق واقع ہو رہا ہے تو یه کَمْ مفعول مطلق کے اعتبار سے منصوب ہے۔

ترکیب۔ کَمْ منصوب محلاً مُضاف، یَوْمٍ مجرور لفظًا مضافٌ الیه، مُضاف اپنے مضافٌ الیه سے ملکر یه مفعول فیه مقدَّم ہوا ضربتُ کے لئے، ضربتُ فعل با فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول فیه مقدَّم سے ملکر

جمله فعلیه خبریه ہوا۔ کیونکہ کَمْ خبریہ ہے۔ تو کَمْ منصوب ہے۔ اور مفعول فیه ہونے کی وجه سے منصوب ہے۔

اب صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں که کس صورت میں کَمْ مجرور محلاً ہوگا۔ **و کُلُّ ما قبلَهُ حرفُ جَرٍّ او مضافٌ فمجرورٌ** اور ہر وہ کَمْ که اُس سے پہلے حرف جرّ ہو یا اُس سے پہلے مضاف ہو تو کم مجرور ہوگا۔ بھئی حرف جرّ جب داخل ہوگا تو لازمی بات ہے که کَمْ مجرور ہوگا۔ اور یه محلاً مجرور ہوگا کیونکه مبنی ہے۔ اور اگر کَمْ سے پہلے مضاف آجائے تو یه کَمْ مضافٌ الیه ہوگا تو اس صورت میں بھی لازمی بات ہے که یه کَمْ مجرور ہوگا اور محلاً مجرور ہوگا۔

جیسے، بِکَمْ دِرْھَمًا اِشْتَرَیْتَ: اب کَمْ پر حرف جرّ با داخل ہوا۔ ترکیب۔ با جارّہ کم مجرور محلاً مُبْہَم مُمَیَّز، دِرْھَمًا منصوب لفظًا اُسکی تمیز، مبہم ممیز اپنے تمییز سے ملکر مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے اشتریتَ فعل کے ساتھ۔ اشتریتَ فعل با فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جمله فعلیه انشائیه ہوا۔ یه کَمْ اس لئے استفھامیه ہے کیونکه آگے دِرْھَمًا تمیز جو منصوب آ رہا ہے۔

کم خبریه کی مثال: بِکَمْ دِرْھَمٍ اشتریتُ: دِرْھَمٍ مجرور نے بتلایا که یه کَمْ خبریه ہے۔ ترکیب۔ با جارّہ کم مجرور محلاً مُضاف، دِرْھَمًا منصوب لفظًا مضافٌ الیه، مضاف اپنے مضافٌ الیه سے ملکر مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے اشتریتُ فعل کے ساتھ۔ اشتریتُ فعل با فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جمله فعلیه خبریه ہوا۔ یه کَمْ اس لئے خبریه ہے کیونکه آگے دِرْھَمٍ تمیز جو مجرور آرہا ہے۔

مضاف کی صورت میں مثال: غلامَ کَمْ رجلًا ضربتَ: غلامَ منصوب لفظًا مضاف، کَمْ مجرور محلاً مبھم مُمَیَّز، رجلاً منصوب لفظًا تمیز، مبہم ممیز اپنے تمیز کے ساتھ ملکر مضافٌ الیه، مضاف اپنے مضافٌ الیه کے ساتھ ملکر مفعول بہٖ، ضربتَ فعل با فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ مقدَّم کے ساتھ ملکر جمله فعلیه انشائیه ہوا۔ یه کَمْ استفھامیه ہے کیونکه آگے رجلاً منصوب ہے۔

اب صاحب کافیه کَمْ کے مرفوع محلاً ہونے کی صورت کے بارے میں بتلا رہے ہیں۔ **و الا** اور اگر ایسا نه ہو۔ یعنی اُس کَمْ کے بعد ایسا فعل نہیں جو اِس کَمْ میں عمل کر رہا ہو، بلکه فعل تو ہے لیکن اِس کَمْ کی ضمیر میں مشغول ہے۔ اور یا اِس کَمْ کے بعد سرے سے کوئی فعل ہی نہیں۔ دوسرا یه که اُس کم سے پہلے حرف جرّ یا مضاف بھی نه ہو۔ تو پھر اِس صورت میں کَمْ مرفوع محلاً ہوگا۔ **فَمَرْفُوعٌ** تو کَمْ مرفوع ہوگا۔ پھر یه مرفوع مبتدا ہونے کی بنا پر بھی ہو سکتا ہے اور خبر ہونے کی بنا پر بھی مرفوع ہو سکتا ہے۔ بھئی یه مبتدا اور خبر کا پته کیسے چلے گا؟

یه پته تو چل گیا که اس کے بعد ایسا فعل نہیں جو اِس کَمْ میں عمل کر رہا ہے۔ اور اگر اِس کَمْ کے بعد فعل ہے تو وہ ایسا فعل ہے جو اِس کَمْ کی ضمیر میں مشغول ہے۔ یا سرے سے کوئی فعل ہی اِس کَمْ

کے بعد نہیں آرہا۔ نیز اِس کَمْ پر نہ کوئی حرف جرّ داخل ہے اور نہ ہی مضافٌ الیہ داخل ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ اب یہ کَمْ مرفوع ہی ہوگا۔ یہ بات تو طے ہو گئی ۔

لیکن مرفوع ہونے کی صورت میں یہ مبتدا بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی۔ تو پتہ کیسے چلے گا کہ یہ مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہے یا خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے۔

فرماتے ہیں اُسی تمییز کے اندر غور کر لیں۔ اگر اُس کی تمییز ظرف ہے۔ تو پھر یہ کَمْ خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہوگا۔ کیونکہ جو ظرف ہوتا ہے وہ مبتدا کبھی واقع نہیں ہوتا۔ اور اگر اس کی تمییز ظرف نہیں ہے تو پھر یہ کَمْ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

مُبْتَدَءٌ مبتدا ہوگا۔ **اِنْ لَمْ یَکُنْ ظرفًا** اگر وہ ظرف نہ ہو۔ جیسے "کَمْ رجلٍ جاءَنِی"۔ کَمْ کے بعد تمییز رجلٍ آرہا ہے۔ اور کم کے بعد فعل جاءنی آرہا ہے۔ اور یہ تمییز اُس فعل جاءَنِی کے لئے مفعول نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ جاءَ تو فعل لازم ہے اور فعل لازم تو مفعول کا تقاضا نہیں کر رہا۔ لہٰذا یہ کم رجلٍ مفعول بن سکتا تھا لیکن جاءَ فعل مفعول کا تقاضا ہی نہیں کر رہا۔ جب مفعول نہیں بنتا تو معلوم ہوا یہ جاءَ فعل اسکے اندر عامل نہیں ہو سکتا۔ تو اِس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ کَمْ منصوب نہیں۔ پھر دیکھئے کَمْ پر حرف جرّ بھی کوئی داخل نہیں اور نہ ہی کوئی مضاف اس پر داخل ہے۔ اور جب مضاف بھی داخل نہیں اور حرف جرّ بھی داخل نہیں تو معلوم ہوا یہ مجرور بھی نہیں۔ تو پھر یہ مرفوع ہی ہوگا۔

اور مرفوع ہونے میں دو صورتیں تھی۔ یا تو مبتدا ہونے کی بنا پر مرفوع ہوگا اور یا خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہوگا۔ اب "کَمْ رجلٍ جاءَنِی" میں دیکھئے کَمْ کے بعد تمییز غیرِ ظرف ہے۔ اور جب تمییز ظرف نہ ہو تو پھر کَمْ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

ترکیب۔ کَمْ مرفوع محلاً مضاف، رجلٍ مجرور لفظًا مضافٌ الیہ، مضاف مضافٌ الیہ ملکر مبتدا، جاءَ فعل ہو ضمیر اسکے اندر فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے کَمْ کو، نون وقایہ، یا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہٖ، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، تو مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

مثال: کَمْ یَوْمًا سَفَرُکَ: اس مثال میں کَمْ کے آگے کوئی فعل ہی نہیں آرہا تو معلوم ہوا کہ یہ منصوب ہی نہیں۔ نیز اس پر نہ حرف جرّ داخل ہے اور نہ ہی مضاف داخل ہے تو معلوم ہوا کہ یہ مجرور بھی نہیں۔ تو اب یہ طے ہو گیا کہ یہ کَمْ مرفوع ہے۔ اور یہ کَمْ یہاں پر خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے کیونکہ جو تمییز ہے وہ ظرف واقع ہو رہا ہے۔ اور ظرف کبھی مبتدا نہیں بنتا۔ **و خبرٌ** اور خبر ہوگا۔ یعنی کَمْ خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا **اِنْ کان ظرفا** اگر وہ ظرف ہو۔

تو صاحب کافیہؒ نے کَمْ کے اندر چار وُجُوہِ اعراب بتلا دی۔ کم منصوب بھی ہو سکتا ہے، مجرور بھی ہو سکتا ہے اور مرفوع بھی ہو سکتا ہے۔ اور مرفوع میں پھر وہ مبتدا بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی ہو سکتا ہے۔ تو یہ کُل چار وجوہِ اعراب ہو گئیں۔

درس 87۔ وَكَذٰلِكَ اَسْمَاءُ الِاسْتِفْهَامِ وَالشَّرْطِ اور اِسی طرح ہے اسمائے استفہام اور اسمائے شرط۔

وہ اسماء جو استفہام کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اسی طرح وہ اسماء جو شرط کے لئے استعمال ہوتے ہیں اُن میں بھی کَمْ کی طرح یہی چار وُجُوہِ اعراب جاری ہوں گی۔ لیکن اِس کا یہ معنیٰ نہیں کہ ہر ایک میں یہ چاروں وُجوہِ اعراب جاری ہوں گی۔ بلکہ بعض کے اندر چاروں جاری ہوں گی اور بعض کے اندر اِن میں سے کچھ وجوہِ اعراب جاری ہوں گی اور کچھ جاری نہیں ہوں گی۔ یہ نہیں کہ جو بھی اسم استفہام آ جائے یا جو بھی اسمِ شرط آ جائے اور اُس کے اندر یہ چاروں وُجوہِ اعراب جاری ہوں۔

اسمائے استفہام و اسمائے شرط : مَنْ، مَا، اَیٌّ، اَیْنَ، اَنّٰى، مَتٰى - یہ چھ اسماء استفہام کے لئے بھی آتے ہیں اور شرط کے لئے بھی۔ جبکہ اِذَا صرف شرط کے لئے آئے گا۔ اور "کَیْفَ اور اَیَّانَ" صرف استفہام کے لئے آئیں گے۔

اب یاد رکھو! مَنْ اور مَا استفہامیہ ہوں یا شرطیہ ہوں اِن کے اندر پہلی تین وُجُوہ اعراب آئیں گے۔ یہ منصوب بھی آسکتے ہیں، مجرور بھی آسکتے ہیں اور مرفوع بھی آسکتے ہیں مبتدا ہونے کی بناء پر۔ البتہ چوتھی وجہ اعراب جو خبر ہے وہ اِن میں جاری نہیں ہوں گی۔ یعنی یہ مَنْ اور مَا خبر نہیں بنیں گی کبھی بھی۔ اس لئے کہ صاحب کافیہؒ نے خبر ہونے کے لئے ظرف کی شرط لگائی تھی۔ اور یہ دونوں مَنْ اور مَا ظرف واقع نہیں ہوتے۔

مثالیں: مَنْ اور مَا جب استفہام کے لئے آئیں۔ مَنْ ضَرَبْتَ اور مَا صَنَعْتَ۔

مَنْ ضَرَبْتَ میں مَنْ کے بعد ایک فعل آ رہا ہے اور وہ فعل اس مَنْ کی ضمیر کی وجہ سے اِس سے اعراض کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی ضَرَبْتَ کے ساتھ کوئی غائب کی ضمیر ساتھ نہیں۔ اگر ضَرَبْتَ کے ساتھ غائب کی ضمیر ہوتا تو پھر ہم کہتے کہ یہ فعل مَنْ کے ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے مَنْ استفہامیہ سے اعراض کر رہا ہے۔ تو کَمْ کی طرح یہاں مَنْ منصوب ہے۔ اور یہ مَنْ ما بعد فعل کے لئے مفعول بنے گا۔

ترکیب۔ مَنْ منصوب محلاً مفعول بِہٖ مقدَّم، ضربتَ فعل با فاعل اسکے اندر تاءٌ فاعل ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول مقدَّم سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ ترجمہ: تو نے کس کی پٹھائی کی۔

مَا صَنَعْتَ: تو نے کیا کیا؟ مَا صَنَعْتَ میں مَا کے بعد ایک فعل آ رہا ہے اور وہ فعل اس مَا کی ضمیر کی وجہ سے اِس سے اعراض کرنے والا نہیں ہے۔ یعنی صَنَعْتَ کے ساتھ کوئی غائب کی ضمیر ساتھ نہیں۔ اگر صَنَعْتَ کے ساتھ غائب کی ضمیر ہوتا تو پھر ہم کہتے کہ یہ فعل مَا کے ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے مَا استفہامیہ سے اعراض کر رہا ہے۔ تو کَمْ کی طرح یہاں مَا منصوب ہے۔ اور یہ مَا اپنے ما بعد فعل کے لئے مفعول بنے گا۔

ترکیب۔ مَا منصوب محلاً مفعول بِہٖ مقدَّم، صَنَعْتَ فعل با فاعل اسکے اندر تاءٌ فاعل ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول مقدَّم سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ ترجمہ: تو نے کیا کیا؟

تو یہ دونوں مَنْ اور مَا منصوب آئیں۔ یہ دونوں کبھی مجرور بھی ہو سکتے ہیں۔ جب اِن پر حرف جرّ یا مضاف داخل ہوں گا۔ مثلاً بِمَنْ مَرَرْتَ یا غلامَ مَنْ ضَرَبْتَ۔

بِمَنْ مَرَرْتَ کی ترکیب۔ با جارّہ مَنْ مجرور محلاً ، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے مررتَ فعل سے، مررتَ فعل با فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ ترجمہ: تو کس پر گزرا؟

غلامَ مَنْ ضَرَبْتَ: کس کی غلام کی تو نے پٹھائی کی؟ غلامَ منصوب لفظًا مضاف، مَنْ مجرور محلاً مضافٌ الیہ، مضاف اپنے مضافٌ الیہ سے ملکر مفعول بہٖ مقدَّم، ضربتَ فعل با فاعل۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول مقدَّم سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

مَنْ ضَرَبْتَهُ اور مَا صَنَعْتَهُ۔

مَنْ ضَرَبْتَهُ میں مَنْ کے بعد ایک فعل آرہا ہے جو مَنْ کی ضمیر میں مشغول ہونے کی وجہ سے مَنْ سے اعراض کر رہا ہے۔ اور جب ضَرَبْتَ فعل مَنْ کے ضمیر میں مشغول ہے تو وہ مَنْ کے ضمیر کو نصب دے سکتا۔ لہٰذا یہ فعل مَنْ کو نصب نہیں دے سکتا۔ تو معلوم ہوا یہ منصوب نہیں۔ اور نیز اِس مَنْ پر کوئی حرف جرّ یا مضاف بھی داخل نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ مجرور بھی نہیں۔ تو تیسری صورت یہ رہ گئی کہ یہ مرفوع ہے۔ اور مرفوع پھر مبتدا ہونے کی بناء پر ہے۔ اور خبر ہونے کی بناء پر یہ مرفوع نہیں۔ اور خبر اس وقت ہوگا جب یہ ظرف واقع ہوں گے۔ لیکن مَنْ اور مَا کبھی ظرف واقع نہیں ہوتے۔

ترکیب۔ مَنْ مرفوع محلاً مبتدا، ضربتَ فعل با فاعل، ھا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہٖ جو کہ مبتدا کو راجع ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔

مَا صَنَعْتَهُ کی ترکیب۔ مَا مرفوع محلاً مبتدا، صَنَعْتَ فعل با فاعل، ھا ضمیر منصوب محلاً مفعول بہٖ جو کہ مبتدا کو راجع ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔

تو دیکھا جب مَنْ اور مَا استفہامیہ ہوں تو اِن میں تینوں وُجُوہ جاری ہوئی۔ نصب کی مثال بھی اوپر گزرا، جرّ کی مثال بھی اوپر گزرا اور رفع کی مثال بھی اُوپر گزری۔

اسی طرح یہ مَنْ اور مَا جب شرط کے لئے آئیں تو وہ مثالیں درج ذیل ہیں۔

مَنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ، مَا تَصْنَعْ اَصْنَعْ، بِمَنْ تَمُرَّ اَمُرَّ، مَنْ يَأْتِنِي فَهُوَ مُكَرَّمٌ۔

مَنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ: مَنْ تَضْرِبْ (شرط) میں مَنْ کے بعد فعل آرہا ہے اور وہ فعل اس مَنْ کی ضمیر میں مشغول نہیں۔ اور جب وہ فعل اس کی ضمیر میں مشغول نہیں تو وہ اِس مَنْ کو نصب دے سکتا ہے۔ لہٰذا یہ مَنْ منصوب ہوگا مفعول ہونے کی بناء پر۔ ترکیب۔ مَنْ منصوب محلاً مفعول مقدَّم، تَضْرِبْ فعل انتَ ضمیر مرفوع محلاً اسکے اندر اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ مقدَّم سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر

شرط، اَضْرِبْ فعل اَنا ضمیر مرفوع محلاً اسکے اندر اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا ملکر جملہ شرطیہ ہوا۔ (یہ نہ کہنا کہ جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا۔ شرطیہ جزائیہ کوئی نام نہیں۔)

مَا تَصْنَعْ اَصْنَعْ : مَا تَصْنَعْ میں مَا کے بعد فعل آرہا ہے اور وہ فعل مَا کی ضمیر میں مشغول نہیں۔ لہٰذا وہ مَا کو نصب دے سکتا ہے۔ تو یہ مَا مفعول بہٖ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوا۔ ترکیب۔ مَا منصوب محلاً مفعول مقدَّم، تَصْنَعْ فعل انتَ ضمیر مرفوع محلاً اسکے اندر اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ مقدَّم سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اَصْنَعْ فعل اَنا ضمیر مرفوع محلاً اسکے اندر اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا ملکر جملہ شرطیہ ہوا۔

ان دونوں مثالوں میں مَنْ اور مَا اسم شرط ہیں۔ اور جب یہ اسم شرط ہو تو کبھی منصوب بھی ہوا کرتے ہیں جیسا اِن دو مثالوں میں دیکھا آپ نے۔

مَنْ اور مَا اسم شرط کبھی مجرور بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بِمَنْ تَمُرَّ اَمُرَّ: با جارَّہ، مَنْ مجرور محلاً، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے تَمُرَّ فعل کے، تَمُرَّ فعل انتَ ضمیر مرفوع محلاً اسکے اندر اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر شرط، اَمُرَّ فعل اَنا ضمیر مرفوع محلاً اسکے اندر اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر جزا، شرط جزا ملکر جملہ شرطیہ ہوا۔

تَمُرَّ اور اَمُرَّ منصوب نہیں بلکہ مجذوم ہیں۔ یہ مُضاعف ہیں۔ اور مضاعف کے اندر ہم نے پڑھا ہے۔ نصَبْ پڑھنا بھی جائز ہوتا ہے۔ تو یہاں تَمُرَّ، تَمُرِّ، تَمُرُّ، تَمْرُرْ چاروں طرح پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی بِمَنْ تَمْرُرْ اَمْرُرْ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بِمَنْ تَمُرُّ اَمُرُّ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ بِمَنْ تَمُرِّ اَمُرِّ یہ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

مَنْ یَأتِینِی فَھُوَ مُکَرَّمٌ : اَتیٰ یَأتِیْ فعل لازم ہے اور فعل لازم صرف فاعل کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذ مَنْ یہاں یَأتِی فعل کے لئے مفعول بہٖ نہیں بن سکتا۔ لہٰذ مَنْ یہاں پر منصوب نہیں۔ دوسرا اس پر نہ کوئی حرف جرّ داخل ہے نہ ہی مضاف۔ تو مَنْ یہاں پر مجرور بھی نہیں بن سکتا۔ پس تیسرا صورت یہ کہ مَنْ یہاں پر مرفوع ہوگا اور وہ بھی مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ ترکیب۔ مَنْ مرفوع محلاً مبتدا، یَأتِیْنِی یہ پورا جملہ اس کے لئے خبر بنے گا۔ مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہو کر شرط۔ فَھُوَ مُکَرَّمٌ میں ھو مکرَّمٌ مبتدا خبر ملکر جزا، شرط جزا ملکر جملہ شرطیہ ہوا۔

درس 88۔ | وفی مِثْلِ ع کَمْ عَمَّۃٌ لک یا جریرُ و خالۃ | :: | ثَلٰثَۃَ اَوْجُہٍ | اس میں تین وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ یہ شعر ہے اور ایک مصرعہ اِنہوں نے دیا ہوا ہے۔ اِس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے۔ فَدَعَاءَ قَدْ حلبتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ۔ کہتے ہیں اِس قسم کے مثالیں جیسے :

" کَمْ عَمَّۃً لَکَ یا جریرُ و خالَۃً فَدْعاءُ قَدْ حَلَبَتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ " اِس میں تین وجہیں اعراب جائز ہیں۔

كَمْ استفهاميه كى صورت ميں ترجمه: كَمْ عَمَّةً لَكَ يا جريرُ اے جرير تيرى كتنى پھوپھياں ہيں؟ و خالَةً اور تيرى كتنى خالائيں ہيں؟ فَدْعَاءَ ٹيڑھے ہاتھ پاؤں والى قَدْ حلبتْ كه اُنھوں نے دودھ نكالا ہے۔ حلب: دودھ نكالنا، دودھ دوھنا، عَلَيَّ مجھ پر يعنى ميرے لئے عِشَارِيْ دس ماہ كى حامله اُونٹنيوں كا۔

يعنى اے جرير تيرى كتنى پھوپھياں ہيں اور كتنى خالائيں ہيں ٹيڑھے ہاتھ پاؤں والى، جنھوں نے ميرے لئے دودھ نكالا ہے دس ماہ كى حامله اونٹنيوں كا۔

كَمْ خبريه كى صورت ميں ترجمه: كَمْ عَمَّةٍ لَكَ يا جريرُ اے جرير تيرى بہت سى پھوپھياں و خالَةٍ اور تيرى بہت سى خالائيں ہيں۔ فَدْعَاءَ ٹيڑھے ہاتھ پاؤں والى قَدْ حَلَبَتْ كه اُنھوں نے دودھ نكالا ہے۔ عَلَيَّ ميرے لئے عِشَارِيْ دس ماہ كى حامله اُونٹنيوں كا۔

تو صاحب كافيهؒ فرماتے ہيں كه اِس قسم كے مثالوں ميں تين وجه اعراب پڑھنا جائز ہيں۔ اِس قسم كى مثالوں سے كيا مراد ہے؟ اِس سے مراد وه جگہيں ہيں جہاں كم استفهاميه اور كم خبريه دونوں كا احتمال ہوں۔ يہاں پر ہم "كَمْ" كو استفهاميه بھى بنا سكتے ہيں اور كَمْ كو خبريه بھى بنا سكتے ہيں۔ تو ايسى مقامات جہاں پر كَمْ كو استفهاميه بنانا بھى جائز ہو اور كم كو خبريه بنانا بھى جائز ہو۔ نيز كَمْ كے آگے "عَمَّة" آ رہى ہے۔ تو اِس كو آپ چاہے تو كَمْ كى تميز بنا دے، تو استفهاميه كى صورت ميں "كَمْ عَمَّةً" پڑھيں گے۔ كيونكه كَمْ اِستفهاميه كى تميز منصوب ہوتى ہے۔ اور خبريه كى صورت ميں "كَمْ عَمَّةٍ" پڑھيں گے۔ كيونكه كَمْ خبريه كى تميز مجرور ہوتى ہے۔ اور يہاں پر كَمْ مضاف ہوگا اور عمَّةٍ مضافٌ اليه ہوگا۔

اور آپ چاہے تو اسكو مرفوع پڑھيں، "كَمْ عَمَّةٌ لَكَ"۔ بھئى كَمْ كى تميز تو يا منصوب ہوتى ہے يا مجرور۔ تو اِس عَمَّةٌ جو كه مرفوع ہے، اِسكو آپ نے كس طرح كَمْ كى تميز بنايا۔ جواب يه ہے كه عَمَّةٌ كو ہم نے كَمْ كے لئے تميز نہيں بنايا ہے بلكه اسكى تميز محذوف ہے۔ تو يہاں پر تميز كو محذوف نكالنا بھى جائز اور اسى عَمَّة كو تميز بنانا بھى جائز۔ اور وه جو تميز محذوف نكاليں گے اُسكى بحث نيچے ذكر ہے۔ حلبة اور مرّة دونوں تميز محذوف نكال سكتے ہيں۔

تو صاحب كافيه فرماتے ہيں كه اِس قسم كے مثالوں ميں جہاں پر كَمْ كو خبريه بنانا بھى جائز اور كَمْ كو استفهاميه بنانا بھى جائز۔ اور جہاں پر مذكور كو تميز بنانا بھى جائز اور تميز كو محذوف نكالنا بھى جائز۔ ايسے مواقع پر تين وجہيں جائز ہيں۔ يعنى تين وجہيں اعراب پڑھنا جائز ہے۔

يه شعر فَرَزْدَقْ كا ہے۔ فَرَزْدَقْ پہلى صدّى ہجرى كا بڑا مشہور شاعر گزرا ہے۔ جَرير يه بھى پہلى صدّى ہجرى كا ايک بڑا شاعر ہے۔ اُس كى مَذَمَّت بيان كر رہا ہے يعنى ہِجُو كر رہا ہے۔

ياد ركھو! شعراء كے كلام كو نحوُ وغيره كے اندر بطور دليل كے ذكر كيا جاتا ہے۔ اگر وه شاعر زمانه جاہليت كا شاعر ہو تب بھى اُس كا كلام بطور دليل كے ذكر كيا جاتا ہے۔ اور وه شعراء جنھوں نے جاہليت كا زمانه بھى ديكھا اور اسلام كا زمانه بھى پايا اُن كے كلام كو بھى بطور دليل كے پيش كيا جاتا

ہے۔ اِس قسم کے شعراء کو مُخَضْرَمِیْنْ کہتے ہیں۔ اور وہ شعراء جو اِسلام کے دور میں پیدا ہوئے پہلی صدی تک اُن کے کلام کو بھی بطور دلیل کے پیش کیا جاتا ہے۔

یاد رکھو! عرب کے اندر شعراء کو بڑی فضیلت حاصل تھی۔ شاعر قوم کا بے تاج بادشاہ ہوا کرتا تھا۔

تو فَرَزْدَقْ اور جریر دونوں چوٹی کے شعراء تھے۔ اِن دونوں میں آپس میں مخالفت تھی۔ اور ایک دوسرے کے خلاف بھی شعر کہتے تھے۔

اب آئیں اعراب کی طرف۔ تو اِس قسم کے مثالوں میں تین قسم کے اعراب پڑھنا جائز ہے۔ تو یہ تین قسم کے اعراب "کَمْ" کے اندر جائز ہے یا "عَمَّۃ" کے اندر جائز؟ تو دو قسم کے اقوال ہیں۔

بعض علماءؒ فرماتے ہیں کہ صاحب کافیہؒ کا مراد یہ ہے کہ تین قسم کے اعراب "کَمْ" کے اندر جاری ہوں گے۔ ایک وجہ اعراب یہ کہ کَمْ کو مفعولِ مطلق ہونے کی بناء پر منصوب محلاً ہوگا۔ یا یہ کَمْ مفعول فیہ ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا۔ اور تیسرا وجہ اعراب یہ ہے کہ یہ کَمْ مرفوع ہوگا مبتدا ہونے کی بناء پر۔

کَمْ کے اعراب کی پہلی وجہ: اگر کَمْ کو مرفوع مانے تو پھر یہ مبتدا ہوگا اسکی وضاحت:

کَمْ کو چاہے استفہامیہ بناؤ یا خبریہ بناؤ اور آگے عمّۃ کو اسکی تمیز بناؤ۔ اگر کَمْ کو استفہامیہ بنائے تو پھر یوں ہوگا، "کَمْ عَمَّۃً" اب یہ مبتدا ہے اور خبر اگلے مصرعہ میں "قَدْ حلبتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ" ہے۔

اگر کَمْ کو خبریہ بنائیں تو پھر "کَمْ عَمَّۃٍ" یہ مبتدا ہے اور خبر اگلے مصرعہ میں "قَدْ حلبتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ" ہے۔

کَمْ کے اعراب کی دوسری وجہ: کَمْ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اسکی وضاحت:

کَمْ استفہامیہ کی صورت میں: کَمْ حَلْبَۃً بھی جائز اور کَمْ خبریہ کی صورت میں "کَمْ حَلْبَۃٍ" یہ بھی جائز۔ یہ حَلْبَۃً مصدر ہے حلبتْ فعل کے لئے۔ تو جب ہم نے اسے "کَمْ حَلْبَۃً" یا "کَمْ حَلْبَۃٍ" پڑھا تو یہ قَدْ حلبتْ کے لئے مفعولِ مطلق ہوا۔ اور "قَدْ حَلَبَتْ عَلَیَّ عِشَاری" یہ ابھی بھی خبر ہے مبتدا "عَمَّۃٌ لَکَ" کے لئے۔

کَمْ کے اعراب کی تیسری وجہ: کَمْ مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اسکی وضاحت:

مفعول فیہ ہونے کے لئے یہ "مَرَّۃ" تمیز محذوف نکالے۔ کَمْ استفہام کی صورت میں "کَمْ مَرَّۃً" او خبریہ ہونے کی صورت میں، "کَمْ مَرَّۃٍ"۔ مَرَّۃ کا معنیٰ ہے مرتبہ۔ اور مَرَّۃً یا مرتبہ یہ ظرف ہے مفعول فیہ واقع ہو رہا ہے۔ یعنی میں نے اُسکی ایک مرتبہ پٹھائی کی۔ یا میں نے دو مرتبہ اُسکی پٹھائی کی یا میں نے تین مرتبہ اُسکی پٹھائی کی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تین الگ الگ زمانوں میں اِسکی پٹھائی کی۔ تو مَرَّۃ یہ زمانے کا نام ہے۔ اگر "کَمْ مَرَّۃً" یا "کَمْ مَرَّۃٍ" نکالے تو یہ ظرف واقع ہوگا اُسی حلبتْ کے لئے۔

جبکہ بعض علماءؒ فرماتے ہیں کہ کَمْ کی جو تمیز آگے آرہی ہے اُس کے اندر تین وُجُوہِ اعراب جائز ہے۔ یعنی عَمَّةً منصوب پڑھنا بھی جائز، عَمَّةٍ مجرور پڑھنا بھی جائز، عَمَّةٌ مرفوع پڑھنا بھی جائز۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ کَمْ کو استفہامیہ بنانا بھی جائز اور خبریہ بنانا بھی جائز۔ نیز اِسی مذکور کو کَمْ کے لئے تمییز بنانا بھی جائز اور تمیز کو محذوف نکالنا بھی جائز۔ اور عَمَّة کے اندر بھی تین وجوہِ اعراب آ سکتے ہیں۔

اور یاد رکھو! "کَمْ عَمَّةٌ لَـکَ یا جریرُ و خالَةٌ" میں یہ "لَـکَ" صفت ہے عَمَّة کے لئے۔ ایک ضابطہ ہے کہ نکرہ کے بعد جب جار مجرور آجائے تو یہ جار مجرور عموماً نکرہ کے لئے صفت بنتا ہے۔ تو یہاں پر عمّة نکرہ ہے اور "لَـکَ" جار مجرور اس کے لئے صفت ہے۔ عَمَّةٌ ثابتَةٌ لکَ : ایسی پھوپھیاں جو ثابت ہے تیرے لئے یعنی تیری پھوپھیاں۔ یا جریرُ اے جریر، " وَ خالَةٌ " خالة کا عطف اُسی عَمَّة پر ہے۔

فَدْعَاءُ فَدْعَاء: ٹیڑھے ہاتھ پاؤں والی، اور یہ صفت ہے خالة کی۔ اگر خالة پر رفع پڑھیں گے تو اسکی صفت فَدْعاءُ پر بھی رفع پڑھیں گے۔ اسی طرح خالة پر نصب یا جرّ پڑھیں گے تو فَدْعاء پر بھی نصب یا جرّ پڑھیں گے۔ البتہ خالة کا لفظ منصرف ہے جبکہ فَدْعاء کا لفظ غیر منصرف ہے۔ اور غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا۔ لہٰذا حالت رفعی میں فَدْعَاءُ پڑھیں گے اور نصبی جرّی میں فَدْعَاءَ پڑھیں گے۔ اسکے اندر وصفیت بھی ہے اور تانیث بھی ہے۔ تو یہ دو سبب کی وجہ سے غیر منصرف ہوگیا۔ اور اسکے آخر میں الفِ تانیث یعنی الفِ ممدودہ بھی ہے اور یہ سبب خود دو سببوں کے قائم مقام ہے۔

یہ فَدعاء خالة کی بھی صفت ہے اور عَمَّة کے لئے بھی صفت ہے لیکن وہاں سے حذف کر دیا۔ وہاں پر عَمّة کے لئے فدعاء صفت ذکر نہیں کی کیونکہ اُس پر آگے آنے والا فدعاء دلالت کر رہا تھا۔ جیسے عمّة کے لئے "لَکَ" صفت ذکر کی اور خالة کے لئے "لَکَ" صفت ذکر نہیں کی اور حذف کر دیا، کیونکہ پہلی صفت اُس پر دلالت کر رہی ہے۔ تو "عمّة اور خالة" دونوں کے لئے "لَکَ" بھی صفت ہے اور "فدعاء" بھی صفت ہے۔ لیکن ایک میں ایک ذکر کی اور دوسری میں دوسری۔ اور ایک صفت کو ہر ایک سے حذف کر دیا کیونکہ دوسرا اُس پر دلالت کر رہا تھا۔

کَمْ عَمَّةً لَـکَ یا جریرُ و خالَةً فَدْعاءَ قَدْ حلبتْ عَلَيَّ عِشارِیْ کی ترکیب۔ کَمْ کو استفہامیہ اور مبتدا بناتے ہیں۔ کَمْ مرفوع محلاً مُبْہَمْ مُمَیَّزْ، عَمَّةً منصوب لفظًا موصوف، لَکَ جار مجرور متعلّق ہوئے ثابِتَـةً سے، ثابِتَـةً صیغہ اسم فاعل اس کے اندر ہِیَ ضمیر مرفوع محلاً اسکے لئے فاعل جو کہ راجع ہے موصوف کو، ثابِتَـةً صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر موصوف عَمَّةً کے لئے صفت، موصوف صفت ملکر معطوفٌ علیہ، "یا جریرُ" یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ وہ جملہ جس کا نہ ماقبل سے تعلُّق ہو اور نہ ہی ما بعد سے تعلق ہو اُسے جملہ معترضہ کہتے ہے۔ اس کو ابھی چھوڑ دیں۔ واو حرف عطف، خالَـةً منصوب لفظًا موصوف، فَدْعَاءَ صفت، اسکے اندر ھی ضمیر جو کہ راجع ہے خالة کو،

فدعاء شبہ جملہ ہو کر خالَۃً کے لئے صفت، موصوف صفت ملکر معطوف، معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے ملکر یہ تمیز ہوئی "کَمْ" کے لئے، مُبْہَمْ مُمَیَّزْ اپنے تمیز سے ملکر مبتداء، اور " قَدْ حلبتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ " پورا جملہ اُسکی خبر، قَدْ حرف تحقیق، حلبتْ فعل ھِیَ ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل جو راجع ہے عمّۃ اور خالۃ کو علٰی سبیلِ البَدَل یعنی عمّۃ کو راجع ہے پھر خالۃ کو راجع ہے، عَلَیَّ جار مجرور ملکر متعلق ہوئے حلبتْ فعل سے، عِشَارِیْ مضاف مضافٌ الیہ ملکر مفعول ہے حلبتْ فعل کے لئے، (عِشَار اِس وقت تقدیرًا منصوب ہے۔ کیونکہ جو بھی اسم سوائے جمع مذکر سالِم کے یائے متکلم کی طرف مضاف ہو تو اُسکا اعراب تینوں حالتوں میں تقدیری ہوتا ہے۔ عِشار یہ جمع ہے عَشَرَاء کی۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ: اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں مُعَطَّلْ چھوڑ دی جائیں گی۔) حلبتْ فعل اپنے فاعل، متعلق اور مفعول بہٖ سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبر، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔

اگر ہم "کَمْ" کو خبریہ بنائے تو پھر شعر کو یوں پڑھیں گے۔

کَمْ عَمَّۃٍ لَـکَ یا جریرُ و خالَۃٍ فَدْعَاءَ قَدْ حلبتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ۔ اور ترکیب میں "کَمْ عَمَّۃٍ لَـکَ و خالَۃٍ فَدْعَاءَ" یہ مبتدا بنے گا۔ اور " قَدْ حلبتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ" اُس کے لئے خبر۔

اور اگر اسی "کَمْ" کو منصوب پڑھے تو منصوب پڑھنے کی صورت میں اِسے مفعول مطلق بنانا بھی جائز اور مفعول فیہ بنانا بھی جائز۔

اگر کَمْ کو مفعول مطلق بنائے اور "کَمْ" استفہامیہ ہو، تو دیکھئے۔

کَمْ حَلْبَۃً عَمَّۃٌ لَـکَ یا جریرُ و خالَۃٌ فَدْعَاءُ قَدْ حلبتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ پڑھیں گے۔ کَمْ مُبْہَمْ ممیَّز اور حَلْبَۃً اُسکی تمیز، مُبْہَمْ ممیَّز اپنے تمیز سے ملکر مفعول مطلق ہوا "قد حلبت" فعل کے لئے، پھر" عَمَّۃٌ لَـکَ و خالَۃٌ فَدْعَاءُ " اُسی طرح مبتدا بنے گا، اور " قَدْ حلبتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ" پورا جملہ اُسکی خبر بنے گا۔ یعنی حلبتْ فعل اپنے فاعل، متعلق، مفعول بہٖ اور مفعول مطلق سے ملکر خبر ہوا۔

اور اگر مفعول مطلق بنائے اور "کَمْ" خبریہ ہو، تو پھر "کَمْ حَلْبَۃٍ" پڑھیں گے۔ اور یہ کَمْ حلبۃٍ مفعول مطلق ہوگا اُسی قد حلبتْ فعل کے لئے۔ پھر" عَمَّۃٌ لَـکَ و خالَۃٌ فَدْعَاءُ " اُسی طرح مبتدا بنے گا، اور " قَدْ حلبتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ" پورا جملہ اُسکی خبر بنے گا۔ یعنی حلبتْ فعل اپنے فاعل، متعلق، مفعول بہٖ اور مفعول مطلق سے ملکر خبر ہوا۔

اگر آپ "کَمْ" کو مفعول فیہ بنانا چاہے تو پھر استفہام کی صورت میں "کَمْ مَرَّۃً" پڑھیں گے۔ اور "کَمْ خبریۃ" کی صورت میں "کَمْ مَرَّۃٍ" پڑھیں۔

تو "کَمْ" مُبہم ممیّز منصوب محلاً، مَرَّۃً تمیز، مبہم ممیز اپنی تمیز سے ملکر مفعول فیہ "قد حلبتْ" فعل کے لئے، پھر" عَمَّۃٌ لَـکَ و خالَۃٌ فَدْعَاءُ " اُسی طرح مبتدا بنے گا، اور " قَدْ حَلَبَتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ" پورا جملہ

اُسکی خبر بنے گا۔ یعنی حلبتْ فعل اپنے فاعل، متعلق، مفعول بہ اور مفعول فیه سے ملکر جمله فعلیه ہو کر خبر ہوا۔

اور اگر آپ "کَمْ" کو مفعول فیه بنانا چاہیے تو "کَمْ خبریة" کی صورت میں "کَمْ مَرَّةٍ" پڑھیں۔ پھر ترکیب میں "کَمْ" مضاف ہوگا اور "مَرَّةٍ" مضاف الیه ہوگا۔ مضاف اور مضاف الیه ملکر مفعول فیه بنے گا "قَدْ حلبتْ" فعل کے لئے۔ پھر " عَمَّةٌ لَکَ و خالَةٌ فَدْعَاءُ " اُسی طرح مبتدا بنے گا، اور " قَدْ حلبتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ " پورا جمله اُسکی خبر بنے گا۔ یعنی حلبتْ فعل اپنے فاعل، متعلق، مفعول بہ اور مفعول فیه سے ملکر جمله فعلیه ہو کر خبر ہوا۔

تو تمییز جب بھی محذوف نکالیں گے تو " عَمَّةٌ لَکَ و خالَةٌ فَدْعَاءُ " مبتدا بنے گا۔ اور " قَدْ حلبتْ عَلَیَّ عِشَارِیْ " اُس کے لئے خبر بنے گا۔

تو اس شعر میں فرزدق شاعر مَذمت بیان کر رہا ہے جری کی۔ تو دیکھئے که وہ کتنی مَذمتیں بیان کر رہے ہیں۔ دیکھو! "کم" لے کر لایا۔ اس کَم کو استفهامیه بنانا بھی جائز اور خبریه بنانا بھی جائز۔ اور آگے فدعاء ذکر کیا۔ که وہ جو تیری خالائیں ہیں اور پھوپھیاں ہیں وہ ٹیڑھی ہاتھ والے ہیں۔ یعنی اُن کا ایک عیب بیان کر دیا۔ یا تو معنیٰ یه ہے که وہ پیدائشی ٹیڑھے ہاتھ پاؤں والی ہیں۔ اُن کی خِلْقَتْ ہی بہت بُری ہے۔ یا یه معنیٰ که وہ میرے لئے دودھ نکالتی ہیں دس ماہ کی حامله اونٹنیوں سے ، یعنی میری خدمت کرکے کرکے اُن کے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو گئے۔ تو یه ایک مَذمَّت ہوئی۔

پھر کہتے ہیں که "حَلَبَتْ عَلَیَّ" که میرے لئے دودھ نکالتی ہیں۔ حلب کا صله علیٰ نہیں آتا۔ علیٰ صله آتا ہے ثَقُلَتْ کا، ثَقُلَتْ کا معنیٰ ہے بوجھ ہونا ۔ تو یہاں یه فعل ثَقُلَتْ کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ بھئی کبھی کبھار ایک فعل کے اندر دوسرے فعل کے معنیٰ کی رعایت کر لیتے ہیں۔ تو یہاں حلبت کے اندر ثَقُلَتْ کے معنیٰ کی رعایت رکھی ہے۔ عربی میں کبھی کبھار ایک فعل میں دوسرے فعل کی معنیٰ کی رعایت رکھتے ہیں اور پھر آنے والا صله اِس پر دلالت کرتا ہے۔ اور یہاں یه علیٰ صله اِس بات پر دلالت کرتا ہے که حلبتْ کے اندر ثقلتْ کے معنیٰ کی رعایت رکھی گئی ہے۔ کیونکه علیٰ حلبتْ کا صله نہیں آتا۔ پھر علماء اُس کے مناسب کوئی فعل نکال لیتے ہے جو اُس کی رعایت رکھی ہوتی ہے شاعر نے یا متکلم نے۔ تو کہتا ہے که "ثَقُلَتْ عَلَیَّ" : میرے اوپر بوجھ ہے۔ یعنی وہ تو میری خدمت کرتی ہیں اور میری خدمت کرتے کرتے اُن کے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو گئے ہیں۔ لیکن مجھے اُن کی خدمت پسند نہیں بڑی بوجھ ہے مجھ پر اُن کی خدمت۔ تو یه مَذمَّتْ کی دوسری وجه ہو گئی۔

تیسری مَذمَّتْ یه ہے کہتا ہے که یه اتنے گھٹیا لوگ ہیں یه مجھے اتنے ناپسند ہے که اِن سے میں اپنی خدمت بھی لینا پسند نہیں کرتا۔ وہ میرے خدمت کرتے ہیں لیکن مجھے پسند نہیں اس لئے میں اُن سے اپنی جانوروں کی خدمت لینا پسند کرتا ہوں۔ اونٹنیوں کا دودھ نکالتی ہے اور بس۔

چوتھی مَذمت : عِشَار ذکر کیا، کہ دودھ بھی نکالتی ہے تو عام اونٹنی نہیں بلکہ دس ماہ کی حاملہ اونٹنیوں کا دودھ نکالتی ہیں۔ بھئی یہ جو دس ماہ کی حاملہ اونٹنی ہوں یہ آسانی سے دودھ نکالنے نہیں دیتی اور دودھ نکالنے والوں کو تنگ کرتے ہیں۔ اور اِن سے دودھ نکالنا مُشَقَّت والا کام ہے۔

پانچویں مذمت: پھوپھی کو بھی ذکر کیا اور خالۃ کو بھی ذکر کیا۔ پھوپھی باپ کی بہن اور خالۃ ماں کی بہن۔ کہتا ہے اے جریر تیرا صرف باپ کی طرف سے خاندان خراب نہیں ہے بلکہ ماں کی طرف سے بھی تیرا خاندان خراب ہے۔ یعنی دونوں طرفوں سے تو گھٹیا اور کم درجے کے لوگوں کے اولاد ہے۔ یعنی تو خدمت گزار لوگوں کی اولاد ہے معزز لوگوں کی اولاد نہیں۔

چھٹی مذمت: "کَمْ" کے ساتھ ذکر کیا۔ اگر استفہام کے لئے بناؤ تو پھر شاعر کا مطلب ہے کہ اے جریر مجھے تو پتہ ہی نہیں کتنے تیری پھوپھیاں اور خالائیں میری خدمت کرتی ہے۔ یعنی مجھے اُن کی تعداد کا ہی نہیں پتہ۔ شاعر جریر سے پوچھتا ہوں بتاؤ کتنی ہے؟ اور یا اِس کو کَمْ خبریہ بناؤ تو معلوم ہوا کہ بہت زیادہ ہیں۔ کوئی ایک یا دو کی بات نہیں۔ بلکہ بہت سی تیری پھوپھیاں اور خالائیں جو ہیں وہ میری خدمت کرتے ہیں۔ تو یہ ہے فصاحت اور بلاغت۔ کہ ایک ہی شعر کے اندر چھ مذمتیں کر لی۔

و قد یُحْذَفُ فِی مثلِ کَمْ مالُکَ و کَمْ ضربتَ اور کبھی کبھار تمیز کو حذف بھی کر لیا جاتا ہے۔ جیسے اِس قسم کے مثالوں میں "کَمْ مالُکَ و کَمْ ضرَبتَ"۔ کَمْ مالُکَ: کتنا مال ہے تیرا۔ یہاں قرینہ خود بتلا رہا ہے کہ مال کی مقدار پوچھ رہا ہے۔ ای کَمْ دِرْھَمًا مالُکَ۔ یا کَمْ دینارًا مالُکَ۔ تو یہ کَمْ استفہامیہ ہوا۔ اور اس کو خبریہ بھی بناسکتے ہیں۔ یعنی کَمْ دِرْھَمٍ مالُکَ: تیرا مال بہت سی درھم ہے۔ یا کَمْ دینارٍ مالُکَ: تیرا مال بہت سی دینار ہے۔

کَمْ ضَرَبْتَ میں بھی تمییز حذف ہے۔ ای کَمْ مَرَّۃً ضَرَبْتَ۔ تو یہ استفہام ہوا۔ یعنی کتنی مرتبہ تو نے پٹھائی کی۔ اور کَمْ مَرَّۃٍ ضَرَبْتَ۔ تو یہ کَمْ خبریہ ہوا۔ یعنی بہت مرتبہ تو نے پٹھائی کی۔ یا کَمْ ضَرْبَۃً ضَرَبْتَ: کتنی ضربیں تو نے لگائی۔ یہ کم استفہامیہ ہوا۔ یا کَمْ ضَرْبَۃٍ ضَرَبْتَ: تو نے بہت سی ضربیں لگائی۔ تو یہ کم خبریہ ہوگیا۔

تو کبھی کبھار قرینہ وغیرہ کی وجہ سے کَمْ کی تمییز کو حذف کیا جاتا ہے۔

درس 89۔ مبنیات میں سے ظُروف کی بحث آج ہم پڑھیں گے۔ تو ظُروف سارے کے سارے مبنی نہیں بلکہ بعض اُن میں سے مبنی ہیں۔ الظروفُ مِنها ما قُطِعَ عن الاضافۃِ ظُروف میں سے وہ ہیں جو اِضافت سے قطع کئے گئے ہوں، یعنی اُس کے مضافُ الیہ کو حذف کیا گیا ہو۔ کَقَبلُ و بعدُ جیسا کہ قَبْلُ اور بَعْدُ ہیں۔ یہ مبنی علی الضم ہوں گے۔ اسی طرح فَوْق، تحت، اَمام، قُدَّام، خلف، وراء وغیرہ۔

بھئی قَبْلُ اور بَعْدُ کے استعمال کی تین صورتیں ہیں۔ یہ دونوں مضافُ الیہ کو چاہتے ہیں۔ قَبْلُ کا معنیٰ پہلے اور بَعْدُ کا معنیٰ بعد میں۔ بھئی کس سے پہلے اور کس کے بعد میں۔ تو اِس کے لئے لازمی طور پر مضافٌ

الیہ چاہئے۔ اب اُس مضافٌ الیہ کی تین صورتیں ہیں۔ یا تو وہ مضافٌ الیہ عبارت میں ذکر ہوگا، یا عبارت میں ذکر نہیں ہوگا۔ اگر مضافٌ الیہ عبارت میں ذکر نہیں تو پھر نیّت میں مراد ہوگا یا نیّت میں بھی مراد نہیں ہوگا۔

تو قَبْلُ اور بَعْدُ کے مضافٌ الیہ کی تین صورتیں ہو گئیں۔ یا تو عبارت میں ذکر ہوگا۔ یا عبارت میں ذکر نہیں ہوگا لیکن نیّت میں موجود ہوگا۔ اور تیسرا صورت یہ کہ عبارت میں بھی ذکر نہیں اور نیّت میں بھی مراد نہیں۔ تو وہ صورت جس میں قَبْلُ اور بَعْدُ کا مضافٌ الیہ عبارت میں ذکر نہیں ہوگا مگر نیّت میں ہے۔ تو اس صورت میں قَبْلُ اور بَعْدُ مبنی علی الضّم ہوں گے۔ باقی دونوں صورتوں میں یہ مُعرب ہوں گے۔

اگر قَبْلُ اور بَعْدُ کا مضافٌ الیہ عبارت میں ذکر ہے تب بھی یہ معرب ہوں گے۔ اگر اُن کا مضافٌ الیہ عبارت میں بھی نہیں اور نیّت میں بھی نہیں تو اس صورت میں بھی یہ دونوں مُعرب ہوں گے۔

مثلاً میں کہتا ہوں، جاءنِی زیدٌ قَبْلَ عمرٍو: میرے پاس زید آیا عمرو سے پہلے آیا۔ تو یہ قَبْلُ یہاں پر ظرف واقع ہوتا ہے اور ظرف منصوب ہوتا ہے۔ اور یہ قبل مضافٌ الیہ کا تقاضا کر رہا تھا۔ اور مضافٌ الیہ آگے عبارت میں مذکور ہے۔ تو یہ اپنی اصلی حالت میں آیا اور اسکو منصوب پڑھا گیا یعنی "قَبْلَ عمرٍو۔

دوسری صورت یہ کہ عمرو کو میں نے عبارت سے حذف کیا لیکن نیّت میں ابھی بھی موجود ہے۔ تو میں یوں کہوں گا، "جاءنِی زیدٌ قبلُ" ۔ بھئی قَبْلُ تو مضافٌ الیہ چاہتا تھا۔ میں یہ بتلانا چاہتا تھا کہ زید "عمرو" سے پہلے آیا ہے۔ تو عمرو مضافٌ الیہ تھا اُس قبلُ کے لئے۔ اور اُس مضافٌ الیہ کو میں نے حذف کر دیا لیکن نیّت میں ابھی بھی موجود ہے۔ بھئی قَبْلُ تو چاہتا تھا مضافٌ الیہ اور مضافٌ الیہ کو میں نے حذف کیا تو اس قَبْلُ کا بڑا نقصان ہوگیا۔ تو اِس نقصان کو پورا کرنے کے لئے اب اس کو مبنی علی الضَمّ کریں گے۔ چونکہ اِس کا نقصان بہت زیادہ ہوا تھا اس لئے اِس کو حرکت بھی سب سے طاقتور دیا گیا۔ اور سب سے طاقتور حرکت ضمّہ کی حرکت ہے۔

تیسری صورت یہ کہ قَبْلُ اور بَعْدُ کا مضافٌ الیہ نَسْيًا مَنْسِيًّا کیا گیا۔ یعنی اُس کو عبارت میں بھی ذکر نہیں کیا گیا اور نیّت میں بھی مراد نہیں۔ تو اس صورت میں قَبْلُ اور بَعْدُ معرب ہوگا۔ تو ہم یوں کہیں گے، جاءنِی زیدٌ قَبْلًا۔ تو دیکھو یہ قَبْلُ معرب ہے اور ظرف واقع ہو رہا ہے اور ظرف منصوب ہوتا ہے۔ چونکہ اسکا مضافٌ نَسْيًا مَنْسِيًّا کر دیا گیا ہے۔ یعنی یہ مضافٌ الیہ کا تقاضا ہی نہیں کرتا تو گویا اسکا کوئی نقصان ہی نہیں ہوا۔

پس دو صورتوں میں منصوب ہوگا اور ایک صورت میں مبنی علی الضم ہوگا۔

اسی طرح فَوْق، تحت، اَمام، قُدَّام، خلف، وراء وغیرہ میں اگر مضافٌ الیہ عبارت سے حذف کیا جائے اور نیّت میں ہوگا تو یہ بھی مبنی علی الضم ہوں گے۔

وَ اُجْرِیَ مَجْرَاہُ لا غیرُ و لیس غیرُ و حَسْبُ اور اُن کے قائم مقام بنایا گیا لا غیرُ ، لیس غیرُ اور حَسْبُ کو۔ یہ لا غیرُ ، لیس غیرُ اور حَسْبُ ظروف میں سے نہیں۔ اسی لئے صاحب کافیہؒ نے بتلایا کہ یہ قائم مقام ہیں اُن کے۔

اچھا یہ جو قَبْلُ اور بَعْدُ ہے اِن کے بارے میں ایک بات یاد رکھنا۔ کہ جب اُن کا مضافٌ الیہ تو نیّت میں موجود ہے اور عبارت سے گرایا گیا ہو تو اب یہ "غایاۃ" کہلائیں گے۔ غایۃ کا معنیٰ ہے انتہا۔ بھئی جب میں نے کہا، "جاءِنِی زیدٌ قبلَ عمرٍو"۔ تو کلام کی انتہا عمرو پہ ہو رہی ہے۔ لیکن جب میں نے عمرو کو حذف کیا اور یوں کہا، جاءِنِی زیدٌ قبلُ۔ تو اب کلام کی انتہا قبلُ پر ہو رہی ہے۔ تو اِس وجہ سے یہ غایۃ کہلاتا ہے۔ یعنی کلام کی انتہا اِس پر ہو رہی ہے۔

تو کہتے ہیں کہ لا غیرُ ، لیس غیرُ اور حَسْبُ یہ بھی غایاۃ کے مشابہ ہیں۔ غیرٌ بھی مضافٌ الیہ کو چاہتا ہے۔ حسبُ بھی مضافٌ الیہ کو چاہتا ہے۔ لیکن اِن سے بھی کبھی کبھار مضافٌ الیہ کو حذف کیا جاتا ہے۔ تو اُس صورت میں یہ بھی مبنی علی الضم ہوں گے۔ تو مضافٌ الیہ کی موجودگی میں کلام کی انتہا مضافٌ الیہ پر ہوتا تھا، لیکن جب مضافٌ الیہ کو حذف کیا گیا تو اب کلام کی انتہا "غیرُ اور حسبُ" پر ہوتی ہے۔ اسی لئے اِن کو غایاۃ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی غایاۃ کے مشابہ ہیں۔

تو خلاصہ یہ کہ "غیرُ اور حسْبُ" یہ ظروف میں سے نہیں لیکن مضافٌ الیہ کے حذف کے وقت یہ بھی غایاۃ کی طرح ہو جاتے ہیں۔ اس لئے غایاۃ کے قائم مقام بنایا۔

تو غیرُ بھی مضافٌ الیہ چاہتا ہے۔ اور کبھی کبھار اس کے مضافٌ الیہ کو حذف بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن ہر جگہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ اگر غیرُ "لا یا لیسَ" کے بعد آئے تو پھر اِس کے مضافٌ الیہ کو حذف کرنا جائز ہوتا ہے۔ اور "لا اور لیسَ" کے بعد جو غیرُ آئے اُس میں مضافٌ الیہ کو حذف کرنا کثرتِ استعمال کی وجہ سے جائز ہے۔ کیونکہ یہ کثیر الاستعمال ہے اور کثرت خِفَّت کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا ایسے مواقع پر عموماً اس کے مضافٌ الیہ کو حذف کیا جاتا ہے۔

مثلاً آپ کہتے ہیں، " جاءنی زیدٌ لا غیرُ" یا آپ کہتے ہیں، "جاءِنِی زیدٌ لیسَ غیرُ" یا آپ کہتے ہیں، "جاءِنِی زیدٌ فحَسْبُ": آیا میرے پاس زید اور بس۔

و منھا حیثُ اور اِن ظروف میں سے ایک حیثُ ہے۔ **و لا یضافُ اِلّا اِلَی الْجُملۃِ فی الاکثر** اور یہ حیثُ مضاف نہیں ہوتا مگر جملہ کی طرف اکثر استعمالات میں۔ حیثُ ہمیشہ جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی یہ مفرد کی طرف بھی مضاف ہوتا ہے۔ تو حیثُ مضاف الیہ کو چاہتا ہے۔ اور اسکا مضافٌ الیہ اکثر جملہ آیا کرتا ہے۔ لیکن مضافٌ الیہ تو مفرد ہونا چاہئے۔ تو اضافت تو ہوتی ہے مفرد کی طرف اور اس کی اضافت ہو رہی ہے جملہ کی طرف۔ تو گویا جملہ کی طرف اِضافت گویا "لا

اِضافت" ہے۔ تو گویا اس کا مضافٌ الیہ موجود ہی نہیں۔ جب موجود ہی نہیں تو اسکو مبنی علی الضم بنایا گیا۔

و منها اذا اور ظروف میں سے ایک "اِذَا" ہے۔ اور اذا بھی جملے کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ اور جملہ کی طرف اضافت گویا کہ "لا اِضافت" ہے۔ تو لہٰذا اس وجہ سے یہ بھی مبنی ہے۔ **و هی لِلْمُسْتَقْبِلِ** اور یہ مستقبل کے لئے آیا کرتا ہے۔ یعنی اگر یہ ماضی پر بھی داخل ہو جائے تو اُس کو مستقبل کے معنیٰ میں کر دیگا۔ اور اگر مضارع پر داخل ہو جائے تو اُسے مستقبل کے ساتھ خاص کریگا۔ **و فيها معنیٰ الشرطِ** اور اس میں شرط کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ یعنی اذا کے اندر شرط کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ بھئی اذا ظرف ہے اور ظرفیّت کے لئے آتا ہے۔ لیکن کبھی کبھار اس میں شرط والا معنیٰ بھی آ جاتا ہے۔ اور وہ اِذا ظرفیّہ شرطیّہ کہلاتا ہے۔ اور جب اذا ظرفیّہ ہوگا تو یہ ایک جملہ پر داخل ہوگا۔ اور جب یہ ظرفیّہ شرطیّہ ہوگا تو پھر یہ دو جملوں پر داخل ہوگا۔ اس لئے کہ جب یہ شرط کے لئے آئے گا تو اس کے ساتھ پھر جزا آئے گی۔ تو ایک جملہ شرط ہوگا اور دوسرا جملہ جزا ہوگا۔

اور شرط کا معنیٰ اس میں اس لئے پایا جاتا ہے کیونکہ یہ حرفِ شرط کو متضمّن ہوتا ہے۔ اور جب اِس میں حرف متضمّن ہوا تو اس نے اذا کو مبنی بنا دیا۔ **و لِذٰلکَ اخْتِيْرَ بعدَهَا الفِعْلُ** اسی وجہ سے اس کے بعد اختیار کیا گیا ہے فعل کو۔ یعنی اذا کے بعد فعل پسندیدہ ہے۔ بھئی اذا شرط کے معنیٰ کو متضمن ہوتا ہے اس لئے اس کے بعد فعل پسندیدہ ہے۔ بھئی اِذا شرط کے لئے آئے گا اور شرط کے اندر تعلیق ہوتا ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز پر مُعَلَّقْ کر دیتی ہے۔ مثلاً خاوند بیوی سے کہتا ہے، اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَانْتِ طالقٌ: اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے۔ دیکھو! یہاں خاوند نے طلاق کو معلّق کر دیا دُخُولِ دار کے ساتھ۔ اسی طرح اِذا کے ساتھ بھی شرط آئے گی تو وہ شرط تعلیق کا فائدہ دیتی ہے۔ مثلاً آپ دوسرے شخص کو کہتے ہیں، اِذا طلَعَتِ الشَّمْسُ فَاْتِيْکَ: جب سورج طلوع ہوگا تو میں آپ کے پاس آؤں گا۔ تو یہاں پر دیکھا اپنے آنے کو مُعَلَّق کر دیا سورج کو طلوع کرنے کے ساتھ۔

تو شرط آتی ہے تعلیق کے لئے اور تعلیق ہوتی ہے زمانے کے اندر، اور زمانہ فعل میں پایا جاتا ہے۔ تو اس لئے جب اذا شرطیہ ہو تو اسکے بعد فعل پسندیدہ ہے۔

و قد تکونُ للمُفاجاةِ اور کبھی کبھار اِذَا مُفاجاۃ کے لئے آ جاتا ہے۔ یعنی اچانک کسی کام کے ہونے کے لئے آتا ہے۔ مثلاً خَرَجْتُ فَإذَا السَّبُعُ: میں گھر سے نکلا تو اچانک درندہ تھا۔ **فيَلْزَمُ الْمُبْتَدَأُ بعدَها** جب اذا مُفاجاۃ کے لئے ہو تو لازم ہے اس کے بعد مبتدا۔ یعنی جب اذا مُفاجاۃ کے لئے آئے تو اس کے ساتھ

ہمیشہ مبتدا آئے گا۔ مثلاً، خرَجتُ فَإذَا السَّبُعُ میں اذا مُفاجاتیہ ہے اور السَّبُعُ مبتدا ہے۔ تو مبتدا ہونے کی وجہ سے السَّبُعُ کو مرفوع پڑھا گیا۔ اور اس کی خبر پھر عموماً محذوف ہوتی ہے۔

و منها اِذْ لِلْماضِی اور ظروف میں سے ایک "اِذْ" ہے ماضی کے لئے۔ یہ اِذْ بھی اس لئے مبنی ہے کہ یہ جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے اور جملہ کی طرف گویا "لا اضافت" ہے۔ اگر اِذْ مستقبل پر داخل ہو جائے تو یہ مستقبل کو ماضی کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ یہ اِذَا کا عکس ہے۔ و یَقَعُ بعدَهَا الْجُمْلَتانِ اور اِس کے بعد دونوں قسم کے جملے واقع ہو سکتے ہیں۔ یعنی اِذْ کے بعد جملہ اسمیہ بھی آسکتا ہے اور جملہ فعلیہ بھی آسکتا ہے۔ اور اِذَا کے بعد فعل پسندیدہ تھا۔

و منها اَیْنَ و اَنّٰی اور ظروف میں سے ایک اَیْنَ ہے اور اَنّٰی ہے۔ اَیْنَ مبنی علی الفتح ہے۔ للمَكَانِ اور یہ دونوں ظروف زمانے کے لئے نہیں آتے بلکہ مکان کے لئے آتے ہیں۔ اِسْتِفْهَامًا و شرطًا اس حال میں کہ استفہام کے لئے ہو اور شرط کے لئے ہو۔ یعنی یہ دونوں ظروف استفہام کے لئے بھی آتے ہیں اور یہ دونوں ظروف شرط کے لئے بھی آتے ہیں۔ مثلاً آپ نے کہا، اَیْنَ زیدٌ: ای اَیْنَ ثابتٌ زیدٌ یا اَیْنَ ثَبَتَ زیدٌ۔ اَیْنَ صدارتِ کلام چاہتا ہے۔ اس لئے اس کو ثبتَ اور ثابتٌ پر مقدم کیا۔ نیز اَیْنَ نے ظرف یعنی مفوعل فیہ بننا تھا۔ اس لئے اسکو فعل یا صفت کے صیغے سے متعلق کر دیتے ہیں۔

اَیْنَ زیدٌ کی ترکیب۔ اَیْنَ مبنی علی الفتح ہے اس لئے محلاً منصوب مفعول فیہ ہے۔ ثابتٌ کے اندر ھو ضمیر اسکا فاعل ہے جو مبتدا مؤخر زید کو راجع ہے۔ ثابتٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول فیہ سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدَّم، زیدٌ مرفوع لفظًا مبتدا مؤخر۔

اب "اَیْنَ زیدٌ" میں دیکھے ایک صورت تو یہ کہ یہ اَیْنَ منصوب محلاً مفعول فیہ ہے ثابتٌ کے لئے۔ دوسرا اگر دیکھے تو "اَیْنَ زیدٌ" میں اِس "اَیْنَ" نے ثابتٌ کی جگہ سنبھال لی ہے تو اب یہ محلاً مرفوع ہے۔ اور اب یہ اَیْنَ ظرفِ مُسْتَقَرّ بن گیا۔ یعنی اِس نے اُس کی جگہ پر قرار پکڑ لیا۔ اور ثابتٌ تو مرفوع تھا لہٰذا یہ بھی محلاً مرفوع ہوگا۔ تو محلِّ اوّل اسکا یہ ہے کہ یہ منصوب محلاً ہے ظرف ہونے کی بِنا پر۔ اور محلِّ ثانی اسکا مرفوع ہونا ہے۔ تو اوّلاً یہ منصوب ہے اور ثانیا یہ مرفوع ہے۔

تو یہ اَیْنَ استفہام کے لئے بھی آتا ہے اور شرط کے لئے بھی آتا ہے۔ اَیْنَ زیدٌ: زید کہا ہے؟ یہ اَیْنَ استفہام کے لئے ہے اور اس میں مکان کے بارے پوچھا گیا۔ شرط کی مثال: اَیْنَ تَجْلِسْ اَجْلِسْ: جہاں آپ بیٹھیں گے وہاں میں بھی بیٹھوں گا۔ اس میں "اَیْنَ تَجْلِسْ" ایک جملہ اور "اَجْلِسْ" دوسرا جملہ ہے۔ تو اَیْنَ جب شرط کے لئے آئے گا تو یہ دو جملے چاہیے گا۔

اسی طرح اَنّٰی بھی ہے۔ یہ مکان کے لئے آتا ہے، استفہام کے لئے بھی اور شرط کے لئے بھی۔ مثلاً آپ دوسرے سے پوچھتے ہیں، اَنّٰی زیدٌ: زید کہاں ہے؟ یا " مِنْ اَنّٰی لَکَ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا ": آپ کو بیس دِرھم کہاں

سے حاصل ہوئے۔ تو دیکھو! اَنّٰی مکان کا معنیٰ ادا کر رہا ہے، یعنی "کہاں سے، کس جگہ سے"۔ تو یہ استفہام کے لئے ہوا۔ اور کبھی یہ اَنّٰی شرط کے لئے بھی آتا ہے۔ مثلاً، اَنّٰی تَجْلِسْ اَجْلِسْ۔ جہاں آپ بیٹھیں گے میں بیٹھوں گا۔ تو شرط کے وقت یہ دو جملے چاہیے گا۔

و مَتیٰ لِلزَّمَانِ ظروفِ مبنیہ میں سے ایک مَتٰی ہے جو کہ زمانے کے لئے آتا ہے۔ **فیھما** اُن دونوں میں۔ یعنی استفہام اور شرط دونوں میں۔ یعنی استفہام کے لئے بھی متیٰ آتا ہے اور شرط کے لئے بھی متیٰ آتا ہے۔ استفہام کے لئے مثلاً: متیٰ تَجْلِسْ: آپ کب بیٹھیں گے؟ شرط کے لئے: متیٰ تجلِسْ اَجْلِسْ: جب آپ بیٹھیں گے میں بیٹھوں گا۔ **وَ اَیَّانَ لِلزَّمانِ** اور ظروفِ مبنیہ میں سے اَیّانَ بھی ہے۔ **اِسْتِفْھامًا** سوال کے لئے آتا ہے۔ اَیّانَ کے ذریعے کسی عظیم چیز کے بارے میں سوال کرنا صحیح ہے اور کسی معمولی چیز کے بارے میں سوال کرنا اَیّانَ کے ذریعے درست نہیں۔ مثلاً یہ کہے، اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ؀۔ قیامت کا دن کب ہوگا؟ تو دیکھا! قیامت کا دن عظیم ہے تو اَیّانَ کے ذریعے سوال کرنا جائز۔ لیکن اَیّانَ کے ذریعے عام چیز کا سوال کرنا یہ درست نہیں ہے۔

و کیفَ لِلْحالِ اسْتِفْھامًا اور کَیْفَ حال کے لئے آتا ہے اِسْتِفہام کے لئے یعنی سوال کے لئے۔یعنی کیفَ حالت پوچھنے کے لئے آتا ہے۔ مثلاً آپ نے پوچھا، کیفَ زیدٌ: زید کیسا ہے؟ یعنی زید کس حالت میں ہے؟ یا زید کس حال میں ہے؟ تو کیفَ کے ذریعے حال کے بارے میں سوال کیا۔ اور یاد رکھو! یہ کیفَ حقیقتًا ظرف نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے بمعنیٰ " عَلیٰ اَیِّ حالٍ"۔ تو "کیفَ زیدٌ" کا معنیٰ " زیدٌ علیٰ اَیِّ حالٍ" یا "علیٰ اَیِّ حالٍ زیدٌ" ہے۔ تو یہ کیفَ "جار مجرور" کے معنیٰ میں ہوا۔ اور جار مجرور اور ظرف میں بڑی گہری مناسبت ہے۔ اسی لئے تو جار مجرور کو بھی ظرف کہتے ہیں۔ تو یہ کیفَ حقیقتًا ظرف نہیں ہے بلکہ جاری مجرائے ظرف یعنی ظرف کی قائم مقام ہے اس لئے کہ یہ جار مجرور کے معنیٰ میں ہے۔

کیفَ کے بارے میں قیمتی باتیں: کیفَ کے بعد اگر اسم واقع ہو، جیسا کہ "کیفَ زیدٌ" تو اس ترکیب میں کیفَ ظرفِ مُستقر ہو کر خبرِ مقدَّم بنے گا اَیْنَ کی طرح۔ اور زیدٌ مبتدائے مؤخر بنے گا۔ اور اگر کیفَ کے بعد فعل آجائے تو پھر اس صورت میں یہ کیفَ مفعول مطلق بھی واقع ہو سکتا ہے اور حال بھی بن سکتا ہے۔ لیکن یاد رکھو! کیفَ کے بعد آنے فعل کا فاعل ذاتِ باری تعالیٰ ہو تو پھر اس صورت میں یہ مفعولِ مطلق ہی بنے گا اور پھر اِس کو حال بنانا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ حال کے ذریعے تو کیفیّت بتلائی جاتی ہے اور ذاتِ باری تعالیٰ کیفیّات سے پاک ہے۔

و مُذْ و مُنْذُ بمعنیٰ اَوَّلِ الْمُدَّةِ اور "مُذْ اور مُنْذُ" اوّلِ مدت کے معنیٰ میں آتے ہیں۔ "مُذْ اور مُنْذُ" یہ حروفِ جارّہ بھی آتے ہیں۔ اور یہ حروف کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں اور اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔ اس وقت ہم جو "مُذْ اور مُنْذُ" پڑھ رہے ہیں یہ حروف نہیں بلکہ اسم ہے۔ یہ پتہ کیسے چلے گا کہ یہ اسم ہے یا حرف ہے؟ جواب یہ کہ اس کے مابعد کو دیکھو، جب یہ اسم ہوتا ہے تو

یہ مبتدا بنتا ہے اور اسکے مابعد اسکی خبر آتی ہے۔ اور خبر بھی مرفوع ہوا کرتی ہے۔ پس اگر اس کا مابعد اگر مرفوع ہو تو معلوم ہوا کہ یہ اسم ہیں۔ اور اگر اس کا مابعد اگر مجرور ہو تو معلوم ہوا کہ یہ اس وقت حروف جارّہ میں سے ہیں۔ **فیلیھما الْمُفْرَدُ الْمَعْرِفَةُ** تو اِن کے ساتھ مفرد معرفة مِلا ہوگا۔ مثلاً، "مَا رَأَیْتُہُ مُذْ یَوْمُ الجُمُعَةِ": میں نے اُسے جمعہ کے دن سے نہیں دیکھا۔ تو میرے نہ دیکھنے کی ابتدا جمعہ کے دن سے ہو رہی ہے۔ تو "مُذْ" ہے مبتدا اور یومُ الجمعَةِ اُسکی خبر ہے۔ یہ مُذْ اوّلِ مدت کے معنیٰ میں ہے۔ اور جب یہ اوّلِ مدت کے معنیٰ میں ہو تو اس کے ساتھ مفرد ملا ہوا ہوگا۔ یعنی اوّلِ مدت ایک وقت ہو سکتا ہے دو یا زیادہ اوقات نہیں ہو سکتے۔ نیز وہ مفرد معرفة ہوگا۔ اِس لئے کہ وہ وقت کوئی مُتَعَیَّنْ وقت ہوگا۔ جیسے یَوْمُ الجمعةِ آیا۔ تو یَوْمُ الجُمُعَةِ مفرد معرفة ہے۔

و بمعنی الجمیع اور کبھی یہ دونوں یعنی "مُذْ اور مُنْذُ" جمیع مدّت کے معنیٰ میں آتا ہے۔ **فیلیھما الْمَقْصُودُ بالعددِ** تو اِن دونوں کے ساتھ ملا ہوا ہوگا وہ زمانہ ساتھ عدد کے۔ مثلاً، "مَا رَأَیْتُہُ مُذْ یَوْمَانِ": میں نے اُسے دو دن سے نہیں دیکھا۔ یا "ما رَأَیْتُہُ مُذْ ثَلَاثَةُ اَیَّامٍ": میں نے اُسے تین دن سے نہیں دیکھا۔ تو یہاں "مُذْ" ابتدائے مدت بیان کرنے کے لئے نہیں بلکہ ساری مدت بیان کرنے کے لئے ہے۔ اور جب ساری مدت "مُذْ" کے ذریعے بیان کیا جائے تو پھر مُذْ کے بعد وہ جو مقصود ہے یعنی زمانہ وہ اِس کے بعد آئے گا اور وہ زمانہ ملا ہوا ہوگا عدد کے ساتھ۔ یعنی عدد کا لفظ بھی ساتھ آئے گا یا وہ خود عدد پر دلالت کرے گا۔ جیسا کہ "مَا رَأَیْتُہُ مُذْ یَوْمَانِ": میں یہ "یومان" زمانہ ہے تو مقصود بھی آگیا اور ساتھ عدد بھی ہے۔ یعنی یومان بتلا رہا ہے کہ دو دن ہیں۔ یا "ما رَأَیْتُہُ مُذْ ثَلَاثَةُ اَیَّامٍ" تو دیکھو مُذْ کے بعد مقصود یعنی زمانہ بھی آگیا اور وہ "اَیَّام" ہے اور نیز عدد بھی ساتھ آرہا ہے۔

وَ قَدْ یَقَعُ الْمَصْدَرُ اور "مُذْ اور مُنْذُ" کے بعد کبھی مصدر بھی آتا ہے۔ مثلاً، ما خرجْتُ مُذْ ذَھابُکَ: تو یہاں "مُذْ" کے بعد "ذَھَاب" آرہا ہے اور "ذَھاب" مصدر ہے۔ **او الفعلُ** اور "مُذْ اور مُنْذُ" کے بعد کبھی فعل بھی آتا ہے۔ مثلاً "ما خرجْتُ مُذْ ذَھَبْتَ": اس مثال میں مُذْ کے بعد فعل ذَھَبْتَ آیا۔ **اَوْ اَنْ** اور کبھی "مُذْ اور مُنْذُ" کے بعد اَنْ آتا ہے۔ "ما خَرَجْتُ مُذْ اَنْ ذَھَبْتَ" یہاں مُذْ کے بعد اَنْ آیا۔ اور اَنْ بھی آگے آنے والے فعل کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ **اَوْ اَنَّ** اور کبھی کبھار "مُذْ اور مُنْذُ" کے بعد اَنَّ بھی آتا ہے۔ مثلاً، "ما خَرَجْتُ مُذْ اَنَّکَ ذاھِبٌ" یا "ما خَرَجْتُ مُذْ اَنَّکَ ذَھَبْتَ" تو دیکھا مُذْ کے بعد اَنَّ آیا۔ اَنَّ بھی ما بعد جملہ کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔

تو صاحب کافیہ بات یہ کرنا چاہتے ہیں کہ "مُذْ اور مُنْذُ" کے بعد کبھی مصدر آتا ہے اور کبھی فعل آتا ہے۔ مصدر کبھی حقیقتاً ہوگا اور کبھی مصدر تاویلاً ہوگا۔ **فَیُقَدَّرُ زمانٌ مضافٌ** تو اس صورت میں زمان یعنی زمانے کو مقدّر مضاف نکالا جائے گا۔ یعنی اُس مصدرِ تاویلی سے یا اُس مصدرِ حقیقی سے یا فعل

سے پہلے زمانے کا لفظ محذوف نکال لیں گے۔ مثلاً، " ما خرجتُ مُذْ ذَهابُکَ " اس مثال میں ذَھاب مصدر حقیقی ہے اور اس سے پہلے زمان کا لفظ محذوف نکالیں گے۔ یعنی " ما خرجتُ مُذْ زمانُ ذَھابِکَ"۔ اسی طرح "ما خرجتُ مُذْ ذَهَبْتَ" تھا۔ تو یہاں بھی ذَهَبْتَ سے پہلے زمان محذوف نکالیں گے۔ تو " ما خرجتُ مُذْ زمانُ ذَهَبْتَ" ہو جائے گا۔ اسی طرح تھا "ما خَرَجْتُ مُذْ اَنَّکَ ذاھِبٌ" تو اس سے پہلے بھی زمان محذوف نکالیں گے۔ تو یہ "ما خَرَجْتُ مُذْ زمانُ اَنَّکَ ذاھِبٌ" یا "ما خَرَجْتُ مُذْ زمانُ اَنَّکَ ذَهَبْت" وغیرہ بن جائے گا۔

بھئی یہ زمان مضاف کیوں نکالیں گے؟ وجہ یہ کہ مُذْ زمانے کا نام ہے۔ یعنی مُذْ بمعنیٰ اوّلِ مُدَّت کے ہے یا مُذْ بمعنیٰ جمیعِ مدّت کے ہے۔ تو اوّلِ مدت بھی زمانہ اور جمیع مدت بھی زمانہ۔ تو یہ زمانے کے معنیٰ میں ہے اور مابعد میں تو مصدر یا فعل ہے۔ اور مصدر کا حمل زمانہ پر صحیح نہیں ہوتا اسی طرح فعل کا حمل بھی زمانے پر صحیح نہیں ہوتا۔ تو اس مصدر سے پہلے زمان کا لفظ محذوف نکال لیں گے۔ تو اب یہ بھی زمانہ اور ماقبل میں بھی مُذْ بھی زمانہ تو اب زمانے کا حمل زمانے پر صحیح ہوا۔ تو اب یہ اُس کے لئے خبر بن سکے گا۔

و ھو مبتدَءٌ اور یہ مُذْ اور مُنْذُ ترکیب میں مبتدا ہوں گے۔ **و خبرُہٗ ما بعدَہٗ** اور اسکی خبر ما بعد ہوگی۔ مثلاً، "مُذْ یَوْمُ الجُمُعَةِ" میں مُذْ مبتدا ہے اور یَوْمُ الْجُمُعَةِ اُسکی خبر ہے۔ اسی طرح "ما رَأَیتُهٗ مُذْ یومانِ" یا "ما رَأَیتُهٗ مُنْذُ یومانِ"۔ تو "مُذْ اور مُنْذُ" مبتدا ہے اور "یومانِ" اسکی خبر ہے۔ **خِلافًا لِلزَّجاج**

بخلاف امام زجّاجؒ کے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ "مُذْ اور مُنْذُ" خبر مقدَّم ہے اور مابعد مبتدائے مؤخر ہے۔ جبکہ جمہور نحویوں کے نزدیک یہ "مُذْ اور مُنْذُ" خود مبتدا اور مابعد خبر ہے۔

"مُذْ اور مُنْذُ" کے بارے میں یاد رکھو! یہ ظروف نہیں ہے۔ کیونکہ ظروف کلام میں مفعول فیہ واقع ہو رہے ہیں۔ اور اس کے بارے میں ابھی صاحب کافیہؒ نے بتلایا کہ یہ "مُذْ اور مُنْذُ" کلام میں مبتدا واقع ہوتے ہیں۔ تو لہٰذا یہ ظرف ہے ہی نہیں۔ نہ استعمال کے لحاظ سے ظرف ہے اور نہ حقیقت کے اعتبار سے ظرف ہے۔ کسی طور پر یہ ظرف نہیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اِنکو ظروف کے بحث میں کیوں ذکر کیا؟ وجہ یہ کہ جیسے ظروف زمانہ پر دلالت کرتے ہیں تو یہ "مُذْ اور مُنْذُ" بھی زمانے کے نام ہیں اس لئے اِن کو بھی ظروف کے بحث میں ذکر کیا۔

و منھا لَدٰی و لَدُنْ اور ظروف میں سے "لَدٰی اور لَدُنْ" بھی ہے۔ "لَدٰی اور لَدُنْ" کا وہی معنیٰ ہے جو "عِنْدَ" کا معنیٰ ہے۔ اَلْمَالُ عندَ زیدٍ: مال زید کے پاس ہے۔ اور "اَلْمَالُ لَدٰی زیدٍ": مال زید کے پاس ہے۔ دونوں کا ایک معنیٰ ہے۔ لیکن فرق یہ ہے۔ کہ اگر زید آپ کے پاس بھی بیٹھا ہے اور اُس کا مال گھر میں پڑا ہے تو آپ کہہ سکتے ہیں "المالُ عند زیدٍ" لیکن اب "اَلْمَالُ لَدٰی زیدٍ" نہیں کہہ سکتے۔ اور "لَدٰی" اُس

وقت کہیں گے جب مال اُس کے ساتھ موجود ہے۔ **و قد جاء لَدَنْ وَلَدُنِ وَلُدْنِ و لَدَ و لُدْ و لَدُ** یہ لَدُن کے اندر کئی لغات ہیں۔

و منها قَطُّ لِلْمَاضِي الْمَنْفِيِّ اور ظروف مَبْنِيَّة میں سے ایک "قَطُّ" ہے، یہ ماضی کے لئے آتا ہے ایسا ماضی جو منفی ہو۔ مثلاً آپ کہتے ہیں، مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ: میں نے اُس کو کبھی بھی نہیں دیکھا۔ تو دیکھو یہ "قَطُّ"ماضی کے لئے آیا۔ اور یہ پورے ماضی کا استغراق کر لیتا ہے۔ یعنی پورے ماضی کو گھیر لیتا ہے۔ مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے جتنا زمانہ گذشتہ گذرا ہے اُس میں اُس کو کبھی بھی نہیں دیکھا۔

و عَوْضُ لِلْمُسْتَقْبِلِ الْمَنْفِيِّ اور عَوْضُ مستقبلِ منفی کے لئے آتا ہے۔ یہ قَطُّ کا عکس ہے۔ یعنی پورے مستقبل کا احاطہ کر لے گا۔ مثلاً، لَا اَرٰیٰ عَوْضُ: میں اُس کو کبھی بھی نہیں دیکھوں گا۔

صاحب کافیہؒ ایک نیا ضابطہ بتلانا چاہتے ہیں۔ **و الظُّرُوفُ الْمُضَافَّةِ اِلَى الْجُمْلَةِ وَ اِذْ** اور وہ ظروف جو جملہ کی طرف مضاف ہو اور "اِذْ" کی طرف مضاف ہو۔ **يجوزُ بِنَاؤُهَا على الفتح** تو اُسکو مبنی علی الفتح بنانا بھی جائز ہے۔ یعنی وہ ظروف جس کی اضافت جملہ کی طرف کیا جائے، تو اگر وہ ظروف معرب ہو تو اُس کو معرب پڑھنا بھی جائز اور اُس کو مبنی علی الفتح پڑھنا بھی جائز۔ اسی طرح اگر "اِذْ" کی طرف کسی ظرف کی اضافت کی جائے اور وہ ظرف پہلے سے معرب ہو تو اسکو مبنی علی الفتح بنانا بھی جائز ہے۔

مثلاً: يَوْمَئِذٍ میں يَوْمَ کی اضافت اِذْ کی طرف کی گئی ہے۔ اور حِيْنَئِذٍ میں حِيْنَ کی اضافت اِذْ کی طرف کی گئی ہے۔ اور اِن میں یہ "اِذٍ" اصل میں "اِذْ كَانَ كَذَا" یعنی پورا جملہ تھا۔ جملہ گرا دیا یعنی حذف کر دیا اور اس کے عوض اِذْ کو تنوین دے دی۔ یعنی حِيْنَئِذٍ اصل میں حِيْنَ اِذْ كَانَ كذا تھا۔ تو "كَانَ كَذَا" کو حذف کیا تو باقی "حَيْنَ اِذْ" رہ گیا۔ اور پھر اُس جملہ کے عوض میں اِذْ کو تنوین دے دی گئی تو "حِيْنَئِذٍ" بن گیا۔ اسی طرح يَوْمَئِذٍ بھی ہے۔ تو جب حينَ اور يومَ وغیرہ الفاظ کی اضافت اِذْ کی طرف کی جائے یا جملہ کی طرف کی جائے تو اس صورت میں حينَ اور يومَ کو معرب پڑھنا بھی جائز اور اِنکو مبنی علی الفتح پڑھنا بھی جائز۔

مثلاً "مِنْ" داخل ہو رہا تھا تو پھر "مِنْ يَوْمِئِذٍ" پڑھنا چاہئے اور اسی طرح "مِنْ حِيْنِئِذٍ" پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ یوم اور حین ظروف تو ہیں لیکن معرب ہے۔ لیکن صاحب کافیہؒ نے آپ کو بتلایا کہ اس صورت میں آپ اس مبنی علی الفتح بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی، "مِنْ يَوْمَئِذٍ" اور "مِنْ حِيْنَئِذٍ"۔

و كذلك مثلُ و غيرُ مَعَ مَا و اَنْ و اَنَّ اور اسی طرح مثلُ اور غيرُ ہیں "ما ، اَنْ اور اَنَّ" کے ساتھ۔ بھئی "ما ، اَنْ اور اَنَّ" حروفِ مصدر ہیں۔ "ما" جب فعل پر داخل ہوتا ہے تو اسکو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ اَنْ بھی جب فعل پر داخل ہوتا ہے تو اسکو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ اور اَنَّ جب جملہ پر

داخل ہو تو اسکو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ یہ اَنَّ وہی حروف مشبہ بالفعل والا ہے۔ اور جب یہ جملہ پر داخل ہوتا ہے تو اسکو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔

تو "مثلُ اور غیرُ" جب "ما ، اَنْ اور اَنَّ" کی طرف مضاف ہو جائے تو وہ بھی مبنی علی الفتح پڑھنا جائز ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، قیامُکَ مثلُ ما قامَ زیدٌ: تو اس میں قیامُکَ مبتدا ہے۔ اور مثلُ ما قامَ زیدٌ اُس کے لئے خبر ہے۔ اور خبر مرفوع ہوتی ہے۔ تو قیامُکَ تھا مرفوع تو مثلُ پر بھی رفع پڑھا گیا۔ لیکن صاحب کافیہؒ نے بتلایاکہ مثلُ جب مضاف ہو "ما" کی طرف، تو اس صورت میں مثلُ کو مبنی علی الفتح پڑھنا بھی جائز۔ تو آپ اسکو یوں بھی پڑھ سکتے ہیں، " قیامُکَ مثلَ ما قامَ زیدٌ"۔ تو "مثلَ ما قامَ زیدٌ" تو ہے خبر لیکن اس کو مبنی علی الفتح پڑھا جاتا ہے۔

اسی طرح " قیامُکَ مثلُ اَنْ تَقُوْمَ " ۔ تو یہاں پر مثلُ کی اضافت "اَنْ" کی طرف ہو رہی ہے۔ تو اس صورت میں مثلُ کو مبنی علی الفتح پڑھنا جائز، یعنی " قیامُکَ مثلَ اَنْ تَقُوْمَ " پڑھنا بھی جائز۔

درس 90۔ یہاں سے صاحب کافیہؒ معرفۃ اور نکرۃ کی بحث کرنے لگے ہیں۔ المعرفةُ والنَّكِرَةُ ای هٰذا بحثُ المعرفَةِ والنَّكِرَةِ: یہ معرفۃ اور نکرۃ کی بحث ہے۔ المعرفةُ ما وُضِعَ معرفۃ وہ اسم ہے جسکو وضع کیا جائے لِشَيْءٍ بِعَيْنِهٖ ای لِشَيْءٍ بِذَاتِهٖ: یعنی کسی مُعَیَّن چیز کے لئے اُسے وضع کیا۔ و هي اور معرفۃ کی اقسام یہ ہیں۔ اَلْمُضْمَراتُ ضمیریں ہیں والاعلامُ علَم ہیں و الْمُبْهَمَاتُ اور مُبْهَمَاتْ ہیں۔ مبہمات سے مراد اسمائے موصولہ اور اسمائے اشارہ ہیں۔ اس لئے کہ موصول صلہ کا محتاج ہوتا ہے اور اسم اشارہ مشارٌ الیہ کا محتاج ہوتا ہے۔ و ما عُرِّفَ اور وہ اسم جس کو معرفۃ بنا دیا گیا ہو بِاللَّامِ لامِ تعریف کے ساتھ۔ یعنی وہ اسم جس پر لامِ تعریف داخل ہو وہ بھی معرفۃ ہے۔ اَوِ النِّدَاءِ ای ما عُرِّفَ بالنِّدَاءِ: یا وہ اسم جس کو معرفۃ بنا دیا گیا ہو ندا کے ساتھ۔ جیسا کہ رجلٌ نکرہ ہے۔ اس پر الف لام داخل ہوجائے تو بھی یہ معرفۃ بن جاتا ہے اور اگر اس پر حرفِ ندا "یا" داخل ہوجائے تو بھی یہ معرفۃ بن جاتا ہے۔ جیسا کہ "الرَّجُلُ اور یا رجلُ" دونوں معرفۃ ہیں۔ والْمُضافُ اِلٰی اَحدِها اور اُن میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو۔ جیسے ضمیر کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے تو وہ معرفۃ بن جاتا ہے، جیسا کہ غلامُہٗ یا غلامِي یا غلامُکَ۔ یا علَم کی طرف مضاف ہو جائے تب بھی مضاف معرفۃ بن جاتا ہے جیسا کہ غلامُ زیدٍ۔ یا اسم اشارہ یا اسم موصول کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے تب بھی وہ معرفۃ بنتا ہے۔ جیسا کہ غلامُ الذی ضَرَبَکَ میں غلام معرفۃ بن گیا۔ اور اسم اشارہ کی طرف جیسا کہ غلامُ هٰذا۔اور یا معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسا کہ غلامُ الرَّجُلِ۔ اور منادیٰ کی طرف تو کوئی اسم مضاف نہیں ہوتا۔ تو یہاں پر جو پہلے چار ذکر ہوئے اگر اس کی طرف کوئی اسم مضاف ہو جائے اضافتِ معنوی کے ساتھ تو وہ اسم بھی معرفۃ بن جائے گا۔ اضافت معنوی کی وضاحت آگے آنے والا ہے۔

نیز صاحب کافیہ رح کے اس عبارت سے ایک اور فائدہ بھی حاصل ہوا۔ اور وہ یہ کہ سب سے زیادہ معرفۃ کس میں، پھر اُس کے بعد سب سے زیادہ معرفۃ کس میں، پھر اُس کے بعد سب سے زیادہ معرفۃ کس میں، تو ترتیب بھی بتلا دی صاحب کافیہ رح نے۔ یعنی سب سے زیادہ تعریف ضمیروں کے اندر ہیں۔ اسکے بعد عَلَم کا ذکر آیا۔ تو دوسرے درجے میں تعریف عَلَم کے اندر ہیں۔ تیسرے درجے میں تعریف اسمائے اشارہ اور اسمائے موصولہ میں ہیں۔ چوتھی درجے پر تعریف معرف باللام میں ہے۔ پانچویں درجہ میں تعریف معرفہ بہ ندا میں ہے۔

اور یہ جو مضاف آخر میں ذکر ہوئی یہ آخری درجے میں نہیں۔ مُضاف اُسی معرفۃ ہی حکم میں ہوگا جس کی طرف اُسکی اضافت ہوئی ہے۔ جیسا کہ، "غُلامُہٗ" میں غلام معرفۃ ہوا اور یہ پہلے درجے کا ہوا۔ اسی طرح غلامُ زیدٍ میں غلام دوسرے درجے کا معرفۃ ہوا۔ اور غلامُ الذی ضربَک اور غلامُ ھٰذَا میں یہ غلام معرفۃ ہوا اور تیسرے درجے کا معرفہ ہوا۔ اور غلامُ الرَّجُلِ میں یہ غلام معرفۃ ہے لیکن چوتھے درجے کا معرفہ ہے۔

معنًی ای اِضافَۃً معنًی اِضافت معنوی کے ساتھ۔ اِضافت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اضافت لفظی ہے اور ایک اضافت معنوی ہے۔ اِضافت لفظی وہ ہے جس میں صفت کا صیغہ مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ مثلاً آپ نے کہا، "زیدٌ ضاربٌ عمرًوا"۔ زید پٹھائی کرنے والا ہے عمرو کی۔ تو اِس عمرًوا کو نصب ضاربٌ نے دیا۔ تو یہ عمرًوا معمول ہوا ضاربٌ کا۔ اور ضاربٌ صفت کا صیغہ ہے۔ اب اگر اس صفت کے صیغے کا آپ اضافت کر دے اپنے معمول کی طرف، تو کلام، "زیدٌ ضاربُ عمرٍو" بن جائے گا۔ تو اسکو اِضافتِ لفظیہ کہتے ہیں۔ اور اضافتِ لفظیہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی صرف ضاربٌ سے تنوین گر گئی اور اسکا کوئی فائدہ نہیں۔ ضاربٌ جیسے پہلے نکرۃ تھا اب اضافت کے باوجود بھی نکرۃ کا نکرۃ ہی ہے۔

جبکہ اضافت کی دوسری قسم اضافت معنوی ہے۔ جس میں صفت کا صیغہ اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو۔ چاہے صفت کا صیغہ مضاف ہے مگر اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بلکہ کسی اور اسم کی طرف مضاف ہو۔ یا صفت کا صیغہ نہ ہو اور مضاف ہو کسی دوسرے اسم کی طرف۔ اور اضافتِ معنوی تخصیص یا تعریف کا فائدہ دیتی ہے۔ اگر نکرہ کی اضافت نکرہ کی طرف ہو جائے تو اِضافت معنوی تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ اور اگر نکرہ کی اضافت معرفۃ کی طرف کی جائے تو یہ اضافت معنوی تعریف کا فائدہ دیتی ہے۔

اب مثلاً غلام ایک لفظ ہے اور اسکی اضافت رجل کی طرف کرے تو "غلامُ رجلٍ"۔ یہ اضافت معنوی ہے کیونکہ اضافت لفظی میں مضاف صفت کا صیغہ ہوتا ہے اور یہاں صفت کا صیغہ نہیں۔ اور یہاں اضافت رجلٍ کی طرف کی گئی اور وہ نکرۃ ہے۔ تو اس اضافت معنوی نے تخصیص کا فائدہ دیا۔ پہلے اس

غلام کا اطلاق دنیا کے ہر غلام پر ہوتا تھا، لیکن جب آپ نے اس کی اضافت رجل کی طرف کر دی تو اس سے "غلامُ امْرَءَةٍ" یعنی عورتوں کی غلام خارج ہوئے۔ تو دیکھو اِس میں احتمالات کم ہو گئے۔ تو اِس کو تخصیص کہتے ہیں۔

اور اگر معرفة کی طرف اضافت ہو جائے تو پھر مضاف بھی معرفة بن جائے گا۔ میں رجل کی جگہ زید کا لفظ لاتا ہوں جو کہ علَم ہے معرفة ہے یعنی غلامُ زیدٍ۔ تو اس صورت میں مضاف یعنی غلام بھی معرفة بن گیا۔

اب صاحب کافیہؒ عَلَم کے بارے میں بتلائیں گے۔ ضمیروں کے بارے میں نہیں بتلایا کیونکہ ضمیروں کی بحث گزر چکی ہے۔ مُبہمات یعنی اسمائے موصولہ اور اسمائے اشارات کے بارے میں بھی نہیں بتلائیں گا، کیونکہ اُسکی بحث بھی گزر چکی ہے۔ معرف باللام اور معرفه به ندا اُسکی تعریف کی حاجت ہی نہیں۔ تو عَلَم رہ گیا تھا۔ اب اُس کی تعریف کرنے لگے ہیں۔ **اَلْعَلَمُ مَا وُضِعَ لِشَيْءٍ بِعَيْنِهٖ** عَلَم وہ ہے جس کو کسی مُعَیَّن چیز کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ اب اس میں سارے معرفة داخل ہو گئے۔ کیونکہ معرفة کی بھی یہی تعریف کی تھی۔ لیکن علم کی تعریف یہاں تک پوری نہیں ہوئی۔ آگے فرماتے ہیں۔ **غيرَ مُتَنَاوِلٍ غيرَهُ** اِس حال میں کہ وہ اسم شامل نہ ہو اُس شے کے علاوہ کو۔غیرَہُ کی ھا ضمیر شے کو راجع ہے۔ اسکے ذریعے اب باقی معرفة خارج ہوئے۔ بھئی باقی جو معرفة ہیں وہ وضع کے اعتبار سے کُلّی ہے اور استعمال کے اعتبار سے جُزی ہے۔ جیسے ضمیریں ہیں۔ یعنی "انا" ضمیر۔ تو یہ "انا" ضمیر صرف میرے لئے وضع نہیں۔ اگر میں "انا" کہوں تو اس سے میری ذات مراد ہوگا، اگر مخاطَب "انا" کہے تو اس سے وہ مخاطب مراد ہوگا، اگر زید "انا" کہے تو اس سے زید مراد ہوگا۔ تو اِنکی وضع کُلّی ہے۔ یعنی اِس کو متکلم کے لئے وضع کیا گیا ہے اور کوئی بھی متکلم اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ تو اسکی وضع کُلّی ہوئی۔ اسی طرح اسمائے اشارہ ہے۔ اسم شارہ "هٰذا"۔ هٰذا کے ذریعے میں نے اِس کتاب کی طرف اشارہ کیا، " هٰذا کتابٌ"۔ لیکن یہ " هٰذا" صرف اِسی کتاب کے لئے وضع نہیں، مثلاً قریب کوئی بھی چیز ہو میں اُسکو هٰذا کے ذریعے تعبیر کر سکتا ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ " هٰذا" کی وضع کُلّی ہے۔ اِسکو کسی بھی قریب کی چیز کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ تو معرفة کے اندر یہ ثابت ہوا کہ یہ وضع کُلّی ہے۔ لیکن استعمال یہ جُزِی کے طور پر ہوں گے ہمیشہ۔ هٰذا وضع تو ہر قریب والی چیز کے لئے ہے لیکن جب میں نے کہا " هٰذا کتابٌ"۔ اب یہ " هٰذا" جو میں بول رہا ہوں یہ ہر ایک کے لئے نہیں بلکہ صرف اور صرف اِس کتاب کے لئے میں نے استعمال کیا۔ تو وضع اِنکی کلّی ہے لیکن استعمال میں جُزی ہے۔ جُزِی کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک متعین پر دلالت کرے۔ اسی طرح "انا" وضع ہے ہر متکلم کے لئے تو وضع کے اعتبار سے کُلّی ہوا۔ لیکن جب میں اس کو استعمال کروں گا تو اب اس سے ہر متکلم مراد نہیں بلکہ صرف میرا ذات مراد ہوگا۔ تو

استعمال کے اعتبار اَنا جُزِی ہوا۔ یعنی صرف ایک متعین ذات پر دلالت کیا۔ تو اس صورت میں دیکھو! استعمال جُزی میں ہوگا۔

تو صاحب کافیه عَلم کی تعریف کر رہے ہے کہ علَم وہ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو کسی متعین چیز کے لئے ۔ اب تو سارے معرفة اس میں داخل ہو رہے تھے۔ پھر آگے فرمایا، " غیرَ متناولٍ غیرَهُ" : اس حال میں کہ شامل نہ ہو اُس شے کے غیر کو، یعنی اُس شے کے علاوہ کو، تو اس کے ذریعے باقی اقسامِ معرفة کو نکال دیا۔ اس لئے کہ معرفة کے باقی تمام اقسام میں وضع کُلّی ہوتی ہے۔ جبکہ علَم کے اندر وضع کُلّی نہیں بلکہ جُزِی ہوتی ہے۔ جیسا کہ "زید" جُزِی ہے۔ اُس کا نام والدین نے زید رکھا۔ تو دیکھو! اب "زید" کا لفظ اور افراد کو شامل نہیں ہے وضع کے اعتبار سے۔ جبکہ ھٰذا کا لفظ تو وضع تھا کُلّی معنیٰ کے لئے یعنی ہر قریب والی چیز کے لئے۔ جبکہ زید کا لفظ کسی خاص متعیَّن چیز کے لئے وضع ہے ہر چیز کو وہ شامل نہیں۔

بِوَضْعٍ وَّاحِدٍ ایک ہی وضع کے ساتھ۔ اِس کے ذریعے اعراض کیا اَعْلَامِ مُشْتَرَکه سے۔ بھئ بعض اوقات ایک ہی نام کئی چیزوں کا ہوگا۔ مثلاً ایک شخص کے ہاں بیٹا ہوا تو اُس نے اُس کا نام زید رکھا، دوسرے شخص کے ہاں بیٹا ہوا تو اُس نے بھی اُس کا نام زید رکھا، تیسرے کے ہاں بیٹا ہوا تو اُس نے بھی اُس کا نام زید رکھا۔ تو دیکھو! یہ اب تعریف سے خارج ہو رہا تھا۔ کیونکہ زید کا لفظ تو کئی لوگوں کو شامل ہے۔ لیکن ہر ایک میں وضع مختلف ہے۔ اور صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ ایک وضع کے اعتبار سے غیر کو شامل نہ ہو۔ اور اِن میں سے ہر ایک کے لئے زید کو جب وضع کیا گیا تو غیر کو شامل نہیں تھا۔ لہٰذا یہ اب بھی تعریف میں داخل ہے۔

وَ اَعْرَفُهَا الْمُضْمَرُ الْمُتَكَلِّمُ ثُمَّ الْمُخَاطَبُ اور سب سے زیادہ تعریف متکلّم کی ضمیر میں ہے، پھر مخاطَب کے ضمیر میں تعریف زیادہ ہوتا ہے۔ اور غائب کو ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ لازمی بات ہے ضمائر کی تو تین ہی قسمیں ہیں۔ تو لازمی بات ہے غائب کی ضمیر تیسرے درجے میں ہیں۔

النكرةُ ما وُضِعَ لِشَيْءٍ لا بِعَيْنِه نکرة وہ اسم ہے جس کو وضع کیا گیا ہے کسی غیر مُعَیَّن چیز کے لئے۔ جیسا رجلٌ، غلامٌ وغیرہ

اسماءُ العددِ ما وُضِعَ اسمائے عدد وہ اسم ہے جن کو وضع کیا گیا ہو لِكَمِيَّةِ اَحَادِ الْاَشْيَآءِ اشیاء کے افراد کی مقدار کے لئے۔ کمیت: مقدار، احاد: افراد، اُصُوْلُهَا اثْنَتَا عَشَرَةَ کلمةً بنیادی اسمائے عدد بارہ کلمات ہیں۔ ھا ضمیر راجع ہے اسماء العدد کو۔ واحِدٌ اِلٰى عَشَرَةٍ ایک سے لے کر دس تک۔ آپ اِلیٰ عَشَرَةَ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ عَشَرَة بطور علَم کے استعمال ہوا ہے۔ تو ایک اس کے اندر علمیت آ گئی اور ایک تانیث آگئی۔ و مِائَةٌ و اَلْفٌ اور مِائة اور الف ہیں۔ یہ بارہ بنیادی کلمات ہوئے۔ باقی جتنے

عدد ہیں وہ انہی سے بنیں گے۔ جیسا کہ گیارہ: اَحَدَ عَشَرَ یہ واحدٌ اور عشرٌ سے بنا۔ اسی طرح مِائَۃٌ کو غیر منصرف بھی پڑھ سکتے ہیں۔ ایک سبب اس میں علمیت اور دوسرا سبب تانیث۔ مِائۃ کے درمیان میں الف اس لئے لکھتے ہیں تا کہ مِنۃُ سے اسکا فرق ہو جائے۔ یعنی اگر کاتب مائۃ کو مئۃ لکھے تو ہو سکتا ہے کوئی پڑھنے والا غلطی سے اسے منہ پڑھے۔

تَقُولُ تو کہے گا۔ **واحدٌ اِثْنَانِ واحدۃٌ اثنتانِ** مذکر میں ایک کے لئے واحدٌ، دو کے لئے اِثْنَانِ کہیں گے۔ اور مؤنث میں ایک کے لئے واحدۃٌ، اور دو کے لئے اثنتانِ کہیں گے۔ **و ثِنْتَانِ** اور مؤنث میں دو کے لئے ثِنْتَانِ بھی کہہ سکتے ہے۔ **و ثلثۃٌ اِلٰی عشرۃٍ** اور مذکر میں تین سے لے کر دس تک "ثلثۃ سے لے کر عشرۃ" تک آئیں گے۔ یعنی تاء کے ساتھ آئیں گے۔ یہ گول تا کبھی مذکر کے لئے بھی آتی ہے۔ مثلاً آپ کہنا چاہتے ہیں "تین آدمی" تو یوں کہیں گے، " ثَلاثَۃُ رجالٍ"۔ تو دیکھا رجل کا لفظ چونکہ مذکر تھا تو اس کے لئے ثلاثۃ لے آئیں۔ اور مؤنث کے لئے یہ تا ختم کریں گے۔ کیونکہ یہ تا مؤنث کے لئے نہیں ہے۔ اگر آپ "تین عورتیں" کہنا چاہتے ہیں تو " ثلٰثُ نِسْوَۃٍ" کہیں گے۔ اسی طرح تِسْعُ نِسْوَۃٍ، سِتُّ نِسْوَۃٍ وغیرہ **و ثلثٌ الیٰ عَشَرٍ** مؤنث میں تین سے دس تک "ثلثٌ سے لے کر عشرٌ" تک آئیں گے۔

ثَلٰثَ سے لے کر عَشَرَ تک عدد کا تمیز جمع مجرور آئے گا۔ یعنی وہ چیز جس کی تعداد بیان کریں گے وہ جمع مجرور آئے گی۔ آپ بتلانا چاہتے ہیں "چار آدمی"، تو "اَرْبَعَۃُ رجالٍ" کہیں گے۔ کیونکہ رجل مذکر ہے۔ تو تین سے لے کر دس تک مذکر کے لئے عدد کے ساتھ گول تا ملایا جاتا ہے۔ اس کے بعد رجل کی جمع مجرور لائیں گے۔ اس کے بعد عدد کی اضافت کریں گے جمع مجرور کی طرف۔ تو عدد "اَرْبَعَۃٌ" بن جائے گا، رجلٌ کی جمع مجرور "رجالٍ" آتا ہے۔ اب "اَرْبَعَۃٌ" کی اضافت کرے "رجالٍ" کی طرف تو "اَرْبَعَۃُ رجالٍ" بن جائے گا۔ اسی طرح "خَمْسَۃُ رجالٍ"، "سِتَّۃُ رجالٍ"، "سَبْعَۃُ رجالٍ"، "ثَمَانِیَۃُ رجالٍ"، "تِسْعَۃُ رجالٍ" اور "عَشَرَۃُ رجالٍ"۔ نوٹ: عَشَرَ کے ساتھ جب تا مل جائے تو پھر شین کو ساکن پڑھتے ہیں جیسا کہ "عَشْرَۃٌ"۔

اور مؤنث کے لئے بغیر تا کے لے آؤ۔ جیسے "کُرَّاسَۃٌ" کاپی کو کہتے ہیں۔

تو جب آپ کہیں گے "تین کاپیاں" تو "ثَلٰثُ کُرَّاساۃٍ" کہیں گے، اسی طرح "اَرْبَعُ کُرَّاساۃٍ" ، "خَمْسُ کُرَّاساۃٍ"، "سِتُّ کُرَّاساۃٍ"، "سَبْعُ کُرَّاساۃٍ"، "ثمانِیَ کُرَّاساۃٍ" ، "تِسْعُ کُرَّاساۃٍ" اور "عَشَرُ کُرَّاساۃٍ"۔

تو تین سے لے کر دس تک تمیز جمع مجرور آئیں گی۔ اور گیارہ سے لے کر ننانوے تک یعنی "اَحَدَ عَشَرَ سے لے تِسْعَۃٌ و تِسْعُوْنَ" تک تمیز مفرد منصوب آئے گی۔ مثلاً، "گیارہ آدمی" تو "اَحَدَ عَشَرَ رجلاً" کہیں گے۔ جبکہ مِائۃ اور الفَ کی تمیز مفرد مجرور آئے گی۔ جیسا کہ "مِائۃُ رجلٍ" اور "الفُ رجلٍ"۔

اسکے بعد یاد رکھو! گیارہ اور بارہ میں، اکیس اور بائیس، اکتیس اور بتیس، یعنی ہر دہائی کے پہلے دو عدد جو ہیں، اگر تمیز مذکر ہوں تو دونوں جُز اُس کے مطابق مذکر آئیں گے۔ اور اگر تمیز مؤنث ہے تو دونوں

جُز مؤنث آئیں گے۔ مثلاً آپ "گیارہ آدمی" کہنا چاہتے ہیں۔ تو تمیز کے بارے میں تو طے ہے کہ وہ مفرد منصوب یعنی "رجلاً" آئے گا۔ اب چونکہ رجل مذکر ہے تو اس کے لئے جو عدد لائیں گے اُس میں دونوں جُز مذکر لائیں گے۔ اور یوں کہیں گے، "اَحَدَ عَشَرَ رجلاً"۔ تو اَحَدَ بھی مذکر اور عَشَرَ بھی مذکر۔ اسی طرح بارہ کے لئے، "اِثْنَا عَشَرَ رجلاً" کہیں گے۔ تو اس میں اِثْنَا بھی مذکر اور عَشَرَ بھی مذکر ہے۔

اور مؤنث کے لئے دونوں جُز مؤنث لائیں گے۔ جب آپ کہیں گے "گیارہ عورتیں" تو "اِحْدیٰ عَشْرَةَ اِمْرَءَةً" کہیں گے۔ تو اِحْدیٰ بھی مؤنث آیا اور عَشْرَةَ بھی مؤنث آیا۔ اس لئے کہ آگے تمیز مؤنث آئی۔ اور "بارہ عورتیں" تو " اِثْنَتَا عَشْرَةَ اِمْرَءَةً" کہیں گے۔ یہاں بھی اِثْنَتَا مؤنث ہے اور عَشْرَةَ بھی مؤنث ہے اس لئے کہ آگر اِمْرَءَةً تمییز مؤنث ہے۔

اسی طرح اگلی دہائی میں چلی جائے۔ یاد رکھئے یہاں ہم ہر دہائی کے پہلے دو عدد کی بات کر رہے ہیں۔ دہائیوں میں یاد رکھئے ! یہ دہائی یعنی عشرونَ، ثلاثونَ الیٰ تِسعونَ مذکر اور مؤنث کے لئے یکساں رہتے ہیں۔ البتہ اس میں بھی پہلا جُز تذکیر و تانیث میں تمیز کے مطابق ہو جائیں گے۔ اگر تمیز مذکر ہے تو پہلا جُز مذکر ہوں گا، اور اگر تمییز مؤنث ہے تو پہلا جُز مؤنث ہوں گا۔ مثلاً آپ کہنا چاہتے ہیں، "اکیس آدمی" تو یوں کہیں گے، " اَحَدٌ وَّ عِشْرُونَ رجلاً" اور "بائیس مرد" تو "اِثنانِ وَّ عِشْرُونَ رجلاً" کہیں گے۔ مؤنث کی صورت میں، "اکیس عورتیں"، "احدیٰ و عشرونَ اِمْرَءَةً" اور "بائیس عورتیں" تو "اِثْنَتَانِ و عِشْرُونَ اِمْرَءَةً" کہیں گے۔

اسی طرح مذکر کے لئے "اَحَدٌ وَّ ثلاثونَ رجلاً" اور "اِثْنَانِ وَّ ثلاثُونَ رجلاً" کہیں گے۔ پھر "اَحَدٌ وَّ اَرْبَعُوْنَ رجلاً" اور "اِثْنَانِ وَّ اَرْبَعُوْنَ رجلاً" کہیں گے۔ الیٰ "احدٌ و تِسعُوْنَ رجلاً" اور "اِثْنَانِ وَّ تِسعُوْنَ رجلاً" تک۔

اسی طرح مؤنث کے لئے " اِحدیٰ و ثلاثونَ اِمْرَءَةً "، "اِثْنَتَانِ وَّ ثلاثُونَ اِمْرَءَةً "، "اِحدیٰ و اَرْبَعُوْنَ اِمْرَءَةً"، "اِثْنَتَانِ و اَرْبَعُوْنَ اِمْرَءَةً" اِلیٰ " اِحدیٰ و تِسعُونَ اِمْرَءَةً" اور "اِثْنَتَانِ و تِسعُوْنَ اِمْرَءَةً" کہیں گے۔

یہ تو ہر دہائی کے پہلے دو دو عدد تھے، اُن کی بات ختم ہوئی۔

اور اگلے جو عدد ہیں۔ یعنی ثلاثَ عَشَرَ سے لے کر تِسعَ عَشَرَ تک۔ یہ تو طے ہے کہ اِن کی تمیز مفرد منصوب آئے گی۔ لیکن یہ ذرا مشکل ہے۔ اِن میں یاد رکھو! مذکر تمیز کے لئے پہلا جُز جو ہے اُس میں تا آئے گی اور دوسرے جُز میں تا نہیں آئیں گی۔ تو یوں کہہ لوں سمجھنے کے لئے پہلے جُز ہوگا مخالِف اور دوسرا جُز ہوگا مطابِق۔ اگر چہ یہ تا تذکیر کی ہے لیکن سمجھنے کے لئے یوں کہوں۔

تو "تیرہ آدمی" اس کے لئے " ثلاثَةَ عَشَرَ رجلاً" کہیں گے۔ رجل مذکر ہے تو پہلے جُز کے ساتھ تا آئی اور ثلاثَ کی جگہ ثلاثَةَ لکھا جبکہ دوسری جُز میں تبدیلی نہیں کی۔ اسی طرح اُنیس تک چلیں گے۔ "اَرْبَعَةَ عَشَرَ رجلاً"، "خَمْسَةَ عَشَرَ رجلاً"، "سِتَّةَ عَشَرَ رجلاً"، "سَبعَةَ عَشَرَ رجلاً"، ثمانیَةَ عَشَرَ رجلاً"، اور "تِسعَةَ عَشَرَ رجلاً"۔

اور مؤنث کے لئے پہلا جُز تا کے بغیر لاؤ اور دوسرا جُز تا کے ساتھ لاؤ۔ تو "تیرہ عورتیں" اس کے لئے "ثلاثَ عَشْرَۃَ اِمْرَءَۃً" کہیں گے۔ یہاں اِمْرَءَۃ مؤنث ہے تو پہلا جز بغیر تا کے کرو اور دوسرا جُز تا کے ساتھ کرو۔ اِمْرَءَۃً کا ہمزہ وصلی ہے لہٰذا یوں پڑھیں گے، "ثلاثَ عَشْرَۃَ امْرَءَۃً "۔ اسی طرح، "اَرْبَعَ عَشْرَۃَ امْرَءَۃً "، "خَمْسَ عَشْرَۃَ امْرَءَۃً "، "سِتَّ عَشْرَۃَ امْرَءَۃً "، "سَبْعَ عَشْرَۃَ امْرَءَۃً "، "ثَمَانِيَ عَشْرَۃَ امْرَءَۃً " اور "تِسْعَ عَشْرَۃَ امْرَءَۃً " کہیں گے۔

اب صاحب کافیہؒ اسکی وضاحت اپنے الفاظ میں کرتے ہیں۔

وَ اَحَدَ عَشَرَ اِثْنَاعَشَرَ گیارہ اور بارہ میں مذکر تمیز کے لئے احدَ عَشَرَ اور اِثْنَا عَشَرَ کہیں گے۔ تو مذکر تمیز کے لئے دونوں جُز مذکر آئیں گے۔ اِحدیٰ عَشْرَۃَ اِثْنَتَا عَشْرَۃَ وَ ثِنْتَا عَشْرَۃَ اور مؤنث کی صورت میں گیارہ اور بارہ میں اگر تمیز مؤنث ہوں تو یہ دونوں جُز مؤنث ہوں گے۔ و ثلثۃَ عشر الٰی تِسْعَۃَ عشرَ اگر تیرہ سے اُنیس تک تمیز مذکر ہو تو پہلے جُز میں تا آئے گا جبکہ دوسرے جُز میں تا نہیں آئے گی۔ بالفاظ دیگر آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ تیرہ سے لے کر اُنیس تک پہلا جُز تمیز کے مخالف ہوگا اور دوسرا جز تمیز کے مطابق ہوگا۔ وَ ثَلْثَ عَشْرَۃَ اِلیٰ تِسْعَ عَشْرَۃَ اسی طرح اگر تیرہ سے لے کر اُنیس تک تمیز مؤنث ہو تو پہلا جُز بغیر تا کے آئے گا اور دوسرا جُز تا کے ساتھ آئے۔ بالفاظ دیگر تیرہ سے کے کر اُنیس تک پہلا جُز تمیز کے مخالف ہوگا جبکہ دوسرا جُز تمیز کے مطابق ہوگا۔

وَ تَمِيمٌ اور بنو تمیم قبیلے والے جو ہیں تُكْسِرُ الشِّيْنَ وہ شین کو کسرہ دیتے ہیں فِی الْمُؤَنَّثِ مؤنث میں۔ اھل حجاز کے نزدیک جب عَشَرَ کے ساتھ "تا" مل جائے تو اسکے شین کو ساکن پڑھیں گے یعنی عَشْرَۃَ پڑھیں گے۔ جبکہ بنو تمیم والے شین پر کسرہ پڑھتے ہیں۔ یعنی ثَلَاثَ عَشِرَۃَ، اَرْبَعَ عَشِرَۃَ، خَمْسَ عَشِرَۃَ، سِتَّ عَشِرَۃَ، سَبْعَ عَشِرَۃَ، ثَمَانِيَ عَشِرَۃَ، تِسْعَ عَشِرَۃَ کہتے ہیں۔ تو بنو تمیم والے شین پر کسرہ پڑھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چار حرکتیں مسلسل فتحہ کی یہ ثقیل ہے۔ یعنی چار ایک جیسی حرکتیں مسلسل جمع ہو جائیں تو اس سے ثِقل پیدا ہوتا ہے۔ تو اِس وجہ سے عَشَرَۃَ میں اہل حجاز شین کو ساکن پڑھتے ہیں اور بنو تمیم والے شین کو کسرہ دیتے ہیں۔

و عِشْرُونَ وَ اَخَوَاتِهَا اور عشرون اور جو اِس کے مشابہ کلمات ہیں۔ یعنی ثلاثون، اَربعونَ، خمسونَ، سِتُّونَ، سَبْعُونَ، ثمانونَ اور تِسْعُونَ۔ فِيْهِمَا یہ دونوں میں آئیں گے۔ یعنی اگر تمیز مذکر ہو تب بھی یہ دہائیاں اِسی طرح آئے گا اور اگر تمیز مؤنث ہو تب بھی یہ ساری دہائیاں اِسی طرح آئیں گے۔ یعنی دہائیاں سب کے لئے ایک جیسے رہیں گی۔ وَ اَحَدٌ وَّ عشرون وَ اِحْدیٰ وَ عِشْرُونَ عشرونَ کے بعد کیسے کہیں گے۔ تو صاحب کافیہ بتلاتے ہیں کہ مذکر کے لئے "اَحَدٌ وَّ عِشْرُوْنَ" کہیں گے اور مؤنث کے "اِحْدیٰ وَ

عِشْرُوْنَ" کہیں گے۔ اکیس اور بائیس میں پہلا جُز تمیز کے مطابق بدلتا رہتا ہے اس لئے اسکو باقاعدہ ذکر کیا۔ اور ہر دہائی کے پہلے دو نمبروں میں تخفیف کرتے ہیں۔ **ثُمّ بالعَطف** پھر عطف کے ذریعے کہتے چلے جائیں گے۔ یعنی اکیس اور بائیس کے بعد عطف کے ذریعے کہتے چلے جائیں گے۔ تو تئیس سے لے اُنتیس تک مذکر تمیز کے لئے، "ثلاثَةٌ وَّ عِشْرُونَ" کہیں گے، چوبیس کے لئے، " اَرْبَعَةٌ وَّ عِشْرُونَ"، پچیس کے لئے، "خَمْسَةٌ وَّ عِشْرُونَ"، چھبیس کے لئے "سِتَّةٌ وَّ عِشْرُونَ" پھر "سَبْعَةٌ وَّ عِشْرُونَ"، پھر "ثمانيةٌ وَّ عِشْرُونَ" اور پھر "تِسْعَةٌ وَّ عِشْرُونَ" کہیں گے۔ اسی طرح اگر تمیز مؤنث ہو تو تئیس سے لے کر اُنتیس تک عطف کے ساتھ یوں کہیں گے، "ثلاثٌ وَّ عِشْرُونَ" کہیں گے، چوبیس کے لئے، " اَرْبَعٌ وَّ عِشْرُونَ"، پچیس کے لئے، "خَمْسٌ وَّ عِشْرُونَ"، چھبیس کے لئے "سِتٌّ وَّ عِشْرُونَ" پھر "سَبْعٌ وَّ عِشْرُونَ"، پھر "ثمانِي وَّ عِشْرُونَ" اور پھر "تِسْعٌ وَّ عِشْرُونَ" کہیں گے۔ ثمانِيَ کی وضاحت آگے صاحب کافیه خود کر رہے ہیں۔ تو اسمیں تین طرح پڑھنا جائز ہے۔ ثمانِيَ ، ثمانِيْ، اور ثمانَ۔ **بِلَفْظِ مَا تَقَدَّمَ** اُسی چیز کے لفظ کے ساتھ جو پہلے گزر چکی ہے۔ یعنی مذکر تمیز کے لئے ثلاثةٌ وَّ عشرونَ رجلاً، اربعةٌ وَّ عشرونَ رجلاً وغیرہ اور مؤنث تمیز کے لئے ثلاثٌ وَّ عشرون امْرَءَةً، اربعٌ وَّ عشرونَ امْرَءَةً وغیرہ۔ تفصیل اوپر ہے۔ **الیٰ تسعةٍ وَّ تسعينَ** ننانوے تک۔ ننانوے تک اسی طرح عطف کرتے جاؤ۔ مثلاً تینتیس مرد کے لئے "ثلاثةٌ وَّ ثلاثونَ رجلاً" اور تینتیس عورتیں، اس کے لئے "ثلاثٌ و ثلاثونَ امْرَءَةً" الی اٰخرہ۔

ننانوے کے بعد کس طرح ہوگا؟ صاحب کافیہؒ اب اُسکی وضاحت کرتے ہیں۔ **وَ مِائَةٌ** اور سَو میں مذکر تمیز کے لئے بھی مِائَةٌ ہوگا اور مؤنث تمیز کے لئے بھی مِائَةٌ ہوگا۔ یعنی مَائَةُ رجلٍ اور مِائَةُ امْرَءَةٍ۔ **و الفٌ** اور ہزار میں مذکر تمیز کے لئے بھی اَلْفٌ ہوگا اور مؤنث تمیز کے لئے بھی اَلْفٌ ہوگا۔ یعنی الفُ رجلٍ اور الفُ امْرَءَةٍ۔ **مائتان و الفان** اسی طرح اِن دونوں کی تثنیه جو ہے وہ بھی اسی طرح آئے گی۔ مِائَةٌ کی تثنیه مِائتانِ ہے۔ نون اضافت کی وجه سے گر جائے گا، تو مِائتا رجلٍ اور مِائَتَا امْرَءَةٍ کہیں گے۔ الفانِ یه الفٌ کی تثنیه ہے۔ اس میں بھی نون اضافت کی وجه سے گر جائے گا۔ تو الفا رجلٍ اور الفَا امْرَءَةٍ کہیں۔

فیهما ای فی المذکر و المؤنثِ ۔ مذکر اور مؤنث دونوں میں ایک جیسے ہوگا۔ اس کی وضاحت اوپر ہے۔ **ثم بالعطف** پھر اسکے بعد عطف کے ساتھ کہیں گے۔ **علیٰ ما تقدم** اُس چیز پر جو پہلے گزر چکی ہے۔ یعنی مِائَةٌ وَّ واحدٌ، مِائةٌ وَّ اِثْنانِ، مِائةٌ وَّ ثَلَاثَةٌ۔ چاہیے پہلے لائے چاہیے بعد میں لائے۔ یعنی ثَلَاثَةٌ وَّ مِائَةٌ۔ **و فی ثمانِيَ عَشَرَةَ فتحُ الیاءِ** اور ثمانِيَ عشرة کے اندر "یا" پر فتحه پڑھیں گے۔ **و جازَ اِسْکَانُها** اور اسکو ساکن کرنا بھی جائز ہے۔ یعنی ثمانِيْ عَشَرَةَ کی جگه ثَمَانِيَ عَشَرَةَ پڑھنا بھی جائز ہے۔ **و شَذَّ حَذْفُهَا**

بِفَتْحِ النُّونِ اور شاذ ہے "یا" کو حذف کرنا "نون" کے فتحہ کے ساتھ۔ یعنی کبھی کبھار "یا" کو حذف کرتے ہیں اور "نون" پر فتحہ پڑھتے ہیں، یعنی یوں پڑھتے ہیں، ثَمَانَ عَشْرَۃَ۔

وَ مُمَیَّزُ الثَّلٰثَۃِ اِلَی الْعَشْرَۃِ مَخْفُوضٌ مَجْمُوعٌ اور ثَلٰثَۃ سے لے کر عَشْرَۃَ تک تمیز جمع مجرور آئے گی۔ لفظا او معنًی لفظوں کے اعتبار سے جمع ہوگی یا معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہوگی۔ جیسا کہ "ثَلاثَۃُ رجالٍ" یہ رجال لفظوں کے اعتبار سے جمع ہے۔ کبھی لفظوں کے اعتبار سے جمع نہیں ہوگی بلکہ معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہوگی۔ جیسے آپ کہتے ہیں، ثلاثَۃُ رَھْطٍ۔ رَھْط: آدمیوں کی جماعت۔ اب رھط یہ تو لفظوں کے اعتبار سے مفرد ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہے۔ کیونکہ یہ جماعت پر بولا جاتا ہے۔

الّا فی ثلثِمائۃٍ الیٰ تسعِمائۃٍ مگر ثلاثَمائۃٍ سے لے کر تسعَمائۃٍ تک یہاں تمیز مفرد مجرور آئے گی۔ بھئی ضابطے کے مطالبق ثَلْثُمِئاتٍ ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ ثلٰث سے لے عشر تک کی تمیز جمع مجرور آتی ہے۔ اور مائۃ کی جمع مِئات آتی ہے۔ تو قاعدے کے مطابق ثَلاثُمِئاتٍ کہنا چاہئے تھا۔ لیکن یہ مستثنیٰ ہے اُس قاعدہ سے۔ تین سے لے کر نو تک اگر مِائۃ تمیز آجائے تو وہ اُسی طرح مفرد رہے گا۔ اور مائۃ کے ساتھ چونکہ تا ملی ہوئی ہے تو لہٰذ ثلٰث کو بغیر تا کے لے آئیں گے۔ اور یوں کہیں گے، ثلٰثُمِائۃٍ، اَرْبَعُمِائۃٍ، خَمْسُمِائۃٍ، سِتُّمِائۃٍ، سَبْعُمِائۃٍ، ثمانِیَمِائۃٍ یا ثمانَمِائۃٍ اور تِسْعُمِائۃٍ۔ نیز اس میں رسمُ الخط کا قاعدہ بھی یاد رکھے! اس میں ثلٰثُ کو مِائۃ کے ساتھ جوڑ کر لکھیں گے۔ اَرْبَعُمِائۃٍ کہیں گے تو اس کو رسم الخط میں جوڑ کر رکھیں گے یہاں تک کہ تِسْعَمائۃ تک۔ جیسا میں نے اوپر سارے جوڑ کر لکھیں ہیں۔ اور صاحب کتاب نے بھی جوڑ کر لکھیں ہیں۔

و کان قیاسُھا مئاتٍ اَوْ مِئِیْنَ اور قیاس تو یہ کہتا ہے کہ ثلاثَ سے لے کر تسعَ تک کی تمیز جب مائۃ آجائے تو مئات یا مِئِیْن کہنا چاہئے۔ وَ مُمَیَّزُ اَحَدَ عَشَرَ الی تِسْعَۃٍ وَّ تسعینَ منصوبٌ مفردٌ اور گیارہ سے لے کر ننانوے تک عدد کی تمیز منصوب ہوگی اور مفرد ہوگی۔ جیسا کہ اَحَدَ عَشَرَ رجلاً، تِسْعَۃٌ وَّ تِسْعُوْنَ رجلاً وغیرہ۔ وَ مُمَیِّزِ مائۃٍ و الفٍ اور مائۃ کی تمیز اور الف کی تمیز و تَثْنِیَتِھِما اور اِن دونوں کی تثنیہ کی تمیز و جَمْعِہٖ اور الف کی جمع کی تمیز مَخْفُوضٌ مُفْرَدٌ وہ ہمیشہ مفرد مجرور ہوگی۔ بھئی الف کی جمع تو ذکر کی لیکن مائۃ کی جمع ذکر نہیں کی۔ اس وجہ سے کہ مائۃ کی عدد میں جمع نہیں لائی جاتی تمیز کے ساتھ۔

درس 91۔ و اذا کان المعدودُ مُؤَنَّثًا و اللفظُ مذکرًا جب معدود مؤنث ہو اور لفظ مذکر ہو۔ ہم نے پڑھا کہ جب معدود مؤنث ہو تو عدد بغیر تاء کے لائیں گے اور جب معدود مذکر ہو تو عدد بالتاء لائیں گے۔ اور اگر معدود مذکر ہو لیکن آپ جس لفظ سے اُسے تعبیر کر رہے ہو وہ لفظ مؤنث ہے۔ تو پھر اس صورت میں عدد کو بالتاء بھی لانا جائز اور بغیر تاء کے بھی لانا جائز۔ او بالعکسِ یا اِسکا عکس

ہو۔ یعنی معدود مذکر ہے اور لفظ مؤنث ہو۔ **فَوَجْهَانِ** تو دو وجہیں جائز ہے۔ تو اس صورت میں بھی دونوں وجہیں جائز ہے۔ یعنی عدد کو تاء کے ساتھ لانا بھی جائز اور بغیر تاء کے لانا بھی جائز۔

مثلاً شخص کا لفظ ہے۔ آپ عورتوں کو گن رہے ہیں اور عورت کو آپ شخص کے لفظ سے تعبیر کر رہے ہیں۔ یاد رکھو! شخص کا اطلاق مذکر پر بھی ہوتا ہے اور مؤنث پر بھی ہوتا ہے۔ اب آپ شمار کر رہے ہیں عورتوں کو، تو معدود ہے مؤنث، لیکن اِس معدود کو آپ مذکر لفظ یعنی شخص کے لفظ کے ساتھ تعبیر کر رہے ہیں۔ شخص کا لفظ مذکر ہے۔ اس کے ساتھ کوئی علامت تانیث ملی ہوئی نہیں۔ تو ایسے موقع پر عدد کو مؤنث لانا بھی جائز اور مذکر لانا بھی جائز۔ یعنی معدود کی رعایت رکھنا بھی جائز اور لفظ کی رعایت رکھنا بھی جائز۔

مثلاً "تین عورتیں" اور ہم عورت کو شخص کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، تو " ثلاثَةُ اشخاصٍ" اور "ثلاثُ اشخاصٍ" دونوں کہنا ٹھیک ہے۔ " ثلاثَةُ اَشْخَاصٍ" میں شخص کے لفظ کی رعایت رکھی گئی، کیونکہ شخص کا لفظ مذکر ہے۔ اور مذکر کے لئے عدد تاء کے ساتھ لایا جاتا ہے۔ اور "ثلاثُ اَشْخَاصٍ" میں معدود کی رعایت رکھی گئی کیونکہ معدود مؤنث ہے اور مؤنث معدود کے لئے عدد بغیر تاء کے لایا جاتا ہے۔ تو ایسے موقع پر لفظ کی رعایت رکھنا بھی صحیح اور معدود کی رعایت رکھنا بھی صحیح۔

یا اسکا عکس ہو جائے۔ جس کو گِن رہے ہیں یعنی معدود وہ مذکر ہے۔ مثلاً آپ آدمیوں کو گن رہے ہیں اور اسکے لئے نفس کا لفظ استعمال کر رہے ہیں۔ نفس کا لفظ مؤنثِ سماعی ہے۔ تو "تین آدمی" اس کے لئے " ثلاثَةُ اَنْفُسٍ " اور "ثلاثُ اَنْفُسٍ" دونوں کہہ سکتے ہیں۔ ثلاثَةُ اَنْفُسٍ کہا تو اس صورت میں آپ نے معدود کی رعایت رکھی۔ کیونکہ معدود مذکر ہے اور مذکر کے لئے عدد تاء کے ساتھ لایا جاتا ہے۔ اور ثلاثُ اَنْفُسٍ کہا تو اس میں آپ نے لفظ کی رعایت رکھی۔ اور نفس کا لفظ چونکہ مؤنث ہے اور مؤنث کے لئے عدد کو بغیر تاء کے لایا جاتا ہے۔

و لا يُمَيَّزُ واحدٌ وَّ اِثْنَانِ واحد اور اِثنان کی تمیز نہیں لائی جاتی۔ یہ نہیں کہتے "واحدُ رجلٍ" یا "اِثْنَا رجلٍ"۔ اس لئے کہ تمیز کا لفظ ہی واحد اور تثنیہ سے بے پرواہ کر دیتا ہے۔ اور اسکی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ جیسا کہ رجلٌ اور رجلانِ سے واحد اور تثنیہ کا پتہ چل گیا کہ ایک آدمی ہے یا دو آدمی۔ بھئی یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک ہے عدد اور ایک ہے جنس۔ جب آپ کہتے ہیں، "ثلاثَةُ رجالٍ" تو ثلاثہ نے دلالت کی عدد پر اور رجال نے جنس کے بارے میں بتلایا اور اس نے دلالت کی کہ یہ تین آدمی ہیں۔ اس طرح آپ کہتے ہیں، "خمسةُ رجالٍ"، تو خمسة نے عدد پر دلالت کی اور رجال نے جنس پر دلالت کی۔ تو عدد اور تمیز لایا جاتا ہے اس وجہ سے کہ عدد دلالت کرتا ہے عدد پر اور تمیز دلالت کرتا ہے جنس پر۔ اگر صرف "ثلاثة" کہا جائے تو عدد کا پتہ تو چل جائے گا لیکن جنس کا پتہ نہیں چلے گا۔ اور اگر آپ صرف "رجال" کہے

تو جنس کا تو پتہ چل گیا لیکن عدد کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ لہٰذ اس لئے ثلاثۃ وغیرہ باقی جو اعداد ہیں اُنکی تمیز لائی جاتی ہے۔ تاکہ عدد دلالت کرے عدد پر اور آگے تمیز اُس جنس پر دلالت کرے۔

جبکہ واحد اور تثنیہ انکی تمیز نہیں لائی جاتی، اس لئے کہ وہ لفظ جس کو تمیز بنانا چاہئے تھا وہ خود ہی عدد پر بھی دلالت کر دیتا ہے اور جنس پر بھی دلالت کر دیتا ہے۔ آپ نے کہا رجلٌ، تو رجلٌ نے دو چیزوں پر دلالت کی۔ ایک اِس نے جنس پر دلالت کی اور دوسرا یہ بتلا دیا کہ ایک ہی آدمی ہے۔ اِسی طرح جب آپ نے کہا "رجلانِ" ۔ تو اس نے عدد پر بھی دلالت کی کہ دو ہیں اور جنس پر بھی دلالت کی کہ رجل سے ہے۔ تو رجل کے لفظ نے ہمیں واحد سے بے پرواہ کر دیا اور رجلان کے لفظ نے ہمیں اثنانِ سے بے پرواہ کر دیا۔

اِسْتِغْنَاءً بوجہ بے پرواہ ہونے کے **بِلَفْظِ التَّمِييزِ** تمیز کے لفظ کے ساتھ۔ **عنہُما** واحد اور اثنان سے۔ تمیز کے لفظ کے سبب سے ہم واحد اور اثنان سے بے پرواہ ہو گئے ہیں۔ یعنی رجلٌ کہہ دیا تو واحد کے لفظ کی ضرورت نہیں رہتی اور رجلان کہہ دیا تو اِثنان کہنے کی ضرورت نہیں۔ **مثلُ رجلٌ وَّ رجلانِ** جیسے کہ رجلٌ اور رجلانِ۔ رجلٌ نے عدد بھی بتلا دیا کہ ایک ہے اور جنس بھی بتلا دیا کہ رجل ہے۔ اور اسی طرح رجلانِ نے عدد بھی بتلا دیا کہ دو ہے اور جنس بھی بتلا دیا کہ رجل کے جنس سے ہے۔ **لِـاِفَادَتِہِ** ھا ضمیر راجع ہے تمیز کو۔ اس وجہ سے کہ تمیز کا لفظ فائدہ دیتی ہے اِن دونوں میں، یعنی واحد اور اثنان میں تمیز کا لفظ فائدہ دے دیتا ہے **النَّصَ** اُس تصریح کا، اس لئے کہ تمیز کا لفظ فائدہ دیتا ہے اُس تصریح کا **الْمَقْصُودَ بالعددِ** جو عدد سے مقصود تھی۔ یعنی عدد سے مقصود تعداد کی تصریح تھی۔ اور وہ تمیز سے ہمیں پتہ چل گئی۔ بھئی عدد اس لئے ساتھ ذکر کیا جاتا تھا تا کہ تعداد بتلایا جائے۔ ثلاثۃُ رجالٍ کہا تو اِس ثلاثۃُ نے تعداد بتلا دی۔ تو یہاں پر تمیز کا لفظ فائدہ دے دیتا ہے اُس تصریح کا جو عدد سے مقصود تھی۔ یعنی عدد کے ذریعے تعداد بتلانا مقصود تھی، اور اُس تعداد کی تصریح کا فائدہ تمیز کا لفظ ہی دے دیتا ہے۔

بھئی آپ کے پاس کافی چیزیں ہیں۔ مثلاً پانچ، چھ، ساتھ، دس چیزیں ہیں۔ اُس میں سے آپ مرتبے کے اعتبار سے گننا چاہتے ہیں۔ تو عدد سے اسم فاعل بناتے ہیں۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں "پانچواں" تو میں "خامِسٌ بروزنِ فاعِل" کہوں گا۔ تو جب بھی متعدَّد چیزوں میں سے کسی ایک کو بتلانا مقصد ہو تو اُس کے لئے اسم فاعل لے آتے ہیں۔ جیسے میرے پاس آٹھ چیزیں ہیں۔ اور میں بتلانا چاہتا ہوں کہ یہ پانچوی ہیں۔ تو میں "خامِس" کہوں گا۔ میں کہنا چاہتا ہوں "چھٹی" ہے تو "سادِس" کہوں گا۔ میں کہنا چاہتا ہوں "ساتھوی" ہیں تو "سابع" کہوں گا۔ تو دیکھو مُتَعَدَّد چیزوں سے کوئی ایک مفرد بتلانا چاہتا تھا تو اس کے لئے اسم فاعل کا طریقہ تھا۔ تو اس کو کہتے ہیں "مفرد من المتعدَّد"۔

یہ ذرا مشکل بحث ہے۔ دیکھو! جب آپ متعدَّد چیزوں میں سے کسی ایک کے بارے میں بتلانا چاہے تو اسکے دو طریقے ہیں۔ ایک باعتبار تصییر کے ہے۔ تصییر کا معنیٰ ہے بنانا، کرنا۔ اور دوسرا اُس کے حال کے اعتبار سے ہے۔ حال سے مراد مرتبہ ہے۔

وَ تَقُولُ فِي الْمُفْرَدِ مِنَ الْمُتَعَدَّدِ اور آپ کہیں گے مُتَعَدَّد میں سے مفرد کے بارے میں بتلاتے ہوئے بِاعْتِبَارِ تَصْيِيرِهِ اُس مفرد کے تَصْيِيْر کے اعتبار سے۔ اَلثَّانِيَ و الثَّانِيَةَ الثَّانِيَ مفعول پڑھا کیونکہ یہ مقولہ ہے تقولُ کا۔ یعنی اُس کے لئے مفعول ہے تو اس وجہ سے منصوب آئے گا۔ مذکر میں الثانِيَ اور مؤنث میں الثَّانِيَةَ کہیں گے۔ ثانی کا معنیٰ ہے دو کر دینے والا۔ یعنی دو بنا دینے والا۔ کیونکہ یہ اب تَصْيِيْر کی مثالیں ہیں اور تَصْيِيْر کا معنیٰ ہے "بنانا یا کرنا"۔ مثلاً آپ کے پاس دو قلم ہیں۔ تو اِن دو میں سے ہر ایک ثانِي ہے۔ یعنی دو کر دینے والا ہے۔ اسی طرح اگر اِن دو قلموں کے ساتھ ایک اور قلم ملایا۔ تو اب ہر قلم ثالِثْ یعنی تین بنانے والا بن گیا۔ یعنی یہ اِن دو کو تین بنانے والا ہے۔ اسی طرح اگر ایک قلم اور ملا دے تو اِن چار میں سے اب ہر قلم رابع کہلائے گا۔ یعنی یہ اِن تین کو چار بنانے والا ہے۔ اس طرح اگر ایک قلم اور ساتھ ملا دے تو اب ہر قلم خامِس کہلائے گا۔ یعنی پانچ بنانے والا۔ وغیرہ۔ تو دیکھا متعدَّد ہے اور اُن متعدَّد میں سے ایک کے بارے میں آپ بتلاتے ہیں تو آپ اِسکو خامِس کہیں گے۔ یعنی یہ اِن چار کو پانچ بنانے والا ہے۔ تو تَصْيِيْر کا یہ معنیٰ یہاں، "کہ جو اپنے سے ایک عدد کم کو ایک عدد زائد بنا دے"۔

تو دیکھو! ثالِث کا کیا معنیٰ؟ کہ اس کے کم دو ہیں۔ تو اس نے اپنے سے کم یعنی دو کو ایک زائد یعنی تین بنا دیا۔ اسی طرح خامس کا کیا معنیٰ ہے؟ پانچ کرنے والا یا پانچ بنا دینے والا۔ یعنی اِس نے اپنے سے ایک کم یعنی چار کو ایک زائد یعنی پانچ کر دیا۔ اِلَى الْعَاشِرِ وَ الْعَاشِرَةِ اسی طرح عاشِر یعنی دس بنانے والا مذکر میں کہیں گے، اور عاشِرَة دس بنانے والی مؤنث میں کہیں گے۔ لَا غَيْرُ نہ کہ اِن کے علاوہ میں۔ ثانِي سے پہلے ایک ہے۔ اُس میں آپ نہیں کہیں گے کہ یہ تَصْيِيْر کے اعتبار سے۔ اور دس سے آگے گیارہ، بارہ وغیرہ میں بھی آپ نہیں کہیں کہ تَصْيِيْر کے اعتبار سے۔ تو تَصْيِيْر کے اعتبار سے آپ مذکر میں اسم فاعل کے وزن پر یوں کہیں گے، "ثانِي، ثالث، رابع، خامسٌ، سادسٌ، سابعٌ، ثامنٌ، تاسعٌ اور عاشرٌ"۔ اور تَصْيِيْر کے اعتبار سے آپ مؤنث میں اسم فاعل کے وزن پر یوں کہیں گے، "ثانية، ثالثة، رابعة، خامسة، سادسة، سابعة، ثامنة، تاسعة اور عاشرة"۔

لا غيرُ کا مطلب ہے کہ عاشر اور عاشرة سے اوپر بھی نہیں کہہ سکتے اور ثانی اور ثانية سے کم بھی نہیں کہہ سکتے۔ ثانی سے کم میں اس لئے نہیں کہہ سکتے کیونکہ تَصْيِيْر کا معنیٰ ہم نے یہ کیا کہ اپنے سے ایک کم عدد کو ایک زائد کر دے۔ تو ثانی کا معنیٰ یہ کہ اِس نے اپنے سے ایک کم عدد کو ایک زائد یعنی دو بنا دیا۔ تو اگر ایک میں کہے، تو ایک سے کم تو کوئی عدد ہی نہیں جس کو وہ ایک درجہ زائد کر دے۔ لہٰذا ثانی سے کم میں نہیں کہیں گے۔ اور عاشِر سے اوپر میں بھی نہیں کہیں گے۔ اِس لئے کہ اِس سے اوپر مرکبات

شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ہم نے تو صیغہ بنانا ہے اسم فاعل کا، اور مرکبات سے اسمِ فاعل کا صیغہ بنانا ہی ممکن نہیں۔

و بِاِعْتِبَارِ حالِہٖ اور اگر آپ متعدَّد میں سے ایک چیز کے بارے میں بتلانا چاہتے ہیں اُس کے مرتبے کے اعتبار سے آپ کہیں گے **اَلْاَوَّلُ و اَلثَّانِي** پہلا اور دوسرا۔ مذکر میں اَلْاَوَّل اور اَلثَّانِي کہیں گے۔ **و اَلْاُوْلیٰ وَ الثَّانِیة** اور مؤنث میں اَلْاُوْلیٰ اور اَلثَّانِیة کہیں گے۔ یہاں واحد اور واحدہ نہیں کہا۔ کیونکہ واحد اور واحدہ صرف عدد پر دلالت کرتا ہے اور مرتبہ پر دلالت نہیں کرتا جبکہ اَوَّل اور اُولیٰ پہلے مرتبہ پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح چلیں گے، ثالث اور ثالثة، رابع اور رابعة، خامس اور خامسة، سادس اور سادسة، سابع اور سابعة، ثامن اور ثامنة، تاسع اور تاسعة، عاشِر اور عاشرة ۔ **الی العاشِرِ و العاشرةِ** مذکر کے لئے عاشِر یعنی دسویں نمبر والا، اور مؤنث کے لئے عاشرة کہیں گے یعنی دسویں مرتبہ والی۔

بھئی متعدَّد میں سے مفرد کے بارے میں بتلانا تھا تو انہوں نے کہا فاعل کا صیغہ بناؤ۔ پھر اس میں دو طریقے ہیں ایک باعتبار تَصْیِیْرْ کے ہے اور ایک باعتبار مرتبہ کے ہے۔ بھئی مفردات میں تو پتہ چل گیا آسانی سے صیغہ اسم فاعل کا بنائیں گے۔ اِثْنَیْنِ سے ثانی، ثلاثة سے ثالث، اَرْبَعَ سے رابع، خمسَ سے خامس وغیرہ۔ یہ تو اسان ہے مفردات سے بنانا۔ اب آگے صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ مرکبات میں کس طرح اسم فاعل کا صیغہ بنائیں گے مرتبہ بتانے کے لئے۔ تو فرماتے ہیں کہ مرکبات میں صرف پہلے جُز کو بدل کر اس سے اسم فاعل کا صیغہ بناؤ۔ تو "احَدَ عَشَرَ میں حَادِیَ عَشَرَ" کہیں گے۔ اور "اِحْدیٰ عَشْرَةَ" میں "حَادِیَةَ عَشْرَةَ" کہیں گے۔ ثلاثَ عَشَرَ میں ثَالِثَ عَشَرَ کہیں گے۔

و الحادی عشَر و الحادية عشْرة گیارہوں کے لئے یوں کہیں گے۔ مذکر کے لئے " الحادی عشَر" اور مؤنث کے لئے "الحادية عشْرة" **والثانیَ عشر والثانية عشرة** اور مذکر میں بارہواں الثانیَ عشر اور مؤنث میں الثانية عشرة کہیں گے۔ **الی التاسع عشر و التاسعة عشرة** اور اُنیس میں مذکر کے لئے التاسع عشر اور مؤنث کے لئے التاسعة عشرة کہیں گے۔

اور اسی طرح آگے چلے جائیں گے۔ آپ کہنا چاہتے ہیں اکیسواں تو "حادی و عِشرونَ" اسی طرح آپ کہنا چاہتے ہیں پینتیسواں، " خامِس و ثلاثونَ"۔ خلاصہ یہ کہ تَصْیِیْرْ کے اعتبار سے "ثانی سے عاشر" تک کہہ سکتے تھے اور مرتبہ کے اعتبار سے تمام اعداد میں کہہ سکتے ہیں۔

نیز عدد میں ہم نے پڑھا تھا کہ مذکر کے لئے "تا" لائیں گے اور مؤنث کے لئے "تا" نہیں لائیں گے۔ لیکن یہاں ایسا نہیں ہوگا۔ یہاں پر مذکر کے لئے "تا" نہیں لائیں گے اور مؤنث کے لئے "تا" لائیں گے۔ جیسا کہ مذکر کے لئے ، "ثانِي، ثالث، رابع، خامس وغیرہ" اور مؤنث کے لئے "ثانية، ثالِثة، رابعة، خامسة وغیرہ"۔

نیز آگے ہم نے عدد میں پڑھا تھا مثلاً، "تیرہ آدمی" کے لئے "ثلاثَةَ عَشَرَ رَجُلاً"۔ تو بظاہر پہلا جُز مخالف تھا اور دوسرا جُز موافق تھا۔ لیکن جب آپ مرتبہ بتلانا چاہتے ہیں اور اسم فاعل بنائیں گے تو پھر دونوں جُز مطابق ہوں گے اور یوں کہیں گے، " ثالثُ عَشَرَ " مذکر میں اور مؤنث میں "ثالثةُ عَشْرَةُ"۔ اسی طرح اگر پندرھواں کہیں گے مذکر میں تو "خامِسَ عَشَرَ" اور مؤنث کے لئے "خامِسَةَ عَشْرَةَ" وغیرہ۔

اب آگے بتلاے ہیں کہ چونکہ دو صورتیں ہیں ایک باعتبار تَصْیِیْرَ کے ہے اور ایک باعتبار مرتبے کے ہے۔ تو دونوں کے اِضافت میں بھی فرق ہوگا۔ اگر تَصْیِیْرَ کے اعتبار سے کہنا چاہتے ہیں اور اِضافت کرنا چاہتے ہیں تو اُسکی اضافت ہوگی اپنے سے کم عدد کی طرف، مثلاً ثالِث ہے اور تَصْیِیْرَ کی اعتبار سے اضافت کرنا چاہتے ہیں تو " ثالِثُ اثْنَیْنِ" کہیں گے۔ ثالِثُ اثْنَیْنِ کا معنیٰ ہے "دو کو تین کرنے والا"۔ تو معلوم ہوا کہ تَصْیِیْرَ کے اعتبار سے جب آپ اضافت کریں گے تو اضافت ہمیشہ اپنے سے کم کی طرف ہوگی۔ جیسے یہاں پر ثالث کی اضافت اِثْنَیْن کی طرف کی گئی۔ برابر کی طرف بھی اضافت نہیں کی جا سکتی یعنی ثالِثُ ثلاثَةٍ آپ نہیں کہہ سکتے۔

اور جبکہ دوسرے طریقے یعنی باعتبار مرتبے والے طریقے کے مطابق اضافت اپنے سے برابر کی طرف بھی ہو سکتی ہے اور اپنے سے بڑے عدد کی طرف بھی اضافت ہو سکتی ہے۔ مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں، "یہ پانچ میں سے پانچواں ہے۔" معلوم ہوا وہ چیزیں کل پانچ ہیں۔ اُن پانچ میں درجہ بندی ہے اور یہ جو میں آپ کو بتلانے والا ہوں یہ پانچویں مرتبے والا ہے۔ تو میں "خامِسُ خَمْسَةٍ" کہوں گا۔ اور اپنے سے بڑے عدد کی طرف اضافت کی صورت میں، مثلاً میں کہنا چاہتا ہوں کہ یہ آٹھ میں سے تیسرا ہے۔ یعنی آٹھ میں سے تیسرے درجے والا ہے۔ تو میں یوں کہوں گا، "ثالِثُ ثَمانِیَةٍ"۔ اور اگر آٹھ میں سے چوتھے درجے والا ہے، تو "رابعُ ثَمانِیَةٍ" کہوں گا۔ اور آٹھ میں سے پانچویں درجے والا ہے تو "خامِسُ ثمانیةٍ" کہوں گا۔ اسی طرح "سادِسُ ثَمانِیَةٍ" اور "سابعُ ثمانیَةٍ" کہوں گا اور آٹھویں درجے کا ہے آٹھ میں سے تو "ثامِنُ ثَمانِیَةٍ"کہوں گا۔

تو خلاصہ یہ کہ پہلے طریقے میں اپنے سے چھوٹے کی طرف اضافت ہو سکتی ہے اور دوسرے طریقے میں اپنے سے برابر کی طرف بھی اضافت ہو سکتی ہے اور اپنے سے بڑے کی طرف بھی اضافت ہو سکتی ہے۔

و مِن ثَمّ اور اسی وجہ سے **قیل فی الاول** پہلی صورت میں کہا جائے گا یعنی تَصْیِیْرَ کی صورت میں کہا جائے گا **ثالثُ اثْنَیْنِ ای مُصَیِّرُ ھُما ثَلاثَةً** یعنی اُن دو کو تین کر دینے والا، مُصَیِّر: بنانے والا، کر دینے والا، **مِنْ ثَلَثْتُھُما** یہ ثالِثٌ صیغہ اسم فاعل ثَلَثْتُ فعل سے ہے۔ ثَلَثْتُھُمَا: میں نے اُن دو کو تین کر دیا۔

و فی الثانی اور دوسرے طریقے کے اندر اضافت کی صورت میں یوں کہیں گے۔ دوسرا طریقہ وہ مرتبے والا طریقہ ہے۔ **ثالثُ ثَلاثَةٍ** تین کا تیسرا۔ یعنی تیسرے درجے والا۔ **ای احدُھا** یعنی اُن میں سے ایک۔

یعنی محضِ ایک نہیں ہے۔ بلکہ مرتبہ بھی ساتھ ہے۔ جب آپ نے کہا "ثالثُ ثلاثةٍ" تو اس سے ایک پتہ تو یہ چلا کہ تین میں سے ایک ہے، دوسرا پتہ یہ چلا کہ مرتبہ تیسرا ہے۔

اب مرکبات میں مرتبے کیسے بتلائیں گے۔ مثلاً گیارہ میں سے گیارہواں بتلانا چاہتے ہیں تو جس طرح آپ نے "ثالثُ ثلاثةٍ" کہا تھا تو اس میں مرکب کو مرکب کی طرف مضاف کر دے۔ و تقولُ حادِیَ عشَرَ أَحَدَ عشَرَ تو حادِیَ عَشَرَ کی اضافت کرے اَحَدَ عَشَرَ کی طرف اور یوں کہے، "حادِیَ عَشَرَ اَحَدَ عَشَرَ" : گیارہ کا گیارہواں، یعنی گیارہ میں سے گیارہواں۔ علی الثانی خاصَّةً یعنی خاص طور پر یہ دوسری صورت میں کہیں گے۔اس لئے کہ پہلی صورت میں دس کے اوپر تو کہتے ہی نہیں۔ وَاِنْ شِئْتَ قُلْتَ اور اگر آپ چاہے تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ حادِیَ اَحَدَ عَشَرَ یعنی حادِیَ عَشَرَ جو کہ مضاف تھا اسکے جُزِ ثانی کو آپ حذف کر سکتے ہیں، کیونکہ آگے آنے والا عَشَرَ اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور جب حادِیَ عَشَرَ کے ایک جُز کو آپ نے حذف کیا تو اب ترکیب باقی نہ رہا۔ جب تک یہ مرکب تھا تو مرکب بنائی تھا۔ اور دونوں جُز مبنی علی الفتح تھے۔ اور عَشَرَ کے حذف کے بعد ترکیب ہی ختم ہو گئی، جب ترکیب ختم ہو گئی تو اب یہ پہلا جُز معرب بن جائے گا۔ تو لہٰذا حادِیْ کہے۔ لیکن یہاں پر یہ "حادِیَ" منصوب ہی پڑھیں گے کیونکہ یہ قُلْتَ فعل کے لئے مقولہ بن رہا ہے۔ اور مقولہ مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ الیٰ تاسعٍ تِسْعَةَ عَشَرَ تاسِع تِسْعَةَ عَشَرَ تک یہ کہیں گے۔ فَتُعْرِبُ الْاَوّلَ تو اس صورت کے اندر جب آپ مضاف کے جز ثانی کو حذف کریں گے تو پھر مضاف کے جزِ اوّل کو اعراب دیں گے۔ یعنی مضاف کے پہلے جُز کو معرب کر دیں گے۔ تو حادِیْ معرب بن گیا۔

اَلْمُذَکَّرُ وَ اَلْمُؤَنَّثُ ای ھٰذا بحثُ الْمُذَکَّرِ وَ الْمُؤَنَّثِ یہ مذکر اور مؤنث کی بحث ہے۔

اَلْمُؤَنَّثُ ما فیهِ علامةُ التانیثِ مؤنث وہ اسم ہے جس کے اندر علامت تانیث ہو۔ لفظا او تقدیرا اور وہ علامتِ تانیث لفظوں میں موجود ہو یا تقدیرًا موجود ہو۔ لفظوں میں موجود ہو جیسے اِمْرَءَةٌ، ظُلْمَةٌ، جُملَةٌ وغیرہ۔ علامت تانیث تین ہے۔ ایک گول تا ہے، ایک الف ممدودة ہے اور ایک الف مقصورة ہے۔ پھر یہ لفظًا دو قسم پر ہے۔ تحقیقًا ہوگا یا حکمًا ہوگا۔ عَقْرَبٌ یہ لفظًا حکمًا مؤنث ہے۔ عقربٌ کے اندر یہ جو چوتھا لفظ ہے نحوی حضرات لکھتے ہیں کہ یہ تائے تانیث کی قائم مقام ہے۔ کیونکہ اسم کی بناء تین حروف پر ہونی چاہئے۔ اور عقرب کی بناء چار حروف پر ہے تو یہ چوتھا حرف تائے تانیث کے قائم مقام ہے ۔ عقرب کا لفظ عربی زبان میں مؤنث استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں مؤنث کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی۔ تو وہ پھر اُس اسم کی جمع تکسیر بناتے ہیں یا تصغیر بناتے ہیں۔ جمع تکسیر کی وجہ سے بھی اُس چیز کی اصل کا پتہ چل جاتا ہے اور تصغیر کے ذریعے بھی اُس اسم کی اصل کا پتہ چل

جاتا ہے۔ اسی لئے ضابطہ ہے کہ "اَلتَّصْغِیْرُ و التَّکْسِیْرُ یَرُدَّانِ الْاَشْیَاءَ اِلیٰ اُصُوْلِهَا": کہ تصغیر اور تکسیر یہ دونوں لوٹا دیتے ہیں چیزوں کو اُن کی اصل کی طرف۔

مثلاً دیکھئے بھئی نحوی حضرات کہتے ہیں کہ اِسْمٌ اصل میں سِمْوٌ سے بنا ہے۔ واؤ آخر میں تھا، اِس واؤ کو آخر سے حذف کر دیا اور اِس کے عوض شروع میں ہمزہ وصلی لے آئے تو اِسْمٌ بن گیا۔ آپ یوں کیوں نہیں کہتے کہ شروع میں واؤ تھا اور اسکی جگہ ہمزہ وصل لے آئے۔ کہتے ہیں بھئی ضابطہ آپ نے پڑھا ہے "اَلتَّصْغِیْرُ و التَّکْسِیْرُ یَرُدَّانِ الْاَشْیَاءَ اِلیٰ اُصُوْلِهَا"۔ تو اِسم کی ہم نے جمع تکسیر "اَسْمَاء" نکالی۔ اور اَسْمَاء کے اندر اِسْمٌ کی وزن ٹوٹ گئی۔ اَسْمَاءٌ کے اندر الف ہے جمع کا، آگے ہے سین، پھر ہے میم، پھر ہے الف اور پھر ہے اُس کے بعد ہمزہ۔ معلوم ہوا یہ ہمزہ واؤ سے بدل کر آیا ہے۔ کیونکہ اَسْمَاءٌ کے اندر یہ ہمزہ الف زائدہ کے بعد آیا ہے، اور الفِ زائدہ کے بعد جب واؤ یا "یاء" آجائے تو اسکو ہمزہ سے بدل دیتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسماءٌ اصل میں اَسماوٌ تھا۔ جیسا کہ قالَ یقولُ میں اسم فاعل قَائِلٌ اصل میں قَاوِلٌ تھا۔ الف زائدہ کے بعد واؤ آیا تو اسکو ہمزہ سے بدلا اور "قائلٌ" ہوا۔ پس اسی طرح اَسْمَاءٌ اصل میں اَسْمَاوٌ تھا۔ تو معلوم ہوا کہ اِسْمٌ کی اصل سِمْوٌ تھی۔ اس لئے کہ اَسْمَاوٌ کے اندر ترتیب دیکھو! سب سے پہلے سین آتا ہے، پھر میم اور پھر واؤ آتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اصل میں سِمْوٌ تھا۔ واؤ آخر میں تھا اور شروع میں نہیں تھا۔

یا اسی طرح اَرْضٌ عربی کے اندر مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ کیا وجہ ہے اس میں مؤنث کی علامت تو کوئی نظر نہیں آتی۔ کہتے ہیں کہ یہاں پر "تا" تقدیرًا موجود ہے۔ یہ کیسے پتہ چلا کہ تا تقدیرًا موجود ہے؟ کہتے ہیں کہ اِس کی تصغیر نکالو۔ اَرْضٌ کی تصغیر آتی ہے اُرَیْضَةٌ۔ تو دیکھا تصغیر سے اصل کا پتہ چل گیا کہ یہاں پر "تا" ہے۔

اسی طرح عینٌ کا لفظ عربی کے اندر مؤنث ہے۔ کہتے ہیں کہ اس میں بھی تائے مقدَّرة ہے۔ کہتے ہیں کہ اِس کی تصغیر "عُیَیْنَةٌ" ہے۔ دیکھا تصغیر کے اندر تاء آگئی تو معلوم ہوا کہ عینٌ کے اندر تاء تقدیرًا ہے۔ تو دیکھا جمع تکسیر سے بھی اصل کا پتہ چل جاتا ہے اور تصغیر سے بھی اصل کا پتہ چل جاتا ہے۔

بات چلی تھی عَقْرَبٌ سے۔ اب آئیں عقربٌ کی طرف۔ عَقْرَبٌ بھی عربی کے اندر مؤنث استعمال ہوتا ہے۔ اس میں لفظوں میں تو کوئی علامت تانیث نظر نہیں آتی۔ اسکی تصغیر میں بھی تاء نہیں آتی اور جمع تکسیر کے اندر بھی تاء نہیں آتی۔ تو اس میں نحوی حضرات فرماتے ہیں کہ علامت تانیث اس میں حکمًا ہے۔ کہتے ہیں کہ اسم کی بناء اصل میں تین حروف ہونی چاہئے تھی۔ اور یہی ایک زائد حرف آگیا یہی تاء کی قائم مقام ہے۔ تو کبھی کبھار اسم کی بناء تین سے زائد پر ہوتی ہے۔ تو وہاں پر چوتھا حرف تائے تانیث کی قائم مقام ہوتی ہے۔ تو عقرَبٌ کے اندر جو "با" آرہی ہے یہ تائے تانیث کی قائم مقام ہے۔ تو عقرب کے اندر علامت تانیث لفظًا پائی گئی لیکن یہ حقیقتًا نہیں بلکہ حکمًا ہے۔ یعنی تائے تانیث کی حکم میں ہے۔

خلاصہ یہ کہ علامت تانیث تین طریقے سے ہو سکتی ہے۔ یا حقیقتًا ہوگی، یا حکمًا ہوگی یا تقدیرًا ہوگی۔
و اَلْمُذَکَّرُ بخلافِہٖ اور مذکر وہ ہے جو اس کے خلاف ہو۔ یعنی اُس میں کوئی علامتِ تانیث نہ ہو۔
و علامۃُ التَّانیثِ اَلتَّاءُ وَ الْاَلِفُ مقصورۃً اَو ممدودۃً اور علامت تانیث تاء ہے، اور الف ہے اس حال میں کہ وہ مقصورۃ ہو یا ممدودۃ ہو۔ یعنی الفِ مقصورۃ ہو یا الفِ ممدودۃ ہو۔ و ھو حقیقِیٌّ و لفظِیٌّ اور مؤنث دو قسم پر ہے۔ ایک مؤنث حقیقی اور ایک مؤنث لفظی۔ فالحقیقیُّ ما بِإزائِہٖ ذکَرٌ مِنَ الْحَیَوَانِ مؤنث حقیقی وہ ہے کے جس کے مقابلے میں کوئی مذکر ہو حیوانات میں سے کَامْرَءَۃٍ و ناقۃٍ جیسے اِمْرَءَۃ کا لفظ ہے یہ مؤنث حقیقی ہے کیونکہ اسکے مقابلے میں مذکر حیوان رجلٌ ہے۔ اسی طرح ناقۃٌ بھی مؤنث حقیقی ہے کیونکہ اسکے مقابلے میں مذکر حیوان جملٌ ہے۔ واللفظیُّ بخلافِہٖ اور مؤنث لفظی اسکے خلاف ہے۔ یعنی جس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان نہ ہو۔ کظلمۃٍ و عینٍ جیسے ظُلمۃ ہے اور عین ہے۔ ظلمۃ: اندھیرا، تاریکی، عین: آنکھ، چشمہ وغیرہ۔ ظلمۃ اس لئے مؤنث لفظی ہے کیونکہ اس میں تائے تانیث لفظوں میں آرہی ہے۔ اور عین اس لئے مؤنث لفظی ہے کیونکہ اس میں تائے تانیث تقدیرًا آرہی ہے۔ اور نیز ان کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان بھی نہیں۔

درس 92۔ وَ اِذا اُسْنِدَ اور جب اِسناد کیا جائے۔ ای وَ اِذَا اُسْنِدَ بِلَ فَصْلٍ: اور جب اسناد کیا جائے بغیر فصل کے۔ الیہِ ای الی المؤنَّثِ مؤنث کی طرف، ھا ضمیر راجع ہے مؤنث کو، اَلفعلُ فعل کا فالتاء ای فالتَّاءُ واجِبَۃٌ : "تا" کا لانا واجب ہے۔ یعنی فعل کا مؤنث لانا واجب ہے۔ تو یہاں صاحبِ کافیہؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جب فعل کا اسناد مؤنث کی طرف کیا جائے تو فعل کو مؤنث لائے۔ اور یہاں پر ایک قید کا اعتبار کرنا پڑے گا آپکو، اور وہ قید ہے "بِلا فصلٍ"۔ یعنی جب فعل کا اِسناد مؤنث کی طرف بغیر فصل کے کیا جائے تو پھر تاء واجب ہے یعنی مؤنث فعل کا لانا واجب ہے۔

فعل کا جب بھی اِسناد ہو مؤنث کی طرف، چاہے وہ مؤنث حقیقی ہو یا مؤنث لفظی ہو یا اسم ظاہر ہو یا ضمیر ہو، تو اِن سب صورتوں میں فعل کا مؤنث لانا واجب ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں، جاءَتْ ھندٌ، تو یہاں پر جاءَ کا اِسناد ہو رہا ہے مؤنثِ حقیقی اسم ظاہر کی طرف اور اس صورت میں تاء کا لانا واجب ہے۔

لیکن اگر درمیان میں فصل آجائے تو پھر آپ کو اختیار ہے، اگر تاء لائے تو بھی جائز اور اگر تاء نہ لائے تو بھی جائز۔ جیسے آپ کہتے ہیں، جاءَتِ الْیومَ ھندٌ۔ تو دیکھو جاءَتْ اور ھندٌ کے درمیان "الیوم" کا فصل آ گیا۔ تو اِس صورت میں فعل کا مذکر لانا بھی جائز یعنی جاءَ الْیَومَ ھندٌ بھی جائز ہے۔ تو یہاں پر "بلا فصل" کی قید کا اعتبار کرنا پڑے گا۔

اگر ضمیر کی طرف فعل کا اسناد ہو، جیسا کہ، اَلاِمْرَءَۃُ جاءَتْ: تو اس صورت میں اَلاِمْرَءَۃُ مبتدا ہے اور جاءت فعل اسکے اندر ھی ضمیر اسکا فاعل جو کہ راجع ہے مبتدا کو۔ پس جب فعل کا اسناد مؤنث ضمیر

کی طرف ہو تو اس صورت میں بھی تاء کا لانا واجب ہے۔ یعنی فعل کو مؤنث لائیں گے۔ جیسا کہ اَلاِمْرَءَةُ جاءَتْ میں جاءَتْ مؤنث کا فعل ہے۔

و انتَ فی ظاهرِ غیرِ الْحَقِیْقِیِّ بالخیارِ اور آپ کو وہ اسمِ ظاہر جو مؤنث غیر حقیقی ہے اُس میں اختیار ہے۔ یعنی اگر فعل کا اسناد مؤنث غیر حقیقی کی طرف ہو تو اس صورت میں تاء کا لانا بھی جائز اور تاء کا نہ لانا بھی جائز۔ یعنی فعل کا مذکر لانا بھی جائز اور فعل کا مؤنث لانا بھی جائز۔ شَمس کا لفظ مؤنث غیر حقیقی ہے۔ اس میں اختیار ہے فعل کا مذکر لانا بھی جائز اور فعل کا مؤنث لانا بھی جائز۔ آپ یوں بھی کہہ سکتے ہوں، "طَلَعَتِ الشَّمْسُ" اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہوں، "طَلَعَ الشَّمْسُ"۔ تو یہ گذشتہ ضابطے میں استثناء کے درجے میں ہوا۔ پہلے یہ فرمایا تھا کہ جب بھی فعل کا اسناد مؤنث کی طرف ہو تو تاء کا لانا واجب۔ لیکن استثناء کر دیا کہ اگر وہ مؤنث غیر حقیقی ہو تو پھر اُس میں آپ کو اختیار ہے۔

و حکمُ ظاهرِ الْجَمْع اور جمع کے اسمِ ظاہر کا حکم۔ یعنی جب فاعل اسم ظاہر جمع ہو اُس کا حکم۔ یہاں پر حکم کا لفظ مبتدا ہے۔ غیرَ الْمُذَکَّرِ السَّالِمِ اِس حال میں کہ وہ جمع، جمع مذکر سالم کے علاوہ ہو۔ تو جتنی بھی جمعیں ہے سوائے جمع مذکر سالم کے اگر وہ اسم ظاہر آجائے تو اُسکا حکم مُطْلَقًا یعنی تمام حالتوں میں۔ چاہے اُس جمع کا واحد مذکر ہو یا چاہے اُس جمع کا واحد مؤنث ہو۔

حکمُ ظاهرِ غیرِ الْحَقِیْقِیِّ اُس کا حکم غیر حقیقی کے ظاہر کا حکم ہے۔ یعنی فعل کو مذکر بھی لا سکتے ہیں اور فعل کو مؤنث بھی لا سکتے ہیں۔ یہاں پر حکم کا لفظ خبر ہے۔ تفصیل نیچے درج ہے۔

بھئی بنیادی طور پر اسم کی جمع دو قسم کی ہیں۔ ایک جمع تکسیر ہے اور ایک جمع سالِم ہے۔ پھر جمع سالِم دو قسم پر ہے۔ ایک جمع مذکر سالِم ہے اور ایک جمع مؤنث سالِم ہے۔ تو جمع کی کُل تین قسمیں بن گئیں۔

جمع مذکر سالم میں فعل کو ہمیشہ مذکر لائیں گے۔ یعنی جاءَ مسلمونَ کہیں گے اور جاءَتْ مسلمونَ نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے کہ مسلمونَ کے اندر واؤ اور نون آرہے ہیں جو جمع مذکر سالم کی علامت ہے۔ اور جب جمع مذکر کی علامت آگئی تو فعل کو اب مؤنث نہیں لا سکتے تو جاءَ مسلمونَ کہیں گے۔

ان میں سے جمع مذکر سالم کے علاوہ جو جمع تکسیر ہے اور جمع مؤنث سالم ہے اُس کا حکم بھی وہی ہے جو مؤنث غیر حقیقی کا حکم تھا۔ تو جمع کی اِن دو صورتوں میں فعل کا مذکر لانا بھی جائز اور فعل کا مؤنث لانا بھی جائز۔جمع مؤنث سالم میں آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، جاءَتْ مسلماتٌ، اور آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں، جاءَ مسلماتٌ۔ اور جمع مکسّر میں آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، جاءَ رجالٌ اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، جاءَتْ رجالٌ۔

بھئی یہ جاءَ رجالٌ تو سمجھ میں آتی ہے لیکن یہ "جاءَتْ رجالٌ" کہنا کیوں جائز ہے؟ وجہ یہ کہ رجال جمع ہے اور جمع بتاویل جماعۃٌ کے واحد مؤنث کے حکم میں ہوتا ہے۔ رجال سے کم از کم تین افراد مراد ہوتے ہیں۔ تو یہ تین افراد ایک جماعۃ بن گئی۔ اور جماعۃ کا لفظ واحد مؤنث ہے۔ تو اسکے لئے فعل بھی واحد مؤنث کی لائیں گے۔ تو رجال بتاویل جماعۃ کے واحد مؤنث کے حکم میں ہے۔

وَ النِّساءِ وَ الْاَیَّامِ ای ضَمِیْرُ النِّساءِ وَ الْاَیَّامِ۔ نساء کا عطف عاقلین پر ہے۔ النِّساء سے مراد ذوی العقول مؤنث کی جمع ہے۔ اور اَلْاَیَّام سے مراد غیرِ ذوی العقول کی جمع ہے۔ فَعَلَتْ وَ فَعَلْنَ فَعَلَتْ اور فَعَلْنَ کی ضمیر لائیں گے۔ مطلب یہ کہ اگر مؤنث ذوی العقول کی جمع ہو یا غیر ذوی العقول کی جمع ہو تو اسکی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹانا بھی جائز اور جمع مؤنث کی ضمیر لوٹانا بھی جائز۔ واحد مؤنث کی ضمیر لوٹانا اس لئے جائز کیونکہ یہ جمع ہے اور جمع بتاویل جماعۃ کے واحد مؤنث کے حکم میں ہوتا ہے تو اسکی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹانا صحیح ہے۔ اور جمع مؤنث کی ضمیر "نون" لوٹانا اس لئے جائز کیونکہ یہ جمع مؤنث ہے۔ تو "النِّسَاءُ فَعَلَتْ" بھی کہہ سکتے ہے اور "النِّسَاءُ فَعَلْنَ" بھی کہہ سکتے ہیں۔

اور اَلایّام غیر ذوی العقول کی جمع ہے۔ اس میں بھی فعلَتْ اور فَعَلْنَ کہہ سکتے ہیں۔ یعنی واحد مؤنث کی ضمیر لوٹانا بھی صحیح ہے اور جمع مؤنث کی ضمیر لوٹانا بھی صحیح ہے۔

یہاں تک صاحب کافیہؒ نے ہر قسم کے اسم ظاہر کا حکم بتلا دیا۔ اب ضمیروں کا حکم بتلاتے ہیں کہ اگر جمع کی طرف ضمیر راجع کی جائے تو کونسی ضمیر لائی جائے۔ وَ ضمیرُ الْعَاقِلِینَ عَاقِلِیْنَ کے ذریعے تین باتیں صاحب کافیہؒ نے آپکو بتلا دی۔ عاقلین جمع مذکر سالم کا صیغہ ہے۔ اور عاقلین کا معنیٰ ہے عقل والے یعنی ذَوِی العقول۔ ایک بات تو یہ پتہ چل گئی کہ جمع ہو دوسری بات یہ کہ جمع بھی مذکر کی ہو اور تیسری بات یہ کہ مذکر بھی ذوی العقول میں سے ہو۔ تو تین باتوں کا پتہ چل گیا۔ تو ذوی العقول کے مذکر کی جمع کی ضمیر جو ہے غیرَ الْمُذکّرِ السّالِمِ علاوہ جمع مذکر سالم کے فعلتْ و فعلوا وہ فَعَلَتْ اور فَعَلُوْا ہے۔ یعنی جمع مذکر سالم کے علاوہ جو جمع مذکر ہے ذوی العقول میں سے اُن کی جانب جب ضمیر راجع کریں گے تو اُس کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر راجع ہوگی یا جمع مذکر کی ضمیر راجع ہوگی۔ فَعَلَتْ سے بتلایا کہ واحد مؤنث کی ضمیر لوٹائی جائیگی اور فعلوا سے بتلایا کہ جمع مذکر کی ضمیر لوٹائی جائیں گی۔ واحد مؤنث کی ضمیر اس لئے کیونکہ یہ جمع ہے اور جمع بتاویل جماعۃ کے واحد مؤنث کے حکم میں ہے، تو اس وجہ سے اس کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹائی جائیں گی۔ نیز چونکہ یہ جمع مذکر ہے تو اسکی طرف جمع مذکر کی ضمیر بھی لوٹائی جا سکتی ہے۔

مثلاً، "الرِّجال" جمع ہے، اور ذوی العقول کے مذکر کی جمع ہے۔ تو اب اس کے لئے "الرجالُ جاءَتْ" بھی کہہ سکتے ہیں۔ تو الرجالُ مبتدا ہے اور جاءتْ جملہ فعلیہ خبر واقع ہو رہا ہے جسکے اندر ھِیَ ضمیر اسکا فاعل ہے جو کہ الرجالُ کو لوٹ رہی ہے۔ اور "الرِّجالُ جاءُوا" بھی کہہ سکتے ہیں۔ تو یہاں پر الرجالُ کی طرف جمع مذکر کی ضمیر لوٹا دی۔

خلاصہ یہ کہ ذوی العقول کی مذکر کی جمع کے لئے واحد مؤنث کی ضمیر لانا بھی صحیح اور جمع مذکر کی ضمیر لانا بھی صحیح۔

علاوہ جمع مذکر سالم کے۔ جمع مذکر سالم کے لئے واحد مؤنث کی ضمیر نہیں لا سکتے۔ اور اِسکی طرف صرف جمع مذکر ہی کی ضمیر لوٹائی جائیں گی۔ آپ یوں تو کہہ سکتے ہیں، "اَلْمُسْلِمُوْنَ جاءُوا"۔ تو المسلمونَ کی طرف جمع مذکر کی ضمیر "واؤ" لوٹا دی۔ اور آپ "المسلمونَ جاءَتْ" نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ المسلمونَ کے اندر واؤ اور نون آ رہا ہے جو جمع مذکر کی علامت ہے۔ اور جب مذکر کی علامت آ گئی تو اب اس کی طرف مؤنث کی ضمیر لوٹان صحیح نہیں۔ تو اِس جمع مذکر سالم کے علاوہ اور ذوی العقول مذکر کی جمع آ جائیں تو اسکی طرف واحد مؤنث کی ضمیر لوٹانا بھی صحیح اور جمع مذکر کی ضمیر لوٹانا بھی صحیح۔

اب یہاں سے صاحب کافیہؒ تثنیہ کے بارے میں بتلائیں گے۔ **اَلْمُثَنّٰی** تثنیہ **مَا** وہ اسم ہے **لَحِقَ اٰخِرَهٗ** کہ ملے اُس کے آخر کے ساتھ **الِفٌ** الف ملے **اَوْ یاءٌ مَفْتُوحٌ** یا ایسی یاء ملے جو مفتوح ہو **ما قَبْلَهَا** اُس کا ما قبل۔ جیسا کہ "رَجُلَیْنِ" میں یاء کا ماقبل مفتوح ہے۔ تو یہ ما قبلَها نائبُ الفاعل ہے مَفْتُوْحٌ کے لئے۔ کیونکہ مفتوح اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اس کے لئے نائب الفاعل چاہئے ہوتا ہے۔ تو مفتوحٌ کے اندر اب کوئی ضمیر نہیں اور یہ "ما قبلَها" اس کے لئے نائب فاعل ہے۔ تو مفتوحٌ لفظوں کے اعتبار سے صفت ہے یاء کی اور معنیٰ کے اعتبار سے صفت ہے "ما قبلَها" کی۔ تو یہ صفت بحالِ متعلِّقِهٖ ہے۔ **و نونٌ مكسورةٌ** اور جس کے آخر کے ساتھ نونِ مکسورة ملے۔ تو صاحب کافیہؒ آپ کو بتلا رہے ہیں کہ تثنیہ ہو اسم ہے کہ جس کے آخر میں الف اور نونِ مکسورة ملے۔ جیسا کہ "رجلانِ" یا ایسی "یاء" جسکا ماقبل مفتوح ہو اور مابعد میں نونِ مکسورہ ہو وہ ملے۔ جیسا کہ "رَجُلَیْنِ"۔

بھئی یہ "الف اور نون" کیوں ساتھ ملتے ہیں اور یہ "یاء اور نون" کیوں ساتھ ملتے ہیں۔ تو آگے اسکی علّت ذکر کرتے ہیں۔ **لِیَدُلَّ** تا کہ "الف اور نون" اور "یاء اور نون" کا ملنا دلالت کرے **عَلٰی اَنَّ** اِس بات پر **مَعَهٗ** کہ اُس مفرد کے ساتھ **مِثْلَهٗ** اُسی کے مثل ایک اور ہے۔ مِثْلَهٗ سے یہاں مراد ایک ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، قَلَمٌ تو یہ قلمٌ مفرد پر دلالت کر رہا ہے۔یعنی ایک قلم ہے۔ اب اسکے ساتھ میں نے "الف اور نون" ملائے یعنی قَلَمَانِ، یا اس کے ساتھ "یاء اور نون" ملائے یعنی قَلَمَیْنِ۔ اب اس "الف اور نون" یا "یاء اور

نون" کے ملنے نے اس بات پر دلالت کی کہ وہ جو قلم مفرد تھا اُس کے ساتھ ایک قلم اور ہے۔ تو اُس ایک کے ساتھ ایک اور ہے۔ مِنْ جِنْسِهٖ اُسی کی جنس میں سے۔ اور یہ ایک اُسی کے جنس میں سے ہے۔ تو قلمانِ کا معنیٰ "دونوں قلم" ہیں۔ ایسا نہیں کہ ایک قلم ہے اور دوسری کتاب ہے۔ اِسی طرح "رجلانِ" کا یہ معنیٰ کہ دونوں رَجُل ہیں۔ رجلٌ تو مفرد پر دلالت کر رہا تھا۔ تو اسکے ساتھ جب آپ نے "الف اور نون" ملایا، تو اب یہ دلالت کرے گا اِس بات پر کہ اُس مفرد کے ساتھ اُسی کے مثل یعنی ایک اور فرد بھی ہے اُسی کی جنس میں سے۔ تو ایک رجل پہلے تھا اور ایک اور رجل اُسی کے ساتھ آیا، تو معلوم ہو دو رجل ہیں۔ تو رجلانِ نے بتلایا کہ دو رجل ہے۔ اسی طرح آپ کہتے ہیں مسلمٌ۔ مسلمٌ ایک مسلم پر دلالت کر رہا ہے۔ یعنی مفرد پر دلالت کر رہا ہے۔ اب اس کے ساتھ آپ "الف اور نون" یا "یاء اور نون" ملاتے ہیں، یعنی مُسلمانِ یا مسلِمَیْنِ بن جاتے ہیں۔ یہ "الف اور نون" یا "یاء اور نون" اس لئے ملاتے ہیں تا کہ یہ دلالت کریں اُس چیز پر کہ اُس ایک فرد کے ساتھ اُسی کے مثل یعنی ایک اور فرد بھی ہے ۔ تو کل دو فرد ہو گئے۔ اور یہ ایک اور اُسی کے جنس میں سے ہے کسی اور کے جنس میں سے نہیں۔ یعنی ایک اور مسلم ہے۔ تو کل دو مسلم ہیں۔ تو مُسلمانِ نے بتلایا کہ دو مسلم ہے۔ اسی طرح قلمانِ نے بتلایا کہ دو قلم ہے۔

ابھی تک آپ کو یہ بتلایا کہ تثنیہ کیسے بناتے ہیں۔ بھئی کبھی کبھار اسم کے آخر میں الفِ مقصورۃ آتا ہے یا الفِ ممدودۃ وغیرہ آئے گا۔ تو اُن صورتوں میں اُسکی تثنیہ کیسے بنائیں گے۔ وہ طریقہ اب صاحب کافیہؒ بتلا رہے ہیں۔ فَالْمَقْصُوْرُ اگر اسمِ مقصور جو ہے اِنْ کانت اَلِفُهٗ عَنْ واوٍ اگر اُس کا الف واؤ سے ہو۔ یعنی اُس کا الف واؤ سے بدل کر آیا ہو۔ و هو ثُلَاثِیٌّ اور اس حال میں کہ وہ اسم ثلاثی ہو۔ یعنی تین حروف پر مشتمل ہو۔ قُلِبَتْ واوًا ای قُلِبَتْ اِلیٰ واوٍ۔ تو الفِ مقصورۃ کو واو سے بدلا جائے گا۔ دیکھے مثال: جیسا کہ عَصیٰ ہے۔ عصیٰ اسم مقصور ہے اور ثلاثی ہے۔ اور اس اسم مقصور کی ہم بنانا چاہتے ہیں تثنیہ۔ تو صاحب کافیہؒ نے بتلایا کہ سب سے پہلے دیکھو کہ یہ ثلاثی ہے یا ثلاثی نہیں۔ اگر ثلاثی ہے تو پھر دیکھ لو کہ اس کا الف کس سے بدل کر آیا ہے۔ اگر واؤ سے بدل کر آیا ہے تو اس کو پھر واؤ سے بدلو۔ اور پھر الف نون لگا دو۔ تو عَصیٰ سے تثنیہ عَصَوَانِ ہے۔ عصیٰ کے الف کو واؤ سے بدلا اور ساتھ میں الف اور نون ملایا تو عَصَوان ہوگیا۔

یہ واوًا منصوب ہے بنزع الخافض۔ اِلیٰ موجود تھا، اور یہ واو کے لفظ کو جرّ دے رہا تھا۔ تو اِلیٰ ہے جارّہ یعنی خافض ہے۔ خافض کا معنیٰ ہے جرّ دینے والا۔ پھر اس الی کو حذف کر دیا گیا اور واو کو نصب دے دیا گیا۔ تو اسکو منصوب بِنَزعِ الخافض کہتے ہیں۔ یعنی یہ منصوب ہے جرّ دینے والے عامل کے دور کر دینے کے ساتھ۔ نَزَع کا معنیٰ ہے کھینچنا، ھٹانا، دور کر دینا۔

و الا اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی اسم یا تو ثلاثی ہی نہ ہو۔ یا اُس کا الف واؤ سے بدل کر نہ آیا ہو۔

فبالیاءِ تو اِسکی تثنیہ یاء کے ساتھ آئے گی۔ یعنی اُس کے الف کو یاء سے بدلا جائے گا۔ مثلاً "رَحیٰ" ہے۔ رَحیٰ ہے تو ثلاثی لیکن اس کا الف واؤ سے بدل کر نہیں آیا بلکه یاء سے بدل کر آیا ہے۔ تو اب اسکی تثنیه بھی یاء کے ساتھ آئیگی۔ تو "رَحیٰ" کی الف کو یاء سے بدلو اور ساتھ الف اور نون لگا دو تو رَحَیَانِ بن گیا۔

یا ثلاثی ہی نہیں ہو سرے سے جیسے "حُبْلیٰ"۔ حبلیٰ کی آخر میں بھی الف مقصورۃ آرہا ہے۔ لیکن یه تو ثلاثی ہی نہیں۔ اور اُنہوں نے کہا تھا که اگر ثلاثی کے اندر الف واو سے بدل کر آیا ہو تو اُس الف کو پھر واو سے بدل کر ساتھ میں الف اور نون لگا کر تثنیه بنائیں گے۔ اور باقی تمام صورتوں میں الف کو یا سے بدل کر آخر میں الف اور نون لکا کر تثنیه بنائیں گے۔ تو حُبْلیٰ کی الف اب یا سے بدل کر ساتھ میں الف اور نون لگائیں گے، اور حُبلیٰ کی تثنیه حُبْلَیَانِ آئے گا۔

یه تو تھی اسمِ مقصور کی بات۔ اگر اسمِ کے آخر میں الفِ ممدودۃ آرہا ہو۔ اُس کی تثنیه کیسے بنائیں گے۔ اسم ممدود وہ ہوتا ہے جس میں الف کے بعد ہمزہ آئے۔ جیساکه حمراء۔ اسی طرح کِسَاءٌ یا قَرَّاءٌ وغیرہ۔ اگر کسی اسم کے آخر میں الف ممدودہ آرہی ہو، تو اس میں دیکھ لو که وہ ہمزہ اصلی ہے یا اصلی نہیں۔ اگر اُسکی ہمزہ اصلی ہے تو اُسکو برقرار رکھیں گے۔ جیسے قَرَّاء۔قَرَّاء کی آخر میں الف ممدودہ آرہی ہے۔ اس کے ہمزہ کو دیکھو که اصل ہے که نہیں۔ تو اسکی ہمزہ اصلی ہے۔ کیونکه اسکا مادّہ قَرَءَ ہے۔ اچھی عمدہ قرأت کرنے والے کو قَرَّاء کہتے ہیں۔ اب اسکی تثنیه ہم بنانا چاہتے ہیں۔ تو اسکی ہمزہ چونکه اصلی ہے تو اسکو برقرار رکھیں گے۔ اور الف نون ساتھ ملا دیں گے اور "قَرَّاءَانِ" کہیں گے۔

اور اگر اُسکی ہمزہ تانیث کے لئے ہو تو اُس کو پھر واؤ سے بدل دیں گے۔ جیسے حَمْرَاءُ ہے۔ اسکے آخر میں بھی ہمزہ آرہی ہے لیکن یه ہمزہ تانیث کی ہے۔ اور اسکو واؤ سے بدل دیں گے اور اخر میں الف اور نون ملادیں گے۔ تو حمرَاوَانِ بن جائے گا۔

وَ الْمَمْدُودُ اور اسمِ ممدود جو ہے **اِنْ كانت هَمْزَتُهُ اصلیةً** اگر اُس کی ہمزہ اصل ہوئی **ثَبَتَتْ** تو وہ ہمزہ ثابت رہے گی۔ **و ان كانت للتانیث** اور اگر اُس کی ہمزہ تانیث کے لئے ہوئی **قُلِبَتْ واوًا** ای قُلِبَتْ اِلیٰ واوٍ: تو وہ ہمزہ واو کی طرف بدل جائے گی۔ اِن دونوں کی مثالیں اوپر گزری۔

و الا اور اگر ایسا نہ ہو، یعنی ہمزہ اصل بھی نہ ہو اور تانیث کے لئے بھی نہ ہو۔ **فالْوَجْهَانِ** تو پھر دو وجہیں پڑھنا جائز ہے۔ یعنی اُس ہمزہ کو واؤ سے بدلنا بھی جائز اور اُس کو برقرار رکھنا بھی جائز۔ جیسے کِسَاءٌ ہے۔ کِسَاءٌ لباس کو کہتے ہے۔ کساءٌ اسم ممدود ہے۔ اسکے آخر میں الف ممدودہ آرہا ہے۔ تو اب اسکی ہمزہ کو دیکھ لیں گے که اسکی ہمزہ اصل ہے یا تانیث کے لئے۔ نه تو اسکی ہمزہ اصل ہے اور نه تانیث کے لئے ہے۔ تو پھر اس صورت میں صاحب کافیه نے بتلایا که دو وجہیں پڑھیں گے۔ کساءٌ کی

ہمزہ کو واؤ سے بدلنا بھی جائز اور اس ہمزہ کو ثابت رکھنا بھی جائز۔ اگر ہمزہ کو واؤ سے بدلیں گے تو کساءٌ کی تثنیہ کِسَاوَانِ بن جائے گا۔ اور اگر ہمزہ کو سلامت رکھے تو کساءٌ کی تثنیہ کِسَاءَانِ بن جائے گا۔ تو کساءٌ کی تثنیہ میں کساوانِ پڑھنا بھی جائز اور کِساءَانِ پڑھنا بھی جائز۔

وَ يُحْذَفُ نُوْنُهُ لِلْاِضَافَةِ اور حذف کیا جائے گا تثنیہ کے نون کو بوجہ اضافت کے۔ غلامانِ تثنیہ ہے اور اسکی اضافت زید کی طرف کرے تو "غلاما زیدٍ" بن جائے گا۔ وَ حُذِفَتْ تاءُ التانیثِ فی خُصْيَانِ و اَلْيَانِ اور تائے تانیث کو حذف کیا جائے گا خصیانِ اور الیانِ میں۔ خُصْيَان تثنیہ ہے خُصْيَةٌ کی اور اَلْيَان تثنیہ ہے اَلْيَةٌ کی۔ اَلْيَةٌ: دُنبے کی چکّی یعنی دنبے کی چربی جو دُم کی طرف ہوتی ہے۔ جسے پشتو میں "لَمّ" کہتے ہے۔ تو اَلْيَةٌ کی تثنیہ الیانِ اور خصیۃٌ کی تثنہ خُصیانِ۔ یعنی تاء کو حذف بھی کر سکتے ہے لیکن یہ حذف ضروری نہیں ہے۔ یعنی تثنیہ میں "خصیتانِ اور الیتانِ" دونوں کہہ سکتے ہیں اور بغیر تاء کے "خصیانِ اور الیانِ" بھی کہہ سکتے ہیں۔

تثنیہ کی بات گزر گئی۔ اب جمع کی بات کرتے ہیں۔ اَلْمَجْمُوْعُ مَا جمع وہ اسم ہے۔ دَلَّ علیٰ اٰحادٍ جو دلالت کرے ایسے افراد پر، آگے اٰحاد کی صفت مقصودۃٍ آرہی ہے۔ اس لئے ترجمہ میں "ایسے" کا لفظ لکھا۔ مَقْصُوْدَةٍ جو مقصود ہوں بِحروفِ مُفْرَدِهٖ اُسکے مفرد کے حروف کے ساتھ اُن کا قصد کیا گیا ہو۔ بِتَغَيُّرٍ ما کچھ تبدیلی کے ساتھ۔ نکرۃ کے بعد کبھی "ما" صفت کے طور پر لاتے ہیں۔ تَغَيُّرٌ نکرہ ہے اور اُسکے بعد "ما" لے کر آئے، اس میں مزید عموم پیدا کرنے کے لئے۔ کچھ تبدیلی یعنی کسی نہ کسی قسم کے تبدیلی کے ساتھ ہوگا۔ مثلاً رجلٌ کی جمع رِجال ہے جو تین یا تین سے زیادہ افراد پر دلالت کر رہا ہے۔ اور یہ جو ہم نے تین یا زیادہ افراد کا ارادہ کیا ہے اس کے لئے ہم نے کوئی نیا لفظ نہیں لایا بلکہ وہی مفرد والے حروف لے کر آئیں۔ یعنی وہی حروف مفرد پر دلالت کر رہے تھے۔ اور اِسی حروف میں کچھ تبدیلی کرنی ہے۔ یعنی مفرد کے حروف میں کبھی کوئی حرف زیادہ کر لیتے ہے اور کبھی کوئی حرف حذف کر لیتے ہیں، کبھی حرکتیں بدل دیتے ہیں وغیرہ۔

دیکھو اب رجال پر نظر بھی رکھنا اور تعریف کو دوبارہ دیکھنا۔ رجال جمع ہے جو دلالت کر رہا ہے "علیٰ احادٍ" یعنی افراد پر، ایسے افراد "مقصودۃٍ بحروفِ مفرَدِہٖ" جن کا قَصَدْ کیا گیا ہے اُس کے مفرد ہی کے حروف کے ساتھ، "بتغیُّرٍ ما" کچھ تبدیلی کے ساتھ۔ تو دیکھو! جمع وہ اسم ہے جو دلالت کرے ایسے افراد پر جن کا قصد کیا جائے اُس کے مفرد ہی کے حروف کے ساتھ "بِتَغَيُّرٍ ما" کچھ تبدیلی کے ساتھ۔

آپ کہیں گے! جمع کی اتنی مشکل تعریف کیوں کی؟ صاحب کافیہ نے۔ بھئی دراصل صاحب کافیہ؆ اس تعریف کے ذریعے اسمِ جمع کو بھی نکالنا چاہتے تھے اور اسمِ جنس کو بھی نکالنا چاہتے تھے۔ اسمِ جنس یاد رکھو! اُسکا اطلاق قلیل اور کثیر پر ہوتا ہے۔ بعض اسماء ایسے ہیں کہ اُن کا مفرد "تا" کے ساتھ آتا ہے۔

جیسے تَمَرٌ کا مُفرد "تا" کے ساتھ آتا ہے یعنی تَمَرَةٌ۔ تَمَرَةٌ کا معنیٰ ہے ایک کھجور۔ اسی طرح کَلِمٌ کا مفرد "تا" کے ساتھ آئے گا یعنی "کلمةٌ" بمعنیٰ ایک کلمہ۔ بَقَرٌ کا مفرد بَقَرَةٌ "تا" کے ساتھ آتا ہے۔ تو یہ سارے اسمِ جنس ہے۔ آپ نے یہ نہیں کہنا کہ تَمَرَةٌ مفرد ہے اور تَمَرٌ اُسکی جمع ہے، کلمة مفرد ہے اور کلمٌ اُسکی جمع ہے اور بَقَرَةٌ مفرد ہے اور بقَرٌ اُسکی جمع ہے یوں نہیں کہنا۔ بلکہ تَمَرٌ، کلمٌ، بقرٌ وغیرہ اسمِ جنس ہے جس کا اطلاق قلیل اور کثیر پر ہوتا ہے۔ بھئی جمع کا اطلاق تو "تین" سے کم پر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ "رجال" کا اطلاق واحد اور تثنیہ پر نہیں ہوتا۔ لیکن اسمِ جنس کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے۔ تو تَمَرٌ کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے۔ اگر ایک کھجور پڑی ہو تو آپ کہہ سکتے ہیں کہ "هٰذا تَمَرٌ"۔ اسی طرح زیادہ میں بھی تَمَرٌ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر یہ تَمَرٌ جمع ہوتا تو پھر ایک میں نہیں کہہ سکتے۔ معلوم ہوا یہ اسمِ جنس ہے جمع نہیں کیونکہ جمع کا اطلاق تو کم از کم تین پر ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک ہوتا ہے اسمِ جمع۔ اسمِ جمع وہ ہے جو معنیٰ تو جمع کا ادا کر رہا ہے لیکن اسکا کوئی مفرد نہیں ہوتا۔ جیسے "رَکْبٌ"۔ رَکْبٌ کا معنیٰ ہے سواروں کی ایک جماعت۔ یہ راکب کی جمع نہیں ہے۔ بلکہ یہ الگ سے سواروں کی ایک جماعت کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اور راکبٌ کی جمع تو رُکْبان وغیرہ آتی ہے۔ یا جیسا کہ "رَهْطٌ" کا لفظ ہے۔ رَهْطٌ جماعَت کو کہتے ہے۔ تو یہ اسمِ جمع ہے اور جمع پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن کیا یہ کسی مفرد سے بنی ہے یہ جمع؟ جی نہیں! اسم جمع کسی مفرد سے نہیں بنی۔

جمع تو اُس کو کہتے ہیں جس کا مفرد بھی آئے اور افراد پر بھی دلالت کرے۔ اور رَکْبٌ اور رَهْطٌ کا کوئی مفرد نہیں آتا۔ تو جب صاحب کافیہؒ نے تعریف میں قید لگائی کہ وہ افراد مقصود ہو "بحروفِ مُفْرَدِهٖ" اُسی لفظ کے مفرد کے حروف کے ساتھ۔ تو اسمِ جمع اس تعریف سے خارج ہوا۔ اس لئے کہ اسمِ جمع کا تو مفرد ہی کوئی نہیں آتا۔ اور نیز اسمِ جنس بھی خارج ہوا۔ اس لئے کہ اسم جنس ہمیشہ افراد پر دلالت نہیں کرتا۔ صاحب کافیہؒ نے تو تعریف میں کہا، "ما دلَّ علیٰ اٰحادٍ" جو افراد پر دلالت کرے۔ یعنی افراد کم از کم تین ہوں گے۔ اور اسمِ جنس تو افراد پر دلالت کے لئے نہیں آتا بلکہ اسم جنس تو ایک پر بھی دلالت کر سکتا ہے۔

تو صاحب کافیہؒ نے ایسی تعریف کی کہ جب اٰحاد کہا تو اس کے ذریعے اسمِ جنس کو نکالا، اور "بحروفِ مُفْرَدِهٖ" کہا تو اس کے ذریعے اسمِ جمع کو نکالا۔

تو جمع وہ اسم ہے جو دلالت کرے ایسے افراد پر جو مقصود ہو اُسی کے مفرد کے حروف کے ساتھ کچھ تبدیلی کے ساتھ۔

فَنحوُ تَمْرٍ و رَکْبٍ لیس بِجَمْعٍ عَلَی الْاَصَحِّ اور تَمرٌ اور رَکْبٌ جیسے الفاظ جو ہیں وہ جمع نہیں ہیں صحیح قول کے مطابق۔ تَمَرٌ اسم جنس ہے۔ اور رَکْبٌ اسمِ جمع ہے۔ اسم جمع لفظوں کے اعتبار سے مفرد ہوتا ہے لیکن دلالت جمع پر کر رہا ہے۔

و نحوُ فُلْکٌ جَمْعٌ اور فُلْکٌ جیسے الفاظ جمع ہے۔ دیکھو! فُلْکٌ کا مفرد بھی فُلْکٌ ہے اور جمع بھی فُلْکٌ ہے۔ فُلْکٌ کا معنیٰ کشتی، ایک کشتی ہو تب بھی کہتے ہیں فُلْکٌ اور دس کشتیاں ہوں تب بھی فُلْکٌ کہتے ہیں۔ لیکن اب یہ فُلْکٌ جمع ہے مفرد نہیں۔ تو بھئی صاحب کافیہؒ نے بتلایا تھا کہ مفرد اور جمع میں کچھ تبدیلی ضرور کی جائیگی۔ یہ تو مفرد بھی فُلْکٌ ہے اور جمع بھی فُلْکٌ ہے - تو مفرد اور جمع دونوں میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اس کی کیا وجہ ہے؟ کہتے ہیں بھئی یہاں تبدیلی آچکی ہے۔ اگر چہ حقیقتًا نہیں آئی لیکن تقدیرًا یہاں تبدیلی آچکی ہے۔ وہ ایسے کہ فُلْکٌ جب مفرد ہوگا تو قُفْلٌ وزن پر ہوگا، تو اس کے اندر جو ضمہ آرہا ہے وہ بھی مفرد والا ہے۔ اور جب یہ فُلْکٌ جمع ہوگا تو یہ اُسْدٌ وزن پر ہوگا۔ اور اُسْدٌ جمع ہے اَسَدٌ کی بمعنیٰ شیر۔ ایک شیر ہو تو اَسَدٌ اور جمع بنائیں تو اُسْدٌ۔ اب اَسَدٌ اور اُسْدٌ کے حروف کے اندر کوئی تبدیلی نہیں کی گئی لیکن حرکات میں تبدیلی کی گئی۔ الف پر پہلے فتحہ تھا اور جمع میں ہم ضمہ لے آئے۔ اور مفرد کے اندر سین پر پہلے فتحہ تھا اور جمع کے اندر ہم نے اُسکو ساکن کر دیا۔ تو معلوم ہوا کہ اُسْدٌ کے اندر جو ضمہ ہے یہ جمع والا ضمہ ہے۔

تو فُلْکٌ مفرد سے جب فُلْکٌ جمع بنائیں تو تبدیلی تقدیرًا آجاتی ہے۔ یعنی پہلے جو اس کے اندر ضمہ تھا وہ مفرد والا تھا اور جب آپ نے اسکی جمع بنائی تو وہ مفرد والا ضمہ چلا گیا اور جمع والا ضمہ آگیا یعنی اُسْدٌ والا ضمہ آگیا۔ تو تبدیلی یہاں پر تقدیری ہے۔

وَ هُوَ صحیحٌ و مُكَسَّرٌ اور جمع دو قسم پر ہے۔ ایک جمع سالم ہے اور ایک جمع مکسر ہے۔

فالصحیحُ لِمُذَكَّرٍ وَ لِمُؤَنَّثٍ اور جمع صحیح مذکر کے لئے بھی آئے گی اور مؤنث کے لئے بھی آئے گی۔ یعنی جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم۔ فَالْمُذَكَّرُ مَا پس جمع مذکر سالم وہ اسم ہے لَحِقَ اٰخِرَهُ کہ ملا ہو اُس کے آخر میں واوٌ ایسا واؤ مضمومٌ ما قبلَها جس کا ماقبل مضموم ہو۔ جیسے مُسْلِمُوْنَ کے آخر میں ایسا واؤ ملا ہے جس کا ماقبل مضموم ہے۔ اَوْ یاءٌ مكسورٌ ما قبلَها یا ایسی "یا" ملی ہو جسکا ماقبل مکسور ہو - جیسے مُسْلِمِیْنَ کے آخر میں ایسی "یا" ملی ہے جسکا ماقبل مکسور ہے۔ و نونٌ مفتوحةٌ اور ساتھ نونِ مفتوحہ ملا ہوا ہو- یعنی مُسْلِمُوْنَ کے آخر میں ایسا واؤ ہے جس کا ما قبل مضموم ہے اور آخر میں نونِ مفتوحہ ہے۔ اور مُسْلِمِیْنَ کے آخر میں ایسی یا آئی ہے جس کا ماقبل مکسور ہے اور آخر میں نونِ مفتوحہ ہے۔

صاحب کافیہؒ نے بتلایا کہ مفرد کے آخر میں واؤ اور نون بڑھانا پڑے گا۔ یا "یا اور نون" بڑھانا پڑے گا۔ تو اس سے جمع مذکر سالم بنے گا۔ یہ "واو اور نون" اور "یا اور نون" کیوں ملاتے ہیں؟ آگے اسکی علّت ذکر فرما رہے ہیں۔ لِيَدُلَّ تا کہ مفرد کے ساتھ "واو اور نون" اور "یا اور نون" کا ملنا دلالت کرے علٰی اَنَّ مَعَهُ کہ اُس مفرد کے ساتھ اكثَرَ زیادہ اور ہیں منهُ ای مِنْ جِنْسِهٖ۔ اُسی کے جنس میں سے۔ ها

ضمیر سے پہلے مضاف "جنس" کا لفظ محذوف نکالنا پڑے گا۔ بھئی صاحب کافیہؒ نے ماقبل میں تثنیہ کے اندر کہہ دیا تھا، "مِنۡ جِنۡسِہٖ"۔ تو وہاں پر "جنس" کا لفظ ذکر کر دیا تھا تو وہی چونکہ دلالت کر رہا ہے اس لئے یہاں پر ابھی اُس کو ذکر نہیں کیا۔

تو دیکھئے! یہ "واو اور نون" اور "یاء اور نون" جمع مذکر سالم کے آخر میں ملاتے ہیں تاکہ اس "واو اور نون" اور "یاء اور نون" کا ملنا اس باپ پر دلالت کرے کہ اُس مفرد کے ساتھ اور زیادہ ہے اُسی کے جنس میں سے۔ بھئی مُسۡلِمٌ ایک پر دلالت کرتا ہے۔ اب اسکے ساتھ میں "واو اور نون" ملاتا ہوں، مُسۡلِمُوۡنَ بن جاتا ہے۔ تو یہ "واؤ اور نون" کا ملنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُس مفرد کے ساتھ زیادہ اور بھی ہے۔ یعنی ایک سے زیادہ ہے۔ اگر ایک اور ساتھ آیا مسلمٌ کے ساتھ تو پھر تو وہ تثنیہ بن جائے گا۔ تو کم از کم دو اور ہونے چاہئے۔ تو اس لئے صاحب کافیہؒ نے تثنیہ کی تعریف میں کہا تھا، "مَعَهُ مِثۡلُهُ" اُسی کے مثل یعنی ایک اور ہوگا تو دو بن جائیں گے۔ اور یہاں پر کم از کم دو ہوں یعنی زیادہ اور ہوں۔

تو ایک مسلمٌ ایک پر دلالت کر رہا تھا۔ تو اس کے ساتھ جب واو اور نون ملایا۔ تو اِس نے اس بات پر دلالت کی کی اِس ایک کے ساتھ زیادہ اور ہیں۔ یعنی دو، چار، چھ جتنے بھی ہیں لیکن ساتھ ایک نہیں۔ ایک سے زیادہ اور ہیں۔ تو مُسۡلِمُوۡنَ کم از کم تین افراد پر دلالت کریگا۔ تو ایک سے یہ تین کب بنے گا؟ جب ایک کے ساتھ ایک سے زیادہ اور ہوں۔

اور یہ جو زیادہ آئے اُس ایک کے ساتھ، یہ بھی اُسی ایک کے جنس میں سے ہے کسی اور جنس میں سے نہیں۔ یعنی وہ تین، چار یا پانچ وغیرہ مسلم ہی ہیں۔

اب صاحب کافیہؒ اسم منقوص اور اسم مقصور سے جمع مذکر سالم بنانے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ اسم منقوص: وہ اسم جس کے آخر میں یاء ما قبل مکسور ہو جیسا کہ "قَاضِيۡ" تو اس سے جمع مذکر سالم کیسے بنائیں گے۔ اسمِ مقصور: یعنی وہ اسم جس کے آخر میں الف آرہا ہو تو اُس سے جمع مذکر سالم کیسے بنائیں گے۔

صاحب کافیہؒ اسم منقوص کے بارے بتلاتے ہیں **فَاِنۡ كَانَ اٰخِرُهُ يَاءً** اگر اُس اسم کے آخر میں ایسی یاء ہو جس سے آپ جمع مذکر سالم بناتے ہیں۔ **قبلَها كسرةٌ** جس سے پہلے کسرہ ہو۔ جیسا کہ "قَاضِيۡ"۔ اس کے آخر میں یاء ہے اور یاء سے ماقبل کسرہ ہے۔ اب اس قَاضِيۡ سے جمع مذکر سالم کیسے بنائیں گے۔ **حُذِفَتۡ** تو اُس یاء کو حذف کریں گے۔ **مثلُ قاضُوۡنَ** اور قاضُونَ کہیں گے۔ اصل میں قَاضِيُوۡنَ تھا۔ یاء پر ضمہ ثقیل تھا تو اُسکی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دے دی۔ اور پھر یاء اور واؤ کے درمیان اجتماع ساکنین آیا۔ تو یاء کو گرایا تو قاضُوۡنَ بن گیا۔ اور یا قَاضُيۡوۡنَ میں یاء کو واؤ سے بدلا اور پھر ایک واؤ کو گرایا تو قاضُوۡنَ بن گیا۔ یہ ایک صورت ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ قَاضِيُوۡنَ میں یاء پر

ضمہ ثقیل تھا تو گرایا تو قَاضِیُوْنَ بن گیا۔ پر اجتماع ساکنین کی وجہ سے پہلی ساکن یاء کو گرائی تو قَاضِوْنَ بن گیا۔ پھر واؤ کی مناسبت سے ماقبل ضاد کو ضمہ دیا تو قَاضُوْنَ بن گیا۔

اب صاحب کافیہؒ اسمِ مقصور کے بارے میں بتلاتے ہیں۔ وان کان اخرُہٗ مقصورًا اور اگر وہ اسم جس سے آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں اسم مقصور ہو۔ یعنی آخر میں الفِ مقصورۃ آرہا ہے۔ تو اس میں الف کو حذف کریں گے اور فتحہ کو برقرار رکھیں گے۔ تاکہ وہ فتحہ اس بات پر دلالت کرے کہ یہاں سے الف حذف ہوا ہے۔ تو مُصْطَفیٰ سے جمع مذکر سالم کیسے بنائیں گے۔ تو آخر سے الف حذف کیا اور فا پر فتحہ برقرار رکھا تو مُصْطَفَوْنَ کہا اور مُصْطَفُوْنَ نہیں کہا۔ تا کہ فاء کی فتحہ اس بات پر دلالت کرے کہ یہاں سے الف مقصورہ حذف کیا گیا ہے۔ اور حالتِ جرّی میں مُصْطَفَیْنَ کہیں گے۔ تا کہ یہ فتحہ الف کے حذف پر دلالت کرے۔ جبکہ قاضُوْنَ کے اندر حالت نصبی جرّی میں قَاضِیْنَ کہیں گے۔

حُذِفَتِ الْاَلِفُ تو الف کو حذف کر لیا جائے گا۔ وَ بَقِیَ ما قبلَھا مفتوحًا اور اسکا ماقبل باقی رہے گا اس حال میں کہ وہ مفتوح ہوگا۔ مثل مُصْطَفَوْنَ جیسے مُصْطَفَوْنَ۔

درس 93۔ صاحب کافیہؒ یہاں سے شرائط ذکر فرما رہے ہیں۔ بھئی آپ کسی اسم سے جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں، تو کس اسم سے جمع مذکر سالم بنانا جائز ہے اور کس اسم سے جمع مذکر سالم بنانا جائز نہیں۔ اُسکی تفصیل صاحب کافیہؒ بتلا رہے ہیں۔

تو تفصیل یہ ہے کہ جس اسم سے آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں پہلے اُس اِسم کے اندر دیکھیں، کہ وہ اِسمِ محض ہے یا صفت کا صیغہ ہے۔ صفت کے صیغیں : اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل اور مبالغے کے صیغیں ہیں۔ اگر وہ اسمِ محض ہے یعنی صفت پر دلالت نہیں کرتا۔ تو اُس میں تین شرطیں ہوں گی۔ اور اگر وہ صفت کا صیغہ ہے تو اُس میں پانچ شرطیں ضروری ہیں۔ دیکھئے صاحب کافیہؒ خود بتلا رہے ہیں۔

و شرطُہٗ اور شرط اُس اسم کی - یعنی جس اسم سے آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں۔ اِنْ کانَ اِسْمًا اگر وہ اسم ہو، یعنی اسمِ محض ہو۔ تو اُس میں تین شرطیں ہیں۔ اور وہ شرائط یہ ہے۔ فَمُذَکَّرٌ عَلَمٌ یَعْقِلُ پہلا شرط یہ کہ وہ اسم مذکر ہونا چاہئے، دوسرا شرط یہ کہ وہ اسم عَلَمَ ہونا چاہئے، تیسرا شرط یہ کہ وہ ذوی العَقول میں سے ہونا چاہئے۔ تو پھر اُس اسم کی جمع "واو اور نون" اور "یا اور نون" کے ساتھ بنانا جائز ہے۔ دیکھئے! زید ایک اسم ہے اور اس سے جمع مذکر سالم بنانا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ اسمِ محض ہے اور اِن میں تینوں شرائط موجود ہے۔ یعنی مذکر بھی ہے، عَلَم بھی ہے اور ذوی العقول بھی ہے۔ تو اس کی جمع "الزیدُوْنَ یا الزیدِیْنَ" آسکتا ہے۔

وَاِنْ کان صفۃً اور اگر وہ اسم جس کی آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں وہ صفت ہو۔ یعنی صفت کا صیغہ ہو۔ تو پھر اس میں پانچ شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ یاد رکھئے اِن میں سے ایک شرط ہے وُجُودِی اور چار شرطیں ہیں عَدَمِی۔ یعنی ایک چیز کا ہونا ضروری ہے اور چار چیزوں کا نہ ہونا ضروری ہے۔ فَمُذَکَّرٌ یَعْقِلُ تو پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مذکر ہو ذوی العقول میں سے۔ یہ وُجودی شرط ہے۔

صاحب کافیہؒ آگے چار عدمی شرطیں ذکر فرما رہے ہیں۔

اب دوسری شرط ذکر فرما رہے ہیں۔ عدمی شرطوں میں پہلا شرط ہے۔ وَ اَنْ لَّا یَکُونَ اَفْعَلَ فَعْلَاءَ مثلُ اَحْمَرَ حَمْرَاءُ اور یہ کہ وہ فَعْلَاء کا اَفْعَلُ نہ ہو۔ اَفْعَلَ فَعْلَاءَ یہ آپس میں مضاف مضافٌ الیہ ہے۔ اَفْعَلَ منصوب ہے کانَ کی خبر ہے۔ فَعْلَاءَ غیر منصرف ہے۔ کیونکہ اس میں الف تانیث آ رہا ہے اور الف تانیث قائم مقام دو سببوں کے ہیں۔

تو دوسری شرط یہ کہ فَعْلَاء کا اَفْعَلُ نہ ہو۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ دیکھو! یہ اَفْعَلُ وزن اسمِ تفضیل میں بھی آتا ہے اور صفت مشبہ میں بھی آتا ہے۔ اسمِ تفضیل جیسے اَفْضَل۔ زیدٌ اَفْضَلُ مِنْ عمرٍو۔ یا زیدٌ اَضْرَبُ مِنْ عمرٍو۔ اور یہ اَفْعَلُ وزن صفت مشبہ میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ "اَحْمَرَ"۔ اَحْمَرَ کا معنیٰ ہے سُرخ۔ اسکا یہ معنیٰ نہیں کہ "زیادہ سُرخ"۔ اور یہ اَفْعَل جو صفت مشبہ ہے اسکی مؤنث فَعْلَاءُ آتی ہے۔ جیسے اَحْمَرُ کی مؤنث حَمْرَاءُ آتی ہے۔ جبکہ وہ اَفْعَلُ جو اسم تفضیل ہے اُسکی مؤنث فُعْلیٰ آتی ہے۔فُعْلیٰ کے آخر میں الف مقصورہ ہے۔

تو وہ اَفْعَلُ جو اسمِ تفضیل والی ہو اس کی جمع "واو اور نون" کے ساتھ آسکتی ہے۔ یعنی اَفْضَلُ، اَفْضَلَانِ، اَفْضَلُوْنَ۔ اور وہ اَفْعَلُ جو صفتی ہے یعنی صفت مشبہ والا ہے اِسکی جمع "واؤ اور نون" کے ساتھ نہیں آسکتی۔ اور افعلُ صفتی کی جمع واؤ اور نون کے ساتھ اس لئے نہیں آسکتی کہ پھر التباس لازم آئے گا۔ پھر جمع کی صورت میں پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ اسم تفضیل کی جمع ہے یا صفت مشبہ کی جمع ہے۔

اب تیسری شرط ذکر فرما رہے ہیں۔ عدمی شرطوں میں دوسرا شرط ہے۔ وَ لا فَعْلَانَ فَعْلیٰ اور فَعْلیٰ کا فَعْلَانَ بھی نہ ہو۔ نحو سَکْرانَ سکْریٰ۔ جیسے سَکْریٰ کا سَکْرَانَ۔ یاد رکھو! فَعْلان بھی دو قسم پر ہے۔ ایک وہ فعلان ہے جسکی مؤنث فَعْلَانَۃٌ آتی ہے۔ اور ایک وہ فَعْلَان ہے جسکی مؤنث فَعْلیٰ آتی ہے۔ تو وہ فَعْلَان جسکی مؤنث فَعْلَانۃٌ آتی ہے اُس کو ہم نے "واو نون" والی جمع دے دی۔ تو اُس فَعلان کے جمع میں فَعْلَانُوْنَ کہتے ہے۔ تو اگر فعلیٰ کے فعلان کو بھی "واو نون" والی جمع دے دیں تو پھر التباس لازم آئے گا۔ تو سَکْرَان کی جمع اب سکرانونَ نہیں آئے گی۔

اب چوتھی شرط ذکر فرما رہے ہیں۔ عدمی شرطوں میں تیسرا شرط ہے۔ **و لا** کہ وہ جو اسم ہے جس سے آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں۔ وہ ایسا مذکر نہ ہو **مُسْتَوِيًا** ای مُذَكَّرًا مستوی۔ کہ برابر ہو **فِيْهِ** ای فی ذالکَ الوصفِ اُس صفت کے اندر۔ **مَعَ الْمُؤَنَّثِ** مؤنث کے ساتھ۔ **مثلُ جريح و صَبُوْرٌ** فیه کی ھا ضمیر صفت کو راجع ہے مگر بتاویل وصف کے۔ کیونکہ صفت کا لفظ تو مؤنث ہے اور اسکی طرف مؤنث کی ضمیر کو راجع کرنا چاہئے تھی۔ لیکن صاحب کافیہؒ نے اُسکی طرف مذکر کی ضمیر راجع کی۔ تو معلوم ہوا کہ صفة کو وصف کی تاویل میں لے لیا ہے۔ کیونکہ وصف اور صفة کا ایک معنیٰ ہے۔

یعنی یہاں سے صاحب کافیہؒ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ صفت کا صیغہ ایسا نہ ہو جو مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہو۔ اور وہ دو صیغیں ہیں۔ ایک ہے وہ فَعِيْلٌ جو بمعنیٰ مفعول کے آئے۔ یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یاد رکھو! فَعِيْلٌ صفت مشبه ہے۔ لیکن یہ کبھی اسمِ مفعول کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اور کبھی اسم فاعل کے معنیٰ میں آتا ہے۔ لیکن جب یہ اسم مفعول کے معنیٰ میں ہوتا ہے تو یہ مذکر کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قَتِيْل بمعنیٰ مَقْتُوْل کے ہے۔ اسی طرح جَرِيْحٌ بمعنیٰ مَجْرُوْح کے ہے۔ تو قَتِيْلٌ اور جَرِيْحٌ یہ مذکر کے لئے بھی استعمال ہوگا اور مؤنث کے لئے بھی استعمال ہوگا۔ تو یوں کہیں گے، "اَلِامْرَءَةُ جَرِيْحٌ" اور "الرَّجُلُ جَرِيْحٌ"۔ اسی طرح کہیں گے، "اَلِامْرَءَةُ قَتِيْلٌ" اور "الرَّجُلُ قَتِيْلٌ"۔

اِسی طرح وہ فَعُوْل وزن جب اسمِ فاعل کے معنیٰ میں ہو وہ بھی مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ فَعُوْل وزن بھی کبھی اسم فاعل کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ جیسے صَبُوْر بمعنیٰ صابر کے ہے۔ تو یہ مذکر کے لئے بھی استعمال ہوگا اور مؤنث کے لئے بھی استعمال ہوگا۔ "اَلِامْرَءَةُ صَبُوْرٌ" اور "الرَّجُلُ صَبُوْرٌ"۔

خلاصہ یہ کہ جب فَعِيْل وزن اسم مفعول کے معنیٰ میں ہو اور فَعُوْلٌ وزن جب اسم فاعل کے معنیٰ میں ہو تو یہ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ ان دونوں اوزان کے جمع مذکر سالم "واو اور نون" کے ساتھ نہیں بنا سکتے۔

اب پانچوی شرط ذکر فرما رہے ہیں۔ عدمی شرطوں میں چوتھا اور آخری شرط ہے۔ **و لابتاءِ التانيثِ**

اور وہ اسم جس سے آپ جمع مذکر سالم بنانا چاہتے ہیں وہ تائے تانیث کے ساتھ بھی نہ ہو۔ **مثلُ عَلَّامَةٍ**

اسکے ساتھ چونکہ تائے تانیث ملی ہوئی ہے لہٰذا اب اسکی جمع "واو اور نون" کے ساتھ نہیں آسکتا۔

وَ تُحذَفُ نُونُهُ لِلاضافةِ اور حذف کیا جائے گا جمع مذکر سالم کے نون کو اضافت کی وجہ سے۔ جمع مذکر سالم کی جب بھی اضافت کی جاتی ہے تو اسکے نون کو حذف کیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں "پاکستان کے مسلمان"۔ مُسْلِمُوْ باکستانَ۔اور حالت نصبی اور جرّی میں "مُسْلِمِيْ باکستانَ" کہیں گے۔

یہاں صاحب کافیہؒ پر ایک اعتراض ہوتا ہے۔ صاحب کافیہؒ نے فرمایا کہ جب اسمِ محض کے اندر تین شرائط پائے جائے تو اسکی جمع "واو اور نون" کے ساتھ آئے گا۔ اور وہ تین شرائط، مذکر ہونا، عَلَمْ ہونا اور ذوی العقول کا ہونا تھا۔ تو اے صاحب کافیہؒ آئیں ہم آپ کو دکھلاتے ہیں کہ تینوں ہی شرطیں نہیں پائی جاتی اور پھر بھی اُس کی جمع "واو اور نون" کے ساتھ آتے ہیں۔ جیسے اَرْضٌ اور سَنَةٌ۔ اَرْضٌ کی جمع آتی ہے اَرْضُوْنَ اور سَنَةٌ کی جمع سِنُوْنَ آتی ہے۔ تو یہاں پر تینوں شرائط نہیں پائی جاتی لیکن پھر بھی جمع "واؤ اور نون" کے ساتھ آتا ہے۔ اَرْضٌ مؤنث ہے، نیز یہ عَلَم بھی نہیں اور ذوی العقول میں سے بھی نہیں۔ اسی طرح سَنَةٌ مؤنث ہے، عَلَمْ بھی نہیں اور ذوی العقول میں سے بھی نہیں کیونکہ یہ زمانہ کا نام ہے۔ تو صاحب کافیہؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ شاذ ہیں۔ یعنی استعمال کے لحاظ سے تو صحیح ہیں۔ عرب اسی طرح استعمال کرتے ہیں۔ لیکن ضابطے کے مطابق نہیں۔ اور اگر ایک دو چار لفظ اگر ضابطے کے خلاف بھی آجائے تو ضابطے پر اثر نہیں پڑتا۔

و قد شَذَّ نحوُ سِنِيْنَ و اَرضِينَ اور تحقیق شاذ ہے اَرَضِیْنَ اور سِنِیْنَ کے مثل۔ شاذ کا مطلب خلافُ القیاس ہے۔

اب صاحب کافیہؒ جمع مؤنث سالم کے بارے میں بتلاتے ہیں۔ اَلْمُؤَنَّثُ ما لَحِقَ اٰخِرُہٗ اَلِفٌ و تاءٌ جمع مؤنث سالم وہ اسم ہے کہ ملے اُس کے آخر کے ساتھ الف اور تاء۔ مسلمةٌ سے مسلماتٌ۔

اب صاحب کافیہؒ جمع مؤنث سالِم بنانے کی شرائط ذکر فرما رہے ہیں۔ اگر وہ اسمِ جس سے ہم جمع مؤنث سالم بنانا چاہتے ہیں اگر اسمِ محض ہو، تو پھر تو کوئی شرط نہیں۔ بس آخر میں الف اور تا لگا کر اُسکی جمع مؤنث سالم بنا سکتے ہو۔ اور اگر وہ صفت کاصیغہ ہو۔ تو اُس میں دیکھو! کہ کیا اُسکے مقابلے میں کوئی مذکر ہے کہ نہیں۔ اگر اُس کے مقابلے میں مذکر ہے تو پھر اُس مذکر کی جمع "واو اور نون" کے ساتھ آنی چاہئے اور اُسکی جمع "الف اور تاء" کے ساتھ بنانا بھی جائز ہوگا۔ اس لئے کہ جمع مذکر سالم بھی جمع کی اعلیٰ قسم ہے اسی طرح جمع مؤنث سالم بھی جمع کی اعلیٰ قسم ہے۔ اگر اُس کے مذکر کی اعلیٰ جمع نہیں آتی تو اُس کے مؤنث کی بھی اعلیٰ جمع نہیں ہونی چاہئے۔ ورنہ تو اِس صورت میں مؤنث کو مذکر پر برتری حاصل ہو جائے گی۔ اور یہ تو صحیح نہیں۔ کیونکہ مذکر اصل ہے اور مؤنث فرع ہے۔ تو اس صورت میں فرع کا اصل پر اعلیٰ ہونا لازم آئے گا۔

اور اگر وہ صفت کا صیغہ ہے اور اُسکے مقابلے میں کوئی مذکر نہیں۔ تو کہتے ہیں کہ پھر اس صورت میں کم از کم اُس صیغے کے ساتھ تاء ملی ہوئی ہو۔

و شرطُهُ اور شرط اُس اسم کی جس سے آپ جمع مؤنث سالم بنانا چاہتے ہیں۔ اِنْ کان صِفَةً اگر وہ صفت ہے یعنی صفت کا صیغہ ہے۔ وَ لَهُ مُذَكَّرٌ اور اِس حال میں کہ اُس کے لئے مذکر بھی ہے۔ فَاَنْ

يَّكُونَ مُذَكَّرُهُ بالواوِ وَ النُّونِ ای فَانْ يَّكُونَ مُذَكَّرُهُ جُمِعَ بالواوِ وَ النُّونِ تو پھر اُس کے مذکر کو جمع کیا جانا چاہئے "واو اور نون" کے ساتھ۔ وَ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ مُذَكَّرٌ اور اگر اُس صفت کے لئے کوئی مذکر نہ ہو۔ فَاَنْ لَّا يَكُونَ مُجَرَّدًا تو پھر اُس کو خالی نہیں ہونا چاہئے۔ یعنی تاء سے خالی نہیں ہونا چاہئے۔ كَحائِضٍ جیسا کہ حائض ہے۔ حائض صفت کا صیغہ ہے۔ حائض کے مقابلے میں کوئی مذکر نہیں نیز اس کے ساتھ تاء بھی ملی ہوئی نہیں۔ لہٰذا اب اسکی جمع حائضَاتٌ لانا صحیح نہیں۔ اور اسکی جمع حَوَائِض آئیں گی۔ تو حائِض دو ہے۔ ایک ہے حائِضَةٌ اور ایک ہے حائضٌ بغیر تاء کے۔ اور جو حائضَةٌ ہے اسکی جمع حائِضات آتی ہے۔ اور جب حائضَةٌ کی جمع الف تاء کے ساتھ آئی تو اب حائضٌ کی جمع الف تاء کے ساتھ نہیں لائیں گے ورنہ تو التباس لازم آئیں گا۔

وَ الا اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی وہ اسم جس سے آپ جمع مؤنث سالم بنانا چاہتے ہیں، اگر وہ صفت کا صیغہ ہی نہ ہو۔ یعنی اسمِ محض ہو۔ تو کہتے ہیں جُمِعَ مُطْلِقًا تو اُس کو جمع کیا جائے گا مطلقًا۔ یعنی بغیر کسی شرط کے اُس کی جمع الف تاء کے ساتھ آپ بنا سکتے ہیں۔

صاحب کافیہؒ اب جمع تکسیر یعنی جمع مُکَسَّرْ کے بارے میں بتلا رہے ہیں۔ جَمْعُ التَّكْسِيْرِ مَا جمع تکسیر وہ جمع ہے ۔ تَغَيَّرَ بِنَاءُ واحِدِهٖ کہ بدل جائے اُس میں واحد کی بناء، یعنی کہ واحد کی وزن ٹوٹ جائے۔ كرجالٍ وَّ اَفْرَاسٍ جیسے رجال ہے اور اَفراس ہے۔ رجالٌ یہ رجلٌ کی جمع ہے۔ رجلٌ کا وزن رِجال میں آکر ٹوٹ گیا۔ اسی طرح اَفْرَاس جمع ہے فَرَس کی۔ تو فَرَس کا وزن اَفْرَاس کے اندر ٹوٹ گیا۔

اب صاحب کافیہؒ جمع قلّت کے بارے میں بتلا رہے ہیں۔ یاد رکھو! جمع دو قسم پر ہے۔ ایک جمع قلّت ہے اور ایک جمع کثرت ہے۔ جمع قلّت وہ ہے جس کا اِطلاق تین سے دس تک ہو۔ اور جمع کثرت کا اِطلاق دس سے زیادہ پر ہوتا ہے۔ تو جمع قلّت کون کونسی ہے اور جمع کثرت کون کونسی ہے۔

صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ جمع قلّت صرف چھ ہیں۔ جَمْعُ الْقِلَّةِ جمع قلّت جو ہے۔ اَفْعُلٌ ایک اَفْعُل وزن ہے۔ جیسے اَكْلُبٌ جمع ہے كَلْبٌ کی۔ یا جیسے اَفْلُس جمع ہے فَلْس کی۔ وَ اَفْعَالٌ اور اَفعال وزن ہے۔ جیسے اَقْوَال جمع ہے قَوْل کی۔ وَ اَفْعِلَةٌ اور افعلة وزن ہے۔ جیسے اَرْغِفَة جمع ہے رَغِيْف کی۔ روٹی کو کہتے ہیں۔ وَ فِعْلَةٌ اور فِعلَةٌ وزن ہے۔ جیسے غِلْمَةٌ جمع ہے غلام کی۔ و الصَّحِيحُ اور صحیح جو ہے۔ یعنی جمع مذکر سالم اور جمع مؤنث سالم۔ جیسے مسلمونَ اور مسلماتٌ وغیرہ۔ تو یہ کُل چھ اوزان ہوئے۔

و ما عَدا ذلک جَمْعُ کَثْرَۃٍ اور اِن کے علاوہ جو ہیں وہ جمع کثرت ہیں۔ لیکن مجازًا کبھی ایک دوسرے کی جگہ پر استعمال ہوتے ہیں۔ مقام جمع کثرت کا ہوتا ہے اور جمع قلت استعمال ہوتا ہے۔ یا کبھی مقام تو جمع قلّت والا ہوتا ہے اور صیغہ جمع کثرت والا استعمال ہوتا ہے۔

درس 94۔ آج ہم مصدر کی بحث پڑھیں گے۔ اَلْمَصْدَرُ اِسْمٌ لِلْحَدَثِ مصدر اُس حدَث کا نام ہے۔ حدث کہتے ہیں وہ معنیٰ جو قائم بالغیر ہو۔ خارج میں اسکا اپنا الگ کوئی وجود نہ ہو۔ مثلاً ضَرْبٌ ہے بمعنیٰ پٹھائی کرنا، اَکْلٌ کا معنیٰ ہے کھانا، مَنْعٌ ہے، فَتْحٌ ہے بمعنیٰ کھولنا، نَصْرٌ ہے وغیرہ۔ اَلْجَارِیْ عَلَی الْفِعْلِ جو فعل پر جاری ہوتا ہے۔ یعنی مصدر اسم ہے اُس حدث کا جو فعل پر جاری ہوتا ہے۔ بھئی یہ فعل پر جاری ہے یہ اصطلاحی لفظ ہے۔ اسی طرح نحوی فرماتے ہیں کہ یہ اسم فاعل جاری ہوتا ہے فعل مضارع پر۔ اسی طرح صفت کے صیغوں میں کہتے ہیں کہ یہ صفت جو ہے یہ جاری ہے غَیْرِ مَنْ ھِیَ لَہٗ پر۔ تو ہر مقام پر اس کا اپنا الگ معنیٰ ہے۔ اصطلاحی لفظ ہے ۔

تو جب یہ آئے مصدر کے لئے کہ یہ مصدر جاری ہے فعل پر۔ تو اسکا معنیٰ یہ ہے کہ یہ فعل کے لئے اصل اور ماخذ ہے۔ یعنی فعل کا اس سے اِشتقاق ہوا ہے۔ اور اِشتقاق کے بعد یہ اُس فعل کے لئے مفعولِ مطلق بنتا ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں جَلَسْتُ جُلُوْسًا: یا جَلَسْتُ جَلْسَۃً: یا جَلَسْتُ جِلْسَۃً۔ تو دیکھو یہ آگے جلوسًا یا جَلْسَۃً یا جِلْسَۃً یہ مصدر ہے۔ فعل کا ان اس اشتقاق ہوا ہے۔ اور پھر یہ فعل کے لئے مفعول مطلق واقع ہو رہے ہیں۔ تو کبھی یہ تاکید بیان کرنے کے لئے آئے گا جیسا کہ جَلَسْتُ جُلُوْسًا: یا کبھی عدد بیان کرنے کے لئے آئے گا۔ جیسا کہ جَلَسْتُ جَلْسَۃً یا جَلْسَتَیْنِ یا جَلْسَاتٍ: یا کبھی نوع بیان کرنے کے لئے آئے گا۔ جیسا کہ جَلَسْتُ جِلْسَۃَ القارِی۔

و ھو مِنَ الثُّلَاثِیِّ الْمُجَرَّدِ سِمَاعٌ اور یہ مصدر ثلاثی مجرد سے سِماعی ہے۔ یعنی موقوف علی السمعَ ہے۔ جیسے ضَرَبَ کا مصدر ضَرْبٌ آتا ہے۔ اور کَرُمَ کا مصدر کَرَمًا آتا ہے اور کَرَامَۃً آتا ہے۔ تو یہ جو اوزان آتے ہیں مصادر کے ثلاثی مجرد سے تو یہ موقوف علی السماع ہے۔ یعنی کوئی ضابطہ وغیرہ انکا نہیں۔ بعض علماء نے اِن کی تعداد بتیس تک بتلایا ہے۔ اور بعض علماء نے اِس سے بھی زیادہ اوزان ذکر کئے ہیں۔ علم الصیغہ میں آپ نظم کے اندر تقریبًا چالیس اوزان پڑھ چکے ہیں۔ و مِنْ غَیْرِہٖ قیاسٌ اور ثلاثی مجرد کے علاوہ سے قیاسی ہے۔ یعنی ثلاثی مزید فیہ ہو یا رباعی مجرد ہو یا رباعی مزید فیہ ہو اِن سے جو مصدر آئے گا وہ قیاسی ہے۔ جیسا کہ آپ کو پتہ ہے کہ جو بھی فعل اَفْعَلَ وزن پر آئے گا اُس کا مصدر اِفْعَال وزن پر آئے گا۔ اسی طرح آپ کو پتہ ہے کہ اِسْتَفْعَلَ وزن پر جس کی ماضی آئے گی اُس کا مصدر اِسْتِفْعَال آئے گا۔ تو دیکھا یہ قیاسی ہیں۔ یعنی ضابطے کے مطابق ہیں۔

وَ يَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهٖ ماضِيًا وَّ غيره اور یہ عمل کرتا ہے اپنے فعل جیسا چاہے ماضی ہو یا غیرِ ماضی۔ یعنی فعل جیسے فاعل یا نائب فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول، ظرف اور حال وغیرہ کو نصب دیتا ہے۔ اسی طرح مصدر وہ سارے عمل کریگا جو اِس کا فعل کرتا ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں، "ضربَ زيدٌ عمرًوا"۔ تو زیدٌ کو رفع ضَرَبَ نے دیا اور یہ اس کے لئے فاعل ہے اور عمرًوا کو نصب ضَرَبَ نے دیا اور یہ اس کے لئے مفعول واقع ہو رہا ہے۔ اسی طرح آگے ظرف بھی لگا دو، "فی الدار" یا ظرفِ حقیقی "اَمْسِ" لگا دو۔ اَمْسِ ویسے تو مبنی ہے لیکن محلاً منصوب ہے۔ تو اسکو نصب ضَرَبَ نے دیا۔ تو جتنے کام فعل کرتا ہے وہی سارے کام مصدر کریگا۔ لہٰذا مثلاً، اَعْجَبَنِيْ ضَرْبُ زيدٌ عمرًوا اَمْسِ: تو زیدٌ کو رفع ضَرْبُ نے دیا، اور یہ عمرًوا کو نصب ضَرْبُ نے دیا۔ اگر اَمْسِ اس کے لئے ظرف ہو تو اس صورت میں اس کو نصب ضَرْبُ نے دیا۔ تو وہی ضَرَبَ والا عمل ضَرْب مصدر کر رہا ہے۔ تو دیکھو! یہ ماضی کے معنیٰ میں ہے پھر بھی عمل کر رہا ہے۔

آپ اسکو حال، مضارع یا مستقبل کے معنیٰ میں لے آئے پھر بھی یہ مصدر عمل اپنے فعل جیسا کریگا۔ یعنی "اَمْسِ" کے بجائے "اَلْاٰنَ" لگا دے۔ تو اس وقت یہ حال کے معنیٰ میں ہوا اور عمل بھی اُسی طرح ہوگا۔ اسی طرح اگر آپ "غدًا" لگا دے تو پھر یہ مستقبل کے معنیٰ میں ہوا۔ تو پھر بھی یہ عمل کریگا۔

اَعْجَبَنِيْ ضَرْبُ زيدٌ عمرًوا اَمْسِ: مجھے تعجب میں ڈالا گذشتہ کل جو زید نے عمرو کی پٹھائی کی تھی۔

اذا لم يَكُنْ مفعولاً مطلقًا جب یہ مصدر مفعول مطلق نہ ہو۔ اگر یہ مفعول مطلق ہوا تو پھر عمل نہیں کریگا۔ مفعول مطلق وہ مصدر ہوتا ہے جو ماقبل فعل کے معنیٰ میں ہو۔ تو اس صورت میں تو فعل موجود ہوتا ہے۔ اور جب فعل موجود ہو تو عمل کے اندر تو اصل فعل ہے۔ تو اس صورت میں پھر مصدر کو عامل نہیں بنائیں گے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "ضربتُ ضربًا زيدًا"۔ اب ضربتُ فعل بھی آیا اور ضربًا مصدر بھی آیا۔ آگے زیدًا منصوب ہے۔ تو زیدًا کو نصب ضربتُ فعل نے دیا یا ضربًا مصدر نے؟ تو زیدًا کو نصب ضربتُ فعل نے دیا۔ اس لئے کہ ضابطہ آپ کو بتلا دیا صاحب کافیہؒ نے کہ مصدر جب مفعول مطلق آئے تو پھر یہ عمل نہیں کریگا۔ اور اسی صورت میں پھر فعل عمل کریگا۔

و لا يَتَقَدَّمُ مَعْمُوْلُهٗ عَلَيْهِ اور مقدَّم نہیں ہوگا اُس مصدر کا معمول اُس مصدر پر۔ یعنی مصدر کا معمول مصدر پر مقدَّم نہیں ہوگا۔ بھئی فعل کے اندر فاعل کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں جو فعل کے ساتھ متعلق ہو رہی ہے وہ فعل پر مقدَّم بھی ہو سکتا ہے اور فعل پر مؤخر بھی ہو سکتا ہے۔ کلام مثلاً یوں ہے، "ضربتُ زيدًا فی الدارِ"۔ تو دیکھو! زیدًا کے اندر بھی عامل ضربتُ اور "فی الدار" کے اندر بھی عامل ضربتُ ہے۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں، "فی الدارِ ضربتُ زيدًا"۔ یا "زيدًا ضربتُ فی الدار" بھی کہہ سکتے ہیں۔ تو فعل کے اندر معمول کو مقدَّم کرنا جائز لیکن مصدر کے اندر معمول کو مقدّم کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ مصدر عاملِ ضعیف ہے۔ اور فعل عاملِ قوی ہے۔ مقدَّم میں بھی عمل کریگا اور مؤخر میں بھی

عمل کریگا۔ لیکن مصدر عامل ضعیف ہے مؤخر میں تو یہ عمل کر سکتا ہے لیکن مقدّم میں یہ عمل نہیں کر سکتا۔

دراصل وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ جو مصدر عمل کرتا ہے یعنی کسی کو رفع دینا یا نصب وغیرہ دینا تو یہ "اَنْ مَعَ الفعل" کے تاویل میں ہوتا ہے۔ مثلاً ابھی مثال گزری تھی، " اَعْجَبَنِی ضَرْبٌ زیدٌ عمرًوا"۔ یہ ضربٌ مصدر ہے عامل ہے عمل کر رہا ہے۔ اور جو مصدر بھی عامل ہو وہ "اَنْ مَعَ الفعل" کے تاویل میں ہوتا ہے۔ تو یہ ضَرْبٌ "اَنْ ضَرَبَ" کے تاویل میں ہے۔ تو یہ اَنْ مصدرية ہے۔ اور ضربَ فعل ہے۔ تو یہ "اَنْ ضَرَبَ" وہی مصدر ہے۔ اور "اَنْ ضَرَبَ" کے اندر یہ ضَرَبَ "اَنْ" پر مقدَّم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ضَرَبَ اس "اَنْ" کا صلہ ہے۔

بھئی آپ نے اب تک یہ پڑھا ہے کہ ایک ہوتا ہے اسمِ موصول اور آگے اُس کا صلہ آتا ہے۔ اور صلہ کبھی بھی اسم موصول پر مقدّم نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یاد رکھو! یہ جو حروف مصدریہ ہے، مثلاً اَنْ، مَا اور اَنَّ ۔ یہ اَنْ جب فعل پر داخل ہوگا تو اُس کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیگا، مَا بھی جب فعل پر داخل ہوگا تو اُس کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیگا، اسی طرح اَنَّ بھی جب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے تو اُسکو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ نیز اَنَّ حرف از حروف مشبہ بالفعل بھی ہے۔

اور فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ بنتا ہے۔ مَا بھی فعل پر داخل ہوتا ہے اور فعل جب اپنے فاعل سے ملتا ہے تو وہ جملہ بنتا ہے۔ اور اَنَّ بھی جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے۔ یہ اپنے اسم کو نصب دیگا اور خبر کو رفع دیگا۔ تو یہ "اَنْ، ما اور اَنَّ" حروفِ مصدر ہیں۔ اور یہ ہمیشہ جملے پر داخل ہوتے ہیں۔ اَنْ اور مَا جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں اور اَنَّ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں۔ اور اِن کو یعنی "اَنْ، ما اور اَنَّ" کو حروف موصول کہتے ہیں۔ اور اِن کے آگے جو جملہ آتا ہے وہ اِن کا صلہ کہلاتا ہے۔ جیسے اسم موصول کے لئے صلہ کا ہونا ضروری ہے۔ یہ حرفِ موصول ہیں اور حرفِ موصول کے لئے بھی صلہ کا ہونا ضروری ہے۔

لیکن فرق یہ ہے کہ اسمِ موصول کا جو صلہ ہے اُس میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے اور یہ جو حرف موصول یعنی "اَنْ، ما اور اَنَّ" ہیں اِن کے صلے میں عائد نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ حرف ہے اور اسکی طرف ضمیر راجع نہیں ہوگی۔

تو لہٰذا بحث یہ چل رہی ہے کہ مصدر کا معمول مصدر پر مقدَّم نہیں ہوگا۔ اور وجہ یہ بتلا دی کہ وہ مصدر جو عامل ہوتا ہے وہ "اَنْ معَ الفعل" کے تاویل میں ہوتا ہے۔ تو "اَعْجَبَنِی ضَرْبٌ زیدٌ عمرًوا اَمسِ" میں یہ ضربٌ "اَنْ ضَرَبَ" کے معنیٰ میں ہوا کیونکہ یہ ضَرْبٌ عمل کر رہا ہے۔ اور ضَرَبَ صلہ ہے اَنْ کا۔ اور صلہ موصول پر کبھی بھی مقدَّم نہیں ہو سکتا۔ تو یہ ضَرَبَ خود حرف "اَنْ" پر مقدَّم نہیں ہو سکتا۔ جب یہ ضَرَبَ "اَنْ" پر مقدَّم نہیں ہو سکتا تو آگے زیدٌ اور عمرًوا تو ضَرَبَ کے معمول ہیں۔ یعنی زیدٌ کو رفع

ضَرَبَ دے رہا ہے اور عمرًوا کو نصب بھی ضَرَبَ دے رہا ہے۔ تو ضَرَبَ جو عامل ہے وہ اَنْ پر مقدَّم نہیں ہو سکتا تو آگے اِسکے معمول یعنی زیدٌ اور عمرًوا بطریقِ اولیٰ "اَنْ" پر مقدَّم نہیں ہو سکتا۔

ہاں اگر مصدر کا معمول ظرف ہو تو پھر مقدَّم ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ظروف کے اندر وُسعت ہے۔

و لا یُضْمَرُ فیهِ اور اُس میں ضمیر بھی نہیں لائی جاتی۔ یعنی مصدر کے اندر ضمیر مُسْتَتِر بھی نہیں لائی جاتی۔ فعل کے اندر تو کبھی کبھار ضمیر مستتر ہوتی ہے لیکن مصدر کے اندر ضمیر مستتر نہیں ہوتی۔ و لا یَلْزَمُ ذِکْرِ الفاعِلِ اور لازم بھی نہیں ہے فاعل کا ذکر۔ یعنی مصدر میں فاعل کا ذکر لازم بھی نہیں۔ اور فعل تو فاعل یا نائب فاعل کے بغیر کبھی نہیں آسکتا۔ لیکن مصدر کے ساتھ فاعل کا ذکر ضروری نہیں۔ فاعل کا ذکر ہو بھی سکتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فاعل ساتھ ذکر ہی نہیں ہوتا اور مفعول وغیرہ ساتھ ذکر ہوتا ہے۔ و یَجُوزُ اِضَافَتُهُ الی الفاعِلِ اور جائز ہے اِس مصدر کی اضافت کرنا فاعل کی طرف۔ "اَعْجَبَنِی ضَرْبٌ زیدٌ عمرًوا امسِ" میں ضَرْبٌ مصدر ہے اور زیدٌ اسکا فاعل ہے۔ اور صاحب کافیہؒ نے ابھی آپکو بتلایا کہ مصدر کی کبھی کبھار فاعل کی طرف اضافت بھی کر دیتے ہیں۔ تو پھر "ضَرْبُ زیدٍ" کہیں گے۔ اور "اَعْجَبَنِی ضَرْبُ زیدٍ عمرًوا امسِ" کہیں گے۔ و قد یُضافُ الی المفعولِ اور یہ مصدر کبھی مفعول کی طرف بھی مضاف ہوتا ہے۔ و اِعْمَالُهُ باللامِ قلیلٌ اور مصدر کا عمل کرنا لام کے ساتھ قلیل ہے۔ بھئی مصدر پر جب الف لام آجائے تو اِس کا عمل کرنا قلیل ہے - بڑا ہی قلیل عربی کے اندر استعمال ہوا ہے کہ الف لام اس پر آیا ہو اور یہ عمل کر رہا ہو۔

صاحب کافیہؒ نے بتلایا تھا کہ مصدر ہمیشہ اپنے فعل والا عمل کرتا ہے۔ اِلَّا یہ کہ وہ مفعول مطلق ہو۔ جب مصدر مفعولِ مطلق ہو تو پھر وہ عمل نہیں کرتا۔ لیکن اگر کہیں یہ مفعولِ مطلق واقع ہو رہا ہو اور آگے کوئی معمول بھی آ رہا ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ اِس صورت میں عامل اُس کے اندر فعل ہی ہوگا۔

فَاِنْ کان مُطلَقًا اگر مصدر مفعولِ مطلق ہو فَالْعَمَلُ لِلْفِعْلِ تو عمل فعل کے لئے ہوگا۔ لہٰذا اب میں کہتا ہوں، ضربتُ ضربًا زیدًا۔ تو یہاں فعل بھی ہے، آگے مصدر بھی ہے اور اس کے آگے معمول بھی آ رہا ہے۔ اب اس عامل کے اندر معمول مصدر ہوگا یا فعل ہوگا؟ تو صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ اب اس معمول کے اندر عامل فعل ضربتُ ہے۔ اور ضربًا مصدر عامل نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ ضربًا مفعول مطلق ہے۔ وَاِنْ کان بَدَلًا مِنْهُ اور اگر یہ فعل سے بدل ہو فَوَجْهَانِ ای فَیَجُوزُ وَجْهَانِ: تو پھر دو وجہیں جائز ہیں۔ بھئی آپ نے مفعولِ مطلق کی بحث میں پڑھا تھا۔ کہ مفعولِ مطلق کے عامل کو کبھی کبھار حذف کیا جاتا ہے۔ کبھی اس کے عامل کو جوازًا حذف کرتے ہیں جب قرینہ موجود ہو اور کبھی وُجوبًا حذف کرتے ہیں۔

مثلاً صاحب کافیہ نے اسکی مثال "شُکْرًا لَکَ" ذکر کی تھی۔ تو یہ اصل میں "شَکَرْتُ شُکْرًا لَکَ"۔ اور اس کے اندر تو ہمیشہ فعل کو حذف کر لیتے ہیں اور ہمیشہ کہتے ہیں، "شُکْرًا لَکَ"۔ تو وہ صورتیں جن میں فعل کو حذف کرنا واجب ہوتا تھا تو اُس کی جگہ اِس مصدر یعنی مفعول مطلق کو ہم اُس فعل کا قائم مقام بنا دیتے تھے جیسے "شکرًا لکَ"۔

تو جب یہ مصدر ایسا مفعول مطلق ہو جو فعل سے بدل بن رہا ہو یعنی فعل کا حذف کرنا وہاں پر واجب ہوں تو اِس صورت میں صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں "یَجُوْزُ وَجْهَانِ" یعنی دو وجھیں جائز ہیں۔ یعنی اُسی فعل کو عامل بنانا بھی جائز اور اِس مصدر یعنی مفعول مطلق کو عامل بنانا بھی جائز۔

اُس فعل کو عامل بنانا اِس لئے جائز کہ وہ اصل ہے یعنی عمل میں فعل اصل ہے۔ یا اِس مفعول مطلق یعنی مصدر کو بھی عامل بنانا جائز ہے اس لئے کہ یہ فعل سے بدل ہے۔ تو اصل تو چلا گیا اور اب یہ اُس کی جگہ پر آ گیا۔ تو لہٰذا اب اصل کا عمل یہ قائم مقام کرے گا۔

پس لہٰذا "شُکْرًا لَکَ" میں لَکَ کے اندر وہ فعل "شَکَرْتُ" بھی عامل ہو سکتا ہے اور "شَکَرْتُ" کا قائم مقام "شُکْرًا" مصدر جو کہ مفعول مطلق ہے یہ بھی عامل ہو سکتا ہے۔ شَکَرْتُ اس لئے ہو سکتا ہے کیونکہ وہ عمل کے اندر اصل ہے۔ اور "شُکْرًا" اس لئے عامل ہو سکتا ہے کیونکہ یہ شکرْتُ سے بدل ہے۔

اِسْمُ الْفَاعِلِ مَا اسم فاعل وہ اسم ہے **اُشْتُقَّ مِنْ فِعْلٍ** کہ اِسکا اشتقاق کیا جائے فعل سے۔ فعل سے یاد رکھو! فعل اصطلاحی نہیں مراد جو کہ آپ نے پڑھا ہے کہ تین زمانوں میں سے کوئی ایک زمانہ اُس میں پایا جائے۔ اور مستقل بالمفہوم ہو وغیرہ۔ بلکہ اس سے مراد مصدر ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ لُغت کے اندر مصدر کو فعل کہتے ہیں۔ لُغت میں مصدر کو چونکہ فعل کہتے ہیں اس لئے فعل کے لفظ سے اُس کو ذکر کیا۔ تو فعل سے مراد مصدر ہے۔ تو بعض چیزوں کا مصدر سے اشتقاق براہ راست ہوتا ہے اور بعض کا اشتقاق واسطے کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسا کہ فعل ماضی کا اشتقاق مصدر سے براہ راست ہوا۔ پھر آگے اُس سے فعل مضارع بنا۔ پھر فعل مضارع سے آگے اسم فاعل وغیرہ بنے۔ **لِمَنْ** اُس شخص کے لئے۔ یا ایسی ذات کے لئے **قامَ بِهٖ** کہ جس کے ساتھ وہ فعل قائم ہو۔ **بِمَعْنَى الْحُدُوْثِ** اور اس حال میں کہ وہ حُدوث کے معنیٰ میں ہو اور ثبوت کے معنیٰ میں نہ ہو۔ تو کہتے ہیں کہ اسم فاعل وہ اسم ہے کہ جس کا اشتقاق فعل سے ہو، یعنی فعل سے بنا ہو، اور وہ ایسی ذات کے لئے وضع ہو جس کے ساتھ وہ فعل قائم ہو۔

ضاربٌ کا معنیٰ یہ ہے کہ جس کے ساتھ ضَرب قائم ہے۔ ضاربٌ کا معنیٰ ہے پٹھائی کرنے والا، تو یہ ضَرب اُس ذات کے ساتھ قائم ہے۔ میں نے کہا، "زیدٌ ضاربٌ": زید پٹھائی کرنے والا ہے۔ تو یہ ضَرب زید کی وجہ سے قائم ہے۔ زید ہے تو ضَرب ہے زید نہیں تو ضَرب بھی نہیں۔ اسی طرح "اَکَلَ زیدٌ" میں یہ اَکل

زید کی وجه سے قائم ہے۔ زید ہے تو اکل ہے، زید نہیں تو اکل بھی نہیں۔ تو "زیدٌ اٰکِلٌ" کہیں گے۔ تو اٰکِل اسم فاعل ہے اور اس کا اشتقاق فعل سے ہوا ہے۔ اور یہ اشتقاق ایسی ذات کے لئے ہوا ہے جس کے ساتھ یہ فعل قائم ہے۔

بِمعنَی الحدوثِ: اس کے ذریعے احتراز کیا صفت مشبه سے۔ اِس لئے که صفت مشبه بِمعنَیَ ثُبُوت کے ہوتا ہے۔ بھئی ایک ہے ثُبُوت ایک ہے حُدُوث۔ حُدُوث کا معنیٰ ہے که کوئی چیز تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے میں پایا جائے اور پھر ختم بھی ہو جائے۔ اور ثُبوت کے اندر زمانے کی قید نہیں ہوتی۔ ایک چیز کو دوسرے کے لئے ثابت کر دیا جاتا ہے۔ اور کسی زمانے کے ساتھ وہ مُقَیَّدْ نہیں ہوتی۔

جیسے ضاربٌ ہے۔ یہ ضاربٌ دلالت کر رہا ہے ضَرْب پر۔ مثلاً میں نے کہا، "زیدٌ ضاربٌ": زید پٹھائی کرنے والا ہے۔ تو اسکا معنیٰ یہ ہے که زید کے ساتھ ضَرْب قائم ہے۔ اور یہ ضَرْب حُدوث کے معنیٰ میں اُس کے ساتھ قائم ہے۔ یعنی زیدٌ ضاربٌ کا یہ معنیٰ نہیں که زید ہر وقت مسلسل پٹھائی کرنے والا ہے۔ تو ضاربٌ میں زمانے کی قید ہے۔ یعنی زید نے ماضی میں پٹھائی کی تھی۔ تو پہلے پٹھائی کا وجود نہیں تھا پھر پایا گیا۔ یا زید حال میں پٹھائی کر رہا ہے۔ یا زید مستقبل میں پٹھائی کرے گا۔

اور ثبوت میں زمانے کے قید نہیں ہوتا۔ مثلاً میں نے کہا، "زیدٌ شریفٌ": تو یہ شریف صفت مشبه ہے۔ یہ ثبوت پر دلالت کرتی ہے۔ اسکا معنیٰ یہ ہے که زید کے لئے شرافت ثابت ہے۔ اور زمانے کی کوئی قید نہیں۔ یعنی ایسا نہیں که صرف ماضی میں شریف تھا، یا صرف حال میں شریف ہے یا صرف مستقبل میں شریف ہے، ایسا کوئی قید ثبوت میں نہیں ہوتا۔ اِس میں تَجَدُّدْ نہیں ہے۔ بلکه زید کے لئے شرافت کا ثبوت ہے۔

وَ صِيغَتُهُ مِنَ الثُّلاثِيِّ الْمُجَرَّدِ عَلٰى فَاعِلٍ اور اسکا صیغه ثلاثی مجرّد سے فاعل کے وزن پر آئے گا۔ جیسا که ضَرَبَ سے ضَاربٌ، مَنَعَ سے مَانِعٌ، فاتِحٌ وغیرہ سارے فاعِل کے وزن پر ہے۔

و مِنْ غيرِہ اور علاوہ ثلاثی مجرد کے۔ یعنی ثلاثی مزید فیه میں، یا رباعی مجرد میں یا رباعی مزید فیه میں **علٰی صیغةِ المضارع** یہ مُضارع کے صیغے کے وزن پر آئے گا۔ **بِمِيمٍ مَّضْمُوْمَةٍ** میمِ مضمومة کے ساتھ۔ **وَ كَسْرِ ما قَبْلَ الآخِرِ** اور آخر سے ماقبل کے کسرہ کے ساتھ۔ اگر ثلاثی مجرد کے علاوہ سے اسم فاعل بنانا ہو تو مضارع کے صیغے سے علامتِ مضارع کو دور کر دیں۔ اور اُس کی جگه پر میمِ مضموم لے آئیں۔ اور آخر سے ماقبل کو کسرۃ دے دیں اگر پہلے سے کسرۃ نه ہو۔ مثلاً یَسْتَخْرِجُ سے اسم فاعل بنانا ہو، تو علامت مضارع "یا" کو شروع سے حذف کرو اور اسکی جگه میمِ مضمومة لے آئیں۔ اور آخر سے ماقبل یعنی راء پر پہلے سے کسرۃ موجود ہے۔ تو اسم فاعل مُسْتَخْرِجٌ بن جائے گا۔ اور اِسی طرح یُکْرِمُ سے مُکْرِمٌ

بنائیں گے۔ اور یُدَخْرِجُ سے مُدَخْرِجٌ بنائیں گے۔ اور یَتَفَعْلَلُ سے مُتَفَعْلِلٌ بنائیں گے۔ نَحوُ مُدْخِلٍ وَ مُسْتَغْفِرٍ مُدْخِلٌ بابِ افعال سے ہے اور مُسْتَغْفِرٌ بابِ اِسْتِفْعَال سے ہے۔

وَ یَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهٖ اور یہ بھی عمل کرتا ہے اپنے فعل والا۔ یعنی اسمِ فاعل بھی اپنے فعل کا عمل کرتا ہے۔ یعنی اگر اسم فاعل فعل لازم سے بنا ہے تو فعل لازم والا عمل کریگا۔ اور اگر فعل متعدی سے بنا ہے تو فعل متعدی والا عمل کریگا۔ اور پھر اگر فعل متعدی ایک مفعول کو نصب دیتا تھا تو یہ بھی ایک مفعول کو نصب دیگا۔ اور اگر وہ دو مفعولوں کو نصب دے رہا تھا تو یہ بھی دو مفعولوں کو نصب دیگا۔ اور اگر وہ فعل متعدی تین مفعولوں کو نصب دے رہا تھا تو یہ بھی تین مفعولوں کو نصب دیگا۔ اور نیز فعل جیسا کہ ظرف اور حال وغیرہ کو نصب دیتا ہے تو اسم فاعل بھی اُسی طرح عمل کریگا۔

اسم فاعل کے عمل کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اسمِ فاعل حال یا استقبال کے معنیٰ میں ہو اور ماضی کے معنیٰ میں نہ ہو۔ اگر اسم فاعل ماضی کے معنیٰ میں ہو تو یہ جمہور کے نزدیک عمل نہیں کریگا۔ بِشَرْطِ مَعْنَی الْحالِ اَوِ الاِستِقبالِ حال یا استقبال کے معنیٰ کے شرط کے ساتھ۔ آگے صاحب کافیہؒ اسم فاعل کے عمل کرنے کی دوسری شرط ذکر فرما رہے ہیں۔ وَ الْاِعْتِمَادِ علٰی صاحبِهٖ اَوِ الْهَمْزَةِ اَوْ مَا اور اعتماد ہو اپنے صاحب پر۔ یعنی جو اِس کے ساتھ مُتَّصِفٌ ہو رہا ہے۔ اُس پر اعتماد ہو۔ یا "همزہ" پر اعتماد ہو یا "ما" پر اعتماد ہو۔ یعنی اُس کا اعتماد ہو تین چیزوں میں سے کسی ایک پر۔ یعنی چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر اُس کا اعتماد ہو۔ صاحب کافیہؒ نے اُن چھ سے تین بنائی۔

اوپر مُتَّصِفٌ کا لفظ آیا۔ تو متَّصِفٌ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اِس کے لئے موصوف بنے اور یہ اسم فاعل اُس کے لئے صفت بنے۔ بلکہ مُتَّصِفٌ ہونے کی چار صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ کہ جو اسکے ساتھ مُتَّصِفٌ ہو رہا ہے وہ مبتدا بنے اور یہ اسم فاعل اُس کے لئے خبر بنے۔ مثلاً میں نے کہا، "زیدٌ ضاربٌ"۔ تو زیدٌ ہے مبتدا اور ضاربٌ اُسکی خبر ہے۔ یہ ضاربٌ اسم فاعل ضَرْب پر دلالت کرتا ہے اور یہ ضَرْب زید کے ساتھ قائم ہے۔ تو یہ ضاربٌ تو زید کے لئے خبر ہے لیکن زید اُس کے ساتھ مُتَّصِفٌ ہو رہا ہے۔ تو یہاں پر زید یعنی مبتدا "ضارب" کے ساتھ مُتَّصِفٌ ہوا۔ اور زید مبتدا بنا اور ضارب خبر بنا۔

دوسری صورت: یا وہ اس کے لئے موصول بنے اور یہ اسم فاعل اُس کے لئے صله بنے۔ دیکھو! جیسے "جاءَ الضَّارِبُ" ہے۔ تو یہ الضَّارِب پر الف لام داخل ہو رہا ہے۔ اور الف لام جب اسم فاعل یا اسم مفعول پر داخل ہو جائے تو وہ "الذّی" کے معنیٰ میں ہوتا ہے اور یہ الف لام اسمی کہلاتا ہے۔ تو "الضَّارِب: الذِی یَضْرِبُ" کے معنیٰ میں ہے۔ تو جاءَ الضَّارِب "جاءَ الذی یَضرِبُ" کے معنیٰ میں ہے۔ جاءَ الذی یَضْرِبُ: آیا وہ شخص جو کہ پڑھائی کرنے والا ہے یا پڑھائی کرتا ہے۔ تو یہ پڑھائی کرنا اُس شخص کے ساتھ ثابت ہے

جس پر الذی دلالت کرتا ہے۔ تو دیکھا یہ "الذی" اس کے ساتھ موصوف ہو رہا ہے۔ یعنی یہ ضَرْب اس کے لئے ثابت ہے۔

تیسری صورت: کہ جب اسم فاعل حال بنے۔ جاءنِی زیدٌ راکبًا: آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔ تو "راکب" اسم فاعل ہے اور حال واقع ہو رہا ہے۔ اور یہ جو رُکُوب ہے اسکے ساتھ زید مُتَّصِفْ ہو رہا ہے۔ یعنی یہ رُکوب زید میں پایا جا رہا ہے۔ اور زید ذوالحال واقع ہو رہا ہے اور راکبًا اُس سے حال واقع ہو رہا ہے۔ تو رُکوب کی صفت سے ذوالحال مُتَّصِفْ ہو رہا ہے۔

چوتھی صورت: چوتھی یہ صورت ہے کہ موصوف صفت کی صورت میں آئے۔ جیسا کہ "جاءنِی رجلٌ ضاربٌ"۔ آیا میرے پاس ایسا شخص کہ وہ پٹھائی کرنے والا ہے۔ اب یہ ضاربٌ جس ضرْب پر دلالت کر رہا ہے اِس ضَرْب سے رَجُلٌ یعنی موصوف مُتَّصِفْ ہو رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ پہلی مثال میں اسم فاعل جس صفت پر دلالت کر رہا تھا اُس سے مبتدا مُتَّصِفْ ہو رہا تھا۔ دوسری مثال میں اسم فاعل جس پر دلالت کر رہا تھا اُس سے اسم موصول مُتَّصِفْ ہو رہا تھا۔ تیسری صورت میں اسم فاعل جس پر دلالت کر رہا تھا اُس سے ذوالحال مُتَّصِفْ ہو رہا ہے۔ اور چوتھی صورت میں اسم فاعل جس صفت پر دلالت کر رہا تھا اُس سے موصوف مُتَّصِفْ ہو رہا ہے۔ تو دیکھا! اِن چار میں سے کسی ایک پر اعتماد ہونا چاہئے۔ یہ سارے مُتَّصِفْ ہو رہے ہیں اُس صفت کے ساتھ جس پر اسم فاعل دلالت کر رہا ہے۔ تو اِن چار میں سے کسی ایک پر اعتماد کرنا ضروری ہے پھر اسم فاعل عمل کریگا۔ یعنی اسم فاعل کا اعتماد یا تو مبتدا پر ہو، یا اسم موصول پر ہو، یا ذوالحال پر ہو یا موصوف پر ہو۔

اَوِ الْهَمْزَةِ اَوْ مَا یا اسم فاعل کا ھمزہ پر اعتماد ہو۔ یا کوئی حرفِ استفہام ہو۔ ہمزہ سے مراد کوئی بھی حرفِ استفہام ہو۔ یا اسم فاعل کا اعتماد "ما" پر ہو۔ یا کوئی حرف نفی مراد ہے۔

تو اسم فاعل کے عمل کے لئے دو شرائط ہیں۔ پہلا شرط یہ کہ اسم فاعل حال یا استقبال کے معنیٰ میں ہو۔ دوسرا شرط یہ کہ چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر اعتماد ہو۔ تو جب یہ دونوں شرطیں پائی جائے تو پھر اسم فاعل اپنے فعل جیسا عمل کریگا۔ دیکھئے مثالیں:

اسم فاعل کا مبتدا پر اعتماد کی مثال: زیدٌ ضاربٌ ابوُہ عمرًوا: زید کہ پٹھائی کرنے والا ہے اُس کا باپ عمرو کی۔ تو ابوُہ کو رفع ضاربٌ نے دیا، کیونکہ ضاربٌ فاعل چاہتا ہے۔ اور عمرًوا کو نصب بھی ضاربٌ نے دیا۔ تو یہ ضاربٌ اسم فاعل ہے اور یہ عامل ہوا۔ اور اسم فاعل کے عمل کرنے کے لئے دو شرائط تھیں۔ اب دیکھتے ہیں کہ وہ پورے ہوئے کہ نہیں۔ پہلا شرط یہ تھا کہ یہ حال یا استقبال کے معنیٰ میں ہو۔ اور اِسی کے لئے کوئی قرینہ قائم ہوگا لفظی یا معنوی۔ پھر اسم فاعل عمل کریگا ورنہ نہیں کریگا۔ اور دوسری شرط یہ تھی کہ چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر اعتماد ہو۔ تو یہاں ضاربٌ کا اعتماد مبتدا پر ہے۔ ترکیب: زیدٌ مبتدا، ضاربٌ صیغہ اسم فاعل، ابوُہ مضاف مضافٌ الیہ ملکر ضاربٌ کے لئے فاعل اور

یہ ھا ضمیر راجع ہے مبتدا کی طرف، عمرًوا مفعول بہ، ضاربٌ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اسم فاعل کا اسم موصول پر اعتماد کی مثال: جاءَ الضَّاربُ ابوہُ عمرًوا۔ تو یہ ابوہُ کو رفع الضَّارِب دے رہا ہے اور عمرًوا کو نصب بھی الضَّارِب دے رہا ہے۔ تو الضَّارِب اسم فاعل یہاں پر عامل ہوا۔ اور اسکے عمل کے لئے دو شرطیں ہیں۔ پہلا شرط یہ کہ یہ حال یا استقبال کے معنیٰ میں ہو، دوسرا یہ کہ اسکا اعتماد چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر ہو۔ اور یہاں اس کا اعتماد اسم موصول پر ہے۔ کیونکہ یہ الف لام جو ضارب پر داخل ہوا ہے یہ الف لام اسمی کہلاتا ہے۔ اور یہ اسم موصول ہوتا ہے۔

اسم فاعل کا ذوالحال پر اعتماد کی مثال: جاءَ زیدٌ راکبًا فَرَسَہُ۔ تو دیکھو یہاں پر فَرس کو نصب راکبًا دے رہا ہے۔ آیا زید اس حال میں کہ وہ سوار تھا اپنے گھوڑے پر۔ تو رُکوب کے لئے ایک سوار ہونے والا چاہئے تو ایک سواری بھی چاہئے۔ تو راکبًا نے آگے آنے والے مفعول کو نصب دیا اور اِس نے ذوالحال پر اعتماد کیا۔

اسم فاعل کا موصوف پر اعتماد کی مثال: جاءنِی رجلٌ ضاربٌ ابوہُ عمرًوا۔ تو یہاں پر رجلٌ موصوف ہے اور ضاربٌ اُسکی صفت ہے۔ تو یہ ضاربٌ موصوف پر اعتماد کرتے ہوئے ابوہُ کو رفع دیتا ہے اور عمرًوا کو نصب دیتا ہے۔

اسم فاعل کا ہمزہ پر اعتماد کی مثال: اَ قائمٌ زیدٌ۔

اسم فاعل کا "ما" پر اعتماد کی مثال: ما قائمٌ زیدٌ۔

مبتدا کی قسم ثانی مُسند ہوتی ہے۔ اور اُس کے لئے تین شرائط ہیں۔ پہلا شرط یہ کہ صیغہ صفت کا ہو، دوسرا شرط یہ کہ آگے اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہو، اور تیسرا شرط یہ کہ حرف اِستفہام یا حرف نفی کے بعد واقع ہو۔ تو "اَ قائمٌ زیدٌ" اور "ما قائمٌ زیدٌ" میں تینوں شرطیں پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ صیغہ صفت کا ہے، آگے اسم ظاہر کو رفع دے رہا ہے اور ہمزہ استفہام یا حرف نفی کے بعد بھی واقع ہے۔

" اَ قائمٌ زیدٌ" کی ترکیب۔ ہمزہ استفہام، قائمٌ صیغہ اسم فاعل، زیدٌ مرفوع لفظًا اس کے لئے فاعل، اور یہی زید قائم مقام ہے خبر کی۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر مبتدا ہوا۔ اور مبتدا قائم مقامِ خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ یہاں پر قائمٌ صیغہ اسمِ فاعل نے ہمزہ استفہام پر اعتماد کرتے ہوئے زید کو رفع دیا۔

" ما قائمٌ زیدٌ" کی ترکیب۔ ما حرفِ نفی، قائمٌ صیغہ اسم فاعل، زیدٌ مرفوع لفظًا اس کے لئے فاعل، اور یہی زید قائم مقام ہے خبر کی۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر مبتدا ہوا۔ اور مبتدا قائم مقامِ خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یہاں پر قائمٌ صیغہ اسمِ فاعل نے حرفِ نفی پر اعتماد کرتے ہوئے زید کو رفع دیا۔

تو دیکھا یہ ایسا مبتدا ہے جسکا خبر کوئی نہیں۔ زیدٌ اسکی خبر نہیں۔ زیدٌ کو تو ویسے ہم نے قائم مقامِ خبر بنا دیا۔

فَاِنْ کَانَ لِلماضِی وَجَبَتِ الْاِضَافَۃُ معنًی اور اگر یہ ماضی کے معنیٰ میں ہو تو پھر اضافتِ معنوی واجب ہے۔ بھئی اِنہوں نے آپ کو بتلایا کہ اسم فاعل کے عمل کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ حال یا استقبال کے معنیٰ میں ہو تو پھر یہ عمل کریگا ورنہ نہیں۔ اور اگر اسم فاعل ماضی کے معنیٰ میں ہو تو پھر کہتے ہیں کہ اضافت معنوی کرنا واجب ہے۔ اِضافت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اضافت لفظی اور ایک اِضافتِ معنوی۔ اضافتِ لفظی وہ ہے کہ جس میں صفت کا صیغہ مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ اور اضافتِ معنوی جس میں ایسا نہ ہو۔ اضافت معنوی تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔

مثال: زیدٌ ضاربٌ عمرًوا اَمْسِ: زید پٹھائی کرنے والا ہے عمرو کی گذشتہ کل۔ تو دیکھو عمرًوا کو نصب "ضاربٌ" دے رہا ہے۔ لیکن "اَمْسِ" یہ بتلا رہا ہے کہ یہ "ضاربٌ" ماضی کے معنیٰ میں ہے۔ اور جب اسم فاعل ماضی کے معنیٰ میں ہوتو پھر اسم فاعل عمل نہیں کرتا اور پھر اس صورت میں اِضافت واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا "زیدٌ ضاربُ عمرٍو اَمْسِ" کہیں گے۔ اور یہ "ضاربُ عمرٍو" اضافتِ معنوی ہے۔ اس پر اشکال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ ضارب تو صفت کا صیغہ ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول عمرو کی طرف۔ تو یہ اضافت لفظی ہوا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں پر ضارب ماضی کے معنیٰ میں ہے اور جب یہ ماضی کے معنیٰ میں ہو تو پھر یہ عامل ہی نہیں۔ اور جب یہ عامل ہی نہیں تو صفت کے صیغے کی اضافت اپنے معمول کی طرف نہیں ہوئی۔ اور جب اپنے معمول کی طرف اضافت ہی نہیں ہوئی تو پھر یہ اضافت لفظی نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ اضافت معنوی ہے۔

اور اضافتِ معنوی تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے۔ تو "ضاربُ عمرٍو" میں یہ ضاربُ معرفۃ یعنی عمرو کی طرف مضاف ہے تو یہ ضاربُ بھی معرفۃ بن گیا۔ اگر یہی اضافت لفظی ہوتی "زیدٌ ضاربُ عمرٍو اَلْآنَ"۔ تو اب "ضاربُ" نکرۃ رہتا، کیونکہ اب یہ عمل کر رہا ہے کیونکہ صفت کے صیغے کی اضافت ہو رہی ہے اپنے معمول کی طرف۔ یہاں پر "اَلْآنَ" نے بتلایا کہ یہ ضارب عامل ہے۔ اور "زیدٌ ضاربُ عمرٍو اَمْسِ" میں اَمْسِ نے بتلایا کہ یہ ضارب عامل نہیں۔ اور جب ضارب عامل نہیں تو پھر صفت کے صیغے کی اضافت اپنے معمول کی طرف نہیں ہوئی۔ اور جب اضافت نہیں ہوئی تو یہ اضافتِ معنوی ہوا۔ اور اضافتِ معنوی تخصیص کا فائدہ دیتی ہے جب نکرۃ کی طرف اضافت ہو اور تعریف کا فائدہ دیتی ہے جب معرفۃ کی طرف اضافت ہو۔ اور یہاں عمرو یعنی معرفۃ کی طرف اضافت ہو رہی ہے اور یہ تعریف کا فائدہ دیگی۔

خِلافا لِلْکِسائی بخلاف امام کسائیؒ کے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نہیں اب بھی یہ اضافتِ لفظی ہوگی۔ اِس لئے کہ اُن کے نزدیک اسمِ فاعل چاہیے ماضی کے معنیٰ میں کیوں نہ ہو پھر بھی عمل کرتا ہے۔ صاحب کافیہؒ کے نزدیک اسم فاعل جب حال یا استقبال کےمعنیٰ میں ہو تو پھر یہ عمل کریگا۔ لیکن امام کسائیؒ کے نزدیک اسم فاعل چاہیے حال کے معنیٰ میں ہو، یا استقبال کے معنیٰ میں ہو یا ماضی کے معنیٰ میں ہو، تینوں صورتوں میں اسمِ فاعل عمل کرتا ہے۔ "زیدٌ ضاربُ عمرٍو اَمْسِ" میں صفت کے صیغے کی

اضافت اپنے معمول کی طرف ہوا۔ تو اسم فاعل نے عمل کیا اگر چہ یہ ماضی کے معنیٰ میں ہے۔ تو پھر یہ اضافت لفظی ہوا۔

فان کان له معمولٌ آخَرُ فَبِفِعْلٍ مُقَدَّرٍ اگر اسکا کوئی اور معمول ہو تو پھر اسکا عمل فعل مُقَدَّر کے ساتھ ہوگا۔ دیکھو! صاحب کافیہؒ نے بتلایا کہ اسم فاعل اگر ماضی کے معنیٰ میں ہو تو پھر یہ عمل نہیں کرے گا۔ نَحْوُ زيدٌ مُعْطِيْ عمرٍو دِرْهَمًا اَمْسِ زیدٌ زید جو ہے مُعْطِیْ اَعْطیٰ يُعْطِي اِعْطَاءً فهو مُعْطٍ: عطا کرنے والا عمرٍو عمرو کو دِرْهَمًا درهم اَمْسِ گذشتہ کل میں۔ تو دیکھو یہ اسم فاعل آیا اور یہ ماضی کے معنیٰ میں ہے۔ اور جب اسمِ فاعل ماضی کے معنیٰ میں ہو تو پھر عمل نہیں کرتا۔ جب عمل نہیں کرتا تو آگے سوال پیدا ہوا کہ یہ دِرْهمًا منصوب آرہا ہے اِسکو کون نصب دے رہا ہے؟ اَمْسِ یہ ظرف منصوب آرہا ہے اسکو نصب کون دے رہا ہے؟ تو صاحب کافیہؒ نے بتلایا کہ جب اسم فاعل ماضی کے معنیٰ میں ہو اور عمل نہیں کرے گا اور آگے اگر کوئی معمول آجائے تو پھر اِس صورت میں عمل فعلِ مقدَّر کو دیں گے۔ تو یہاں پر فعلِ مقدَّر نکالنا پڑے گا۔

وہ فعل مقدَّر کیسے نکالیں گے؟ دیکھو! کہنے والا کہتا ہے " زيدٌ مُعْطِيْ عمرٍو ": زید عمرو کو عطا کرنے والا ہے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عطا کرنے والا ہے۔ تو جواب میں کہتا ہے، "اَعْطَاهُ دِرْهَمًا اَمْسِ"۔ تو یہاں فعل مقدَّر "اَعْطیٰ" نکالا اور یہ اَعْطیٰ فعل درهمًا اور اَمْسِ دونوں کو نصب دیتا ہے۔ تو دِرْهَمًا اَمْسِ کو فعل مقدَّر نصب دے رہا ہے۔

فَاِنْ دَخَلَتِ اللامُ اسْتَوَى الْجَمِيْعُ اگر اسم فاعل پر الف لام داخل ہو جائے تو برابر ہے اسکے اندر سارے۔ یعنی سارے زمانے برابر ہیں۔ بھئی اِنہوں نے یہ شرط بتلائی تھی کہ اگر اسم فاعل حال یا استقبال کے معنیٰ میں ہو تو پھر یہ عمل کریگا۔ لیکن اگر اسم فاعل پر الف لام داخل ہو جائے تو پھر اسکے اندر سارے زمانے برابر ہیں۔ پھر چاہے اسم فاعل ماضی کے معنیٰ میں کیوں نہ ہو یہ عمل کریگا۔

وَ ما وُضِعُ اور وہ جو وضع کئے گئے ہیں مِنْهُ اسمِ فاعل سے لِلْمُبالَغةِ مُبالغة کے لئے كَضَرَّابٍ جیسا کہ ضَرَّابٌ: بہت زیادہ پٹھائی کرنے والا۔ تو کبھی کبھار اسم فاعل سے مبالغة کے صیغ بھی بنائے جاتے ہیں۔ وَّ ضَرُوبٍ وَّ مِضْرَابٍ اسی طرح اور بھی کئی اوزان آتے ہیں مبالغے کے لئے۔ ضَروب: بہت زیادہ پٹھائی کرنے والا، مِضْرَاب: بہت زیادہ پٹھائی کرنے والا۔ وَّ عَلِيمٍ عالم صیغہ اسم فاعل سے مبالغہ کا صیہ عِلیم ہے۔ عالِمٌ: جاننے والا، عَلِيمٌ: زیادہ جاننے والا۔ و حَذِرٌ حَذِر: زیادہ بچنے والا۔ تو یہ سارے مبالغے کے صیغ ہیں اسم فاعل سے۔ تو اِن کا کیا حکم ہے۔ صاحب کافیہ بتلاتے ہیں مِثْلُهُ یہ بھی اسم فاعل کی طرح ہے۔ یعنی مبالغے کے صیغیں بھی اسم فاعل کی طرح عمل کرتے ہیں۔ جو شرائط عمل کے لئے اسم فاعل میں

تھیں وہی شرائط عمل کے لئے مبالغ کے صیغوں میں بھی ہے۔ جیسے اسم فاعل عمل کرتا تھا اسی طرح یہ مبالغ کے صیغیں بھی عمل کریں گے۔

وَ الْمُثَنّٰی وَ الْمَجْمُوْعُ مِثْلُهُ اسی طرح اسم فاعل کی جو تثنیه اور جمع ہے، اور مبالغ کے جو صیغیں ہیں اُن کے جو تثنیه اور جمع ہے، وہ بھی اسمِ فاعل ہی کی طرح ہے۔ و یَجُوزُ حَذْفُ النُّونِ اور جائز ہے اسکے تثنیه اور جمع کے نون کو حذف کرنا مَعَ الْعَمَلِ باوجود عمل کے و التَّعریفِ اور باوجود معرفة ہونے کے تَخْفِيفًا تخفیف کرتے ہوئے۔ بھئی دیکھو اسم فاعل ہے۔ اسم فاعل کی تثنیه آئی ضاربانِ۔ "الزَّيدانِ ضاربانِ عمرًوا"۔ تو دیکھو ضاربانِ تثنیه کا صیغه ہے اسمِ فاعل سے اور یہ ضاربانِ عامل ہے اور عمرًوا اس کے لئے مفعول واقع ہو رہا ہے۔ اب آپ ضاربانِ کی اضافت نہیں کرتے، اسی طرح عمل رکھتے ہیں اور نون گراتے ہیں۔ تو " الزَّيدانِ ضاربا عمرًوا" بن جائے گا۔ تو دیکھا "ضاربانِ" سے نون گر گیا۔ اور نون تو اضافت کی وجه سے گر جاتا ہے۔ لیکن یہاں پر یہ شرط یاد رکھو! جب یہ نصب والا عمل کر رہا ہو تو تخفیفًا اس کے نون کو گرانا جائز ہے۔

اسی طرح اگر معرفة آجائے۔ جیسا کہ "جاءَ الضَّارِبُونَ عمرًوا": آئے وہ لوگ جو پٹھائی کرنے والے ہیں عمرو کی۔ تو اب یہاں پر عمرًوا کی طرف الضَّارِبُوْنَ کی اضافت نہیں ہو رہی۔ اور یہ الضَّاربونَ معرفة بھی ہے۔ لیکن پھر اسکی نون کو گرانا تخفیفًا جائز ہے۔ اور یوں کہیں گے، " جاءَ الضَّارِبُوْا عمرًوا"۔ تو دیکھو عمرًوا آگے منصوب آرہا ہے اضافت نہیں ہو رہی۔ اگر اضافت ہوتی تو پھر عمرًوا مجرور ہوتا۔ لیکن پھر بھی یہ نون گرا دیتے ہیں۔ اور یہ گرانا جائز ہے تخفیفًا۔ اس میں یہ شرط یاد رکھنا کہ یہ عمل نصب والا کر رہا ہو۔

اسمُ المفعولِ ما اسم مفعول وہ اسم ہے اُشْتُقَّ مِن فعلٍ جسکا اشتقاق فعل سے ہوا ہو۔ فعلٍ سے یہاں مصدر مراد ہے جبکہ فعلِ اصطلاحی مراد نہیں۔ لِمَنْ وَقَعَ عَلَيهِ اُس ذات کے لئے جس پر وہ واقع ہو۔ ضارب کا تو یہ معنیٰ تھا کہ ضرب اُس ذات کے ساتھ قائم ہے۔ لیکن مضروب کا معنیٰ یہ ہے کہ ضَرب اُس ذات پر واقع ہے۔ و صيغَتُهُ من الثلاثی المجرَّدِ علیٰ مفعولٍ اور اسم مفعول کا صیغه ثلاثی مجرد سے مَفْعُوْل کے وزن پر آئے گا۔ ضَرَبَ سے مَضْرُوْبٌ آئے گا، فَتَحَ سے مَفْتُوْحٌ آئے گا، مَنَعَ سے مَمْنُوْعٌ وغیرہ۔ وَ مِن غيرِه اور اسم مفعول کا صیغه ثلاثی مجرد کے علاوہ سے۔ یعنی ثلاثی مزید فیه، رباعی مجرّد اور رباعی مزید فیه سے۔ علیٰ صیغةِ الفاعلِ اُسی اسم فاعل کے صیغة کے وزن پر ہوگا بِفَتْحِ ما قبلَ الآخِرِ آخر سے ماقبل کے فتحه کے ساتھ۔ یعنی اسم فاعل میں آخر سے ماقبل پر کسرة ہوتا تھا اور اسم مفعول میں آخر سے ماقبل پر فتحه ہوتا ہے۔ جیسے وہاں پر مُدْخِل تھا تو یہاں پر مُدْخَل ہوگا۔ وہاں پر تھا مُسْتَغْفِر یہاں پر مُسْتَغْفَر ہوگا۔ کَمُسْتَخْرَجٍ جیسے کہ مُسْتَخْرَج ہے۔ و امرُهُ فِی الْعَمَلِ وَ الاِشْتِراطِ کامرالفاعل

اور اسمِ مفعول کا معاملہ عمل کے اندر اور وہ شرطیں لگانے میں اسم فاعل کے معاملے کی طرح ہے۔ یہ بھی اسم فاعل کی طرح عمل کرتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اسم فاعل "فاعل" کو رفع دیتا تھا تو اسم مفعول نائب فاعل کو رفع دیتا ہے۔ اور جو شرطیں عمل کے لئے اسم فاعل کے اندر تھیں وہی شرطیں عمل کے لئے اسم مفعول میں بھی ہوں گے۔ مثلُ زیدٌ مُعطًی غلامُہٗ دِرھما زیدٌ زید کہ مُعطًی عطا کیا گیا ہے غلامُہٗ اُس کے غلام کو دِرھمًا ایک درھم۔ اَعْطیٰ یُعْطَیٰ اِعْطَاءً یہ دو مفعول چاہتا ہے۔ جیسا کہ اَعْطَیْتُ زیدًا دِرْھَمًا: میں نے زید کو دِرھم دیا۔ تو دو مفعول آئے۔ مفعول اوّل زید اور مفعول ثانی دِرھما ہے۔ اب اسی سے اگر فعل مجہول بناؤ تو فاعل کو حذف کریں گے اور اسی کی جگہ فعل مجہول اُعْطِیَ لائیں گے۔ اور زیدًا دِرھمًا دو مفعول تھے۔ اِن میں سے ایک کو نائب فاعل بنائیں گے۔ تو "اُعْطِیَ زیدٌ دِرْھَمًا" بن جائے گا۔ تو ایک مفعول نائب فاعل بن گیا۔ اور دوسرا اُسی طرح برقرار رہے گا۔

تو یہاں پر اِسی طرح تھا۔ اگر یہ اسمِ فاعل ہوتا، تو کلام یوں ہوتا "زیدٌ مُعْطٍی غُلامَہُ درھمًا": زید عطا کرنے والا ہے اپنے غلام کو ایک درھم۔ تو غُلامَہٗ ایک مفعول تھا اور دِرْھمًا دوسرا مفعول تھا۔ پھر اسم مفعول ہم لے ائے۔ اور اسمِ مفعول کا اِسناد نائب فاعل کی طرف ہوتا ہے۔ تو آگے آنے والے دونوں مفعولوں میں سے ایک کو نائب فاعل بنائیں گے۔ تو پہلے مفعول کو نائب فاعل بنائیں گے۔ تو یوں بن جائے گا، " زیدٌ مُعْطًی غلامُہٗ دِرْھَمًا"۔ زید کہ عطا کیا گیا ہے اُسکے غلام کو ایک درھم۔

درس 95۔ آگے صاحب کافیہؒ صفت مشبہ کی تعریف فرما رہے ہیں۔ دیکھئے اب صفت مشبہ کی تقریبًا وہی تعریف کریں گے جو اسم فاعل کی کی تھی مفعول سا فرق ہوگا۔ اَلصِّفَۃُ الْمُشَبَّھَۃُ ما صفت مشبہ وہ اسم ہے۔ اُشْتُقَّ مِنْ فِعْلٍ کہ جس کا اشتقاق کیا گیا ہو فعل سے۔ یعنی فعل سے بنی ہو۔ فعلٍ لازمٍ اور فعل بھی فعل لازم ہوگا۔ دیکھا یہ ایک فرق آیا۔ اسم فاعل کی تعریف بھی یہی تھی کہ وہ ایسا اسم ہوگا جس کا اشتقاق فعل سے ہوگا۔ لیکن وہاں پر لازم کی قید نہیں تھی۔ اسم فاعل فعل لازم سے بھی آتا ہے اور فعل متعدی سے بھی آتا ہے۔ لیکن صفتِ مشبہ صرف فعل لازم سے آئے گا۔ اور فعل سے مراد مصدر ہے جبکہ فعلِ اصطلاحی مراد نہیں۔ لِمَنْ قام بہٖ اُس ذات کے لئے جسکے ساتھ وہ فعل قائم ہو۔ بہٖ کی ضمیر فعل کو راجع ہے۔ علٰی مَعْنَی الثُّبُوتِ اور ثُبوت کے معنیٰ میں ہوگی۔ تو یہ دوسرا فرق ہے اسمِ فاعل کے ساتھ صفتِ مشبہ کا۔ کیونکہ اسمِ فاعل حُدوث کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ یعنی اِس میں زمانہ کی شرط ہوتی ہے۔ مثلاً زیدٌ ضاربٌ۔ تو زید کی یہ ضارب صفت تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے اندر ہوگا اور صفتِ مشبہ میں زمانے کی شرط نہیں ہوتی۔ آپ نے کہا "زیدٌ شریفٌ"۔ تو اسکا معنیٰ یہ ہے کہ زید کے لئے شرافت ثابت ہے۔ کسی زمانے کی اس میں قید نہیں کہ ماضی میں شرافت ثابت تھی

صرف یا حال میں شرافت ثابت ہے صرف یا صرف مستقبل میں ثابت ہوگی ایسا نہیں بلکہ یہ شرافت زمانے کی قید سے آزاد ہے۔

تو اسکو صفت مشبہ کہتے ہیں کیونکہ یہ مُشَابِۃٌ ہے اسمِ فاعل کے۔ اور جیسے اسم فاعل کا اشتقاق فعل سے ہوتا ہے اِس طرح صفت مشبہ کا اشتقاق بھی فعل سے ہوتا ہے۔ لیکن صفتِ مشبہ کا اشتقاق فعل لازم سے ہوگا اور فعل متعدی سے صفتِ مشبہ نہیں آئے گی۔

اور نیز اسم فاعل ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے یعنی ایسی ذات کے لئے آتا ہے جس کے ساتھ فعل قائم ہو۔ اِسی طرح صفتِ مشبہ بھی ایسی ذات کے لئے آتی ہے جس کے ساتھ وہ فعل قائم ہو۔ جبکہ اسمِ مفعول کے اندر آپ نے پڑھا تھا کہ وہ ایسی ذات کے لئے آتا ہے جس پر فعل واقع ہو۔

وَ صِيْغَتُها مُخالِفةٌ لِّصيغةِ الفاعلِ اور صفتِ مشبہ کا صیغہ جو ہے وہ مخالف ہوتا ہے اسمِ فاعل کے صیغے کے۔ علىٰ حَسَبِ السِّماعِ سِماع کے اعتبار سے۔ یعنی عربوں سے ہم نے اِسی طرح سُنا ہے کہ صفتِ مشبہ کے صیغے اسم فاعل کے صیغوں کے علاوہ ہے۔ كَحَسَنٍ وَّ صَعْبٍ وَّ شديدٍ جیسے حَسَن یہ صفت مشبہ فَعَل وزن پر۔ صَعْبٌ یہ فَعْلٌ وزن پر ہے۔ اور شَدِيْدٌ یہ فَعِيْلٌ وزن ہے۔ تو فَعَل، فَعْل اور فَعِيل وغیرہ یہ صفت مشبہ کے اوزان ہیں اور اِن میں سے کوئی بھی وزن اسمِ فاعل والا نہیں۔

وَ تَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِها مُطلقًا اور صفتِ مشبہ عمل کرتی ہے اپنے فعل والا مطلقًا۔ اسم فاعل بھی اپنے فعل کی طرح عمل کرتا تھا لیکن وہاں پر شرط تھی کہ اسمِ فاعل حال یا استقبال کے معنیٰ میں ہوگا تو عمل کریگا ورنہ عمل نہیں کریگا۔ جبکہ صفتِ مشبہ یہ مطلقًا اپنے فعل والا عمل کریگا یعنی اس میں زمانے کی کوئی شرط نہیں۔ اس لئے کہ صفتِ مشبہ ثُبوت کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔

اسم فاعل کے عمل کے لئے دو شرطیں تھی۔ ایک یہ کہ وہ حال یا استقبال کے معنیٰ میں ہو، دوسرا یہ کہ چھ چیزوں میں سے کسی ایک پر اعتماد ہو۔ جبکہ صفت مشبہ کے عمل کے لئے زمانہ کی کوئی قید نہیں ہاں البتہ پانچ چیزوں میں سے کسی ایک پر اعتماد ضروری ہے۔ یا تو اِس کا اعتماد ہو [1]مبتدا پر، یا اِس کا اعتماد ہو [2]ذو الحال پر، یا اس کا اعتماد ہوگا [3]موصوف پر، یا اسکا اعتماد ہوگا [4]حرفِ استفہام پر، یا اسکا اعتماد ہوگا [5]حرفِ نفی پر۔ اور صفتِ مشبہ کا اسمِ موصول پر اعتماد نہیں۔

صفتِ مشبہ کا اسمِ موصول پر اعتماد اِس لئے نہیں کہ وہاں پر اِسم فاعل پر جو الف لام آتا تھا وہ الف لام اسمی ہے یعنی اسمِ موصول ہے۔ جبکہ صفتِ مشبہ کے اندر جو الف لام آتا ہے وہ اسم موصول نہیں ہوتا۔

صاحبِ کافیہؒ یہاں سے اِس کے مسائل کے تقسیم کر رہے ہیں۔ مصنفؒ بتلائے گا کہ صفتِ مشبہ کے مسائل اٹھارہ قسم پر ہے۔ اب وہی اٹھارہ قسمیں ہم نیچے نقشے میں بنائیں۔ سب سے پہلے صفتِ مشبہ کی تقسیم اس طرح کی۔ کہ صفتِ مشبہ یا تو معرف باللام ہوگی یا مجرد ہوگی۔ جیسے اَلْحَسَن یہ صفتِ

مشبہ ہے اور اس پر الف لام داخل ہو رہا ہے۔ جبکہ دوسری طرف لکھا حَسَنٌ یہ مُجَرَّد ہے۔ یعنی صفتِ مشبہ یا تو الف لام کے ساتھ ہوگی یا بغیر الف لام کے ہوگی۔ تو دو قسمیں بن گئیں۔ پھر اسکا معمول یا تو مضاف ہوگا جیسا کہ وَجْهُهُ میں ہے۔ یعنی وَجْهٌ کا لفظ مضاف ہے ھا ضمیر کی طرف۔ اور یا اس کے معمول پر الف لام داخل ہوگا جیسا کہ اَلْوَجْهُ۔ اور یا اسکا معمول "مجرَّدٌ عنھما" یعنی اِن دونوں سے خالی ہوگا۔ یعنی اِس میں اضافت بھی نہیں ہوگی اور اُس میں الف لام بھی نہیں ہوگا جیسے وَجْهٌ۔

اسی طرح دوسری جانب صفت الف لام کے بغیر ہے۔ وہ بھی عمل کریگی۔ تو اسکا معمول یا تو مضاف ہوگا جیسا کہ وَجْهُهُ، اور یا اسکا معمول لام تعریف کے ساتھ آئے گا جیسا کہ "الوَجْهُ" اور یا اُس میں اضافت بھی نہیں ہوگی اور لام تعریف بھی نہیں ہوگا جیسے وجهٌ۔

اب " صفةٌ باللام مثلُ اَلْحَسَنَ" کا معمول یا تو مرفوع ہوگا، یا منصوب ہوگا یا مجرور ہوگا۔ یعنی جب اس کا معمول مضاف ہو یعنی "وَجْهُهُ" تو یہ "وَجْهُهُ" یا مرفوع ہوگا یا منصوب ہوگا یا مجرور ہوگا۔ تو "اَلْحَسَن" کو ملا دے "وَجْهُهُ" کے ساتھ۔ اسکے نیچے لکھیں۔ پہلی صورت یعنی رفع والی صورت "اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ" بنے گا۔ دوسری صورت یعنی نصب والی صورت "اَلْحَسَنُ وَجْهَهُ" بنے گا۔ اور اسی کی جرّ والی حالت "الحسنُ وَجْهِهٖ" بنے گا۔

اب " صفةٌ باللام مثلُ اَلْحَسَنَ" کے اگلے معمول باللام کی بھی اسی طرح تین صورتیں بن جائیں گی۔ رفع کی صورت میں "اَلْحَسَنُ اَلْوَجْهُ" لکھیں۔ اسی کے نیچے نصب والی صورت میں "اَلْحَسَنُ اَلْوَجْهَ" لکھیں۔ اور پھر اسی کے نیچے جرّ والی صورت " اَلْحَسَنُ اَلْوَجْهِ" لکھیں۔

اب " صفةٌ باللام مثلُ اَلْحَسَنَ" کا تیسرا معمول جو " **مَعْمُوْلٌ مُجَرَّدٌ عَنْهُمَا** " ہے۔ اس کے نیچے بھی اعراب کی یہی تین صورتیں آئیں گی۔ تو اسکی رفع والی صورت "اَلْحَسَنُ وَجْهٌ" ہے، نصب والی صورت "اَلْحَسَنُ وَجْهًا" اور جرّ والی صورت "اَلْحَسَنُ وَجْهٍ" ہے۔

تو دیکھو! صفت جب معرف باللام ہو تو اسکا معمول یا تو مضاف ہوگا، یا اسکا معمول معرّف باللام ہوگا یا معمول اضافت اور لام دونوں سے خالی ہوگا۔ تو معمولِ مضاف کی مثال "وَجْهُهُ" ہے۔ اور معمول معرف باللام کی مثال "اَلْوَجْهُ" ہے۔ اور معمولٌ مجرَّدٌ عنھما کی مثال "وَجْهٌ" ہے۔ اور پھر یہ صفت "الحسَن" اپنے معمول کو کبھی رفع دے گی، کبھی نصب اور کبھی جرّ۔ تو اسکی وضاحت اوپر گزر گئی۔ اور نیچے ٹیبل میں " صفةٌ باللام مثلُ اَلْحَسَنَ" کے نیچے رفع، نصب اور جرّ والی تینوں صورتیں لکھی گئی ہے۔

اسکے بعد اب آتے ہیں دوسری جانب جو کہ " **صِفَةٌ مُجَرَّدَةٌ** مِثلُ حَسَنٍ" ہے۔ اس میں بھی ہر ایک کے نیچے تین تین مثالیں بنیں گی۔ یعنی جب معمول مضاف ہے یعنی "وَجْهُهُ"۔ تو اسکی حالت رفعی "حَسَنٌ وَجْهُهُ" ہے۔ حالت نصبی "حَسَنٌ وَجْهَهُ" ہے۔ اور حالت جرّی "حَسَنُ وَجْهِهٖ" ہے، اس میں حسنٌ سے تنوین اضافت کی وجہ سے گر گئی۔

اب " صِفَةٌ مُجَرَّدَةٌ مِثلُ حَسَنٍ" میں حَسَنٌ کا اگلا معمول "اَلْوَجْهُ" ہے۔ تو اسکی حالت رفعی "حَسَنٌ اَلْوَجْهُ" ہے۔ اور اسکو روانی سے "حَسَنُ نِ الوجهُ" پڑھیں گے۔ اسکی حالت نصبی "حَسَنٌ اَلْوَجْهَ" ہے۔ اور اسکو روانی سے " حَسَنُ نِ الوجهَ" پڑھیں گے۔ اور حالت جرّی میں حسنٌ سے تنوین اضافت کی وجہ سے گر جائے گی تو " حَسَنُ اَلْوَجْهِ" اسکی حالت جرّی ہے۔

اب " صِفَةٌ مُجَرَّدَةٌ مِثلُ حَسَنٍ" کی تیسری صورت جہاں "حَسَنٌ" کا معمول اضافت سے بھی خالی ہو اور معرف باللام سے بھی خالی ہو۔ یعنی "وَجْهٌ"۔ تو یہاں بھی اعراب کے لحاظ سے تین صورتیں بن جائے گی۔ حالت رفعی میں "حَسَنٌ وَجْهٌ" پڑھیں گے۔ حالت نصبی میں " حَسَنٌ وَجْهًا" پڑھیں گے۔ اور حالت جرّی میں " حَسَنُ وَجْهٍ" پڑھیں گے۔ حسنٌ کی تنوین اضافت کی وجہ سے گر گئی۔

تو وہ صفت جو معرف باللام ہو یعنی "اَلْحَسَنُ" تو نو صورتیں اس میں بنی۔ اور وہ صفت جو معرف باللام نہ ہو یعنی "حسن" تو اس میں بھی نو صورتیں بنی۔ تو یہ کُل اٹھارہ صورتیں ہیں۔

اَلصِّفَةُ الْمُشَبَّهَة: صفتِ مشبّہ کے مسائل

صفةٌ باللام مثلُ اَلْحَسَنَ			صِفَةٌ مُجَرَّدَةٌ مِثلُ حَسَنٍ		
مَعْمُوْلٌ مُضافٌ	مَعْمُوْلٌ باللامِ	مَعْمُوْلٌ مُجَرَّدٌ عَنْهُمَا	مَعْمُوْلٌ مُضافٌ	مَعْمُوْلٌ باللامِ	مَعْمُوْلٌ مُجَرَّدٌ عَنْهُمَا
وَجْهُهُ اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ احسن اَلْحَسَنُ وَجْهَهُ حسن اَلْحَسَنُ وَجْهِهٖ ممتنع	اَلْوَجْهُ اَلْحَسَنُ اَلْوَجْهُ قبیح اَلْحَسَنُ اَلْوَجْهَ احسن اَلْحَسَنُ اَلْوَجْهِ احسن	وَجْهٌ اَلْحَسَنُ وَجْهٌ قبیح اَلْحَسَنُ وَجْهًا اَحْسَن اَلْحَسَنُ وَجْهٍ ممتنع	وَجْهُهُ حَسَنٌ وَجْهُهُ احسن حَسَنٌ وَجْهَهُ حسن حَسَنُ وَجْهِهٖ اختلاف	اَلْوَجْهُ حَسَنُ نِ الوجهُ قبیح حَسَنُ نِ الوجهَ اَحسن حَسَنُ اَلْوَجْهِ احسن	وَجْهٌ حَسَنٌ وَجْهٌ قبیح حَسَنٌ وَجْهًا احسن حَسَنُ وَجْهٍ احسن

اب یاد رکھئے! اب آپ کے پاس اٹھارہ صورتیں آگئی۔ اِن کے احکام پانچ قسم پر ہے۔ [1]بعض اِن میں سے مُمْتَنِع ہیں۔ یعنی بعض صورتیں اِن میں جائز ہی نہیں۔ [2]بعض صورتیں وہ ہیں جن میں اختلاف ہیں۔ اِن میں سے بعض صورتیں اَحْسَن ہیں[3]۔ اِن میں سے بعض صورتیں حَسَن ہیں[4]۔ [5]اور بعض صورتیں قبیح ہیں۔ یعنی یہ پانچ صورتیں یا تو "ممتنع ہوگی، یا اس میں اختلاف ہوگا، یا احسن ہوگی، یا حسن ہوگی اور یا قبیح ہوگی"۔

پہلی صورت یعنی مُمْتَنِع: یاد رکھو! "اَلْحَسَنُ وَجْهِهٖ" یہ پہلی صورت ممتنع ہے۔ جس میں صفت معرف باللام ہے اور معمول مضاف ہے۔ اسی طرح "اَلْحَسَنُ وَجْهٍ" یہ صورت بھی ممتنع ہے۔ اَلْحَسَنُ وَجْهِهٖ اس لئے جائز نہیں کہ اس میں صفت کی اضافت ہو رہی ہے۔ اور یہ ہے اضافتِ لفظیہ۔ اضافتِ لفظیہ وہ ہوتا

ہے کہ صفت کا صیغہ مضاف ہو اپنے معمول کی طرف۔ تو یہاں پر "الحسن" صفت کا صیغہ ہے اور مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف۔ لیکن یہ صورت ممتنع ہے۔ اس لئے کہ اضافت لفظی صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ اور وہ تخفیف یا تو تنوین کو گرا دے گی، جیسا کہ "ضاربُ زیدٍ" میں ضاربٌ سے تنوین گر گئی۔ یا قائم مقام تنوین گر جائے گا۔ یعنی نونِ تثنیہ اور نونِ جمع گر جائے گا۔ جیسا کہ "ضاربَا زیدٍ اور ضاربُو زیدٍ"۔ یعنی اضافتِ لفظیہ سے تخفیف آتی ہے۔ یا تو تنوین گر جاتی ہے یا قائم مقامِ تنوین گر جاتی ہے۔

آگے ایک تیسری صورت ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے اضافت لفظیہ سے تخفیف آتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر معمول کے ساتھ موصوف کی ضمیر لگی ہوئی ہو تو وہ ضمیر گر جائے گا۔ جس کی وضاحت نیچے درج ہے۔

یہاں پر صفت "اَلْحَسَنُ" کا معمول وَجْہِہٖ ہے۔ اور صفت کا معمول "وَجْہٍ" مضاف الیہ ہے اور اس "وَجْہِ" کے ساتھ موصوف کی ضمیر لگی ہوئی ہے۔ جیسا کہ "وَجْہِہٖ" میں یہ ہا ضمیر موصوف "اَلْحَسَن" کو لوٹ رہی ہے۔ تو اگر معمول مضاف ہو اور اسکے ساتھ صفت کی ضمیر ملی ہوئی ہو تو پھر وہ ضمیر اِس سے گر جائے گی۔ یعنی اضافتِ لفظی سے تخفیف کی یہ تیسری صورت ہے۔ ایک تخفیف تو تنوین کا گرنا ہے، دوسری تخفیف قائم مقامِ تنوین یعنی نونِ تثنیہ یا نونِ جمع کا گرنا ہے۔ اور تیسری تخفیف یہ ہے کہ اگر معمول کے ساتھ موصوف کی ضمیر لگی ہوئی ہو تو وہ ضمیر بھی گر جاتی ہے۔ تو "اَلْحَسَنُ وَجْہِہٖ" میں "وَجْہِہٖ" کے ساتھ موصوف "اَلْحَسَنْ" کی ضمیر لگی ہوئی ہے۔ تو یہاں پر اِس ضمیر کو گر جانا چاہئے۔ وَجْھِہٖ کا لفظ یہاں پر معرفۃ ہے۔ کیونکہ نکرۃ کی اضافت معرفۃ کی طرف ہونے سے نکرۃ بھی معرفۃ بن جاتا ہے۔ اور ضمیر کے گرنے سے وَجْہٍ نکرۃ رہ جائے گا۔ تو لہٰذا اُس کے عوض میں پھر الف لام لے آتے ہیں۔ اور پھر "اَلْحَسَنُ الْوَجْہِ" پڑھتے ہیں۔

تو یہاں "اَلْحَسَنُ وَجْہِہٖ" یہ اضافتِ لفظی ہے۔ اور اضافت لفظی صرف فائدہ دیتی ہے تخفیف کا۔ اور یہاں پر کسی قسم کی کوئی تخفیف نہیں آرہی۔ یعنی "اَلْحَسَنُ وَجْہِہٖ" مضاف مضافٌ الیہ ہے۔ یہاں "الحسنُ" تو کوئی تنوین نہیں گری اضافت کی وجہ سے۔ اِس لئے کہ اس پر تنوین تو آہی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ اس پر الف لام داخل ہوا ہے۔ اور تنوین تو اضافت سے پہلے الف لام کی وجہ سے گر چکی ہے۔ تو لہٰذا مضاف کے اندر کسی قسم کی تخفیف نہیں آیا۔ نہ ہی تنوین گرا اور نہ ہی قائم مقام تنوین گرا۔ اور نیز آگے "وَجْہِہٖ" کے ساتھ موصوف کی ضمیر ملی ہوئی ہے۔ تو تخفیف کی یہ بھی صورت تھی کہ معمول کے ساتھ جب موصوف کی ضمیر ملی ہوئی ہو تو اضافتِ لفظی سے اُسے گر جانا چاہئے تھا۔ لیکن یہاں "وَجْہِہٖ" سے کسی قسم کی کوئی ضمیر نہیں گرائی گئی۔ پس کسی قسم کی تخفیف نہیں آئی اور ہے تو اضافتِ لفظی۔ لہٰذا یہ جائز نہیں۔ کیونکہ اضافتِ لفظی تو تخفیف کے لئے کی جاتی ہے۔

اور نیز "اَلْحَسَنُ وَجْہٍ" یہ صورت بھی ممتنع ہے۔ اس صورت میں مضاف "اَلْحَسَنُ" معرفۃ ہے اور مضافٌ الیہ "وَجْہٍ" نکرۃ ہے۔ اور اُصول کے مطابق مضاف نکرۃ ہوتا ہے اور مضافٌ الیہ معرفۃ ہوتا ہے۔ لیکن یہاں پر تو عکس ہو رہا ہے۔ مضاف معرفۃ ہے اور مضافٌ الیہ نکرۃ ہے۔ اس لئے یہ صورت بھی جائز نہیں۔

دوسری صورت جن میں اختلاف ہے۔ وہ "حَسَنُ وَجْہِہٖ" ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ صورت جائز ہے مگر قبیح ہے، صرف اشعار میں آسکتی ہے ضرورت کی بنا پر۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ بغیر قباحت کے یہ صورت جائز ہے۔ وہ علماء جو یہ کہتے ہیں کہ یہ قبیح ہے وہ یہ علّت بیان فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں دیکھو! "حَسَنُ وَجْہِہٖ" یہ اضافتِ لفظی ہے۔ کیونکہ صیغہ صفت کا ہے، مضاف ہو رہا ہے اپنے معمول کی طرف۔ اور اضافتِ لفظیہ صرف لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ اور یہاں پر تخفیف یہ آ رہی ہے کہ حَسَنُ سے تنوین گر گئی۔ پہلے تھا حَسَنٌ پھر جب اضافت کی گئی وَجْہَ کی طرف تو وہ تنوین گر گئی۔ اور نیز "وَجْہِہٖ" کے آخر میں موصوف کی ضمیر ہے۔ اور جب موصوف کی ضمیر معمول کے ساتھ ملی ہوئی ہو تو اُس ضمیر کو بھی گرا دیتے ہیں، لیکن یہاں پر اُس ضمیر کو گرایا نہیں گیا۔ تو وہ علماء فرماتے ہیں کہ یہاں پر ادنیٰ درجے کی تخفیف تو حاصل ہوئی یعنی تنوین تو گر گیا لیکن اعلیٰ درجے کی تخفیف حاصل نہیں ہوئی۔ یعنی ضمیر کو گر جانا چاہئے تھا۔ تو اعلیٰ درجے کی تخفیف یہاں ممکن تھی لیکن پھر بھی نہیں کی گئی اس لئے یہ صورت قبیح ہے۔

باقی صورتیں یا تو اَحْسَنْ ہے، یا حَسَنْ ہے یا قبیح ہے۔ اَحْسَنْ وہ ہے جہاں پر ایک ضمیر آئے۔ اس لئے کہ یہ صفت مشبہ ہے۔ اور صفت مشبہ نے صفت بننا ہے اپنے موصوف کے لئے۔ تو اسکو موصوف کے ساتھ جوڑنے کے لئے ایک عائد چاہئے۔ تو وہ صورتیں جن میں ایک ہی ضمیر آئے تو وہ اَحْسَنْ ہے۔ اور ہمیں ضرورت بھی ایک ضمیر کی ہے اور آیا بھی ایک ضمیر ہے۔ تو ضرورت کے مطابق ہے پوری تو لہٰذا یہ اَحْسَنْ صورت ہے۔

دوسری صورت ہے کہ دو ضمیریں آرہی ہوں۔ یہ حَسَنْ ہے۔ اس لئے کہ ضرورت تو ایک ضمیر کی ہے اور آئے ہیں دو ضمیریں۔ تو لہٰذا زائد چیز ہونی کی وجہ سے یہ صورت کم درجے کی ہوئی۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی ضمیر نہ ہو۔ تو اس صورت میں یہ قبیح ہے۔

اب دیکھئے " اَلْحَسَنُ وَجْہُہٗ" کی طرف۔ جس طرح اسم فاعل کے لئے فاعل چاہئے اور اسم مفعول کے لئے نائب فاعل چاہئے۔ تو اسی طرح صفت مشبہ بھی فاعل چاہتا ہے۔ تو یہاں پر الحسنُ صفت کا صیغہ ہے اور آگے وَجْہُہٗ اسکے لئے فاعل ہے۔ اور جب فاعل اسم ظاہر آیا تو اب اَلْحَسَنْ کے اندر ضمیر نہیں۔ البتہ وَجْہُہٗ کے ساتھ ایک ضمیر ملی ہوئی ہے۔ تو " اَلْحَسَنُ وَجْہُہٗ" کے سارے مجموعے میں ایک ضمیر آگئی تو یہ اَحْسَنْ صورت ہوا۔

اب اسی کے نیچے " اَلْحَسَنُ وَجْهَهُ" میں دیکھئے۔ اَلْحَسَنُ کے اندر ضمیر ہے کیونکہ یہ آگے کسی کو رفع نہیں دے رہی۔ اور وَجْهَهُ میں بھی ضمیر ہے۔ تو اس مجموعے کے اندر دو ضمیریں ہوئی۔ لہٰذا یہ صورت حسن ہوا۔

" اَلْحَسَنُ وَجْهِهٖ" یہ صورت تو ممتنع ہے اسکی وضاحت اوپر گزر گئی۔

اسکے آگے " اَلْحَسَنُ الْوَجْهُ" میں دیکھئے۔ یہاں اَلْحَسَنُ کے اندر بھی کوئی ضمیر نہیں، اور اَلْوَجْهُ کے اندر بھی کوئی ضمیر نہیں۔ یعنی مجموعے کے اندر کوئی ضمیر نہیں تو یہ صورت قبیح ہوا۔ الحسن کے لئے عائد چاہئے تھا اور کوئی عائد نہیں آیا۔

اسکے نیچے "اَلْحَسَنُ الْوَجْهَ" کے مجموعے میں بھی کوئی ایک ضمیر ہے۔ اور وہ "الحسنُ" کے اندر فاعل کی ضمیر ہے۔ لہٰذا یہ صورت احسن ہے۔

اسکے نیچے "اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ" میں اَلْحَسَن کے اندر فاعل کی ضمیر ہے۔ اور الوجہِ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ لہٰذا اس مجموعے میں ایک ضمیر ہوا۔ تو یہ بھی احسن صورت ہے۔

اب آئیں اگلی تین صورتوں کی طرف۔ اَلْحَسَنُ وَجْهٌ کے اندر "اَلْحَسَنُ" میں ضمیر نہیں کیونکہ آگے آنے والی وجهٌ اسم ظاہر اسکی فاعل ہے۔ نیز وَجْهٌ کے اندر بھی کوئی ضمیر نہیں۔ تو یہ مجموعہ ضمیر سے خالی ہونے کی وجہ سے قبیح ہے۔ اب اس سے نیچے اَلْحَسَنُ وَجْهًا میں دیکھئے تو "اَلْحَسَنُ" کے اندر فاعل کی ضمیر ہے اور وَجْهًا کے اندر کوئی ضمیر نہیں، تو اس مجموعے میں ایک ضمیر آیا۔ تو اس وجہ سے یہ "اَحسَنْ" ہے۔ اور اَلْحَسَنُ وَجْهٍ کی تفصیل تو گزر گئی ہے کہ یہ صورت مُمْتَنِعْ ہے۔ اس لئے کہ معرفۃ کی اضافت نکرہ کی طرف کی گئی۔

اب آئیں اگلی تین صورتوں کی طرف۔ پہلی صورت " حَسَنٌ وَجْهُهُ" کے اندر حَسَنٌ آگے وَجْهٌ کو رفع دے رہا ہے تو حسنٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ اور وَجْهُهُ میں ایک ضمیر ہے۔ تو اس مجموعے میں ایک ہی ضمیر آیا تو اس وجہ سے یہ صورت اَحْسَنْ ہے۔ اس سے نیچے "حَسَنٌ وَجْهَهُ" میں حسنٌ کے اندر فاعل کی ضمیر ہے اور وَجْهَهُ میں بھی ایک ضمیر ہے۔ تو اس پورے مجموعے میں دو ضمیریں آئی۔ اس وجہ سے یہ صورت حَسَن ہے۔ اس سے نیچے حَسَنُ وَجْهِهٖ کی تفصیل گزر چکی ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ کہ اضافت کی وجہ سے وَجْهِهٖ کی ضمیر گرنا چاہئے تھا اور اعلیٰ درجے کی تخفیف آنا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اب آئیں اگلی تین صورتوں کی طرف۔پہلی صورت "حَسَنٌ الوجهُ"۔ تو یہاں پر حسنٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں کیونکہ آگے "اَلْوَجْهُ" اسم ظاہر اس کے لئے فاعل آرہا ہے۔ نیز "اَلْوَجْهُ" کے اندر بھی کوئی ضمیر نہیں۔ تو یہ مجموعہ ضمیر سے خالی ہوا اس لئے یہ قبیح ہے۔ اس سے نیچے حَسَنُنِ الوجهَ میں حسنٌ کے اندر فاعل کی ضمیر ہے۔ اور الوجهَ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ تو اس مجموعے میں ایک ضمیر آیا۔ تو اس صورت میں

یہ صورت احسن ہوا۔ اس سے نیچے حَسَنُ الْوَجْهِ کے اندرحسنٌ کے اندر فاعل کی ضمیر ہے اور اَلْوَجْهِ میں کوئی ضمیر نہیں۔ تو مجموعے میں ایک ضمیر ہوا۔ اس لئے یہ مجموعہ احسن ہوا۔

اب آئیں اگلی تین صورتوں کی طرف۔ حَسَنٌ وَجْهٌ۔ حسنٌ کے اندر کوئی ضمیر نہیں کیونکہ آگے وَجْهٌ اسم ظاہر اس کے لئے فاعل آرہا ہے۔ نیز وَجْهٌ کے اندر بھی کوئی ضمیر نہیں۔ تو اس مجموعے میں کوئی ضمیر نہیں لہٰذا یہ قبیح ہوا۔ اس کے نیچے حَسَنٌ وَجْهًا کے اندر حَسَنٌ میں فاعل کی ضمیر ہے اور وَجْهًا میں کوئی ضمیر نہیں۔ تو اس مجموعے میں ایک ضمیر ہوا۔ لہٰذا یہ احسن صورت ہے۔ اس کے نیچے حَسَنُ وَجْهٍ میں حسنٌ کے اندر فاعل کی ضمیر ہے جبکہ وَجْهٍ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔ تو اس مجموعے میں ایک ضمیر آیا لہٰذا یہ احسن صورت ہوا۔

اوپر جو میں نے ٹیبل بنایا ہے اس میں ہر صورت کے ساتھ، احسن، حسن، قبیح، ممتنع اور اختلاف لکھا گیا ہے۔

اوپر بیان کردہ تفصیل اب صاحب کافیہؒ اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

وَ تَقْسِيْمُ مَسَائِلِها اور صفتِ مشبہ کی مسائل کی تقسیم جو ہے وہ یہ ہے۔ **اَنْ تكونَ الصِّفةُ باللام اَوْ مُجَرَّدَةً** کہ صفت یا تو لام کے ساتھ ہوگی یا لام سے خالی ہوگی۔ یعنی نقشے کے مطابق یا تو صفت "الحسن" یعنی الف لام کے ساتھ ہوگی۔ اور یا تو صفت "حسنٌ" بغیر الف لام کے ہوگی۔ **و معمولُها** اور اسکا معمول جو ہے۔ **مضافًا** یا تو مضاف ہوگی۔ نقشے کے مطابق "وَجْهُهٗ" والا صورت۔ **او باللام** اور یا لام کے ساتھ ہوگا۔ نقشے کے مطابق وہ "اَلْوَجْهُ" والی صورت ہے۔ **اَوْ مُجَردا عنهما** اور یا اضافت اور لام دونوں سے خالی ہوگا۔ نقشے کے مطابق "وَجْهٌ" والا صورت ہے۔ **فَهٰذِهٖ سِتَّةٌ** تو یہ کل چھ صورتیں ہوئی۔ یعنی صفت جب معرف باللام ہو تو تین اُس صورت میں آئیں گی اور جب صفت بغیر لام کے ہو تو تین صورتیں اُس میں آئیں گی۔ یعنی صفت جب معرف باللام ہو تو معمول یا تو مضاف ہوگا، یا معرف باللام ہوگا اور یا اِن دونوں سے خالی ہوگا۔ تو تین صورتیں یہ ہوئی۔ اور جب صفت بغیر الف لام کے ہو تو پھر معمول یا مضاف ہوگا، یا معرف باللام ہوگا یا اِن دونوں سے خالی ہوگا۔ تو تین صورتیں یہ بن گئی۔ تو یہ کل چھ صورتیں بن گئیں۔ اس کی تفصیل نقشے میں ہیں۔

اب صاحب کافیہ اِن چھ صورتوں کے معمول کے بارے میں بتلاتا ہے۔ کہ اِن چھ میں سے ہر صورت کا معمول یا تو مرفوع ہوگا، یا منصوب ہوگا یا مجرور ہوگا۔ **و المعمولُ فی کل واحدٍ مِّنْها مرفوعٌ وَّ منصوبٌ وَّ مجرورٌ** اور اِن چھ میں سے ہر ایک کا معمول یا تو مرفوع ہوگا، یا منصوب ہوگا یا مجرور ہوگا۔ اِن کی تفصیل بھی نقشے میں ہے۔ تو چھ صورتیں پہلے تھی اور اب اعراب کے لحاظ سے ہر ایک کی

تین تین صورتیں مزید بن گئیں۔ تو یہ کل اٹھارہ صورتیں ہیں۔ فَصارت ثمانيةَ عشر تو کُل اٹھارہ مسائل ہو گئے۔

اب صاحب کافیہؒ آپ کو یہ بتلانا چاہتا ہے کہ صفت کے آگے آنے والا معمول یا تو مرفوع ہوتا ہے۔ بعض اوقات منصوب ہوتا ہے اور بعض اوقات مجرور ہوتا ہے۔ یہ رفع کیوں آتا ہے؟ یہ نصب کیوں آتا ہے؟ یہ جرّ کیوں آتا ہے؟ اِسکی وجہ بتلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ جو آگے رفع آئے گا یہ فاعل ہونے کی بنا پر آئے گا۔ جیسا کہ "اَلحَسَنُ الْوَجْهُ" میں یہ اَلْوَجْهُ پر رفع فاعلیت کی وجہ سے آیا ہے۔

اور "اَلحَسَنُ الْوَجْهَ" میں یہ نصب کیوں آیا۔ چونکہ صفت مشبه فعل لازم سے بنتا ہے اور فعل لازم کے لئے مفعول نہیں آتا۔ اور صفت بھی عمل کرتا ہے اپنے فعل کی طرح۔ تو اس کے لئے بھی مفعول نہیں آنا چاہئے۔ لیکن ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ "اَلْوَجْهَ" پر نصب آیا۔ تو وہ معمول جس پر نصب آتا ہے وہ کبھی معرفة ہوگا اور کبھی نکرة۔ جیسے "اَلحَسَنُ الْوَجْهَ" میں یہ اَلْوَجْهَ معرفة ہے۔ اور کبھی ہوگا، "اَلحَسَنُ وَجْهًا" تو اب یہ معمول "وَجْهًا" نکرة ہے۔ تو جس کو آگے صفت نصب دے رہی ہے وہ کبھی معرفة ہوگا اور کبھی نکرة۔ اگر معرفة ہے تو یہ منصوب ہوگا بِنَا بر شَبِيْهِ مفعول ہونے کے ۔ اسکو مفعول نہیں کہنا بلکہ شَبِيْهِ مفعول یا شِبهٗ مفعول کہنا یعنی مفعول کے مشابه ہے۔ مفعول اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ یہ صفت مشبه ہے اور صفتِ مشبه فعل لازم سے بنتا ہے اور اسکا مفعول نہیں آتا۔ اور اگر یہ معمول منصوب ہو نکرة ہونے کی بنا پر، جیسے "اَلحَسَنُ وَجْهًا"۔ تو اس صورت میں کہیں گے کہ یہ تمیز ہونے کی بِنا پر منصوب ہے۔ اور تمیز بھی نکرة ہی ہوتی ہے معرفة کبھی نہیں آتی۔ اور جو معمول معرفة تھا اُسکو بھی ہم تمیز بنا دیتے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ معرفة کبھی تمیز نہیں آتی۔ پس خلاصہ یہ کہ نکرة کی صورت میں ہم کہیں گے کہ یہ تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور معرفة کی صورت میں ہم مجبورًا کہیں گے کہ یہ شبه مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

اور جب یہ صفت جرّ دیں گی۔ تو وہ جرّ اضافت کی بِنا پر دیں گی۔ تو اعراب کی یہ تین صورتیں صاحب کافیہؒ اپنے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

فالرفعُ على الفاعليَّةِ پس رفع فاعل ہونے کی بِنا پر ہوگا۔ و النصبُ على التَّشْبِيْهِ بالمفعول فى المعرفة اور نصب تشبیه بالمفعول کی بنا پر ہوگا معرفة میں و على التمييز فى النكرة اور نصب تمیز ہونے کی بِنا پر ہوگا نکرة میں۔ اسکی وضاحت اوپر گزر گئی۔ و الْجَرُّ على الاضافةِ اور جرّ اضافت ہونے کی بِنا پر ہوگا۔

و تفصيلُها اوراِن مسائل کی تفصیل یہ ہے۔ حَسَنٌ وَجْهَهٗ ثَلٰثَةٌ تین ہیں۔ یعنی حَسَنٌ وَجْهُهٗ، حَسَنٌ وَجْهَهٗ اور حَسَنٌ وَجْهِهٖ پڑھیں۔ و كذٰلک اوراِسی طرح حَسَن الوجه اس میں بھی تین صورتیں

ہیں۔ یعنی حَسَنُ الوجهُ ، حَسَنُ الوجهَ اور حَسَنُ الوجهِ پڑھیں۔ و حسن وجه یہاں بھی تین صورتیں ہیں۔ یعنی حَسَنٌ وَجْهٌ، حَسَنٌ وَجْهًا اور حَسَنُ وَجْهٍ پڑھیں۔ الحسن وجهه یہاں بھی تین صورتیں ہیں۔ یعنی اَلْحَسَنُ وَجْهُهُ، اَلْحَسَنُ وَجْهَهُ اور اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ پڑھیں۔ الحسن الوجه یہاں بھی تین صورتیں ہیں۔ یعنی اَلْحَسَنُ الْوَجْهُ، اَلْحَسَنُ الْوَجْهَ اور اَلْحَسَنُ الْوَجْهِ پڑھیں۔ الحسن وجه یہاں بھی تین صورتیں ہیں۔ یعنی اَلْحَسَنُ وجهٌ، الحسنُ وجهًا، اور الحسنُ وَجْهٍ پڑھیں گے۔ یہ ساری تفصیل چند صفحات پہلے نقشہ میں گزری ہے۔

اِثْنَانِ منها مُمْتَنِعَانِ دو صورتیں اِن میں سے ممتنع ہے۔ مثلُ اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ اَلْحَسَنُ وَجْهٍ اَلْحَسَنُ وَجْهِهِ یہ اس لئے ممتنع ہے کیونکہ یہ اضافت لفظی ہے اور اضافتِ لفظی لفظوں میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے۔ اور یہاں پر کسی قسم کی کوئی تخفیف نہیں آئی۔ نہ ہی تنوین گری اور نہ ہی مضاف کے آخر سے ضمیر گری۔ اور "اَلْحَسَنُ وَجْهٍ" اس لئے جائز نہیں کیونکہ اس کے اندر عکس کیا گیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ نکرۃ کی اضافت معرفة کی طرف ہو لیکن یہاں پر معرفة کی اضافت نکرہ کی طرف کیا گیا ہے۔

وَ اخْتُلِفَ فی حسنِ وجهِهِ اور حَسَنُ وَجْهِهِ کے اندر اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ قبیح ہے صرف ضرورتِ شعری کے بِنا پر جائز ہے۔ جو علماء اس کو قبیح قرار دیتے ہیں وہ اسکی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہاں پر ادنیٰ درجے کی تخفیف آئی ہے جبکہ اعلیٰ درجے کی تخفیف نہیں آئی۔ ادنیٰ درجے کی تخفیف یہ ہے کہ حسنٌ سے تنوین گر گیا۔ اور اعلیٰ درجے کہ تخفیف یہ ہے کہ "وجهِهِ" کے آخر سے ضمیر بھی گر جائے۔ تو جب تخفیف کا اعلیٰ درجہ یہاں ممکن تھا اور صرف ادنیٰ درجے پر اکتفا کیا گیا تو لہٰذا یہ قبیح ہے۔ جائز تو ہے کیونکہ کچھ نہ کچھ تخفیف تو آگئی۔

جبکہ دوسرے علماء جو فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے کوئی قبیح نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ بس جب تخفیف آ گئی خواہ کسی نہ کسی کی صورت میں کیوں نہ ہو تو پھر یہ جائز ہے۔

والبواقی اور باقی جو ہیں۔ ما کان فیهِ ضمیرٌ واحد مِنْها جس کے اندر ایک ضمیر ہو اِن میں سے اَحْسَنُ تو وہ صورت اَحْسَنْ ہے۔ و ما کان فیه ضمیرانِ اور وہ جس کے اندر دو ضمیریں ہوں حَسَنٌ تو وہ صورت حَسَنْ ہے۔ و ما لا ضمیرَ فیهِ قبیحٌ اور جس کے اندر کوئی ضمیر نہیں وہ قبیح ہے۔

اب پتہ کیسے چلے گا کہ صفت کے صیغے میں ضمیر ہے کہ نہیں۔ صاحب کافیہؒ خود بتلا رہے ہیں۔

وَ متیٰ رَفَعْتَ بها جب اِس کے ذریعے آپ رفع دیں۔ یعنی جب اِس صفت کے ذریعے آگے آنے والے اسم یعنی معمول کو رفع دیں۔ فلا ضمیرَ فیها تو اِس صفت کے اندر کوئی ضمیر نہیں ہوگی۔ فهی کالفعل

تو پھر یہ فعل کی طرح ہوگی۔ بھئی فعل میں آپ نے ضابطہ پڑھا ہے کہ جب فاعل آگے اسم ظاہر آجائے تو پھر فعل کو ہمیشہ مفرد رکھتے ہیں۔ جیسا کہ "ضربَ زیدٌ، ضرَبَ الزیدانِ اور ضربَ الزیدونَ"۔ تو اسی طرح صفت کے صیغے کی جب فاعل آگے اسم ظاہر آجائے تو صفت کے صیغے کو مفرد رکھتے ہیں۔ چاہے وہ اسم ظاہر مفرد ہو یا تثنیہ ہو یا جمع ہو۔ **و الا** اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی اگر صفت کے ذریعے آگے آنے والے معمول کو آپ رفع نہ دے۔ **ففیھا ضمیرُ الموصوف** تو پھر اس صفت کے اندر موصوف کی ضمیر ہوگی۔ **فَتُؤَنَّثُ و تُثَنّٰی و تُجْمَعُ** پھر اس ضمیر کو مؤنث بھی لائیں گے، تثنیہ بھی لائیں گے اور جمع بھی لائیں گے۔ یعنی اگر موصوف مفرد ہے تو ضمیر بھی مفرد لائیں گے، اور اگر موصوف تثنیہ ہے تو ضمیر بھی تثنیہ کی لائیں گے۔ اور اگر موصوف جمع ہے تو ضمیر بھی جمع کی لائیں گے۔ مثلاً زیدٌ حَسَنُ الْوَجْهِ۔ زید مفرد ہے مذکر ہے۔ اور حَسَن آگے کسی کو رفع نہیں دے رہا۔ تو اسی کے اندر مفرد مذکر کی ضمیر ہوگی جو کہ موصوف زید کو راجع ہوگی۔ اور اگر موصوف مفرد مؤنث ہو تو ہم یوں کہیں گے، "ھندٌ حَسَنَةُ الوَجْهِ"۔ اب حسنةٌ آگے کسی کو رفع نہیں دے رہا۔ تو اسکے اندر مفرد مؤنث کی ضمیر ہے جو کہ موصوفہ ھندٌ کو راجع ہے۔ اسی طرح تثنیہ مذکر کی صورت میں "الزیدانِ حسنَانِ الْوَجْهِ" ہوگا۔ پھر نون اضافت سے گر گیا تو " الزیدانِ حسنَا الوَجْهِ" کہیں گے۔ اب حسنانِ کے اندر تثنیہ مذکر کی ضمیر ہے جو کہ موصوف الزیدانِ کو لوٹ رہی ہے۔ اگر موصوف جمع ہو تو "الزیدونَ حسنونَ الوجهِ" ہوگا۔ پھر نون اضافت سے گر جائے گا تو "الزیدُونَ حسنُوا الْوجهِ" کہیں گے۔ چونکہ حسن نے آگے کسی کو رفع نہیں دیا تھا۔ تو پھر جیسا موصوف ہو تو ضمیر بھی موصوف کے مطابق لائیں گے۔ تو حسنونَ کے اندر جمع مذکر کی ضمیر ہے جو کہ الزیدونَ موصوف کو لوٹ رہی ہے۔

وَ اسْمَا الفاعلِ و المفعولِ اور اسم فاعل اور اسمِ مفعول **غیرَ الْمُتَعَدِّیَیْنِ** اس حال میں کہ دونوں متعدی نہ ہو۔ **مِثْلُ الصِّفةِ** وہ بھی صفتِ مشبّہ کی مثل ہے۔ **فیما ذُکِرَ** اُن مسائل میں جو ذکر ہوئے۔ بھئی صفتِ مشبہ میں جو اٹھارہ مسئلے ذکر ہوئے، اسم فاعل جو متعدی نہ ہو، اسم مفعول جو متعدی نہ ہو، وہ بھی صفتِ مشبہ کی طرح ہوں گے۔ جیسا کہ آپ نے پڑھا ہے کہ فعل کبھی لازم آتا ہے اور کبھی متعدی آتا ہے۔ اگر فعل لازم تھا تو اس سے جو اسمِ فاعل بنے گا وہ بھی فعل لازم کی طرح عمل کریگا۔ یعنی صرف فاعل کو چاہے گا اور مفعول کو نہیں چاہے گا۔ لیکن اگر فعل متعدی تھا مفعول کا بھی تقاضا کر رہا ہے، تو اِس سے بننے والا اسم فاعل جو ہے وہ فاعل کا تقاضا بھی کریگا اور مفعول کا تقاضا بھی کریگا۔

صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ ایسا اسم فاعل جو مفعول کا تقاضا نہ کرے یعنی جو متعدی نہ ہو بلکہ لازم ہو۔ تو اس کا بھی یہی حکم ہے جو صفت مشبہ کا حکم ہے۔ جیسے صفتِ مشبہ کے اٹھارہ مسائل ہیں ویسے اسم فاعل جو فعل لازم سے بنا ہو اُس کے بھی اسی طرح اٹھارہ مسائل ہوں گے۔

اور اسی طرح اسم مفعول بھی وہ جو متعدی نہ ہو۔ آپ کہیں گے کہ یہ کیا معنیٰ کہ اسمِ مفعول متعدی نہ ہو۔ تو دیکھئے بھئی! میں نے کہا ضربَ زیدٌ عمرًوا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ یہ فعل متعدی ہے اور ایک مفعول چاہتا ہے۔ اب اس سے ذرا اسم فاعل بناؤ تو "زیدٌ ضاربٌ عمرًوا"۔ اب ضاربٌ اُسی ضربَ سے بنا ہے۔ لہٰذا یہ ایک فاعل چاہیے گا اور ایک مفعول چاہیے گا۔ اور آگے عمرًوا کو یہ نصب دے رہا ہے۔ یہ تو تھا فاعل کی صورت۔ اب اگر مفعول بنایا جائے۔ "ضَرَبَ زیدٌ عمرًوا" تھا۔ اب میں ضُرِبَ کہتا ہوں تو اس صورت میں فاعل کو ختم کریں گے اور آگے جو عمرًوا مفعول تھا اُس کو نائب فاعل بنائیں گے۔ اور "ضُرِبَ عمرٌو" کہوں گا۔ اب جب اِسی "ضُرِبَ عمرٌو" سے مفعول مَضْرُوْبٌ بنا۔ یہ مضروب عمرو ہے۔ اور یہ مَضْرُوْبٌ جو اسم مفعول ہے یہ غیر متعدی ہے۔ کیونکہ آگے کوئی اسکا مفعول نہیں آرہا۔ لیکن بعض اوقات کبھی مفعول آتا ہے۔ جیسا کہ فعل "اَعْطیٰ" ہے۔ "اَعْطَیْتُ زیدًا دِرْھَمًا"۔ اَعْطیٰ دو مفعول چاہتا ہے۔ تو جب میں اس سے فعل مجہول بناؤں گا۔ تو اِس صورت میں ایک مفعول کو نائب فاعل بناؤں گا اور دوسرا مفعول اُسی طرح مفعول کا مفعول رہے گا۔ تو جب اِسی فعل سے اسم مفعول بنائیں گے تو ایک تو اس کے لئے نائب فاعل آئے گا اور ایک اس کے لئے آگے مفعول آئے گا۔ جیسے مثال پچھلے درس میں گزری تھی۔ جیسے "زیدٌ مُعْطًی غَلامُہٗ دِرْھَمًا" اور "اَمْسِ" کو ختم کر دیں۔ ورنہ تو عمل نہیں کریگا یہ۔ پہلے تھا "زیدٌ مُعْطِی غُلامَہٗ درھمًا": زید اپنے غلام کو ایک درھم عطا کرنے والا ہے۔ تو "مُعْطِی" نے دو مفعول چاہیے۔ ایک "غلامَہٗ" اس کے لئے مفعول بنا۔ اور دوسرا دِرْھَمًا اس کے لئے مفعول بنا۔ اب جس مُعْطِی سے اسم مفعول مُعْطًی بنائے۔ تو اس صورت میں ایک مفعول یعنی "غلامَہٗ" نائب فاعل بنے گا اور دوسرا مفعول "درھمًا" اُسی طرح مفعول ہی رہے گا۔ اور یوں کہیں گے، "زیدٌ مُعْطًی غُلَامُہٗ دِرْھَمًا"۔ تو دیکھو یہ "دِرْھَمًا" اسم مفعول کے لئے مفعول ہے۔ تو دو مفعول تھے ایک نائب فاعل بنا اور ایک اُسی طرح مفعول کا مفعول ہی باقی ہے۔ تو یہ اسم مفعول یعنی "مُعْطًی" یہ متعدی ہے۔ اور وہ اِسم مفعول "مَضْرُوْبٌ" وہ متعدی نہیں تھا۔

تو وہ اسمِ مفعول جو ایسے فعل سے بنا ہو جو ایک ہی مفعول چاہتا تھا وہ تو غیر متعدی ہوگا۔ اور وہ اسمِ مفعول جو ایسے فعل سے بنا ہو جو دو یا دو سے زیادہ مفعول چاہتا تھا۔ وہ متعدی ہوگا۔

تو صاحب کافیہؒ بتلا رہے ہیں کہ وہ اسم فاعل اور اسم مفعول جو متعدی نہ ہوں اُن کا حکم بھی صفت مشبہ کے حکم کی طرح ہے اُن مسائل کے اندر جو ذکر ہوئے۔

درس 96۔ آج ہم اسم تفضیل کے بارے میں پڑھیں گے۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں۔ **اِسْمُ التَّفْضِیلِ**

ما اسم تفضیل وہ اسم ہے۔ **اُشْتُقَّ مِنْ فِعْلٍ** جس کا اشتقاق فعل سے ہوا ہو۔ اور فعل سے فعل

اصطلاحی مراد نہیں بلکہ مصدر مراد ہے۔ **لِمَوْصُوفٍ** اسم تفضیل کا اشتقاق موصوف کے لئے ہو۔ یعنی ایسی ذات کے لئے جو موصوف ہو۔ **بِزِیادةٍ علیٰ غیرِہ** اپنے سے غیر پر زیادتی کے ساتھ۔

اسم تفضیل: اسم تفضیل وہ اسم ہے جس کا اشتقاق فعل سے ہوا ہو، ایسی ذات کے لئے جو غیر پر زیادتی کے ساتھ موصوف ہو۔ وضاحت: بھئی میں نے کہا، "زیدٌ اَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو": زید عمرو سے زیادہ پٹھائی کرنے والا ہے۔ تو دیکھو زید موصوف ہو رہا ہے غیر سے زیادۃ کے ساتھ۔ یعنی غیر پر "پٹھائی کرنے میں" یہ زیادہ ہے۔

و ھو افعَلُ اور وہ اَفْعَلُ ہے۔ یعنی اِس کا وزن اَفْعَلُ آئے گا۔ **و شرطُهٗ** اور اسمِ تفضیل کی شرط یہ ہے۔ **اَنْ یُبْنیٰ** کہ اُسکی بِنا ہو۔ یعنی اِسمِ تفضیل کو بنایا جائے۔ **مِنْ ثُلاثِیٍّ مُجَرَّدٍ** ثلاثی مجرَّد سے **لِیُمْكِنَ مِنْهُ** تاکہ اُس کی بِنا اُس سے ممکن بھی ہو۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ فعل چار قسم پر ہے۔ یا تو ثلاثی مجرّد ہوگا، یا ثلاثی مزید ہوگا، یا رباعی مجرّد ہوگا یا رباعی مزید ہوگا۔ اِن میں سے اسم تفضیل صرف ثلاثی مجرَّد سے بنے گا۔ یہ شرط کیوں ہے کہ صرف ثلاثی مجرّد سے بنے گا؟ فرماتے ہیں "لِیُمْكِنَ مِنْهُ": تا کہ اِس سے اُس کا بنانا ممکن بھی ہو۔ ثلاثی مجرد کے علاوہ سے اسم تفضیل کا بنانا ممکن ہی نہیں ہے۔ اِس لئے کہ اسم تفضیل کا ایک ہی وزن ہے اور وہ اَفْعَلُ ہے۔ اور اَفْعَلُ وزن میں ایک "فا" ہے، ایک "عین" ہے اور ایک "لام" ہے۔ اور ثلاثی مجرد بھی وہ ہوتا ہے جس کے اندر کوئی حرف زائد نہیں ہوتا بلکہ صرف تین حروفِ اصلی ہوتے ہیں۔ اور وہ "فا، عین اور لام" ہیں۔ لیکن اگر ہم اسم تفضیل کو ثلاثی مزید فیہ سے بنانا چاہیے تو اِس میں تین حروف اصلی کے علاوہ زائد حروف بھی ہوتے ہیں۔ تو اُن زائد حروف کو حذف کرنا پڑھے گا، تو پھر پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ اَفْعَلُ ثلاثی مجرد سے ہے یا ثلاثی مزید فیہ سے ہے۔ اسی طرح رباعی مجرد کے اندر تو دو لام ہوتے ہیں۔ تو اس صورت میں بھی اگر ہم رباعی مجرد سے اَفْعَلُ بنائیں گے تو ایک لام کو حذف کرنا پڑھے گا۔ تو پھر بھی پتہ نہیں چلے گا کہ یہ اَفْعَلُ ثلاثی مجرد سے ہے یا رباع مجرد سے ہے۔ اور رباعی مزید فیہ کے اندر تو دو لام بھی ہوتے ہیں اور حروفِ زائد بھی ہوتے ہے۔ تو اُس سے بھی اگر ہم اَفْعَلُ بنائیں گے تو ایک لام اور زائد حروف کو حذف کرنا پڑھے گا۔ تو اس صورت میں بھی پتہ نہیں چلے گا کہ یہ اَفْعَلُ ثلاثی مجرد سے ہے یا رباعی مزید فیہ سے ہے۔ تو اِسی وجہ سے صاحبِ کافیہؒ نے فرمایا کہ اسم تفضیل صرف ثلاثی مجرد سے بنے گا۔

و لیس بلَوْنٍ و لا عیبٍ اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اسمِ تفضیل لَوْن اور عیب میں سے بھی نہیں ہونا چاہئے۔ یعنی وہ ثلاثی مجرد جس سے آپ اسم تفضیل بنانا چاہتے ہیں وہ لون اور عیب میں سے نہ ہو۔ لَوْن جیسے اَحْمَر۔ بھئی یہ قید کیوں لگائی کہ وہ ثلاثی مجرد لون اور عیب میں سے نہیں ہونا چاہئے؟ صاحب کافیہ آگے خود بتلائے گا۔ آپ نے پڑھا ہے کہ اَفْعَلُ دو قسم پر ہیں۔ ایک اَفْعَلُ صفتی ہے اور وہ صفتِ

مشبہ ہے۔ اور ایک افعلُ اسم تفضیل کا ہے۔ تو یہ جو لون اور عیب ہے اِن سے بھی اَفۡعَلُ آتا ہے لیکن وہ اَفۡعَلُ صفتی ہوتا ہے۔ جیسے لون یعنی رنگ اس میں کہتے ہیں "اَحۡمَر"۔ اب یہ اَحۡمَر بھی اَفۡعَل وزن ہے۔ لیکن یہ اسم تفضیل نہیں بلکہ صفت مشبہ ہے۔ تو اَحۡمَر کا معنیٰ "سرخ" کریں گے۔ اور "زیادہ سرخ" نہیں کرنا۔ اس لئے کہ زیادہ سرخ اُس وقت کرتے اگر یہ اسم تفضیل ہوتا۔ اسی طرح اَبۡیَض بمعنیٰ سفید، اَسۡوَد بمعنیٰ سیاہ وغیرہ۔

اور اسی طرح عیب سے بھی نہ ہو وہ ثلاثی مجرد۔ یاد رکھو! عیب سے مراد عیبِ ظاہری ہے۔ جبکہ عیبِ باطِنی مراد نہیں۔ یعنی وہ ثلاثی مجرد جس سے آپ اسم تفضیل بنانا چاہتے ہیں وہ عیبِ ظاہری سے بھی نہ ہو۔ اِس لئے کہ اِن سے بھی جو اَفۡعَل آتا ہے وہ اَفۡعَلُ صفتی ہوتا ہے اور اسمِ تفضیل نہیں ہوتا۔ جیسے آپ کہتے ہیں، "اَعۡمیٰ"۔ اَعۡمیٰ عیب ہے اور عیبِ ظاہری ہے۔ تو یہ اَعۡمیٰ بروزن افعلُ ہے لیکن اسم تفضیل والا نہیں بلکہ صفت مشبہ والا افعلُ ہے۔ تو اَعۡمیٰ کا یہ معنیٰ نہیں کہ زیادہ اندھا بلکہ صرف اندھا معنیٰ ہے۔ اسی طرح اَعۡوَرۡ بمعنیٰ کانا یعنی ایک آنکھ والا ہونا۔ یہ بھی افعلُ صفتی ہے کیونکہ یہ عیبِ ظاہری ہے اور عیبِ ظاہری سے اسمِ تفضیل نہیں آتا۔ اور اسکا یہ معنیٰ نہیں کہ "زیادہ کانا" بلکہ صرف "کانا" معنیٰ ہے۔

ہاں عیبِ باطنی ہو تو اس سے اسمِ تفضیل آتا ہے۔ جیسے "اَجۡهَل" اسکا معنیٰ "زیادہ جاهل" کے ہے۔ تو یہ عیبِ باطنی ہے۔ کیونکہ جہالت ظاہر میں نظر نہیں آتا۔ اسی طرح "اَبۡلَد" ہے۔ اسکا معنیٰ "زیادہ کُند ذہن" ہے۔ تو یہ بھی باطنی عیب ہے۔ اسی طرح "اَحۡمَق" ہے۔ اَحۡمَق صفت کے طور پر بھی صفت استعمال ہوتا ہے جو صفتِ حماقت سے متصف ہوتا ہے۔ اور اسم تفضیل کے طور پر بھی آتا ہے۔ تو اس وقت اسکا معنیٰ ہوگا "زیادہ حماقت والا"۔ جیسے عربی میں ضَرۡبُ الۡمَثَل مشہور ہے، کوئی بڑا ہی بے وقوف ہو تو کہتے ہیں، " فُلَانٌ اَحۡمَقُ مِنۡ اِبۡنِ حَبَنَّقَه" یعنی فلاں اِبۡنِ حَبَنَّقَه سے بھی زیادہ احمق ہے۔ اِبۡنِ حَبَنَّقَه ایک شخص تھا عرب کے اندر اور بڑا ہی بے وقوف تھا۔

لِاَنَّ مِنۡهُما اَفۡعَلَ لِغيرِہ اس لئے کہ لون اور عیب سے جو اَفۡعَلُ آتا ہے وہ غیر کے لئے ہوتا ہے اور اسمِ تفضیل کے لئے نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اَفۡعَلُ صفتی ہوتا ہے۔ **مثلُ زیدٌ افضلُ الناسِ** جیسے آپ کہتے ہیں زید لوگوں میں سے افضل ہے۔

یہاں سے اب طریقہ بتلا رہا ہے۔ کہ اے صاحب کافیہؒ آپ نے بتلایا کہ اسم تفضیل صرف ثلاثی مجرد سے آئے گا، اور ثلاثی مجرد بھی ایسا ہو جو کہ نو لون ہو اور نہ عیب ہو۔ لیکن اگر ضرورت پڑھ جائے تو ثلاثی مزید، رباعی مجرد، رباعی مزید یا ایسے ثلاثی مجرد سے جو لون اور عیب کے لئے آتا ہو، اِن سے اسمِ تفضیل کیسے بنائیں گے۔ تو صاحب کافیہؒ وہ طریقہ آپ کو بتلاتے ہیں۔ **فَاِنۡ قُصِدَ غیرُہُ** اگر اس کے غیر کا ارادہ کیا جائے۔ یعنی اگر مذکورہ ثلاثی مجرّد کے علاوہ سے اسم تفضیل بنانا ہو **تُوَصَّلُ الیهِ بِاَشَدَّ** پہنچایا

جائے گا اُس تک "اَشَدُّ" جیسے لفظوں کے ساتھ۔ اسکو "تُوَصِّل" بھی پڑھ سکتے ہو۔ یعنی "اَشَدُّ، اَکْثَرُ، اَقْوٰی، اَقْبَحُ، اَکْرَہُ" وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کریں گے۔ تو یہ بنا دیں گے، اور ثلاثی مجرد سے لون اور عیب کو یا ثلاثی مجرد کے علاوہ دیگر ابواب کے مصدر کو منصوب لے آئیں گے تمییز کے طور پر۔ آگے مثال دیکھئے! **مثلُ هو اَشَدُّ مِنْهُ اسْتِخْرَاجًا** وہ فلاں سے زیادہ شدید ہے باعتبار استخراج کے۔ تو دیکھو "اَشَدُّ" بنایا اور آگے ثلاثی مزید کے مصدر کو منصوب لایا تمییز ہونے کی وجہ سے۔ **و بَیاضًا** ای فلانٌ هو اَشَدُّ مِنْهُ بَیاضًا: فلاں اُس سے زیادہ شدید ہے باعتبار سفید ہونے کے۔ **و عمیً** ای فلانٌ هو اَشَدُّ مِنْهُ عمًی: فلاں اُس سے زیادہ شدید ہے باعتبار اندھا ہونے کے۔ تو صاحب کافیہؒ نے تین مثالیں اکھٹے ذکر کی۔ اِسْتِخْرَاجًا یہ مثال ہے غیر ثلاثی مجرّد کا۔ بَیاضًا یہ مثال ہے لون کی اور عَمًی یہ مثال ہے عیب ظاہری کی۔

و قِیاسُهُ لِلْفَاعِلِ اور قیاس اسمِ تفضیل کا یہ ہے کہ یہ فاعل کے لئے ہونا چاہئے۔ **و قد جاءَ للمفعولِ** اور کبھی کبھار اسم تفضیل مفعول کے لئے بھی آیا ہے۔ بھئی اسم تفضیل جو ہے یہ ایسے موصوف پر دلالت کرتا ہے جو زیادتی کے ساتھ متَّصف ہو رہا ہو غیر پر۔ یعنی جس کے ساتھ وہ وصف قائم ہوتا ہے۔ نہ کہ ایسی ذات کے لئے جس پر وہ وصف واقع ہو۔ وجہ یہ کہ اگر فاعل کے ساتھ ساتھ مفعول سے بھی اسکو بنایا جائے، پھر تو التباس لازم آئے گا۔ اگر میں کہوں، "زیدٌ اَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو"۔ تو پھر آپ کو پتہ نہیں چلے گا کہ یہ "اَضْرَبُ" فاعل کے لئے آیا یا مفعول کے لئے آیا ہے۔ اس لئے کہ اگر فاعل کے لئے آیا ہو تو "اَضْرَبُ کا معنیٰ زیادہ پٹھائی کرنے والا" اور اگر یہ مفعول کے لئے ہے تو پھر "اَضْرَبُ کا معنیٰ زیادہ پٹھائی کئے جانے والا" ہوگا۔ تو پھر اَضْرَبُ سے پتہ نہیں چلے گا کہ یہ ضارِب زیادہ ہے یا مَضْروب زیادہ ہے۔ تو اس لئے فاعل سے بناتے ہیں۔ ہاں مفعول کے لئے چند ایک صیغے عربی میں آئیں ہیں۔

نحوُ اَعْذَرُ وَ اَلْوَمُ وَ اَشْغَلُ و اَشْهَرُ اَعْذَر کا معنیٰ ہے زیادہ معذور۔ تو مَعْذُور مفعول کا صیغہ ہے۔ تو دیکھو! مفعول سے آیا۔ اَلْوَم اسکا معنیٰ ہے زیادہ مَلُوم یعنی زیادہ ملامت کیا گیا۔ یہ بھی مفعول کے لئے آیا ہے۔ اسی طرح اَشْغَل کا معنیٰ ہے زیادہ مَشْغُول۔ مَشْغول مفعول کا صیغہ ہے۔ اور اَشْهَر بمعنیٰ زیادہ مَشْهُور۔ تو دیکھو! مفعول کے لئے آیا۔

و یُسْتَعْمَلُ علیٰ احدِ ثَلٰثَةِ اَوْجُهٍ اور یہ استعمال ہوتا ہے تین وجہوں میں سے ایک پر۔ یعنی اسم تفضیل کے استعمال کے تین طریقے ہیں۔ اور تین طریقوں میں سے ایک طریقے پر استعمال ہوتا ہے۔ ایک طریقہ اضافت کے ساتھ ہے، دوسرا طریقہ "مِنْ" کے ساتھ ہے اور تیسرا طریقہ معرّف باللام کے ساتھ ہے۔ **مُضافًا** اس حال میں کہ یہ اسم تفضیل مضاف ہوگا۔ **اَوْ بِمِنْ** اور یا مِنْ کے ساتھ استعمال ہوگا۔ **او معرَّفًا باللام** اور یا اسم تفضیل لام کے ساتھ مُعَرَّف ہوگا۔ **فلا یجوزُ** پس یہ کہنا جائز نہیں

ہے۔ زیدُنِ الافضلُ من عمرٍو یعنی دو طریقے اکھٹے استعمال کرنا جائز نہیں۔ دیکھو یہاں "الافضل" اسم تفضیل آیا۔ اس پر الف لام بھی ہے۔ اور آگے مِنْ بھی آرہا ہے۔ وَ لا زیدٌ افضلُ اور "زیدٌ اَفْضَلُ" کہنا بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہاں تینوں طریقوں میں سے ایک طریقہ بھی استعمال نہیں کیا گیا ہے۔ افضلُ اسم تفضیل ہے۔ اس کی اضافت بھی نہیں ہو رہی، نہ ہی آگے مِنْ آرہا ہے۔ اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اسم تفضیل پر الف لام آئے گا اور یہاں اَفْضَلُ معرّف باللام بھی نہیں۔ تو اَفضلُ اسم تفضیل یہاں تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی استعمال نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا بھی جائز نہیں۔

اس پر اشکال ہوا کہ ہم تو کلام میں سُنتے رہتے ہیں، کہتے ہیں "اللّٰہُ اکبر"۔ اب اکبَرُ اسم تفضیل ہے، اور یہ نہ الف لام کے ساتھ استعمال ہے، نہ اضافت کے ساتھ استعمال ہے اور نہ مِنْ کے ساتھ استعمال ہے۔ تو صاحب کافیہؒ آگے اِس اعتراض کا جواب دینے لگے ہیں۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ اِلّا اَنْ یُّعْلَمَ مگر یہ کہ مُفَضَّلٌ علیہ معلوم ہو۔ یعنی اگر مُفَضَّل علیہ معلوم ہو تو اِسکو حذف کرنا بھی جائز ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "زیدٌ اَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو"۔ تو یہاں میں نے زید کی فضیلت بیان کی۔ اور "عمرو" یہاں پر مُفَضَّل علیہ ہے۔ تو اگر مفضّل علیہ پہلے سے معلوم ہو تو اسکو حذف کرنا بھی جائز ہے۔ تو "اللّٰہُ اکبرُ" کے اندر مُفَضَّل علیہ پہلے سے معلوم تھا اس لئے اسکو حذف کیا گیا۔ تو اصل عبارت یوں ہوئی، "اللّٰہُ اکبرُ مِنْ کُلِّ شَيْءٍ"۔ یا اضافت کے ساتھ کر دیں، "اللّٰہُ اکبرُ کُلِّ شَيْءٍ"۔ تو اکبرُ اسم تفضیل اضافت کے ساتھ بھی آیا اور مِنْ کے ساتھ بھی آیا۔ تو جب مُفَضَّل علیہ معلوم ہے تو پھر اسکو حذف کرنا بھی جائز ہے۔

اب جب اسمِ تفضیل اضافت کے ساتھ استعمال ہو اُسکی کچھ تفصیل آپکو بتلانا چاہتے ہیں۔ فاذا اُضِیْفَ پس جب اِضافت کی جائے اسمِ تفضیل کی۔ فله مَعْنَیانِ تو اسکے دو معنیٰ ہیں۔ یعنی اسم تفضیل پھر دو معنیٰ کے لئے ہوگا۔ احدُهما و هو الاکثرُ اُن میں سے ایک معنیٰ اور وہ زیادہ ہے۔ یعنی استعمال میں کثیر ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ اَنْ تُقْصَدَ وہ یہ کہ ارادہ کیا جائے بِهٖ ای بِاِسْمِ التَّفْضِیْلِ: اسمِ تفضیل کے ساتھ۔ الزِّیادَةُ علی مَنْ اُضِیْفَ الیهِ زیادۃ کا اُس ذات پر جس کی طرف اُسکی اضافت کی گئی ہے۔ یعنی مضاف الیہ پر زیادۃ کا ارادہ کیا جائے۔ اسمِ تفضیل جب اضافت کے ساتھ استعمال ہو، مثلاً میں نے کہا، "زیدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ"۔ اب دیکھو! یہ افضلُ اسمِ تفضیل ہے۔ اور یہ اضافت کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے۔ اب جب یہ اضافت کے ساتھ استعمال ہو تو اس میں دو طریقے ہیں۔ یا تو آپ زید کو افضل بتلا رہے ہیں مضافٌ الیہ پر۔ یعنی اُس کی قوم پر۔ یعنی زید اپنے قوم میں سب سے افضل ہے۔ یعنی جب اسم تفضیل کی اضافت کی جائے تو یا تو مضافٌ الیہ پر ہی زیادتی کا ارادہ کیا جائے گا۔

یا کبھی اِضافت ہم صرف وضاحت کے لئے کرتے ہیں۔ اور صرف قوم پر زیادتی بتلانا مقصد نہیں ہوتا بلکہ زیادتی تمام لوگوں پر بتلانا مقصد ہوتا ہے۔ تو جب میں نے کہا، "زیدٌ اَفْضَلُ القومِ" تو اس میں دو معنیٰ کہنا جائز ہیں۔ ایک معنیٰ تو یہ کہ زید فلاں قوم سے افضل ہے۔ اور ایک معنیٰ یہ کہ زید سب لوگوں سے افضل ہے۔ اور یہ جو قوم کی طرف اضافت آپ نے کی صرف بیان یعنی وضاحت کرنے کے لئے کی۔ اور وضاحت کا مطلب یہ ہے کہ زید فلاں قوم میں سے ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسمِ تفضیل کی اضافت کے ساتھ استعمال کے دو طریقے ہیں۔ یعنی یا تو صرف مضافٌ الیہ پر زیادتی بتلانا مقصد ہوگا۔ اور یا تمام افراد پر زیادتی بتلانا مقصد ہوگا۔ تو اس صورت میں مضافٌ الیہ صرف وضاحت کے لئے بیان کیا جاتا ہے۔

وضاحت کا مطلب یہ کہ اسمِ تفضیل کی اضافت تعریف یا تخصیص اخذ کرنے کے لئے کیا جائے۔ جیسا کہ "زیدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ" میں یہ افضلُ نکرۃ ہے اور القوم معرفۃ کی طرف اسکی اضافت کی گئی تو یہ بھی معرفۃ بن گیا۔ اور اگر "زیدٌ افضلُ قَوْمٍ" کہا جائے تو یہاں پر نکرۃ کی طرف اضافت نکرۃ کی طرف کیا گیا ہے تو اس سے تخصیص پیدا ہوجاتا ہے۔

جیسے آپ کہتے ہیں، "نَبِیُّنَا صلی اللہ علیہ وسلم اَفْضَلُ قُرِیْشٍ"۔ اب دیکھو اَفْضَلُ اسم تفضیل ہے اور اضافت کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے لیکن کیا آپ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ص صرف قریش پر افضل ہے یا تمام انسانوں پر افضل ہے۔ تو یقیناً ہم یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ص تمام انسانوں سے افضل ہے۔ اور یہ قریش کی طرف اضافت اس لئے کی گئی کہ آپ ص قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور قریش معرفۃ ہے تو افضلُ کا لفظ بھی معرفۃ بن گیا۔

فَیُشْتَرَطُ جب مضافٌ الیہ پر زیادتی بتلانا مقصد ہو تو پھر اس صورت میں شرط یہ ہے **اَنْ یَّکُوْنَ مِنْھُم** تو یہ شرط لگائی جائے گی کہ یہ بھی اُن میں سے ہو۔ **مثلُ زیدٌ افضلُ الناسِ** زید تمام لوگوں سے افضل ہے۔ تو دیکھا اسم تفضیل کی اضافت کی اور مضافٌ الیہ پر افضلیت بتلانا مقصد تھی۔ اور صاحب کافیہ رح نے شرط یہ لگائی تھی کہ جب مضافٌ الیہ پر زیادتی بتلانا مقصد ہو تو شرط یہ ہے کہ یہ بھی اُنہی میں سے ہو۔ اور زید بھی اُنہی لوگوں میں سے ہے۔ اس لئے تا کہ مشارِکَت آ جائے۔ جب مشارکت آئے گی تو فضیلت بیان ہوگی ورنہ فضیلت بیان کرنے کا کیا معنیٰ۔ مشارکت کا مطلب یہ کہ یہ ایک ہی نوع کے ہیں سارے۔ زید اور یہ سارے ایک ہی نوع کے ہیں۔ لیکن اِس نوع میں سے زید افضل ہے۔ تو اس کے لئے مشارکت چاہیئے۔ یعنی ایک ہی نوع کے ہوں گے تو پھر ہم فضیلت بتلائیں گے۔ اور اگر آپ یوں کہتے ہیں کہ ، "زیدٌ اَفْضَلُ الاَحْجارِ": زید تمام پتھروں سے افضل ہے۔ تو یہ کہنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ زید اُس کے ساتھ کسی مفہوم میں شریک نہیں۔ **فلا یجوزُ** پس جائز نہیں ہے یہ کہنا اس معنیٰ کے ساتھ۔ **یوسفُ احسنُ اِخْوَتِہٖ** یوسف اپنے تمام بھائیوں سے حسین تر ہیں۔ اَحْسَنُ اسم تفضیل اضافت کے ساتھ آیا

کیونکہ اِخوَتِہٖ مضاف ہے۔ اور جب اسم تفضیل اضافت کے ساتھ آئے تو دو معنیٰ کا ارادہ کیا جا سکتا ہے۔ یا تو زیادتی مضافٌ الیہ پر بتلانا مقصد ہوتا ہے۔ یہاں پر اگر آپ نے مضافٌ الیہ پر زیادتی کا ارداہ کیا ہے آپ نے تو یہ کلام صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس کے لئے شرط لگائی گئی تھی کہ جس کو فضیلت دے رہے ہیں وہ بھی مضاف الیہ میں سے ہونا چاہئے۔ اور "یوسف" اِخوتِہٖ میں سے نہیں۔ یعنی یُوسف "اخوتِہٖ" میں سے خارج ہے۔ لِخُرُوْجِہٖ بوجہ اس کے خارج ہو جانے کے عنہُم اُن میں سے۔ اور یہ یوسف کیوں خارج ہوا۔ آگے بتلاے ہیں بِاِضافتِہِم بسبب اُنکی اضافت ہونے کے اِلیہِ اِس کی طرف۔ اِخوَتِہٖ میں ھا ضمیر یوسف کو راجع ہے۔ تو ترجمہ ہوا "یوسف کے بھائ"۔ تو جب "اِخوَۃ" کی اِضافت کی گئی یوسف ہی کی ضمیر کی طرف تو یوسف اس کے خارج ہوئے۔

والثانی اور دوسرا یہ اَنْ تُقْصَدَ زیادۃٌ مُطْلَقَۃٌ اور دوسری قسم یہ ہے کہ مطلق زیادتی کا ارادہ کیا جائے۔ یعنی مضافٌ الیہ پر زیادتی بتلانا مقصد نہیں اور تمام افراد پر زیادتی بتلانا مقصد ہے۔ و یُضافُ للتوضیح اور جو اضافت کی گئی ہے وہ صرف توضیح کے لئے ہے۔ یعنی کہ اسم تفضیل مابعد سے تعریف اخذ کر لے یا تخصیص اخذ کر لے۔ فیجوزُ تو اِس صورت میں جائز ہے یہ کہنا یوسفُ احسنُ اِخْوَتِہٖ اس لئے کہ یہاں اضافت صرف تعریف یا تخصیص کے لئے ہے۔ اور زیادتی اپنے بھائیوں پر بتلانا مقصد نہیں ہے۔ بلکہ زیادتی تمام افراد پر بتلانا مقصد ہے۔

ابھی تک اسمِ تفضیل کے استعمال کے چار طریقوں کا پتہ چل گیا۔ اِنہوں نے بتایا کہ اسم تفضیل یا تو الف لام کے ساتھ استعمال ہوگا، یا مِنْ کے ساتھ اور یا اِضافت کے ساتھ۔ پھر اِضافت کی تقسیم کر دی۔ کہ اِضافت کی صورت میں یا تو مضافٌ الیہ پر زیادتی بیان کرنا مقصود ہوگا یا مطلقًا زیادتی بیان کرنا مقصود ہوگا۔ تو دو صورتیں اِضافت والی، ایک مِنْ والی اور ایک الف لام والی۔ تو یہ کل چار صورتیں ہو گئیں۔ اب اِن چار صورتوں میں کیسے استعمال کریں گے۔

اب پہلی صورت کا بیان کرتے ہیں ویجوزُ فی الاول تو پہلی صورت میں جائز ہے۔ اور پہلی صورت سے مراد یہ ہے کہ جب مضافٌ الیہ پر زیادتی کا ارادہ کیا گیا ہو۔ جیسا کہ "زیدٌ اَفضلُ النّاسِ" میں زید کی فضیلت مضافٌ الیہ یعنی لوگوں پر بیان کیا جاتا ہے۔ اَلْاِفْرَادُ اسم تفضیل کو مفرد لانا بھی جائز ہے وَالْمُطابَقَۃُ اور اسم تفضیل کی مُطَابَقت بھی جائز ہے۔ اور یہ مطابقَت کس کے ساتھ جائز ہے۔ تو صاحب کافیہ فرماتے ہیں "لِمَن ھو لہ" لِمَنْ اُس ذات کے لئے ھو کہ وہ اسم تفضیل جو ہے لَہُ جس کے لئے ہو۔ یعنی اسمِ تفضیل کا موصوف۔ تو اسم تفضیل کو پہلی صورت میں مفرد اور مذکر لانا بھی جائز ہے، اور موصوف کے ساتھ افراد، تثنیہ، جمع، تذکیر اور تانیث میں مطابق لانا بھی جائز ہے۔

بھئی میں نے کہا، "زیدٌ اَفْضَلُ النّاسِ"۔ یہ اَفْضَلُ صفت ہے زید کی۔ یعنی فضیلت والا ذات زید کی ہے۔ تو اِس طریقے کے مطابق اسم تفضیل کو مفرد لانا بھی صحیح ہے اور اپنے موصوف کے مطابق لانا بھی صحیح ہے۔ اور اسی طرح مذکر لانا بھی جائز ہے۔ دیکھو مثالوں سے بات سمجھ میں آئیں گی۔

مثال جب موصوف مفرد مذکر ہو جیسے "زیدٌ اَفْضَلُ الناسِ": زید لوگوں میں سے افضل ہے۔ اب موصوف کو ذرا تثنیہ لائیں، جیسے "الزیدانِ اَفْضَلُ الناسِ": تو دیکھو موصوف تثنیہ لایا گیا لیکن اسم تفضیل کو آپ مفرد اور مذکر لا رہے ہیں۔ اور اسی طرح "الزیدونَ افضلُ الناسِ" کہنا بھی جائز ہے۔ موصوف جمع آیا اور اسم تفضیل مفرد اور مذکر آیا۔ اسی طرح میں کہتا ہوں، "ھندٌ اَفْضَلُ النساءِ"۔ تو یہاں موصوف مؤنث آیا لیکن اسم تفضیل کو مفرد اور مذکر لایا گیا۔ اسی طرح "الھندانِ اَفْضَلُ النساءِ" میں موصوف تثنیہ مؤنث آیا لیکن اسم تفضیل پھر بھی مفرد اور مذکر لایا گیا۔ تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اسی طرح " الھنداتُ اَفْضَلُ النساءِ" کہنا بھی جائز ہے۔ تو دیکھا اسم تفضیل کو مفرد اور مذکر رکھنا جائز ہے۔

تو یہ سب مثالیں پہلے طریقہ والے ہیں۔ یعنی اسم تفضیل اضافت کے ساتھ آیا ہے اور مضافٌ الیہ پر زیادتی بتلانا مقصود ہے۔ تو اس صورت میں اسم تفضیل کو مفرد مذکر لانا جائز ہے چاہے اسکا موصوف مفرد ہو، تثنیہ ہو، جمع ہو ، چاہے مذکر ہو چاہے مؤنث ہو۔

نیز پہلے طریقے میں اسم تفضیل کی اپنے موصوف کے ساتھ مطابقت بھی جائز ہے۔ یعنی موصوف اگر مفرد ہے تو اسم تفضیل بھی مفرد، موصوف اگر تثنیہ یا جمع ہو تو اسم تفضیل بھی تثنیہ یا جمع لائیں گے۔ اسی طرح موصوف اگر مذکر ہوا تو اسم تفضیل بھی مذکر لائیں گے اور اگر موصوف مؤنث ہوا تو اسمِ تفضیل بھی مؤنث لائیں گے۔ اس صورت میں مثالیں یوں ہوں گی۔ زیدٌ افضلُ الناسِ، الزیدانِ اَفْضَلانِ الناسِ، پھر نون اضافت سے گر گیا تو "الزیدانِ اَفْضَلَا النّاسِ" رہ گیا۔ پھر الف بھی اجتماع ساکنین کی وجہ سے گر گیا تو "الزیدانِ اَفْضَلَ الناسِ" کہیں گے۔ اور جمع کی صورت میں "الزیدونَ اَفْضَلُ الناسِ"۔ اصل میں "الزیدُونَ اَفْضَلُوْنَ النَّاسِ" تھا، پھر نون اضافت سے گر گیا اور واو اجتماع ساکنین سے گر گیا اور "الزیدونَ اَفْضَلُ النَّاسِ" رہ گیا۔ اسی طرح مؤنث موصوف کی صورت میں مؤنث اسم تفضیل لانا بھی جائز۔ مفرد مؤنث کی صورت میں، "ھندٌ فُضْلَی النِّساءِ"۔ جس طرح اَضْرَبُ کی مؤنث ضُرْبیٰ تھی تو اَفْضَلُ کی مؤنث فُضْلیٰ آئیں گی۔ تثنیہ کی صورت میں "الھندانِ فُضْلَیَ النِّساءِ"۔ اصل میں "الھندانِ فُضْلَیَانِ النِّساءِ" تھا۔ پھر نون اضافت کی وجہ سے گر گیا اور الف اجتماع ساکنین کی وجہ سے گر گیا تو "اَلْھِنْدانِ فُضْلَیَ النِّساءِ" رہ گیا۔ اور جمع مؤنث کی صورت میں "الْھِنْدَاتُ فُضْلَیَاتُ النِّساءِ" کہنا بھی جائز ہے۔

وَ اَمّا الثانی اور دوسرا طریقہ۔ دوسرا طریقہ وہ تھا جس میں اضافت کے ساتھ مطلقًا زیادتی بتلانا مقصود ہو اور صرف مضاف الیہ پر زیادتی بتلانا مقصود نہ ہو۔ **والمعرفُ باللام** اور اسی طرح وہ اسم

تفضیل جو معرف باللام کے ساتھ استعمال ہوا ہو **فلا بُدَّ مِنَ الْمُطابَقَةِ** تو اُس کے اندر مُطابَقت کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی اسم تفضیل کا اپنے موصوف کے ساتھ مطابق ہونا ضروری ہے۔

تو اس صورت میں آپ کہتے ہیں، زیدُنِ الاَفضَلُ، اور الزیدانِ الافْضلانِ یا الزیدونَ الاَفْضَلُوْنَ کہیں گے۔ اسی طرح مؤنث کی صورت میں: هندُنِ الْفُضْلٰی، اور اَلْهِنْدَانِ الْفُضْلَيَانِ یا اَلْهِنْدَاتُ الْفُضْلَيَاتُ کہیں گے۔

والذی بِمِنْ مفردٌ مُذَکَّرٌ لا غیرُ اور وہ اسم تفضیل جو مِن کے ساتھ استعمال آئے وہ مفرد ہوگا ہمیشہ مذکر ہوگا اور اس کے علاوہ نہیں ہوگا۔ یعنی جب اسم تفضیل مِن کے ساتھ استعمال ہو تو اس صورت میں اسم تفضیل ہمیشہ صرف مفرد مذکر آئے گا۔ چاہیے موصوف تثنیہ ہو، جمع ہو، مذکر ہو یا مؤنث ہو، جو بھی ہو لیکن جب اسم تفضیل مِنْ کے ساتھ آئے تو پھر اسم تفضیل ہمیشہ مفرد مذکر آئے گا۔ مثلاً، میں کہتا ہوں، "زیدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو"۔ تو یہ اسم تفضیل مِنْ کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے تو یہ ہمیشہ مفرد مذکر رہے گا۔ تثنیہ مذکر کی صورت میں، "الزیدانِ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو"۔ جمع مذکر کی صورت میں "الزیدونَ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو"۔ مفرد مؤنث کی صورت میں، "هندٌ اَفْضَلُ مِنْ زینبَ"، تثنیہ مؤنث کی صورت میں، "الهندانِ اَفْضَلُ مِنْ زینبَ" اور جمع مؤنث کی صورت میں "الهنداتُ اَفْضَلُ مِنْ زینبَ"۔ اور تمام طریقوں میں اصل یہ ہے کہ اسمِ تفضیل کو مِنْ کے استعمال کیا جائے۔ تو اس کو کہتے ہیں "مِنِ تَفْضِيلِية"۔ اور یہ ایک کی دوسرے پر زیادتی بتلانے کے لئے آتا ہے۔ تو ماقبل میں مُفَضَّلْ کا ذکر ہوگا اور مِنْ کے مابعد میں مُفَضَّل علیہ کا ذکر ہوگا۔ تو اسم تفضیل جب بھی مِنْ کے ساتھ استعمال ہو تو اسم تفضیل کو مفرد مذکر رکھیں گے۔ اس لئے کہ اِس مِنْ کے ساتھ اسم تفضیل کا اِتِّصَال بڑا شدید ہے۔ گویا کہ جُزِ کلمہ کی طرح ہے۔ اور علامتِ تثنیہ اور جمع کلمہ کے آخر میں آیا کرتی ہے درمیان میں نہیں آیا کرتی۔ اور وہ جو اَفْضَلُ کا آخر تھا وہ تو درمیان میں آگیا۔ اب مِنْ گویا جُز کلمہ کی طرح ہوا۔ تو مِنْ کے بعد علامت تثنیہ یا علامت جمع لانا پڑے گی۔ اور مِنْ کے بعد تو علامت تثنیہ اور جمع لانے کی صورت نہیں۔ اور پہلے لا نہیں سکتے۔ کیونکہ پہلے والا اَفْضَلُ کا جو لام ہے وہ تو وسطِ کلمہ میں آگیا۔ اور وسطِ کلمہ میں تثنیہ اور جمع وغیرہ کی علامت نہیں لگاتے۔ اسی وجہ سے جو اسم تفضیل مِنْ کے ساتھ استعمال ہو وہ ہمیشہ مفرد مذکر رہے گا۔ اور مطابقت وغیرہ اس میں نہیں آئے گی۔

پیر 2 رمضانُ المبارک 1446 هجری 3 مارچ 2025 ء

درس 97۔ یہ مسئلہ جو آج ہم پڑھیں گے، یہ مسئلہ کُحَل کہلاتا ہے۔ کیونکہ اس میں آگے مثال آ رہی ہے جس میں کُحَل کا تذکرہ ہے۔ یہ کافیہ کی مشکل ترین مباحث میں سے ایک بحث ہے۔ یہ وہ مسئلہ ہے جو کافیہ کی عظیم الشان شرح "شرحِ جامی" کی تصنیف کا سبب بنا۔ شرح جامی مولانا عبدُ الرحمان کی شرح ہے۔ یہ بہت بڑے صوفی اور ولی اللہ گزرے ہیں ماؤراۓ النہر میں۔ اِن کے بیٹے پڑھنے کے لئے ہندوستان آئے تھے۔ اُس زمانے کے اندر ہندوستان میں ایک بڑے مشہور نحوی تھے جن کی شہرت چہار

دانگِ عالم میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور "شارحِ ہندی" کے نام سے مشہور تھے۔ کہتے ہیں کہ مولانا عبدالرحمان جامی کے بیٹے اُن کے پاس پڑھنے کے لئے آئے تھے۔ وہ کافیہ پڑھاتے ہوئے جب اِس مُقام پر پہنچے۔ شارحِ ہندی نے تقریر کی، مسئلہ سمجھایا، لیکن مسئلہ چونکہ بڑا مشکل تھا تو جامی صاحبؒ کے بیٹے کو سمجھ نہیں آیا۔ بعد میں وہ پھر اُستاد صاحب کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ حضرت یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا۔ تو شارحِ ہندی فرمانے لگے، "جاؤ بھئ جاؤ، یہ مسئلہ صوفیوں کو کہا سمجھ میں آئے گا، کیونکہ یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے"۔

یہ بات مولانا عبدالرحمان جامیؒ تک بھی پہنچ گئی۔ بھئی وہ بہت بڑے ولی اللہ تھے لیکن عالم بھی بڑے اونچے درجے کے تھے۔ لیکن وہ الگ بات تھی کہ انہوں نے زیادہ تر توجہ لوگوں کی اصلاح کی طرف رکھی تھی۔ لہٰذا اُنہوں نے پھر کافیہ کی شرح لکھی۔ اور وہ عظیم الشان شرح لکھی جس کی مثال نہیں ملتی۔ سینکڑوں سال گزر گئے، آج تک علماء اِسکو پڑھ رہے ہیں پڑھا رہے ہیں۔ تو یہ وہ مسئلہ کحل ہے کہ شرح جامی کی تصنیف کی سبب بنی۔

مسئلہ کُحَل کو سمجھنے سے پہلے بطورِ تمہید کے ایک بات سمجھ لیں۔ ایک ہے صفت بِحالِہٖ اور ایک ہے صفت بِحالِ متعلِّقِہٖ۔ صفت بحالِہٖ وہ ہے جو اپنے موصوف کے اندر پائی جائے۔ اور صفت بحالِ متعلِّقِہٖ وہ ہے جو اپنے موصوف کے اندر نہیں پائی جاتی بلکہ موصوف کے متعلق میں پائی جاتی ہے۔ بھئی صفت سے مراد صفتِ اصطلاحی نہیں جو آپ نے کافیہ کے اندر تعریف پڑھی۔ " کہ وہ ایسا تابع ہے کہ وہ ایسے معنیٰ پر دلالت کرے جو متبوع میں پایا جاتا ہے، اعراب میں اُس کے تابع ہوتا ہے"۔ یہ وہ صفت مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ خبر کی صورت میں بھی آسکتی ہے، صفت کی صورت میں بھی آسکتی ہے اور حال کی صورت میں بھی آسکتی ہے۔ دیکھو! مثالوں سے بات سمجھ میں آئے گی۔

میں کہتا ہوں، "زیدٌ عالمٌ"۔ زیدٌ مبتدا، عالمٌ اُس کی خبر ہے۔ عالمٌ صیغہ اسم فاعل ہے۔ اور اسم فاعل کے لئے فاعل چاہئے۔ تو اس کے اندر ھو ضمیر فاعل ہے جو کہ مبتدا کو لوٹ رہی ہے۔ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر۔ مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو "عالمٌ" خبر ہے زید کی اور یہ علم زید کے اندر ہی پایا جاتا ہے۔ تو دیکھو یہ "عالم ہونا" ایک ایسی صفت ہے جو اپنے موصوف کی اندر پائی جاتی ہے۔ یعنی جس کے لئے یہ خبر بن رہی ہے اُسی کے اندر یہ صفت بھی پائی جاتی ہے۔ تو یہ صفت بحالِہٖ کہلاتا ہے۔

اسی میں، اب میں کہتا ہوں، "زیدٌ عالمٌ ابوہٗ": ترکیب۔ زیدٌ مبتدا، عالمٌ صیغہ اسم فاعل، (عالمٌ کے لئے فاعل چاہئے تھا۔ آگے ابوہٗ مضاف مضافٌ الیہ ملکر عالمٌ کے لئے فاعل بن رہا ہے۔ تو اب عالمٌ کے اندر ضمیر نہیں۔) ابو مضاف، ھا ضمیر مضافٌ الیہ جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدا کو، مضاف اپنے مضافٌ الیہ سے ملکر عالمٌ کے لئے فاعل۔ صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی زید کے لئے، مبتدا اپنی خبر سے

ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ: زید کہ عالم ہے اُس کا باپ۔ اب دیکھئے! یہ "عالم ہونے" کا وصف زید میں نہیں پایا جاتا بلکہ زید کے باپ میں پایا جاتا ہے۔ تو دیکھو! لفظوں کے اعتبار سے عالمٌ خبر ہے زید کی، لیکن معنیٰ کے اعتبار سے یہ صفت ہے ابوہُ کی۔ تو یہ صفت تو زید میں پانا چاہئے تھا لیکن زید میں نہیں پائی گئی بلکہ زید کے متعلق "ابوہ" میں پائی گئی۔ تو اسکو صفت بحال متعلِّقِہٖ کہتے ہے۔

تو دیکھو! یہاں پر یہ صفت ہے لیکن خبر کے انداز میں آئی ہے۔ حالانکہ یہ صفت تابع تو نہیں یہاں پر۔ کیونکہ ہم نے موصوف صفت والا ترکیب نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا جو "صفت بحالِہٖ اور صفت بحالِ متعلِّقِہٖ" میں آپ کو کہہ رہا ہوں، اُس سے وہ اصطلاحی صفت مراد نہیں ہے، بلکہ اِس سے مراد وہ معنیٰ ہے جو غیر میں پایا جائے۔ جیسا کہ "عالم ہونا" یہ الگ خارج میں نہیں پایا جاتا۔ یہ جب بھی پایا جاتا ہے تو کوئی غیر اِس سے متَّصِف ہوگا۔ تو یہ وہ صورت تھی جب صفت "خبر" کی صورت میں آئی۔

کبھی یہی صفت حال کی صورت میں آئے گی۔ میں کہتا ہوں، "جاءَنِی زیدٌ راکبًا"۔ ترکیب: جاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر مفعول بہٖ، (زیدٌ نے فاعل بننا ہے جاءَ کے لئے۔ لیکن ابھی اسکو فاعل نہ بناؤ کیونکہ آگے حال آ رہا ہے۔ تو اسکو ذوالحال بناؤ) زیدٌ ذوالحال، راکِبًا صیغہ اسم فاعل، ھو ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے ذوالحال کو، صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر یہ فاعل ہوا جاءَ کے لئے۔ تو جاءَ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو دیکھئے یہ "راکِبًا" زید سے حال واقع ہوا۔ اور یہ "رُکوب یعنی سوار ہونے والا وصف" بھی زید ہی کے اندر پایا جاتا ہے۔ یعنی جس سے یہ حال بنا تو یہ صفت بھی اُس میں پایا گیا۔ تو یہ صفت بحالِہٖ ہے۔ ترجمہ: آیا زید میرے پاس اس حال میں کہ وہ سوار تھا۔

اور اس کے بجائے اگر میں یوں کہوں، "جاءَنِی زیدٌ راکبًا ابوہُ" ترکیب: جاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر مفعول بہٖ، زیدٌ ذوالحال، راکبًا صیغہ اسم فاعل، ابُو مضاف، ھا ضمیر مضافٌ الیہ جو کہ لوٹ رہی ہے زیدٌ ذوالحال کو، مضاف اپنے مضافٌ الیہ سے ملکر فاعل، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال۔ ذوالحال اپنے حال سے ملکر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

ترجمہ: آیا میرے پاس زید اس حال میں کہ سوار تھا اُس کا باپ ۔ اب دیکھئے! یہ "راکبًا" حال ہے زید سے لیکن "رُکوب" والا وصَف زید میں نہیں پایا جاتا بلکہ اُس کے متعلق "ابوہُ" میں پایا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا یہ راکبًا لفظوں کے اعتبار سے حال ہے زید کا، تو یہ صفت بھی زید کی ہونی چاہئے تھی۔ لیکن یہ صفت زید کی نہیں بلکہ اُس کے متعلق "ابوہُ" کی ہے۔ تو یہ صفَت بحالِ متعلِّقِہٖ کہلائے گی۔

یا کبھی موصوف صفت کی صورت میں بھی آئے گا۔ جیسا کہ "جاءَنِی رجلٌ عالمٌ"۔ ترکیب۔ جاءَ فعل نون وقایہ یا ضمیر مفعول بہٖ، رجلٌ موصوف، عالمٌ صیغہ اسم فاعل، اسکے اندر ھو ضمیر فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے موصوف رجلٌ کو، صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف اپنے

صفت سے ملکر فاعل جاءَ کے لئے، جاءَ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ: آیا میرے پاس ایسا آدمی جو عالم ہے۔ تو دیکھئے یہ "عالم ہونے والا وصف" اُسی آدمی میں پایا جاتا ہے جسکی یہ صفت ہے۔ تو یہ صفت بحالِہٖ ہے۔

اور اگر اس کے بجائے میں یوں کہوں، " جاءَنِی رجلٌ عالمٌ ابوہُ"۔ ترکیب۔ جاءَ فعل، نون وقایہ، یا ضمیر مفعول بہٖ، رجلٌ موصوف، عالمٌ صیغہ اسم فاعل، ابو مضاف، ھا ضمیر مضافٌ الیہ جو کہ لوٹ رہی ہے موصوف رجلٌ کو، مضاف اپنے مضافٌ الیہ سے ملکر شبہ جملہ ہو کر صفت، موصوف اپنے صفت نے ملکر فاعل، فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ ترجمہ: آیا میرے پاس ایسا آدمی کہ عالم ہے اُس کا باپ۔ تو اب دیکھئے یہ عالم ہونے والا وصف اُس موصوف میں نہیں پایا جاتا بلکہ اُسکے متعلق میں پایا جاتا ہے۔ تو یہ صفت بحالِ متعلِّقِہٖ ہوئی۔

اسم تفضیل اسمِ ظاہر میں عمل نہیں کریگا۔ بھئی یاد رکھو! یہ جو صفت کے صیغیں ہیں۔ یہ عمل کرتے ہیں۔ یہ فاعل کو رفع دیتے ہیں، مفعول کو نصب دیتے ہیں۔ اور یہ اِس لئے عمل کرتے ہیں کہ اِن کی مشابہت فعل کے ساتھ ہوتی ہے۔ یا اُس کی مشابہت اُس کے ساتھ ہوتی ہے جس کی آگے فعل سے مشابہت ہے۔ یعنی یا تو براہ راست فعل کے ساتھ مشابہت ہوگی یا اُس سے مشابہت ہوگی جس کی خود فعل کے ساتھ مشابہت ہے۔ مثلاً دیکھو! اسمِ فاعل اس لئے عمل کرتا ہے کیونکہ اس کی مشابہت ہے فعل مضارع کے ساتھ حرکات و سکنات میں۔ مثلاً یَضرِبُ اور ضَارِبٌ میں حرکات اور سکنات میں مشابہت ہے۔اسکا یہ مطلب نہیں کہ بلکل ایک جیسی حرکات ہو بلکہ یہ مطلب ہے کہ حرکت کے مقابلے میں حرکت ہے اور سکون کے مقابلے میں سکون ہے۔ یَضرِبُ میں پہلی حرف پر حرکت ہے تو ضَارِبٌ میں بھی پہلی حرف پر حرکت ہے۔ یَضرِبُ میں دوسری حرف پر سکون ہے تو ضَارِبٌ میں بھی دوسری حرف پر سکون ہے۔ یَضرِبُ میں بھی تیسرے حرف پر حرکت ہے اور ضَارِبٌ میں بھی تیسرے حرف پر حرکت ہے۔ اسی طرح مُستَخرِجٌ بنا ہے یَستَخرِجُ سے۔ اور دونوں میں حرکات اور سکنات ایک جیسی ہے۔ دونوں کی پہلی حرف متحرک ہے، جبکہ دوسرے حرف ساکن، تیسرا متحرک تو چوتھا ساکن، پانچواں متحرک ہے۔ تو دیکھا اسمِ فاعل کی مشابہت ہے فعل مضارع کے ساتھ اس لئے وہ عمل کرتا ہے۔

اسی طرح اسمِ مَفعُولٌ کی بھی فعلِ مضارع کے ساتھ مشابہت ہے، اس لئے وہ بھی عمل کرتا ہے۔ اسمِ مفعول فعل مجہول سے بنا ہے۔ تو یُضرَبُ سے مُضرَبٌ آنا چاہئے تھا۔ لیکن مُضرَبٌ میں التباس لازم آتا تھا مُکرَمٌ کے ساتھ۔ مُضرَبٌ کا وزن مُفعَل بنتا اور بابِ اِفعَال سے اسم مفعول آتا ہے اُس کا وزن بھی مُفعَل ہے۔ تو دونوں کا وزن ایک۔ تو پھر پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ بابِ اِفعال سے ہے یا مجرَّد سے ہے۔ تو اس لئے مجرّد میں لام سے پہلے واؤ بڑھا دیا تو مُفعُوْل بن گیا۔ پھر میم کو فتحہ دے دی تو مَفعُوْل بن گیا۔ یہ میم کو فتحہ اس لئے دیا تا کہ کلمہ کے اندر ثِقل کم ہو جائے۔ اس لئے کہ میم پر بھی ضمۃ، اسکے بعد فا ساکن، آگے

عین پر بھی ضمة اور اسکے آگے واؤ تو ضمّوں کے برابر ہیں۔ تو ایک ہی کلمه کے اندر چار ضمة آجاتے اور اس سے کلمه بڑا ہی ثقیل بن جاتا۔ اس لئے میم کو فتحه دے دیا۔ تو مفعول وزن کے اندر یه واؤ جو بڑھایا ہے یه صرف التباس سے بچنے کے لئے بڑھایا ہے۔ ورنه اسمِ مفعول کی مشابہت فعل مضارع مجہول کے ساتھ ہے۔ اس لئے اسمِ مفعول بھی عمل کرتا ہے۔ نائب فاعل کو رفع دیگا اور اگر مفعول آگے آجائے تو اُس کو نصب بھی دے دیگا۔

تو صفت کے صیغ کبھی اس لئے عمل کرتے ہیں که اُس کی مشابہت فعل کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور کبھی اس لئے عمل کرتے ہیں که اُن کی مشابہت فعل کے ساتھ تو نہیں ہوتی لیکن اُس لفظ کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جس کی اپنی مشابہت فعل کے ساتھ ہوتی ہے۔ جیسے صفتِ مشبه ہے۔ یه بھی صفت کا صیغه ہے۔ یه بھی عمل کرتا ہے اور اپنے فاعل کو رفع دیگا۔ لیکن اِس کی مشابہت فعل کے ساتھ تو نہیں بلکه اِس کی مشابہت اسمِ فاعل کے ساتھ ہے۔ اور پھر آگے اسم فاعل کی مشابہت فعل مضارع معلوم کے ساتھ ہے۔ تو صفتِ مشبه کی مشابہت ہوئی اُس چیز کے ساتھ جو خود فعل کے ساتھ مشابه ہے۔

س۔ صفت مشبه کی مشابہت اسم فاعل کے ساتھ کیسے ہے؟ جواب۔ جس طرح اسم فاعل، مفرد، تثنیه، جمع، مذکر اور مؤنث لایا جاتا ہے اسی طرح صفت مشبه بھی مفرد، تثنیه، جمع، مذکر اور مؤنث آتی ہے۔ اس لئے صفت مشبه بھی اسم فاعل کی طرح عمل کریگی۔ اسی لئے اس کو صفت مشبه کہتے ہیں که یه اسمِ فاعل کے مشابه ہے۔

اور یه جو اسمِ تفضیل ہے یه عمل نہیں کریگا۔ اس لئے که اس کی مشابہت فعل کے ساتھ بھی نہیں ہے۔ اور اِس کی مشابہت مشابه بالفعل کے ساتھ بھی نہیں ہے۔ یعنی اسمِ فاعل کے ساتھ بھی اسکی مشابہت نہیں ہے۔ فعل کے ساتھ اسکی مشابہت اس لئے نہیں که فعل تو صرف ایک صفت پر دلالت کرتا ہے بغیر زیادتی کے معنیٰ کے۔ یعنی فعل میں زیادتی کا معنیٰ نہیں پایا جاتا۔ جیسا که "ضَربَ زیدٌ" کا معنیٰ ہم کرتے ہیں، "زید نے پٹھائی کی۔" اور اس میں یه معنیٰ نہیں که زید نے زیادہ پٹھائی کی۔ تو فعل کے اندر زیادتی والا معنیٰ نہیں۔ جبکه اسم تفضیل تو زیادتی کے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا که "زیدٌ اَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو" : زید عمرو سے زیادہ پٹھائی کرنے والا ہے۔ تو اسم تفضیل کا فعل کے ساتھ مخالفت ہوئی۔

اسی طرح اسم تفضیل اسم فاعل کے بھی مخالف ہوا۔ اس لئے که اسم فاعل تو مفرد بھی آتا ہے، تثنیه بھی آتا ہے، جمع بھی آتا ہے، مذکر کے لئے مذکر آتا ہے اور مؤنث کے لئے مؤنث آتا ہے۔ جبکه اسمِ تفضیل کے اندر استعمال کا جو اصل طریقه ہے وہ "مِنْ" کے ساتھ ہے۔ اور جب اسمِ تفضیل "مِنْ" کے ساتھ استعمال ہو تو یه ہمیشه مفرد مذکر رہتا ہے۔ تو نه اِسکی مؤنث آتی ہے اور نه ہی تثنیه اور جمع۔ تو اسمِ تفضیل مخالف ہوا اسمِ فاعل کے بھی۔

اِن دو وجهوں سے اب اسمِ تفضیل اسمِ ظاہر میں عمل نہیں کریگا۔ یعنی مفعول کو تو کبھی بھی نصب نہیں دے گا۔ مفعول چاہے اسم ظاہر کی صورت میں ہو چاہے ضمیر کی صورت میں ہو، لیکن اسم تفضیل اس میں کبھی بھی عمل نہیں کریگا۔ ہاں البته بواسطه حرف جرّ کے عمل کریگا۔ اور فاعل کے اندر یه عمل کرے اور اُس پر رفع ظاہر ہو تو اُس کے لئے بھی تین شرائط ہیں۔ پھر عمل کریگا ورنه فاعل کو یه کبھی رفع نہیں دیگا۔

اسمِ تفضیل صفت کا صیغه ہے۔ اور صفت کے صیغے کے لئے فاعل یا نائب فاعل چاہئے۔ اور یه فاعل کے لئے آتا ہے مفعول سے نہیں آتا۔ مفعول کے لئے چند ایک آئے ہیں۔ جو گذشته درس میں گزرا ہے۔ تو اسم تفضیل کے لئے فاعل چاہئے ہوتا ہے اور وہ فاعل ہمیشه اِس کے اندر ضمیر ہوا کرتی ہے۔ جیسا که "زَیدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو"۔ اَفْضَلُ کے اندر ھو ضمیر ہے جسکو یه افضلُ رفع دے رہا ہے اور ھو ضمیر افضل کے لئے فاعل ہے۔ تو رفع کا یه عمل ضمیر میں تو کر رہا ہے۔ ضمیر کو فاعل بنائیں گا، لیکن اس کے عمل کا کئی اثر ظاہر نہیں ہوا کیونکه وہ ضمیر اسکے اندر چھپی ہوئی ہے۔ تو اس سے اسم تفضیل کو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ تو ضمیر کے اندر عمل کرنا گویا "لا عمل" کے درجے میں ہے۔ افضَلُ کے اندر ضمیر ہے اور اُس ضمیر کو افضلُ رفع دے رہا ہے۔ اور رفع کا کوئی اثر نظر نہیں آرہا۔ تو یه بڑا ہی معمولی عمل ہے یعنی لاعمل کی طرح ہی ہے۔

اگر ضمیر آگے ظاہر آجائے اور یه اُس کو رفع دیں۔ تو اُس کو بھی رفع دے سکتا ہے بغیر شرط کے۔ اِس لئے که ضمیر مبنی ہوتا ہے اور مبنی کے اندر اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ تو ضمیر میں اسم تفضیل عمل کریگا چاہے ضمیر مُسْتَتِرْ ہو چاہے بارِزْ ہو۔ اِس لئے که ضمیر کے اندر اس کے عمل کا اثر ہی ظاہر نہیں ہوتا۔

ہاں اسم ظاہر کے اندر رفع دینے کے لئے تین شرائط کا ہونا ضروری ہے۔ اگر تین شرائط پائی گئی تو پھر اسم تفضیل اپنے فاعل اسم ظاہر کو رفع دے گا۔ وہ تین شرائط یه ہیں۔

شرطِ اَوّل: که وہ اسمِ تفضیل صفت بحالِ متعلِّقِهٖ ہو۔ یعنی لفظوں میں تو صفت ہو ایک چیز کی اور معنیٰ کے اعتبار سے صفت ہو اُس کے متعلّق کی۔ اور صفت سے مراد صفتِ نحوی نہیں بلکه صفتِ لُغَوی مراد ہے۔ اور وہ یه ہے که جو غیر میں پائی جائے۔ اور یه تین صورتوں میں آسکتی ہیں۔ یعنی خبر کی صورت میں، حال کی صورت میں اور موصوف صفت کی صورت میں بھی واقع ہو سکتی ہے۔

شرطِ ثانی: وہ متعلّق مُفَضَّل ہو ایک اعتبار سے اور مُفَضَّل علیه ہو دوسرے اعتبار سے۔ مُفَضَّل: جس کو فضیلت دی گئی۔ مُفَضَّل علیه: جس پر فضیلت دی گئی۔ مثلاً، "زَیدٌ اَضْرَبُ مِنْ عَمْرٍو"۔ تو اس میں زید مُفَضَّل ہے اور عمرو مُفَضَّل علیه ہے۔ یعنی مِنْ سے پہلے مُفَضَّل ہوتا ہے اور مِنْ کے بعد مُفَضَّل علیه ہوتا ہے۔

شرطِ ثالث: وہ اسمِ تفضیل تحتَ النَّفِی واقع ہو۔ یعنی اُس پر حرفِ نفی داخل ہو۔

دیکھئے صاحب کافیہؒ نے یہ مثال ذکر فرمایا ہے۔ ما رأیتُ رجلاً احسنَ فی عینِهِ الکُحْلُ منهُ فی عینِ زیدٍ: ما رأیتُ رجلاً احسنَ: میں نے نہیں دیکھا کوئی ایسا شخص کہ زیادہ حسین ہو، فی عینِهِ الکُحْلُ: اُس کی آنکھ میں سُرمہ، مِنْهُ: اُس سرمے سے۔ ھا ضمیر سرمے کو راجع ہے، فی عینِ زیدٍ: اِس حال میں کہ وہ زید کی آنکھ میں ہو۔

ترکیب۔ ما حرفِ نفی، رَأَیْتُ: فعل با فاعل، رَجُلاً منصوب لفظًا موصوف۔ آگے اَحْسَنَ اسم تفضیل اسکی صفت بنے گی۔ اَحْسَنَ اسم تفضیل۔ اسم تفضیل صفت کا صیغہ ہے اور صفت کے صیغے کے لئے فاعل چاہئے۔ اور فاعل اس کے اندر ضمیر ہوا کرتی ہے۔ لیکن فاعل اس کے لئے آگے اَلْکُحْلُ آرہا ہے۔ اس لئے اس کے اندر ضمیر ہم نہیں نکالیں گے۔ تو اَحْسَنَ صیغہ اسم تفضیل، فِی جارّہ، عینِ مجرور مضاف، ھا ضمیر مضافٌ الیہ جو کہ راجع ہے رجل کو۔ تو مضاف الیہ ملکر مجرور فِی کے لئے، جار مجرور ملکر متعلِّق ہوئے اَحْسَن سے، اَلْکُحْلُ: یہ اَحْسَنَ کے لئے فاعل، مِنْهُ میں مِنْ جارّہ، ھا ضمیر مجرور جو کہ راجع ہے اَلْکُحْل کو، یہ آگے فی عینِ زیدٍ یہ منهُ کی ھا ضمیر سے حال ہے۔ نوٹ: معرفہ کے بعد جب جار مجرور آجائے تو عمومًا یہ اُس کے لئے حال بنتا ہے۔ اور نکرۃ کے بعد جب جار مجرور آجائے تو عمومًا یہ موصوف صفت بنتے ہیں۔ تو منهُ کے اندر ھا ضمیر ہے۔ اور ضمیر معرفہ ہوتی ہے۔ اور اسکے بعد "فی عینِ زیدٍ" جار مجرور آئے، تو یہ اُس ھا ضمیر کے لئے حال بنیں گے۔ لہٰذا مِنْهُ میں مِنْ جارّہ، ھا ضمیر ذوالحال، فی جارّہ، عینِ مضاف، زیدٍ مضافٌ الیہ، مضاف مضافٌ الیہ ملکر یہ مجرور، جار مجرور ملکر یہ متعلِّق ہوں گے ثابتًا سے۔ ثابتًا اس لئے منصوب نکالا کیونکہ اِس نے حال بننا ہے اور حال منصوب ہوا کرتا ہے۔ ثابتًا صیغہ اسمِ فاعل، ھو ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل جو کہ راجع ہے ذوالحال کو۔ تو ثابتًا صیغہ اسمِ فاعل اپنے فاعل اور متعلِّق "فی عینِ زیدٍ" سے ملکر شبہ جملہ ہو کر حال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر مِنْ کے لئے مجرور، جار مجرور ملکر یہ پھر متعلق ہوئے اَحْسَنَ کے ساتھ۔ یہ اسم تفضیل "مِنْ" کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے۔ اور یہ مِنْ تفضیلیہ ہے۔

تو دیکھو "فی عینِهِ" بھی اَحْسَنَ سے متعلِّق ہوا، اور "مِنْهُ فی عینِ زیدٍ" بھی احسنَ سے متعلق ہوا۔ اور اَلْکُحْلُ فاعل بنا اَحْسَنَ کے لئے۔ تو اَحْسَنَ اسمِ تفضیل اپنے فاعل اور دونوں متعلقین سے مل کر صفت ہوئی رَجُلاً کے لئے، تو رجلاً موصوف منصوب ہے تو اَحْسَنَ صفت بھی منصوب آئی اس لئے کہ موصوف صفت کا اعراب ایک ہوتا ہے۔ البتہ "اَحْسَنَ" غیر منصرف ہے تو تنوین نہیں آئی۔ کیونکہ اَحْسَنَ کے اندر دو سبب موجود ہے غیر انصراف کے۔ ایک وزنِ فعل ہے یعنی اَحْسَنَ بروزن اَکْرَمَ اور دوسرا صفت ہے۔ رَجُلاً موصوف اپنی صفت سے ملکر یہ مفعول بہٖ ہوا "ما رَأَیتُ" فعل کے لئے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔

اب دیکھئے اور وہ تین شرائط منطبق کیجئے۔ ذرا ترجمہ پہلے سمجھ لیں پھر اس پر ہم شرائط لگائیں گے۔ " میں نے نہیں دیکھا! کوئی ایسا آدمی، کہ حسین ہو اُس کی آنکھ میں سرمہ، اُسی سُرمے سے جبکہ وہ زید

کی آنکھ میں ہو"۔ یعنی یہی سُرمہ جب زید کی آنکھ میں ہو تو حسین معلوم ہوتا ہے۔ اِسی طرح کسی شخص کی آنکھ میں ہو تو بھی حسین معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جتنا حسین زید کی آنکھ میں معلوم ہوتا ہے، اِتنا حسین کسی دوسرے کے آنکھ میں معلوم نہیں ہوتا۔ تو میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا کہ زیادہ حسین ہو اُس کی آنکھ میں سرمہ اُسی سُرمے سے اِس حال میں کہ وہ زید کی آنکھ میں ہو۔ تو جب میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا! جس کی آنکھ میں سرمہ زید کی آنکھ سے زیادہ حسین معلوم ہوتا ہو۔

جب زیادہ حسین معلوم نہیں ہوتا تو پھر دو صورتیں رہ گئیں۔ یا تو اُس کے برابر معلوم ہوتا ہے حُسن میں۔ اور یا تو اُس سے کم معلوم ہوتا ہو حسن میں۔ تو کہتے ہیں کہ برابری کا بھی یہاں احتمال نہیں ہے۔ یہ معنیٰ نہیں ہے کہ میں نے کسی کی آنکھ میں زید کی آنکھ سے زیادہ حسین سُرمہ نہیں دیکھا یعنی جس کا بھی دیکھا ہے زید کے برابر ہوتا ہے۔ بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ زید سے کم ہوتا ہے۔ تو برابری کا یہاں احتمال نہیں۔ کیونکہ یہ جملہ مدح کے مقام میں کہا جاتا ہے۔ اور مدح کے اندر زید کو دوسرے آدمی پر فضیلت دی جائے گی۔ تو مقامِ مدح میں جو کلام کہا جاتا ہے اُس میں برابری بتلانا مقصد نہیں ہوتا بلکہ زیادتی بتلانا مقصد ہوتا ہے۔

اب دیکھئے! وہ تین شرائط لگ رہے ہیں یا نہیں۔

پہلی شرط یہ ذکر کیا گیا تھا کہ اسمِ تفضیل صفت بحالِ متعلقہٖ ہو۔ یعنی لفظوں میں صفت ہو ایک چیز کی تو معنیٰ میں صفت ہو اُس کے متعلق کی۔ دیکھو! یہاں اَحْسَنَ لفظوں میں صفت ہے رَجُلاً کی اور معنیٰ کے اعتبار سے صفت ہے کُحل کی۔ یعنی اَحْسَنَ معنیٰ کے لحاظ سے صفت ہے اُس سرمے کی جو اُس شخص کی آنکھ میں ہے۔ یعنی وہ سُرمہ زیادہ حسین ہے۔ تو دیکھا اسم تفضیل صفت بحالِ مُتَعَلِّقِہٖ ہے۔

دوسری شرط یہ تھی کہ وہ متعلّق مُفَضَّل ہو ایک اعتبار سے اور مُفَضَّل علیہ ہو دوسرے اعتبار سے۔ دیکھو کیا زیادہ حسین معلوم ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب ہے کہ سُرمہ زیادہ حسین ہے۔ تو سرمہ مُفَضَّل ہوا ایک اعتبار سے۔ یعنی اَلْکُحْلُ مُفَضَّل ہے۔ اب دیکھئے اَلْکُحل کے بعد مِنْہُ آیا ہے۔ اور ہم نے پڑھا ہے کہ مِنْ کا ماقبل مُفَضَّل ہوتا ہے اور مِنْ کا ما بعد مُفَضَّل علیہ ہوتا ہے۔ تو یہاں مِنْ کے بعد ھا ضمیر آیا ہے اور یہ ھا ضمیر اَلْکُحل کو راجع ہے اور یہی ھا ضمیر مُفَضَّل علیہ ہے کیونکہ یہ مِنْ کے بعد آیا ہے۔ تو الکحل مفضَّل بھی ہوا اور مِنْہُ کی ھا ضمیر بھی الکحل کو راجع ہے تو یہی اَلْکُحل مُفضل علیہ بھی ہوا۔ تو یہی متعلق مفضَّل بھی ہے اور مُفَضَّل علیہ بھی ہے۔ البتہ اعتبار مختلف ہے۔ یہ مُفَضَّل اِس وقت ہے جب یہ اُس رَجُل کی آنکھ میں ہو۔ اور مُفَضَّل علیہ ہے اُس اعتبار سے جب زید کی آنکھ میں ہو۔ تو دیکھو وہی سُرمہ مفضَّل بھی ہے اور مفضَّل علیہ بھی ہے۔

تیسری شرط کہ وہ اسمِ تفضیل تحتَ النَّفی واقع ہو۔ اور یہاں "ما" حرف نفی کلام کے شروع میں آیا ہے۔ تو اسمِ تفضیل تحتَ النفی ہوا۔ تو تینوں شرائط پوری ہوئی۔ اور جب تینوں شرائط پوری ہوں گی تو پھر اسم تفضیل اسم ظاہر کو فاعل ہونے کی بنا پر رفع دیگا۔ تو یہاں پر بھی اَحْسَنَ نے اَلْکُحْلُ کو رفع دیا ہے۔ اور اَلْکُحْلُ فاعل واقع ہو رہا ہے اَحْسَنَ کے لئے۔

تو دیکھو بھئی مِنْ آیا۔ اور مِنْ سے پہلے مفضَّل ذکر ہوتا ہے۔ اور مِن کے بعد مفضَّل علیہ ذکر ہوتا ہے۔ تو ماقبل کو مفضَّل ہونا چاہئے تھا اور مابعد کو مفضَّل علیہ۔ یعنی یہی سُرمہ جب اُس شخص کی آنکھ میں ہو تو زیادہ حسین ہونا چاہئے اور جب زید کی آنکھ میں ہو تو یہی سُرمہ کم حسین ہونا چاہئے۔ کیونکہ مِنْ سے پہلے اُس رجل کی عین میں سرمہ کا ذکر ہے اور وہ سُرمہ زیادہ حسین ہونا چاہئے، کیونکہ مِنْ سے پہلے والا مُفضَّل ہوتا ہے اور مِنْ کے بعد والا مُفضَّل علیہ۔ لیکن پیچھے "ما" آگیا اور حرفِ نفی نے آکر اِس کو اُلٹ دیا۔ یعنی مُفضَّل، مُفضَّل علیہ بن گیا اور مفضَّل علیہ، مفضَّل بن گیا۔ تو دیکھو "ما" آیا، اس "ما" نے آکر اسمِ تفضیل سے زیادتی کے معنیٰ کو ختم کر دیا۔ یہ حرف نفی کی شرط اس لئے لگائی کہ یہ حرف نفی اسمِ تفضیل سے زیادتی کے معنیٰ کو ختم کریگا اور یہ اسم تفضیل فعل کے معنیٰ میں ہو جائے گا۔

دیکھو! ضابطہ ہے جب مُقیَّد پر نفی داخل ہو تو وہ "قید" کی نفی کرتی ہے۔ یعنی وہ نفی قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ یعنی وہ قید کو ختم کرتی ہے۔ دیکھو بھئی! جب مقیَّد پر نفی داخل ہوتا ہے تو وہ مقیَّد کی نفی نہیں کرتی بلکہ قید کی نفی کرتی ہے۔ آپ کہتے ہیں، " لا اٰکُلُ خُبزًا باردًا": میں ٹھنڈی روٹی نہیں کھاؤں گا۔ تو اس کلام میں ٹھنڈی روٹی کھانے سے انکار ہے۔ ایسا نہیں کہ بالکل روٹی کھانے سے انکار ہے۔ تو دیکھو یہاں خُبزًا موصوف ہے اور بارِدًا اُسکی صفت ہے۔ اور صفت قید ہوا کرتی ہے۔ تو یہ خُبزًا مُقیَّد ہوا۔ اور اِس مُقیَّد پر نفی داخل ہوئی۔ اور اِس نفی نے ٹھنڈی روٹی کھانے سے نفی کی، ایسا نہیں کہ سرے سے روٹی کھانے کی نفی کی۔ تو یہ نفی قید کی طرف متوجہ ہوئی۔ اگر بارِدًا کو آپ ہٹائے اور "لا اٰکُلُ خُبزًا" رہ جائے گا۔ تو اب سرے سے روٹی کھانے کی نفی ہو جائیگی۔ تو مُقیَّد پر جب نفی داخل ہوتی ہے تو وہ قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

تو اسمِ تفضیل بھی مقیَّد ہے۔ یہ دو چیزوں پر دلالت کرتا ہے۔ ایک تو فعل کے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ "اَحْسَن" اچھے ہونے اور حسین پر بھی دلالت کر رہا ہے۔ اور زیادتی پر بھی دلالت کرتا ہے۔ تو اسمِ تفضیل دو معنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ ایک فعل کے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے اور ایک زیادۃ کے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ تو یہ زیادۃ قید ہوئی۔ اسم تفضیل فعل کے معنیٰ پر دلالت تو کر رہا ہے لیکن مُقیَّد ہے زیادۃ کے ساتھ۔ تو زیادۃ قید ہوئی اس کے لئے۔ اور اِس مُقیَّد پر حرف نفی "ما" داخل ہوا۔ اور حرف نفی جب مُقیَّد پر داخل ہوتا ہے تو وہ قید کا رفع کرتا ہے۔ تو اسم تفضیل سے زیادۃ والا معنیٰ ختم ہوئے اور فعل والا معنیٰ رہ گئے۔

یعنی فعل کا معنیٰ مُقَیَّد تھا زیادۃ کے ساتھ۔ اور جب اس پر حرف نفی آیا تو حرفِ نفی زیادۃ کی طرف متوجہ ہوا۔ تو زیادۃ والا معنیٰ ختم ہوا۔ اور فعل والا معنیٰ رہ گیا۔ تو اسمِ تفضیل فعل کے معنیٰ میں ہو گیا۔ تو اِس لئے حرف نفی کی شرط لگائی کہ جب حرف نفی آئے گا تو زیادۃ کے معنیٰ کو ختم کریگا۔ اور اسم تفضیل فعل کے معنیٰ میں ہو جائے گا۔ اور جب فعل کے معنیٰ میں ہو جائے گا تو فعل تو اسم ظاہر کو رفع دیتا ہے۔ تو یہ بھی اسمِ ظاہر کو رفع دے دیگا۔

اب یہی لمبا چوڑا بحث جو درس کی ابتدا سے شروع تھا جن میں تین شرائط کا بھی ذکر آیا۔ اب صاحب کافیہ اُس کو اپنے انداز میں ذکر فرمائے گا۔

وَ لا یَعْمَلُ فی مُظْہَرٍ اور اسمِ تفضیل عمل نہیں کرتا اسمِ ظاہر میں۔ یعنی رفع والا عمل فاعل ہونے کی بنا پر۔ اور مفعول بہٖ میں تو سرے سے عمل نہیں کرتا۔ اِلّا مگر اُس وقت عمل کریگا۔ آگے صاحبِ کافیہؒ وہی تین شرائط ذکر فرما رہے ہیں۔

پہلی شرط: اذا کان صفۃً لِشَیْءٍ جب کہ وہ اسمِ تفضیل صفت ہو ایک چیز کے لئے و ھو فی المعنیٰ اِس حال میں کہ وہ اسمِ تفضیل معنیٰ کے اعتبار سے لِمُسَبَّبٍ ایسے متعلّق کے لئے ہو۔ یعنی لفظوں میں صفت ہو شے کے لئے اور معنیٰ کے لحاظ سے صفت ہو اُس شے کی متعلق کے لئے۔ لِمُسَبَّبٍ

مُفَضَّلٍ بِاِعْتِبارِ الْاَوَّلِ وہ اسم تفضیل ایسے متعلّق کے لئے مُفَضَّل ہو موصوف اوّل کے اعتبار سے۔ ای باعتبارِ الموصوف الاوّلِ: یعنی موصوفِ اوّل کے اعتبار سے مُفَضَّل ہو۔ اور مثال کے اندر موصوفِ اوّل "رجل" تھا۔ اور مثال کے اندر متعلّق "سرمہ" تھا۔ علی نفسِہٖ اور اپنے ہی نفس پر مُفَضَّل ہے - یعنی مُفَضَّل علیہ بھی وہی متعلق ہے۔ باعتبار غیرہٖ غیر کے اعتبار سے۔ غیرہٖ کی ھا ضمیر راجع ہے اوّل کو۔ ای غیرِ الاوّلِ: اوّل کے علاوہ کے اعتبار سے۔ اور اوّل کے علاوہ سے مراد مثال میں زید تھا۔

تیسری شرط: مَنْفِیًّا یہ کانَ کی خبر ثانی ہے۔ اوپر آیا تھا "اِذا کانَ صفۃً لِشَيْءٍ"۔ تو صِفَۃً خبر اوّل ہے۔ اور یہ مَنْفِیًّا خبرِ ثانی ہے۔تو یہ تیسری شرط ذکر کی کہ وہ اسمِ تفضیل منفی ہو۔ یعنی وہ اسمِ تفضیل تحت النفی واقع ہو۔

مثلُ ما رأیتُ رجلاً میں نے نہیں دیکھا کوئی ایسا شخص احسنَ فی عینہِ الکُحْلُ کہ زیادہ حسین ہو اُس کے آنکھ میں سُرمہ مِنْہُ اُسی سُرمے سے فی عینِ زیدٍ جبکہ وہ زید کی آنکھ میں ہو۔

لانہ بمعنیٰ حَسُنَ اس لئے کہ اَحْسَن بمعنی حَسُنَ کے ہوا۔ کیونکہ اسمِ تفضیل دو معنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ ایک وہ فعل والا معنیٰ اور دوسرا زیادۃ کا معنیٰ۔ جب اسمِ تفضیل پر حرفِ نفی داخل ہو جائے تو زیادۃ

والا معنیٰ ختم ہو جاتا ہے اور پھر اسمِ تفضیل میں صرف فعل والا معنیٰ رہ جاتا ہے۔ تو یہاں اِس مثال میں اَحۡسَن حَسُنَ کے معنیٰ میں ہوا۔ یہ بابِ کَرُمَ سے آتا ہے۔

تو یہاں پر ایک لفظ "مُسَبَّبٌ" آیا۔ مَسَبَّبٌ کا ترجمہ میں نے متعلِّق کے کیا۔ یعنی مَسَبَّبٌ سے متعلِّق مراد ہے۔ یاد رکھو! علماءِ بلاغت اور علماءِ نحو کی یہ اصطلاح ہے وہ صفت بحالِ متعلِّقِہٖ کو "وصفِ سببی" کہتے ہیں۔ جبکہ صفت بحالِہٖ کو "وصفِ غیرِ سببی" کہتے ہیں۔ تو "مُتَعَلِّق" کو سبب کہتے ہیں۔ تو جب صفت بحالِ متعلقِہٖ ہے تو سبب آگیا، تو یہ "وصفِ سببی" ہوا۔ متعلّق کو سبب کہتے ہیں، لیکن صاحب کافیہؒ نے نئی اصطلاح اختیار کی اور مُتَعَلِّق کو سبب کے بجائے اُس کا نام " مَسَبَّبٌ" رکھا۔ اور کوئی حرج نہیں۔ "لا مُشاحۃَ فی الاصطلاحِ": کوئی بخل نہیں ہے اصطلاح میں۔ صاحب کافیہؒ بہت بڑے عالم ہے۔ علّامہ زماں ہے۔ اُسکی اپنی مرضی۔ اِنہوں نے ایک نئی اصطلاح اختیار کی۔

بھئی اسکا نام اُس نے مُسَبَّب کیوں رکھا۔ وجہ اسکی یہ کہ اِنہوں نے "عین" یا "رجل" کو سبب قرار دیا۔ اور وہ جو متعلّق ہے اُس کو مَسَبَّبٌ قرار دیا۔ ایک ہوتا ہے سبب اور ہوتا ہے مَسَبَّبٌ۔ سبب کی وجہ سے کوئی چیز حاصل ہوتا ہے۔ تو وہ چیز پھر مَسَبَّبٌ کہلاتی ہے۔ تو اِس مثال کے اندر متعلّق سُرمہ ہے۔ تو مَسَبَّبٌ سُرمہ ہوا۔ اور وہ آدمی کی آنکھ یا وہ آدمی سبب ہوا۔ اِس لئے کہ وہ آدمی ہے تو وہ سُرمہ بھی ہے جو اُس کی آنکھ میں ہے۔ وہ آدمی نہیں تو وہ سُرمہ بھی نہیں جو اُسکی آنکھ میں ہے۔

درس 98۔ اس پر اشکال ہوتا ہے کہ آپ نے اَلۡکُحۡلُ کو فاعل بنایا اَحۡسَنَ کے لئے۔ بھئی آپ کو کیا ضرورت ہے اَلۡکُحۡلُ کو فاعل بنانے کی اور یہ کہنے کی کہ اسمِ تفضیل نے اسمِ ظاہر کے اندر عمل کیا۔ بلکہ یوں کر لوں، اَلۡکُحۡلُ کو مبتدا مؤخّر بنا لو اور اَحۡسَنُ کو خبرِ مُقَدَّم بنا لو۔ تو اِس صورت میں پھر اَحۡسَنُ اسمِ ظاہر کو رفع نہیں دے گا۔ کیونکہ اَلۡکُحۡلُ مبتدا بن جائے گا اور اَحۡسَنُ کے اندر ضمیر نکالنا پڑے گی۔ تو اِس صورت میں بھی دیکھو! ترکیب وہی ہوگی۔ رجلاً تک وہی ترکیب ہوگی۔ آگے معمولی سا فرق آئے گا۔

ما رأیتُ رجُلاً اَحۡسَنُ فی عَیۡنِہِ الۡکُحۡلُ مِنۡہُ فی عَیۡنِ زیدٍ کی ترکیب مُعترض کے مطابق: یعنی اَحۡسَنُ کو عامل بننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ اَلۡکُحۡلُ کو مبتدائے مؤخر بناؤ اور اَحۡسَنَ کو خبرِ مقدَّم بناؤ۔ اب اَحۡسَنُ کو مرفوع پڑھے کیونکہ یہ خبر ہے۔ تو اس صورت میں ترکیب یوں ہوگی۔ ما حرفِ نفی، رَأیتُ فعل با فاعل، رجلاً منصوب لفظًا موصوف، اَحۡسَنُ اسم تفضیل، ھو ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے مبتدائے مؤخر " اَلۡکُحۡلُ" کو۔ اور اَلۡکُحۡلُ لفظوں کے اعتبار سے تو مؤخر ہے لیکن رُتبہ کے اعتبار سے مقدّم ہے اس لئے ضمیر کا لوٹانا صحیح ہوا۔ فی عینِہٖ یہ متعلّق ہوگا اَحۡسَنُ اسم تفضیل کے ساتھ، اور اَلۡکُحۡلُ سے آگے "مِنۡہُ" کے اندر ھا ضمیر ذوالحال بنے گا اور اس کے آگے "فی عینِ زیدٍ" اس کے لئے حال بنے گا۔ پھر ذوالحال اپنے حال سے ملکر مِنۡ کے لئے مجرور بنے گا، اور جار مجرور ملکر متعلّق ہوں گے اُسی اَحۡسَنُ اسم تفضیل سے، تو اَحۡسَنُ اسم تفضیل اپنے فاعل اور متعلقین سے ملکر خبرِ مقدَّم ہوئی اور اَلۡکُحۡلُ مبتدائے مؤخر

ہوئی۔ تو مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صفت رجلاً موصوف کے لئے، موصوف صفت ملکر مفعول ہوا "ما رَأَیتُ" کے لئے۔ "ما رَأَیتُ" فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

تو دیکھو! رجلاً منصوب ہے اور اسکے آگے جملہ اسمیہ آیا۔ اور جملہ اسمیہ کو میں نے اس کے لئے صفت بنا دیا۔ اس لئے کہ میں نے آپکو بتایا تھا کہ جملہ نکرۃ کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور رجلاً ہے نکرۃ، اور نکرۃ کے بعد جب جملہ آئے تو وہ عموماً اُسکے لئے صفت بنتا ہے۔ اس لئے کہ نکرۃ کے بعد نکرۃ آئے تو وہ آپس میں موصوف صفت بنتے ہیں۔ تو رجلاً کو موصوف بنایا اور آگے آنے والے جملہ کو اس کے لئے صفت بنا دیا۔

تو یہ اعتراض کرنے والا کہتے ہیں کہ یہ ترکیب کر لو۔ دیکھئے اب اسم ظاہر کے اندر اَحسَن کو عامل بننے کی ضرورت نہ پڑی۔ اب تو " اَلکُحلُ" مبتدا ہے اور مبتدا میں ابتدا عامل ہوتی ہے۔

تو صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ نہیں بھئی اگر ہم ایسا کریں گے تو خرابی لازم آئیں گی۔ خرابی یہ کہ یہ "مِنْہُ" کو اَحسَن سے متعلّق کرنا پڑے گا۔ تو "مِنْہُ" کے اندر عامل اَحسَنَ ہوا۔ بھئی یہ ظرف جس سے متعلّق ہوتا ہے تو وہ مُتَعَلَّقْ اُس میں عامل ہوتا ہے۔ جیسا کہ "مررتُ بزیدٍ" میں یہ بِزیدٍ متعلق ہے "مررتُ" فعل سے۔ تو یہ مررتُ عامل ہے "بِزَیْدٍ" کے اندر۔ تو "مِنْہُ" متعلّق ہے اَحسَنَ سے تو اسکے اندر یہ اَحسَنَ عامل ہوا۔ اور اَحسَنَ عاملِ ضعیف ہے۔ کیونکہ اسکے عمل کرنے کے لئے کتنے شرائط صاحب کافیہؒ نے ذکر فرمائی۔ تو یہ اَحسَنَ عامل ضعیف ہے اور منہ نے اِسی اَحسَنَ سے متعلّق ہونا ہے۔ اور درمیان میں اَلکُحلُ مبتدا جو آرہا ہے تو اَجْنبی آگیا۔ تو اب عاملِ ضعیف اور اُسکے معمول میں فَصَل بالاجنبی آگیا۔ اور عامل ضعیف میں عامل اور معمول کے درمیان فصَل جائز نہیں۔ اور اگر عاملِ قوی ہوتا تو وہ اجنبی کے بعد بھی جا کر عمل کرتا۔

اور وہ جو پہلی صورت تھی جس میں " اَلکُحلُ" کو ہم نے فاعل بنایا تھا۔ اُس وقت بھی فصل آرہا تھا۔ لیکن اُس وقت فصل بالاجنبی نہیں تھا۔ اس لئے کہ اَلکُحلُ تو اَحسَنُ کا فاعل تھا۔ اور اِس دوسری صورت میں ہم نے اَلکُحلُ کو مبتدا بنایا۔ تو یہ اَحسَنُ کے لئے اجنبی ہو گیا۔ اور پہلے ہم نے اَلکُحلُ کو احسَن کے لئے فاعل بنایا تھا اور فاعل اجنبی نہیں ہوتا۔

اب اسی اعتراض کا جواب علامہ ابن حاجب صاحب کافیہؒ بھی ذکر کریں گے۔

مَعَ اَنَّھُم لَوْ رَفَعُوا ساتھ اِس کے کہ اگر وہ رفع دے دیتے۔ یعنی نحوی حضرات اگر اَحسَنُ کو رفع دے دیتے۔ یعنی خبر ہونے کی بنا پر اَحسَنُ کو رفع دے دیتے۔ **لَفَصَلُوا بینَہُ و بینَ معمولِہٖ بِاَجْنَبِیٍّ** تو البتّہ وہ فصل واقع کر دیتے اسم تفضیل اور اس کے معمول میں اجنبی کے ساتھ۔ اور حالانکہ عاملِ ضعیف میں اس کے معمول کے درمیان فصل جائز نہیں۔ **و ھو اَلْکُحلُ** اور وہ اجنبی " اَلکُحلُ" ہے۔ اَلکُحلُ پہلے فاعل تھا تو اجنبی نہیں تھا اور جب مبتدا بن گیا تو پھر یہ اسم تفضیل اَحسَنَ کے لئے اجنبی بن گیا۔

و لک اَنْ تَقولَ اور آپ کو اختیار ہے کہ یوں بھی کہہ سکتے ہیں۔ احسنَ فی عینهِ الکُحْلُ مِنْ عینِ زیدٍ اَحْسَنَ سے پہلے عبارت "ما رأیتُ رجلاً" محذوف ہے۔ چونکہ ماقبل مثال میں "ما رأیتُ رجلاً" ذکر تھا تو اگلی مثال میں صاحب کافیہؒ نے اسکو ذکر نہیں کیا۔ تو کلام اُس طرح ہے، "ما رأیتُ رجلاً احسنَ فی عینهِ الکُحْلُ مِنْ عینِ زیدٍ"۔ صاحب کافیہؒ نے پہلی مثال جو ذکر کی تھی وہ "ما رأیتُ رجلاً احسنَ فی عینهِ الکُحْلُ مِنْهُ فِی عینِ زیدٍ" تھی۔ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ اگر آپ اس عبارت کو مختصر طریقے پر کہنا چاہتے ہیں تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں یعنی "ما رأیتُ رجلاً احسنَ فی عینهِ الکُحْلُ مِنْ عینِ زیدٍ" بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ عبارت اُس سے مختصر ہے۔ یعنی اِس مثال میں مِنْ حرف جرّ کے بعد ھا ضمیر بھی نہیں اور آگے "فِی" حرف جرّ بھی نہیں۔ تو اس اعتبار سے یہ دوسرا مثال مختصر ہوا۔ اور معنیٰ دونوں کا وہی ہے۔

فَاِنْ قَدَّمْتَ ذِکْرَ الْعَیْنِ اور اگر آپ مقدَّم کر دے "عین" کے ذِکر کو قلتَ تو یوں کہیں گے۔ ما رأیتُ کَعَیْنِ زیدٍ احسَنَ فیهَا الْکُحْلُ اب صاحب کافیہؒ ایک تیسری صورت بتلا رہے ہیں۔ یعنی اِسی معنیٰ کو ادا کرنے کے لئے آپ اِس عبارت کو ایک تیسری انداز میں بھی کہہ سکتے ہیں اور یہ تیسری صورت پہلے دونوں سے مختصر ہے۔ اور اِس تیسری صورت میں "عین" کو مقدَّم کرنا پڑے گا۔ جیسے " ما رأیتُ کَعَیْنِ زیدٍ احسَنَ فیهَا الْکُحْلُ"۔ ترجمہ: ما رأیتُ: میں نے نہیں دیکھا ، کَعَیْنِ زیدٍ: زید کے آنکھ جیسی، احسَنَ: اَحْسَنَ سے پہلے عیناً موصوف محذوف ہے۔ ای عیناً اَحْسَنَ فیهَا الْکُحْلُ: ایسی آنکھ کہ جس میں سُرمہ حسین تر ہو۔

مثلُ و لا اریٰ جیسے "وَ لا اَریٰ"۔ فی قِطْعَةٍ اِس قِطعة کے اندر۔ قِطعة کلام منظوم کا وہ ٹکڑا ہوتا ہے جو دو اشعار پر مشتمل ہوتا ہے۔

مررتُ علیٰ وادِی السِّباعِ و لا اَریٰ :: کَوَادِی السِّباعِ حِیْنَ یَظْلَمُ

وَادِیًا اَقَلَّ بِهِ رَکْبٌ اَتَـوْهُ تَایَّةً :: وَ اَخْوَفُ اِلَّا ما وَقَی اللّٰهُ سارِیًا

یہی تیسرا طریقہ ہے اسی کے مثال آیا ہے۔ اِمْرَءُ الْقَیْس شاعر کہتا ہے۔ دیکھو یہ تیسری عبارت کے مطابق ہے یا نہیں ذرا غور کرو۔ بھئی مثال میں سب سے پہلے "ما رأیتُ" آیا تھا۔ یہاں پر آیا "وَ لا اَریٰ"۔ تو یہ "و لا اریٰ" مثل ہے "ما رأیتُ" کے۔ یعنی "و لا اریٰ" فعل ہے اور اس پر حرف نفی داخل ہے۔ آگے "کَوَادِی السِّباعِ" یہ "کَعَینِ زیدٍ" کی طرح ہے۔ تیسری صورت میں آیا تھا "اَحْسَنَ" جس کے لئے ہم نے موصوف "عیناً" کو محذوف نکالا تھا۔ یعنی "عیناً احسنَ" اور یہاں شعر میں "وَادِیًا اَقَلَّ" آیا ہے۔ یعنی "وادِیًا" نکرة کے بعد اسم تفضیل "اَقَلَّ" آرہا ہے۔ مثال میں آیا تھا، "فیها" یعنی جار مجرور آیا تھا۔ اور شعر میں بھی "بِهِ"

یعنی جار مجرور آئے ہیں۔ مثال میں "فیها" کے بعد اسم تفضیل کا فاعل " اَلْکُحْلُ" آیا تھا اور شعر میں "بِهٖ" کے بعد اسم تفضیل اَقَلَّ کا فاعل رَکْبٌ آیا ہے۔ تو یہ قِطعة اُس تیسری عبارت کے مثل ہے۔

اِمْرَءُ القیس کہتا ہے۔ مررتُ علیٰ وادِی السّباع : میں گزرا درندوں کی وادی پر، و لا اَرَیٰ: اور میں نہیں دیکھتا، کَوادِی السِّباع: درندوں کے وادی جیسی، یعنی میں درندوں کے وادی کے مثل نہیں دیکھتا۔ حِیْنَ یَظْلَمُ: جب وہ تاریک ہو جائے۔ یعنی جب اُس پر اندھیرا چھا جائے۔ ظَلِمَ یَظْلَمُ باب سَمِع سے ہے۔ اور باب اِفعال سے بھی آجاتا ہے اَظْلَمَ یُظْلِمُ۔ بمعنیٰ تاریک ہونا۔ وَادِیًا: کوئی ایسی وادی، اَقَلَّ: کہ قلیل ہو، بِهٖ: یہ "با" بمعنیٰ "فی" کے ہے۔ ای "وَادِیًا اَقَلَّ فیهِ": کوئی ایسی وادی کہ قلیل ہو اُسکے اندر، رَکْبٌ: سوار۔ یہ اسمِ جمع ہے۔ اسمِ جمع وہ ہوتا ہے جو معنیٰ جمع کا ادا کرتا ہے لیکن اُس کا مفرد کوئی نہیں آتا۔ اور لفظوں کے لحاظ سے اسم جمع خود مُفرد ہوتا ہے۔ جیسے "قَوْم" کا لفظ کم از کم تین افراد پر بولا جاتا ہے۔ تو قَوْم اسمِ جمع ہے اور اسکا کوئی مفرد نہیں۔ تو رَکْبٌ اسمِ جمع ہے راکب کے لئے۔ اَتَـوْهُ: جو اُس میں آئیں ہوں۔ ھا ضمیر وادی کو راجع ہے۔ اَتَوْا بمعنیٰ وہ آئیں، اَتیٰ یَأْتِی باب ضرب سے ہے۔ اَتیٰ اَتَیَا اَتَوْا۔ تو "اَتَوْا" کے اندر جمع کی ضمیر ہے جو رَکْبٌ کو لوٹ رہی ہے۔ رَکْبٌ لفظوں کے اعتبار سے تو مفرد ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے جمع ہے۔ اَتَوْهُ یہ جملہ ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر جملہ بن گیا۔ اور جملہ نکرۃ کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور نکرۃ کے بعد جب فعل آجائے تو وہ عمومًا اُس کے لئے صفت بنتا ہے۔ تو رَکْبٌ موصوف ہے اور اَتَوْهُ پورا جملہ اُس کے لئے صفت واقع ہو رہا ہے۔ اور موصوف جب نکرۃ ہو تو اُس سے پہلے ایسا کا لفظ لاتے ہیں۔

و لا اَرَیٰ: اور میں نے کوئی ایسی وادی نہیں دیکھی، اَقَلَّ بِهٖ رَکْبٌ اَتَـوْهُ : کہ تھوڑے ہو اِس میں ایسے سوار جو اُس میں آئیں ہوں۔ یعنی اتنے تھوڑے سوار میں نے کہیں نہیں دیکھے جو وادی سِباع کے اندر آتے ہیں۔ تَاَیَّةً یہ مصدر ہے۔ اَیَّ یُاَیِّ تَاَیَّةً۔ تو یہ مہموز الفاء بھی ہے اور لفیف بھی ہے۔ مادّہ اسکا "ہمزہ، یاء اور یاء" ہے۔ اَیَّ یُاَیِّ تَاَیَّةً جیسے حَیَّ یُحَیِّ تَحِیَّةً ہے۔ تو تَاَیَّةً مصدر ہے اور یہ منصوب ہے تمیز ہونے کی بنا پر۔ یہ جو "اَقَلَّ" آیا تھا۔ یہ ہے اسمِ تفضیل، اور رَکْبٌ اُس کے لئے فاعل بنے گا، تو یہ جو اسمِ تفضیل کی نسبت ہوئی فاعل کی طرف، اس نسبت میں ابہام تھا۔ تو تَاَیَّةً نے آکر اس اِبہام کو دور کر دیا۔ تو یہ نسبت سے تمیز ہے۔ اور تَاَیَّةً کا معنیٰ ہوتا ہے قیام کرنا اور ٹھہرنا۔

تو شاعر کہتا ہے، و لا اریٰ: اور میں نہیں دیکھتا، کوادی السباع: درندوں کے وادی جیسی، حینَ یظْلِم: جب وہ تاریک ہو جائے، وادیًا: کوئی وادی، اَقَلَّ بِهٖ رَکْبٌ: کہ تھوڑے ہو اُس کے اندر ایسے سوار، اَتَـوْهُ: جو اُس میں آئیں ہوں، تَاَیَّةً: باعتبار ٹھہرنے کے۔ یعنی سوار جو اُس وادی میں آئیں ہیں وہ ٹھہرنے کے اعتبار سے بہت تھوڑے ہیں۔ یعنی وہاں ٹھہرتے نہیں ہے۔ بہت خوفناک وادی ہے اور وہاں کثرت سے درندے ہیں۔

وَ اَخْوَفَ تو اَخْوَفَ کی عطف اَقَلَّ پر ہے۔ اور اَقَلَّ منصوب ہے کیونکه یه وادیًا کی صفت ہے۔ موصوف منصوب تو صفت بھی منصوب اور اَخْوَفَ معطوف ہوا تو یه بھی منصوب ہوا۔ اور زیادہ خوف زدہ ہوں۔ اَخْوَفَ اسمِ تفضیل ہے۔ اسکے اندر فاعل کی ضمیر رَكْبٌ کو راجع ہے۔ یعنی وہ سوار زیادہ خوف زدّہ ہوں۔ اِلّا ما وَقَى اللّٰهُ مگر جبکه الله بچا لیں سارِيًا رات کو چلنے والا، سرىٰ يَسْرِیْ: رات کو چلنے والا۔ بھئی وَقیٰ پر ما آیا ہے۔ اور یه "ما" مصدریه ہے۔ اور جب "ما مصدریه" فعل پر داخل ہوتا ہے تو اُسکو فعل کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ جیسا که "ما ضربَ" ضَرْبٌ کے معنیٰ میں ہے۔ تو یه مصدرِ تاویلی ہوا۔ بھئی ایک ہے "ضَرْبٌ" تو یه مصدرِ صریح ہے۔ اور ایک ہے "ما ضربَ"۔ تو اِس "ما" نے بھی "ما ضربَ" کو "ضَرْبٌ" کے معنیٰ میں کردیا لیکن ضَرْبٌ یہاں پر صریحًا موجود نہیں۔ تو "ما ضربَ" بھی مصدر ہے لیکن مصدرِ تاویلی ہے۔ تو ضَرْبٌ مصدرِ صریحی ہے اور "ما ضَرَبَ" یا "اَنْ ضَرَبَ" مصدرِ تاویلی کہلاتا ہے۔ تو "ما وقیٰ" وِقَايَة کے معنیٰ میں ہوا۔

اور یاد رکھو! یه مصدرِ تاویلی اِلّا حرفِ اِسْتِثْنیٰ کے بعد آ رہا ہے۔ اور علماء نے ضابطه لکھا ہے که حرفِ استثنا کے بعد اگر مصدرِ تاویلی واقع ہو تو وہ "وقت" کے معنیٰ کو متضمِّن ہوتا ہے۔ یعنی اِس میں وقت کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ یا بعض علماء فرماتے ہیں که اِس میں وقت کا معنیٰ نہیں پایا جاتا بلکه اِس سے پہلے "وقت" کا لفظ مضاف محذوف نکالنا پڑے گا۔

تو اگر یہاں "وقت" کے لفظ کو مضاف محذوف نکالیں گے، تو عبارت یوں بنے گی، " اِلّا وَقْتَ وِقَايَةِ اللّٰهِ": مگر الله کے بچانے کے وقت میں۔ یعنی الله تعالیٰ بچائے۔ "سارِیا": رات کو چلنے والے کو۔

تو یہاں دیکھئے "اَقَلَّ" اسمِ تفضیل ہے اور رَكْبٌ کو رفع دیا ہے۔ اور وہی تینوں شرائط پائی گئیں۔

اسم کی ساری بحث مکمل کر لی صاحب کافیہؒ نے۔ اب فعل کی بحث کریں گے۔ اُس کے بعد آخری بحث حرف کی آئیں گی۔ اَلْفِعْلُ ما دَلَّ علىٰ معنًى فعل وہ کلمه ہے جو دلالت کرے ایسے معنیٰ پر فی نَفْسِهٖ جو اُسکی اپنی ذات میں ہو۔ تو اِس قید کے ذریعے حرف کو نکال دیا۔ اِس لئے که حرف ایسے معنیٰ پر دلالت نہیں کرتا جو اُسکے اپنے ذات میں ہو۔ یعنی حرف خود بخود دلالت نہیں کرتا جب تک اُس کے ساتھ کسی دوسرے کلمه کو نه ملایا جائے۔ جیسے "مِنْ" کی ابتدا کی معنیٰ کے لئے ہے۔ لیکن اگر آپ سارا دن "مِنْ مِنْ" کہتا چلے کسی کو "ابتدا" کا پته نہیں چلے گا جب تک آپ اسکے ساتھ مسجد وغیرہ کا لفظ نہیں بڑھائیں گے۔ جیسا که "مِنَ المسجد" جب آپ یه کہے تو پته چلے گا که اِس فعل کی ابتدا مسجد سے ہے۔

اور فعل اپنے معنیٰ ادا کرنے میں دوسرے کلمه کا محتاج نہیں ہوتا۔ جیسا که "اَبْتَدِءُ": میں نے ابتدا کی۔ مُقْتَرِنٍ بِاَحَدِ الْاَزْمِنَةِ الثَّلٰثَةِ اور وہ معنیٰ ایسا ہو جو ملا ہوا ہو تین زمانوں میں سے کسی ایک کے ساتھ۔ اِس قید کے ذریعے اِسم کو نکال دیا۔ اِس لئے که اِسم تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ نہیں ملا ہوتا۔ اور یه بات یاد رکھو! فعل کی تعریف میں فرمایا که وہ ایک معنیٰ پر دلالت کرتا ہے اور اُس

معنیٰ کے ساتھ زمانہ ملا ہوا ہوتا ہے۔ نفسِ زمانہ کا معنیٰ نہیں ہوتا۔ مثلاً "الماضِی": الماضِی تو نفسِ زمانہ ہے۔ "اَلمستقبل": یہ بھی نفسِ زمانہ پر دلالت کرتا ہے۔ حالانکہ فعل نفسِ زمانہ پر دلالت نہیں کرتا۔وہ ایک اور معنیٰ پر دلالت کرتا ہے اور اُس معنیٰ کے ساتھ زمانہ ملا ہوا ہوتا ہے۔ جیسے "ضَرَبَ" فعل ہے۔ یہ دلالت کر رہا ہے "ضَرْب" پر۔ اب اِس "ضَرْب" کے ساتھ ایک زمانہ بھی ملا ہوا ہے ضَرَبَ میں۔ اور وہ ماضی کا زمانہ ہے۔ تو ضَرَبَ کا معنیٰ ماضی نہیں۔ بلکہ ضَرَبَ کا معنیٰ "پٹھائی کرنا" ہے لیکن ساتھ ساتھ ایک زمانہ بھی آگیا۔ اسکی هَيْئَت نے اس پر دلالت کر دی اور وہ ماضی کا زمانہ ہے۔

تو فعل کا معنیٰ الگ ہوگا اور اُس معنیٰ کے ساتھ ایک زمانہ ملا ہوا ہوگا۔

صاحب کافیہؒ اب فعل کے خاصّے ذکر فرما رہے ہیں۔ پہلے تعریف ذکر کی۔ اب اُس کے خاصّے ذکر کر رہے ہیں۔ یاد رکھو! تعریف سے کوئی چیز ذہن میں ممتاز ہوتی ہے۔ اور خاصّوں سے چیز خارج میں ممتاز ہوتی ہے۔ **و مِنْ خواصِهِ** اور فعل کے خواص میں سے ہے۔ **دُخُولُ قَدْ** قَدْ کا داخل ہونا **و السِّين** اور سین کا داخل ہونا **و سوفَ** اور سوفَ کا داخل ہونا۔ **والجوازِم** اور اسی طرح جوازم کا داخل ہونا۔ جوازم وہ کلمے ہیں جو جزم دینے والے ہیں۔ یاد رکھو! جزم خاصّہ ہے فعل کا اور جرّ خاصّہ ہے اسم کا۔ تو جزم جب فعل کا خاصّہ ہے تو وہ کلمہ جو جزم دیتے ہیں وہ بھی صرف فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ **وَ لُحُوقُ تاءِ التَّانيثِ** اور اسی طرح فعل کا خاصّہ ہے تائے تانیث کا ملنا۔ **ساكنةً** اس حال میں کہ وہ تائے تانیث ساکن ہو۔ اس لئے کہ تائے تانیث اسم کے ساتھ بھی ملتی ہے لیکن وہ ساکن نہیں ہوتی بلکہ وہ متحرک ہوتی ہے۔ جیسا کہ ضاربٌ کی مؤنث ضاربَةٌ آتی ہے۔ دیکھو ضاربَةٌ میں بھی تائے تانیث آئی لیکن یہ ساکنہ نہیں بلکہ متحرکہ ہے۔ تو تائے تانیث متحرکہ اسم کے ساتھ ملتی ہے۔ جبکہ تائے تانیث ساکنۃ فعل کے ساتھ ملتی ہے۔ جیسے ضَرَبَتْ۔ یہ جو تائے ساکنہ آئی یہ فعل کی علامت ہے۔

وَ نَحْوُ تاءِ فَعَلْتُ اور جیسے فَعَلْتُ کی تاء ہے۔ چاہے فَعَلْتُ پڑھے چاہے فَعَلْتَ پڑھے یا چاہے فَعَلْتِ پڑھے۔ تو فعلت کی تاء کا آنا بھی فعل کا خاصّہ ہے۔ بھئی اس سے کیا مراد ہے۔ تائے فَعَلْتُ سے مراد ضمائر مُتَّصِل بارزَ مرفوعَ مراد ہیں۔ اور ضمائر مُتَّصِل بارزَ مرفوعَ صرف فعل کے ساتھ آئیں گے۔ یہ اسم اور حرف کے ساتھ نہیں آتی۔

اب صاحب کافیہ فعل ماضی کی بات کریں گے۔ **اَلْمَاضِي ما** ماضی وہ فعل ہے **دَلَّ علىٰ زَمَانٍ** جو دلالت کرے ایسے زمانے پر **قَبْلَ زَمَانِكَ** جو آپ کے زمانے سے پہلے ہو۔ آپ کے زمانے سے کیا مراد ہے؟ یعنی جس زمانے میں آپ موجود ہے۔ تو یہ زمانہ جس میں آپ اس وقت موجود ہے یہ "حال" ہے۔ اس سے جو پہلے کا زمانہ ہے وہ زمانہ ماضی ہے۔ **مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ** اور یہ ماضی مبنی علی الفتحَ ہوتا ہے۔ **مَعَ غَيْرِ الضَّمِيْرِ الْمَرْفُوعِ الْمُتَحَرِّكِ وَ الْوَاوِ** جبکہ یہ واو کے ساتھ بھی نہ ہو اور ضمیر مرفوع متحرک کے

ساتھ بھی نہ ہو۔ ماضی مستقل مبنی علی الفتحَ نہیں ہوتا۔ ماضی مبنی علَی الفتحَ اُس وقت ہوگی جب اس کے ساتھ "واؤ" ملا ہوا نہ ہو۔ اگر واؤ ساتھ ملی ہوئی ہو تو یہ مبنی علی الضّم ہوگی۔ دیکھو میں نے کہا "ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوْا"۔ تو ضَرَبُوْا میں ضَرَبَ کے ساتھ واؤ مل گیا۔ اور واؤ کی وجہ سے ضَرَبَ کی باء پر آپ ضمة پڑھ رہے ہیں۔ تو دیکھو ضَرَبُوْا مبنی علی الضّم ہے۔ تو جب بھی واؤ ماضی کے آخر میں ملے گا تو ماضی مبنی علی الضّم ہو جائے گی۔

اور نیز اِنہوں نے فرمایا کہ ضمیر مرفوع متحرک بھی نہ ہو۔ یاد رکھو! جب ماضی کے ساتھ ضمیر مرفوع متحرک مل جائے گی تو ماضی مبنی علی السُّکون ہوگی۔ یعنی ضمیر مرفوع کبھی متحرک ہوگی اور کبھی متحرک نہیں ہوگی۔ تو جب ضمیر مرفوع متحرک ہوگی تو اُس وقت ماضی مبنی علی السُّکون ہوگی۔ دیکھو! "ضَرَبَ، ضَرَبَا، ضَرَبُوْا، ضَرَبَتْ، ضَرَبَتَا، ضَرَبْنَ"۔ ضَرَبْنَ میں یہ نون جمع مؤنث کی ضمیر ہے اور متحرک ہے اور فاعل ہے۔ تو یہ ضمیرِ مرفوع متحرک آگئی۔ اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ "ضَرَبْنَ" کی باء ساکن ہو گئی۔ تو جب بھی ماضی کے ساتھ ضمیر مرفوع متحرک مل جائے گی تو ماضی مبنی علی السُّکون ہوگی۔ اسی طرح "ضَرَبْتَ" میں یہ تاء ضمیر ہے مرفوع ہے اور متحرک ہے اور اس سے ماقبل جو باء آرہی ہے وہ ساکن ہے۔ تو ماضی مبنی علی السکون ہوئی۔

تو جب بھی ماضی کے ساتھ ضمیر مرفوع متحرک آجائے تو ماضی مبنی علی السُّکون ہوگی۔ اور جب بھی ماضی کے ساتھ واؤ آجائے تو ماضی مبنی علی الضّم ہوگی۔ ہاں اس کے علاوہ صورتوں میں ماضی مبنی علی الفتح ہوگی۔

مثلاً یا تو کوئی ضمیر بارز ساتھ ملی ہوئی نہیں ہے۔ جیسے "ضَرَبَ"۔ کیونکہ ضَرَبَ کے ساتھ کوئی ضمیر بارِز نہیں ہے۔ تو ضَرَبَ مبنی علی الفتح ہے۔ ضَرَبَا کے اندر یہ الف تثنیہ کی ضمیر ہے۔ تو یہ ضمیر مرفوع آگئی لیکن متحرک نہیں تو اِس صورت میں ماضی مبنی علی الفتح ہوگی۔ اسی طرح ضَرَبَتْ کے ساتھ بھی کوئی ضمیر بارِز نہیں آئی۔ اور یہ "تاء" تو تانیث کی علامت ہے اور یہ ضمیر نہیں۔ تو اب بھی ماضی مبنی علی الفتح ہے۔

درس 99۔ **المضارعُ ما اَشْبَهَ الْاِسمَ** مضارع وہ فعل ہے جو مشابہ ہوتا ہے اسم کے، اَشْبَهَ يُشْبِهُ: مُشابہ ہونا، اس مادّے سے مُجرَّد کا فعل مُسْتَعْمَل نہیں، **بِاَحَدِ حُروفِ نَاَيْتَ** نَاَيْتَ کے حروف میں سے کسی ایک کے ساتھ۔ یعنی اِن میں سے کوئی ایک حرف مضارع کے شروع میں آتا ہے۔ جیسا کہ نون جمع متکلم میں آتا ہے مثلاً نَضْرِبُ، ہمزہ واحد متکلم میں مثلاً اَضْرِبُ، یاء واحد غائب کے صیغے میں مثلاً يَضْرِبُ اور تاء مخاطب اور بعض مؤنث میں آتا ہے جیسا کہ تَضْرِبُ وغیرہ۔

اب یہ مضارع اسم کے کیوں مشابہ ہوتا ہے؟ اس کی وجہ ذکر فرما رہے ہیں۔ **لِوُقُوْعِهٖ مُشْتَرَكًا** اس وجہ سے کہ مضارع واقعہ ہوتا ہے اس حال میں کہ مشترک ہوتا ہے۔ بھئی جیسا اسم کئی معانی کے لئے

استعمال ہوتا ہے۔ مشترک ہوتا ہے کئی معانی میں۔ جیسے جاریَۃٌ کا ایک معنیٰ ہے لڑکی، اور جارِیَۃ کا ہی ایک معنیٰ کشتی ہے۔ اسی طرح "مُشْتَرِی" خریدار کو بھی کہتے ہیں اور آسمان میں ایک ستارہ ہے اُس کو بھی کہتے ہے۔ اسی طرح لفظِ "عین" کئی معانی میں مشترک ہے۔ "عین" آنکھ کو بھی کہتے ہے، چشمے کو بھی کہتے ہے، گھٹنے کو بھی عین کہتے ہے، جاسوس کو بھی عین کہتے ہے وغیرہ۔ تو جیسے اسم کئی معانی میں مشترَک ہوتا ہے یعنی کئی معانی میں استعمال ہوتا ہے اسی طرح فعلِ مُضارع بھی مشترَک ہے۔ یعنی "حال" کے لئے بھی آتا ہے اور "استقبال" کے لئے بھی آتا ہے۔ تو اس وجہ سے اسم کے ساتھ مشابہت آگئی۔

فعل مضارع کی دوسری مشابہت اسم کے ساتھ: **و تَخْصِيْصِهٖ بالسِّينِ اَوْ سوفَ** اور اسکی تخصیص ہونے کی سبب سے "سین یا سوفَ" کے ساتھ۔ بھئی بتلایا که اسم کئی معانی کے لئے مشترَک ہوتا ہے۔ لیکن کبھی اسکے ساتھ کوئی قرینة موجود ہوتا ہے جس سے پته چلتا ہے که یہاں پر کونسا معنیٰ مراد ہے۔ یعنی تخصیص ہو جاتی ہے اُس کے معنیٰ کا۔ مثلاً "مشتری" کا معنیٰ خریدار کا بھی ہے اور "مشتری" کا معنیٰ آسمان میں ایک سیّارہ ہے اُس کا نام بھی ہے۔ اب میں کہتا ہوں، "رَأَيتُ المُشْتَرِيَ فِي السماء": میں نے آسمان میں مُشْتَرِی دیکھا۔ اب یہاں پر "مشتری" کا معنیٰ خریدار کے نہیں بلکه سیَّارہ کے ہے۔ اور "فی السماء" کے قرینۂِ لفظیه نے بتلایا که "مشتری" کا معنیٰ سیّارہ ہے۔ تو قرینۂِ لفظیه یا قرینۂ معنویه آکر اس لفظ کو خاص کر دیتا ہے ایک خاص معنیٰ کے ساتھ اور دوسرے معنیٰ کا احتمال ختم کر دیتا ہے۔ تو "مشتری" تھا تو مشترک لیکن "فی السماء" نے بتلایا که یہاں پر خریدار مراد نہیں بلکه سیّارہ مراد ہے۔

اسی طرح مضارع ہے تو مشترَک "حال" کے لئے بھی آتا ہے اور "استقبال" کے لئے بھی آتا ہے۔ لیکن اس پر کبھی کوئی ایسا کلمه داخل ہوجاتا ہے جس کی وجه سے فعل مضارع میں بھی تخصیص آجایا کرتی ہے۔ جیسے "سین" اور "سوفَ"۔ جب "سین" یا "سوف" فعل مضارع پر داخل ہو جاتے ہیں تو پھر فعل مضارع خاص ہوجاتا ہے مستقبل کے ساتھ اور اب اُس میں حال والے معنیٰ کا احتمال نہیں رہتا۔ تو دیکھو! دوسری مشابہت آگئی۔

اب صاحب کافیه؄ بتلا رہے ہیں که یه جو حروفِ نَـاَیْتَ ہے اِن میں سے نون کس لئے آتا ہے، ہمزہ کس لئے آتا ہے، یاء اور تاء کس لئے آتے ہیں۔ **فالهَمْزَةُ لِلمتكلِّمِ مُفْرَدًا** پس ہمزہ متکلِّم کے لئے آتا ہے اس حال میں که وہ مفرد ہو۔ **والنُّون لهُ** اور نون بھی متکلم کے لئے آتا ہے **معَ غيرِہٖ** ای مَعَ غیرِ المتکلِّمِ: ساتھ غیر متکلِّم کے۔ یعنی متکلم کے ساتھ اور بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً میں نے کہا، "اَضْرِبُ": میں پٹھائی کرتا ہوں۔ اور جب میں نے کہا، "نَضْرِبُ": ہم پٹھائی کرتے ہیں۔ تو یہاں میں نے صرف اپنی بات نہیں کی بلکه اپنے ساتھ غیروں کو بھی ملایا۔ تو اسکو "مُتَكَلِّم معَ الغير" کہتے ہے۔ یعنی متکلِّم کے ساتھ غیر بھی ہیں۔ تو ہمزہ آتا ہے مفرد متکلم کے لئے اور نون آتا ہے متکلم مع الغیر کے لئے۔

والتّاءُ للمخاطب مطلقا اور تاء مخاطَب کے لئے آتی ہے مطلقًا۔ یعنی کسی بھی قسم کا مخاطَب ہو تو اُس کے لئے تاء آئے گی۔ چاہے واحد مخاطَب ہو، چاہے تثنیہ مخاطَب ہو یا چاہے جمع مخاطَب ہو۔ چاہے مذکر ہو یا چاہے مؤنث ہو۔ اِن سب کے لئے تاء آئے گی۔ جیسا کہ ہم مذکر میں پڑھتے ہیں، "تَضْرِبُ، تَضْرِبَانِ، تَضْرِبُوْنَ"۔ تو مذکر حاضر کے تینوں صیغوں میں تاء آئی۔ اور اسی طرح مؤنث میں ہم پڑھتے ہیں، "تَضْرِبِيْنَ، تَضْرِبَانِ، تَضْرِبْنَ"۔ تو مؤنث حاضر کے تینوں صیغوں میں بھی تاء آئی۔ **و للمؤنث و المؤنَّثَيْنِ** اور واحد مؤنث کے لئے اور تثنیہ مؤنث کے لئے **غَيبةً** ای وقتَ غَيْبَةٍ: اُن کے غائب ہونے کے وقت۔ غَيْبَةً مصدر کا صیغہ ہے۔ یعنی واحد مؤنث غائبہ کے لئے "تَضْرِبُ" آتا ہے اور تثنیہ مؤنث غائبہ میں "تَضْرِبَانِ"۔ تو اِن دونوں صیغوں میں بھی شروع میں "تاء" آئی۔

والياءُ للغائبِ غيرَهُما اور یاء غائب کے صیغوں میں آئے گی اس حال میں کہ وہ اِن دونوں کے علاوہ ہو۔ یعنی واحد مؤنث غائبہ اور تثنیہ مؤنث غائبہ کے علاوہ غائب کے صیغوں میں یاء آئے گی۔ یعنی "تَضْرِبُ اور تَضْرِبَانِ" کے علاوہ غائب کے تمام صیغوں میں شروع میں یاء آئے گی۔ جیسا کہ "يَضْرِبُ، يَضْرِبانِ، يَضْرِبُوْنَ اور يَضْرِبْنَ"۔

و حروفُ المضارَعةِ مضمومةٌ فی الرباعِیِّ و مفتوحةٌ فیما سِواہ اور حروف مضارعة مضموم ہوتے ہیں رُباعی میں اور مفتوح ہوتے ہیں اُس کے علاوہ میں۔ یہی نَاَیْتَ کے حروف مضموم ہوں گے رُباعی کے اندر اور مفتوح ہوں گے اُس کے علاوہ وہ۔ رُباعی سے صرف والا رباعی مجرَّد اور رباعی مجرّد فیہ نہیں مراد۔ بلکہ رُباعی سے مراد ہے چار حرف والا۔ یعنی جس کے ماضی میں چار حرف آئیں ہوں، چاہے حروفِ اصلی ہوں یا حروفِ زائد ہوں۔ تو اِس کے مضارع کے شروع والے حرف پر ضمہ آئے گا۔ جیسے اَکْرَمَ چار حروف والا ہے تو اسکا مضارع يُكْرِمُ ہے۔ یعنی جس کے ماضی میں چار حروف ہوں تو اُسکے مضارع میں علامت مضارع مضموم آئیں گی۔ اسی طرح بابِ تفعیل سے كَرَّمَ آتا ہے۔ اِس کے ماضی میں بھی چار حروف ہے تو اس کے مضارع يُكَرِّمُ میں علامت مضارع "یاء" پر ضمہ پڑھیں گے۔ اسی طرح قَاتَلَ بابِ مُفَاعَلَة سے ماضی کا صیغہ ہے اور چار حروف پر مشتمل ہے۔ اور اسکی مضارع يُقَاتِلُ میں بھی علامتِ مضارع "یاء" پر ضمہ ہے۔ اسی طرح بابِ فَعْلَلَ سے ماضی دَحْرَجَ میں چار حروف ہیں تو اسکا مضارع يُدَحْرِجُ میں بھی علامتِ مضارع مضموم آتا ہے۔

اور رباعی کے علاوہ یعنی جس کے ماضی میں چار حروف نہیں ہوتے۔ چاہے تین حرف ہوں یا چار سے زیادہ حرف ہوں تو اسکے مضارع میں علامتِ مضارع مفتوح آئے گا۔ ثلاثی مجرد سے جیسا کہ ضَرَبَ میں تین حروف ہیں تو اس کی مضارع يَضْرِبُ میں علامتِ مضارع یاء پر فتحہ آئی۔ اور جس کے ماضی میں چار سے

زائد حروف ہوں جیسا کہ اِسۡتَخۡرَجَ میں چھ حروف ہیں۔ اور اسکی مضارع یَسۡتَخۡرِجُ میں علامتِ مضارع یاء پر فتحہ ہے۔

و لا یعرب من الفعلِ اور اعراب نہیں دیا جائے گا فعل میں سے **غیرُہٗ** ای غیرُ المضارعِ: مضارع کے علاوہ کو۔ یعنی مضارع کے علاوہ اور کوئی معرب نہیں ہے فعل میں سے۔ فعل ماضی بھی معرب نہیں اور فعل امر بھی معرب نہیں۔ صرف فعل مضارع معرب ہے۔

لیکن یاد رکھو! فعل مضارع معرب تب ہے جب اسکے ساتھ نونِ تاکید نہ ملا ہو اور نونِ جمع مؤنث کی ضمیر نہ ملی ہو۔ نونِ تاکید سے مراد نونِ خفیفہ اور نونِ ثقیلہ ہے۔ اور اگر مضارع کے ساتھ نون خفیفہ یا نونِ ثقیلہ مل جائے تو پھر یہ مبنی ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر مضارع کے ساتھ نونِ جمع مؤنث مل جائے تب بھی یہ مبنی ہوجائے گا۔ تو لہٰذا "یَضۡرِبۡنَ اور تَضۡرِبۡنَ" یہ دونوں صیغیں مبنی ہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ نونِ جمع مؤنث کی ضمیر ملی ہوئی ہے۔ **اذا لم یَتَصِّل بہٖ نونُ تاکیدٍ** جب نہ ملا ہوا ہو اِس مضارع کے ساتھ نونِ تاکید۔ **و لا نونُ جمع مؤنثٍ** اور نہ نونِ جمع مؤنث ملا ہو۔

وَ اِعۡرَابُہٗ رفعٌ و نصبٌ و جزمٌ اور فعلِ مضارع کا اعراب رفع، نصب اور جزم ہے۔ اسم کا اعراب رفع، نصب اور جرّ ہوتا ہے۔ تو جرّ خاصّہ ہے اسم کا۔ کیونکہ جرّ حروفِ جارّہ کی وجہ سے آئے گا۔ اور حروفِ جارّہ صرف اسم پر داخل ہوتے ہیں۔ اور جزم خاصّہ ہے فعل مضارع کا۔ کیونکہ جزم آتا ہے جوازم کی وجہ سے۔ اور جوازم فعل مضارع پر داخل ہوتے ہیں۔

اعراب کے لحاظ سے فعل مضارع کتنی قسم پر ہے۔ اب صاحب کافیہؒ وہ بتلاتے ہیں۔ یاد رکھو! آسان طریقہ آپ کو بتلاتا ہوں۔ فعل مضارع کے اندر نونِ اعرابی آئے گا یا نونِ اعرابی نہیں آئے گا۔ اگر نونِ اعرابی آ رہا ہے تو یہ ایک قسم ہو گئی۔ اگر نونِ اعرابی نہیں تو پھر دیکھو! کہ وہ باقی صیغیں صحیح ہیں یا معتلّ ہیں۔ صحیح وہ ہیں کہ جس کے آخر میں حرفِ علّت نہ آرہا ہو۔ اور اگر آخر میں حرف علّت (واؤ، الف، یاء) آرہا ہو تو یہ معتلّ کہلائے گا۔ اگر فعل مضارع کے آخر میں حرف علّت نہیں آرہا تو یہ فعل مضارع صحیح ہوا تو پھر یہ دوسری قسم ہوا۔

اب اگر مضارع معتلّ ہے۔ تو پھر اس میں دیکھئے کہ وہ معتلِّ الفی ہے یا معتلِّ غیرِ الفی ہے۔ معتلِّ الفی وہ ہے جس کے آخر میں الف آرہا ہو۔ اور معتلِّ غیرِ الفی وہ جس کے آخر میں واؤ یا یاء آرہی ہو۔ تو اگر الف آرہا ہے تو یہ ایک قسم ہوا اور اگر الف نہیں آرہا تو یہ دوسری قسم ہوا۔ تو یہاں تک کل چار قسمیں ہو گئیں۔ ایک نونِ اعرابی، دوسرا صحیح، تیسرا معتلِّ الفی، چوتھا معتلِّ غیر الفی۔

یہی چار قسمیں بیان کریں گے صاحب کافیہؒ آگے۔ سب سے پہلے صاحب کافیہؒ صحیح کو بیان فرمائیں گے۔

فالصَّحِيحُ پس وہ صحیح اَلْمُجَرَّدُ عَنْ ضَمِيْرٍ بارزٍ مرفوع جو خالی ہو ضمیر بارز مرفوع سے۔ یعنی جس کے ساتھ ضمیرِ بارز مرفوع نہ ملی ہوئی ہو۔ بھئی ضمیر بارز مرفوع اُن صیغوں میں ہے جن میں نونِ اعرابی ہے۔ للتثنيةِ وہ ضمیر بارز مرفوع جو تثنیہ کے لئے ہو، والجمع اور یا وہ ضمیر بارز مرفوع جمع کے لئے ہو، و المخاطَب المؤنث اور یا وہ ضمیر بارز واحد مؤنث مخاطبہ کے لئے ہو۔ جیسا کہ تَضْرِبِيْنَ۔ اس میں نون اعرابی ضمیر بارز مرفوع ہے اور یہ یہ صیغہ واحد مؤنث مخاطَبہ کے لئے ہے۔ تو وہ صحیح جو ضمیر بارز مرفوع سے خالی ہو۔ اور وہ ضمیر بارز مرفوع تثنیہ، جمع اور واحد مؤنث مخاطبہ کے لئے ہو۔ تو یہ کل پانچ صیغیں رہ گئے۔ یعنی "يَضْرِبُ، تَضْرِبُ، تَضْرِبُ، اَضْرِبُ اور نَضْرِبُ"۔ اب اس صحیح کے اس قسم کا اعراب کیا ہوگا: بالضمةِ والفتحةِ و السُّكونِ تو وہ صحیح جو ضمیر بارز مرفوع سے خالی ہو تو اسکا اعراب حالتِ رفعی میں ضَمة کے ساتھ، حالت نصبی میں فتحة کے ساتھ اور حالتِ جزم میں سکونْ کے ساتھ آئیگا۔ مثلُ يَضربُ و لَنْ يَضْرِبَ و لم يضربْ جیسا کہ يَضْرِبُ حالت رفعی ہے اور ضمة آیا۔ اور لَنْ يَّضْرِبَ حالتِ نصبی میں ہے اور فتحة آیا اور لَمْ يَضْرِبْ حالتِ جزمی ہے اور سکون آیا۔

والْمُتَّصِلُ به متصل سے پہلے مضارع موصوف محذو نکالو۔ ای المضارعُ المتصلُ بهٖ: اور وہ مضارع کہ ملا ہوا ہو اُس کے ساتھ۔ ذٰلکَ وہ ۔ ذٰلکَ کے ذریعے اشارہ ہے ضمیرِ بارز مرفوع کی طرف۔ یعنی وہ فعل مضارع جس کے ساتھ ضمیر بارز مرفوع ملی ہوئی ہو۔ یعنی مضارع کے وہ سات صیغیں جن کے ساتھ نونِ اعرابی ملا ہو تو اُس کا اعراب: حالتِ رفعی میں نونِ اعرابی کو برقرار رکھنے کے ساتھ ہے اور حالتِ نصبی اور حالتِ جزمی میں نونِ اعرابی کے حذف کے ساتھ ہے۔ بالنُّونِ و حَذْفِها ای بالنُّونِ رفعٍ و حذْف النونِ: تو وہ فعل مضارع جس کے ساتھ نونِ اعرابی ملا ہوا ہو تو حالت رفعی نون اعرابی کے ساتھ آئے گا اور حالت نصبی اور جزمی حذْفِ نون کے ساتھ آئے گا۔ تو جس بھی فعل مضارع کے ساتھ نونِ اعرابی ملا ہوا ہو چاہے صحیح ہو چاہے معتل ہو۔ دونوں کا یہی اعراب ہے۔ یعنی حالت رفعی میں نونِ اعرابی کے ساتھ آئے گا اور حالت نصبی جزمی میں نونِ اعرابی کو حذف کیا جائے گا۔ مثلُ يضربان و يضربون و تضربين تو حالتِ رفعی میں تثنیہ کے صیغیں يَضْرِبَانِ، تَضْرِبَانِ، تضْربانِ اور تَضْرِبَانِ آئے گا، حالتِ رفعی میں جمع کے صیغیں يَضْرِبُوْنَ اور تَضْرِبُوْنَ آئے گا۔ اور حالت رفعی میں واحد مؤنث مخاطبہ کا صیغہ تَضْرِبِيْنَ آئے گا۔ اور حالتِ نصبی میں تثنیہ کے صیغیں لَنْ يَضْرِبَا، لَنْ تَضْرِبَا، لَنْ تضربا اور لَنْ تَضْرِبَا آئے گا، حالتِ نصبی میں جمع کے صیغیں لَنْ يَضْرِبُوْا اور لَنْ تَضْرِبُوْا آئے گا۔ اور حالت نصبی میں واحد مؤنث مخاطبہ کا صیغہ لَنْ تَضْرِبِيْ آئے گا۔ اور حالتِ جزمی میں تثنیہ کے صیغیں لَم يَضْرِبَا، لَمْ تَضْرِبَا، لَمْ تضربا اور

لَمْ تَضْرِبَا آئے گا، حالتِ نصبی میں جمع کے صیغیں لَمْ یَضْرِبُوْا اور لَمْ تَضْرِبُوْا آئے گا۔ اور حالت نصبی میں واحد مؤنث مخاطبہ کا صیغہ لَمْ تَضْرِبِیْ آئے گا۔

و الْمُعْتَلُّ بالواوِ والیاءِ بالضمةِ تقدیرًا و الفتحةِ لفظا و الحذفِ اور وہ معتلّ جو واؤ کے ساتھ ہو اور وہ معتل جو یاء کے ساتھ ہو اِن کی اعراب حالت رفعی میں ضمة تقدیری کے ساتھ، حالتِ نصبی فتحه لفظی کے ساتھ اور حالتِ جزمی حذفِ واؤ اور حذفِ یاء کے ساتھ ہوگا۔

معتلِّ واوی کی مثال: یَدْعُوْا۔ اسکی حالتِ رفعی "یَدْعُوْا" ہے۔ آخر میں کوئی ضمة نہیں آیا تو اسکی حالت رفعی ضمة تقدیری کے ساتھ ہے۔ حالت نصبی میں "لَنْ یَّدْعُوَ" فتحه لفظی کے ساتھ آیا اور حالت جزمی میں "لَمْ یَدْعُ" لام کلمه یعنی واؤ کے حذف کے ساتھ آیا۔

معتلِّ یائی کی مثال: یَرْمِیْ۔ حالت رفعی میں "یَرْمِیْ" پڑھیں گے۔ اور اس پر کوئی ضمة نہیں آیا۔ تو اسکی حالت رفعی ضمة تقدیری کے ساتھ ہے۔ حالت نصبی فتحة لفظی کے ساتھ ہے جیسا کہ "لَنْ یَّرْمِیَ" اور حالت جزمی حذف لام کلمه یعنی "یاء" کے حذف کے ساتھ ہے جیسا کہ "لَمْ یَرْمِ" ہے۔

وَ الْمُعْتَلِّ بِالْاَلِفِ بِالضمةِ و الفتحةِ تقدیرا و الحذفِ اور وہ معتل اِس حال میں کہ الف کے ساتھ ہو، اسکی حالت رفعی ضمة تقدیری کے ساتھ اور حالت نصبی فتحة تقدیری کے ساتھ اور حالت جزمی حذف لام کلمه کے ساتھ۔

معتلِّ الفی کی مثال: جیسا کہ سَعیٰ یَسْعیٰ۔ حالت رفعی میں "یَسْعیٰ" آئے گا رفعة تقدیری کےساتھ، حالت نصبی میں "لَنْ یَّسْعیٰ" آئے گا فتحة تقدیری کے ساتھ اور حالت جزمی میں "لَمْ یَسْعَ" آئے گا حذف لام کے ساتھ۔

صاحب کافیہؒ نے اب تک یہ بتلایا کہ فعل مضارع معرب ہے۔ اور یہ بھی بتلایا کہ فعل مضارع کے اعراب تین ہیں۔ اور رفع، نصب اور جزم ہے۔ پھر اعراب کے لحاظ سے فعل مضارع کی چار قسمیں بھی بتلا دی کہ اگر فعل مضارع نونِ اعرابی سے خالی ہو اور صحیح ہو تو اِس پر ضمة بھی آئے گا، فتحة بھی آئے گا اور سکون بھی آئے گا۔ اور اگر نونِ اعرابی کے ساتھ ہو چاہیے وہ صحیح ہو یا معتلّ ہو تو اِنکا اعراب حالت رفعی میں اِثبات نون کے ساتھ، حالت نصبی اور حالت جزمی میں حذفِ نون کے ساتھ آئے گا۔

اسکے آگے صاحب کافیہؒ نے بتلایا کہ اگر ایسا معتلّ ہو کہ جن کے اندر نونِ اعرابی نہ ہو۔ اگر وہ معتلِّ واوی یا معتلِّ یائی ہو تو اِن کا اعراب حالتِ رفعی ضمة تقدیری کے ساتھ، حالتِ نصبی فتحة لفظی کے ساتھ اور حالت جزمی لام کلمه کے حذف کے ساتھ ہوگا۔ اور چوتھی قسم اگر معتلِّ الفی ہو تو اسکے بارے میں بتلایا کہ حالت رفعی ضمة تقدیری کے ساتھ ہوگا، حالت نصبی فتحة تقدیری کے ساتھ ہوگا اور حالت جزمی حذف لام کلمه کے ساتھ ہوگا۔

اب صاحب کافیہؒ آپ کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ کب فعل مضارع مرفوع ہوگا، کب منصوب ہوگا اور کب مجزوم ہوگا۔

وَ يَرْتَفِعُ اور فعل مضارع مرفوع ہوگا۔ إِذَا تَجَرَّدَ عَنَ النَّاصِبِ والْجازِمِ جب وہ خالی ہو نصب دینے والے سے اور جزم دینے والے سے۔ یعنی جب کوئی عامل ناصب بھی نہ ہو اور عامل جازم بھی نہ ہو تو فعلِ مضارع مرفوع ہوگا۔ نحو يَقومُ زيدٌ جیسا کہ "يقومُ زيدٌ"۔ تو يَقومُ فعل مضارع ہے اور اس پر نصب دینے والا عامل کوئی نہیں اور نہ ہی جزم دینے والا عامل آیا ہے تو یہ مرفوع ہوگا۔

ایک قیمتی بات یہ یاد رکھئے کہ جب اسم مرفوع ہوگا تو اسکے بارے میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ عوامل ناصبہ اور عواملِ جارّہ سے خالی ہے تو اِس لئے مرفوع ہے۔ بلکہ اسم اس لئے مرفوع ہوگا کہ وہاں ایک عامل معنوی موجود ہے جو "ابتدا" کہلاتا ہے اور یہ عامل معنوی اپنے معمول کو رفع دیتا ہے۔ اور "ابتدا" کی تعریف یہ کی کہ اسم خالی ہو کسی بھی عامل لفظی سے۔ اور یہ اسم اس طور پر خالی ہو کہ اس کا اسناد کسی کی طرف ہو یا کسی کا اسناد اس کی طرف ہو۔ تو یہ صرف مبتدا اور خبر کو شامل ہوا۔ مبتدا خالی ہوتا ہے عوامل لفظی سے۔ اور اس طور پر خالی ہے کہ یہ مسند الیہ واقع ہو رہا ہے۔ یعنی اِس کی طرف کسی کا اِسناد کیا جا رہا ہے۔ اور خبر بھی عامل لفظی سے اس طور پر خالی ہے کہ اسکا اسناد کیا جا رہا ہے مبتدا کی طرف۔ باقی سارے اس سے خالی ہو گئے۔ جیسا کہ اکیلا لفظ "زید" ہے۔ زید اس وقت عامل لفظی سے خالی ہے لیکن نہ اسکا اسناد کسی کی طرف ہے اور نہ ہی کسی کا اسناد اسکی طرف ہے۔

اب فعل مضارع منصوب کب ہوگا اُس کے بارے میں صاحب کافیہؒ بتلانا چاہتے ہیں۔

وَ يَنْتَصِبُ اور فعل مضارع منصوب ہوگا۔ آگے صاحبِ کافیہؒ پانچ حروف کو ذکر کر رہے ہیں کہ اِن کے بعد مضارع منصوب ہوگا۔ اِن میں سے چار حروف "اَنْ، لَنْ، كَیْ اور اِذَنْ" ہیں۔ اور پانچوی قسم اَنْ مقدَّرہ ہے۔ اور یہ اَن مُقدّرة حتّٰی ، لامِ کَیْ ، لامِ جَحَد، فاء، واؤ اور "اَوْ" کے بعد آتا ہے، بِاَنْ وَ لَنْ وَ كَیْ وَ اِذَنْ اور مضارع منصوب ہوگا، "اَنْ، لَنْ، كَیْ اور اِذَنْ" کے بعد۔ و بِاَنْ مُقدَّرَةٍ اور وہ اَنْ جو مقدَّرة ہو اُس کے بعد بھی مضارع منصوب ہوگا، اس حال میں کہ بعدَ حتّٰی وہ اَنْ مقدَّرة حتّٰی کے بعد آتا ہے، و لامِ كَیْ اور وہ اَنْ مقدَّرة لامِ كَیْ کے بعد آتا ہے، و لامِ الْجُحود اور وہ اَنْ مقدَّرة لامِ جحد کے بعد آتا ہے، وَ الْفَاءِ اور وہ اَنْ مقدَّرة "فا" کے بعد آتا ہے، وَالْوَاوِ اور وہ اَنْ مقدَّرة "واؤ" کے بعد آتا ہے، وَ اَوْ اور وہ اَنْ مقدَّرة "اَوْ" کے بعد آتا ہے۔ تو فعل مضارع پر جب یہ پانچ حروف داخل ہوں گے تو فعل مضارع منصوب ہوگا۔ اِن میں ایک اَن مقدرّة ہے۔ اور یہ اَنِ مقدرّہ چھ چیزوں کے بعد آتا ہے۔ صاحب کافیہ نے یہاں پر چھ چیزیں اجمالاً ذکر کر دی کہ اِن کے بعد اَنْ مقدَّر ہوتا ہے۔ آگے صاحب کافیہؒ ہر ایک کی

تفصیل ذکر فرمائے گا۔ اور آخر میں بتلائے گا کہ حروف عاطفہ کے بعد بھی اَنْ مقدّر ہوتا ہے۔ جبکہ یہاں اجمال میں حروفِ عاطفہ کو ذکر نہیں کیا ہے۔ تو اصل میں یہ اَنِ مقدرّہ سات چیزوں کے بعد آتا ہے۔

اب صاحب کافیہؒ تفصیل سے ہر ایک کو ذکر فرمائیں گا۔

اَنْ کی مثال: فَاَنْ پس اَنْ جو ہے۔ مثل اُرِیدُ اَنْ تُحْسِنَ اِلَیَّ: میں چاہتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ احسان کریں۔ دیکھو تُحْسِنَ کو "اَنْ" نے نصب دیا۔ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُم اور تمھارا روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ دیکھئے "تَصُوْمُوْنَ" سے نونِ اعرابی کو "اَنْ" نے گرا دیا۔ تو دیکھو! صاحب کافیہؒ نے یہ دو مثالیں ذکر کی کہ اِن میں ایک میں نصب فتحۃ کے ساتھ آرہا تھا اور دوسرے میں نصب نونِ اعرابی گرنے کے ساتھ آیا۔ وَ الَّتِی اور وہ اَنْ تَقَعُ بَعْدَ الْعِلْمِ جو عِلَم کے بعد واقع ہو۔ عِلَم سے مراد وہ افعال ہے جو یقین پر دلالت کرتے ہیں۔ یعنی وہ "اَنْ" جو یقین والے افعال کے بعد واقع ہو۔ هِیَ اَلْمُخَفَّفَةُ مِنَ الْمُثَقَّلَةِ اور وہ "اَنْ" مخففة من المثقلة ہے۔ و لیست بِهٰذِہٖ اور یہ نہیں ہے۔ یعنی یہ اَنْ ناصبہ نہیں ہے۔ بھئی دیکھو مادّہ علم یعنی عین، لام اور میم، اسکے بعد کبھی اَنْ آتا ہے۔ جیسا کہ اِعْلَم اَنْ، عَلِمَ اَنْ۔ اسی طرح یقین والے افعال کے بعد بھی یہ اَنْ آجاتا ہے۔ تو صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ افعال یقین کے بعد جو یہ "اَنْ" آتا ہے یہ اَنْ ناصبہ نہیں بلکہ یہ اصل میں اَنَّ ہے لیکن تخفیفًا اسکے ایک نون کو گرایا گیا۔ اور اسکو اَنْ مخففہ من المثقلہ کہتے ہیں۔ اور یاد رکھو! یہ اَنْ جب مخففة من المثقلة ہو، تو اُس وقت اسکا اسم ضمیر شان محذوف ہوتا ہے۔ جیسا کہ میں کہتا ہوں، "اَنْ زیدٌ قائمٌ"۔ یہ پورا کلام نہیں مثلاً کسی کلام کا جز ہے۔ اگر کوئی آپ سے کہہ دیں کہ یہ اَنْ مخففہ من المثقلة ہے تو آپ فورًا سمجھ جائیں گے کہ یہ دراصل اَنَّ تھا۔ اور جب بھی اَنَّ کو مخففہ بنا دیتے ہیں تو اس کے اسم کو حذف کر دیتے ہیں۔ معلوم ہوا اِس کا اسم بھی ساتھ محذوف ہے، اصل میں اَنَّهُ تھا۔ اور اصل کلام یوں تھا، "اَنَّهُ زیدٌ قائمٌ"۔ تو یہ اَنْ کو جب آپ نے مخففہ بنایا تو یہ اب بھی ضمیر شان میں عمل کر رہا ہے۔ اور یہ اَنْ ضمیر شان کو نصب دے رہا ہے۔

اور یہ بھی یاد رکھئے اس کی وجہ کیا ہے کہ یہ عِلم اور یقین کے افعال کے بعد جو اَنْ آتا ہے یہ اَنْ ناصبہ نہیں ہوتا بلکہ اَنْ مخففة من المثقلة ہوتا ہے۔ اس کی وجہ علماءؒ یہ لکھتے ہیں کہ یہ اَنْ ناصبة اُمید کے لئے آتا ہے۔ اور ماقبل میں جو فعل ذکر ہوا یعنی عِلم وہ یقین کے لئے ہے۔ اور ایک ہی جگہ پر اُمید بھی ہو اور یقین بھی ہو یہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ یا صرف یقین ہوگا یا صرف اُمید اور توقع ہوگی۔

تو لہٰذا عِلم بھی یقین پر دلالت کرتا ہے اور اَنَّ بھی یقین کے لئے آتا ہے تو عِلم کے بعد یہ اَنْ مخففة من المثقلة ہے۔ نحو علمتُ اَنْ سیقومُ دیکھو یہ اَنْ آیا ہے عَلِمْتُ فعل کے بعد۔ تو یہ اَنْ ناصبہ نہیں بلکہ اَنْ مخففہ من المثقلة ہے۔ اور جب اَنْ ناصبة نہیں تو یہ مضارع کو نصب بھی نہیں دے گا۔ تو ہم نے "اَنْ

سَیَقُوْمَ" نہیں پڑھنا بلکہ "اَنْ سَیَقُوْمُ" پڑھنا ہے۔ وَ اَنْ لا یَقُوْمُ یہاں پر علمتُ محذوف نکالو تو کلام یوں ہوگا، "علمتُ اَنْ لا یقومُ"۔ تو یہاں صاحب کافیہ نے دو مثالیں ذکر فرمائی۔ پہلی مثال میں یقومُ پر سین داخل ہے اور دوسری مثال میں یقومُ پر "لا" داخل ہے۔ اور مضارع مرفوع رہے گا۔ کیونکہ یہ اَنْ ناصبۃ نہیں بلکہ اَنْ مخففة من المثقلة ہے۔

اور اصل میں عبارت یوں ہے، "علمتُ اَنَّہُ سَیقومُ" اور "علمتُ اَنَّہُ لا یقومُ"۔

والتی تَقَعُ بعدَ الظَّنِ اور وہ اَنْ جو واقع ہو ظَنّ کے بعد۔ ففیہا الوجہانِ تو اُسکے اندر دو وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ یعنی ظَنَّ یَظُنُّ کے فعل کے بعد اگر "اَنْ" آجائے تو اِس میں دونوں وجہیں جائز ہیں۔ یعنی اِس کو اَنْ ناصبۃ بنانا بھی جائز اور اَنْ مخففة من المثقلة بنانا بھی جائز۔ اگر آپ اِس کو اَنْ ناصبۃ بنا دیں گے تو یہ آگے آنے والے فعل مضارع کو نصب دے دیگا۔ اور اگر آپ اِس کو اَنْ مخففة من المثقلة بنائے تو یہ آگے آنے والے فعل مضارع کو نصب نہیں دیگا۔

و لَنْ اور اسی طرح فعل مضارع کو نصب دینے والے حروف میں سے ایک لَنْ ناصبۃ بھی ہے۔ مثلُ لَنْ اَبرحَ جیسے "لَنْ اَبْرَحَ"۔ دیکھا فعل مضارع "ابرح" کو نصب دیا۔ و معناہا نَفِیِّ الْمُسْتَقْبِلِ اور لَنْ ناصبۃ کا معنیٰ نفی المستقبل ہے۔ یعنی یہ مستقبل کی نفی کے لئے آتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "لَنْ اَضْرِبَکَ": میں مستقبل میں آپ کی پٹھائی نہیں کروں گا۔ تو ضَرب کی نفی مستقبل میں کی گئی۔

درس 100۔ وَ اِذَنْ فعل مضارع کو نصب دینے والے حروف میں سے ایک "اِذَنْ" بھی ہے۔ اذا لَمْ یَعْتَمِدْ ما بعدَہا علیٰ ما قبلَہا جب اعتماد نہ ہو اِسکے مابعد کا اسکے ما قبل پر۔ یعنی "اِذَنْ" کے مابعد کا جب اعتماد نہ ہو "اِذَنْ" کے ماقبل پر۔ و کانَ الفعلُ مستقبلا اور فعل بھی مستقبل ہو۔ یعنی فعل مضارع "مستقبل" کے معنیٰ میں ہو۔ صاحب کافیہ نے بتلایا کہ اِذَنْ فعل مضارع کو نصب دیگا اور اسکے لئے دو شرائط ذکر فرمائیں۔ پہلا شرط یہ کہ اِذَنْ کے مابعد کا اعتماد اِذَنْ کے ماقبل پر نہ ہو۔ یعنی وہ ماقبل کے لئے معمول نہ ہو۔ یعنی ماقبل اسکے بغیر تام ہو رہا ہو۔ اور دوسرا شرط یہ کہ وہ فعل مضارع جو اِذَنْ کے بعد آئے یہ مستقبل کے معنیٰ میں ہو اور حال کے معنیٰ میں نہ ہو۔

مثلُ اِذَنْ تدخلَ الجنۃَ دیکھئے! مثال سے بات سمجھ آئیگی۔ ایک شخص نے آپ سے کہا "میں اسلام لے آیا"۔ تو آپ نے کہا، "اِذَنْ تَدْخُلَ الْجَنَّۃَ": پھر تو تُو جنت میں داخل ہوگا۔ تو یہاں پر فعل مضارع کو اِذَنْ نے نصب دیا ہے کیونکہ اِس میں وہ دونوں شرطیں پائی گئی ہے۔ پہلی شرط یہ تھی کہ اِذَنْ کے مابعد کا ماقبل پر اعتماد نہ ہو۔ یعنی ماقبل پہلے ہی تامّ ہو چکا ہو۔ اُس نے جب کہا کہ "اَسْلَمْتُ" تو اُس کا کلام تامّ ہو گیا۔ دوسرا شرط یہ کہ فعل مضارع مستقبل کے معنیٰ میں ہو۔ اور دُخولِ جنّت مستقبل میں

ہوگا۔ تو فعل مضارع مستقبل کے معنیٰ میں بھی ہے اور ماقبل اسکے بغیر تام ہو چکا ہے۔ تو دونوں شرائط پائی گئی۔ تو اب اِذَنۡ نے عمل کیا اور نصب دے دیا۔

اور اگر اِن میں سے کوئی ایک شرط بھی منتفی ہو جائے تو پھر یہ اِذَنۡ نصب نہیں دیگا۔ چاہے ایک شرط منتفی ہو جائے چاہے دونوں شرطیں منتفی ہو جائے تو پھر اِذَنۡ نصب نہیں دیگا۔

مثلاً کسی ایک شرط کے مُنتفی ہونے کی مثال: مثلا آپ کا ساتھی آپ سے باتیں کر رہا ہے۔ اُس نے کوئی بات سنائی تو آپ نے کہا، "اَنا اِذَنۡ اُحسِنُ اِلَیکَ": پھر میں آپ سے احسان کروں گا۔ یہاں پر ماقبل میں "انا" آیا۔ اور "انا" مبتدا بنا اور مبتدا کے لئے خبر چاہیئے۔ اور ماقبل میں اِذَنۡ سے پہلے کوئی خبر نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اِذَنۡ کا ماقبل ابھی پورا نہیں ہوا ہے۔ تو جب ماقبل تام نہیں ہوا تو پہلا شرط مکمل نہیں ہوا تو اب "اِذَنۡ" فعل مضارع کو نصب نہیں دے سکتا۔ اگر چہ یہاں پر دوسری شرط پائی گئی ہے۔ یعنی "میں آپ سے احسان کروں گا۔" تو یہ مضارع مستقبل کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے۔ تو اِس وجہ سے "اُحسِنُ" کو نصب نہیں ملا۔

جب دونوں شرطیں منتفی ہوں گی اُس کی مثال: جیسے کوئی شخص آپ کو بات سنا رہا تھا آپ نے بات سُنتے ہی فورًا کہا، "انا اِذَنۡ اَظُنُّکَ کاذبًا" : پھر تو میں آپ کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ یہاں پر اِذَنۡ سے پہلے "اَنا" آیا۔ انا مبتدا ہے اور اِذَنۡ سے پہلے کوئی خبر گزری نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ پہلی شرط منتفی ہو گئی۔ اور دوسرا شرط یہ لگایا گیا تھا کہ فعل مضارع جو اِذَنۡ کے بعد آئے وہ مستقبل کے معنیٰ میں ہونا چاہیئے۔ حالانکہ یہ مستقبل کےمعنیٰ میں بھی نہیں کیونکہ آپ اِسے فی الحال جھوٹا کہتے ہیں۔ تو دونوں شرطیں منتفی ہو گئیں اس لئے اِذَن نے نصب والا عمل بھی نہیں کیا۔ اگر یہ نصب دیتا تو پھر آپ "اَظُنَّ" کہتے۔

و اِذا وقعتۡ اور جب واقع ہو جائے "اِذَنۡ" **بعدَ الواوِ وَ الفاء** واؤ اور فاء کے بعد **فالوجهان** ای فالوجهانِ جائزانِ: تو پھر دو وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ یعنی جب اِذَنۡ واقع ہو جائے واؤ اور فاء کے بعد۔ تو پھر آپ مضارع میں نصب بھی پڑھ سکتے ہیں اور رفع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یعنی اگر اذن پر واؤ داخل ہو جائے جیسا کہ "وَاِذَنۡ" یا اِذَنۡ پر فاء داخل ہو جائے جیسا کہ "فَاِذَنۡ" تو اب اسکے بعد جو مضارع ہے اس پر نصب پڑھنا بھی جائز اور رفع پڑھنا بھی جائز۔

و کَیۡ اور فعل مضارع کو نصب دینے والے حروف میں سے ایک حرفِ کَیۡ بھی ہے۔ **مثلُ اَسلمتُ کَیۡ اَدۡخُلَ الۡجَنَّةَ** میں اسلام لایا تاکہ داخل ہو جاؤں جنت میں۔ تو کَیۡ نے اَدۡخُلُ کو نصب دیا اور اَدۡخُلَ پڑھا گیا۔ **و معناهَا السَّبَبِيَّةُ** اور کَیۡ کا معنیٰ سَبَبِیَّت ہے۔ یعنی ما قبل سبب ہوتا ہے مابعد کے لئے۔ یعنی اسلام کا لانا یہ سبب ہے جنّت میں داخل ہونے کا۔

اب صاحب کافیہؒ حتّٰی کی بات کر رہا ہے فرماتا ہے کہ حتّٰی کے بعد اَنۡ مقدَّر ہوتا ہے۔ اب کہاں پر اَنۡ مقدَّر ہوگا اور یہ نصب والا عمل کرے گا، اور کہاں پر اَنۡ مقدَّر نہیں ہوگا۔ تو آگے شرائط ذکر فرما رہے

ہیں۔ و حتیّٰ اور حتیّٰ بھی فعل مضارع کو نصب دیگا۔ یعنی اِس کے بعد اَنْ مقدَّر ہوگا۔ اذا کانَ مُستبقلاً جب یہ فعلِ مستقبل ہو۔ یعنی حتیّٰ کے بعد جو فعلِ مضارع آرہا ہے وہ مستقبل کے معنیٰ میں ہونا چاہئے۔ لیکن آپ کی تکلُّم کی طرف نسبت کرتے ہوئے نہیں، کہ اِس وقت آپ جو کہہ رہے ہیں اُس مضارع کا تعلّق مستقبل سے ہو۔ بلکہ بالنَّظرِ الی ما قبلَها اُس حتّیٰ سے ما قبل کی طرف نظر کرتے ہوئے مستقبل کو، یعنی ایک کلام حتّٰی سے ما قبل ہے اور ایک فعل مضارع حتّٰی کے بعد آرہا ہے۔ تو حتّٰی سے ماقبل کی طرف نسبت کرتے ہوئے ما بعد مستقبل ہونا چاہئے۔ آپ کی تکلُّم کا اعتبار نہیں۔ یعنی آپ کے تکلُّم کے وقت کو نہیں دیکھیں گے۔ بلکہ حتّٰی کے ماقبل کی طرف نسبت کرتے ہوئے حتّیٰ کا ما بعد مستقبل کا زمانہ ہونا چاہئے۔ دیکھئے مثلاً ایک شخص نے کہا، "اَسْلَمْتُ حَتّٰی اَدْخُلَ الجَنَّۃَ": میں اسلام لایا تا کہ جنّت میں داخل ہو جاؤں۔ تو دیکھئے اسلام لانے کی طرف دیکھے تو جنّت کا حصول مستقبل میں ہے۔ اور متکلم کی طرف نسبت کرتے ہوئے چاہے ماضی ہو، حال ہو یا استقبال ہو اُس کو نہیں دیکھنا۔ بمعنٰی کَیْ او الی اس حال میں کہ وہ حتّیٰ "کَیْ" یا "اِلیٰ" کے معنیٰ میں ہو۔ تو گویا دو شرطیں مصنِّف نے ذکر کر دی۔ پہلی شرط یہ کہ حتّیٰ کے بعد جو فعل مضارع آرہا ہے وہ حتّیٰ کے ماقبل کی طرف نظر کرتے ہوئے وہ مستقبل کا زمانہ ہو، اور دوسری شرط یہ کہ وہ حتّیٰ "کَیْ" یا "اِلیٰ" کے معنیٰ میں ہونا چاہئے۔ یعنی وہ حتّیٰ یا تو سبَبِیَّت کے لئے آنا چاہئے یا اِنتہا بتلانے کے لئے۔

مثل اسلمتُ حتیّٰ ادخلَ الجنۃ میں اسلام لایا تاکہ جنت میں داخل ہو جاؤں۔ تو یہاں دونوں شرائط پوری ہے۔ حتیّٰ کے ماقبل کیطرف نظر کرتے ہوئے حتیّٰ کا ما بعد مستقبل کا زمانہ ہے۔ یعنی اسلام لانے کی طرف نسبت کرتے ہوئے دُخولِ جنت مستقبل ہے۔ اور متکلِّم کی زمانے کی طرف نسبت کرتے ہوئے بھی یہ مستقبل ہے لیکن متکلِّم کے زمانے کا اعتبار نہیں۔ اور دوسرا شرط بھی پورا ہے کیونکہ یہ حتّٰی "کَیْ" کے معنیٰ میں ہے۔

یاد رکھو! جب حتیّٰ "کَیْ" کے معنیٰ میں ہو تو اسکا ترجمہ "تاکہ" کے ساتھ کریں گے۔ اور جب حتیّٰ بمعنیٰ "اِلیٰ" کے ہو تو اسکا ترجمہ "یہاں تک" کے کریں گے۔

اب دیکھئے اگلی مثال کی طرف۔ و کنتُ سِرتُ حتیّٰ اَدْخُلَ البَلَدَ اور میں چلتا تھا یہاں تک کہ شہر میں داخل ہو جاؤں۔ یہاں حتّٰی سے پہلے "چلنا" ہے اور حتیّٰ کے ما بعد میں "دخولِ شہر" ہے۔ تو حتیّٰ کے ماقبل کو نظر کرتے ہوئے حتیّٰ کا مابعد مستقبل ہے۔ یعنی چلنے کی طرف نسبت کرتے ہوئے دخول شہر مستقبل ہے۔ پہلی شرط پوری ہوئی۔ دوسری شرط یہ کہ وہ حتیّٰ "کَیْ یا اِلیٰ" کے معنیٰ میں ہو اور یہاں دونوں معنیٰ لینا درست ہے۔ یعنی: میں چلتا تھا تاکہ شہر میں داخل ہو جاؤں۔ اور دوسرا معنیٰ، "میں چلتا رہا یہاں تک کہ شہر میں داخل ہو گیا۔"

وَاَسِیرُ حتّٰی تَغِیْبَ الشَّمْسُ دیکھئے یہاں بھی حتّٰی نصب دے رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دونوں شرائط پوری ہیں۔ تو یہاں "سیر" کی طرف نسبت کرتے ہوئے سورج کا غروب ہونا مستقبل ہو۔ اور دوسری یہ تھی کہ وہ حتّٰی "کَیْ یا اِلیٰ" کے معنیٰ میں ہونا چاہئے۔ تو یہاں پر حتّٰی "اِلیٰ" کے معنیٰ میں ہے۔ یہاں پر "کَیْ" والا معنیٰ لینا صحیح نہیں۔ ترجمہ: میں چلتا رہوں گا یہاں تک کی سورج غائب ہو جائے۔

تو تین مثالیں صاحب کافیہؒ نے ذکر فرمائی۔ پہلی مثال میں حتّٰی صرف "کَیْ" کے معنیٰ میں تھا۔ دوسری مثال میں حتّٰی "کَیْ اور اِلیٰ" دونوں کے معنیٰ میں تھا۔ اور تیسری مثال میں حتّٰی صرف "اِلیٰ" کے معنیٰ میں ہے۔

درس 101۔ فَاِنْ اَرَدْتَّ الحَالَ اگر آپ نے اُس مضارع کے ذریعے حال کا ارادہ کر لیا ہے تحقیقا اَوْ حِکَایَۃً تحقیق کے طریقے پر یا حکایت کے طریقے پر۔ تحقیق کے طریقے پر ہونے کا یہ معنیٰ کہ حقیقتاً بھی وہ حال ہو یعنی حال ہی کا زمانہ ہو اُسکا، جیسے کہتے ہیں، "مَرِضَ فُلَانٌ حتّٰی لا یَرْجُوْنَہٗ": فلاں بیمار ہوا یہاں تک اب وہ اُس کی امید نہیں کرتے۔ یعنی اُس کی زندگی کی امید نہیں رکھتے۔ یعنی اب اُسکی زندگی کی امید نہیں رہی۔ تو یہاں آپ نے حال ہی کے زمانے کا ارادہ کیا ہے اور حال بھی تحقیق کے طریقے پر ہے۔ حتّٰی کے بعد "لا یَرْجُوْنَہٗ" آیا۔ لا یرجونَ نون اعرابی کے ساتھ آیا۔ اور مضارع کی حالت رفعی اثبات نون کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو دیکھا اِنہوں نے کہا کہ جب مضارع کے ذریعے حال ہی کا ارادہ ہو تو اِس صورت میں "حتّٰی" ابتدا ہوگا اور اِس کے بعد فعلِ مُضارع مرفوع ہوگا۔ اور نیز سببیت بھی واجب ہے۔ یعنی ماقبل کا مابعد کے لئے سبب ہونا چاہئے۔ یعنی یہاں پر "بیمار ہونا" سبب ہے زندگی کی امید نہ ہونے کی۔ یعنی عدمِ اُمید کی سبب "بیمار ہونا" ہے۔

اور یا آپ نے مضارع حقیقت کے طریقے پر نہیں بلکہ حکایۃ کے طریقے پر حال کا ارادہ کیا ہے۔ حکایۃ کے طریقے پر حال کا ارادہ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ زمانہ تو گزر چکا ہے ماقبل کے اندر لیکن آپ اُس زمانے کو حال ہی کے اندر فرض کر لیتے ہیں۔ مثلاً میں آپ سے کہتا ہوں، "سِرْتُ اَمْسِ حتّٰی اَدْخُلُ البلَدَ"۔ ترجمہ: سِرْتُ اَمْسِ: میں گذشتہ کل چلا، حتّٰی: یہاں تک کہ، اَدْخُلُ البلَدَ: کہ شہر میں داخل ہو رہا ہوں۔ میں گذشتہ کل چلا یہاں تک کہ شہر میں داخل ہو رہا ہوں۔ تو دیکھئے میں گذشتہ کل ہی چلا تھا اور گذشتہ کل ہی شہر میں داخل ہوا تھا۔ لیکن میں آپ سے کہتا ہوں، "کہ میں گذشتہ کل چلا تھا اور اب شہر میں داخل ہو رہا ہوں۔" تو میں گذشتہ کل ہی داخل ہوا تھا، تو گویا جس وقت میں شہر میں کل داخل ہو رہا تھا، عین اُس داخل ہونے کے زمانے میں، میں نے ایک عبارت تیار کر لی تھی کہ جس کے ذریعے اپنے شہر میں داخل ہونے کو بیان کروں۔ تو عین جب میں شہر میں داخل ہو رہا تھا تو میں اپنے شہر میں داخل ہونے کو اِن الفاظ میں بتلاؤں گا، " اَدْخُلُ البلَدَ: میں شہر میں داخل ہو رہاں ہوں۔" تو یہ عبارت گویا عین اُس وقت میں، میں نے تیار کی تھی۔ اور وہ وقت تو کل ہی گزر چکا ہے لیکن میں اُس وقت کو

آج فرض کر لیتا ہوں، گویا وہ وقت فی الحال موجود ہے۔ اور جب وہ وقت فی الحال موجود ہے تو وہی کلام جو میں نے اُس وقت کے لئے تیار کر لیا تھا، بعینہٖ اُس کو فی الحال ادا کر لیتا ہوں۔

بھئی وہ شہر میں داخل ہونے کا زمانہ تو گزر چکا ہے لیکن جس وقت میں داخل ہو رہا ہوں، اُس وقت میں اپنے داخل ہونے "اَدْخُلُ البلدَ" سے تعبیر کروں گا۔ اَدْخُلُ مرفوع آئے گا۔ کیونکہ اس پر کوئی عامل داخل نہیں۔ اور فرض کریں اب فی الحال میں یہ بات کسی سے بیان کروں گا، تو میں کہوں گا، "سرتُ اَمْسِ : گذشتہ کل میں چلا تھا، حَتّٰی: یہاں تک کہ، آگے جو کلام میں لے کر آتا ہوں وہ میں یوں فرض کر لیتا ہوں کہ وہ جو کل کا زمانہ تھا وہ فی الحال ہے۔ اُسی کی حِکایۃ کر رہا ہوں، اُسی انداز میں، اُسی مضارع کو میں لے آتا ہوں جیسے اُس وقت میں ہونا چاہئے تھا۔ تو میں نے اِس وقت اُس زمانے کو فرض کر لیا۔ جب یہ زمانہ میں نے اِس وقت فرض کر لیا تو تعبیر بھی اُسی طرح ہوگی جیسی اُس وقت ہونی تھی۔ اور اُس وقت تو "اَدْخُلُ البلدَ" کہنا تھا۔ تو اب جب میں حکایۃ اُس وقت کی کر رہا ہوں اور اُس وقت کو میں نے فی الحال فرض کر لیا ہے تو اب بھی "اَدْخُلُ البلَدَ" کہوں گا۔ تو فعل مضارع کو اُسی طرح مرفوع لاؤں گا۔ اِس کو کہتے ہیں "حکایۃ کے طریقے پر" حال کا ارادہ کیا۔

اور دیکھئے سببیت بھی ہے۔ کیونکہ سرتُ یعنی چلنا سبب ہے شہر میں داخل ہونے کا۔

تو خلاصہ یہ کہ اِن دونوں صورتوں میں فعل مضارع "حتّٰی" کے بعد آئے گا۔ اور فعل مضارع مرفوع ہوگا۔ اور "حتّٰی" حرفِ ابتدا ہوگا۔ اور یہ مضارع "حتّٰی" کے بعد نیا کلام ہو گا۔ اور مضارع اِس صورت میں مرفوع ہوگی۔

كَانَتْ حرفُ ابْتِدَاءٍ تو پھر وہ حتّٰی حرفِ ابتدا ہوگا۔ حتّٰی کے ابتدا ہونے کا یہ معنیٰ کے پھر حتّٰی کے بعد نیا کلام ہوگا۔ **فَتَرْفَعُ** تو فعل مضارع کو آپ رفع دیں گے **وَ تَجِبُ السَّبَبِيَّةُ** اور سببیۃ بھی واجب ہے۔ یعنی حتّٰی کے ماقبل کا حتّٰی کے مابعد کے لئے سبب ہونا ضروری ہے۔

تو صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ جب آپ مضارع کے ذریعے حال کا ارادہ کر لیتے ہیں چاہے اُس حال کا ارادہ حقیقتًا ہو یا حکایۃً ہو تو ان دونوں صورتوں میں دو امور واجب ہوں گے۔ پہلا یہ کہ حتّٰی حرف ابتدا ہوگا اور دوسرا یہ کہ سببیت واجب ہوگی۔

مثلُ مَرِضَ حَتّٰی لا يَرْجُونَهُ وہ بیمار ہوا یہاں تک کہ وہ اُسکی امید نہیں کرتے۔ ای لا یرجونَ حیاتَهٗ: یعنی اُس کی زندگی کی امید اب نہیں رہی۔ تو یہاں دیکھئے تحقیق کے طریقے پر حال کا ارادہ ہے۔

وَمِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے۔ یعنی جب مضارع کے ذریعے حال کا ارادہ کیا جائے تحقیقًا یا حکایۃً تو دو امور واجب ہوتے ہیں پہلا یہ کہ حتّٰی حرف ابتدا ہوگا، اور دوسرا سببیت۔ اب اگر یہ امور نہ پایا جائے تو پھر کلام کس طرح ہوگا۔ آگے صاحب کافیہ اُس کی وضاحت اپنے الفاظ میں کرتے ہیں۔ **اِمْتَنَعَ الرَّفْعُ فِی**

رفع کا پڑھنا ممتنع ہے اِس مثال میں، کان سَیْرِیْ حتّٰی اَدْخُلَہَا "کان سَیْرِی حتّٰی اَدْخُلَہَا" فِی النَّاقِصَۃِ کانَ ناقصۃ میں۔

بھئی دیکھو! کانَ دو قسم پر ہے۔ ایک کانَ تامّہ ہے اور ایک کانَ ناقصۃ ہے۔ کانَ ناقصۃ وہ ہے کہ جہاں صرف اسم کے ساتھ ملکر بات پوری نہیں ہوتی بلکہ خبر کی بھی ضرورت رہتی ہے۔ جیسا کہ "کانَ زیدٌ قائمًا" : زید کھڑا تھا۔ تو زیدٌ ہے کانَ کا اسم اور قائمًا ہے کانَ کی خبر۔ تو یہاں پر صرف "کانَ زیدٌ" کہہ دیں اور قائمًا نہ کہے تو بات پوری نہیں ہوتی کیونکہ یہ کانَ ناقصہ ہے۔ کیونکہ کانَ ناقصۃ اسم کے ساتھ ساتھ خبر کو بھی چاہتا ہے۔

اور ایک ہوتا ہے کانَ تامّہ۔ جہاں صرف اسم کے ساتھ ملکر بات پوری ہو جاتی ہے۔ اور یہ کانَ بمعنیٰ ثَبَتَ کے ہوتا ہے۔ جیسے "کانَ زیدٌ" ای "ثَبَتَ زیدٌ": زید ثابت ہوا یعنی زید تھا۔ تو یہاں پر اب کسی خبر کی ضرورت نہیں۔ تو کانَ تامّہ کے اندر وہی اسم فاعل بن جائے گا اور بات پوری ہو جائے گی۔

تو لہٰذا کہتے ہیں کہ کانَ ناقصہ کے اندر "کانَ سَیْرِی حتّٰی اَدْخُلَہَا" میں اَدْخُلَہَا کی بجائے اَدْخُلُہا یعنی رفع کا پڑھنا ممتنع ہے امرِ اوّل کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ اور امرِ اوّل "حتّٰی" کا ابتدا ہونا ہے۔ اور اگر یہاں پر "حتّٰی" کو حرفِ ابتدا بنائیں تو مابعد کلامِ مستقل ہوگا۔ یعنی نیا کلام شروع ہوگا۔ کلامِ مستانَف۔ اور ماقبل کے ساتھ اسکا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اور اگر یہاں پر "اَدْخُلَہَا" کا ماقبل سے تعلق نہ رہے تو "کانَ ناقصۃ" بغیر خبر کے رہ جائے گا۔ کیونکہ کانَ ناقصۃ کے لئے خبر ضروری ہوتا ہے۔ تو دیکھئے کلام آیا، "کانَ سَیْرِیْ" میں سَیْرِیْ مضاف مضافٌ الیہ ملکر کانَ کا اسم ہوا۔ اور حتّٰی سے پہلے خبر کوئی نہیں آتی۔ تو یہ کانَ ناقصۃ بغیر خبر کے ہو جائے گا۔ تو اب اگر حتّٰی کے مابعد کو کلامِ مُسْتَانَف یعنی نیا کلام بنا دیں تو کانَ ناقصۃ بغیر اپنی خبر کے رہ جائے گا، اور اس وجہ سے معنیٰ خراب ہو جائے گا۔ تو یہاں پر حتّٰی کو حرفِ ابتدا بنانا صحیح نہیں۔ پس لہٰذا اس مثال میں "اَدْخُلُ" پر رفع پڑھنا ممتنع ہے اور اس پر نصب ہی پڑھیں گے۔

و اَسِرْتَ حتّٰی تدخلَہا اور یہ مثال بھی ممتنع ہے۔ اس مثال میں بھی تَدْخُل پر رفع پڑھنا ممتنع ہے امر ثانی کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ امرِ ثانی یعنی سببیت کا واجب ہونا تھا۔ یعنی ماقبل کو مابعد کے لئے سبب ہونا چاہئے۔ تو یہاں پر یہ سببیت والا معنیٰ صحیح نہیں بنتا اس لئے یہاں پھر رفع کا پڑھنا ممتنع ہے۔ دیکھئے! اَسِرْتَ: کیا تو چلا، اگر اس کے بعد آپ تَدْخُلُہَا پڑھے، تو پھر حتّٰی کے بعد تو کلام مستقل یعنی کلامِ مُسْتَانَف آیا، تو گویا آپ اُسکی خبر دے رہے ہیں۔ تَدْخُلُہَا: تو شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ اور خبر تب دی جاتی ہے کہ جب آپ کا داخل ہونا یقینی ہو۔ یعنی جب آپ یقینی طور پر شہر میں داخل ہو رہے ہو تبھی میں خبر دوں گا۔

تو صاحب کافیہؒ نے فرمایا تھا کہ سببیت واجب ہے۔ ماقبل کو سبب ہونا چاہئے اور ما بعد کو مُسَبَّبْ ہونا چاہئے۔ تو یہاں پر مُسَبَّبْ "آپ کا شہر کے اندر داخل ہونا" ہوا۔ اور اگر اُس کو ہم مستقل کلام

بنائیں تو پھر تو گویا وہ خبر بن گئی یعنی آپ کا داخل ہونا یقینی ہے۔ تو معلوم ہوا مُسَبَّبْ یقینی ہوا۔ اور سَبَب کے بارے میں شک ہے یعنی "اَسِرْتَ": کیا تو چلا ہے؟ پتہ نہیں کہ چلا ہے یا چلا نہیں۔ اسی لئے تو سوال کیا ہے۔ تو سبب میں ہے شک اور مسبب ہے یقینی، اور یہ تو محال ہے۔ تو جب مسبّب یقینی ہے تو سبب بھی یقینی ہونا چاہئے۔ تو یہاں پر سببیت درست نہیں ہے۔ تو امرِ ثانی کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ مثال بھی ممتنع ہے۔ تو لہٰذا " اَسِرْتَ حتیّٰ تدخلُها " نہیں پڑھیں گے بلکہ " اَسِرْتَ حتیّٰ تدخلَها " پڑھیں گے۔

و جاز فی التَّامَةِ اور جائز ہے کانَ تامّہ کے اندر۔ **کانَ سیرِیْ حتیّٰ اَدْخُلُها** یہاں اَدْخُلُ پر رفع پڑھنا جائز ہے۔ تو یہ کانَ تامّہ ہے۔ اور کانَ تامّہ صرف اسم کو چاہتا ہے۔ اور سیرِیْ مضاف اور مضاف الیہ ملکر کانَ تامّہ کے لئے اسم یعنی کانَ تامّہ کا فاعل آگیا۔ تو یہ بات پوری ہو گئی۔ اور یہ کانَ تامّہ "ثَبَتَ" کے معنیٰ میں ہوا۔ ای ثَبَتَ سَیْرِیْ: میرا چلنا ثابت ہوا۔ تو یہ پورا جملہ ہے۔ حتیّٰ اَدْخُلُهَا: یہاں تک کہ شہر میں، میں اب داخل ہو رہا ہوں۔ تو یہاں پر حتیّٰ کو حرف ابتدا بنائے اور اس کے مابعد کلام کو کلامِ مُسْتَانَف بنائے تو بات صحیح رہتی ہے کیونکہ کانَ تامّہ کو خبر کی ضرورت نہیں رہتی۔

وَ اَیُّھُم سارَ حتیّٰ یدخلُها اور اسی طرح یہ کلام "اَیُّھُم سارَ حتیّٰ یدخلُها" بھی صحیح ہے۔ ترجمہ: اَیُّھُم سارَ: کون اُن میں سے چلا، حتیّٰ: یہاں تک کہ، یدخلُها: اُس شہر میں داخل ہو رہا ہے۔

اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تو بالکل ماقبل کلام "اَسِرْتَ حتیّٰ تَدْخُلَهَا" کی طرح ہے۔ استفہام تھا اور استفہام شک کی وجہ سے ہوا کرتا ہے۔ تو اگر حتیّٰ کو ابتدا کے لئے بنا دے تو مابعد میں کلامِ مستقل ہوا۔ تو یَدْخُلُها سے دُخول کی خبر دی جا رہی ہے اور چلنے میں شک ہے۔ تو سبب میں شک اور مسبب قطعی ہوا۔ یہ تو اُس جیسی مثال ہوا۔

جواب۔ نہیں بھئی یہ اُس جیسی مثال نہیں ہے۔ معنیٰ دیکھئے، "اَیُّھُمْ سارَ": کون اُن میں سے چلا۔ حتیّٰ یَدْخُلُهَا: یہاں تک کہ شہر میں داخل ہو رہا ہے۔ اس مثال میں کسی کا چلنا یقینی طور پر ہے لیکن تعیین نہیں کہ کون چل رہا ہے۔ یعنی صرف تعیین کے بارے میں سوال ہو رہا ہے۔ اور اُس چلنے میں کوئی شک نہیں۔ "اَیُّھُمْ سارَ": کون اُن میں سے چلا، معلوم ہوا کوئی اُن میں سے ضرور چلا ہے۔ لیکن کون چلا ہے یہ پتہ نہیں۔ تو چلنا یعنی سبب یقینی ہے۔ تو جب سبَب یقینی ہے تو جس کی آپ خبر دے رہے ہیں وہ مُسبَّب بھی یقینی ہوا۔ تو مُسَبَّب کو خبر بنانا یعنی اُس کو مستقل کلام بنانا صحیح ہوا۔

وَ لامُ کَیْ اور لامِ کَیْ کے بعد بھی اَنْ مقدَّر ہوتا ہے۔ **مثلُ** مثال کے طور پر **اَسلَمْتُ لِاَدْخُلَ الْجَنَّةَ** میں اسلام لایا تا کہ جنت میں داخل ہو جاؤں۔ کلام اصل میں یوں ہے، "اَسلمتُ لِاَنْ اَدْخُلَ الجَنَّةَ"۔ تو یہاں پر لامِ کَیْ کے بعد اَنْ مقدَّر ہے جیسا کہ حتّیٰ کے بعد اَنْ مقدَّر تھا۔

وَ لامُ الْجُحُودِ اور لامِ جُحُود یا لامِ جَحَدْ جو ہے۔ لامُ تاکیدٍ ایسا لام تاکید ہے۔ بعدَ النَّفْيِ جو نفی کے بعد آتا ہے۔ لِكانَ اور وہ نفی کانَ کے لئے ہوتی ہے۔ یعنی کانَ پر حرفِ نفی داخل ہوتا ہے۔ اور اُس نفی کی تاکید کے لئے ایک لام آتا ہے، جسے لامِ جُحُود کہتے ہیں۔ یا آسان لفظوں میں یوں کہو! کانَ منفی کے بعد نفی کی تاکید کے لئے جو لام آئے، اُسے لامِ جحود کہتے ہیں۔ مثلُ مثال کے طور پر وَ مَا كانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ اللہ اُن کو عذاب دینے والے نہیں۔ تو دیکھو! کانَ ہے۔ اور کانَ پر حرفِ نفی "ما" داخل ہوا۔ تو یہ کانَ منفی ہوا۔ اور اِس نفی کی تاکید کے لئے آگے "لِيُعَذِّبَهُمْ" میں ایک لام آرہا ہے۔ تو یہ لامِ جُحود ہوا۔ اور لامِ جُحود کے بعد اَنْ مقدَّر ہوتا ہے۔ اسی لئے يُعَذِّبَ کے باء پر ہم فتحہ پڑھ رہے ہیں۔ اور اصل کلام یوں ہے، " وَ مَا كانَ اللّٰهُ لِاَنْ يُّعَذِّبَهُمْ" ۔

وَ الفاءُ بِشَرْطَيْنِ اور وہ "فاء" جس کے بعد "اَنْ" مقدَّر ہو، وہ بھی مضارع کو نصب دیں گی دو شرطوں کے ساتھ۔ احدُهُمَا السَّبَبِيَّةُ اُن دو شرطوں میں سے ایک تو سببیت ہے۔ یعنی فاء کے ماقبل کو سبب ہونا چاہئے اور فاء کے ما بعد کو مُسَبَّبْ ہونا چاہئے۔ والثانی اَنْ يَّكُونَ قبلَها امرٌ اَوْ نَهْيٌ اَوْ إِسْتِفْهامٌ اَوْ نَفْيٌ اَوْ تَمَنٍّ اَوْ عَرْضٌ اور دوسری شرط یہ کہ اُس فاء سے پہلے چھ چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ہونی چاہئے۔ یا امر ہو، یا نہی ہو، یا استفہام ہو، یا نفی ہو، یا تمنی ہو یا عرض ہو۔ یعنی اِن چھ چیزوں میں سے کوئی ایک فاء سے پہلے ہو۔ یعنی فاء اِن میں سے کسی ایک چیز کے جواب میں آئی ہو۔

امر کی مثال: زُرْنِي فَاُكْرِمَكَ: تو میری زیارت کر کہ میں تیرا اکرام کروں گا۔ دیکھو! یہاں "فاء" آیا اور اُسکے بعد فعل مضارع اُكْرِمَ پر نصب پڑھا۔ تو اِس فاء کے بعد اَنْ مقدَّر ہے۔ اس لئے کہ یہاں پر دونوں شرائط پوری ہیں۔ پہلی شرط سببیت تھی۔ تو یہاں پر زیارت کرنا سبب ہے اور اکرام کرنا مُسبَّب ہے۔ اور دوسری شرط یہ تھی کہ فاء چھ چیزوں میں سے کسی ایک کے جواب میں ہو۔ اور یہاں فاء امر کے جواب میں آیا ہے۔

نہی کی مثال: لَا تَشْتِمْنِي فَاُكْرِمَكَ: تو مجھے گالی نہ دے تو میں تیرا اکرام کروں گا۔ یہاں بھی دونوں شرطیں پوری ہے۔ ماقبل سبب ہے مابعد کے لئے۔ یعنی "گالی نہ دینا" سبب ہے "اکرام کرنے" کا۔ اور دوسرا یہ کہ "فاء" نہی کی جواب میں آیا ہے۔

استفہام کی مثال: هَلْ عِنْدَكَ ماءٌ فَاَشْرَبَهُ۔ کیا آپ کے پاس پانی ہے تا کہ میں اُس کو پی لوں۔ تو یہاں پر سببیت بھی موجود ہے اور فاء استفہام کے جواب میں آیا ہے۔

نفی کی مثال: مَا تَأْتِينَا فَتُحَدِّثَنَا: آپ ہمارے پاس نہیں آتے تا کہ ہم سے باتیں کریں۔ تو یہاں سببیت بھی ہے اور فاء سے پہلے نفی آیا ہے۔

تمنّی کی مثال: لَیۡتَ لِی مالاً فَاُنۡفِقَهٗ: کاش کہ میرے پاس مال ہوتا تو میں اسکو خرچ کرتا۔ تو یہاں فاء سے ماقبل تمنّی آیا اور نیز ماقبل سبب ہے مابعد کے لئے۔

عرض کی مثال: اَلَا تَنۡزِلُ بِنَا فَتُصِیۡبَ خَیۡرًا: کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے تو آپ کو خیر پہنچتی۔ تو یہاں پر فاء عرض کی جواب میں آئی اور نیز سببیت بھی موجود ہے۔ تو اس لئے مضارع کو نصب دیا۔

والواوُ اور واؤ کے بعد بھی اَنۡ مُقَدَّر ہوگا۔ اور فعل مضارع کو نصب دیگا۔ **بِشَرۡطَیۡنِ** دو شرطوں کے ساتھ۔ **اَلۡجَمۡعِیَّةُ** ایک شرط تو یہ کہ وہ واؤ جمعیة کا فائدہ دے۔ یعنی وہ واؤ جمع ہونے کا فائدہ دے۔

وَ اَنۡ یَّکُوۡنَ ما قَبۡلَهَا مثلُ ذٰلِکَ اور یہ کہ اُس واؤ کا ماقبل اُس فاء کی مثل ہو۔ذٰلِکَ کے ذریعے فاء کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح فاء کے ماقبل میں چھ چیزوں میں سے ایک کا ہونا ضروری تھا۔ تو اسی طرح اِس واؤ کے ماقبل میں بھی چھ چیزوں میں سے کسی ایک کا ہونا ضروری ہے۔

تو واؤ کے بعد بھی اَنۡ مقدَّر ہوگا جب وہ واؤ جمعیة کے لئے آئے اور دوسرا یہ کہ وہ واؤ چھ چیزوں میں سے کسی ایک کے جواب میں آئے۔ اور وہ چھ چیزیں، "امر، نہی، استفہام، نفی، تمنی اور عرض" ہے۔

جمعیة کی مثال: لَا تَأۡکُلِ السَّمَکَ وَ تَشۡرَبَ اللَّبَنَ: تو مچھلی نہ کھا اور دودھ نہ پی اکھٹا۔ یعنی تو مچھلی کے کھانے اور دودھ کے پینے کو جمع نہ کر۔ یعنی مچھلی کھانے کے ساتھ ساتھ دودھ پی لو ایسا نہ کرو۔

تو دیکھو! یہاں واؤ آیا۔ اور واؤ کے بعد فعل مضارع تَشۡرَبَ منصوب ہے۔ تو یہ واؤ نصب دے رہا ہے۔ اس لئے کہ یہاں پر وہ دونوں شرطیں پائی جاتی ہے۔ پہلی شرط یہ تھی کہ یہ واؤ جمعیة کے لئے آئے یعنی جمع کا فائدہ دے یعنی اکھٹا کرنے کا فائدہ دے۔ اور دوسرا یہ کہ چھ چیزوں میں سے کسی ایک کے جواب میں آئے اور یہاں پر واؤ نہی کے جواب میں آیا ہے۔

وَ اَوۡ اور اَوۡ کے بعد بھی اَنۡ مقدَّر ہوتا ہے۔ اور فعل مضارع کو نصب دیگا۔ **بِشَرۡطٍ** لیکن ایک شرط ہے۔ **معنیٰ اِلیٰ اَنۡ اَوۡ اِلّا اَنۡ** اِس شرط کے ساتھ کہ وہ اَوۡ یا "اِلیٰ اَنۡ" کے معنیٰ میں ہوگا اور یا "اِلَّا اَنۡ" کے معنیٰ میں ہوگا۔

مثال: لَاَلۡزِمَنَّکَ اَوۡ تُعۡطِیَنِیۡ حَقِّیۡ: میں تیرے ساتھ ضرور بالضّرور لازم رہوں گا یہاں تک کہ تو مجھے میرا حق دے دیں۔ تو یہاں دیکھے "اَوۡ" آیا۔ اور یہ "اَوۡ" اِلیٰ اَنۡ یا اِلّا اَنۡ کے معنیٰ میں ہے۔ بعض علماء کے نزدیک یہ اَوۡ "اِلیٰ اَنۡ" کے معنیٰ میں ہے اور بعض علماء کے نزدیک یہ اَوۡ "اِلّا اَنۡ" کے معنیٰ میں ہے۔

اِلیٰ اَنۡ کے ساتھ ترجمہ: لَاَلۡزِمَنَّکَ: میں تیرے ساتھ ضرور بالضُّرور لازم رہوں گا، اِلیٰ اَنۡ تُعۡطِیَنِیۡ حَقِّیۡ: یہاں تک کہ تو مجھے میرا حق دے دیں۔

اِلّا اَنۡ کے ساتھ ترجمہ: لَاَلۡزِمَنَّکَ: میں تیرے ساتھ ضرور بالضُّرور لازم رہوں گا، اِلَّا اَنۡ تُعۡطِیَنِیۡ حَقِّیۡ: مگر یہ کہ تو مجھے میرا حق دے دیں۔

لیکن یه یاد رکھو! که یه اَوْ "اِلیٰ اَنْ" یا "اِلّا اَنْ" کے معنیٰ میں نہیں ہوگا۔ اِلیٰ کے معنیٰ میں ہوگا یا اِلّا کے معنیٰ میں ہوگا۔ اور اِس کے بعد اَنْ مقدّر ہوگا۔ چونکه اس کے بعد اَنْ مقدّر ہوتا ہے اس لئے معنیٰ میں بھی ساتھ اِلیٰ اَنْ ذکر کر دیا۔ ورنه اگر یه اَوْ خود اِلیٰ اَنْ کے معنیٰ میں ہو ، اور اس کے بعد ایک اور اَنْ مقدّر نکالے، پھر تو دو اَنْ جمع ہو جائیں گے۔ اور پھر بات صحیح نہیں رہتی۔ تو لہٰذا یه "اَوْ" خود اِلیٰ یا اِلّا کے معنیٰ میں ہے اور اسکے بعد اَنْ مقدّر ہوتا ہے۔

وَ العاطفةُ ای الحروفُ العاطفةُ: حروف عاطفه۔ حروفِ عاطفه کے بعد بھی اَنْ مقدّر ہوگا۔ یعنی حروفِ عاطفه کے بعد جب مضارع آئے تو وہ منصوب ہوگا۔ اذا کان المعطوفُ علیهِ اسمًا جبکه معطوف علیه اسم ہو۔ حروف عاطفه سے ماقبل میں جو آئے وہ معطوفٌ علیه کہلاتا ہے۔ اور جو حروف عاطفه کے مابعد میں آئے تو وہ معطوف کہلاتا ہے۔

اشکال یه پیدا ہوتا ہے که فعل مضارع معطوف ہوا اور اسم معطوفٌ علیه ہوا۔ اور فعل مضارع کا عطف اسم پر ہوا۔ حالانکه اسم کا عطف اسم پر ہوتا ہے اور فعل کا عطف فعل پر ہوتا ہے۔ تو یه تو صحیح نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہاں پر اَنْ مقدَّر نکالا جائے گا۔ اور اِس اَنْ نے فعل مضارع کو مصدر کے معنیٰ میں کردیا۔ اور مصدر بھی اسم ہوتا ہے۔ تو معطوفٌ علیه بھی اسم ہوا اور معطوف پہلے سے اسم تھا۔ لہٰذا اب عطف کرنا صحیح ہوا۔

پس تمام حروف عاطفه کے بعد اگر فعل مضارع آجائے تو وہ منصوب ہوگا، اس شرط پر که معطوفٌ علیه اسم ہو۔

مثال: اَعْجَبَنِی ضَرْبُکَ وَ تَشْتِمَ: اَعْجَبَنِی : تعجب میں ڈالا مجھے، ضَرْبُکَ: آپ کی پٹھائی کرنے نے، وَ تَشْتِمَ ای وَ اَنْ تَشْتِمَ: اور آپکی گالی دینے نے۔ آپکی پٹھائی کرنے نے اور آپ کی گالی دینے نے مجھے تعجب میں ڈالا۔ تو یہاں پر "ضَرْبُکَ" معطوفٌ علیه ہے، واؤ حرف عطف ہے، اور تَشْتِمَ فعلِ مضارع ہے۔ اور فعلِ مضارع کا عطف اسم پر ہو رہا ہے۔ اور اسم پر تو فعل کا عطف صحیح نہیں۔ لہٰذا حرفِ عطف کے بعد اَنْ مقدَّر نکالا۔ اور وَ تَشْتِمَ منصوب پڑھا۔ تو اب یه اَنْ تَشْتِمَ بھی اسم بنا اور اسم کا اسم پر عطف صحیح ہوا۔

سوال۔صاحب کافیهؒ نے جب بتلایا تھا که یه یه چیزیں مضارع کو نصب دیتا ہے۔ تو اُن سب کی تفصیل بیان کر دی۔ لیکن وہاں پر صاحب کافیهؒ نے حروفِ عاطفه کو اِجمالاً ذکر نہیں کیا تھا که حروفِ عاطفه کے بعد اَنْ مقدَّر ہوتا ہے۔ تو مناسب یه تھا که اِسکو وہاں پر بھی ذکر کیا جاتا۔ تا که یه جو تفصیل ہے یه اجمال کے مطابق ہو جاتی۔

یہاں تک کچھ اُن مقامات کو ذکر کیا جن کے بعد اَنْ مقدَّر ہوتا تھا۔ اب صاحبِ کافیهؒ آپ کو بتلا رہے ہیں که دو جگہیں ایسی ہیں جہاں پر اَنْ مقدّر ہوتا ہے لیکن آپ اِس کو ظاہر بھی کر سکتے ہیں۔ و

يجوزُ اِظْهارُ اَنْ مَعَ لَامِ كَيْ وَ الْعَاطِفَةِ اور جائز ہے اَنْ کو ظاہر کرنا لامِ کَیْ کے ساتھ اور حروف عاطفة کے ساتھ۔ لام کَیْ کے بعد جیسا کہ "اَسْلَمْتُ لِاَدْخُلَ الجنَّةَ" کو "اَسْلَمْتُ لِاَنْ اَدْخُلَ الجنَّةَ" پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور حروف عاطفة کے بعد جیسا کہ " اَعْجَبَنِي ضَرْبُكَ وَ تَشْتِمَ" کو "اَعْجَبَنِي ضَرْبُكَ وَ اَنْ تَشْتِمَ" پڑھنا بھی جائز ہے۔

وَ يَجِبُ مَعَ لَا اور واجب ہے اَنْ کا ظاہر کرنا "لَا" کے ساتھ فِي اللَّامِ لامِ کَیْ کے اندر عليها جو اَنْ پر داخل ہوا ہو۔ ھا ضمیر اَنْ کو راجع ہے۔ تو لامِ کَیْ کے بعد اَنْ مقدّر ہوتا ہے۔ تو جب لامِ کَیْ کے بعد اگر لائے نفی آجائے۔ یعنی لامِ کَیْ کے بعد فعل مضارع آرہا ہے لیکن درمیان میں حرف نفی آگیا۔ تو دو لام جمع ہو گئے۔ ایک لامِ کَیْ اور ایک لائے نفی۔ اور دو لاموں کا جمع ہونا پسندیدہ نہیں۔ تو لہٰذا اب وہ اَنْ جو کہ مقدّر تھا اُس کو ظاہر کرنا واجب ہے۔

مثال: ضَرَبْتُ زيدًا لِئَلَّا يَضْرِبَكَ: ضَرَبْتُ زيدًا : میں نے زید کی پٹھائی کی، لِئَلَّا يَضْرِبَكَ: تا کہ کہیں وہ آپ کی پٹھائی نہ کردے۔ تو دیکھو! یہاں لِئَلَّا يَضْرِبَكَ میں لام کَیْ آیا۔ اور لامِ کَیْ کے بعد لائے نفی آیا۔ تو لہٰذا اب اَنْ کو ظاہر کرنا واجب ہے اور لِئَلَّا يَضْرِبَكَ پڑھیں گے۔ کیونکہ دو لاموں کا جمع ہونا پسندیدہ نہیں۔ اور نیز اِس کا رسمُ الخط بھی الگ ہوگا۔ یہ لام لکھتے ہیں۔ لام کے آگے ایک دندانہ اور اُس پر ہمزہ لکھتے ہیں۔ اور ساتھ ہی آگے ملا کر لکھتے ہیں "لا"۔ یعنی لِئَلَّا يَضْرِبَكَ۔

فعل مضارع کو جزم دینے والے عوامل

درس 102- وَ يَنْجَزِمُ اور فعل مضارع مجزوم ہوگا بِلَمْ لم کے ساتھ و لَمَّا اور لَمَّا کے ساتھ و لامِ الاَمْرِ اور لامِ امر کے ساتھ و لَا فِي النَّهْيِ اور وہ لا جو نہی کے لئے آتا ہے۔ یعنی لائے نہیں کے ساتھ۔ وَ كَلِمِ الْمُجَازَاةِ اور اِسی طرح جو مُجازاۃ کے کلمے ہیں۔ اور مجازاۃ کے کلمے شرط اور جزا پر داخل ہوتے ہیں۔ و ھی اور وہ یہ ہیں اِنْ وَ مَهْمَا وَ اِذْما وَ اِذَاما و حيثُما و اَيْنَ و متىٰ و ما و مَنْ و اَيٌّ و اَنّىٰ تو یہ گیارہ کلمات، مجازاۃ کے کلمے ہیں۔ تو اِن کی وجہ سے بھی مضارع پر جزم آئے گا۔ اِن میں یاد رکھو! "اِذْما، اِذَاما اور حيثُما" یہ تین اگر بغیر "ما" کے ہوں تو پھر یہ فعل مضارع کو جزم نہیں دیتے۔ جبکہ اگلے دو جو ہیں، یعنی "اَيْنَ اور متىٰ" اِن کے بارے میں بھی یاد رکھنا! یہ فعلِ مضارع کو جزم دیتے ہیں مطلقًا، چاہے اِن کے ساتھ "ما" آئے یا "ما" نہ آئے۔ یعنی "اَيْنَ اور متىٰ" یا "اَيْنَ ما اور متىٰ ما" دونوں صورتوں میں مطلقًا فعل مضارع کو جزم دیگا۔

و اَمّا مَعَ كيفَما و اذا فَشاذٌّ اور باقی کیفَما اور اِذا کے ذریعے فعلِ مضارع کا جزم کا آنا نہایت قلیل ہے۔ وَ بِاَنْ مُقَدَّرَةً اور اِنْ کے ساتھ اِس حال میں کہ وہ مقدّر ہوتا ہے۔ بھئی ایک اِنْ اُنہوں نے اوپر

ذکر کیا تھا لیکن وہ ملفوظ ہوتا ہے۔ اور کبھی اِنْ عبارت میں ذکر نہیں ہوتا بلکہ مقدَّر ہوتا ہے۔ تو اُس اِنْ مقدرَّۃ کی وجہ سے بھی فعل مضارع پر جزم آتا ہے۔

اب صاحب کافیہ سب کی تفصیل بتلانے لگے ہیں۔

فَلَمْ لِقَلْبِ المضارع ماضِیًا و نَفْیِہٖ پس لَم جو ہے پلٹنے کے لئے ہے مضارع کو ماضی کی طرف اور اُس کی نفی کے لئے۔ دیکھو! میں نے کہا، "یَضْرِبُ" تو اسکا معنیٰ ہے وہ پٹھائی کرتا ہے یا پٹھائی کرے گا۔ اب اس پر "لَمْ" داخل کر دے تو "لَمْ یَضْرِبْ" بن جائے گا۔ ایک تو لَمْ نے مضارع کو جزم دیا۔ اِس نے مضارع مثبت کو منفی بنا دیا۔ اور نیز اب ماضی والا ترجمہ کریں گے۔ اب "لَمْ یَضْرِبْ" کا معنیٰ، "اُس نے پٹھائی نہیں کی" ہے۔ تو دیکھا ایک تو نفی آگئی اور ایک ماضی آگیا۔

وَ لَمّا مِثْلُھا اور لَمَّا بھی لَمْ کی طرح ہے۔ لَمَّا بھی مضارع کو ماضی کی طرف پلٹ دیگا۔ اور مضارع مثبت کو منفی بنا دے گا۔ جیسے آپ کہتے ہیں، "قَامَ الاَمِیْرُ و لَمَّا یَرْکَبْ": امیر کھڑا ہوا اور ابھی تک سوار نہیں ہوا۔ تو "لَمَّا یَرْکَبْ" میں لَمَّا کے ذریعے رُکوب کی نفی بھی ہو گئی اور ماضی کا زمانہ بھی آگیا۔ ہاں لَمْ اور لَمَّا میں کچھ فرق ہے۔ وہ بتلانے لگے ہیں صاحب کافیہ۔ وَ تُخْتَصُّ بِالْاِسْتِغْرَاقِ اور یہ جو لَمَّا ہے یہ خاص ہے استغراق کے ساتھ۔ یعنی لَمَّا استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی جب سے اُس فعل کی نفی ہوئی ہے اُس کے بعد سے آج تک اُس کا اثبات نہیں ہوا۔ یعنی سارے زمانۂ ماضی کا پھر احاطہ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ "قَامَ الاَمِیْرُ و لَمَّا یَرْکَبْ": امیر کھڑا ہوا اور ابھی تک سوار نہیں ہوا۔ تو جب سے اُس سے سوار ہونے کی نفی کی ہے یعنی قیام کے بعد سے لے کر اب تک وہ سوار نہیں ہوا۔ تو دیکھو لَمَّا نے اُس وقتِ اِنتفا سے لے کر زمانۂ حال تک سارے ماضی کو گھیر لیا۔ اور اُس سارے میں رُکوب کی نفی کر دی۔ تو لَمَّا استغراق کا فائدہ دیتا ہے جبکہ لَمْ استغراق کا فائدہ نہیں دیتا۔ وَ جَوَازِ حَذْفِ الْفِعْلِ اور فعل کے حذف کے جائز ہونے کے ساتھ۔ یعنی لَمَّا کے اندر فعل کو حذف کرنا بھی جائز ہے۔ اور لَمْ کے اندر فعل کو حذف کرنا جائز نہیں۔ جیسے کسی نے آپ سے پوچھا، کیا امیر سوار ہو گئے؟ تو آپ نے کہا، "قامَ الامیرُ و لَمَّا"۔ اور آگے "یَرْکَبْ" نہیں کہتے۔ کیونکہ وہ سوال قرینۃ موجود ہے۔ تو آپ نے لَمَّا کو ذکر کیا اور فعل کو حذف کیا تو یہ جائز ہے۔ لیکن لَمْ کو ذکر کرے اور فعل کو حذف کیا جائے تو یہ جائز نہیں۔

نیز لَمْ اور لَمَّا میں ایک دو فرق اور بھی ہیں۔ لَمَّا پر مُجازاۃ شرط داخل نہیں ہوتے۔ جبکہ لَمْ پر مُجازاۃ شرط داخل ہوتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں "لَمَّا یَرْکَبْ"۔ تو اِس پر اگر آپ اِن شرطیہ داخل کرنا چاہتے ہیں تو داخل نہیں کر سکتے۔ لیکن "لَمْ یَرْکَبْ" پر اگر آپ اِنْ شرطیہ کو داخل کرنا چاہے تو داخل کر سکتے ہیں۔ نیز ایک اور فرق بھی ہے۔ لَمَّا میں عموماً توقّع ہوتی ہے اُس فعل کی جس کی نفی کی گئی ہے۔ بھئی آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟ کیونکہ آپ کو توقّع ہے کہ امیر سوار ہوگا۔ تو میں نے کہا " قامَ الامیرُ ولمّا یَرْکَبْ"۔

یعنی کھڑے تو ہو گئے لیکن ابھی تک سوار نہیں ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ اُمید تو ہے کہ وہ سوار ہوگا۔ تو لَمَّا کے اندر اُمید ہوتی ہے۔ اور یہ اُمید ہمیشہ نہیں بلکہ اکثر ہوتی ہے۔

و لامُ الْاَمْرِ اور لام امر جو ہے **اللامُ الْمَطْلُوبُ بِهَا الفِعْلُ** وہ لام ہے کہ جس کے ذریعے طلب کیاجاتا ہے فعل کو۔ یعنی جس کے ذریعے فعل کو طلب کو کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ "لِيَضْرِبْ زيدٌ: چاہیئے کہ زید پٹھائی کرے۔"۔ تو دیکھو! یہ ہے لامِ امر۔ اور یہ فِعل یعنی ضَرْب کو طلب کرنے کے لئے آیا ہے۔ فعل سے مراد معنیٔ مصدرِی ہے۔ لِيَضْرِب زيدٌ میں زید سے ضَرْب طلب کی۔ یعنی زید کو ضَرْب واقع کرنی چاہیئے۔ تو یہاں جو فعل کا لفظ آیا تو اِس سے فِعلِ لُغوی یعنی مصدر مراد ہے۔ لغت میں فعل کو مصدر کہتے ہے۔ **و هی مکسورةٌ ابدًا** اور یہ ہمیشہ مکسور ہوتا ہے۔

نیز اِس میں ایک اور اِہم بات یاد رکھیئے۔ یہ لامِ امر پر جب واؤ اور فاء داخل ہو جائے۔ یعنی حروفِ عاطفه میں سے لام امر پر جب واؤ اور فاء داخل ہو جائے۔ تو پھر لامِ امر کو اکثر ساکن کر دیا جاتا ہے۔ بھئی لِيَضْرِبْ ہے اِس پر واؤ اور فاء داخل کرے تو اسکو وَلْيَضْرِبْ اور فَلْيَضْرِبْ پڑھیں گے۔ تو اِس صورت میں لامِ امر کو اکثر ساکن کر دیتے ہے ہاں اس پر حرکت پڑھنا بھی جائز ہے۔

و لا النَّهِي الْمَطْلُوبُ بِهَا التَّرْكُ اور لائے نہی وہ ہے جس کے ذریعے ترک مطلوب ہوتی ہے۔ جیسے میں نے کہا "لا تَضْرِبْ": اسکا معنیٰ یہ ہے کہ میں آپ سے ترکِ ضَرْب کو طلب کر رہا ہوں۔

و كَلِمُ الْمُجازاةِ تَدْخُلُ عَلَى الْفِعْلَيْنِ اور کلِمِ مجازاة جو ہیں وہ دو فعلوں پر داخل ہوتے ہیں۔ تو ایک جملہ شرط ہے اور دوسرا جملہ جزا ہے۔ شرط کا جملہ ہونا بھی ضروری ہے اور جزا کا جملہ ہونا بھی ضروری ہے۔ یعنی کلِمِ مُجازاة دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں۔ تو صاحبِ کافیه نے دو جملوں کی بجائے دو فعل فرمائے۔ کیونکہ فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ بن جاتا ہے۔ تو یاد رکھو! شرط تو ہمیشہ جملہ فعلیہ ہوگی۔ لیکن جزا جملہ فعلیہ بھی آسکتا ہے اور جملہ اسمیہ بھی آسکتا ہے۔

تو بھئی اِنہوں نے پھر یہ کیوں فرمایا کہ کلِمِ مجازاة دو فعلوں پر داخل ہوتے ہیں۔ تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں۔ اور جب صاحب کافیہؒ نے فرمایا کہ دو فعلوں پر داخل ہوتے ہیں تو اِس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں جملے، جملہ فعلیہ ہوں گے۔ حالانکہ جزا تو کبھی جملہ اسمیہ بھی آجایا کرتی ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہاں پر اکثر اور غالبًا کی قید ملحوظ ہے۔ یعنی شرط تو جملہ فعلیہ ہی ہوتی ہے اور جزا بھی اکثر جملہ فعلیہ ہوتی ہے۔ اور جزا بطور جملہ اسمیہ قلیل استعمال ہوتا ہے۔ تو اِس وجہ سے صاحب کافیہؒ نے فرمایا کہ یہ کلِمِ مجازاة دو فعلوں پر داخل ہوتے ہیں۔ یا اِس لئے صاحب کافیہؒ نے فرمایا کہ کلِمِ مُجازاة دو فعلوں پر داخل ہوتے ہیں کیونکہ اِس وقت صاحب کافیہؒ فعل سے بحث کر رہے ہیں۔ اور اِس وقت جملہ اسمیہ سے ہماری بحث ہی نہیں۔ **لِسَبَبِيَّةِ الْاَوَّلِ وَ**

مُسَبَّبِيَّةِ الثَّانِي اول کے سبب ہونے کی وجہ سے اور ثانی کے مُسبَّب ہونے کی وجہ سے۔یعنی شرط اور جزا میں اوّل سبب ہوتا ہے اور ثانی مُسبَّب ہوتا ہے۔ مثلاً عام مثال جو آپ پڑھتے رہتے ہیں اُصولُ الشاشی میں، خاوند اپنی بیوی سے کہتا ہے "اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَاَنْتِ طالِقٌ": اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق۔ تو دیکھو "دُخولِ دار" یہ اوّل یہ سبب ہے اور "طلاق کا واقع ہونا" یہ مُسبَّب ہے یعنی جزا ہے۔

وَ يُسَمَّيَانِ شرطًا وَّ جزاءً اور اِن دونوں کو شرط اور جزا کہتے ہیں۔ فَاِنْ کان مُضَارِعَيْنِ اگر یہ دونوں فعل مضارع ہوں۔ یعنی شرط بھی مضارع ہوا اور جزا بھی مضارع ہوا، تو اس صورت میں کلم مجازاۃ کے داخل ہونے سے شرط اور جزا دونوں مجزوم ہوں گے۔ جیسا کہ اِنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ۔ اَوِ الْاَوَّلُ یا پہلا۔ یا اگر صرف شرط فعل مضارع ہوا تو اِس صورت میں بھی کلمِ مجازاۃ جزم دیگا۔ جیسا کہ اِنْ تَضْرِبْ ضَرَبْتُ فَالْجَزْمُ ای فالجَزْمُ واجبٌ: تو جزم واجب ہے۔ وَ اِن کان الثَّانی اور اگر صرف ثانی فعل مضارع ہے۔ یعنی صرف جزا فعل مضارع ہے۔ فالْوَجهان تو پھر اُس میں دو وجہیں جائز ہے۔ یعنی رفع پڑھنا بھی جائز ہے اور جزم پڑھنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ اِنْ ضَرَبْتَ اَضْرِبْ پڑھنا بھی جائز اور اِنْ ضَرَبْتَ اَضْرِبُ پڑھنا بھی جائز ہے۔ مزید تفصیل ملاحظہ کیجئے۔

بھئی دیکھو یہاں تین صورتیں بنتی ہیں۔ یا تو شرط اور جزا دونوں میں فعل مضارع آ رہا ہوگا۔ یا صرف شرط میں فعل مضارع ہوگا۔ یا صرف جزا کے اندر فعل مضارع ہوگا۔ اگر شرط اور جزا دونوں کے اندر فعل مضارع آیا تو یہ کلمِ مجازاۃ کے داخل ہونے سے پھر دونوں مجزوم ہوں گے۔ جیسے اِنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ۔ تَضْرِبْ ہے شرط اور اَضْرِبْ ہے جزا۔ اور اِنْ داخل ہوا اور دونوں فعل مضارع ہیں تو اس وجہ سے دونوں مجزوم ہو گئے۔

اور اگر صرف پہلا یعنی شرط مضارع ہو پھر بھی کلمِ مجازاۃ جزم دیں گے۔ جیسا کہ اِنْ تَضْرِبْ ضَرَبْتُ:اگر تو پٹھائی کریگا تو میں بھی پٹھائی کروں گا۔ یہاں پر ضَرَبْتُ کا ترجمہ ماضی کے ساتھ نہیں کرنا بلکہ مضارع مستقبل کے ساتھ کرنا اس لئے کہ اِنْ داخل ہوا ہے۔ اور اِنْ ماضی کو بھی مستقبل کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔

اور اگر صرف جزا مضارع ہو تو پھر دونوں وجہیں پڑھنا جائز ہیں۔ یعنی رفع پڑھنا بھی جائز ہے اور جزم پڑھنا بھی جائز۔ یعنی شرط کو فعل ماضی بناؤ اور جزا کو مضارع بناؤ۔ جیسا کہ "اِنْ ضَرَبْتَ اَضْرِبْ" پڑھنا بھی جائز اور "اِنْ ضَرَبْتَ اَضْرِبُ" پڑھنا بھی جائز۔

صاحب کافیہؒ یہاں سے بڑا قیمتی ضابطہ بتلا رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہے شرط اور جزا کے درمیان کبھی فاء آیا کرتی ہے۔ جیسا کہ اِنْ تَضْرِبْ فَاَضْرِبْ۔ تو کبھی شرط اور جزا کے درمیان فاء آتی ہے اور کبھی شرط اور جزا کے درمیان فاء نہیں آتی۔ اب کہاں پر فاء آئے گی اور کہاں پر فاء نہیں آئے گی۔ صاحب

کافیہ؃ وہ بتلانے لگے ہیں آپ کو۔ یاد رکھو! یہ جو فاء ہے ربط دینے کے لئے آتی ہے۔ دیکھو شرط بھی ایک جملہ، جزا بھی ایک جملہ، اور جملہ مستقل ہوتا ہے کسی کےساتھ جُڑنے کا محتاج نہیں۔ لیکن آپ دو جملوں کو جوڑ رہے ہیں۔ ایک کو سبب بنا رہے ہیں اور دوسرے کو مسبّب بنا رہے ہیں۔ تو اِن کو جوڑنا چاہتے ہیں اور ربط چاہئے۔ تو ربط کے لئے فاء لے کر آتے ہیں۔ لیکن فاء تب لاتے ہیں اگر اِن میں پہلے سے ربط نہ ہو۔ اگر پہلے سے ربط آچکا ہو تو پھر فاء نہیں لائی جاتی۔

دیکھو یہ جو کلمِ مُجازاۃ آپ داخل کرتے ہیں۔ یہ شرط اور جزا دونوں پر داخل ہوتے ہیں۔تو اب کلمِ مُجازاۃ کے داخل ہونے کے بعد جزا میں غور کیجئے۔ کہ اِن کلمِ مُجازاۃ نے جزا کے معنیٰ کو ماضی سے مستقبل کی طرف بدل دیا ہے کہ نہیں۔ اگر ماضی سے مستقبل کی طرف بدل دیا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ربط آچکا ہے۔ اور جب ربط آچکا تو اب فاء لانے کی ضرورت نہیں کیونکہ فاء تو ربط کے لئے لائی جاتی ہے اور ربط آچکا ہے۔ اور اگر کلمِ مُجازاۃ نے جزا کے معنیٰ کو ماضی سے مستقبل کی طرف نہیں بدلا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ربط نہیں آیا۔ اور ربط تو چاہئے۔ تو پھر ربط کے لئے فاء لے کر آتے ہیں۔

یا یوں کہہ دیں کہ اگر کلمِ مجازاۃ نے جزا کے زمانے کو تبدیل کیا تو ربط آگیا۔ اور اگر کلمِ مجازاۃ کے داخل ہونے سے جزا کے زمانے میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ربط نہیں آیا۔ تو پھر ربط کے لئے فاء لے کر آتے ہیں۔

مثلاً میں کہتا ہوں، "اِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ": اگر تو پٹھائی کرے گا تو میں بھی پٹھائی کروں گا۔ تو دیکھو صیغے میں ماضی کا بول رہا ہوں اور ترجمہ مستقبل کا کر رہا ہوں۔ تو دیکھو یہاں پر "اِنْ" نے جزا کے زمانے کو بدل ڈالا۔ یعنی جزا کے معنیٰ کو ماضی سے مستقبل کی طرف بدل ڈالا۔ تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ربط آگیا۔ اور جب ربط آگیا تو اب فاء لانے کی ضرورت نہیں۔ اور اس صورت میں "اِنْ ضَرَبْتَ فَضَرَبْتُ" کہیں گے تو یہ صحیح نہیں۔ تو اِس صورت میں پھر "قد" کا لانا ضروری ہوتا ہے۔ اور "اِنْ ضَرَبْتَ فَقَدْ ضَرَبْتُ" کہیں گے۔ کیونکہ قَدْ تحقیق کے لئے آتا ہے اور اِس نے ماضی کے معنیٰ کو پختہ کر دیا۔ اب اِنْ جزا کے زمانے کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور جب جزا کے زمانے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ربط نہیں آیا۔ تو اب ربط کے لئے فاء کا لانا ضروری ہے۔

اِنْ ضَرَبْتَ فَقَدْ ضَرَبْتُ: اگر تو پٹھائی کرے گا تو میں بھی پٹھائی کر چکا ہوں۔ تو یہاں پر قَدْ نے ماضی کے معنیٰ کو پختہ کر دیا اور اب اِنْ اسکو مستقبل کی طرف نہیں پھیر سکتا۔ اور اس صورت میں ربط نہیں آیا تو ربط لانے کے لئے فاء کا لانا ضروری ہے۔

اب مضارع کے اندر دیکھ لیں۔ یاد رکھو مضارع کے اندر فاء کا لانا بھی جائز اور فاء کا حذف کرنا بھی جائز۔ اِنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ یہ کہنا بھی جائز اور اِنْ تَضْرِبْ فَاَضْرِبْ یہ کہنا بھی جائز۔ یہاں پر مِنْ وَجْہٍ "اِنْ" نے جزا کے معنیٰ میں تبدیلی پیدا کی ہے۔ اور مِنْ وَجْہٍ "اِنْ" نے جزا کے معنیٰ میں تبدیلی پیدا نہیں کی۔ تو

بایں اعتبار کہ اِنْ نے تبدیلی پیدا کی ہے تو ربط آچکا تو اس صورت میں فاء نہیں لائیں گے۔ اور بایں اعتبار کہ اِنْ نے تبدیلی پیدا نہیں کی ہے تو ربط نہیں آیا ہے تو اس صورت میں ربط کے لئے فاء لائیں گے۔

جیسا کہ اِنْ تَضْرِبْ اَضْرِبْ: اگر تو پڑھائی کرے گا تو میں بھی پڑھائی کروں گا۔ یہاں پر میں نے جزا "اَضْرِبْ" جو ہے اس کا معنیٰ مستقبل والا کیا۔ حالانکہ جزا مضارع ہے اور اس میں حال کے معنیٰ کا بھی احتمال ہے۔ لیکن اِنْ کے آنے کے بعد اب حال والا ترجمہ نہیں کر سکتے اور استقبال والا ترجمہ کریں گے۔ تو بایں اعتبار تبدیلی آچکی ہے لہٰذا فاء لانے کی ضرورت نہیں۔

لیکن بایں اعتبار کہ مضارع کے اندر تو مستقبل پہلے سے موجود تھا۔ اور جزا کے اندر کوئی نیا معنیٰ نہیں آیا۔ تو بایں اعتبار تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ اور جب تبدیلی نہیں آئی تو ربط نہیں آیا اور ربط کے لئے اب فاء لائیں گے۔

ان کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں اُن سب میں فاء لے کر آئیں گے۔ پس ضابطہ یہ یاد رکھو! اگر اُس کلمہ شرط نے جزا کے زمانے میں کوئی تبدیلی پیدا کی ہے یا تبدیلی پیدا نہیں کی ہے۔ اگر تبدیلی پیدا نہیں کی تو پھر اس صورت میں ربط کے لئے فاء لے کر آئیں گے۔ اگر تبدیلی پیدا کر چکا ہے تو ربط آچکا ہے تو پھر فاء لانے کی ضرورت نہیں۔

مثال: اِنْ تَضْرِبْ سَوْفَ اَضْرِبْ میں جزا "سوفَ اَضْرِبْ" ہے۔ اور سوفَ نے مضارع "اَضْرِبْ" کو مستقبل کے ساتھ خاص کیا۔ تو اِنْ نے جزا کے معنیٰ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ اور جب معنیٰ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی تو اسکا مطلب یہ کہ ربط نہیں آیا۔ تو ربط لانے کے لئے اب جزا پر فاء کا لانا واجب ہے۔ اور "اِنْ تَضْرِبْ فَسَوْفَ اَضْرِبْ" کہیں گے۔ پس اکر مضارع پر بھی کوئی ایسا لفظ آئے جس کو مستقبل کے ساتھ خاص کرے تو اِس صورت میں جزا پر فاء کا لانا واجب ہوتا ہے۔

و اذا کان الجزاءُ ماضِیًا بِغیرِ قد اور جب جزاء ماضی ہو بغیر قَدْ کے۔ **لفظا او معنًی** لفظوں کے اعتبار سے یا معنیٰ کے اعتبار سے۔ بھئی ایک ماضی ہوتی ہے لفظوں کے اعتبار سے اور ایک ماضی ہوتی ہے معنیٰ کے اعتبار سے۔ جیسا کہ ضَرَبَ لفظوں کے اعتبار سے ماضی کا صیغہ ہے۔ اور ایک ہے یَضْرِبُ مضارع کا صیغہ ہے۔ اس پر ذرا لَمْ لے آئیں تو لَمْ یَضْرِبْ یہ بھی ماضی ہے۔ تو یہ لفظوں کے اعتبار سے ماضی نہیں بلکہ معنیٰ کے اعتبار سے ماضی ہے۔ **لَمْ یَجُزِ الفاءُ** تو فاء کا لانا جائز نہیں۔ کیونکہ جزاء کا معنیٰ ماضی سے مستقبل کی طرف بدل چکا ہے۔ اور جب معنیٰ بدل چکا تو ربط آگیا۔ اور جب ربط آگیا تو اب فاء لانے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر جزاء قَدْ کے ساتھ ہو تو پھر فاء کا لانا واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ قَدْ ماضی کے معنیٰ کو پختہ کرتا ہے اور پھر کلم مُجازاۃ ماضی کے معنیٰ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر

سکتا۔ اور جب جزا کے معنیٰ میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو جائے تو اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ربط نہیں آیا۔ اور ربط نہ آنے کی صورت میں اب ربط کے لئے فاء کا لانا واجب ہے۔

وَاِنْ کانَ مُضارِعًا مُثْبَتًا اَوْ مَنْفِیًّا بِلا اور اگر جزاء مضارع مثبت ہو یا جزاء مضارع منفی ہو "لا" کے ساتھ۔ یعنی ایسا حرف نفی ہو جس نے مضارع کو مستقبل کے ساتھ خاص نہ کیا ہو۔ اب اگر "لن ناصبہ" مضارع پر داخل ہو جائے تو وہ مضارع کو مستقبل کے ساتھ خاص کر دیتا ہے۔ جیسا کہ لَنْ یَّضْرِبَ: وہ پٹھائی نہیں کریگا۔ تو یہ معنیٰ مستقبل کے ساتھ خاص ہوا اور حال کا معنیٰ اب نہیں کر سکتے۔ تو لہٰذا اگر یہ "لَنْ یَّضْرِبَ" جزاء بنے تو یہ فاء کا لانا ضروری ہے۔ اسی لئے اُنہوں نے کہا مضارع منفی ہو "لا" کے ساتھ۔ کیونکہ مضارع جب "لا" کے ساتھ منفی ہوتا ہے تو پھر اس میں حال کا بھی احتمال ہوتا ہے اور استقبال کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ پھر کلمہ شرط داخل ہو گا تو یہ جزاء کو خاص کر دیگا مستقبل کے ساتھ۔ فالوجھانِ تو اُس میں دو وجہیں جائز ہیں۔ یعنی جزاء پر فاء کا لانا بھی جائز ہے اور جزاء پر فا کا نہ لانا بھی جائز ہے۔

وَاِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی جزاء ماضی بغیر قد کے لفظًا یا معنًی نہ ہو۔ یا مضارع مُثبت یا منفی بِلا نہ ہو۔ فالفاء ای فالفاءُ واجبَۃٌ: تو پھر تمام صورتوں میں فاء کا لانا واجب ہے۔

وَیَجِیْئُ اِذا مَعَ الْجُملۃِ الاسمیۃِ مَوْضِعَ الفاءِ اور کبھی کبھار اِذا آجاتا ہے جملہ اسمیہ کے ساتھ فاء کی جگہ۔ بھئی اِنہوں نے کہا کہ جزا پر فاء داخل ہوتی ہے لیکن کبھی کبھار فاء کی جگہ اِذا مفاجاتیہ آجاتی ہے۔ اِذا مُفاجاتیۃ اچانک کے معنیٰ میں ہوتی ہے۔ تو چونکہ اِس کا معنیٰ بھی اُس کے قریب ہوتا ہے ما بعد مُرَتَّب ہوتا ہے ماقبل پر۔ جیسا کہ "میں نکلا تو اچانک درندہ تھا۔" تو آپ کے نکلنے پر درندے کا ہونا مُرَتَّب ہوا۔ اور یہ اِذا مفاجاتیہ جملہ اسمیہ پر صرف داخل ہوگا اور جملہ فعلیہ پر کبھی بھی داخل نہیں ہوگا۔

یاد رکھو! ایک اِذا مفاجاتیہ ہے اور ایک اِذا ظرفیہ ہے۔ اِذا مفاجاتیہ جس طرح جملہ اسمیہ کے ساتھ خاص ہے اسی طرح اِذا ظرفیہ جملہ فعلیہ کے ساتھ خاص ہے۔

تو کبھی کبھار فاء کی جگہ اِذا لے کر آتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، " وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ اِذَا ھُم یَقْنَطُوْنَ ط"۔ ای فَھُمْ یَقْنَطُوْنَ ط ترجمہ: وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَۃٌ: اور اگر اُن کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے، بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْھِمْ: بسبب اُس کے جو اُن کے ہاتھوں نے بھیجا ہوتا ہے، یعنی اگر اُن کو اپنی ہی گناہوں کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ اِذَا ھُم یَقْنَطُوْنَ ط: تو اچانک وہ ناامید ہو جاتے ہیں۔

وَ اِنْ مُقَدَّرَۃٌ بَعْدَ الْاَمْرِ والنہی والاستفہام والتمنی و العَرْضِ اور اِنْ مقدَّر ہوگا امر، نہی، استفہام، تمنی اور عرض کے بعد، بھئی وہی چیز ذکر کرنے لگے ہیں۔ یعنی پانچ چیزوں کے بعد اِنْ مقدَّر ہوتا ہے کبھی کبھار اور اُس صورت میں یہ مابعد آنے والے فعل مضارع کو جزم دے گا۔

اس سے پہلے مصنف رح نے بتلایا تھا کہ چھ چیزوں کے بعد اَنْ مقدَّر ہوتا ہے۔ اور وہ چھ چیزیں جن کے بعد اَنْ مقدر ہوتا ہے وہ امر، نہی، نفی، استفہام، تمنی اور عرض تھا۔ تو ان چھ چیزوں کے بعد اگر فاء یا واؤ آئے اور فعل مضارع آجائے تو وہاں اَنْ مقدَّر ہوگا اور وہ اَنْ مقدَّر فعل مضارع کو نصب دیتا ہے اس شرط کے ساتھ کہ اوّل سبب ہو ثانی کے لئے۔

یہی چھ چیزیں یہاں پر ہیں لیکن اس سے صرف نفی کو نکالا ہے۔ تو باقی پانچ چیزیں یعنی امر، نہی، استفہام، تمنی اور عرض رہ گئیں۔ ان پانچ چیزوں کے بعد اگر فعل مضارع آئے تو وہاں پر اِنْ مقدَّر ہوگا۔ یعنی ان پانچ چیزوں کے بعد مضارع بغیر فاء یا واؤ کے آجائے اس شرط کے ساتھ کہ ثانی مسبب ہوا اوّل کے لئے، یعنی ماقبل سبب ہوا اور یہ مضارع مسبّب ہوا تو اس صورت میں یہ مضارع مجزوم ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ ان پانچ چھ چیزوں کے بعد اگر مضارع آئے اس شرط کے ساتھ کہ ماقبل سبب ہو اور مضارع مسبَّب ہو تو پھر دیکھئے کہ مضارع سے پہلے فاء یا واؤ آئے ہیں کہ نہیں۔ اگر فاء یا واؤ آئے ہیں تو مضارع منصوب ہوگا اور اگر فاء یا واؤ نہیں آئے ہیں تو مضارع مجزوم ہوگا۔ یعنی اگر مضارع سے پہلے فاء یا واؤ ہوئے تو اَنْ مقدَّر ہوگا اور اگر مضارع سے پہلے فاء یا واؤ نہ ہوئے تو اِنْ مقدَّر ہوگا۔

اب بعینِہٖ وہ ساری مثالیں یہاں لگا لیں صرف فاء اور واؤ کو ختم کرتے جائیں۔

جب اِنْ مقدر ہو امر کے بعد۔ زُرْنِیْ اُکْرِمْکَ۔ یہ مثال اَنْ مقدَّرَہ کی صورت میں زُرْنِیْ فَاُکْرِمَکَ تھا۔ فاء کی موجودگی میں اَنْ مقدّر تھا جس نے مضارع کو نصب دیا۔ اور فاء کو ختم کیا تو اب اِنْ مقدّر ہوا اور اس سے مضارع کو جزم دیا تو "زُرْنِیْ اُکْرِمْکَ" ہوا۔ اب یہاں پر اِنْ مقدَّر ہے۔ لیکن یہ نہیں سمجھنا کہ صرف اِنْ مقدَّر ہے۔ اِنْ کے ساتھ ساتھ شرط بھی مُقَدَّر ہے۔ اور یہ مضارع "اُکْرِمْکَ" آگے جزا ہے اُس شرط کی۔ تو پورا جملہ یوں ہوگا: زُرْنِیْ اِنْ تَزُرْنِی اُکْرِمْکَ۔۔ زُرْنِیْ: میری زیارت کرو۔ اِنْ تَزُرْنِی اُکْرِمْکَ: اگر تو میری زیارت کرے گا، تو میں تیرا اکرام کروں گا۔

تو ماقبل میں جو امر، نہی، استفہام وغیرہ آئے گا۔ اسی سے ہم شرط آگے محذوف نکالیں گے۔ تو دیکھئے "زُرْنِیْ" سے آگے میں نے شرط "اِنْ تَزُرْنِی" بنایا۔

نہی کی مثال فاء کی موجودگی میں: "لَا تَشْتِمْنِیْ فَاُکْرِمَکَ"۔ اب درمیان میں سے فاء کو ختم کرو تو مضارع پر جزم آئے اور کلام یوں بن جائے گا، "لَا تَشْتِمْنِیْ اُکْرِمْکَ"۔ تو یہاں پر اِنْ کے ساتھ ساتھ شرط بھی مقدَّر ہے۔ تو یہاں عبارت یوں بنیں گی۔ "لَا تَشْتِمْنِیْ اِنْ لَا تَشْتِمْنِیْ اُکْرِمْکَ"۔ یہ اُکْرِمْکَ جزا بن رہا ہے شرط کے لئے۔ اور یہ یاد رکھنا! ماقبل کو سبب ہونا چاہئے مابعد کے لئے۔

استفہام کی مثال فاء کی موجودگی میں: هَلْ عِنْدَکَ مَاءٌ فَاَشْرَبَهٗ: اگر فاء کو ھٹا دے تو مضارع مجزوم ہوگا۔ اور عبارت هَلْ عِنْدَکَ مَاءٌ اَشْرَبْهُ بن جائے گا۔ اور پورا عبارت " هَلْ عِنْدَکَ مَاءٌ اِنْ یَّکُنْ عِنْدَکَ مَاءٌ اَشْرَبْهُ" ہوگا۔ کیا تیرے پاس پانی ہے، اگر تیرے پاس پانی ہوا تو میں اُس کو پیوں گا۔

تمنی کی مثال فاء کی موجودگی میں: "لیتَ لِیْ مالاً فَاُنْفِقَهُ"۔اگر فاء کو ختم کرے تو عبارت "لیتَ لِیْ مالاً اُنْفِقْهُ" بن جائے گا اور مضارع مجزوم بن جائے گا۔ اور پورا عبارت، " لیتَ لِیْ مالاً اِنْ یَّکُنْ لِی مالٌ اُنْفِقْهُ" ہوگا۔ ترجمه: کاش که میرے پاس مال ہوتا، اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اُسکو خرچ کرتا۔

عرض کی مثال فاء کی موجودگی میں: "اَلَا تَنْزِلُ بِنَا فَتُصِیْبَ خَیْرًا"۔ یہاں پر اگر فاء کو ختم کریں گے تو عبارت "اَلَا تَنْزِلُ بِنَا تُصِبْ خیرًا" بنے گا۔ تُصِیْبُ فعل مضارع پر جب اِنْ نے جزم دیا تو "اِنْ تُصِیْبْ" بن گیا۔ پھر یاء اور باء کے درمیان التقائے ساکنین علیٰ غیر حدِّہٖ آیا۔ اور اِن میں پہلا ساکن مدّہ تھا تو اُسکو گرایا اور "تُصِبْ" رہ گیا۔ اور پوری عبارت"اَلَا تَنْزِلُ بِنَا اِنْ تَنْزِلْ بِنَا تُصِبْ خیرًا"۔ ترجمه:"اَلَا تَنْزِلُ بِنَا : کیا آپ ہمارے پاس تشریف نہیں لاتے، اِنْ تَنْزِلْ بِنَا: اگر آپ ہمارے پاس تشریف لاتے، تُصِبْ خیرًا: تو آپ کو خیر پہنچتی"۔

اذا قُصِدَ السَّبَبِیَّةُ جب سببیت کا ارادہ کیا جائے۔ یعنی اوّل سبب ہوگا اور ثانی مسبَّب ہوگا۔

امر کی مثال: **نحوُ اَسْلِمْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ** اسلام لے آؤ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اَسْلِمْ امر آیا۔ اور امر کے بعد فعل مضارع آیا اور فاء یا واؤ نہیں ہے۔ تو اس صورت میں فعل مضارع مجزوم ہوگا بشرطیکه ثانی مسبَّب بن رہا ہو اوّل کے لئے۔ دیکھو اسلام کا لانا سبب ہے دُخولِ جنت کا۔ تو یہاں یه "تَدْخُلْ" مجزوم ہوگا۔ اور پوری عبارت، "اَسْلِمْ اِنْ تُسْلِمْ تَدْخُلِ الجنةَ": اسلام لے آ، اگر تو اسلام لے آئے گا تو تُو جنت میں داخل ہوگا۔

نہی کی مثال: **و لا تَکْفُرْ تَدْخُلِ الجنةَ** تو کفر نه کر جنت میں داخل ہوگا۔ تو دیکھو "کفر نه کرنا" سبب ہے دُخولِ جنت کا۔تو سببیت ہے۔ اور "لا تکفر" نہی ہے۔ اور نہی کے بعد "تَدْخُل" فعل مضارع آیا اور اس پر فاء یا واؤ بھی داخل نہیں۔ تو اس وجه سے مضارع مجزوم ہوگا۔ اور پوری عبارت " و لا تکفُرْ اِنْ لا تَکْفُرْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ"۔ تو "اِنْ لا تکفُرْ" یه ہے شرط اور شرط محذوف ہے۔ اور "تدخل الجنة" جزا مذکور ہے۔

وَ امْتَنَعَ لا تَکْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ اور مُمْتَنِعْ ہے یه مثال، یوں کہنا، "لا تَکْفُرْ تَدْخُلِ النارَ": تو کفر نه کر جہنم میں داخل ہوگا۔ یه کہنا ممتنع ہے یعنی یہاں فعل مضارع کو جزم دینا جائز نہیں۔ اِس لئے که اوّل ثانی کے لئے سبب نہیں۔ کیونکه کفر نه کرنے سے انسان جنت میں جائے گا۔ اور آگے تو جہنم جانے کی بات ہو رہی ہے۔ تو "کفر نه کرنا" یه سبب نہیں بن سکتا جہنم میں جانے گا۔ لہٰذا یہاں پر "تَدْخُلْ" اِس پر جزم پڑھنا صحیح نہیں۔ یعنی اس کو جوابِ نہی بنانا صحیح نہیں۔ کیونکه اس میں سببیت نہیں ہے۔

خلافًا لِلْکِسائِیِّ بخلاف امام کسائیؒ کے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا جائز ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرینۃ بتلا دیتا ہے کہ ماقبل میں امر مثبت ہے تو ضروری نہیں کہ شرط مثبت ہی نکالنا پڑے۔ شرط کو کبھی منفی بھی نکالنا پڑتا ہے۔ اور کبھی ماقبل میں نہی ہوتا ہے جیسا کہ یہاں پر ہے تو ضروری نہیں کہ شرط کو بھی ہم منفی ہی نکالیں۔ بلکہ شرط کو ہم مثبت بھی نکال سکتے ہیں۔

تو یہاں پر شرط مُثبت نکال لو۔ "لا تَکْفُرْ : کفر نہ کر، اِنْ تَکْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ: اگر تو کفر کرے گا تو تُو آگ میں جائے گا۔ تو شرط "اِنْ لّاَ تکفُرْ" کی جگہ "اِنْ تَکْفُرْ" نکالی۔ تو کلام کے اندر ماقبل میں نہی ہے۔ لیکن ہم نے شرط مُثْبَتْ نکالی۔ کیونکہ قرینۃ وغیرہ موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا صحیح ہوتا ہے۔ تو اِس صورت میں بھی فعل مضارع پر جزم کا لانا صحیح ہے۔

آگے صاحب کافیہؒ وجہ بتلارہے ہیں کہ " لا تکفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ" کیوں ممتنع ہے۔

لِاَنَّ التَّقْدِیْرَ اس لئے کہ تقدیرِ کلام جو ہے وہ یہ ہے۔ **اِنْ لَا تَکْفُرْ** اگر تو کفر نہیں کریگا، "تَدْخُلِ النَّارَ" : تو آگ میں داخل ہوگا۔ اور یہ تقدیرِ کلام تو صحیح نہیں بنتی۔

الامرُ صیغۃٌ یُطْلَبُ بِہَا الفعلُ من الفاعلِ المُخاطَبِ امر وہ صیغہ ہے جس کے ذریعے فعل کو فاعلِ مخاطَب سے طلب کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا "اِضْرِبْ"۔ تو یہ ضَرْب کا فعل میں نے مخاطَب سے طلب کیا ہے۔ کہ یہ ضَرْب والا فعل واقع کرو۔ اور فعل سے مراد فعلِ لُغوی یعنی مصدر مراد ہے۔ **بِحَذْفِ حَرْفِ الْمُضَارِعَۃِ** حرفِ مضارع کو حذف کرنے کے ساتھ۔ جیسا کہ اِضْرِبْ بنا ہے تَضْرِبُ سے۔ علامتِ مضارع "تا" کو شروع سے حذف کرے۔ پھر ابتدا بالسکون مشکل ہے۔ اس لئے شروع میں ہمزہ وصل لے کر آیا۔ **و حُکْمُ اٰخِرِہٖ** اور امر کی آخر کا حکم جو ہے **حُکْمُ الْمَجْزُوْمِ** ای حُکْمُ الْمُضَارِعِ الْمَجْزُوْمِ: یعنی جیسے مضارع مجزوم ہوا کرتا تھا امر بھی اِسی طرح ہوگا۔ مضارع چار صورتوں میں مجزوم ہوتا تھا۔ کبھی جزم سکون کے ساتھ آتا تھا جیسا کہ "لَمْ یَضْرِبْ"۔ کبھی اسقاطِ نون کے ساتھ جزم آتا تھا جیسا کہ "لَمْ یَضْرِبَا"۔ کبھی واؤ یا یاء گرنے سے جزم آتا تھا، جیسا کہ "لَمْ یَدْعُ" میں واؤ گر گیا اور "لَمْ یَرْمِ" میں یاء گر گئی۔ اور کبھی الف گرنے سے جزم آتا تھا، جیسا کہ "لَمْ یَرْضَ"۔ تو مضارع کے اندر جزم چار صورتوں میں آتا تھا۔ یا سکون کے ساتھ، یا اسقاطِ نون کے ساتھ، یا اسقاط واؤ یا یاء کے ساتھ اور یا اسقاطِ الف کے ساتھ۔ تو وہی حکم امر کا بھی ہوگا۔

اگر امر ضمیر بارز مرفوع سے خالی ہوا اور صحیح کا صیغہ ہوا تو وہاں پر آخر میں سکون آجائے گا۔ جیسا کہ تَضْرِبُ کے آخر میں ضمیر بارز مرفوع بھی نہیں اور یہ معتل بھی نہیں۔ تو اِس سے امر اِضْرِبْ آخر کے سکون کے ساتھ بنے گا۔ اور اگر آخر میں نونِ اعرابی آرہا ہو تو وہ گر جائے گا۔ جیسا کہ اِضْرِبَا تثنیہ "تَضْرِبَانِ" سے بنا ہے اور نونِ اعرابی گر چکا ہے۔ اسی طرح اِضْرِبُوْ، اِضْرِبِی بھی ہیں۔

اِرْمِ امر کا صیغہ ہے تَرْمِیْ سے بنا ہے یہاں پر یاء گری ہے۔ اُدْعُ امر کا صیغہ ہے تَدْعُوْ سے بنا ہے اور اس کے اندر واؤ گرا ہے۔ اور اِسْعَ امر کا صیغہ ہے۔ تَسْعٰی سے بنا ہے اور آخر سے الف گرا ہے۔

یہاں تک صاحب کافیہؒ نے بتلایا کہ مضارع سے امر بنانے کے لئے علامت مضارع کو گرائیں گے اور آخر کو جزم دیں گے۔ اب یہ بتلاتے ہیں کہ جب علامتِ مضارع کو گرایا تو پھر دیکھے کہ آگے والا حرف ساکن ہے یا متحرّک ہے۔ اگر متحرک ہے تو ہمزہ وصل لانے کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ وَعَدَ یَعِدُ سے امر عِدْ بنے گا۔ شروع سے علامتِ مضارع گرایا اور آخر کو جزم دیا تو عِدْ بن گیا۔ اب عین متحرک ہے تو ہمزہ وصل لانے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح قَاتَلَ یُقَاتِلُ میں یُقَاتِلُ سے یاء گرا دو اور آخر کو جزم دو تو قَاتِلْ امر بن جائے گا۔ یہاں پر بھی ہمزہ وصل لانے کی ضرورت نہیں کیونکہ قاف متحرک ہے۔

اور اگر علامت مضارع گرانے کے بعد آنے والا حرف ساکن ہے تو پھر ہمزہ وصل لائیں گے۔ اور پھر ہمزہ وصل میں دیکھیں گے۔ کہ یہ جو حرف ساکن آرہا ہے اسکا اگلا حرف مضموم ہے یا مضموم نہیں۔ اگر مضموم ہوا تو ہمزہ ساکن مضموم لائیں گے۔ جیسا کہ نَصَرَ یَنْصُرُ میں تَنْصُرُ سے امر بنانے کے لئے تَنْصُرُ سے علامتِ مضارع تاء گرا دو اور آخر کو جزم دو تو نْصُرْ رہ گیا۔ اب حرف ساکن کے بعد والا حرف صاد مضموم ہو تو شروع میں ہمزہ وصل مضموم لائیں گے اور امر اُنْصُرْ بن جائے گا۔

اور اگر علامت مضارع گرانے کے بعد اگلا حرف مضموم نہ ہو تو پھر ہمزہ وصل مکسور لائیں گے چاہے اگلا حرف مفتوح ہو یا مکسور۔ جیسا کہ اِضْرِبْ اور اِفْتَحْ وغیرہ۔ فَاِنْ کَانَ بعدَہٗ ساکنٌ اگر علامتِ مضارع کے حذف کرنے کے بعد والا حرف ساکن ہے۔ صاحب کافیہؒ نے متحرک کی بات ہی نہیں کی۔ اگر متحرک ہے تو پھر کچھ بھی نہیں کرنا۔ جیسا کہ تُقَاتِلُ سے امر قَاتِلْ میں مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔یعنی شروع سے علامت مضارع گرایا اور آخر کو جزم دیا۔ وَ لیس بِرُبَاعِیٍّ اور وہ رباعی بھی نہ ہو۔ اس کے ذریعے صرف بابِ اِفْعال کو نکال دیا۔ زِدْتَّ هَمْزَةَ وصلٍ شروع میں ہمزہ وصل کو بڑھا دیں گے۔ مضمومةً اور ایسے ہمزہ وصل کو بڑھا دیں گے جو مضموم ہوگی اِنْ کان بعدَہٗ ضمةٌ اگر اُس ساکن کے بعد ضمۃ آرہا ہو۔ و مکسورةٌ فیما سِواہُ اور اُس کے علاوہ کے اندر مکسور ہوگی۔

اب صاحب کافیہؒ سب کی مثالیں ذکر فرما رہے ہیں۔ مثلُ اُقْتُلْ یہ تَقْتُلُ سے بنا ہے۔ تاء کو حذف کرنے کے مابعد ساکن تھا۔ اور اُس ساکن کے بعد والا حرف مضموم ہے تو ہمزہ وصل مضموم لے کر آئے تو اُقْتُلْ بن گیا۔ وَ اِضْرِبْ یہ تَضْرِبُ سے بنا ہے۔ علامت مضارع گرانے کے بعد والا حرف ساکن ہے اور اُس کے بعد والا حرف مکسور ہے تو ہمزہ وصل مکسور لے آئے تو اِضْرِبْ بن گیا۔ وَ اِعْلَمْ یہ تَعْلَمُ سے بنا ہے۔ علامت مضارع گرانے کے بعد اگلا حرف ساکن ہے اور اس کے بعد اگلا حرف مفتوح ہے تو ہمزہ وصل مکسور لے کر آئیں گے تو اِعْلَمْ بن گیا۔

صاحب کافیہؒ نے فرمایا تھا رباعی نہ ہو۔ رباعی سے مراد یہ ہے کہ اُس کے ماضی میں چار حرف ہو۔ اور اس سے صرف بابِ اِفعال مراد ہے۔ اور جن کے ماضی میں چار حرف ہوں وہ صرف چار باب ہیں۔ یعنی بابِ اِفعال، بابِ تفعیل، بابِ مُفاعَلة اور بابِ دَحرَجَ۔ جیسا کہ اَکْرَمَ بروزن اَفْعَلَ، کَرَّمَ بروزن فَعَّلَ، قَاتَلَ بروزن فَاعَل اور دَحْرَجَ بروزن فَعْلَلَ، ان چاروں کے ماضی میں چار حروف ہیں۔ اِن سب کے مضارع یُکْرِمُ، یُکَرِّمُ، یُقَاتِلُ اور یُدَحْرِجُ ہیں۔ اِن میں باب افعال کو چھوڑے اور باقی تین کو دیکھئے۔ جب باب تفعیل یعنی تُکَرَّمُ سے امر بنائیں گے تو علامت مضارع گرانے کے بعد والا حرف ساکن نہیں۔ اس لئے ہمزہ وصل لانے کی ضرورت نہیں۔ اور کَرِّمْ امر کا صیغہ بنتا ہے۔ اسی طرح جب تُقَاتِلُ سے امر بنائیں گے تو اسکا امر قَاتِلْ بنے گا اور یہاں بھی ہمزہ وصل لانے کی ضرورت نہیں کیونکہ قاف متحرک ہے۔ اور تُدَحْرِجُ سے بھی جب امر بنائیں گے تو دَحْرِجْ بنے گا۔ یہاں بھی ہمزہ وصل لانے کی ضرورت نہیں کیونکہ دال متحرک ہے۔

اب صرف بابِ اِفْعَال رہ گیا۔ اس میں امر تُکْرِمُ سے بنائیں گے۔ اب یہاں سے تاء گراؤ تو کْرِمْ رہ جائے گا۔ یعنی کاف ساکن آیا۔ اور وہ جو اِس باب کا ہمزہ گر گیا تھا وہ واپس آئے گا۔ کیونکہ باب افعال سے ہم نے ایک ہمزہ کو اس لئے گرایا تھا کیونکہ متکلم کے صیغے میں دو ہمزہ جمع ہو رہے تھے۔ جیسا کہ أُءَکْرِمُ۔ تو ثقل کی وجہ سے ایک ہمزہ کو متکلم کے صیغے سے گرایا۔ اور جب متکلم کے صیغے سے ایک ہمزہ گرایا تو وہی حکم پورے باب کو دیا۔ اور باب افعال کے مضارع میں ہر ہر صیغ سے ہمزہ گرایا۔ تاکہ سارے باب کا حکم ایک جیسے ہو جائے گا۔

تو جب آپ تُکْرِمُ سے امر بنائیں گے۔ علامت مضارع تاء کو گرایا تو وہ ہمزہ جو ہم نے گرایا تھا وہ واپس آیا اور امر کا صیغہ اَکْرِمْ بن گیا۔ اس لئے صاحب کافیہ نے شرط لگائی تھی کہ اگر علامت مضارع گرانے کے بعد والا حرف ساکن ہو اور فعل رباعی یعنی چار حرفی نہ ہو۔ تو وہاں پر بابِ افعال نکل گیا۔ تو آگے اب اُسکا بتلا رہے ہیں۔ یعنی رباعی کے بارے میں بتلا رہے ہیں۔

و ان کان رباعیا اگر وہ فعل رُباعی ہو یعنی اُس کی ماضی چار حرفی ہو۔ **فَمَفْتُوحَةٌ** تو اُس میں جو ہمزہ آئے گا وہ مفتوح ہوگا۔ جیسا کہ اَکْرِمْ میں ہمزہ مفتوح ہے۔ **مقطوعةٌ** اور یہ ہمزہ قطعی ہوگا۔ یعنی یہ ہمزہ وصلی نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ اسکا اپنا ہمزہ ہے جو کہ گرا تھا اور واپس آیا۔ اور یہ ہمزہ درجِ عبارت میں گرے گا نہیں۔

درس 103۔ آج صاحب کافیہؒ آپ کو فعل مجہول کے بارے میں بتلائیں گے۔ **فعلُ** فعل **ما** یہ "ما" عبارت ہے مفعول سے۔ فعل اُس مفعول کا **لم یُسَمَّ فاعِلُهُ** کہ ذکر نہ کیا گیا ہو اُس کے فاعل کو۔ یعنی اُس مفعول کا فعل جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو۔ دیکھو! میں نے کہا، "ضربَ زیدٌ عمرًوا" : زید نے پٹھائی کی عمرو کی۔ اب اسی سے فعل مجہول ضُرِبَ عَمْرٌو ہے اور اسکا ترجمہ، "عمرو کی پٹھائی کی

گئی"۔ تو دیکھو یہاں عمرو پٹھائی کرنے والا نہیں بلکہ اُس کی پٹھائی کی گئی ہے۔ تو یہ عمرو مفعول ہے اور اسکا فاعل جملے میں ذکر نہیں۔ تو اِس مفعول کا فعل جس کے فاعل کو ذکر نہ کیا گیا ہو یہ "فعلُ ما لم یسم فاعلہُ" کہلاتا ہے۔ یعنی فعل مجہول ہے۔

هو وہ فعل ہے ما حُذِفَ فاعِلُهُ وہ فعل ہے جس کے فاعل کو حذف کر دیا گیا ہو۔

اب فعل مجہول کو کیسے بنائیں گے؟ تو صاحب کافیہ وہی طریقہ بتلاتے ہیں۔ فَاِنْ کانَ ماضِیًا پس اگر فعل ماضی تھا ضُمَّ اَوَّلُهُ وَ کُسِرَ ما قبلَ اخرِہ اوّل کو ضمہ دے دیں گے اور آخر سے ماقبل کو کسرۃ دے دیں۔ جیسا کہ ضَرَبَ فعل ماضی ہے اور اس سے فعلِ مجہول بنانا ہو تو پہلے حرف یعنی ضاد کو ضمۃ دے دیں اور آخر سے ماقبل یعنی را کو کسرۃ دے دیں تو ضُرِبَ بن جائے گا۔

دیکھو ماضی تین قسم پر آئے گی۔ ایک ماضی وہ ہوگی جس کے شروع میں ہمزہ وصل آتا ہوگا۔ جیسا کہ اِسْتَخْرَجَ، اِنْفَعَلَ وغیرہ ماضی کے صیغیں ہیں اور اسکے شروع میں ہمزہ وصل آرہا ہے۔ اور ایک ماضی وہ ہے جس کے شروع میں تاء آئے گی۔ جیسا کہ تَفَعَّل۔ یہ بھی ماضی ہے اور اسکے شروع میں تاء آرہی ہے۔ اور ایک ماضی وہ ہے جس کے شروع میں نہ ہمزہ وصل ہوگی اور نہ ہی تاء ہوگی۔ تو اِن تینوں کا طریقہ ذرا مختلف ہے۔ تینوں کے بارے میں صاحب کافیہؒ بتلا رہے ہیں۔ پہلے کا طریقہ بتلا دیا جس ماضی کے شروع میں نہ ہمزہ وصل ہو اور نہ ہی تاء ہو۔

و یُضَمَّ الثَّالِثُ مَعَ همزۃِ الوَصْلِ اور تیسرے کو ضمۃ دے دو ہمزہ وصل کے ساتھ۔ تو وہ ماضی جس کے شروع میں ہمزہ وصل آرہا ہو تو اُس ماضی سے ماضی مجہول بنانے کے لئے ہمزہ وصل کے ساتھ ساتھ تیسرے حرف کو بھی ضمۃ دے دو۔ جیسا کہ اِسْتَخْرَجَ سے ماضی مجہول بنانا ہو تو آخر سے ماقبل کو تو ویسے ہی کسرۃ دینا ہے۔ اس کے بعد ہمزہ وصل کو بھی ضمۃ دے دو اور تیسرے حرف یعنی تاء کو بھی ضمۃ دے دو تو "اُسْتُخْرِجَ" ماضی مجہول بن جائے گا۔

وَ الثَّانِی معَ التَّاءِ ای یُضَمَّ الثَّانِی معَ التَّاءِ: یہاں ثالث پر عطف ہو رہا ہے ثانی کا۔ اور اگر ماضی کے شروع میں تاء ہو تو پھر ثانی کو بھی تاء کے ساتھ ضمہ دے دو۔ جیسا کہ "تَدَحْرَجَ" سے ماضی مجہول بنانا ہو تو "تاء" کو بھی ضمۃ دے دو، دوسرے حرف یعنی دال کو بھی ضمۃ دے دو اور آخر سے ماقبل کو کسرۃ دے دو تو "تُدُحْرِجَ" بن جائے گا۔ اسی طرح باب تفعُّل سے تَقَبَّلَ سے ماضی مجہول تُقُبِّلَ ہے۔

بھئی یہ ہمزہ وصل کے ساتھ تیسرے حرف کو کیوں ضمۃ دیں گے اور تاء کے ساتھ دوسرے حرف کو کیوں ضمۃ دیں گے؟ تو آگے صاحب کافیہؒ اُس کی وجہ بیان فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں خوفَ اللَّبْسِ التباس کے خوف سے۔ اس کو خَوْفَ اللَّبْسِ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ یہ مفعول لہُ ہے۔ اس لئے کہ اگر ہم ایسا نہ کریں گے تو التباس لازم آئے گا۔ اب یہ التباس کس کے ساتھ لازم آئے گا؟ تو یاد رکھو! وہ جو

ہمزہ وصل والا تھا اُس کا التباس لازم آئے گا اُسی باب کے امر کے ساتھ۔ جیسا کہ اِسْتَخْرَجَ سے ہم نے اُسْتُخْرِجَ بنایا۔ اگر ہم اس تاء کو ضمہ نہ دے تو پھر اِسی کے امر کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ اسی سے امر اِسْتَخْرِجْ ہے۔ اور ماضی اُسْتَخْرِجَ بن جائے گا اگر تاء کو ضمہ نہ دے تو۔ اب اِن دونوں صیغوں کو ذرا درجِ عبارت میں لے آؤ۔ شروع میں فاء لاؤ اور آخر میں وقف کرو کیونکہ عموماً آخر میں وقف کرتے ہیں۔ اب اُسْتَخْرِجَ ماضی کا صیغہ فَاسْتَخْرِجْ بن جائے گا اور اِسْتَخْرِجْ امر کا صیغہ بھی فَاسْتَخْرِجْ بن جائے گا۔ تو اب پتہ ہی نہیں چلتا کہ کونسا صیغہ ماضی کا ہے اور کونسا صیغہ امر کا ہے۔ تو التباس لازم آتا تھا۔ اس لئے پہلے سے ہم نے تاء کو ضمہ دے دیا۔ اب تاء مضموم ہے۔ تو ماضی میں ہوگا فَاسْتُخْرِجَ اور امر میں ہوگا فَاسْتَخْرِجْ۔

اور جس ماضی کے شروع میں تاء آتا تھا تو وہاں پر ثانی کو بھی التباس کی خوف سے ضمہ دیا۔ اُس کا التباس کس سے لازم آتا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ باب تفعیل، باب مُفاعَلة اور باب دخرجَ۔ اِن تین کے مضارع کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ کیسے؟ آپ بنائیں کوئی ایک باب جس کے شروع میں تاء آرہی ہو۔ مثلاً "تَضَارَبَ" ہے۔ اس سے ماضی مجہول تُضُورِبَ ہے۔ اگر ہم ثانی کو ضمہ نہ دے تو ماضی مجہول پھر "تُضَارِبَ" بن جائے گا۔ اور آخر میں ذرا وقف کر لو تو "تُضَارِبْ" بن جائے گا۔ اب اسی سے بابِ مُفاعلة لے آؤ۔ یعنی ضَارَبَ یُضَارِبُ مضارَبَةٌ۔ اب یُضَارِبُ سے واحد مؤنث غائب یا واحد مذکر مخاطب کا صیغہ تُضَارِبُ آتا ہے اور حالت وقف میں تُضَارِبْ بن جاتا ہے۔ تو مجہول کا صیغہ بھی تُضَارِبْ اور مضارع کا صیغہ بھی تُضَارِبْ بن گیا۔ تو اِس سے بچنے کے لئے ہم نے تاء کے ساتھ ساتھ دوسرے حرف کو بھی ضمة دیا تا کہ التباس نہ آئے۔

ایک اور مثال لے لو۔ "تَدَخرَجَ" سے ماضی مجہول "تُدُخرِجَ" ہے۔ لیکن اگر ہم ثانی کو ضمة نہ دے تو ماضی مجہول کا صیغہ "تُدَخرِجَ" بنے گا۔ اور باب دَخرَجَ سے مضارع کا صیغہ یُدَخرِجُ سے مؤنث اور مخاطب کاصیغہ تُدَخرِجُ ہے۔ تو دونوں میں التباس لازم آیا۔ تو اسی سے بچنے کے لئے تاء کے ساتھ ساتھ دوسرے حرف کو بھی ضمة دے دیا۔

و مُعْتَلُّ الْعَينِ الاَفْصَحُ اور مُعْتَلُّ العَيْنْ میں اَفْصَحْ جو ہے۔ یعنی جس کے عین کلمہ کی جگہ حرف علّت آجائے۔ **قِيْلَ و بِيْعَ** قِيْلَ اور بِيْعَ ہے۔ **و جَاءَ الْإِشْمَامُ والواوُ** اور ان میں اشمام بھی آیا ہے اور واؤ بھی آیا ہے۔ اشمام: بُو دینا۔

قال میں عین کلمہ کی جگہ واؤ ہے اور باع میں عین کلمہ کی جگہ یاء ہے۔ تو اس میں تین لغات ہیں یعنی ان کو تین طرح پڑھنا جائز ہیں۔ ایک یہ کہ اِن کو قِيْلَ اور بِيْعَ پڑھا جائے۔ تو یہ قِيْلَ اور بِيْعَ یہ سب سے فصیح ہیں۔ قِيْلَ اصل میں قُوِلَ تھا۔ تو پھر واؤ کا کسرة نقل کر کے ماقبل کو دے دیا اور ماقبل کے

کسرۃ کی وجہ سے واؤ کو یاء سے بدلا تو قِيْلَ ہو گیا۔ اور بِيْعَ اصل میں بُيِعَ تھا۔ یاء کا کسرۃ ماقبل کو دے دیا تو بِيْعَ ہو گیا۔

لیکن اسی کے اندر اِشْمَام بھی جائز ہے۔ اور اِشْمَام یہ ہے کہ کسرے کو ضمّہ کی بُو دے دیں۔ اور واؤ بھی آیا ہے اسی مُعْتَلُ العین کے اندر بھی۔ یعنی قُوْلَ اور بُوْعَ پڑھنا بھی جائز ہے۔ قُوْلَ اصل میں قُوِلَ تھا بس واؤ کو ساکن کر دیا تو قُوْلَ رہ گیا۔ اور بُوْعَ اصل میں بُيِعَ تھا۔ تو ماقبل کسرے کی وجہ سے یاء کو واؤ سے بدلا تو بُوْعَ ہوا۔ تو یہاں پر تین لغات آگئی۔ یعنی قِيْلَ اور بِيْعَ۔ پھر قِوْلَ اور بِوْعَ اشمام کے ساتھ اور قُوْلَ اور بُوْعَ واؤ کے ساتھ۔ اور اِن تینوں میں سب سے فصیح لغات قِيْلَ اور بِيْعَ ہے۔

و مِثْلُهُ بابُ اُخْتِيْرَ وَ اُنْقِيْدَ اور اُسی کے مثل ہے اُخْتِيْرَ اور اُنْقِيْدَ کا باب بھی۔ یعنی باب افتعال اور باب انفعال جو معتل العین ہیں۔ وہ بھی قیل اور بیع کی طرح ہے۔ یعنی اِن میں بھی تین لغات آئی ہیں۔ اُخْتِيْرَ اور اُنْقِيْدَ میں سب سے فصیح اُخْتِيْرَ اور اُنْقِيْدَ ہیں۔ اور اِشمام کے ساتھ اُخْتِوْرَ اور اُنْقِوْدَ ہیں۔ اور تیسرا لغت واؤ کے ساتھ ان میں اُخْتُوْرَ اور اُنْقُوْدَ ہیں۔ **دونَ اُسْتُخِيْرَ وَ اُقِيْمَ** اور بابِ استفعال اور باب اِفعال کے معتل العین میں تین لغات نہیں ہیں۔ یعنی اس میں یہ تین لغتیں پڑھنا جائز نہیں۔ یہ تین لغات یہاں پر کیوں پڑھنا جائز نہیں؟ وجہ یہ کہ تین لغات اُن میں پڑھنا جائز تھا جن میں قُوِلَ یعنی فُعِلَ وزن آرہا تھا۔ تو اُخْتِيْرَ اصل میں اُخْتُيِرَ تھا۔ یعنی اِفْتَعَلَ سے ماضی مجہول اُفْتُعِلَ کے وزن پر آتا ہے۔ تو اُخْتُيِرَ کے آخر میں تُيِرَ بروزن فُعِلَ موجود ہے۔ اسی طرح اُنْقِيْدَ اصل میں اُنْقُيِدَ تھا۔ تو اس کے آخر میں بھی قُيِدَ بروزن فُعِلَ آرہا ہے۔ تو جن میں فُعِلَ وزن آرہا تھا تو وہاں پر یہ تینوں لغتیں پڑھنا جائز۔ لیکن اُسْتُخِيْرَ اور اُقِيْمَ میں فُعِلَ وزن نہیں آرہا۔ اس لئے ان میں یہ تینوں لغات جائز بھی نہیں ہے۔

اُسْتُخِيْرَ اصل میں اُسْتُخْيِرَ تھا۔ کیونکہ اِسْتَفْعَلَ سے ماضی مجہول اُسْتُفْعِلَ وزن پر آتا ہے۔ اور اُسْتُخْيِرَ کے آخر میں خْيِرَ کے اندر خا ساکن ہے اور اس وجہ سے یہاں فُعِلَ وزن نہیں بن رہا۔

اسی طرح اُقِيْمَ اصل میں اُقْوِمَ تھا۔ تو یہاں پر بھی آخر میں قْوِمَ کے اندر قاف ساکن ہے اور فُعِلَ وزن نہیں آرہا۔ تو یہاں پر بھی تینوں لغات پڑھنا جائز نہیں۔

آگے صاحب کافیہ؄ مضارع معلوم سے مضارع مجہول کے بنانے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ **وَ اِنْ کانَ مضارِعًا** اور اگر مضارع ہوا۔ **ضُمَّ اَوَّلُهُ** تو اوّل کو ضمۃ دے دیں گے۔ **و فُتِحَ ما قَبْلَ اٰخِرِهِ** اور آخر سے ماقبل کو فتحہ دیں گے۔ جیسا کہ یَضْرِبُ سے مجہول بنانا ہو تو شروع میں ضمۃ اور آخر سے ماقبل کو فتحہ دیں تو یُضْرَبُ بن جائیں گا۔ **وَ مُعْتَلُّ الْعَيْنِ يَنْقَلِبُ فيهِ العينُ اَلِفًا** اور معتلُّ العین جو ہے اُس میں پلٹ جائے گا عین کلمہ الف کی طرف۔ جیسا کہ يَقُوْلُ معتلُّ العین ہے۔ اس میں عین کلمہ "واؤ" ہے۔

یہ واؤ مجہول میں الف بن جائے گا۔ تو "یُقَالُ" مضارع مجہول ہے یَقُوْلُ کے لئے۔ اسی طرح یَبِیْعُ سے یُبَاعُ بن جائے گا۔

اب صاحب کافیہؒ فعل متعدّی اور غیر متعدی کے بارے میں بتلائیں گے۔

اَلْمُتَعَدِّی وَ غَیرُ الْمُتَعَدِّی: فالمتعدی متعدی وہ فعل ہے ما یَتَوَقَّفُ فَهْمُهُ کہ موقوف ہو اُس کا سمجھنا علیٰ مُتَعَلَّقٍ کسی متعلّق پر۔ یعنی جب تک وہ متعلّق نہیں آئے گا تو فعل کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آئے گا۔

کَضَرَبَ جیسے ضَرَبِ ہے۔ بھئی میں کہتا ہوں، "ضَرَبَ زیدٌ عمرًوا"۔ تو آپ کو پتہ چل گیا کہ پٹھائی کرنے والا زید ہے اور جس کی پٹھائی کی گئی ہے وہ عمرو ہے۔ اگر یہ عمرو نہ ہوتا تو ضَرْب کا فعل سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔ اور عمرو کے بغیر ضَرْب کا فعل واقع ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ضَرْب کے لئے ہمیشہ ایک مَضْرُوب چاہیئے کہ جس پر یہ ضَرْب واقع ہو۔ تو متعدّی وہ فعل ہے کہ جس کا سمجھنا کسی متعلّق پر موقوف ہو۔

تو فاعل جو ہوتا ہے وہ فعل کا مسند الیہ ہوتا ہے۔ اور جو مفعول ہوتا ہے وہ فعل کا متعلّق کہلاتا ہے۔

و غیرُ المتعدی بخلافِهِ اور غیر متعدی جو اِس کے خلاف ہو۔ یعنی فعل کا سمجھنا کسی متعلّق پر موقوف نہ ہو۔ جیسے "قامَ زیدٌ"۔ اب یہاں کسی مفعول کی ضرورت نہیں۔ کَقَعَدَ جیسا کہ قَعَدَ

اب صاحب کافیہؒ بتلاتے ہیں کہ کبھی فعل متعدی ہوگا بیک مفعول، کبھی فعل متعدی ہوگا بدو مفعول اور کبھی فعل متعدی ہوگا بسہ مفعول۔ وَ المتعدی یکونُ اِلیٰ واحدٍ اور متعدی کبھی ایک مفعول کی طرف ہوگا کَضَرَبَ جیسا کہ ضَرَبَ ایک مفعول چاہتا ہے۔ ضَرَبَ زیدٌ عمرًوا۔ وَ اِلَی اثْنَیْنِ اور کبھی دو کی طرف ہوگا۔ کَاَعْطیٰ و عَلِمَ جیسا کہ اَعْطَیٰ اور عَلِمَ دو مفعول چاہتے ہیں۔ جیسا کہ "اَعْطَیْتُ زیدًا دِرْهَمًا": میں نے زید کو درھم عطا کیا۔ اور "عَلِمْتُ زیدًا قائمًا": میں نے جانا کہ زید کھڑا ہے۔

تو یہ ایک بابِ اَعْطَیْتُ کہلاتا ہے اور ایک بابِ عَلِمْتُ کہلاتا ہے۔ بابِ اَعْطَیْتُ بھی دو مفعول چاہتا ہے اور بابِ عَلِمْتُ بھی دو مفعول چاہتا ہے۔ لیکن دونوں میں فرق ہے۔ بابِ اَعْطَیْتُ کے اندر جو دونوں مفعول ہوں گے اُن کا مصداق الگ الگ ہوگا۔ جیسا کہ "اَعْطَیْتُ زیدًا دِرْهَمًا": اس میں مفعول اوّل زیدًا ہے اور مفعول ثانی دِرْهَمًا ہے۔ اِن دونوں کا مِصداق الگ الگ ہے۔ زید الگ ذات پر صادِق آتا ہے اور درهما الگ ذات پر صادق آتا ہے۔

جبکہ بابِ عَلِمْتُ کے اندر دونوں مفعول کا مِصداق ایک ہی ہوگا۔ جیسا کہ "عَلِمْتُ زیدًا فاضِلاً": میں نے زید کو فاضل جانا۔ اس میں مفعول اوّل زید ہے اور مفعول ثانی فاضِلاً ہے۔ اور اِن دونوں مفعولوں کا مِصداق ایک ہی ہے۔ یعنی زید بھی وہی ہے اور فاضل بھی وہی ہے۔

وَ اِلٰی ثَلٰثَةٍ اور فعل کبھی تین مفعولوں کی طرف متعدّی ہوگا۔ **کَاَعْلَمَ و اَرٰی و اَنْبأَ و نَبَّأَ و اَخْبَرَ و خَبَّرَ و حَدَّثَ** اور فعل کبھی تین مفعولوں کا تقاضا کرے گا۔ جیسا کہ اَعْلَمَ اور اَرٰی اور اَنْبأَ اور نَبَّأَ اور اَخْبَرَ اور خَبَّرَ اور حَدَّثَ ۔ یہ کل سات ہیں۔ اِن کے لئے ہمیشہ تین مفعول چاہیئے۔ اور اِن سب کا معنیٰ ہے "بتلانا یا آگاہ " کرنا۔ یعنی" اَعْلَمْتُ زیدًا عمرًوا عالمًا": میں نے زید کو بتلا دیا کہ عمرو عالم ہے۔ تو یہاں پر تین مفعول آئیں۔

اب ایک بات یاد رکھیۓ! میں نے آپ کو دو باب بتلائیں۔ ایک بابِ اعطیتُ اور ایک بابِ علمتُ۔ بابِ اعطیتُ کے اندر کسی ایک مفعول کو حذف کرنا اور کسی ایک مفعول کو ذکر کرنا یہ جائز ہے۔ جیسا کہ "اَعْطَیْتُ زیدًا دِرْهَمًا: میں دِرْهَمًا کو حذف کر دو تو "اَعْطَیْتُ زیدًا" یہ جائز ہے۔ اور یا زیدًا کو حذف کر دو اور دِرْهَمًا کو باقی رکھ دو تو یہ بھی جائز ہے جیسا کہ "اَعْطَیْتُ دِرْهَمًا"۔ یا دونوں کو حذف کردو "اَعْطَیْتُ" یہ بھی جائز ہے۔

جبکہ بابِ علمتُ کے اندر کسی ایک مفعول کو حذف نہیں کر سکتے۔ یا تو کرنا ہے تو دونوں کو حذف کر دو یا کسی کو بھی حذف نہ کر دو۔ جیسا کہ میں نے کہا، "علمتُ زیدًا فاضلاً" میں "علمتُ زیدًا" کہنا جائز نہیں۔ اسی طرح "علمتُ فاضِلاً" کہنا بھی جائز نہیں۔ ہاں دونوں کو حذف کرے تو "علمتُ" یہ کہنا جائز ہے۔ یا دونوں کو ذکر کر دو جیسا کہ "علمتُ زیدًا فاضلاً"۔

س۔ بابِ علمتُ کے اندر ایک کو حذف کرنا اور ایک کر باقی رکھنا یہ کیوں جائز نہیں؟ وجہ یہ کہ بابِ علمتُ کے جو یہ دو مفعول ہیں یہ دراصل مبتدا خبر ہے۔ اصل میں کلام تھا، "زیدٌ فاضلٌ "۔ اس میں زید مبتدا اور فاضلٌ اُسکی خبر تھی۔ پھر اس پر علمتُ آگیا اور اِس نے دونوں کو اپنا مفعول بنا دیا، اور "علمتُ زیدًا فاضلاً" بن گیا۔

تو دراصل اِن دونوں مفعولوں کا ایک دوسرے سے مبتدا اور خبر والا تعلق ہے۔ تو اب صرف مبتدا کو رکھے اور خبر کو حذف کر دے یا خبر کو رکھے اور مبتدا کو حذف کرے تو ایسا جائز نہیں۔

اب یہ جو بابِ اَعْلَمْتُ ہے جو تین مفعول چاہتا ہے۔ اِسکا ضابطہ بتلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں

و هذهٖ یہ جو افعال ہیں۔ یعنی یہ جو تین مفعولوں کی طرف متعدّی ہے۔ **مفعولُها الاوّلُ کمفعولِ اَعْطَیْتُ** اِن کا پہلا مفعول اَعْطَیْتُ کی طرح ہے۔ جیسا کہ "اَعْلَمْتُ زیدًا عمرًوا فاضِلاً": میں نے زید کو بتلا دیا کہ عمرو فاضل ہے۔ تو اِس جملے کا جو مفعولِ اوّل ہے یعنی "زیدًا"۔ وہ اَعطَیْتُ کے مفعول کی طرح ہے۔ یعنی بابِ اَعْلَمْتُ کے پہلے مفعول کو باقی رکھنا بھی جائز ہے اور حذف کرنا بھی جائز ہے۔

والثّانی والثّالِثُ کَمَفْعُوْلَیْ عَلِمْتُ اور ثانی اور ثالث بابِ علمتُ کے دو مفعولوں کی طرح ہے۔
جس طرح بابِ علمتُ میں ایک مفعول کو حذف کرنا اور ایک مفعول پر اکتفا کرنا جائز نہیں تھا اسی طرح یہاں بھی ثانی اور ثالث میں کسی ایک کو حذف کرنا اور کسی ایک کو باقی رکھنا جائز نہیں۔ یعنی اگر ذکر کرنا ہے تو دونوں مفعولوں کو ذکر کر دو اور اگر حذف کرنا ہے تو دونوں مفعولوں کو حذف کر دو۔

اب صاحب کافیہ افعالُ القلوب کے بارے میں بتلاتے ہیں۔ یہی عَلِمْتُ جو دو مفعول چاہتا تھا یہ افعالُ القلوب میں سے ہے۔ اب اُنکی تفصیل کرنے لگے ہیں۔ افعالُ القُلوبِ افعالِ قلوب جو ہیں۔

ظَنَنْتُ و حَسِبْتُ و خِلْتُ و زَعَمْتُ و عَلِمْتُ و رأیتُ و وجدْتُّ یہ سات افعال افعال قلوب ہیں۔
اور یاد رکھو! انہیں افعالِ شک و یقین بھی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اِن میں سے کچھ شک کے لئے آتے ہیں اور کچھ یقین کے لئے آتے ہیں۔ ظَنَنْتُ اور حَسِبْتُ اور خِلْتُ یہ شک کے لئے آتے ہیں۔ ظَنَنْتُ بمعنیٰ "میں نے گمان کیا"۔ حَسِبْتُ بمعنیٰ "میں نے گمان کیا"۔ اور خِلْتُ بمعنیٰ "میں نے خیال کیا"۔

اور زَعَمْتُ کبھی شک کے لئے آتا ہے کبھی یقین کے لئے آتا ہے۔ اور یہ جو آخری تین ہیں، یعنی عَلِمْتُ ، رأیتُ اور وجدْتُّ یہ یقین کے لئے آتے ہیں۔ عَلِمْتُ بمعنیٰ "میں نے جانا"، رأیتُ بمعنیٰ "میں نے دیکھا" یعنی جاننا مراد ہے۔ یعنی رؤیتِ قلبی مراد ہے۔ آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں۔ اور وجدْتُّ بمعنیٰ "میں نے پایا"۔ یعنی دل کے ساتھ پانا۔ یعنی میں نے زید کو عالم پایا۔

تَدْخُلُ عَلَی الْجُمْلَةِ الْاِسْمِیَّةِ یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بابِ علمتُ کی تفصیل میں گزرا کہ علمتُ کے دونوں مفعولوں میں سے کسی ایک کو حذف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ وہ آپس میں مبتدا اور خبر تھے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں۔ اور مبتدا اور خبر دونوں کو اپنے لئے مفعول بنا لیتے ہیں۔ لِبَیَانِ ما هِیَ عَنْهُ "ما" عبارت ہے اِعتقاد سے۔ "ھی" یہ ضمیر راجع ہے جملہ کو، اور عنهُ کی ھا ضمیر راجع ہے اُسی ما کو اور یہ عائد ہے۔ اور یہ عنهُ جار مجرور متعلّق ہوگا صادِرَۃٌ سے۔ تو کلام یوں ہوگا، "لِبَیَانِ ما ھیَ صادرۃٌ عنهُ"۔ تو یہ افعال قلوب کس لئے جملہ پر داخل ہوتے ہیں، تو کہتے ہیں، "لِبَیَانِ ما": ای لِبَیَانِ الاعتقادِ: اُس اعتقاد کو بیان کرنے کے لئے، هِیَ: کہ یہ جملہ، صادِرَۃٌ عنهُ: صادِر ہوا ہے اِس سے۔ یعنی "اُس اعتقاد کو بیان کرنے کہ جس سے یہ جملہ صادر ہوا ہے"۔

بھئی آپ کو زید کے بارے میں عالم ہونے کا یقین ہے۔ تو اب آپ "عَلِمْتُ زیدًا عالمًا" کہیں گے۔ تو "زیدٌ عالمٌ" ایک جملہ اسمیہ تھا۔ اس پر آپنے "علمتُ" کو داخل کردیا۔ اور آپ نے "علمتُ زیدًا عالمًا" کہا۔ تو اس جملے نے یہ بیان کیا کہ یہ جو جملہ "زید کے عالم ہونے کا" صادِر ہوا ہے آپ سے۔ یہ اِس لئے صادر ہوا ہے کہ آپ کو یقین ہے۔ تو آپ کی یقین کی وجہ سے یہ جملہ صادِر ہوا ہے۔

اور اگر آپ کو ظن ہو تو کیسے کہیں گے؟ تو شک کی صورت میں "ظَنَنْتُ زیدًا عالمًا" کہیں گے۔ تو "ظَنَنْتُ زیدًا عالمًا" نے یہ بتلایا کہ یہ جملہ آپ سے شک کی وجہ سے صادِر ہوا ہے۔ تو یہاں پر شک کا اعتقاد ہے۔

آپ کہتے ہیں، "خِلْتُ زیدًا عالمًا": میں نے زید کو عالم خیال کیا۔ تو یہ جملہ آپ سے خیال کی اعتقاد کی وجہ سے صادِر ہوا ہے۔ تو آپ کا خیال سبب بنا اِس جملے کے صُدور کا۔

فَتَنْصِبُ الْجُزْئَيْنِ تو یہ افعال دونوں جُزوں کو نصب دے دیتے ہیں۔ یعنی افعال قلوب جب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں تو دونوں جزوں کو نصب دے دیتے ہیں۔ یعنی "زیدٌ عالمٌ" اب "علمتُ زیدًا عالمًا" بن گیا۔ تو یہ دونوں مفعول بن گئے۔

اب صاحب کافیہؒ افعال قلوب کے کچھ خاصّے ذکر کریں گے۔ خاصّہ اُسے کہتے ہیں جو ایک شے میں پایا جایا اور دوسروں میں نہ پایا جائے۔ **وَ مِنْ خَصَائِصِها** اور افعالِ قلوب کے خصائص میں سے یہ ہے۔ **اَنَّهُ اِذا ذُكِرَ احدُهما ذُكِرَ الْاٰخَرُ** اسکی دو مفعولوں میں سب کسی ایک کو ذکر کیا جائے گا تو دوسرے کو بھی ذکر کیا جائے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کو ذکر کر دے اور دوسرے کو حذف کر دیں۔ **بِخِلافِ بابِ اعطیتُ** بخلاف بابِ اعطیتُ کے۔ کیونکہ بابِ اعطیتُ میں کسی ایک مفعول کو حذف کرنا جائز ہوتا ہے۔

و منها اور اِن کے خصائص میں سے ہے **جوازُ الْاِلْغَاءِ** اُن کو لغو کرنا جائز ہے **اذا تَوَسَّطَتْ** جب یہ درمیان میں آجائیں **اَوْ تَاَخَّرَتْ** یا مؤخّر ہو جائیں۔ اصل کلام یوں تھا، "علمتُ زیدًا فاضِلًا"۔ اب "علمتُ" کو ذرا درمیان میں لاؤ، "زیدًا علمتُ فاضِلًا"۔ اب "علمتُ" درمیان میں آیا۔ تو اِس صورت میں اسکے عمل کو لغو کرنا بھی جائز ہے۔ یعنی "زیدٌ فاضِلٌ" پہلے مبتدا خبر تھے اور علمتُ کے داخل ہونے سے یہ دونوں منصوب بن گئے۔ اب "علمتُ" کے عمل کو لغو کرو اور "زیدٌ فاضلٌ" جو پہلے مبتدا خبر تھے اُس کو اب بھی مبتدا خبر بناؤ۔ تو "زیدٌ علمتُ فاضلٌ" بن جائے گا۔ تو "علمتُ" کے عمل کو لغو کر کے اُس مبتدا خبر پر رفع پڑھنا جائز ہے اور اسی طرح اِس مبتدا خبر پر نصب بھی جائز یعنی "زیدًا علمتُ فاضلًا" بھی جائز ہے۔

یا "علمتُ" کو بالکل مؤخر کرو۔ یعنی "زیدًا فاضلًا علمتُ" کہنا بھی جائز اور علمتُ کے عمل کو لغو کرنا بھی جائز تو پھر کلام "زیدٌ فاضلٌ علمتُ" بن جائے گا۔ یعنی اِن دونوں صورتوں میں علمتُ کو عمل دے کر نصب پڑھنا بھی جائز اور علمتُ کے عمل کو لغو کر کے اِس پر رفع پڑھنا بھی جائز۔

سوال یہ ہے کہ اِن کے عمل کو لغو کرنا کیوں جائز ہے؟ تو صاحب کافیہؒ جواب دیتے ہیں۔

لِاسْتِقْلَالِ الْجُزْئَيْنِ کلا مًا بوجہ مستقل ہونے دونوں جُزوں کے باعتبار کلام کے۔ یعنی کلام ہونے کے اعتبار سے دونوں جُز مستقل ہیں۔ یعنی کلامِ تام ہونے کے اعتبار سے دونوں جُز مستقل ہیں۔ یعنی "زیدٌ فاضلٌ" بھی مستقل ہے۔ کیونکہ یہ پورا معنیٰ ادا کر رہا ہے۔ اور اِن سے کلام تام بن رہا ہے۔ تو دونوں ملکر یہ ایک مستقل کلام بناتا ہے اِس لئے افعال قلوب کے عمل کو لغو کرنا بھی جائز ہے۔

جبکہ بابِ اعطیتُ میں ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہاں پر مستقل کلام نہیں ہوتا۔ جیسا کہ "اَعْطَیْتُ زیدًا دِرْهَمًا" میں "اَعْطَیْتُ" کو ختم کردو تو "زیدٌ دِرْهَمٌ" رہ گیا تو یہ کلامِ تام نہیں۔

و منها اور اِن کے خصائص میں سے ہیں۔ **اَنَّـها تُعَلَّقُ قبلَ حرفِ الِاستفهامِ وَ النَّفْيِ وَ اللَّامِ** کہ یہ معلَّق ہو جائیں گے استفہام، نفی اور لام سے پہلے۔ بھئی دیکھئے! یہ افعال قلوب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اور دونوں جزوں کو نصب دیتے ہیں۔ لیکن اگر یہ داخل ہوں ایسے جملہ اسمیہ پر جس میں استفہام ہو، یا جس پر حرفِ نفی داخل ہو، یا اُس پر لام داخل ہو، تو پھر اِس صورت میں یہ افعال قلوب مُعَلَّق ہو جائیں گے۔

مُعَلَّق ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ یہ معنیٰ میں عمل کریں گے اور لفظوں میں عمل نہیں کریں گے۔ یعنی معنیٰ کے اعتبار سے وہ دو جُز جو آگے آرہے ہیں اُن کو مفعول بنائیں گے لیکن لفظوں کے اعتبار سے اُس کو نصب نہیں دیں گے۔

کیوں یہ کیوں معلق کریں گے اُن کو؟ وجہ یہ ہے کہ افعال نصب دینا چاہتے ہیں اُن کو۔ اُن کو اپنا معمول بنانا چاہتے ہیں۔ اور جب معمول بنائیں تو یہ افعال قلوب مقدّم ہوئے اور وہ مؤخر ہوئے۔ جبکہ اُسی جملہ پر حرف استفہام داخل ہو رہا ہے، یا "حرف نفی" ہے یا "لامِ ابتدا" ہے۔ اور یہ تینوں بھی صدارتِ کلام چاہتے ہیں۔ اگر ہم "علمتُ" کو اُن کے اندر عامل بنا دیں تو اُن کی صدارت فوت ہو جائیں گی۔ تو اِس وجہ سے لفظوں کے اعتبار سے ہم "حرفِ استفہام"، "حرف نفی" اور "لامِ ابتدا" کی رعایت رکھتے ہیں اور معنیٰ کے اعتبار سے افعال قلوب کی رعایت رکھتے ہیں۔

تو لفظوں کے اعتبار سے اُن کو عمل نہیں دیتے اور معنیٰ کے اعتبار سے اُن کو مفعول بنا دیتے ہیں۔ تو دیکھا جائے تو عمل ہے بھی اور دیکھا جائے تو عمل نہیں ہے۔ یہ مُعَلَّق کا لفظ اِمْرَءِ مُعَلَّقَة سے ہے۔ مُعَلَّق یعنی لٹکی ہوئی۔

مثلُ علمتُ اَ زَیدٌ عندکَ اَمْ عَمرٌو میں نے جان لیا کہ کیا زید تیرے پاس ہے یا عمرو۔ یعنی زید یا عمرو کو تیرے پاس ہونے کو میں نے جان لیا۔ تو دیکھو! علمتُ نے اب لفظوں میں عمل نہیں کیا۔ زیدٌ اُسی طرح مرفوع ہے۔

و منہا اور افعال قلوب کے خصائص میں سے ہے اَنّہا یَجُوزُ اَنْ یَّکُونَ فاعلُہا و مفعولُہا کہ جائز ہے اُس کا فاعل اور مفعول ضَمِیْرَیْن ای ضمیرَیْنِ مُتَّصِلَیْنِ: یہاں یہ قید ضرور ہونی چاہئے۔ کہ اِس کے فاعل اور مفعول دو ایسے ضمیرِیْنِ مُتَّصِلین ہوں لِشَیْءٍ وَّاحِدٍ جو کسی ایک ہی چیز کے لئے ہو۔ یہ اِن افعال قلوب میں جائز ہیں۔ باقی افعال میں ایسا جائز نہیں۔

مثلاً میں کہتا ہوں، " میں نے اپنی پٹھائی کی۔" تو میں یوں کہوں گا، "ضَرَبْتُنِي"۔ اور یہ کہنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ ضربتُ کے اندر تُوٌّ ضمیر فاعل کی ہے۔ اور اِس سے متکلِّم مراد ہے۔ اور نیز "یا" ضمیر مفوعل کی آخر میں آرہی ہے ضمیرِ متَّصل۔ اور وہ بھی متکلّم کی ضمیر ہے۔ تو فاعل بھی متکلّم اور مفعول بھی متکلِّم۔ حالانک فاعل ہوتا ہے فعل کرنے والا اور مفعول وہ ہوتا ہے جس پر فعل واقع ہو۔ فاعل ہے مُؤَثِّر یعنی اثر ڈالنے والا اور مفعول ہے مُتَاَثِّر یعنی فعل کے اثر کو قبول کرنے والا۔ اگر فاعل اور مفعول دونوں کے لئے ضمیرِینِ متصلین ہم لے آئیں ایک ہی چیز کے لئے۔ تو فاعل بھی وہی اور مفعول بھی وہی۔ مؤثِّر بھی وہی اور مُتاثِّر بھی وہی۔ حالانکہ مُؤَثِّر اور مُتَاَثِّر کو ایک دوسرے سے غیر ہونا چاہئے۔ تو اگر میں یوں کہوں، "ضَرَبْتُنِيْ" تو مؤثِّر بھی متکلّم اور مُتَاَثِّر بھی متکلِّم ہوا۔ اور یہ صحیح نہیں۔ یعنی نا پسندیدہ ہے۔ چنانچہ ایسے موقع پر "نفس" کا لفظ بڑھا دیتے ہیں۔ پھر یوں کہیں گے، "ضَرَبتُ نَفْسِيْ": میں نے اپنے نفس کی پٹھائی کی۔ معنیٰ وہی ہے۔ لیکن بظاہر نفس کے لفظ کو مفعول بنا دیا۔ تو بظاہر مُغایَرت آگئی۔

تو باقی افعال میں فاعل اور مفعول کے لئے ایسی ضمیرین متصلین لانا جائز نہیں جو کہ لوٹ رہی ہوں ایک ہی شے کی طرف۔ اور افعال قلوب میں جائز ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ "میں نے اپنے آپ کو فاضل جانا" تو یوں کہیں گے، "عَلِمْتُنِيْ فاضلاً"۔ تو علمتُ کے اندر تُوٌّ ضمیر متکلم کی ہے۔ اور نیز آگے "یا" ضمیر بھی آرہی ہے وہ بھی متکلم کی ضمیر ہے۔ تو علمتُنِی کے اندر فاعل بھی متکلّم ہوا اور مفعول بھی متکلم ہوا۔ اور یہاں پر "نفسی" کا لفظ بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

بھئی اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ باقی افعال میں اسکی اجازت نہیں اور افعال قلوب میں اجازت دے دیتے ہیں۔ تو وجہ یہ کہ یاد رکھو! کہ یہ جو افعال قلوب کے اندر پہلا مفعول آیا یعنی "علمتُنِيْ" کے اندر "یا" ضمیر یہ دراصل مفعول ہے ہی نہیں۔ تو جب مفعول ہے ہی نہیں تو مُؤَثِّر اور مُتَاَثِّر ایک نہیں ہوئے۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مفعول کیا ہے؟ تو جواب یہ کہ مضمونِ جملۃ مفعول ہے۔

مضمون جملہ نکالنے کا طریقہ: یہ علمتُ مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا تھا۔ مضمون جملہ اسکو کہتے ہیں کہ یہ جو مبتدا اور خبر ہیں اِن میں خبر سے مصدر بنا لو۔ اور اِس مصدر کو مبتدا کی طرف مضاف کر دو۔ زیدٌ قائمٌ سے مضمونِ جملہ: قِیامُ زیدٍ ہے۔ اس لئے کہ یہاں پر خبر قائمٌ ہے اور اس سے مصدر "قیام" آتا ہے۔ اب اس "قیام" مصدر کو مبتدا کی طرف مضاف کر دو تو "قیامُ زیدٍ" مضمونِ جملہ بن جائے گا۔

اسی طرح زیدٌ عالمٌ سے مضمونِ جملہ عِلْمُ زیدٍ ہے۔ اسی طرح زیدٌ قاعدٌ سے مضمونِ جملہ قُعُوْدُ زیدٍ ہے۔ زیدٌ راکبٌ سے رُکوبِ زیدٍ مضمونِ جملہ ہے۔

تو افعال قلوب کے اندر دراصل مفعول اوّل مفعول نہیں ہوتا بلکہ مضمونِ جملہ مفعول ہوتا ہے۔ تو یہاں پر "عَلِمْتُنِی عالمًا" میں عالمًا سے عِلْم مصدر بناؤ۔ اور مبتدا یہاں پر متکلم کی ضمیر ہے۔ اور اِس کی طرف علم کی اضافت کر دو۔ تو "عِلْمِی" مضمونِ جملہ بن جائے گا۔ یعنی "عَلِمْتُ عِلْمِی" بن جائے گا۔

اسی طرح "علمتُ زیدًا قائمًا" سے مضمونِ جملہ قیام زیدٍ ہے۔ تو "علمتُ قیامَ زیدٍ" بن جائے گا۔ تو دراصل مفعول یہاں پر مضمونِ جملہ ہوا کرتا ہے۔ اِس لئے یہاں پر ضمیرین متصلین لِشَیْءٍ واحدٍ لانا صحیح ہے۔

مثلُ عَلِمْتُنِی مُنْطَلِقًا میں نے اپنے آپ کو چلنے والا یقین کر لیا۔ **وَ لِبَعْضِها مَعْنًی آخَرُ** اور اِن میں سے بعض کے اور معنیٰ بھی آتے ہیں۔ **یَتَعَدّٰی بِہٖ اِلٰی واحدٍ** تو متعدی ہوتے ہیں اُس معنیٰ کی وجہ سے ایک مفعول کی طرف۔ مطلب یہ کہ افعال قلوب دو مفعول چاہتے ہیں لیکن کبھی یہ افعال کسی اور معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں تو اُس کی وجہ سے اُس وقت پھر یہ افعال ایک مفعول چاہتے ہیں۔

فَظَنَنْتُ بِمعنیٰ اِتَّھَمْتُ جیسے ظَنَنْتُ کا ایک معنیٰ گمان کرنا اور ایک معنیٰ "تہمت لگانا" ہے۔ یا الزام لگانا یا بد گمانی کرنا ہے۔ اگر یہ اِس معنیٰ میں ہوا تو پھر یہ ایک مفعول چاہے گا۔ جیسا کہ "ظَنَنْتُ زیدًا" کا معنیٰ ہے "اِتَّھَمْتُ زیدًا": میں نے زید پر تہمت لگائی۔تو دیکھئے بات پوری ہوئی دوسرے مفعول لانے کی ضرورت نہیں۔ **و عَلِمْتُ بِمعنیٰ عرفْتُ** اور علمتُ کبھی کبھار عَرَفْتُ کے معنیٰ میں آتا ہے۔ عَلِمْتُ زیدًا کا معنیٰ "عَرَفْتُ زیدًا" ہے۔ میں نے زید کو پہچان لیا۔ تو یہ جملہ بھی پورا ہوا اور کسی اور مفعول کی ضرورت نہیں۔ **و رأیتُ بِمعنیٰ اَبْصَرْتُ** اور اسی طرح رَأیتُ کبھی اَبْصَرْتُ کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ بھئی وہ رَؤیتُ جو پہلے گزرا تھا وہ رُؤیتِ قلبی تھی۔ یعنی دل کے آنکھ سے دیکھنا۔ اور ایک ہے ظاہری آنکھ سے دیکھنا۔ تو کبھی یہ ظاہری آنکھ سے دیکھنے کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اس صورت میں پھر یہ ایک مفعول چاہے گا۔ تو رَأیتُ زیدًا بمعنیٰ اَبْصَرْتُ زیدًا ہے۔ میں نے زید کو دیکھا۔ یعنی زید مجھے نظر آیا۔ **و وَجَدْتُّ بِمعنیٰ اَصَبْتُ** اور اسی طرح وَجَدْتُّ کبھی اَصَبْتُ کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ وَجَدْتُّ کا معنیٰ تھا پانا۔ تو پہلے معنیٰ تھا "دل سے پانا"۔ یعنی زید کو میں نے بخیل پایا۔ یا زید کو میں نے سخی پایا۔ تو یہ پانا دل کی آنکھ سے تھا۔ اور کبھی ہوتا ہے ویسے خارج میں پانا۔ یعنی جیسے کسی گم شدہ چیز کو پا لیا۔ آپ نے کہا، "میری کتاب گم ہو چکی تھی میں نے اپنے کتاب کو پا لیا۔" تو اس صورت میں وَجَدْتُّ الکتابَ بمعنیٰ اَصَبْتُ الکتاب ہے۔ یا یوں کہیں گے، وَجَدْتُّ کِتَابِی۔

درس 104۔ آج افعال ناقصة کی بحث ہم پڑھیں گے۔ اَلْاَفعالُ النَّاقِصةُ ما افعال ناقصة وہ افعال ہیں وُضِعَ جنکو وضع کیا گیا ہو لِتَقْرِیر الفاعلِ فاعل کو ثابت کرنے کے لئے، تقریر: ثابت کرنا۔ علیٰ صِفَةٍ کسی صفت پر۔ یعنی افعال ناقصه اپنے فاعل کو اپنے خبر کی صفت پر ثابت کرتے ہیں۔

اپنی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں۔ باقی تمام نحوی حضراتؒ کانَ جسے رفع دیتے ہیں اُسے کانَ کا اسم کہتے ہیں۔ جبکه صاحبِ کافیهؒ کی اپنی اصطلاح ہے اور "لَا مُشاہدة فی الاصطلاحِ"۔ صاحب کافیهؒ بہت بڑے علّامه ہے۔ دوسروں کی پیروی اُن کے لئے کوئی ضروری نہیں۔ اور اُس نے اپنی اصطلاح اختیار کی۔ اور جس لفظ کو کانَ رفع دیتا ہے یه اُس لفظ کو کانَ کا اسم نہیں کہتے بلکه اُس کو کانَ کا فاعل کہتے ہیں۔

یاد رکھو! تمام افعال اپنے فاعل کو اپنے صفت پر ثابت کرتے ہیں۔ جیسا که "ضربَ زیدٌ": زید نے پٹھائی کی۔ تو دیکھو! اِس فعل نے زید کو ایک صفت پر ثابت کیا زمانۂ ماضی میں۔ اور وہ صفت ضَرْب ہے۔ اسی طرح اَکَلَ زیدٌ میں اس اَکَلَ نے زید کو اَکل کے صفت پر ثابت کیا۔ اور شَرِبَ زیدٌ میں شَرِبَ فعل نے زید کو شُرْب کے صفت پر ثابت کیا۔ اور اَکْرَمَ زیدٌ میں اَکْرَمَ نے زید کو اِکْرَام کے صفت پر ثابت کیا۔ تو ہر فعل اپنے فاعل کو اپنی صفت پر ثابت کرتا ہے۔ اور صفت سے مراد مصدر ہے۔

جبکه یه جو افعال ناقصه ہیں یه بھی اپنے فاعل کو ثابت کرتے ہیں کسی صفت پر۔ لیکن وہ صفت غیر ہوتی ہے۔ یعنی اپنے صفت پر فاعل کو ثابت نہیں کرتے۔ دیکھو! "کانَ زیدٌ قائمًا" : زید کھڑا تھا۔ اس میں کانَ کا معنیٰ ہے "ہونا"۔ تو کانَ نے زید کو ہونے کی صفت پر ثابت نہیں کیا بلکه قیام کے صفت پر ثابت کیا۔ تو دیکھا کانَ نے اپنے فاعل کو صفت پر تو ثابت کیا لیکن اپنے صفت پر ثابت نہیں کیا بلکه غیر کی صفت پر ثابت کیا۔ اسی طرح "صارَ زیدٌ غنِیٌّ": زید دولتمند ہو گیا۔ صارَ کا معنیٰ تو ہے "انتقال"۔ تو صارَ نے یہاں زید کو اِنتقال کے صفت پر ثابت نہیں کیا بلکه دولتمند ہونے کی صفت پر ثابت کیا ہے۔

یعنی افعال ناقصه اپنے خبر کی صفت پر اپنے اسم یعنی فاعل کو ثابت کرتے ہیں زمانۂ ماضی کے اندر۔ ہاں اپنے معنیٰ کا اثر دے دیتے ہیں۔ جیسے آپ کہتے ہیں، "کانَ زیدٌ قائمًا": اس سے ذرا کانَ کو ہٹاؤ تو "زیدٌ قائمٌ" رہ جائے گا جسکا معنیٰ: "زید کھڑا ہے۔" پھر اس پر کانَ کو داخل کراؤ تو اب کانَ نے زید کو قیام پر ثابت کیا اور زید پہلے بھی قیام پر ثابت تھا۔ لیکن کانَ نے اپنے معنیٰ کا اثر دے دیا که اب یه قیام زمانۂ ماضی میں ہے۔ اور "کانَ زیدٌ قائمًا" کا معنیٰ: "زید کھڑا تھا۔" کریں گے۔

اسی طرح "زیدٌ غَنِیٌّ": زید دولتمند ہے۔ تو زید "غِنیٰ" کی صفت پر ثابت ہے۔ اور اب اس پر افعال ناقصه میں سے صارَ داخل کرے تو "صارَ زیدٌ غَنِیًّا" : زید امیر ہو گیا۔ تو دیکھو زید اب بھی "غِنیٰ" کی صفت پر ثابت ہے۔ لیکن صارَ نے اپنے معنیٰ کا اثر دے دیا۔ اور صارَ کا معنیٰ "اِنتقال" ہے۔ یعنی زید نے "غِنیٰ" کی حالت کی طرف انتقال کیا ہے۔ یعنی پہلے دولتمند نہیں تھا فقیر تھا اب دولتمند ہو گیا۔

تو افعال ناقصه اپنے فاعل کو اپنے خبر کی صفت پر ثابت کرتے ہیں اور اپنے معنیٰ کا اُس میں اثر دے دیتے ہیں۔

و هی اور افعال ناقصه یه ہیں۔ کَانَ و صارَ و اَصْبَحَ و اَمْسیٰ و اَضْحیٰ و ظَلَّ و باتَ و اٰضَ و عادَ و غَدا و راحَ و مازالَ و مَاانْفَکَّ و مافَتِیَٔ و مابَرِحَ و مادامَ و لیسَ یہاں پر سترہ افعال ناقصه ذکر کئے ہیں۔ اِس کے علاوہ اور افعال ناقصه بھی آتے ہیں۔ باقی افعال صرف فاعل کے ساتھ ملکر تام ہو جاتے ہیں۔ چاہے فعل متعدی ہی کیوں نہ ہو۔ صرف فاعل کو ذکر کرے تو فعل تام ہو جائے گا۔ کیونکہ مفعول فَضْلَة یعنی زائد چیز ہوتی ہے۔ جب که اِن کو اسی لئے افعال ناقصه کہتے ہیں کیونکہ یہ ناقص ہیں۔ جب تک اس کے ساتھ اسکی خبر نہیں ملتی اُس کا معنیٰ پورا نہیں ہوگا۔

یعنی جاءَ اور قَعَدَ بھی افعال ناقصه کے طور پر آئے ہیں کلام عرب میں۔ اور یہ قیاسی نہیں بلکه سماعی ہیں۔ آگے صاحبِ کافیہؒ اِن کے بارے میں تفصیل بیان فرماتے ہیں۔

و قد جاء اور تحقیق یہ بھی آئے ہیں۔ ما جاءَتْ حاجَتَکَ اس میں حاجتَ پر نصب پڑھ لے یہ بھی روایت آئی ہے۔ اور "ما جاءتْ حاجَتُکَ" یعنی حاجَتُ پر رفع کی روایت بھی آئی ہے۔

ما جاءَتْ حاجَتَکَ کی ترکیب۔ "ما" استفهامیه مبتدا، جاءَت بمعنیٰ صارَت فعل از افعالِ ناقصه هیَ ضمیر اسکا اسم اسکے اندر جو که "ما" کو راجع ہے، حاجتَ مضاف اور کاف ضمیر مضافٌ الیه، مضاف اپنے مضافٌ الیه سے ملکر جاءَتْ کی خبر، جاءَتْ فعل اپنے اسم اور خبر سے ملکر جمله فعلیه ہو کر یہ خبر ہوئی "ما" مبتدا کے لئے، مبتدا اپنے خبر سے ملکر یہ جمله اسمیه انشائیه ہوا۔

اس پر اشکال آپ کے ذہن میں آئے گا کہ "ما" تو مذکر ہے اور آپ نے اسکی طرف "هی" ضمیر لوٹا دی۔ تو مذکر کی طرف مؤنث کی ضمیر کیسے لوٹا دی۔ جواب۔ جب بھی ضمیر دائر ہو جائے مرجع اور خبر کے درمیان اس طور پر کہ ایک مذکر ہو اور ایک مؤنث ہو تو دونوں کی رعایت رکھنا جائز ہے۔ تو یہاں پر حَاجَت کا لفظ آیا۔ اور یہ مؤنث ہے۔ تو خبر مؤنث ہے۔ اور یہ خبر تقاضا کرتی ہے که مبتدا کو بھی مؤنث آنا چاہئے۔ لیکن اس ضمیر کا مرجع ہے "ما" اور وہ مذکر ہے۔ اور یہ مرجع تقاضا کرتا ہے که ضمیر مذکر آنا چاہئے۔ تو یہ ایسی ضمیر ہے جو که مرجع اور خبر کے درمیان واقع ہے۔ تو اِس صورت میں یاد رکھو! مرجع کی رعایت رکھنا بھی جائز اور خبر کی رعایت رکھنا بھی جائز۔ مرجع کی رعایت رکھتے ہوئے اگر یہاں پر مذکر کی ضمیر لائی جاتی تو بھی جائز ہوتا۔ اور خبر کی رعایت رکھتے ہوئے جیسا که یہاں پر مؤنث ضمیر لائی گئی ہے تو یہ بھی جائز ہے۔ لیکن خبر کی رعایت رکھنا اولیٰ ہے۔

جیسا ہم نے پڑھا تھا، "اَلْکَلِمَةُ هِیَ اِسْمٌ و فعلٌ و حرفٌ"۔ یہاں پر مرجع "الکلمة" مؤنث ہے۔ اور خبر "اسمٌ و فعلٌ و حرف" مذکر ہے۔ اور ضمیر مرجع اور خبر کے درمیان واقع ہو۔ تو یہاں پر مرجع کی رعایت رکھی گئی اور خبر کی رعایت نہیں رکھی گئی۔

ما جاءَتْ حاجَتَکَ کا ترجمہ: ای اَیُّ حاجَةٍ صارَتْ حاجَتَکَ: کیا حاجت تیری حاجت ہو گئی۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی تیری کوئی حاجت نہیں۔

اور رفع والی روایت کی ترکیب۔

ما جاءَتْ حاجَتُکَ کی ترکیب۔ اس صورت میں "ما" استفہامیہ کو جاءَتْ کے لئے خبر مقدّم بنائیں گے اور حاجتُکَ یہ جاءَتْ کے لئے اسم بنے گا۔ تو اصل کلام یوں ہے، "جاءَتْ حاجَتُکَ ما"۔ ترجمہ پھر بھی وہی ہوگا۔ تو یہ خبر "ما" ہے۔ لیکن چونکہ یہ استفہام کے معنیٰ پر مشتمل ہے اس لئے اس کو مقدَّم کر دیا گیا۔ لہٰذا اب حاجَتُکَ کو اسم ہونے کی بنیاد پر مرفوع پڑھیں گے۔

وَ قَعَدَتْ کَاَنَّهَا حَرْبَةٌ یہاں قَعَدَتْ یہ بھی بمعنیٰ صارَتْ کے ہے۔ اصل پورا کلام یوں ہے، اَرْحَفَ شَفْرَتَهُ حتّیٰ قَعَدَتْ کَاَنَّها حَرْبَةٌ: دیکھئے! اَرْحَفَ یُرْحِفُ کے معنی ہوتے ہیں تیز کرنا۔ شَفْرَته: چُھری، اَرْحَفَ شَفْرَتَهُ: اُس نے اپنی بڑی چُھری تیز کی، حتّیٰ قَعَدَتْ ای صارَتْ: یہاں تک کہ وہ ہو گئی، کَاَنَّهَا حَرْبَةٌ: گویا کہ وہ چھوٹا نیزہ ہو گئی۔

ترکیب۔ قَعَدَتْ: فعل از افعال ناقصہ، ھی ضمیر اسکے اندر اسکا اسم جو کہ شَفْرَہ کو راجع ہے۔ کَاَنَّ حرف از حروف مشبہ بالفعل، ھا ضمیر اسکا اسم منصوب محلاً، حَرْبَةٌ اسکی اسم، کانَّ اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر یہ خبر ہوئی قعدَتْ کے لئے، قَعَدَتْ اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔

تَدْخُلُ عَلَى الْجُملةِ الْاِسْمِيَّةِ یہ افعالِ ناقصہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں۔ لِاِعْطاءِ الْخَبَرِ حُکْمَ مَعْنَاها تاکہ یہ عطا کرے خبر کو اپنے معنیٰ کا اثر، حکم بمعنیٰ اثر کے ہے۔ فَتَرْفَعُ الْاَوَّلَ تو یہ افعال ناقصہ رفع دیتے ہیں اوّل کو، اور وہ اِن کا اسم ہوتا ہے اور صاحب کافیہ اُس کو فاعل کہتے ہیں۔ وَ تَنْصِبُ الثَّانِیَ اور یہ افعال ناقصہ ثانی کو نصب دیتے ہیں۔ تو باقی علماء کے نزدیک یہ ثانی افعال ناقصہ کے لئے خبر ہے، اور صاحب کافیہؒ کے نزدیک یہ افعال ناقصہ کے لئے شبیہ مفعول ہے۔ مثلُ کان زیدٌ قائمًا زید کھڑا تھا۔ تو اصل میں یوں تھا، "زیدٌ قائمٌ: زید کھڑا ہے"۔ اس پر کانَ داخل ہوا۔ اور کانَ نے اپنے معنیٰ کا اثر دیا۔ اب ترجمہ "زید کھڑا تھا۔" کریں گے۔

یہاں سے صاحب کافیہؒ یہ بتلانا چاہتا ہے کہ کانَ کبھی ناقصۃ ہوتا ہے اور کبھی تامّہ ہوتا ہے۔ کانَ ناقصۃ وہ ہے جہاں صرف فاعل کے ساتھ ملکر بات پوری نہ ہو۔یعنی اسم کے ساتھ ملکر بات پوری نہ ہو بلکہ آگے خبر بھی چاہئے ہوتی ہے۔ اور بغیر خبر کے معنیٰ ہی پورا نہیں ہوتا۔

اور ایک ہوتا ہے کانَ تامّہ۔ کانَ تامّہ وہ ہوتا ہے جو صرف اپنے اسم کے ساتھ یا فاعل کے ساتھ ملکر بات پوری ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ "کانَ مَطَرٌ:بارش ہوئی۔" تو یہ کانَ تامّہ ہے۔ اور یہ کانَ بمعنیٰ ثَبَتَ کے

ہوتا ہے۔ یعنی "ثبتَ مَطَرٌ: بارش ہوئی۔" تو یہاں پر خبر کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لئے اس کو کانَ تامّہ کہتے ہیں۔

فکان تکونُ ناقصةً تو کانَ ناقصة ہوگا۔ اور یہ کانَ کس لئے ناقصہ ہوتا ہے۔ آگے صاحب کافیہؒ خود فرماتے ہیں۔ **لِثُبُوتِ خَبَرِها** تا کہ اس کی خبر کو ثابت کرے۔ اور یہ خبر کس کے لئے ثابت کرے؟ جواب یہ کہ کہ کانَ کی اسم کے لئے خبر کو ثابت کرے۔ یعنی کانَ ناقصہ اپنے اسم کے لئے اپنے خبر کو ثابت کرتا ہے۔ جیسا کہ "کانَ زیدٌ قائمًا" میں یہ قیام، زید کے لئے ثابت کی جو کہ اس کا اسم ہے۔

ماضِیا اس حال میں کہ ماضی ہوگا۔ یعنی یہ قیام، زید کے لئے ماضی کے زمانے میں ہے۔ **دائما او مُنْقَطِعًا** اور یہ جو ثبوتِ خبر ہے کانَ کے اسم کے لئے یا تو دوام کے طریقے پر ہوگا یا اِنْقطاع کے طریقے پر ہوگا۔ جیسا کہ دیکھئے، "کانَ اللّٰہُ علیمًا": کانَ فعل از افعال ناقصہ، لفظِ اللہ اسکا اسم، علیمًا اُسکی خبر۔ تو یہ کانَ ناقصہ ہے۔ لیکن اسکا یہ معنیٰ نہیں کرنا کہ "اللہ علیم تھے۔" یا "اللہ خوب جاننے والے تھے۔" یہ تو کُفریہ معنیٰ ہے۔ اور اللہ تو خوب جاننے والے ہیں۔ تو دیکھو! یہ کانَ ناقصہ کبھی دوام کے لئے آتا ہے۔ یعنی اپنے خبر کو اپنے اسم کے لئے دوام کے طریقے پر ثابت کرتا ہے۔ یعنی یہ "علیم" ہونے کی صفت ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے دوام کے طریقے پر ہے۔ یعنی اللہ خوب جاننے والے ہیں۔

دائمًا کے آگے صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں "اَوْ مُنْقَطِعًا": اور یہ کانَ ناقصة کبھی مُنطعة ہوگا۔ یعنی اِنقطاع کے طریقے پر خبر کو اپنے اسم کے لئے ثابت کریگا۔ جیسا کہ "کانَ زیدٌ شابًّا: زید جوان تھا۔" اور اب جوان نہیں ہے۔ تو یہاں پر کانَ نے خبر کو اپنے اسم کے لئے انقطاع کے طریقے پر ثابت کیا۔

وَ بِمَعْنٰی صارَ اور کبھی کبھار یہ کانَ "صارَ" کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔مثلاً میں کہتا ہوں، "کانَ زیدٌ غَنِیًّا"۔ تو اب یہ کانَ بمعنیٰ صارَ ہے۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کرنا کہ "زید امیر تھا۔" بلکہ اس کا معنیٰ "زید امیر ہو گیا۔" کریں گے۔ اس لئے کہ یہ کانَ "صارَ" کے معنیٰ میں ہے۔ **و یکونُ فیها ضمیرُ الشَّانِ** اور اس میں ضمیر شان ہوگی۔ یاد رکھو! کانَ ناقصہ میں ضمیر شان بھی آسکتی ہے۔ جیسے دیکھو! میں کہتا ہوں، "کانَ زیدٌ قائمًا"۔ اس میں زید، کانَ کا اسم ہے اس لئے مرفوع ہے۔ اور قائمًا، کانَ کی خبر ہے اس لئے منصوب ہے۔ اس کی بجائے اگر میں یہ کہہ دیتا ہوں، "کانَ زیدٌ قائمٌ"۔ اس میں زیدٌ بھی مرفوع اور قائمٌ بھی مرفوع۔ اب یہ نہ کہنا کہ یہ جملہ غلط ہے اور قائمًا ہونا چاہئے۔ بلکہ اس صورت میں یہ پورا جملہ "زیدٌ قائمٌ" مبتدا خبر ہے۔ اور یہ مبتدا خبر ملکر یہ کانَ کے خبر بن رہے ہیں۔ اور کانَ کا اسم کانَ کے اندر ہی ضمیرِ شان ہے۔ تو کانَ اس کے اندر ھوَ اسم ضمیر شان ہے۔ اور آگے زیدٌ قائمٌ مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہو کر یہ کانَ کی خبر ہے۔ تو کانَ اپنے اسم جو کہ ضمیرِ شان تھی اور خبر سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔ کانَ زیدٌ قائمٌ: شان یہ ہے کہ زید قائم تھا۔

و تکونُ تامۃً یہ ناقصۃ کے مقابلے میں آیا۔ اور کانَ کبھی تامۃ ہوگا۔ یہ ناقصۃً پر عطف ہے۔ کانَ تامّۃ میں خبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ **بمعنی ثبت** اور یہ ثَبَتَ کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ "کانَ مَطَرٌ ای ثَبَتَ مَطَرٌ: بارش ہوئی۔"

و زائدۃً اور کبھی کانَ زائدہ بھی ہوتا ہے۔ یعنی صرف عبارت میں حُسن پیدا کرنے کے لئے آتا ہے۔ اُس کو عبارت میں ذکر کرے یا نہ کرے، اُس کے معنیٰ میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تو کانَ تین قسم پر ہوا۔ ایک کانَ ناقصۃ، ایک کانَ تامّۃ اور ایک کانَ زائدۃ۔ ہاں پھر وہ کانَ ناقصۃ کبھی دوام کا فائدہ دیگا اور کبھی اِنْقطاع کا فائدہ دیگا، اور کبھی صارَ کے معنیٰ میں ہوگا اور کبھی کانَ ناقصۃ کے اندر ضمیر شان ہوگی۔

و صارَ لِلْاِنْتِقَالِ اور صارَ انتقال کے لئے آتا ہے۔ یعنی ایک حالت سے دوسرے حالت کی طرف انتقال کے لئے۔ جسا کہ "صارَ زیدٌ غَنِیًّا: زید امیر ہو گیا"۔ یعنی زید نے فَقر سے انتقال کیا غِنیٰ کی طرف۔ یا صارَ کبھی ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف انتقال کے لئے آئے گا۔ جیسے "صارَ الطینُ حَذَفًا: مٹی ٹھیکری بن گئی۔" یعنی مَٹی کی حقیقت ہی بدل گئی۔

وَ اَصْبَحَ و اَمْسیٰ و اَضْحیٰ لِاِقْتِرانِ مَضْمُونِ الْجُمْلَةِ بِاَوْقَاتِہا اَصْبَحَ، اَمْسیٰ اور اَضْحیٰ ملانے کے لئے ہیں مضمونِ جملۃ کو اپنے اوقات کے ساتھ۔ مضمونِ جملۃ اسے کہتے ہیں کہ خبر کے مصدر کو اُس مبتدا کی طرف مضاف کر دے۔ جیسا کہ زیدٌ قائمٌ میں قائمٌ خبر ہے اور اس سے مصدر قیام آتا ہے۔ اب اس مصدر کی اضافت کر دے مبتدا کی طرف تو "قیامُ زیدٍ" بن جائے گا، تو یہ ہے مضمونِ جملۃ۔ تو کہتے ہیں کہ یہ جو " اَصْبَحَ، اَمْسیٰ اور اَضْحیٰ " ہیں یہ مضمونِ جملۃ کو اپنے اوقات کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔ اَصْبَحَ کے اندر صبح کا وقت ہے۔ اسی طرح اَمْسیٰ میں شام کا وقت ہے اور اَضْحیٰ میں چاشت کا وقت ہے۔ تو یہ مضمونِ جملۃ کو اپنے وقت کے ساتھ ملا دیتے ہیں۔

جیسے دیکھئے! میں نے کہا، "اَصْبَحَ زیدٌ کاتِبًا"۔ تو زیدٌ کاتبٌ میں کاتبٌ خبر ہے۔ اور اس سے مصدر کتابۃ ہے۔ اور اسکو مضاف کردو اسکی اسم کی طرف تو "کتابۃُ زیدٍ" اس سے مضمون جملۃ بن گیا۔ تو کتابتِ زید کو اِس نے ملا دیا اپنے وقت کے ساتھ۔ یعنی کتابتِ زید ثابت ہے صبح کے وقت میں۔ اسی طرح "اَمسیٰ زیدٌ کاتبًا" میں کتابتِ زید ثابت ہے شام کے وقت میں۔ اور "اَضْحیٰ زیدٌ کاتبا" میں کتابتِ زید ثابت ہے چاشت کے وقت میں۔

و بمعنیٰ صارَ اور کبھی یہ اَصْبَحَ، اَمْسیٰ اور اَضْحیٰ "صارَ" کے معنیٰ میں بھی آتے ہیں۔ اب میں کہتا ہوں مثلاً، "اَصْبَحَ زیدٌ غَنِیًّا: ای صارَ زیدٌ غَنِیًّا: زید غنی ہو گیا۔" اب وہ صبح، شام اور چاشت والا معنیٰ نہیں کریں گے۔

و تکونُ تامَّةً اور کبھی یہ اَصبَحَ، اَمسیٰ اور اَضحیٰ "تامّة" بھی آتے ہیں۔ یعنی صرف فاعل کے ساتھ ملکر بات پوری ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ "اَصبَحَ زیدٌ: زید صبح کے وقت میں داخل ہوا۔" اور "اَمسیٰ زیدٌ: زید شام کے وقت میں داخل ہوا۔" یعنی زید نے صبح کی اور زید نے شام کی۔ اور "اَضحیٰ زیدٌ: زید چاشت کے وقت میں داخل ہوا۔" یعنی زید نے چاشت کی۔

و ظَلَّ و باتَ تو ظَلَّ اور باتَ آتے ہیں، ظَلَّ: دن گزارنا، باتَ یَبِیْتُ: رات گزارنا **لِاِقْتِرَانِ مضمونِ الْجُمْلَةِ** مضمونِ جملة کو ملانے کے لئے **بِوَقْتَیْہِمَا** اپنے وقت کے ساتھ۔ ھما ضمیر ظَلَّ اور باتَ کو راجع ہے۔ مثلاً، ظَلَّ زیدٌ کاتِبًا: اس میں مضمونِ جملة کِتابةِ زید ہے۔ تو ظَلَّ نے کتابةِ زید کو ملا دیا اپنے وقت کے ساتھ۔ تو معنیٰ یہ ہوا، "زید نے دن گزارا کتابة کرتے ہوئے"۔ اور "باتَ زیدٌ کاتِبًا: زید نے رات گزاری کتابة کرتے ہوئے"۔ **و بمعنیٰ صارَ** اور یہ ظَلَّ اور باتَ کبھی "صارَ" کے معنیٰ میں بھی آتے ہیں۔مثلاً، ظَلَّ زیدٌ غنِیًّا: ای صارَ زیدٌ غنِیًّا:زید دولتمند ہو گیا۔ تو اب اِن کے وقت کا معنیٰ ان میں نہیں پایا جائے گا۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ بھئی پیچھے ذکر کیا تھا صاحب کافیہؒ نے کہ "اَصبحَ، اضحیٰ اور امسیٰ" یہ بھی مضمونِ جملہ کو اپنے وقت کے ساتھ ملاتے ہیں اور آگے ذکر فرمایا کہ "ظَلَّ اور باتَ"بھی مضمونِ جملہ کو اپنے وقت کے ساتھ ملاتے ہیں، نیز وہاں ذکر کیا تھا کہ وہ "صارَ" کے معنیٰ میں ہیں اور یہاں بھی ذکر فرمایا کہ یہ " ظَلَّ اور باتَ" بھی صارَ کے معنیٰ میں ہیں۔ اس پر اشکال ہوتا ہے صاحب کافیہؒ پر ۔ کہ اے صاحب کافیہؒ آپ تو بے کار عبارت نہیں لاتے۔ بات مختصر سے مختصر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں پر آپ نے بات کیوں لمبی کر دی؟ اور اکھٹے سب کو ذکر کر دیتے۔ اور یوں فرماتے کہ "اَصبحَ، اضحیٰ ، امسیٰ، ظَلَّ اور باتَ " یہ سارے مضمونِ جملة کو اِن کے وقت سے ملانے کے لئے آتے ہیں اور نیز یہ سب "صارَ" کے معنیٰ میں آتے ہیں۔ تو آپؒ نے اِن کو الگ الگ کیوں ذکر فرمایا؟

جواب۔ جواب یہ کہ "اَصبحَ، اضحیٰ اور امسیٰ" میں اور "ظَلَّ اور باتَ" میں کچھ فرق تھا۔ "اَصبحَ، اضحیٰ اور امسیٰ" کے لئے صاحب کافیہؒ نے "تکونُ تامَّةً" بھی ذکر کیا تھا کہ یہ تینوں تامّة بھی آتے ہیں۔ جبکہ یہ "ظَلَّ اور باتَ" تامّہ نہیں آتے۔ تو چونکہ کچھ فرق تھا۔ اور یہ حکم "تکونُ تامَّةً" الگ ذکر کرنا تھا "اَصبحَ، اضحیٰ اور امسیٰ" کے لئے۔ تو اس مجبوری کی وجہ سے "اَصبحَ، اضحیٰ اور امسیٰ" کو الگ ذکر کیا اور "ظَلَّ اور باتَ" کو الگ ذکر کیا۔

یہ نہیں کہ "ظَلَّ اور باتَ" تامّہ آتے ہی نہیں۔ یہ تامّہ آتے ہیں لیکن اتنے قلیل ہیں کہ گویا کہ وہ عدم کے درجے میں ہیں۔ تو اِس لئے اُس کو ذکر ہی نہیں کیا۔

و ما زال و ما بَرِحَ و ما فَتِئَ و مَا انْفَکَّ اور یہ چار " ما زال، ما بَرِحَ، ما فَتِئَ اور مَا انْفَکَّ" جو ہیں **لِاسْتِمْرار خَبَرِها** اِن کی خبر کے اِسْتِمْرَار کے لئے ہے۔ یعنی خبر اِستمرار کے طریقے پر ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ کس کے لئے ثابت ہوتی ہے۔ تو آگے فرماتے ہیں **لِفاعِلِها** اِن کے فاعل کے لئے۔ **مُذْ قَبِلَهُ** جب سے اُس نے اُسے قبول کیا ہو۔ یعنی عادۃً جب سے اُس میں اُس خبر کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی ہو۔ دیکھئے میں کہتا ہوں، "مازالَ زیدٌ امیرًا"۔ عربی میں "امیر" بمعنیٰ سردار وغیرہ کے ہوتا ہے۔ اور اردو میں "امیر" بمعنیٰ دولتمند کے ہے۔ تو "مازالَ زیدٌ امیرًا" کا معنیٰ "زید ہمیشہ سے سردار ہے"۔ تو دیھئے اس "ما زالَ" نے زید کے لئے اِمارت کو استمرار کے طریقے پر ثابت کیا جب سے زید نے اَمارت کو قبول کیا ہے۔ یعنی جب سے زید میں صلاحیت پیدا ہوئی ہے امیر بننے کی تو وہ ہمیشہ سے امیر ہے۔ یعنی زید ہمیشہ سے امیر نہیں ہے۔ لیکن جب سے اُس میں صلاحیت پیدا ہوئی ہے تو اُس وقت سے امیر ہے۔

وَ يَلْزَمُهَا النَّفْيُ اور اِن کے ساتھ نفی لازم ہے۔ وجہ یہ کہ یہ سارے عدمِ استمرار پر دلالت کرتے ہیں۔ اور جب اِس عدمِ استمرار پر حرفِ نفی کو داخل کر دیا۔ تو نفی پر جب نفی داخل ہو جائے تو وہ اثبات کا فائدہ دیتی ہے۔

تو دیکھو! یہ زَالَ یَزَالُ کا معنیٰ "جدا ہوجانے" کا ہے۔ اسی طرح بَرِحَ، فَتِئَ کے معنیٰ بھی "جُدا ہونے" کے ہیں۔ اور اِنْفَکَّ یَنْفَکُّ اس کا معنیٰ بھی "جدا ہو جانے" کے ہے۔ تو جب جدا ہوا تو استمرار باقی نہیں رہا۔ تو یہ عدمِ استمرار کے لئے ہے۔ اور جب اس عدم استمرار پر نفی داخل ہوئی تو اس نے استمرار کے اثبات کا فائدہ دے دیا۔

و ما دامَ اور ما دامَ آتا ہے **لِتَوْقِيتِ اَمْرٍ** کسی اَمر کے وقت کی تعیین کے لئے۔ توقیت: تعیین، یعنی مادامَ تعیین وقت کے لئے آئیں گے۔ **بِمُدَّةِ ثُبوتِ خَبَرِها** اُس مدّت کی مقدار کہ جب تک اُس کی خبر ثابت ہو۔ یعنی اُس مدت کی مقدار کہ جب تک مادامَ کی خبر ثابت ہو۔ **لِفاعِلِها** اسکے فاعل کے لئے۔ یعنی مادامَ کے فاعل کے لئے۔ یعنی جب سے اِسکی خبر اسکے فاعل کے لئے ثابت ہے اُس مدّت کی مقدار کسی معاملے کو متعیّن کرنے کے لئے ما دامَ آتا ہے۔

دیکھو! مثال پہلے سمجھو پھر عبارت سمجھو: میں کہتا ہوں، "اَقُوْمُ: میں کھڑا رہوں گا۔ ما دامَ الامیرُ جالسًا: جب تک سردار بیٹھا ہوا ہے۔" یعنی جب تک سردار بیٹھا ہوا ہے تو میں کھڑا رہوں گا۔ تو دیکھئے "ما دامَ" آیا۔ اور "الامیرُ" مادامَ کا اسم یعنی فاعل ہے۔ اور "جالسًا" مادامَ کی خبر ہے۔ تو دیکھئے! مادامَ نے توقیتِ امر کا فائدہ دیا۔ یعنی تَعْيِيْنِ وقت کا فائدہ دیا۔ اور کس چیز کی تعیین وقت کا فائدہ دیا؟ تو جواب یہ ہے کہ یہ جو میں نے ماقبل میں ذکر کیا "قیام" کا۔ یعنی "میرا قیام ثابت ہے یعنی میرا قیام متعیَّن ہے"۔ اور کب تک میرا قیام متعین ہے؟ تو جب تک امیر بیٹھا ہے میرا قیام اُس وقت تک ہے۔ یعنی جب

تک یہ خبر "جالسًا" مادام کے اسم یعنی مادام کے فاعل کے لئے ثابت ہے تو اُس وقت تک میرا قیام بھی ثابت ہے۔

تو جب تک مادامَ کی خبر مادامَ کے اسم کے لئے ثابت ہے اُس وقت تک میرا قیام بھی ثابت ہے۔ تو دیکھو! مادامَ نے میرے قیام کی وقت کی تَعیِین کر دی۔

وَ مِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے **اِحْتَاجَ اِلیٰ کَلامٍ** یہ محتاج ہوتا ہے ایک کلام کا۔ یعنی یہ "مادامَ" ایک مستقل کلام کا محتاج ہوتا ہے ماقبل میں۔

دیکھو بھئی! اَقُوْمُ کو ذرا ہٹاؤ، تو "ما دامَ الامیرُ جالسًا: جب تک امیر بیٹھا ہوا ہے" باقی رہ گیا۔ اور اِس کلام سے بات پوری نہیں ہوئی۔ اور یہ "مادامَ الامیرُ جالسًا" مفعول فیہ یعنی ظرف ہے۔ اور ظرف کے لئے عامل چاہئے ہوتا ہے۔ اسی لئے "مادامَ الامیرُ جالسًا" پورا جملہ نہیں ہے اور یہ ایک اور کلام کا تقاضا کرتا ہے جس کے لئے یہ مفعول فیہ بن جائے۔ اور وہ کلام ماقبل میں "اَقُوْمُ" ہے۔ اب "اَقُوْمُ" لگا دو تو اب بات پوری ہو گئی۔ "میں کھڑا رہوں گا جب تک امیر بیٹھا ہے"۔

تو دیکھا! اَقُومُ ماقبل میں کلام ہے۔ اور یہ "مادامَ " اُس کا محتاج ہے۔ اور "اقومُ" کے بغیر بات پوری نہیں ہوتی۔

لِاَنَّهُ ظَرفٌ اس لئے کہ یہ ظرف ہے۔ یعنی یہ "مادامَ" ظرف ہے۔ اور ظرف عامل کا تقاضا کرتا ہے۔

و لیسَ لِنَفْیِ مَضْمُونِ الْجُمْلَةِ اور "لیسَ" مضمونِ جملة کی نفی کے لئے آتا ہے۔ "لیسَ زیدٌ قائمًا" کا معنیٰ "قیامِ زید" کی نفی ہے۔ **حالاً** زمانہ حال میں۔ یعنی یہ جو زید کی قیام کی نفی کی گئی ہے یہ زمانہ حال میں ہے۔ اور یہ ماضی یا مستقبل کی بات نہیں۔ **و قیل مُطْلَقًا** اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ مطلقًا مضمونِ جملة کی نفی کے لئے آتا ہے۔ اور یہ حال، استقبال یا ماضی کے ساتھ مُقَیَّد نہیں۔

اب یہ دیکھئے! افعال ناقصہ کے آگے اسکا اسم یا فاعل آتا ہے اور اسکے بعد اسکی خبر آتا ہے۔ اب افعالِ ناقصة کی خبر کو اِن کے اسم پر مقدَّم کر سکتے ہیں یا نہیں۔ جیسا کہ "کانَ زیدٌ قائمًا" میں زیدٌ یہ اسم ہے کانَ کا، اور قائمًا یہ خبر ہے کانَ کی۔ تو قائمًا کو زیدٌ پر مقدَّم کر سکتے ہیں کہ نہیں۔ تو صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ اِن سب کی خبر کو اسم پر مقدَّم کرنا جائز ہے۔ اب آپ یوں کہہ سکتے ہیں، "کانَ قائمًا زیدٌ"۔ تو دیکھو! خبر کو اسم پر مقدَّم کر دیا۔

باقی افعال ناقصة کی خبر کو افعالِ ناقصة پر مقدَّم کرنا جائز ہے کہ نہیں۔ جیسا کہ "کانَ زیدٌ قائمًا" میں قائمًا کو زیدٌ پر تو مقدَّم کر سکتے ہیں لیکن کیا یوں کہہ سکتے ہیں، "قائمًا کانَ زیدٌ" یا یوں نہیں کہہ سکتے۔ تو فرماتے ہیں کہ اِس اعتبار سے یہ تین قسم پر ہے۔

بعض ایسے ہیں کہ اُس کے خبر کو اُس کے فعل پر مقدَّم کر سکتے ہیں۔ بعض کے اندر فعل پر مقدَّم کرنا جائز نہیں۔ اور بعض کے اندر اختلاف ہے۔

و یَجُوزُ تقدیمُ اخبارِها کُلِّهَا علی اسمائِها اور جائز ہے اِن سب کی خبروں کو مقدَّم کرنا اِن کے اسموں پر۔ یہ کُلِّها تاکید ہے اخبارِها کے لئے۔ تو اِسموں کے اندر تو سب میں جائز ہے۔

اب آگے تفصیل بیان فرما رہے ہیں کہ کِن صورتوں میں خبر کو اِن افعال پر مقدَّم کر سکتے ہیں اور کن صورتوں میں مقدَّم نہیں کر سکتے۔ اور کن صورتوں میں اختلاف ہے۔

و هی اور یہ افعالِ ناقصة فی تقدیمها اُس خبر کے مقدَّم کرنے میں علیها اِن ہی پر۔ یعنی اِن افعالِ ناقصة پر۔ علی ثَلٰثَةِ اَقْسَامٍ تین قسم پر ہے۔ یعنی افعالِ ناقصة کی خبر کو اِن ہی پر مقدّم کرنے میں تین قسم پر ہے۔

قسمٌ یَجُوزُ ایک تو وہ قسم ہے جس میں جائز ہے۔ یعنی ایک قسم یہ ہے کہ افعال ناقصة کی خبر کو افعال ناقصة پر مقدَّم کرنا جائز ہے۔ و هُوَ مِنْ کَانَ اِلیٰ رَاحَ اور وہ کانَ سے لے کر راحَ تک ہے۔ یعنی کانَ، صارَ، ظَلَّ، باتَ، اَصبحَ، امسیٰ،اَضْحیٰ، عَادَ، اٰضَ، غَدا اور رَاحَ ہیں۔ اِن سب کے اندر اِسکی خبر کو اِن افعالِ ناقصة پر مقدَّم کرنا جائز ہے۔ و قسمٌ لَا یَجُوزُ اور ایک قسم وہ ہے جس میں جائز نہیں۔ یعنی افعالِ ناقصة کی خبر کو افعال ناقصة پر مقدَّم کرنا جائز نہیں۔ و هو ما اور وہ، وہ ہیں۔ فی اَوَّلِهٖ ما جس کے شروع میں "ما" ہے ۔ یعنی "مازالَ، مَا انفکَّ، مَا بَرِحَ، ما فَتِیءَ اور ما دامَ" ہیں۔ خلافًا لِابن کَیْسَانَ بخلاف امام ابن کیسانؒ کے۔ یہ امام مُبَرِّد کے شاگرد ہے۔ بڑے نحوی گزرے ہیں۔ یہ فرماتے ہیں کہ جن کے شروع میں "ما" ہے، اُن پر بھی خبر کو مقدَّم کرنا جائز ہے۔ جمہور علماءؒ تو کہتے ہیں کہ جن افعالِ ناقصة کے شروع میں "ما" ہیں اُن پر اُن کے خبر کو مقدَّم کرنا جائز نہیں۔ اور امام ابنِ کیسانؒ فرماتے ہیں کہ اِن پر بھی اِن کے خبر کو مقدَّم کرنا جائز ہے۔ فی غیر ما دام علاوہ مادامَ کے ۔ اور مادامَ کے اندر امام ابن کیسانؒ بھی متفِّق ہے کہ اِس کے خبر کو اِس پر مقدّم کرنا جائز نہیں۔

اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ، جمہور فرماتے ہیں کہ جن کے شروع میں "ما" آتا ہے، یہ "ما" دو قسم پر ہے۔ کچھ کے شروع میں "ما نافیه" آیا ہے۔ اور "ما دامَ" کے شروع میں جو "ما" آیا ہے وہ "ما مصدرية" ہے۔ اور "ما مصدرية" پر دامَ مقدَّم نہیں ہو سکتا اور آگے جو اسکا معمول ہے وہ تو بطریقِ اولیٰ اُس پر مقدَّم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہم نے پڑھا ہے کہ "ما مصدرية" جس فعل پر داخل ہوتا ہے وہ فعل اِس "ما مصدرية" پر مقدَّم نہیں ہو سکتا۔ تو آگے اِس فعل کا معمول تو بطریقِ اولیٰ "ما مصدرية" پر مقدّم نہیں ہو سکتا۔ تو یہاں پر جب "دامَ" خود "ما" پر مقدَّم نہیں ہو سکتا۔ تو آگے اس کے معمول تو بطریقِ اولیٰ اس پر مقدَّم نہیں ہوسکتا۔

اور جن کے شروع میں "ما نافیہ" آیا۔ اور باقی آگے آنے والا کلام تحت النَّفْیِ ہوا۔ اور جو تحتَ النَّفْیِ ہے اُس کو نَفْیِ پر مقدَّم کرنا صحیح نہیں۔

اور امام ابن کیسانؒ فرماتے ہیں کہ نہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ "ما دامَ" کے اندر آپ کی بات ٹھیک ہے۔ "ما دامَ" کے اندر مقدَّم کرنا جائز نہیں کیونکہ وہاں "ما مصدریہ" ہے۔ اور باقیوں کے اندر "ما نافیہ" ہے۔ وہاں پر مقدَّم کرنا جائز ہے۔ جمہور کہتے ہیں کہ وہ تو ما نافیہ ہے اور جو چیز تحتَ النفی واقع ہو اُس کو نفی پر مقدَّم کرنا جائز نہیں۔ ورنہ پھر تو وہ تحت النفی نہیں رہے گا۔ امام ابن کیسانؒ فرماتے ہیں کہ یہ حروف خود تو نفی پر دلالت کرتے تھے۔ اور جب اس پر نفی داخل ہوا تو اِس نے اثبات کا فائدہ دے دیا۔ تو لہٰذا اب حرفِ نفی تو موجود ہے لیکن اصل میں یہ اثبات کا معنیٰ دے رہے ہیں۔ تو اس لئے اب نفی کا معنیٰ باقی ہی نہیں رہا، تو لہٰذا اب خبر کو اُس پر مقدَّم کرنا جائز ہیں۔ اور "ما دامَ" پر مقدَّم کرنا جائز نہیں۔

و قسمٌ مختَلَفٌ فیہ اور ایک قسم وہ ہے جس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ و ھو لیس اور وہ لیس ہے۔ لیس کے اندر اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اِس کی خبر کو لیسَ پر مقدَّم کرنا جائز ہے۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ لیسَ کی خبر کو لیسَ پر مقدَّم کرنا جائز نہیں۔

درس 105۔ اب صاحب کافیہؒ افعالِ مُقاربۃ کی بحث شروع فرماتے ہیں۔ اِس کے نام ہی سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قریب ہونے کے معنیٰ پر دلالت کرتے ہیں۔ یاد رکھو! یہ افعالِ مقاربۃ بھی افعالِ ناقصۃ کے اخوات میں سے ہے۔ جیسے افعالِ ناقصۃ ایک اسم کو چاہتے تھے اور ایک خبر کو چاہتے تھے اسی طرح افعالِ مقاربۃ بھی ایک اسم کو چاہتے ہیں اور ایک خبر کو چاہتے ہیں۔ لیکن اِن کو الگ ذکر کیا۔ اِس لئے کہ اِن کی خبر ہمیشہ فعل مضارع آئے گی، حالانکہ افعالِ ناقصۃ میں ایسا نہیں تھا۔ افعالِ مقاربۃ کی خبر کبھی اَنْ کے ساتھ آئے گی اور کبھی اَنْ کے بغیر آئے گی۔ اور نیز افعالِ مقاربۃ کی خبر اِن افعال پر مقدَّم بھی نہیں ہو سکتی۔ اَفعالُ الْمُقَارَبَۃِ ما افعالِ مقاربۃ وہ افعال ہیں وُضِعَ جنکو وضع کیا گیا ہے۔ لِدُنُوِّ الخبر خبر کے قریب ہونے کے لئے۔ یعنی اِن کے اسماء کے قریب ہونے کے لئے۔ یعنی اِن کے اسم اِس کے خبر کے ساتھ مُتَّصِف ہونے والا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "عسیٰ زیدٌ اَنْ یَّخْرُجَ: زید کا نکلنا قریب ہے۔" یعنی قریب ہے کہ زید مُتَّصِفٌ ہو جائے خُروج کے ساتھ۔ نیز صاحب کافیہؒ اِن کے اسم کو فاعل کہتے ہیں۔

پھر یہ قریب ہونا تین قسم پر ہے۔ رَجَاءً[1] یہ قریب ہونا یا تو اُمید کے اعتبار سے ہوگا، جیسا کہ "عسیٰ زیدٌ اَنْ یَّخْرُجَ: قریب ہے کہ زید نکلے۔" تو دیکھو! یہاں پر زید خروج سے متَّصِفٌ نہیں ہوا، بلکہ اُس کا خروج کے ساتھ مُتَّصِفٌ ہونا قریبی ہے۔ اور یہ جو خروج کے ساتھ زید کا مُتَّصِفٌ ہونا قریب ہے یہ اُمید کے طریقے پر ہے ۔ یعنی آپ کو امید ہے کہ زید عنقریب خروج سے متصف ہوگا اور اس بات کا یقین

نہیں ہے کہ زید خروج سے متصف ہوگا۔ [2] اَوْ حُصُولاً اور یہ قریب ہونا یا حُصول کے اعتبار سے ہوگا، اِس سے مراد ہے یقین۔ یعنی زید قریب ہے کہ اُس کو خروج حاصل ہو جائے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "کادَ زیدٌ یَخْرُجُ": قریب ہے کہ زید مُتَّصِفْ ہو جائے خروج کے ساتھ۔ اور یہ خروج کے ساتھ مُتَّصِفْ ہونا یقین کے ساتھ قریب ہے۔ یعنی یقین ہے کہ زید عنقریب خروج کے ساتھ متصف ہو جائے۔ [3] اَوْ اَخْذًا فِیْہِ یا قریب ہونا اُس خبر میں شروع ہونے کے اعتبار سے ہوگا۔ فیہ: ای فی خَبَرِ: مثلاً میں کہتا ہوں، "طَفِقَ زیدٌ یَخْرُجُ: قریب ہے زید کا نکلنا"۔ یعنی زید اِس خروج کے فعل کو شروع کرنے ہی والا ہے۔ یعنی زید نے ایسے کام شروع کئے ہیں کہ جس سے پتہ چلتا ہے کہ زید خروج کرنے والا ہی ہے۔

یہاں پر "رجاءً، حصولاً، اَخْذًا فیہِ" تینوں مفعولِ مطلق ہیں۔ اور دُنُو کا لفظ مضاف مخذوف نکالنا پڑے گا۔ یعنی "دُنُوَّ رجاءٍ، دُنُوَّ حصولٍ، دُنُوَّ اَخْذًا فیہِ"۔ یعنی یہ تینوں دُنُو کے لئے مفعول مطلق واقع ہو رہے ہیں۔

فَالْاَوَّلُ عسیٰ پہلا عسیٰ ہے۔ اور یہ امید کے لئے آتا ہے۔ و ھو غیرُ مُتَصَرِّفٍ اور یہ غیر مُتَصَرِّف ہے۔ یعنی اِس میں گردان نہیں ہوتی۔ یعنی عسیٰ ایک ایسا فعل ہے جس میں گردان نہیں ہوتی۔ بھئی ماضی کی گردان اِس میں ہوتی ہے۔ لیکن ماضی کے علاوہ، مضارع، امر، نہی وغیرہ کی گردانیں عسیٰ میں نہیں آتی۔ تقولُ عسیٰ زیدٌ اَنْ یَّخْرُجَ و عسیٰ اَنْ یَّخرُجَ زیدٌ یہاں پر صاحب کافیہ رح نے استعمال کے دو طریقے بتلا دیئے۔ ترکیب: عسیٰ فعل از افعال مقاربۃ، زیدٌ مرفوع اسکا اسم، اَنْ ناصبۃ، یَخْرُجَ فعل مضارع، ھو ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل جو کہ زید کو لوٹ رہی ہے۔ فعل اپنے فاعل کے ساتھ ملکر جملہ فعلیہ ہو کر بتاویل مفرد یہ خبر ہوئی عسیٰ کے لئے۔ "کیونکہ اَنْ نے یخرج کو مصدر یعنی مفرد کی تاویل میں کر دیا"۔ عسیٰ اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ عسیٰ چونکہ امید(تَرَجِّی) کے لئے آتا ہے اِس لئے یہ جملہ انشائیہ ہوا۔ اور یاد رکھو! یہ "اَنْ یَّخْرُجَ" محلاً منصوب ہے۔ جیسے افعالِ ناقصہ اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور اپنے خبر کو نصب دیتے ہیں اسی طرح افعالِ مقاربۃ بھی اپنے اسم کو رفع دیتے ہیں اور اپنے خبر کو نصب دیتے ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ وہ نصب آپ کو لفظوں میں نظر نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ افعال مقاربۃ کی خبر تو فعل مضارع آیا کرتی ہے۔ اور پھر وہ فعل مضارع اگر اَنْ کے ساتھ ہوگا تو بتاویل مفرد وہ محلاًّ منصوب ہوگا۔ تو یہاں پر "اَنْ یَّخْرُجَ: اَلْخُرُوج" کے معنیٰ میں ہوگا۔ تو کلام یہ ہوا، "عسیٰ زیدُنِ الْخُرُوْجَ: زید کا خروج قریب ہوا"۔ یعنی زید کا نکلنا قریب ہے۔ یعنی زید نکلنے ہی والا ہے۔ تو دیکھا "الخروجَ" منصوب میں نے نکالا۔

اور "عسیٰ زیدٌ اَنْ یَّخْرُجَ" میں یہ نہیں کہنا کہ یہ مضارع عسیٰ کی وجہ سے منصوب ہے۔ بلکہ یہ تو اَنْ کی وجہ سے منصوب ہے۔ پھر یہ مضارع اَنْ کے ساتھ ملکر بتاویل مفرد ہو کر یہ محلاً منصوب ہوگا۔ تو دیکھا! اس میں اَنْ معَ فعل المضارع کو مؤخر کیا۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اَنْ مع فعل المضارع کو

مقدَّم بھی کر سکتے ہیں۔ اور آپ یوں کہہ سکتے ہیں، "عسیٰ اَنْ یَّخْرُجَ زیدٌ"۔ اس صورت میں ترکیب یوں ہوگی: عسیٰ فعل از افعال مقاربة، اَنْ ناصبة، یَخْرُجَ: مضارع، زیدٌ مرفوع لفظًا یَخْرُجَ کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر بتاویل مفرد عسیٰ کے لئے فاعل ہوا، عسیٰ اپنے فاعل کے ساتھ ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ یہاں پر عسیٰ صرف فاعل کے ساتھ ملا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ عسیٰ تامّہ ہے۔ جس طرح کانَ وغیرہ تامّہ ہوتا ہے اسی طرح عسیٰ بھی کبھی تامّہ ہوتا ہے۔

یا آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ "اَنْ یَّخْرُجَ زیدٌ" یہ پورا جملہ بتاویل مفرد عسیٰ کے لئے قائم مقام اسم اور خبر کے ہوا۔ تو اِس صورت میں عسیٰ ناقصة ہی رہا، کیونکہ اِس صورت میں آپ نے "اَنْ یَّخْرُجَ زیدٌ" کو اسم اور خبر دونوں کے قائم مقام کر دیا۔ تو معلوم ہوا کہ عسیٰ ناقصة ہے۔ اور اگر آپ "اَنْ یَّخْرُجَ زیدٌ" کو عسیٰ کے لئے فاعل بنا دے تو اس صورت میں عسیٰ تامّہ ہوگی۔ تو صرف لفظی اختلاف ہے۔

و قد یُحْذَفُ اَنْ اور کبھی کبھار عسیٰ کی خبر سے اَن کو حذف کر لیتے ہیں۔ اور یوں کہہ لیتے ہیں، "عسیٰ زیدٌ یَخْرُجُ"۔ آگے کادَ آ رہا ہے۔ اور کادَ کے خبر پر اَنْ داخل نہیں ہوتا۔ تو اِس عسیٰ کی مشابہت ہے کادَ کے ساتھ۔ تو کادَ کی خبر پر اَنْ نہیں آتا تو عسیٰ کی خبر سے بھی کبھی اَنْ کو حذف کیا جاتا ہے۔

والثانی اور افعالِ مقاربة کی دوسری قسم جو یقین کے لئے آتے ہیں۔ **کاد** وہ کادَ ہے۔ **تقولُ** آپ کہتے ہیں۔ **کادَ زیدٌ یَجِیءُ** ترکیب۔ کادَ فعل از افعال مقاربة، زیدٌ مرفوع اسکا اسم، یَجِیءُ فعل اسکے اندر ھو ضمیر مرفوع محلاً اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے کادَ کے اسم (زید) کو، فعل اپنے فاعل سے ملکر کادَ کے لئے خبر، کادَ اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ تو یَجِیءُ محلاً منصوب ہے کیونکہ جملہ مبنیات میں سے ہے۔ **و قد تَدخلُ اَنْ** اور کبھی اِس کی خبر پر اَنْ داخل ہو جاتا ہے۔ کادَ میں اصل تو یہ ہے کہ اِس کے خبر پر اَنْ نہیں آنا چاہئے۔ لیکن اِس کادَ کی مشابہت ہے عَسیٰ کے ساتھ۔ اور عسیٰ کی خبر پر اَنْ آیا کرتا ہے۔ تو کبھی اس مشابہت کی وجہ سے کادَ کی خبر پر اَن لے آتے ہیں۔ یاد رکھو! عسیٰ کے اندر اصل ہے کی اِس کی خبر پر اَنْ آ جائے اور کادَ کے اندر اصل ہے کی اِس کی خبر پر اَنْ نہ آ جائے، لیکن دونوں کی مشابہت ہے ایک دوسرے کے ساتھ، تو کبھی اس مشابہت کی وجہ سے عسیٰ کی خبر پر اَنْ کا نہ آنا، اور کبھی اِس مشابہت کی وجہ سے کادَ کی خبر پر اَنْ داخل ہوجاتا ہے۔

یاد رکھو! کہ کادَ پر اگر نفی داخل ہو جائے، تو پھر یہ اثبات کے لئے ہوگا یا نفی کے لئے ہوگا، تو اِس میں علماء کا اختلاف ہے۔ یہاں پر علماء کے تین گروہ ہیں۔

بھئی جیسے اور افعال پر نفی داخل ہوتی ہے تو پھر وہ نفی کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسا کہ "ضربَ زیدٌ" کا معنیٰ ہے "زید نے پٹھائی کی"۔ اور "ما ضربَ زیدٌ" کا معنیٰ ہے "زید نے پٹھائی نہیں کی"۔ تو نفی کے دخول نے نفی کا فائدہ دیا ۔ اور جب نفی نہ آئے تو پھر اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔

اب یہ کادَ ہے، اگر اس پر "ما" حرفِ نفی داخل ہو جائے یا کوئی بھی حرفِ نفی داخل ہو جائے تو پھر کیا حکم ہے؟ تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں، اور اِس قول کو صاحب کافیہؒ صحیح قرار دیتے ہیں۔ اور وہ قول یہ ہے کہ کادَ بھی عام افعال کی طرح ہے۔ جیسے عام افعال پر نفی نہ ہو تو وہ اثبات کا فائدہ دیتے ہیں اور جب نفی آ جائے تو وہ نفی کا فائدہ دیتے ہیں۔ اسی طرح کادَ (ماضی) یا یَکادُ (مضارع) کے اندر بھی نفی نہیں ہے تو اثبات ہوگا، اور اگر نفی ہے تو پھر یہ نفی کا فائدہ دیگا۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہیں، کادَ یا یکادُ عام افعال کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ اس پر نفی آئے یا نفی نہ آئے دونوں صورتوں میں اثبات ہی رہے گا۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس میں تفصیل ہے۔ اگر فعل ماضی(کادَ) پر حرفِ نفی داخل ہو، تو اسکا حکم اور ہے، اور اگر مضارع (یکادُ) پر حرف نفی آئے تو پھر اسکا حکم الگ ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر ماضی پر حرف نفی آیا تو پھر یہ نفی کا فائدہ نہیں دیگا۔ جیسے پہلے اثبات تھا تو اب بھی اثبات ہوگا۔ اور اگر مضارع ہے جیسا کہ "لَمْ یَکَدْ" تو دیکھوحرفِ نفی داخل ہو گیا۔ تو پھر یہ عام افعال کی طرح ہے کہ حرفِ نفی، نفی کا فائدہ دیگا۔

اب صاحب کافیہؒ علماء کے پہلے گروہ کا قول اپنے الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں۔ وَ اِذَا دَخَلَ النَّفْیُ عَلٰی کادَ اور جب نفی داخل ہو جائے کادَ پر۔ فھو کالاَفعالِ تو پھر وہ دوسرے افعال کی طرح ہے۔ عَلَی الْاَصَحِّ اَصَحّ قول کے مطابق۔ صاحب کافیہؒ نے اِس قول کو اَصَحّ قرار دے دیا ہے۔ کہ اگر کادَ مثبت آئے تو اثبات کا فائدہ دیگا اور اگر اس پر حرفِ نفی داخل ہو تو یہ نفی کا فائدہ دیگا۔

اب صاحب کافیہؒ علماء کے دوسرے گروہ کا قول اپنے الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں۔ و قیل یکونُ لِلْاِثْباتِ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ کادَ جس پر حرفِ نفی داخل ہو جائے تو وہ بھی اثبات کے لئے ہوگا۔

اب صاحب کافیہؒ علماء کے تیسرے گروہ کا قول اپنے الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں۔ و قیل یکون فی الماضی للاثبات و فی المستقبل کالافعال اور کہا گیا ہے کہ ماضی کے اندر یہ اثبات کے لئے ہوگا اور مستقبل میں اور افعال کی طرح ہوگا۔

تَمَسُّکًا علماء کا یہ تیسرا گروہ استدلال کرتے ہوئے۔ اِس تیسرے گروہ کے علماء کے مطابق اگر کادَ ماضی پر نفی داخل ہو جائے تو پھر کادَ اثبات کا فائدہ ہی دیگا۔ اُس کی دلیل یہ ہے۔ بِقولِہٖ تعالٰی اللہ تعالٰی کے اِس قول سے وَ مَا کادُوْا یفعلونَ ط بھئی قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "فَذَبَحُوْهَا وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ ط آیۃ:51 البقرۃ"۔ فَذَبَحُوْهَا: بنی اسرائیل والوں نے اُس گائے کو ذبح کر دیا۔وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ ط: دیکھا!

کادَ پر مَا داخل ہوا۔ یہ علماء (علماء کا یہ تیسرا گروہ) فرماتے ہیں کہ دیکھو! کادَ ہے ماضی اور اِس ماضی پر نفی آیا، لیکن پھر بھی کادَ اثبات ہی کا فائدہ دے رہا ہے۔ اب یہاں کہتے ہیں کہ نفی والا ترجمہ نہیں کریں گے اور اثبات والا ترجمہ کریں گے۔ وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ط : اور قریب تھے کہ وہ کر لیں۔ یعنی وہ کرنے ہی والے تھے۔ اُنہوں نے گائے کو ذِبح کر دیا اور وہ قریب ہی تھے اس کے ذبح کرنے کے۔

علماء کا یہ تیسرا گروہ فرماتے ہیں کہ اگر یہاں ہم "ما" کو نفی کے لئے لیں تو پھر معنیٰ خراب ہوتا ہے۔ ما قبل میں فَذَبَحُوْهَا آیا۔ اور وہ بتلا رہا ہے کہ فعل یقینی ہوگیا۔ اور وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ط بتلا رہا ہے کہ اُن کا ذِبح کرنا یقینی نہیں تھا۔ تو ایک میں اثبات آرہی ہے اور ایک میں نفی آرہی ہے، تو دونوں کلاموں میں تناقُض آگیا۔ لہٰذا اِس تناقُض کو ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہ کہے کہ جیسے "فَذَبَحُوْهَا" مثبت ہے اسی طرح "وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ط" بھی مثبت ہے۔ تو اُن کا کرنا یقینی تھا۔ تو "وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ط" میں ہونے کا یقین اور "فَذَبَحُوْهَا" میں واقع ہونا بتلا دیا۔ تو دونوں میں کوئی تناقُض نہیں آیا۔

وَ بِقَوْلِ ذِی الرُّمَّةِ ذی الرمّة ایک بڑا فصیح بلیغ شاعر گزرا ہے۔ اُس کے بارے میں آتا ہے۔ اُس نے یہ شعر کہا ہے۔ علماء کا یہ تیسرا گروہ، جنہوں نے فرمایا تھا کہ جب یکادُ مضارع پر حرف نفی آئے تو پھر یہ عام افعال کی طرح ہوگا وہ ذی الرُّمَّة شاعر کے اِس شعر سے استدلال کرتے ہیں۔ شعرٌ شاعر کہتا ہے۔

اذا غَيَّرَ الْهَجْرُ الْمُحِبِّيْنَ لم يَكَدْ :: رَسِيْسُ الْهَوىٰ يَبْرَحُ مِنْ حُبِّ مَيَّةَ

پہلے اس شعر کا مفہوم سمجھ لیں: شاعر کو محبت ہے مَيَّة کے ساتھ۔ اور شاعر کہتا ہے کہ جب انسان اپنے محبوب سے عرصہ دراز تک دور رہے، تو یہ طویل زمانہ جدائی کے ساتھ گزارنے کی وجہ سے انسان سے محبوب کی محبت ختم ہو جاتی ہے۔ انسان آہستہ آہستہ اُسے بُھلا دیتا ہے۔ تو شاعر یہاں کہتا ہے کہ لمبی جدائی کے ساتھ انسان کی محبت ختم ہوجاتی ہے لیکن میة کے ساتھ جو میرا محبت ہے وہ لمبی جدائی کے باوجود ختم ہونے کے قریب ہی نہیں۔

اذا غَيَّرَ: جب بدل دے، الْهَجْرُ: جدائی، الْمُحِبِّيْنَ: محبت کرنے والے کو، لم يَكَدْ: قریب نہیں ہے، رَسِيْسُ الْهَوىٰ: رسیس: ثابت، ھویٰ: محبت، تو یہ صفت کی اضافت ہوئی ہے موصوف کی طرف۔ تو ترجمہ یہ ہوگا، "وہ محبت جو ثابت ہے"۔ تو قریب نہیں ہے وہ محبت جو ثابت ہے۔ يَبْرَحُ: زائل ہونا، ختم ہو جائے، مِنْ حُبِّ مَيَّةَ: مَيَّة کی محبت میں سے۔

میة کے ساتھ جو میری محبت ہے، وہ محبت زائل ہو جائے ایسا ہونا قریبی نہیں ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ جب جدائی محبت کرنے والے کی محبت کو بدل کر رکھ دیں یعنی انسان جب دور رہتا ہے تو آہستہ آہستہ محبت ختم ہو جاتی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ ایسی اوقات میں بھی جب جدائی محبت کرنے والوں کے درمیان محبت کو ختم کر دیتی ہے، میری جو مَيَّة کے ساتھ محبت ہے یعنی جو محبت میری میة کے

ساتھ ثابت ہے وہ قریب بھی نہیں کہ زائل ہو جائے۔ تو جب قریب بھی نہیں زائل ہونے کے، پھر تو بطریقِ اَوْلیٰ زائل نہیں ہوگی۔

تو علماء کا تیسرا گروہ فرماتے ہیں کہ اِس شعر کے اندر شاعر نے "لَمْ يَكَدْ" استعمال کیا۔ اور اِس "لم یکد" نے نفی کا فائدہ دے دیا۔ اور شاعر کا ارادہ بھی نفی ہی کا ہے۔ تو دیکھو! "لم یکد" کے ذریعے شاعر بتلاتے ہیں کہ میرا محبت ختم ہونے کے قریب بھی نہیں۔ اور اگر "یکد" ہوتا تو اس کا معنیٰ ہوتا کہ قریب ہے محبت کا ختم ہونا۔ اور جب "لم" داخل کیا تو مطلب یہ ہے کہ قریب ہی نہیں۔ اور شاعر کا بھی یہی مطلب ہے۔

اور اگر ہم اس کو مُثبت رکھے، تو پھر ترجمہ یوں ہوگا، "کہ میری محبت میّۃ کے ساتھ زائل ہو جانے کے قریب ہے"۔ اور شاعر یہ کہنا بھی نہیں چاہتا۔ معلوم ہوا جو شاعر کہنا چاہتا ہے وہ اُسی صورت میں ثابت ہوتا ہے جب "لم" جو "یکادُ" پر داخل ہوا ہے وہ نفی کا فائدہ دے۔ تو معلوم ہوا کہ "یکادُ" پر جب لم داخل ہو جائے تو وہ نفی ہی کا فائدہ دیگا۔ تو یہ بھی عام افعال کی طرح ہوا۔ کیونکہ جب عام افعال پر حرف نفی داخل ہو تو وہ بھی نفی کا فائدہ دیتا ہے۔

تو علماء کی تیسری گروہ فرماتا ہے کہ دیکھو! ہماری مُدَّعا ثابت ہوئی۔ کہ اگر کادَ ماضی ہو اور اس پر نفی داخل ہو تو وہ اثبات کا فائدہ دیگا۔ اور اگر کادَ کے مضارع پر نفی داخل ہو جائے تو وہ نفی کا فائدہ دیگا۔

تو یہاں پر صاحب کافیہؒ نے تین قول ذکر فرمائے تھے۔ اور اَصَحّ قول اسکو قرار دیا تھا کہ "کاد" بھی عام افعال کی طرح ہے۔ چاہیے یہ ماضی ہو یا مضارع ہو جب اس پر حرفِ نفی داخل ہو تو یہ نفی ہی کا فائدہ دیگا۔

اور بعض علماء نے فرمایا تھا کہ "کاد" چاہیے ماضی ہو چاہیے مضارع ہو، ہر حال میں حرفِ نفی کے داخل ہونے سے یہ اثبات ہی کا فائدہ دے دیگا۔

اور بعض علماء نے تفصیل بیان فرمائی تھی۔ کہ اگر ماضی پر حرفِ نفی داخل ہو تو اور حکم ہے اور اگر مضارع پر حرفِ نفی داخل ہو تو اور حکم ہے۔ اگر ماضی پر نفی داخل ہو تو پھر بھی وہ اثبات کا فائدہ دیگا اور اگر مضارع پر نفی داخل ہو تو پھر یہ نفی کا فائدہ دے دیگا۔

تو بھئی اب وہ جو صاحب کافیہؒ نے جس قول کو اَصَحّ قرار دے دیا تھا، اُن پر اشکال وارد ہوا، کہ دیکھوبھئی! آپ نے تو فرمایا تھا، کہ کادَ عام افعال کی طرح ہے۔ جبکہ علماء کے تیسرے گروہ نے دلیل کے طور پر ذکر فرمایا کہ اگر ماضی کے اندر اس پر "ما" آجائے تو یہ اثبات ہی کا فائدہ دے دیگا۔ تو علماء کا پہلا گروہ اُس کا جواب یہ دے دیتے ہیں۔ کہ "ما کادُوْا يَفْعَلُوْنَ" کا ترجمہ آپ نے "وہ کرنے ہی والے تھے" کیا۔ تو فرماتے ہیں کہ نہیں بھئی یہ اسکا معنیٰ نہیں ہے۔ بلکہ اسکا معنیٰ یہ ہے کہ وہ "نہیں کرنے

والے تھے"۔ یعنی اُن کا کرنا قریب ہی نہیں تھا۔ یعنی یقین تھا اِس بات کہ کہ وہ اِس کام کو نہیں کریں گے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ وہ نفی ہی کا فائدہ دے رہے ہیں۔ اور جو آپ نے کہا کہ بھئی ماقبل میں "فَذَبَحُوْهَا" ہے۔ تو "فَذَبَحُوْهَا" میں ذبح یقینی ہے اور "ما کادُوْا یَفْعَلُوْنَ ط" میں ذبح کا نہ ہونا یقینی ہے۔ اور آپ نے کہا کہ مُنافات ہے اِن دونوں کے اندر اور تناقُض لازم آئے گا۔ تو فرماتے ہیں کہ نہیں بھئی تناقض لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ وقت الگ الگ ہے۔ ایک ہی وقت کے اندر نہیں ہے، کہ یقین ہے بھی اور یقین نہیں بھی۔ بلکہ وقت الگ الگ ہے۔ ایک وقت میں ذِبح ہونے کا یقین ہے اور دوسرے وقت میں ذبح نہ ہونے کا یقین ہے۔ تو وقت اِن دونوں کے الگ الگ ہیں۔ اور ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ہی چیز ایک ہی وقت کے اندر یقینی ہو اور دوسرے وقت کے اندر غیر یقینی ہو۔ تو پہلے یقین تھا کہ یہ ذِبح نہیں کرنے والے ہیں اور بعد میں جب ذِبح کر دیا تو ذِبح یقینی ہو گئی۔

اور باقی جو دوسری دلیل علماء کے اِس تیسرے گروہ نے ذکر کی، تو اُس قول کو صاحب کافیہؒ نے بھی اَصحّ قرار دیا تھا۔ صاحب کافیہؒ نے بھی فرمایا تھا کہ مضارع پر جب نفی داخل ہو تو وہ نفی ہی کا فائدہ دیتا ہے اور "لم یکد" بھی نفی کا فائدہ دے رہا ہے۔

تو علماء کے تیسرے گروہ نے دو دلیلیں ذکر کی۔ اُس میں ایک دلیل صاحب کافیہؒ کے قول کے مخالف تھی اور اُس کا جواب اوپر ذکر کیا گیا اور دوسری دلیل صاحب کافیہؒ کے قول کے موافق تھی۔

اور وہ جو بعض علماء نے فرمایا تھا کہ حرف نفی اثبات ہی کے لئے آئے گا۔ اُن کی دلیل۔ جیسا کہ علماء کے تیسرے گروہ نے "ما کادُوْا یَفْعَلُوْنَ ط" میں فرمایا تھا، کہ ماقبل کلام اور مابعد کلام میں تناقُض لازم آتا ہے اِس لئے "ما کادُوْا یَفْعَلُوْنَ ط" کے "ما" کو اثبات کے لئے بنایا تھا۔ تو علماء کے اِس دوسرے گروہ نے بھی اِس "ما" کو اثبات کے لئے بنایا۔ اور یہ جو شعر کے اندر ذکر ہوا "لم یکد"۔ اور یہ نفی کا فائدہ دے رہا ہے۔ تو علماء کا دوسرا گروہ اِس کا جواب یہ دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ شعر دراصل ذی الرمۃ شاعر نے کہا تھا۔ اور ذی الرمۃ نے اس شعر کے ایک بڑے فصیح اور بلیغ آدمی جو تھے جن کا نام ابنِ شُبْرُمۃ تھا۔ اُن کے سامنے اِس شعر کو پڑھا۔ تو اِبْنِ شُبْرُمۃ نے کہا کے اے ذی الرمۃ تو نے غلطی کر دی ہے۔ اور غلطی یہ ہے کہ تو نے "لم یکد" ذکر کی ہے۔ اور "لم یکد" کے ذریعے تو نے نفی کا ارادہ کیا ہے۔ حالانکہ کادَ پر حرفِ نفی داخل بھی ہو جائے تو وہ اثبات ہی کا فائدہ دے دیتا ہے۔ تو "لم یکد" یکادُ کے معنیٰ میں ہوا۔ اور شعر کا ترجمہ یہ ہوا، " کہ میّۃ کی محبت مجھ سے زائل ہونے کے قریب ہے"۔ اور تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ "میّۃ کی محبت مجھ سے زائل ہونے کے قریب بھی نہیں ہے"۔ تو یہ "لم یکد" تیرے مقصود کے خلاف ہے۔ علماء کا یہ دوسرا گروہ فرماتے ہیں کہ ذی الرمّۃ نے اپنی اس غلطی کی تسلیم کیا تھا، اور لم یَکَدْ کو اُس نے "لم اَجِدْ" سے بدل دیا تھا۔ تو علماء کے دوسرے گروہ کے مطابق، کادَ چاہے ماضی ہو یا مضارع اگر اس پر حرف نفی داخل ہو تو دونوں صورتوں میں اِثبات کا فائدہ ہی دیگا۔ اِن کے مطابق ماضی

میں ہو تو اثبات کی دلیل "ما کادُوْا یَفْعَلُوْنَ" ہے۔ اور مضارع میں ہو تو اثبات کی دلیل یہ ہے کہ ذی الرمّۃ نے "لم یکد" کہا تھا اور ابنِ شُبْرُمۃ کے کہنے سے اس کو تبدیل کر کے "لم اجد" سے بدل دیا۔ معلوم ہوا کہ اگر "لم یکد" نفی کا فائدہ دے رہا ہوتا تو پھر اِبن شُبْرُمۃ اسکو غلط قرار نہیں دے دیتے اور ذی الرمۃ اس کو "لم اجد" سے نہ بدلتے۔

اب "ما کادُوْا یَفْعَلُوْنَ" میں اَصَحّ قول، نفی ہی والا ہے جس کا جواب ہم دے چکے ہیں کہ وقت الگ الگ تھا۔ اور یہ "لم یکد" جو "لم اجد" سے بدلا تھا، اب یہ بدلنا اصحّ قول کے خلاف ہو گیا۔ کیونکہ صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ "لم یکد" نفی ہی کا فائدہ دے رہا ہے۔ اور جواب یہ ہے کہ ٹھیک ہے ذی الرمّۃ نے اِس کو بدل دیا تھا۔ لیکن دیگر فصیح و بلیغ فصحاء و بلغاء نے اِس مسئلے کے اندر ذی الرمۃ کو بھی غلط قرار دیا اور ابنِ شُبْرُمۃ کو بھی غلط قرار دیا۔ اور یہ کہ اِبْنِ شُبْرُمۃ نے غلط اعتراض کیا، کیونکہ "لم یکد" صحیح تھا۔ اور یہ نفی ہی کا فائدہ دے رہا تھا۔ اور ابن شبرمۃ کا یہ کہنا کہ "لم یکد" اثبات کا فائدہ دے رہا ہے صحیح نہیں تھا۔ تو ابن شبرمۃ کا اعتراض بھی غلط اور ذی الرمّۃ کا اس کو "لم اجد" سے بدلنا بھی غلط۔ اور جب اعتراض ہی غلط تھا تو اسکو بدلنا نہیں چاہئے تھا۔ اور اُنہوں نے تو بدلا تو معلوم ہوا کہ اُس کا بدلنا بھی درست نہیں۔

درس 106۔ افعالِ مقاربۃ کی دو قسمیں گزر گئی۔ ایک وہ جو رجاء کے لئے آتے تھے، اور وہ بتلایا کہ عسیٰ ہے۔ اور دوسرا وہ جو کہ حصول کے لئے آتا ہے وہ کادَ ہے۔ آج افعالِ مقاربۃ کی تیسری قسم پڑھیں گے۔

والثالثُ اور افعالِ مقاربۃ کی تیسری قسم جو شروع فی الفعل کے لئے آتے ہیں۔ **طَفِقَ و کَرَبَ و جَعَلَ و اَخَذَ** افعالِ مقاربۃ کی تیسری قسم "طفق، کربَ، جعلَ اور اَخَذَ" ہے۔ **و ھی مثلُ کادَ** اور یہ کادَ کی طرح ہے۔جیسا کادَ کی خبر پر اَنْ داخل نہیں کرتے تھے اسی طرح اِن کی خبر پر بھی اَنْ داخل نہیں کریں گے۔ مثلاً، "طَفِقَ زیدٌ یَخْرُجُ" تو دیکھو! طَفِقَ کی خبر "یَخْرُجُ" پر اَنْ داخل نہیں کیا۔ **وَ اَوْشَکَ مثلُ عسیٰ و کادَ فی الاستعمالِ** اور "اَوْشَکَ" عسیٰ اور کادَ کی طرح ہے استعمال میں۔ اور انھی میں سے ایک "اَوْشَکَ" بھی ہے۔ لیکن "اَوْشَکَ" یہ مختلف ہے "طَفِقَ، کربَ، جعلَ اور اَخَذَ" سے۔ کہ یہ "اَوْشَکَ" عسیٰ اور کادَ دونوں کی طرح استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ عسیٰ کے اندر خبر پر اَنْ داخل کرتے تھے اور کادَ میں خبر پر اَنْ داخل نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح "اَوْشَکَ" میں خبر پر اَنْ کا داخل کرنا بھی جائز اور اَنْ کا داخل نہ کرنا بھی جائز۔

فعلُ التَّعَجُّبِ مَا وُضِعَ لِاِنْشَاءِ التَّعَجُّبِ فعل تعجُّب وہ فعل ہے۔ جسکو وضع کیا گیا ہو انشاءِ تعجُّب کے لئے۔ یعنی تعجُّب کے اِظہار کے لئے۔ **و لہٗ صِیْغَتَانِ** اور اسکے دو صیغیں ہیں۔ **ما اَفْعَلَہٗ و اَفْعِلْ بِہٖ** ما اَفْعَلَہٗ اور اَفْعِلْ بِہٖ ہے۔ ما اَفْعَلَہٗ میں یہ ھا مفعول کی ضمیر ہے۔ **و ھما غیرُ**

مُتَصَرِّفَيْنِ اور یہ دونوں صیغیں غیرِ مُتَصَرِّف ہیں۔ یعنی اِن میں گردان نہیں ہوتی۔ اور یہ سب کے لئے اسی طرح رہیں گے۔ **مثل ما اَحسَنَ زیدًا و اَحسِنْ بِزَیدٍ** ما اَفعَلَهُ اور اَفعِلْ بِہٖ میں ھا ضمیر کی جگہ زید لگایا۔ چونکہ ھا ضمیر مفعول بہٖ کی ضمیر تھی، تو زید بھی مفعول بہٖ ہوا اور اس وجہ سے منصوب ہوا۔ ترجمہ: ما اَحسَنَ زیدًا: زید کتنا حسین ہے۔ اور "اَحسِنْ بِزَیْدٍ: زید کتنا حسین ہے"۔ تو یہ انشاء ہے۔ اس کے کہنے والے کو آپ سچا یا جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ اور باقی صیغیں تعجّب کے لئے تو آئیں گے لیکن انشاءِ تعجُّب کے لئے نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ آپ کہتے ہیں، تَعَجَّبْتُ: میں نے تعجُّب کیا۔ یا میں حیران ہوا۔ یہ انشاء تو نہیں یہ تو آپ خبر دے رہے ہیں۔

و لا یُبْنَیَانِ اِلّا مِمَّا یُبْنیٰ منهُ اَفْعَلُ التَّفْضِیْلِ اور تعجُّب کے یہ صیغیں نہیں بنائے جاتے مگر اُنہی افعال سے جن سے اَفْعَلُ التَّفْضِیل بناتے ہیں۔ جیسا کہ اسم تفضیل ایسے ثلاثی مجرد سے بنایا جاتا ہے کہ جن میں لَوْنْ اور عیب والا معنیٰ نہ ہو۔ اور اسم تفضیل کو ثلاثی مزید سے بھی نہیں بناتے تھے، رباعی مجرد سے بھی نہیں بناتے تھے اور رباعی مزید سے بھی نہیں بناتے تھے۔ تو یہاں بھی ایسا ہے، تعجب کے صیغیں اُس ثلاثی مجرد سے بنائیں گے جس میں لَوْن اور عیب والا معنیٰ نہ پایا جائے۔

اب آگے صاحب کافیہؒ آپ کو طریقہ بتلا رہے ہیں۔ وہ ثلاثی مجرد جو لون اور عیب سے خالی ہو اُن سے تو ہم یہ دو صیغیں بنائیں گے۔ لیکن باقیوں سے کیسے بنائیں گے یہ دو صیغیں؟ جیسا کہ اسم تفضیل میں ہم اَشَدُّ، اَکثَرُ وغیرہ لاتے تھے اور آگے اُس مصدر کے تمیز کے طور پر منصوب ذکر کر دیتے تھے۔ یہاں پر بھی اُسی سے ملتا جُلتا طریقہ ہے۔ مثلاً باب استفعال سے مصدر اِسْتِخْرَاج ہے۔ تو "ما اَشَدَّ" کے بعد یہ مصدر "اِسْتِخْرَاج" منصوب آئے گا۔ تو کلام یوں ہوگا، "ما اَشَدَّ اِسْتِخْرَاجَهُ": وہ کتنا شدید ہے باعتبار استخراج کے۔ اور دوسرا طریقہ جو کہ اَفعِلْ بِہٖ تھا۔ اب اَشَدَّ، اَکثَرَ وغیرہ سے امر کا صیغہ لاؤ، تو اَشْدِدْ امر کا صیغہ ہے۔ اور بابِ استفعال سے مصدر کا صیغہ "اِسْتِخْرَاج" ہے۔ تو کلام یوں بنے گا، "وَ اَشْدِدْ بِاِسْتِخْرَاجِہٖ"۔ اور "وہ کتنا شدید ہے باعتبار استخراج کے" معنیٰ بنے گا۔

وَ یُتَوَصَّلُ فِی الْمُمْتَنِعِ اور وہ افعال جن سے اِس کا بنانا ممتنع تھا اُس میں پہنچا جائے گا۔ **بمثل** اس قسم کے طریقے سے **ما اَشَدَّ اسْتِخْرَاجَهُ وَ اَشْدِدْ بِاسْتِخْراجِہٖ** ۔

وَ لا یُتَصَرَّفُ فیهما بِتقدیمٍ وَّ تاخیرٍ وَّ لا فصلٍ اور اُن میں کوئی تَصَرُّف نہیں کیا جائے گا، تقدیم و تاخیر کے ساتھ اور نہ فصل کے ساتھ۔ بھئی جیسے اس کی ترتیب ہے، ترتیب وہی رہے گی۔ سب سے پہلے "ما" آئے گا۔ پھر اُس کے بعد "اَفْعَلَ" آئے گا۔ اور اُس کے بعد پھر "مفعول" ذکر ہوگا۔ اور دوسرا طریقہ "اَفعِلْ بِہٖ" تھا۔ تو اس طریقے میں پہلے "اَفعِلْ" آئے گا، پھر "با" جارّہ آئے گا، اور اسکے بعد "مفعول مجرور" آئے گا۔ تو اِن میں آپ تقدیم و تاخیر نہیں کر سکتے۔ کہ آپ جار مجرور کو "اَفعِلْ" پر مقدّم کر دے۔ اور یا اس

طرح "ما اَحْسَنَ زیدًا" میں آپ زیدًا کو اَحْسَنَ پر مقدَّم نہیں کر سکتے۔ یعنی کوئی تقدیم و تاخیر اِس میں جائز نہیں۔ نیز فصل بھی نہیں کر سکتے۔ یعنی درمیان میں ظرف وغیرہ یا کوئی چیز نہیں لا سکتے۔ یعنی "ما اَحْسَنَ زیدًا" میں آپ "ما اَحْسَنَ الیومَ زیدًا" نہیں کہہ سکتے۔ اور اسی طرح "اَحْسِنْ بِزَیْدٍ" میں آپ "اَحْسِنِ الیومَ بِزَیْدٍ" نہیں کہہ سکتے۔ تو جمہور علماءؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔

وَ اَجازَ الْمَازِنِیُّ الفَصْلَ بالظُّرُوفِ اور امام مازِنیؒ نے فصل کی اجازت دی ہے ظروف کے ساتھ۔ یعنی ظروف کے ساتھ اُن کے نزدیک فصل کرنا جائز ہے۔ لہٰذا آپ کوئی ظرف درمیان میں لائیں یہ کرنا صحیح ہے۔ یعنی "ما اَحْسَنَ زیدًا" میں "ما اَلْیَوْمَ اَحْسَنَ زیدًا" یا "ما اَحْسَنَ اَلْیَوْمَ زیدًا" کہنا جائز ہے۔ اور دوسرے "اَحْسِنْ بِزَیْدٍ" میں "اَحْسِنِ الیومَ بِزَیْدٍ" کہنا جائز ہے۔

اب صاحب کافیہؒ "ما اَحْسَنَ زیدًا" میں دو ترکیبیں یہاں بتلائیں گے۔ ایک امام سیبویہؒ کی اور ایک امام اخفشؒ کی۔ امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ "ما اَحْسَنَ زیدًا" کے اندر جو "ما" آیا ہے، یہ "ما" مبتدا ہے اور نکرۃ ہے۔ اور یہ شَیْئٌ کے معنیٰ میں ہے۔ شَیْئٌ: کوئی چیز ہے جس کو میں پہچانتا نہیں۔ اور "اَحْسَنَ" ماضی ہے۔ "ما اَحْسَنَ: کوئی چیز ہے، جس کو میں جانتا نہیں، جس نے حسین بنایا"، زیدًا: زید کو۔ تو "ما اَحْسَنَ زیدًا کا ترجمہ: کوئی چیز ہے، جس کو میں جانتا نہیں، جس نے زید کو حَسین بنایا"۔ تو "اَحْسَنَ" فعل ھو ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل جو کہ مبتدا کو راجع ہے، اور زیدًا آگے اس "اَحْسَنَ" کے لئے مفعول آرہا ہے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے ملکر یہ خبر مبتدا کے لئے، مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ کیونکہ یہ انشاءِ تعجُّب کے لئے آرہا ہے۔ اور یہ معنیٰ جو میں نے کیا یہ اصل کے اعتبار سے کیا۔ فی الحال اسکا یہ معنیٰ نہیں۔ فی الحال اس کا معنیٰ، " زید کتنا حسین ہے۔"

وَ ما اِبْتِدَاءٌ اور "ما" اِبْتِدَاء یعنی مُبتداء ہے۔ اِبْتِدَاء مصدر ہے ۔ اور مصدر کبھی اسمِ فاعل کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ تو یہاں "مُبْتَدَءٌ" اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ اور اگر "مُبْتَدِءٌ" ہوتا تو اسمِ فاعل کا صیغہ ہوتا۔ تو یہاں پر "ابتداء" بمعنیٰ "مبتداء" کے ہے۔ یعنی مصدر یہاں پر اسمِ مفعول کے معنیٰ میں ہے۔ **نکرۃٌ** اور یہ "ما" نکرۃ ہے۔

عندَ سیبویہؒ امام سیبویہؒ کے نزدیک۔ **و ما بعدَ ھَا الْخَبَرُ** اور اُسکی مابعد اُسکی خبر ہے۔ یعنی "اَحْسَنَ زیدًا" یہ خبر ہے "ما" مبتدا کے لئے۔ جس کی ترکیب اوپر گزر گئی۔

اب صاحب کافیہ "ما اَحْسَنَ زیدًا" کی دوسری ترکیب بتلا رہا ہے۔ یہ ترکیب امام اخفشؒ کے نزدیک ہے۔ تو امام اخفشؒ کے نزدیک یہ "ما" موصولہ ہے۔ اور "ما موصولہ" معرفۃ ہوتا ہے۔ اور "ما موصولہ" کے لئے آگے صلہ چاہیئے۔ تو "ما اَحْسَنَ زیدًا" کی ترکیب۔ "ما" موصولہ، اَحْسَنَ فعل اور ھو ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل جو کہ لوٹ رہی ہے "ما" موصولہ کو، آگے زیدًا مفعول ہے "اَحْسَنَ" فعل کے لئے، فعل اپنے فاعل اور مفعول سے ملکر یہ صلہ ہوا "ما" موصولہ کے لئے، "ما" موصولہ اپنے صلہ سے ملکر مبتدا، آگے

امام اخفشؒ فرماتے ہیں کہ خبر "شَيْئٌ عَظِيْمٌ" محذوف ہے۔ تو مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ تو امام اخفشؒ کے نزدیک ترجمہ یوں ہوگا:

عبارت ساری یوں ہوئی، "ما اَحسَنَ زیدًا شَيْئٌ عَظِيْمٌ"۔ "مَا: وہ چیز، اَحْسَنَ زیدًا: جس نے زید کو حسین بنایا، شَيْئٌ عَظِيْمٌ: وہ بڑی عظیم چیز ہے۔" یعنی وہ چیز جس نے زید کو حسین بنایا بڑی عظیم چیز ہے۔ یہ ترجمہ اصل کے اعتبار سے ہے اور فی الحال اسکا ترجمہ یہ ہے، " زید کتنا حسین ہے"۔

و موصُولَةٌ عندَ الْاَخْفَشِ ای ما موصولةٌ عندَ الْاَخْفَشِؒ: اور "ما" موصولہ ہے امام اخفشؒ کے نزدیک۔ **والخبرُ مَحْذُوْفٌ** اور خبر اُسکی محذوف ہے۔ اور خبر "شَيْئٌ عَظِيْمٌ" ہے۔

اب آگے صاحب کافیہؒ اگلے جملے "اَفْعِلْ بِهٖ" کی ترکیب بتلا رہے ہیں۔ یاد رکھو! اس کی ترکیب میں بھی امام سیبویہؒ اور امام اَخفشؒ کا اختلاف ہے۔

امام سیبویہؒ فرماتے ہیں۔ "اَفْعِلْ بِهٖ" میں یہ "اَفْعِلْ" بظاہر امر کا صیغہ ہے لیکن دراصل یہ ماضی ہے۔ تو یہ امر ماضی کے معنیٰ میں ہے۔ تو "اَفْعِلْ" دراصل "اَفْعَلَ" ہے۔ اور یہ "بِهٖ" فاعل ہے امام سیبویہؒ کے نزدیک۔ کیونکہ "اَفْعَلَ" ماضی ہے اور اسکے لئے فاعل چاہئے۔ تو امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ یہ "بہٖ" آگے اِس "اَفْعَلَ" کے لئے فاعل ہے۔ اور جب یہ "بہٖ" فاعل ہے تو "اَفْعَلَ" کے اندر فاعل کی کوئی ضمیر نہیں ہوگی۔

بھئی یہ "بہٖ" کیسے فاعل ہے ؟ یہ بہٖ جار مجرور دونوں ملکر فاعل نہیں۔ بلکہ یہ "با جارّہ زائدہ" ہے۔ اور یہ "ھا" ضمیر فاعل ہے۔ تو یہ "ھا" ضمیر محلِّ قریب کے اعتبار سے مجرور محلاًّ ہے۔ اور "ھا" ضمیر محلِّ بعید کے اعتبار سے مرفوع محلاًّ ہے کیونکہ یہ فاعل ہے "اَحْسَنَ" کے لئے۔

و بِهٖ فاعلٌ عندَ سیبویہؒ اور یہ "بِهٖ" فاعل ہے "اَفْعِلْ بِهٖ" کے اندر امام سیبویہؒ کے نزدیک۔ یہ نہیں کہا کہ "ھا" ضمیر فاعل ہے۔ بلکہ عبارتوں میں ویسے کہہ دیتے ہیں کہ یہ "جار مجرور" فاعل ہے یا نائب فاعل ہے۔ لیکن اصل میں "جار مجرور" ملکر فاعل یا نائب فاعل نہیں ہوتا بلکہ یہ "مجرور" فاعل یا نائب فاعل ہوتا ہے۔ چونکہ "جار مجرور" میں اتّصال بہت زیادہ ہوتا ہے تو شدَّتِ اِتِّصال کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ "جار مجرور" فاعل ہے یا نائب فاعل ہے۔ حالانکہ یہ "مجرور" فاعل ہوتا ہے۔ اور جب امام سیبویہؒ کے نزدیک "بہٖ" فاعل ہوا تو اب "اَحْسَنَ" کے اندر فاعل کی ضمیر نہیں ہوگی۔ **فلا ضمیرَ فی اَفْعِلْ** تو اب اَفْعِلْ کے اندر کوئی ضمیر نہیں۔

"اَفْعِلْ بِهٖ" کی ترکیب۔ اَفْعِلْ بمعنیٰ اَفْعَلَ کے، با جارّہ زائدہ، ھا ضمیر مجرور یہ فاعل ہے اَفْعَلَ یا اَفْعِلْ کے لئے، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔

اور "اَفْعِلْ بِهٖ" کی ترکیب امام اخفشؒ اور طریقے سے کرتے ہیں۔ امام اخفشؒ فرماتے ہیں کہ اَفْعِلْ امر کی صورت ہے اور ہے بھی امر۔ اور "بِهٖ" کے اندر جو "با" ہے۔ یا تو اسکو متعدی بنانے کے لئے ہے یا "با"

زائدہ ہے۔ بھئی دیکھو! ذَهَبَ کا معنیٰ ہے جانا، اور ذَهَبَ بِہٖ کا معنیٰ ہے، " لے جانا"۔ تو کبھی کبھار ایک فعل لازم ہوتا ہے، اُس کو متعدی بنانے کے لئے حرف جرّ "با" لے کر آتے ہیں۔ تو یہاں پر "اَحْسِنْ" کے اندر دونوں احتمال ہیں۔ یہ فعل لازم بھی ہو سکتا ہے اور اِس صورت میں اَحْسِنْ کا معنیٰ "تو حسین ہو جا" ہوگا۔ اور اگر یہ متعدی ہو تو اسکا معنیٰ، "تو حسین بنا دے" ہوگا۔

تو اگر "اَحْسِنْ" لازمی ہو تو پھر "با" لا کر اس کو متعدی بنا دیا اور ترجمہ، " اے مخاطب تو حسین بنا دے" ہوگا۔ اور آگے "ھا" ضمیر مفعول ہے۔ جیسا کہ میں کہتا ہوں، "ذَهَبْتُ: میں گیا"۔ اور اگر میں کہتا ہوں، "ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ: میں زید کو لے گیا"۔ تو یہ زید دراصل مفعول ہے۔ تو یہاں پر بھی، اَحْسِنْ کا معنیٰ ہے "تو حسین ہو جا"۔ اور جب "با" کے ذریعے متعدی ہوا، تو معنیٰ " تو حسین بنا دے"۔ اور یہ "با" جس پر داخل ہوئی وہ مفعول بنا۔ یعنی "اَحْسِنْ بِزَيْدٍ: اے مخاطب! تو زید کو حسین بنا دے"۔ ترکیب۔ اَحْسِنْ: فعل امر، انتَ ضمیر اسکے اندر فاعل، با جارّہ زیدٍ مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے فعل سے، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ ترجمہ: "اے مخاطَب تو زید کو حسین بنا دے"۔ یہ معنیٰ اصل کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ "زید کتنا حسین ہے"۔ یہ معنیٰ ہے۔

یا یہ اَحْسِنْ خود ہی متعدی ہے، یعنی حسین بنا دے۔ اور جب یہ خود متعدی ہے تو پھر "با" لانے کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر کہتے ہیں یہ "با" زائدہ ہے۔ اورآگے جو مجرور ہے وہ مفعول بن جائے گا۔ اور "اَحْسِنْ بِزَيْدٍ: اے مخاطَب زید کو حسین بنا دے"۔ مراد یہ ہے کہ اُس کو حسن کے ساتھ موصوف کر دے۔ یعنی اُس کی حسن والی صفات بیان کر۔

تو دیکھا! امام اخفش نے امر کو امر ہی کے معنیٰ میں رکھا۔ اور آگے جو مجرور ہے وہ اُن کے نزدیک مفعول ہے۔ اور جب وہ مجرور مفعول ہے تو اَحْسِنْ کے لئے فاعل چاہئے ہوتا تھا اور وہ اُسکے اندر ضمیر اَنتَ ہے۔

و مفعولٌ اور بِہٖ مفعول ہے۔ یعنی اسکا مجرور مفعول ہے۔ **عندَ الْاَخْفَشِ**[ح] امام اَخْفَشؒ کے نزدیک **والباءُ لِلتَّعْدِيَةِ** اور "با" متعدی بنانے کے لئے ہے۔ یہ "با" اُس وقت متعدی بنانے کے لئے ہوگا جب اَحْسِنْ خود متعدی نہ ہو۔ یعنی اَحْسِنْ جب فعل لازم ہو تو پھر "با" متعدی بنانے کے لئے ہوگا۔ **او زائدةٌ** یا "با" زائدہ ہے۔ یہ "با" اُس وقت زائدہ ہوگی اگر اَحْسِنْ خود متعدی ہو۔ **فَفِيْهِ ضميرٌ** جب یہ اَحْسِنْ فعل متعدی ہو تو پھر اسکے اندر انتَ مخاطب کی ضمیر فاعل کی ہوگی۔

اور یہ بات یاد رکھنا! جب "با" جارّہ زائدہ ہوگا تو پھر یہ کسی سے متعلق نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم نے پڑھا ہے کہ حروفِ جارّہ زائدہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ اسی طرح "لَعَلَّ" کبھی جرّ دیتے ہیں۔ "لو لا" بھی کبھی جرّ دیتا ہے۔ اور اسی طرح جیسے "رُبَّ" بھی جرّ دیتا ہے۔ لیکن یہ تینوں کسی کے ساتھ متعلّق نہیں ہوتے۔

اَفعالُ الْمَدْحِ وَ الذَّمِّ ما افعالِ مدح اور ذم وہ ہیں۔ وُضِعَ لِاِنْشاءِ مَدْحٍ اَوْ ذَمٍّ جنکو وضع کیا جائے اِنْشاءِ مدح کے لئے یا اِنْشاءِ ذم کے لئے۔ جیسا کہ آپ کہتے ہو، نِعْمَ الرَّجُلُ زیدٌ: زید بڑا اچھا آدمی ہے۔ بھئی یہ اِنشاءِ مَدَح ہے اور یہ خبر نہیں ہے، اور اسکے کہنے والے کو سچّا یا جھوٹا نہیں کہہ سکتے۔ اور مَدَحْتُ زیدٌ یہ تو آپ خبر دے رہے ہیں، یہ اِنشاء مدح نہیں۔ فمنها نِعْمَ و بِئْسَ افعالِ مدح اور ذم میں سے نِعْمَ اور بِئْسَ ہیں۔ مدح کے لئے نِعْمَ ہے اور ذَمّ کے لئے بِئْسَ ہے۔

و شرطُهما اور اِن دونوں کی شرط یہ ہیں۔ اَنْ یَّكونَ الفاعلُ مُعَرَّفًا باللام کہ اِن دونوں کا فاعل مُعَرَّف باللام ہونا چاہیئے۔ یعنی نِعْمَ اور بئسَ کے فاعل معرَّف باللام ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ نِعْمَ الرَّجُلُ زیدٌ میں نعمَ کا فاعل "الرَّجُلُ" معرَّف باللام آیا۔ یا معرَّف باللام تو نہیں لیکن معرَّف باللام کی طرف مضاف ہونا چاہیئے۔ جیسا کہ نِعْمَ غُلامُ الرَّجُلِ۔ تو دیکھو "غلام" مضاف ہے "الرجل" معرف باللام کی طرف۔ تو نعمَ اور بئس کے فاعل کو یا تو خود معرَّف باللام ہونا چاہیئے یا معرف باللام کی طرف مضاف ہونا چاہیئے۔ او مُضَافًا الی المُعَرَّفِ بها بها:ای باللامِ: یا نِعْمَ اور بئسَ کے فاعل کو مضاف ہونا چاہیئے معرَّف باللام کی طرف۔ او مُضْمَرًا یا اِن دونوں کی فاعل ایسی ضمیر ہو مُمَیِّزًا جس کی تمییز لائی گئی ہو بِنَكِرَةٍ منصوبةٍ نکرۃ منصوبۃ کے ساتھ۔ یعنی نِعْمَ اور بِئْسَ کے اندر فاعل کی ضمیر ہوگی۔ اور آگے اُسکی تمییز آئے گی اور وہ تمییز نکرۃ ہوگی اور منصوب ہوگی۔

یاد رکھو! اِنہوں نے آپ کو بتلایا، کہ نِعْمَ اور بِئْسَ کے فاعل یا معرَّف باللام آنا چاہیئے یا اِن دونوں کا فاعل معرَّف باللام کی طرف مضاف ہوگا اور کبھی اِن دونوں کا فاعل اِنہی کے اندر ضمیر ہوگی۔ جب اِن کے اندر فاعل ضمیر ہو تو پھر آگے اُس کی تمییز، نکرۃ منصوبۃ کے ساتھ لائی جائے گی۔ جیسا کہ میں کہتا ہوں، "نِعْمَ رجلًا"۔ ترکیب۔ نِعْمَ فعل از افعالِ مدح، ہو ضمیر مرفوع محلًا اسکا فاعل بنے گا لیکن پہلے اسکو مُبْہم مُمَیَّز بناؤ، رَجُلًا منصوب لفظًا آگے اُسکی تمییز، مُبْہم مُمیَّز اپنے تمییز سے ملکر نِعْمَ کے لئے فاعل ہوا۔ تو دیکھا "نِعْمَ" کا فاعل ضمیر آئی۔ اور ایسی ضمیر ہے جس کے آگے تمییز ایسا نکرۃ آرہی ہے جو کہ منصوب ہے۔

اَوْ بِما یا "ما" کے ساتھ۔ یا اِس ضمیر کی تمییز "ما" کے ساتھ لائی جائے گی۔ مثلُ مثال کے طور پر فَنِعِمَّا هِیَ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں، "فَنِعِمَّا هِیَ" تو یہ "ما" تمییز ہے اور شَیْءٌ کے معنیٰ میں ہے۔ ترکیب۔ نِعْمَ فعل از افعالِ مدح، ھوَ ضمیر اسکے اندر اسکا فاعل بنے گا لیکن فی الحال مُمَیَّز، اور "ما" آگے اسکی تمییز، مُمَیَّز اپنے تمییز سے ملکر نِعْمَ کے لئے فاعل، اور آگے "هِیَ" یہ مخصوص بالمدح ہے۔ اور یہ ضمیر راجع ہے "صدقات" کو۔ ترجمہ: فَنِعِمَّا هِیَ: صدقات بڑی اچھی چیز ہیں۔ وَ بعدَ ذٰلکَ الْمَخْصُوصُ اور اسکے بعد مخصوص آئے گا۔ یعنی فاعل کے بعد مخصوص بالمدح آئے گا۔ یعنی پہلے فعل آئے گا اسکے بعد

فاعل آئے گا اور اسکے بعد مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذَّم آئے گا۔ جیسا کہ "نِعْمَ الرَّجُلُ زیدٌ" میں "الرَّجُلُ" فاعل ہے نِعْمَ کے لئے اور فاعل کے آگے زیدٌ مخصوص بالمدح ہے۔ اور اگر فعلِ ذم ہے تو پھر فاعل کے بعد آنے والا مخصوص بالذَّم کہلاتا ہے۔ ترجمہ: نِعْمَ الرجلُ زیدٌ: زید بڑا اچھا آدمی ہے۔

اب اسکی ترکیب یاد رکھو! یہاں پر دو ترکیبیں ہیں۔ ایک ترکیب کے مطابق " نِعْمَ الرَّجُلُ زیدٌ " ایک جملة بنے گا۔ اور دوسری ترکیب کے مطابق یہی کلام نِعْمَ الرَّجُلُ زیدٌ دو جملے بن جائیں گے۔

پہلی ترکیب۔ نِعْمَ فعل از افعالِ مدح، الرَّجُلُ مرفوع لفظًا اسکا فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ مقدَّم، اور زیدٌ آگے مبتدائے مؤخر، مبتدائے مؤخر اپنے خبرِ مقدَّم کے ساتھ ملکر جملہ اسمیہ انشائیہ ہوا۔ اس ترکیب میں نِعْمَ الرَّجُلُ زیدٌ ایک ہی جملہ بنا۔

دوسری ترکیب۔ نِعْمَ فعل از افعالِ مدح، الرَّجُلُ اسکے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ یہ ایک جملہ ہوا۔ آگے آرہا ہے زیدٌ۔ تو زیدٌ کو خبر بناؤ اور اسکے لئے مبتدا محذوف نکالو۔ ای ھُوَ زیدٌ۔ ھوَ مبتدا محذوف اور زیدٌ اُسکی خبر، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ تو یہ دوسرا جملہ ہوا۔ تو اب دو جملے ہوئے، "نِعْمَ الرَّجُلُ" ایک جملة اور "ھو زیدٌ" دوسرا جملة۔

و ھُو مبتدأٌ اور وہ مخصوص بالمدح یا مخصوص بالذم مبتدا ہے۔ **ما قبلَہٗ خبرُہٗ** اور وہ مخصوص ایسا مبتدا ہے جسکا ماقبل خبرِ مقدَّم ہے۔ تو یہ پہلا ترکیب ہوا۔ جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔ **اَوْ خَبَرُ مبتدَءٍ محذوفٍ** اور یا دوسری ترکیب کے مطابق وہ مخصوص ایسی مبتدا کی خبر ہے جو کہ محذوف ہے۔ اس ترکیب کی وضاحت بھی اوپر کی گئی ہے۔ **مثلُ نِعْمَ الرَّجُلُ زیدٌ** جیسا کہ "نعمَ الرَّجلُ زیدٌ" ہے۔ **و شَرْطُہٗ** اور شرط اِسکی۔ یہ مخصوص بالمدح کی شرط ذکر کر رہے ہیں۔ **مُطَابَقَۃُ الْفَاعِلِ** فاعل کے ساتھ مُطابَقت۔ جیسا کہ نِعْمَ الرَّجُلُ زیدٌ میں مخصوص بالمدح "زیدٌ" ہے اور "الرَّجُلُ" فاعل ہے۔ یعنی اِس زید کو الرَّجل کے مطابق ہونا چاہئے۔ یعنی ایک ہی جنس ہونی چاہئے۔ اور نیز اِفراد، تثنیہ، جمع، تذکیر اور تانیث میں مطابقت ہو۔ جیسا کہ اگر ایک زید کی میں تعریف کرنا چاہتا ہوں تو میں کہوں گا نِعْمَ الرَّجُلُ زیدٌ، اگر دو زید ہیں تو میں کہوں گا، " نِعْمَ الرَّجُلانِ الزیدانِ" اور اگر زیادہ زید ہیں اور میں اُن کی تعریف کرنا چاہتا ہوں تو میں کہوں گا، " نِعْمَ الرَّجَالُ الزَّیدونَ"۔

و بئسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا وَ شِبْھُہٗ اور بئسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا اور اِس جیسی مثالیں جو ہیں **مُتَأَوَّلٌ** اُن میں تاویل کی گئی ہے۔ بھئی یہ دراصل ایک شبہ کے جواب دے رہے ہیں۔ صاحب کافیہ؈ نے آپ کو بتلایا کہ مخصوص بالمدح فاعل کے مطابق ہونا چاہئے۔ لیکن قرآن کے اندر یہ ایک آیت " بئسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا" ہے اور اس میں مخصوص بالذَّم جو ہے وہ فاعل کے مطابق نہیں۔ سب سے پہلے ترکیب دیکھو!: بئسَ: فعل از افعال ذم، مَثَلُ: مضاف، اَلْقَوْمِ: مضافٌ الیہ، مضاف اور مضافٌ

الیه ملکر بئسَ کے لئے فاعل، اور فاعل مفرد ہے کیونکہ "مَثَل" کا لفظ مفرد ہے۔ اور آگے مخصوص بالذم آ رہا ہے۔ اَلَّذِیْنَ: اسم موصول، کَذَّبُوْا: فعل، واؤ ضمیر اسکا فاعل جو کہ راجع ہے اسم موصول کو، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ موصول کے لئے، موصول اپنے صلہ سے ملکر مخصوص بالذم ہوا۔ اور مخصوص بالذم جمع ہے۔ اور فاعل مفرد تھا۔ تو فاعل اور مخصوص بالذّم کے درمیان مطابقت نہیں آیا۔ اور اے صاحب کافیہؒ آپ نے تو شرط لگائی تھی کہ مخصوص بالذّم اور فاعل کے درمیان مطابقت ضروری ہے۔

تو صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ اور اِن جیسی مثالوں میں تاویل کی گئی ہے۔ اور تاویل یہ ہے کہ الّذِیْنَ سے پہلے بھی مَثَل کا لفظ محذوف ہے۔ تو عبارت یوں بن گئی، " بِئسَ مَثَلُ الْقَوْمِ مَثَلُ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا" تو اِس صورت میں موصول اپنے صلہ سے ملکر جم مثل محذوف ہے اُس کے لئے مضاف ہوا۔ اور مضاف اور مضافٌ الیہ ملکر یہ مخصوص بالذّم بن گئے۔ تو اب فاعل اور مخصوص بالذّم کے درمیان مطابقت آگئی۔

یا اِس اَلّذِیْنَ کو اَلْقَوْم کے لئے صفت بنا دو۔ اَلّذِیْنَ بھی معرفة اور اَلْقَوْم بھی معرفة۔ اور جب معرفة کے بعد معرفة آئے تو عموماً موصوف صفت بنتے ہیں۔ تو اِس صورت میں اَلْقَوْم موصوف بنے گا، اور "اَلّذِیْنَ کَذَّبُوْا" موصول صلہ ملکر صفت بنے گا۔ پھر موصوف اپنے صفت کے ساتھ ملکر یہ مضافٌ الیہ بنے گا مَثَل کے لئے، مضاف اور مضافٌ الیہ ملکر یہ فاعل ہوا بئسَ کے لئے۔ تو یہ "مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا" سارا فاعل ہے۔ اور آگے مخصوص بالذّم "مَثَلُهُمْ" محذوف ہے۔ تو کلام یوں بنے گا، "بِئسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا مَثَلُهُمْ"۔ تو دیکھا تاویل کی وجہ سے مطابقت آگئی۔ ترجمہ: تو بڑی ہی بُری مثال ہے اُس قوم کی جنھوں نے جُھٹلایا۔

وَ قَدْ یُحْذَفُ الْمَخْصُوصُ اور کبھی کبھار مخصوص کو حذف بھی کر لیتے ہیں۔ **اِذَا عُلِمَ** جب اُس کو جانا جائے۔ جب وہ مخصوص معلوم ہو کسی قرینة کی وجہ سے۔ **مثل نِعْمَ الْعَبْدُ** جیسے قرآن مجید میں ہے، "نِعْمَ الْعَبْدُ"۔ نِعْمَ فعل از افعال مدح، اَلْعَبْدُ: نِعْمَ کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ مقدَّم، اور آگے مخصوص بالمدح "اَیُّوبُ ؑ" محذوف ہے۔ اَیُّوبُ: مبتدائے مؤخر، ترجمہ: بڑا ہی اچھا بندہ ہے ہمارا ایّوب ؑ۔ یہاں پر حضرت ایّوب ؑ کی مدح ہو رہی ہے۔ تو یہاں پر مخصوص بالمدح کو حذف کر لیا گیا کیونکہ قرینة موجود تھا کیونکہ بات اُنہی کی چل رہی تھی۔ اور پھر حذف کر دے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔ **وَ فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ** بس کیا ہی اچھے بچھانے والے ہیں۔ اور مخصوص بالمدح "نحنُ" مخذوف ہے۔ ترکیب۔ نِعْمَ: فعل از افعالِ مدح، اَلْماهِدون: نِعْمَ کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ خبرِ مقدَّم، اور "نحنُ" مخصوص بالمدح مبتدا مؤخر مخذوف ہے۔ تو یہاں پر بھی

قرینۃ موجود ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے قدرت اور عظمت بیان کر رہے ہیں، اپنی نعمتوں کا ذکر کر رہے ہیں، کہ ہم نے انسان کے لئے کیا کیا، زمین کو بچھایا وغیرہ۔ اور کیا ہی اچھے بچھانے والے ہیں ہم، تو خود بخود پتہ چل رہا تھا مخصوص بالمدح کا۔ تو اس لئے حذف کر دیا۔

وَ سَاءَ مثلُ بئسَ اور ساءَ بھی بِئْسَ کی طرح ہے۔ یعنی فعلِ ذم ہے۔ اور اُس کی طرح استعمال ہوگا۔ اور اُس کا فاعل بھی معرّف باللام ہونا چاہیئے۔ یا معرَّف باللام کی طرف مضاف ہونا چاہیئے۔ یا اسکا فاعل ایسا ضمیر ہوگا جس کی آگے تمیز آرہی ہوگی منصوب یا اُسکی تمیز "ما" آرہی ہوگی۔

وَ مِنْها حَبَّذَا اور افعال مدح میں سے ایک "حَبَّذَا" ہے۔ وَ فاعلُه ذَا اور اُس کا فاعل "ذا" ہے۔ حَبَّ فعل از افعالِ مدح اور "ذا" اسکا فاعل۔ تو اسکے لئے آگے کوئی اور فاعل نہیں آئے گا اور یہ "ذا" ہی اُس کا فاعل ہے۔ وَ لا يَتَغَيَّرُ اور یہ بدلتا نہیں۔ یعنی اِس میں کوئی تَغَیُّر نہیں آتا۔ یعنی یہ مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر اور مؤنث سب کے لئے اسی طرح "حَبَّذَا" رہے گا۔ وَ بعدَهُ الْمَخْصُوصُ اور اسکے بعد مخصوصِ حَبَّذَا آئے گا۔ مثلاً، "حَبَّذَا زیدٌ"۔ وَ إِعْرابُهُ ای اِعْرَابِ مَخْصُوصِ حَبَّذَا: اور مخصوصِ حَبَّذَا کا اعراب كَإِعْرابِ مَخْصُوصِ نِعْمَ مخصوصِ نِعْمَ کی اعراب کی طرح ہے۔ جس طرح نِعْمَ کے مخصوص کا اعراب کبھی مرفوع ہوتا تھا مبتدائے مؤخر ہونے کی وجہ سے اور کبھی مرفوع ہوتا تھا خبر ہونے کی وجہ سے۔ تو وہی دونوں وجہیں مخصوصِ حَبَّذَا میں بھی ہوں گے۔

حَبَّذَا کے اندر یاد رکھو! مخصوص بالمدح سے پہلے یا مخصوص بالمدح کے بعد، حال یا تمیز کا آنا بھی جائز ہے۔ مثلاً درمیان میں تمیز لے آئیں۔ حَبَّذَا رجلاً زیدٌ۔ یہ رجلاً تمیز ہے۔ اور اب حال لے آئے، حَبَّذَا راکبًا زیدٌ۔ تو یہ راکبًا حال ہے۔ اور چاہیے تو تمیز اور حال کو مؤخر بھی لاسکتے ہوں۔ جیسا کہ ، حَبَّذَا زیدٌ رجلاً اور حَبَّذَ زیدٌ راکبًا۔ حَبَّذَا رجلاً زیدٌ کا ترجمہ: زید بڑا اچھا ہے مرد ہونے کے اعتبار سے۔ اور حَبَّذَ زیدٌ راکبًا کا ترجمہ: زید بڑا ہی اچھا ہے سوار ہونے کے اعتبار سے۔ تو کہتے ہیں و يجوزُ اور جائز ہے اَنْ يَّقَعَ قَبْلَ الْمَخْصُوصِ کہ واقع ہو مخصوص سے پہلے و بعدَهُ ای بعدَ مخصوصٍ: اور مخصوص کے بعد تمييزٌ اَوْ حالٌ تمیز واقع ہو یا حال واقع ہو۔ عليٰ وِفْقِ مَخْصُوْصِهٖ وِفْق: موافقت، اپنے مخصوص کے موافق۔ یعنی اپنے مخصوص کے موافق وہ تمیز یا حال آئے گا۔ اگر مخصوص مفرد، تثنیہ، جمع، مذکر یا مؤنث ہے تو یہ تمیز یا حال بھی اُس مخصوص کے مطابق آئیں گے۔

درس 107۔

اب صاحب کافیہ؀ حرف کی بحث شروع فرمائیں گا۔ الحرفُ ما دَلَّ حرف وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے عليٰ معنىً کسی معنیٰ پر، ایسا معنیٰ فى غيرِهٖ یہ فی "با" کے معنیٰ میں ہے۔ ای بِغَیْرِهٖ: غیر کے

ساتھ۔ یعنی حرف غیر کے ساتھ ملکر کسی معنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ اسم اور فعل اپنے معنیٰ پر دلالت کرنے میں مستقل ہے اور کسی کے محتاج نہیں۔ حرف بھی اپنے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے لیکن مستقل نہیں۔ جب تک حرف کے ساتھ کوئی دوسرا کلمۃ اسم یا فعل اُس کے وقت نہ ملے تب تک حرف کا معنیٰ سمجھ میں نہیں آتا۔ جیسے "مِنْ" ابتدا کے لئے آتا ہے۔ اور ایک اسم "اِبْتِدَاء" ہے۔ اور اِبْتِدَاء کہنے سے فورًا ہی معنیٰ سمجھ میں آتا ہے۔ اور حروف میں سے "مِنْ" ابتدا کے لئے آتا ہے لیکن اگر صرف مِنْ کہوں تو کسی سے ابتدا کا معنیٰ سمجھ نہیں آتا۔ لیکن جب میں اسکے ساتھ اسم یا فعل ملاؤں تو پھر مِنْ کا معنیٰ سمجھ میں آئے گا۔ میں کہتا ہوں "سرتُ مِنَ البصرةِ الی الکوفةِ: میں چلا بصرۃ سے کوفۃ تک۔" یعنی میرے چلنے کی ابتداء بصرۃ سے ہو رہی ہے۔ تو یہ "مِنْ" نے بتلایا کہ چلنے کی ابتدا بصرۃ سے ہر رہی ہے۔ لیکن جب مِنْ اکیلا تھا تو اِس معنیٰ پر دلالت نہیں کر رہا تھا۔ اب جب اِس مِنْ کے ساتھ بصرۃ مل گیا تو پتہ چلا کہ یہ مِنْ ابتدا کے معنیٰ پر دلالت کر رہا ہے۔ **وَ مِنْ ثَمَّ احْتَاجَ فِی جُزْئِيَّتِهٖ** اسی وجہ سے حرف مُحتاج ہوتا ہے اپنے جُز ہونے میں۔ یعنی حرف اپنا معنیٰ ادا کرنے میں غیر کے ساتھ ملے گا۔ اور جب یہ غیر کے ساتھ ملے گا تب یہ کلام کا جُز بنے گا۔ **اِلَى اسْمٍ اَوْ فِعْلٍ** اسم یا فعل کا۔ یعنی حرف کلام کے جُز بننے میں اسم یا فعل کا محتاج ہوتا ہے۔

اب صاحب کافیہ؈ حروف کے اقسام کے بارے میں بتلائیں گے۔

حروفُ الْجَرِّ ما حروف جرّ وہ حروف ہیں۔ **وُضِعَ** جنکو وضع کیا گیا ہے۔ **لِلْاِفْضَاءِ بِفِعْلٍ** اَفْضیٰ یُفْضِی اِفْضَاء: پہنچنا، جیسے ذَهَبَ يَذْهَبُ کا معنیٰ ہوتا ہے جانا، تو ذَهَبْتُ کا معنیٰ میں گیا، اور یہ ذهبتُ فعل لازم ہے۔ لیکن اگر اسکے ساتھ "با" لے آئے، جیسا کہ ذَهَبْتُ بِزَيْدٍ کا معنیٰ ہے، "میں زید کو لے گیا۔" تو دیکھو "با" کبھی کسی فعل کو متعدی بنانے کے لئے لے کر آتے ہیں۔ یہاں پر بھی اَفْضیٰ يُفْضِی اِفْضَاء کا معنیٰ ہے پہنچنا، آگر اسکا صلہ آرہا ہے بِفِعْلٍ، تو "با" آئی اور "با" نے اسکو متعدی بنا دیا۔ تو پہلے معنیٰ تھا، "پہنچنا" اب اسکا معنیٰ "پہنچانا" ہے۔ تو حروفِ جارّہ وہ حروف ہیں، جنکو وضع کیا گیا ہے، فعل کو پہنچانے کے لئے، **اَوْ معناهُ** یا معنیٔ فعل کو پہنچانے کے لئے۔ ھا ضمیر راجع ہے فعل کو۔ معنیٔ فعل سے مراد وہ چیزیں ہیں جن میں فعل کا معنیٰ پایا جائے۔ اور وہ چیزیں "مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول، صفتِ مشبہ، اسم تفضیل، جار مجرورر اور ظرف" وغیرہ ہیں۔ تو اِن چیزوں میں فعل والا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ضَرْب مصدر میں ضَرَبَ کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ضاربٌ میں بھی ضَرَبَ والا معنیٰ آگیا۔ مضروبٌ، اَضْرَبُ وغیرہ کے اندر ضَرَبَ کا معنیٰ آگیا وغیرہ۔ **اِلٰى مَا** اُس کلمۃ تک **يَلِيْهِ** جسکے ساتھ یہ ملا ہوا ہو۔ یعنی حروفِ جارّہ جس چیز کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ بھئی حروفِ جارّہ وہ

ہیں جنکو وضع کیا گیا ہو کہ وہ فعل کو یا معنئ فعل کو اُس چیز تک پہنچاتے ہیں جو اُن کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ یا یوں کہہ دیں کہ جن کے ساتھ یہ ملے ہوئے ہوں۔

بھئی میں نے کہا، مررتُ بزَيْدٍ، اور اسکا معنیٰ "میں زید پر گزرا۔" یعنی اُس کے قریب سے گزرا۔ تو دیکھو! مررتُ کا صلہ آگے "با" آرہا ہے۔ اور یہ "با" زید پر داخل ہو رہی ہے۔ تو دیکھو! "با" نے یہ ماقبل میں جو فعل تھا، اس فعل کے معنیٰ کو پہنچا دیا اُس چیز تک جس کے ساتھ یہ ملی ہوئی ہے اور وہ زید ہے۔ تو "با" حرفِ جرّ نے مُرور کو زید تک پہنچا دیا۔ یعنی آپ کا مرور زید پر واقع ہوا ہے۔

تو حروفِ جارّہ جس کے ساتھ متعلّق ہوں گے وہ فعل ہوگا یا معنئ فعل ہوگا، اور اُس کے معنیٰ کو یہ اپنے مدخول تک پہنچا دیتے ہیں جس پر یہ حروفِ جارّہ داخل ہوتے ہیں۔

حروفِ جارّہ کون کون سے ہیں؟ صاحب کافیہؒ اب وہ گِنوا رہے ہیں۔ **وهي** اور وہ حروفِ جارّہ **[1]مِنْ و [2]إلىٰ و [3]حَتّٰى و [4]فِي و [5]الباء و [6]اللام و [7]رُبَّ و [8]واوُها** واوِ رُبَّ، ھا ضمیر راجع ہے رُبَّ کو۔ آپ نے پڑھا ہے کہ واؤ بھی کبھی رُبَّ کے معنیٰ میں آتا ہے۔ **و [9]واوُ الْقَسَمِ** اور واوِ قسم ہے۔ کبھی قسم کے لئے بھی واؤ آتا ہے۔ **و [10]باءُهُ و [11]تاءُهُ** ای باءُ القسمِ و تاءُ القسمِ: یہ ھا ضمیر راجع ہے قسم کو۔ قسم کی باء اور قسم تاء۔ قسم کے لئے کبھی باء اور تاء بھی آتی ہیں۔ **و [12]عَنْ و [13]علیٰ و [14]الکافُ و [15]مُذْ و [16]منذُ و [17]خلا و [18]عدا و [19]حاشا** یہ کل اُنیس ہو گئے۔ ابھی تک ہم نے حروفِ جارّہ سترہ پڑھے تھے۔ یہ اُنیس ہو گئے۔ وجہ یہ کہ صاحبِ کافیہؒ نے واؤ کو دو دفعہ شمار کیا۔ یعنی واؤِ رُبَّ کو الگ شمار کیا اور واؤِ قسم کو الگ شمار کیا۔جبکہ باقی علماء دونوں کو اکھٹا ہی شمار کر لیتے ہیں۔ اگر چہ ہیں دونوں الگ الگ۔ لیکن چونکہ دونوں ہی واؤ ہیں تو ایک ہی شمار کر لیتے ہیں۔ اگر چہ ایک واؤِ رُبَّ ہوتا ہے اور ایک واؤِ قسم۔ اسی طرح "با" ہے۔ کبھی "با" ویسے معنئ فعل کو پہنچائے گی اور کبھی "با" قسم کے لئے آتی ہے۔ اور قسم والا معنیٰ ادا کرتی ہے۔ تو ایک غیرِ قسم والی باء ہوئی اور ایک قسم والی باء ہوئی۔ اِن کو بھی صاحبِ کافیہؒ نے دو الگ الگ شمار کر لئے۔ تو اسی وجہ سے کُل اُنیس ہو گئے۔

اب اِن میں یاد رکھنا! اِن میں سے جو پہلے گیارہ ہیں، "مِنْ" سے لے کر "تاءُہُ" تک۔ یہ ہمیشہ حروف ہی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جبکہ اگلے پانچ جو ہیں، "عَنْ، علیٰ، کاف، مُذْ اور مُنْذُ"۔ یہ پانچ کبھی حرف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اِسم کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ آگے تفصیل آجائے گی۔ اور جبکہ "خلا، عدا اور حاشا" جو ہیں، یہ حروف کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں اور فعل کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔

اب صاحب کافیہؒ ہر ایک کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں اُن اُنیس میں سے۔ **فمِنْ للابتداء** مِنْ ابتداء کے لئے آتا ہے۔ بھئی مِنْ آیا کرتا ہے ابتدائے مُسافت کے لئے۔ چاہے وہ مُسافتِ زمانی ہو چاہے وہ

مُسافتِ مکانی ہو۔ جیسا کہ "سرتُ مِنَ البصرۃِ الی الکوفۃِ" میں "مِنۡ" ابتدائے مَسافت کا معنیٰ ادا کر رہا ہے۔ اور یہ ابتدائے مَسافت مکانی ہے۔ کیونکہ بصرۃ بھی ایک مکان اور کوفت بھی ایک مکان۔ اور کبھی یہ مِنۡ مُسافتِ زمانی کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ "صُمۡتُ مِنَ الجُمُعَۃِ الی الخمیس: میں نے روزہ رکھا جمعۃ سے لے کر یوم الخمیس تک۔" تویہاں پر مِنۡ نے مسافتِ زمانی کا معنیٰ ادا کیا۔

وَالتَّبۡيِيۡنِ اور مِنۡ کبھی بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور مِنۡ بیانیہ کی علامت یہ ہے کہ اِس کو اُٹھا کر اِس کی جگہ الذی رکھنا صحیح ہو۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے۔ "فَاجۡتَنِبُوۡا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ"۔ یہ مِنۡ بیان کے لئے ہے۔ اور اَلۡاَوۡثَانۡ بیان ہے رِجۡس کا۔ ترجمہ: فَاجۡتَنِبُوۡا الرِّجۡسَ: بچو تم گندگی سے، مِنَ الۡاَوۡثَانِ: یعنی کہ بتوں سے۔ تو اِس مِنۡ نے اُس رِجۡس کو بیان کر دیا، کہ وہ گندگی وہ ناپاکی "بُت" ہیں۔ اور اِس مِنۡ بیانیّۃ کی جگہ "اَلَّذِی" کا رکھنا صحیح۔ ای فَاجۡتَنِبُوۡا الرِّجۡسَ الَّذِی ھُوَ الۡاَوۡثَانِ۔

وَالتَّبۡعِيۡضِ اور مِنۡ کبھی تَبۡعِیۡض کی معنیٰ ادا کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور اسکی علامت یہ ہے کہ اِس مِنِ تبعیضیہ کو اٹھا کر اس کی جگہ لفظِ بعض لگانا صحیح ہے۔ جیسے "اَخَذۡتُ مِنَ الدَّرَاھِمِ: میں نے دراھم میں سے اُٹھائے"۔ تو یہاں یہ مطلب نہیں کہ سارے اُٹھائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض دراھم اُٹھائے۔ تو یہاں پر مِنۡ کی جگہ بَعۡض کا کلمۃ رکھنا صحیح ہے۔ ای اَخَذۡتُ بَعۡضَ الدَّراھم۔

و زائدۃٌ فی غیرِ الۡمُوۡجَبِ اور مِنۡ کبھی زائدہ بھی آتا ہے کلام غیر موجَب کے اندر۔ کلامِ موجَب اُسے کہتے ہیں کہ جس میں نفی، نہی اور اِستفہام نہ ہو۔ اور کلامِ غیر موجب اسے کہتے ہیں کہ جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو۔ تو ایسا کلام جس میں نفی، نہی یا استفہام ہو تو اُس میں مِنۡ زائدہ آتے ہیں۔ اور کلامِ موجَب کے اندر مِنۡ زائدہ نہیں آتے۔ جیسے "ما رَأیتُ مِنۡ اَحَدٍ"۔ اب یہ مِنۡ جو آیا ہے یہ زائدہ ہے۔ زائدہ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر اس کو ھٹا بھی دیں یعنی ختم بھی کرے تو کلام کے معنیٰ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یعنی " ما رَأیتُ مِنۡ اَحَدٍ" سے مِنۡ کو ھٹا دو تو " ما رَأیتُ اَحَدًا" رہ جائے گا۔ اور اب بھی وہی معنیٰ ہے۔ تو یہ مِنۡ زائدہ ہے اور کلام غیر موجَب میں آیا۔ کیونکہ کلام کے شروع میں حرفِ نفی "ما" آیا ہے۔

خلافًا للکوفِيِّيۡنَ و الاخفشِ بخلاف کوفہ والوں کے اور امام اخفش رح کے۔ اُن کے نزدیک کلامِ موجَب کے اندر بھی یہ مِنۡ زائدہ آتا ہے۔ وہ دلیل میں اِس قسم کی مثالیں پیش کرتے ہیں، جیسے آگے آرہی ہے، "قد کانَ مِنۡ مَّطَرٍ"۔ اس میں یہ "مِنۡ" زائدہ ہے۔ اصل میں کلام ہے، "قَدۡ کانَ مَطَرٌ"۔ یہ کانَ تامّہ ہے۔ ای ثَبَتَ مَطَرٌ: تحقیق بارش ثابت ہوئی۔ یعنی بارش ہوئی۔ تو "قد کانَ مِنۡ مَّطَرٍ" کلامِ موجب ہے اور اِس میں مِنۡ زائدہ آیا ہے۔ اور یہ دلیل ہے اس بات کی کلام موجب کے اندر بھی مِنۡ زائدہ آتا ہے۔ **و قد**

کانَ مِنۡ مَّطرٍ وَّ شِبۡھُہٗ مُتَاَوَّلٌ اور "قد کانَ مِنۡ مَّطَرٍ" اور اسکے مِثَل جو عبارتیں ہیں اُن میں تاویل کی گئی ہے۔ صاحب کافیہ رح فرماتے ہیں ہم اُن میں تاویل کرتے ہیں۔ تو یہ جو "مِنۡ" ہے یا تو ہم اسکو بیان کے لئے

بتاتے ہیں، اصل میں تھا، "قد کان شَیْئٌ : تحقیق کوئی چیز ہوئی۔" بھئی کیا چیز ہے؟ تو مِنْ نے بیان کر دیا کہ "مِنْ مَّطَرٍ: یعنی کہ بارش"۔ ترجمہ: کوئی چیز ثابت ہوئی یعنی کہ بارش۔ تو یہ مِنْ زائدہ نہیں ہے بلکہ بیان کے لئے ہے۔ یہ ایک جواب ہوا۔

دوسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ مِنْ تَبْعِیْض کے لئے ہے۔ قَدْ کَانَ مِنْ مَّطَرٍ ای قَدْ کَانَ بَعْضُ مَطَرٍ: کچھ بارش ہوئی۔ یا تیسرا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ مبنی بر حکایت ہے۔ دراصل یہ کلام آیا سوال کے جواب میں۔ اور سوال جو تھا اُن میں مِنْ زائدہ تھا، تو وہ کلام غیر موجب تھا کیونکہ وہ استفہام تھا۔ یعنی کسی نے دوسرے سے پوچھا، "هل کان مِنْ مَّطَرٍ: کیا بارش ہوئی؟"۔ اور یہ کلامِ غیرِ موجب ہے کیونکہ اسکے اندر استفہام ہے۔ اور اس میں یہ مِنْ زائدہ ہے۔ اور کلام غیرِ موجَب میں مِنْ زائدہ آسکتا ہے۔ تو جب سوال کے اندر مِنْ موجود تھا، تو جواب دینے والے نے بھی اُسی کے انداز میں جواب دیا۔ سوال میں مِنْ زائدہ تھا تو جواب میں بھی مِنْ زائدہ لایا۔ تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔ اور اُسکے بعد پھر عرب اُسی طرح مِنْ زائدہ کے ساتھ استعمال کرتے رہے۔ تو یہ تیسرا جواب ہوا۔

حروفِ جارّہ میں دوسری نمبر پر اِلیٰ کی وضاحت: **و الی لِلْاِنْتِهاءِ** اور اِلیٰ اِنتہاء کے لئے آتا ہے۔ یعنی اِنْتِہائے مسافت کے لئے اِلیٰ آتا ہے۔ چاہے مَسافتِ زمانی ہو چاہے مَسافتِ مکانی ہو۔ مثلاً، سرتُ مِنَ البصرةِ الی الکوفَةِ: تو یہ چلنے کی انتہا کوفہ پر ہو رہی ہے۔ اور یہ اِلیٰ نے بتلایا کہ چلنے کی انتہا کوفہ پر ہو رہی ہے۔ اور یہ مَسافت مکانی ہے۔ اور اِلیٰ کبھی مسافتِ زمانی کی انتہا بتلانے کے لئے بھی آتی ہے۔ جیسا کہ صُمْتُ مِنْ یَوْمِ الْجُمْعَةِ الیٰ یومِ الْخَمِیْسِ: میں نے جمعة سے لے کر جمعرات تک روزے رکھے۔ تو یہاں پر "اِلیٰ" مَسافتِ زمانی کے لئے آیا ہے۔ **وَ بمعنئِ مَعَ قلیلا** اور مَعَ کے معنیٰ میں بھی آتا ہے لیکن تھوڑا۔ اِلیٰ کبھی کبھی مَعَ کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ اِلیٰ اَمْوَالِكُمْ": ترجمہ: وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوَالَهُمْ : اور تم نہ کھاؤ یتیموں کا مال، اِلیٰ اَمْوَالِكُمْ ای مَعَ اَمْوَالِكُمْ:اپنے مالوں کے ساتھ۔ یعنی تم یتیموں کا مال اپنے مالوں کے ساتھ نہ کھاؤ۔ تو دیکھا! یہ اِلیٰ یہاں پر مَعَ کے معنیٰ میں آیا۔

و حَتّیٰ کذٰلک اور حَتّیٰ بھی اسی طرح ہے۔ جیسے اِلیٰ بھی انتہا کے لئے آتا تھا تو حتّیٰ بھی بھی انتہا کے لئے آتا ہے۔ **وَ بمعنئِ معَ کثیرا** اور حتّیٰ "مَعَ" کے معنیٰ میں کثرت کے ساتھ آتا ہے۔ یہ قلیلاً اور کثیرًا حال واقع ہو رہا ہے۔ اِس حال میں کہ یہ مَعَ کے معنیٰ میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ **وَ يُخْتَصُّ بِالظَّاهِرِ** اور حتّیٰ خاص ہوتا ہے اسمِ ظاہر کے ساتھ۔ حتّیٰ بھی اِلیٰ کی طرح ہے۔ جس طرح اِلیٰ انتہا کے لئے آتا ہے اسی طرح حتّیٰ بھی انتہا بتلانے کے لئے آتا ہے۔ نیز اِلیٰ بھی مَعَ کے معنیٰ میں آتا ہے اور حتّیٰ بھی مع کے معنیٰ میں آتا ہے۔ لیکن فرق ہے دونوں میں۔ اِلیٰ اسم ظاہر پر بھی داخل ہوتا ہے

جیسا کہ اِلیٰ زیدٍ اور اسمِ ضمیر پر بھی داخل ہوتا ہے جیسا کہ اِلَیہِ۔ تو یہاں اِلیٰ ضمیر پر داخل ہو رہا ہے۔ جبکہ حتّیٰ اسمِ ظاہر پر تو داخل ہوتا ہے لیکن ضمیر پر داخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا حَتّاہُ کہنا صحیح نہیں۔ **خِلافًا لِلْمُبَرَّدِ** بخلاف امام مُبرَّد کے۔ معروف مُبَرَّد ہے لیکن کہتے ہیں کہ اصل میں مُبَرِّد تھا۔ امام مبرّد فرماتے ہیں کہ نہیں بھئی یہ حتّیٰ ضمیر پر بھی داخل ہوتا ہے۔ لیکن جمہور علماء نحوؒ کے نزدیک حتّیٰ ضمیر پر داخل نہیں ہوتا۔

و فی للظرفیۃِ اور فی ظرفیّت کے لئے آتا ہے۔ یعنی فِی یہ بتلاتا ہے کہ اِس کا مابعد ظرف ہے ماقبل کے لئے۔ مثلاً میں نے کہا، زیدٌ فی الدارِ: تو یہاں پر فِی نے بتلایا کہ فِی کا مابعد "الدار" ظرف ہے ماقبل "زید" کے لئے۔ یعنی زید "دار" کے اندر ہے۔ **و بمعنیٰ علیٰ قلیلا** اور کبھی فی "علیٰ" کے معنیٰ میں آتا ہے لیکن اس حال میں کہ قلیل ہوتا ہے۔ قلیلاً حال ہے۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے، "لَاُصَلِّبَنَّکُمۡ فِیۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ"۔ فرعون نے اُن جادوگروں سے کہا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، " لَاُصَلِّبَنَّکُمۡ : میں تمہیں ضرور بالضّرور سولی دے دوں گا، فِیۡ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ: ای علیٰ جُذُوۡعِ النَّخۡلِ: درختوں کے تنوں پر۔ اگر "فی" یہاں پر "فی" کے معنیٰ میں ہوتا تو ترجمہ یوں بنتا، "میں تمہیں ضرور بالضّرور سولی دے دوں گا درختوں کے تنوں میں"۔ بلکہ درختوں کے تنوں پر سولی دوں گا۔ تو یہ "فی" بمعنیٰ "علیٰ" کے ہے۔

حروفِ جارّہ میں "با" کی تفصیل: **و الباءُ لِلۡاِلۡصَاقِ** اور "باء" اِلۡصاق کے لئے آتی ہے۔ اِلۡصاق: ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ ملنا۔ جیسے "مررتُ بِزَیۡدٍ: میں زید پر گزرا"۔ یہاں پر اِس "با" نے آپ کے مُرور کو "زید" کے ساتھ ملا دیا۔ یعنی آپ زید کے پاس والی جگہ سے گزرے ہیں۔ تو یہ "ساتھ" کے معنیٰ کا فائدہ "با" نے دیا۔ **وَ الۡاِسۡتِعَانَۃِ** اور "با" کبھی اِستعانت کے لئے بھی آتی ہے۔ یعنی مدد طلب کرنا۔ جیسا کہ "کَتَبۡتُ بالقَلَمِ: میں نے قلم کی مدد سے لکھا"۔ تو یہاں پر "مدد" کا معنیٰ "با" نے ادا کیا۔

وَالۡمُصَاحَبَۃِ اور کبھی "با" مُصاحَبَت کے لئے آتی ہے۔ مُصاحَبَت کا معنیٰ "ساتھ ہونا" ہے۔ جیسا کہ آپ کہتے ہیں، "خَرَجَ زیدٌ بِعَشِیۡرَتِہٖ: زید اپنے خاندان والوں کے ساتھ نکلا"۔ یہاں پر "ساتھ ہونے" کا معنیٰ "با" نے ادا کیا۔ تو "با" کبھی مصاحبت کے لئے بھی آتی ہے۔ **وَ الۡمُقَابَلَۃِ** اور "با" کبھی مقابلے کے لئے بھی آتی ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں، "بِعۡتُ القلمَ بِعِشۡرِیۡنَ رُوۡبِیَّۃً: میں نے قلم کو بیچا بیس روپے کے مقابلے میں"۔ تو یہ "با" عوض پر داخل ہوتی ہے تو یہ "بائے مقابلہ" ہے۔ اور ایک چیز کو دوسرے چیز کے بدلے یعنی مقابلے میں بتلا دیا۔ تو یہ قلم، بیس روپے کے مقابلے میں ہے۔ **وَالتَّعۡدِیَۃِ** اور "با" کبھی تعدیۃ کے لئے بھی آیا کرتی ہے۔ جیسا کہ آپ کہتے ہیں، "ذَهَبۡتُ: میں گیا"۔ تو "ذَهَبَ" فعل لازم ہے۔ اب اسکے ساتھ "با" لاتا ہوں، ذَهَبۡتُ بِزَیۡدٍ: میں زید کو لے گیا۔ تو دیکھا! یہاں "با" نے فعل لازم کو فعل متعدی بنایا۔ تو

"با" کبھی تعدیة کے لئے آتی ہے یعنی فعل لازم کو فعل متعدی بنانے کے لئے آتی ہے۔ **وَ الظَّرۡفِيَةِ** اور "با" کبھی ظرفیة کے لئے آتی ہے۔ یعنی "با" کبھی "فی" کے معنیٰ میں بھی آتی ہے۔ جیسے "جَلَسۡتُ بالمسجدِ" تو یہ "با" فی کے معنیٰ میں ہے۔ ای جَلَسۡتُ فی المسجدِ۔ **وَ زَائِدَةٌ فی الۡخَبَرِ** اور کبھی کبھار "با" زائدہ بھی ہوتی ہے خبر کے اندر۔ اور جب وہ خبر تحتَ الاستفهام واقع ہو یا تحتَ النفی واقع ہو۔

فی الۡاِستفهامِ والنَّفۡيِ قیاسًا استفہام اور نفی کے اندر قیاس کے طریقے پر۔ حروفِ زائدہ وہ ہوتی ہے جن کو اگر کلام سے ختم بھی کر دے تو کلام کے معنیٰ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہاں اِن کو کلام کے اندر حسن پیدا کرنے کے لئے بڑھایا جاتا ہے۔ اور کلام میں تاکید بھی پیدا کرنے کے لئے لایا جاتا ہے۔ اور دو جگہیں ایسی ہیں جہاں پر آپ بھی "با" کو زائدہ لا سکتے ہوں۔ اور کچھ جگہیں ایسی ہیں جو کہ سماعی ہیں۔ یعنی عربوں سے ہم نے سُنی ہے۔

تو "با" زائدہ آئے گی خبر کے اندر استفہام میں۔ اور یاد رکھو! استفہام بھی "ھل" کے ذریعے خاص طور پر ہوگا۔ دیکھو بھئی! میں سوال پوچھتا ہوں، کیا زید کھڑا ہے؟ تو یوں پوچھوں گا، "هَلۡ زیدٌ قائمٌ: کیا زید کھڑا ہے"۔ اس میں مبتدا "زیدٌ" ہے۔ اور خبر "قائمٌ" ہے۔ اِس قائمٌ پر کبھی "با" زائدہ لے آتے ہیں۔ اور یوں کہتے ہیں، "ھل زیدٌ بقائمٍ"۔ تو دیکھا اس "با" کو زائدہ کر سکتے ہیں آپ بھی، جہاں استفہام "ھل" کے ساتھ ہو اُس کی خبر کے اندر۔ جہاں پر بھی ایسا کلام آئے تو آپ "با" کو زائدہ لا سکتے ہوں۔

اور اسی طرح نفی کے اندر بھی۔ یعنی "با" زائدہ ہوتی ہے خبر کے اندر جبکہ وہ خبر تحتَ النفی واقع ہو۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "لیسَ زیدٌ قائمًا: زید کھڑا نہیں ہے۔" اور "لیس" کے خبر پر "با" کو زائدہ لایا جا سکتا ہے۔ اور یوں کہیں گے، "لیسَ زیدٌ بقائمٍ" میں یہ "با" زائدہ ہے۔

اور ایک بات یاد رکھنا بھئی! یہ جو حروفِ جارّہ زائدہ ہوتے ہیں یہ کسی سے متعلق نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ جب یہ معنیٰ کے اندر اثر ہی نہیں کرتے تو کسی سے متعلق ہونے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

لیسَ زیدٌ بقائمٍ کی ترکیب۔ لیسَ فعل از افعال ناقصة، زیدٌ اسکا اسم، با جارّہ، قائمٍ مجرور لفظًا اور منصوب محلاًّ لیسَ کی خبر،(اور یوں نہ کرنا کہ جار مجرور کو ملا کر آپ ثابتًا سے جوڑے یا لیسَ سے جوڑے، کیونکہ یہ با زائدہ ہے۔) لیسَ اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہوا۔

و فی غیرِہ سِماعًا اور "با" زائدہ آتا ہے غیرِ خبر میں سِماع کے طریقے پر۔ یعنی یہ موقوف علی السماع ہے اور آپ نہیں قیاس کر سکتے۔ **نحوُ بِحَسۡبِکَ زیدٌ** یہ "با" جارّہ جو شروع میں ہے یہ زائدہ ہے۔ یہ "حسبُکَ" مرفوع ہے اور مبتدا ہے اور زیدٌ اُسکی خبر ہے۔ تو یہ "با" یہاں مبتدا پر داخل ہوئی ہے۔ لیکن آپ قیاس نہیں کر سکتے۔ ترجمه: بِحَسۡبِکَ زیدٌ ای حَسۡبُکَ زیدٌ: زید تیرے لئے کافی ہے۔

وَ اَلْقیٰ بِیَدِہٖ یہ "اَلْقیٰ" کے بعد جو "با" آرہی ہے یہ زائدہ ہے۔ اس لئے کہ "اَلْقیٰ" خود متعدی ہے۔ جب اَلْقیٰ خود متعدّی ہے تو "با" کے ذریعے متعدی کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اور اصل میں کلام یوں ہے، "اَلْقیٰ یَدَہٗ"۔

وَاللَّامُ لِلِاخْتِصَاصِ اور لام اختصاص کے لئے آتا ہے۔ جیسے آپ کہتے ہیں، "المالُ لِزیدٍ: وہ مال زید کا ہے"۔ یعنی وہ مال خاص ہے زید کے ساتھ۔ اور جیسے آپ کہتے ہیں، "جُلُّ لِلْفَرَسِ: جول گھوڑے کے ساتھ خاص ہے"۔ جُل: اِس سے زِیْن مراد نہیں بلکہ وہ کپڑا وغیرہ جو گھوڑے پر ڈالا جاتا ہے۔ و التعلیلِ اور لام کبھی تعلیل یعنی علّت بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ "ضَرَبْتُہٗ لِلتَّا دیبِ: میں نے اُس کی پٹھائی کی ادب سکھانے کے لئے"۔ تو یہ علّت لام نے بتلا دی۔ وَ بمعنیٰ عَنْ مَعَ الْقَولِ اور کبھی "عَنْ" کے معنیٰ میں بھی لام آتا ہے قول کے ساتھ۔ بھئی دیکھو! قالَ کا صلہ ہمیشہ "لام" آتا ہے۔ جس سے قول کیا جائے اُس پر لام داخل ہوتا ہے۔ مثلاً، میں یہ کہنا چاہتا ہوں، "میں نے آپ کو کہا"۔ تو میں یوں کہوں گا، " قلتُ لَکَ"۔ یہ لام جو داخل ہوا یہ مخاطَب پر داخل ہوا۔ یعنی جس سے خطاب کرتے ہیں اُس پر لام داخل کرتے ہیں قالَ کے صلے میں۔ میں کہنا چاہتا ہوں، "میں نے زید سے کہا" تو میں یوں کہوں گا، " قلتُ لِزیدٍ: میں نے زید سے کہا"۔ یعنی زید میرا مخاطَب تھا۔ لیکن کبھی کبھار یہ لام بمعنیٰ عَنْ کے ہوتا ہے۔ تو اب قلتُ لِزَیدٍ کا یہ معنیٰ نہیں کہ "میں نے زید سے کہا۔" بلکہ معنیٰ ہوگا، "قلتُ عَنْ زیدٍ: میں نے زید کے بارے میں کہا"۔ معلوم ہوا کہ زید آپ کا مخاطَب نہیں ہے۔ اور آپ کسی اور سے بات کر رہے ہیں لیکن البتہ زید کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ و زائدۃ اور لام کبھی زائدہ بھی آتی ہے۔ جیسے "رَدِفَ لَکُمْ "۔ یہ لام زائدہ ہے۔ اسکو ھٹا دے اسکی کوئی ضرورت نہیں اور "رَدِفَ کُمْ" اب بھی معنیٰ وہی ہے۔ تو اسکو اس لئے بڑھایا جاتا ہے تا کہ کلام میں حسن پیدا ہو جائے اور تاکید پیدا کرنے کے لئے بڑھایا جاتا ہے۔ تو رَدِفَ خود متعدی ہے لام کی حاجت نہیں۔

و بمعنی الواوِ فی القسمِ اور لام کبھی واؤ کے معنیٰ میں آتا ہے قسم کے اندر۔ قسم کے لئے کئی حروف مستعمل ہے۔ اصل ہے قسم کے باب میں "با" ہے۔ اسکی بحث آگے آنے والی ہے۔ اور کبھی اس "با" کی جگہ قسم کے لئے واؤ استعمال کی جاتی ہے۔ اور کبھی اِس واؤ کی جگہ لام آجاتا ہے اور کبھی تاء آجاتی ہے۔ لِلتَّعَجُّبِ لیکن یہ قسم تَعَجُّب کے لئے ہوگا۔ اور عام چھوٹی موٹی بات کے لئے لام کے ذریعے قسم کھانا صحیح نہیں، اس کے ذریعے کسی ایسی چیز پر قسم اُٹھائی جا سکتی ہے جو باعث تعجُّب ہو۔ جیسے آپ کہتے ہیں، "لِلّٰہِ لَا یُؤَخَّرُ الاَجَلُ:قسم خدا کی موت کو مؤخر نہیں کیا جائے گا۔" اُس میں ذرّہ بھر تاخیر بھی نہیں کی جائیگی۔ تو دیکھو! یہ عجیب بات ہے۔ اُس پر قسم کھائی تعجّب کرتے ہوئے۔

وَ رُبَّ لِلتَّقْلِيْلِ اور حروفِ جارّہ میں سے رُبَّ تقلیل کے لئے آتا ہے۔ یعنی اِنْشاءِ تقلیل کے لئے آتا ہے۔ یعنی تقلیل کا معنیٰ پیدا کرتا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھو! یہ جو رُبَّ تقلیل کے لئے آتا ہے یہ باعتبار وضع کے ہے۔ یہ اِس لئے وضع کیا گیا تھا کہ یہ تقلیل کا معنیٰ ادا کرے۔ لیکن بعد میں یہ کثرت یعنی تکثیر کے معنیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جب بھی رُبَّ آجائے عبارت میں تو آپ نے وہاں تکثیر والا معنیٰ کرنا ہے۔ اب تکثیر والا معنیٰ میں یہ حقیقت ہو چکا ہے اور تقلیل والے معنیٰ میں یہ مجاز ہو چکا ہے۔ جب یہ تقلیل کے لئے آئے گا تو پھر وہاں قرینۃ چاہیئے ہوگا۔ اور اگر بغیر قرینۃ کے آئے تو کثیر والا معنیٰ ادا کیا جائے گا۔ تو اصلِ وضع میں رُبَّ تقلیل کے لئے تھا لیکن اب استعمال میں تکثیر کے لئے ہے۔ ولہا صدرُ الکلامِ اور اس کے لئے صدارتِ کلام ہے۔ انشاءِ تقلیل کا یہ معنیٰ نہیں کہ یہ پورے کلام کو جملہ انشائیہ بنا دے گا۔ ہاں تقلیل کے معنیٰ کا انشاء کر دے گا یعنی تقلیل کا معنیٰ پیدا کردے گا۔

مُخْتَصَّةٌ بِنَكِرَةٍ موصوفةٍ عَلَى الْاَصَحِّ اور یہ خاص ہے نکرۃ موصوفۃ کے ساتھ اصح قول کے مطابق۔ یعنی رُبَّ ہمیشہ نکرۃ پر داخل ہوگا۔ اور نکرۃ بھی ایسا ہونا چاہیئے کہ آگے اُس کی صفت آئے۔ جیسے آپ کہتے ہیں، رُبَّ رَجُلٍ كَرِيْمٍ لَقِيْتُهُ: تو رُبَّ یہاں رَجُلٍ(نکرۃ) پر داخل ہوا، اور نکرۃ بھی ایسا ہے جس کی آگے صفت "کریم" آرہی ہے۔ تو رُبَّ ہمیشہ ایسے نکرۃ پر داخل ہوگا جس کی آگے صفت آرہی ہوگی۔

بھئی یہ کیوں؟ یہ رُبَّ ہمیشہ کیوں نکرۃ موصوفۃ پر کیوں داخل ہوتا ہے۔ بھئی اس لئے کہ مثلاً میں کہتا ہوں، "رجلٌ" تو اس میں سارے دنیا کے مرد آگئے۔ پھر میں اسکی صفت لاتا ہوں، "کریمٌ" یعنی "رجلٌ کریمٌ"۔ اب یہ دنیا کے سارے مردوں پر صادق نہیں آتا۔ کیونکہ غیرِ کریم اس سے خارج ہو گئے۔ تو اس کے مصداق میں تقلیل آگئی۔ اور جب تقلیل آگئی تو یہ مدلولِ رُبَّ کے مطابق ہو گیا۔

وَ فِعْلُهَا ماضٍ اور نیز رُبَّ کا فعل ہمیشہ ماضی ہوگا۔ مَحْذُوْفٌ غَالِبًا ایسا فعل ماضی جو اکثر محذوف ہوگا(قرینۃ کی وجہ سے) ۔ دیکھو بھئی! رُبَّ رجلٍ کریمٍ: بہت سے سخی افراد۔ تو بھئی "بہت سے سخی افراد" کو کیا ہوا اُنکو۔ تو آگے "لقیتهُ: میں نے اُن سے ملاقات کی ہے۔" تو دیکھو یہ جو "لقیتهُ" فعل ہے جسکا رُبَّ کے ساتھ تعلّق ہے۔ یہ ہمیشہ ماضی ہونا چاہیئے۔ ماضی اِس لئے کہ رُبَّ آتا ہے تقلیل کے لئے، اور تقلیل بھی ایسی جو کہ مُحَقَّق(پُختہ) ہو۔ یعنی ثابت ہو یعنی یقینی ہو۔ یعنی جو ثابت شدہ ہے۔ اور جو ثابت شدہ ہے وہ یقینی ہے۔ اور ماضی بھی یقینی ہوا کرتی ہے۔

نیز رُبَّ کا فعل قرینۃ قائم ہونے کی وجہ سے اکثر محذوف ہوگا۔

بھئی یہ جو رُبَّ ہے یاد رکھو! رُبَّ رَجُلٍ کریمٍ لَقِيْتُهُ میں یہ فعل ماضی لَقِيْتُهُ رُبَّ کا فعل ہے۔ اب یہ لَقِيْتُهُ متعلّق ہے رُبَّ کے ساتھ یا متعلق نہیں۔ تو اِس میں علماء کے دو گروہ ہیں۔ بعض علماءؒ فرماتے ہیں

که رُبَّ متعلّق ہے اپنے فاعل کے ساتھ۔ جبکہ دیگر علماءؒ فرماتے ہیں که رُبَّ کسی کے ساتھ متعلّق نہیں ہوتا۔ یعنی بعض علماء اسکو جار مجرور بنا کر اُس فعل سے متعلق کر دیتے ہیں اور بعض علماء اِسکو اُس فعل کے ساتھ متعلّق نہیں کرتے۔ اور دونوں گروہ اپنے اپنے دلائل دیتے ہیں۔ ہاں جو علماء اسکو فعل کے ساتھ متعلّق نہیں کرتے اُن کے دلائل قوی ہے۔

رُبَّ رَجُلٍ کریمٍ لَقِیْتُهُ کی ترکیب پہلے گروہ کے مطابق: رُبَّ: جارّہ، رَجُلٍ: موصوف، کریمٍ: صفت، موصوف صفت ملکر مجرور رُبَّ کے لئے، جار مجرور ملکر متعلق ہوئے لَقِیْتُ فعل سے۔

اور دوسرے گروہ کے مطابق یه لَقِیْتُ فعل سے متعلق نہیں ہوں گے۔ بلکه رَجُلٍ کریمٍ یه مبتدا ہے، لفظًا مجرور ہے اور محلاً مرفوع ہے۔ اور لَقِیْتُهُ اسکی خبر ہے۔ اور اِن کے دلائل قوی ہے۔

وَ قَدْ تَدْخُلُ علیٰ مُضمَرٍ مُبْہَمٍ اور کبھی کبھار رُبَّ داخل ہوتی ہے ایسی ضمیر پر جو مبہم ہوتی ہے۔ یعنی ایسا ضمیر جس کا ماقبل میں کوئی مرجع نہیں گزرا ہوگا۔ **مُمَیَّزٍ** اور اُسکی تمیز لائی جاتی ہے **بِنَکِرَۃٍ منصوبۃٍ** نکرۃ منصوبۃ کے ساتھ۔ جیسے رُبَّهُ رَجُلاً: دیکھو! پہلے ذکر کیا تھا که رُبَّ ہمیشه نکرۃ موصوفۃ پر داخل ہوتا ہے۔ اب ذکر کیا که رُبَّ کبھی کبھار مُبْہَم ضمیر پر بھی داخل ہو سکتا ہے۔ اور چونکه وہ ضمیر مُبہم ہوتی ہے تو آگے اُسکی منصوب تمیز کا آنا ضروری ہے۔ تو یہاں پر رُبَّ ایسے مُبہم ضمیر پر داخل ہوا جس کے آگے تمیز "رجلاً" آیا جو که نکرۃ بھی ہے اور منصوب بھی ہے۔

اب رُبَّ جس ضمیر پر داخل ہوتا ہے وہ کیسے ہوگا؟ آگے صاحبِ کافیهؒ اُس کے بارے میں بتلاتے ہیں۔ اِس میں دو مذاہب ہیں۔ مصنفؒ پہلے بصرۃ والوں کا مذہب ذکر فرما رہے ہیں۔ **والضَّمِیْرُ مُفْرَدٌ مذکَّرٌ** اور یه ضمیر ہمیشه مفرد مذکر ہوگی۔ یعنی تمیز کو نہیں دیکھیں گے۔ تمیز چاہے مفرد ہو، تثنیه ہو، جمع ہو، مذکر ہو یا مؤنث ہو ہر صورت میں ضمیر ہمیشه مفرد مذکر ہوگی۔ اور یه بصرۃ والوں کا مذہب ہے۔ بصرہ کے علماء فرماتے ہیں، رُبَّهُ رجلاً، رُبَّهُ رَجُلَیْنِ، رُبَّهُ رِجالاً، رُبَّهُ امْرَءَۃً، رُبَّهُ امْرَءَتَیْنِ، رُبَّهُ نِسَاءً، تو دیکھا تمیز بدلتا رہتا ہے لیکن ضمیر وہی مفرد مذکر رہا۔

اب مصنفؒ کوفه والوں کا مذہب ذکر فرما رہے ہیں۔ کوفه والے علماءؒ فرماتے ہیں که نہیں بھئی ضمیر کا تمیز کے ساتھ مطابقت اِفراد، تثنیه، جمع اور تذکیر و تانیث میں ضروری ہے۔ تو کوفه والوں کے نزدیک یوں کہیں گے، رُبَّهُ رجلاً، رُبَّهُما رجُلَیْنِ، رُبَّهُمْ رِجالاً، رُبَّها اِمْرَءَۃً، رُبَّهما اِمْرَءَتَیْنِ، رُبَّهُنَّ نِسَاءً، **خلافا للکوفیین** بخلاف کوفه والوں کے **فی مُطَابَقَةِ التَّمییزِ** تمیز کے ساتھ مُطابقَت میں۔ اسکی تفصیل اوپر گزری۔

وَ تَلْحَقُهَا مَا اور کبھی کبھار اِس رُبَّ کے ساتھ "ما" مل جاتا ہے۔ **فَتَدْخُلُ عَلَی الْجُمَلِ** تو پھر یه جملوں پر بھی داخل ہوتا ہے۔ اسکو "مائے کافّۃ" کہتے ہیں۔ بھئی دیکھو! پہلے بتلایا که رُبَّ کس پر داخل

ہوتا ہے، یعنی رُبَّ نکرۃ موصوفہ پر داخل ہوگا، یا رُبَّ ایسی ضمیر پر داخل ہوگا جو مُبہم ہوگی اور آگے اُسکی تمییز آئے گی، لیکن کبھی کبھار رُبَّ کے بعد "ما" آجاتا ہے۔ وہ "ما" اِس رُبَّ کو عمل کرنے سے روک دیتا ہے۔ اور اِس کو "ما کافّۃ" کہتے ہیں۔ پھر اِس صورت کے اندر یہ جملے پر بھی داخل ہو جاتا ہے۔ چاہے جملہ فعلیہ ہو یا چاہے جملہ اسمیہ ہو۔

وَ واوُھا تَدْخُلُ علیٰ نَکِرَۃٍ موصُوفَۃٍ اور رُبَّ کا واؤ، نکرۃ موصوفۃ پر داخل ہوتا ہے۔ واوُھا ای واوِ رُبَّ۔ رُبَّ تو ضمیر پر بھی داخل ہوتا تھا لیکن واوِ رُبَّ ضمیر پر داخل نہیں ہوتا۔ بھئی یہ واؤ، رُبَّ کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ اور یہ مابعد کو جرّ دیا کرتا ہے۔

اب اِس میں علماء کے دو گروہ ہیں۔ بعض علماءؒ فرماتے ہیں کہ یہ واؤ خود رُبَّ کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی رُبَّ کا نائب ہے، جو کام رُبَّ کر رہا تھا اب وہی کام واؤ کر رہا ہے۔

بعض علماءؒ فرماتے ہیں کہ نہیں یہ واؤ ہے عاطفہ۔ اور اسکے بعد رُبَّ محذوف ہوا کرتا ہے۔ تو عمل وہ رُبَّ کرتا ہے جبکہ واؤ عمل نہیں کرتا۔

یہاں سے صاحب کافیہؒ قَسم کے حروف کی بحث شروع کرنے لگے ہیں۔ یاد رکھو! قسم کے لئے تین حروف ہیں اصل۔ ایک ہے باء، ایک ہے واؤ اور ایک ہے تاء۔ لیکن اِن تینوں میں اصل باء ہے۔ پھر باء کی جگہ کبھی واؤ استعمال کرتے ہیں۔ تو یہ واؤ فرع ہے باء کی۔ اور پھر اِس واؤ کی آگے فرع آتی ہے تاء۔ تو تاء کی طرف دیکھتے ہوئے واؤ اصل ہے اور باء کی طرف دیکھتے ہوئے واؤ فرع ہے۔ تو باء چونکہ اصلُ الاصول ہے۔ سب حروفِ قسم میں سے اصل باء ہے۔ لہٰذا اس میں گنجائش بھی سب سے زیادہ ہے۔ یعنی سب سے زیادہ وُسعت باء کے اندر ہے۔ اور باء سے کم وُسعت واؤ کے اندر ہے۔ اور واؤ سے بھی کم وُسعت تاء کے اندر ہے۔

تو یاد رکھو! چھ قسم کی جگہوں پر باء استعمال ہو سکتی ہے۔ باء کے اندر حذفِ فعل بھی جائز ہے اور ذکرِ فعل بھی جائز ہے۔ میں کہتا ہوں، "بِاللّٰہِ"۔ یہاں پر میں نے "اُقسِمُ" فعل کو ساتھ ذکر نہیں کیا ہے اور صرف باللّٰہِ ذکر کیا ہے۔ پھر یہ باللّٰہِ متعلق ہوگا اُقسمُ فعل سے۔ تو دیکھو! فعل "اُقْسِمُ" محذوف ہے۔ تو باء کے اندر فعل کو حذف کرنا جائز۔ اور فعل کو ذکر کرنا بھی جائز ہے۔ آپ "اُقْسِمُ باللّٰہِ" بھی کہہ سکتے ہوں۔ اسی طرح یہ باء جس کے ذریعے قسم کھائی جاتی ہے۔ یہ طلب اور سوال کے لئے بھی آ سکتی ہے۔ جیسے میں کسی کو کہتا ہوں، "باللّٰہِ اَخْبِرْنِیْ": باللہ مجھے خبر دیجئے۔ تو اسکے اندر طلب ہے۔ تو طلب کے لئے باء آتی ہے۔ اور غیرِ طلب کے لئے بھی باء آجاتی ہے۔ جیسا کہ، "باللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ کذا: میں ایسا ضرور بالضرور کروں گا"۔ تو یہاں پر باء غیرِ طلب کے لئے آئی۔ تو "باء" طلب کے لئے بھی آتی ہے اور غیرِ طلب کے لئے بھی آتی ہے۔

اسی طرح باء جو ہے اسم ظاہر پر بھی داخل ہوتی ہے اور اسمِ ضمیر پر بھی داخل ہوتی ہے۔ مثلاً قسم کھا رہے ہیں، "باللہِ"۔ تو لفظِ اللہ اسمِ ظاہر ہے اور اس پر باء داخل ہوئی۔ اور اسی طرح "بِکَ" میں کاف ضمیر پر بھی باء داخل ہوئی قسم کے لئے۔

خلاصہ یہ کہ باءِ قسمیہ چھ جگہوں میں استعمال ہوتی ہے۔ اسکے اندر قسم کے فعل کو ذکر کرنا بھی جائز اور قسم کے فعل کو حذف کرنا بھی جائز۔ اور اِس کے اندر جوابِ قسم کا سوال ہونا بھی جائز اور غیرِ سوال ہونا بھی جائز۔ اور اسکا مدخول اسمِ ظاہر بھی ہو سکتا ہے اور ضمیر بھی ہو سکتا ہے۔

واؤ کے اندر جو کہ باء کا نائب ہے یعنی باء کی فرع ہے، اُس میں گنجائش کم ہوگی۔ اب دیکھو! باء کے اندر فعل کو ظاہر کرنا بھی جائز تھا لیکن واؤ کے اندر فعل کو ظاہر کرنا جائز نہیں۔ آپ یوں تو کہہ سکتے ہیں، "واللہِ" لیکن یوں نہیں کہہ سکتے کہ "اُقْسِمُ واللہِ"۔ تو دیکھو فرع کے اندر گنجائش میں کمی آ گئی، اور فعل کو ظاہر کرنا جائز نہیں۔

آگے یہ تھا کہ باء کے اندر جوابِ قسم سوال کے لئے بھی آسکتا تھا اور غیر سوال کے لئے بھی آسکتا تھا۔ لیکن واؤ کے اندر جوابِ قسم غیرِ سوال کے لئے تو آئے گا لیکن سوال کے لئے نہیں آئے گا۔ آپ یوں نہیں کہہ سکتے ہیں کہ "واللہِ اَخْبِرْنِی" اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ "واللہِ لَاَفْعَلَنَّ کذا"۔

تیسری بات یہ تھی کہ باء اسم ظاہر پر بھی داخل ہو سکتی تھی اور اسم ضمیر پر بھی داخل ہو سکتی تھی۔ یاد رکھو! یہ واؤ قسمیہ صرف اسمِ ظاہر پر داخل ہو سکتا ہے اور اسمِ ضمیر پر داخل نہیں ہو سکتا۔ آپ یوں تو کہہ سکتے ہیں، "واللہِ" یا "وَ رَبِّ الکَعْبَۃِ"۔ لیکن "وَکَ" یوں کہنا جائز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ واؤ کے اندر گنجائش کم ہوتی ہے۔ یہ صرف تین چیزوں کے لئے آسکتی ہے۔ اس میں فعل کو حذف کرنا ہی پڑے گا۔ یہ ہمیشہ غیرِ سوال ہی کے لئے آئے گا اور یہ صرف اسمِ ظاہر پر داخل ہوگا۔

پھر اِس واؤ کی فرع کبھی تاء آتی ہے۔ اور تاء کے اندر واؤ سے بھی گنجائش کم ہے۔ کہ تاء صرف اسم ظاہر پر داخل ہوتی ہے۔ اور اسم ظاہر بھی صرف لفظِ اللہ ہونا چاہیئے، اور کوئی لفظ نہیں۔ آپ واؤ کے ساتھ قسم کھا سکتے تھے کہ "واللہِ" اور "وَ رَبِّ الْکَعْبَۃِ" لیکن تاء میں صرف "تاللہِ" کہنا تو صحیح لیکن "تَرَبِّ الْکَعْبَۃِ" کہنا صحیح نہیں۔

وَ واوُ الْقَسَمِ اور واؤِ قسم جو ہے **اِنَّمَا تکونُ** یہ قسم والے حروف میں سے ہوگا **عِنْدَ حَذْفِ الْفِعْلِ** فعل کے حذف کرتے وقت۔ یعنی فعل کے ذکر میں واؤ کا لانا جائز نہیں۔ **لِغَیْرِ السُّوَالِ** اور یہ واؤ قسمیہ غیرِ سوال کے لئے ہوگا۔ یعنی سوال کے اندر "واللہِ اخبِرْنِی" کہنا صحیح نہیں۔ **مُخْتَصَّۃٍ بِالظَّاہِرِ** اور یہ واؤ قسم خاص ہے اسمِ ظاہر کے ساتھ۔ اور ضمیر کے ساتھ اسکا لانا صحیح نہیں۔ اس کی وضاحت اوپر گزر گئی۔

وَ التاءُ مثلُها اور تاء بھی واؤِ قسم کی مثل ہے۔ مُخْتَصَّةٌ بِاسْمِ اللّٰہِ تعالیٰ لیکن یہ خاص ہے اللہ تعالیٰ کے اسم کے ساتھ۔

و الباءُ اَعَمُّ منہما اور باء اِن دونوں سے عام ہے۔ فی الجمیع تمام مذکورۃ چیزوں میں وَ یُتَلَّقٰی الْقَسَمُ باللَّامِ اور جواب دیا جائے گا قسم کا لام کے ساتھ۔ تَلَقّٰی یُتَلَقّٰی: ملاقات کرنا، یہاں مراد ہے جواب دینا۔ بھئی یاد رکھو! جو بھی جواب قسم ہوگا وہ جملہ مثبت ہے تو اُس میں لام کا لانا واجب ہے۔ چاہیے جملہ اسمیہ ہو یا جملہ فعلیہ ہو۔ جب جملہ اسمیہ جواب قسم ہو تو، وَاللّٰہِ لَزَیْدٌ قائمٌ: یہاں پر "زیدٌ قائمٌ" جوابِ قسم ہے تو اِس پر لام کا لانا واجب ہے۔ اور اسی طرح جب جواب قسم جملہ فعلیہ ہو تو اُس میں بھی لام کا لانا ضروری ہے، جیسا کہ، "واللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ کَذَا"۔ تو یہاں پر "اَفْعَلَنَّ کَذَا" جوابِ قسم ہے اور جملہ فعلیہ ہے تو یہاں پر لام کا داخل کرنا واجب ہے۔

ہاں جملہ اسمیہ میں کبھی جوابِ قسم پر لام کے ساتھ ساتھ اِنَّ بھی لے آتے ہیں۔ جیسا کہ، "واللّٰہِ اِنَّ زیدًا لَقائمٌ"۔ تو لام کا لانا تو ضروری تھا لیکن ساتھ ساتھ کبھی اِنَّ بھی آجاتا ہے۔

وَ اِنَّ اور جملہ اِسمیہ میں جوابِ قسم میں لام کے ساتھ کبھی اِنَّ بھی آجاتا ہے۔

و حرفِ النَّفْیِ اور اگر کلامِ نفی ہو تو پھر جوابِ قسم میں حرفِ نفی کا لانا واجب ہے۔

بھئی یاد رکھو! پہلے قسم آتی ہے۔ پھر جس بات پر قسم اُٹھائی جاتی ہے اُسے جوابِ قسم کہلاتا ہے۔

اب یہ جو جوابِ قسم ہے اِس پر صاحبِ کافیہ نے چند شرائط ذکر فرمائی۔ یعنی جوابِ قسم اگر مثبت ہو تو پھر اِس پر لام کا لانا بھی واجب، اور اگر کلام منفی ہے تو پھر جوابِ قسم پر "ما یا لا" وغیرہ کا لانا واجب ہے۔ اور نیز جملہ اسمیہ ہو اور مُثبت ہو تو کبھی اِس میں جواب قسم پر لام کے ساتھ ساتھ اِنَّ بھی داخل کرتے ہیں۔

لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس بات پر قسم اُٹھائی ہے، وہ جملے کے درمیان میں آجاتی ہے۔ جیسے پہلے تھا کہ واللّٰہِ لَزَیْدٌ قائمٌ۔ اب واللہ کو درمیان میں لاؤ جیسا کہ، زیدٌ واللّٰہِ لَقائمٌ ۔ اب زیدٌ قائمٌ کو جواب قسم نہیں کہیں گے بلکہ اس کو "دال بالجواب" کہیں گے۔ یعنی یہ جواب پر دلالت کر رہا ہے۔ اور اِس کو جواب قسم نہیں بنائیں گے کیونکہ جوابِ قسم تو قسم کے بعد آتا ہے اور یہ تو آدھا قسم سے پہلے آچکا ہے۔

یا کبھی قسم بالکل آخر میں آجاتی ہے۔ جیسا کہ زیدٌ قائمٌ واللّٰہِ، تو اب زیدٌ قائمٌ کو جوابِ قسم نہیں بنا سکتے کیونکہ جوابِ قسم تو ہمیشہ قسم کے بعد آتی ہے۔ اور یہ تو قسم پر مقدَّم ہے تو اِس کو "دال بالجواب" کہتے ہیں۔

اور جب "دال بالجواب" آجائے، تو پھر جوابِ قسم کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور پھر جوابِ قسم کو ذکر نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ یہی "دال بالجواب" تو قسم پر دلالت کرتی ہے۔ اور جب "دال بالجواب" بھی لایا جائے اور قسم بھی لایا جائے تو پھر یہ تو تکرار لازم آئے گا۔ اور تکرار مناسب نہیں۔ جیسا کہ میں کہتا ہوں، "زیدٌ قائمٌ واللہِ لَزیدٌ قائمٌ" تو یہ تو تکرار آگیا۔ اور تکرار مناسب نہیں۔ تو لہٰذا جب "دال بالجواب" آجائے تو پھر جوابِ قسم کو حذف کیا جاتا ہے۔ اور نیز اِس صورت کے اندر پھر اُن شرائط کی رعایت بھی ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ تو جوابِ قسم ہے ہی نہیں۔ تو لام کا لانا ضروری نہیں، اِنَّ کا لانا ضروری نہیں۔

و یُحذَفُ جوابُہُ اِذَا اعْتَرَضَ اور جوابِ قسم کو حذف کر لیا جاتا ہے جب قسم درمیان میں آجائے۔ اِعْتَرَضَ یَعْتَرِضُ: درمیان میں آجانا، **اَوْ تَقَدَّمَهُ** یا اُس قسم پر مقدَّم ہو جائے۔ ھا ضمیر قسم کو راجع ہے۔ **ما** ایسی چیز کوئی **یَدُلُّ علیهِ** ای یَدُلُّ علیٰ جوابِہٖ: جو دلالت کر رہی ہو اُس کے جواب پر۔ یعنی دلالت کر رہی ہو جوابِ قسم پر۔ اِسکی تفصیل اور مثالیں اوپر گزر گئی۔

وَ عَنْ لِلْمُجَاوَزَةِ اور عَنْ مُجاوَزَة کے لئے آتا ہے۔ مُجاوَزَة کا معنیٰ ہے تَجاوُز کرنا۔ ایک چیز سے دوسری چیز تک پہنچنا۔ یعنی ایک چیز سے آگے بڑھ جانا۔ جیسے آپ کہتے ہیں، رَمَیْتُ سَھْمَ عَنِ الْقَوْسِ: میں نے تیر کو کمان سے پھینکا۔ تو دیکھو! تیر کمان سے تجاوز کر گیا۔ پھر کبھی یہ آگے بڑھنا اِس طریقے پر ہوگا کہ یا تو یہ جدا ہوگا اُس چیز سے یا جدا نہیں ہوگا اُس چیز سے۔ جیسے دیکھو! "رمیتُ سَھْمَ عَنِ الْقَوْسِ"۔ تو یہاں پر تیر، کمان سے دور چلا گیا۔ اور ایک ایسا ہوتا ہے کہ وہ جدا نہیں ہوگا، جیسا کہ "اَخَذْتُ عَنْکَ عِلْمًا: میں نے آپ سے علم حاصل کیا"۔ یعنی علم آپ سے تجاوز کرکے مجھ تک آگیا۔ لیکن یہ علم آپ سے جدا نہیں ہو گیا۔ تو معلوم ہوا کہ تجاوز ضروری ہے لیکن کبھی یہ جدا ہوگا اور کبھی یہ جدا نہیں ہوگا۔

وَ علیٰ لِلْاِسْتِعْلاءِ اور علیٰ اِسْتِعْلاء کے لئے آتا ہے۔ یہ بتلانے کے لئے کہ ایک چیز دوسری چیز کے اوپر ہے۔ جیسا کہ، زیدٌ علَی السَّطْحِ: زید چھت پر ہے۔ **و قد یکونانِ اسْمَیْنِ** اور کبھی کبھار یہ دونوں اسم ہوتے ہیں۔ یعنی "عَنْ" اور "علیٰ" دونوں کبھی کبھی اسم ہوتے ہیں۔ **بِدُخُولِ مِنْ علیْھِما** مِنْ کے داخل ہونے کی وجہ سے اِن دونوں پر۔ یعنی عَنْ اور علیٰ پر کبھی کبھی مِنْ داخل ہو جاتا ہے۔ اور مِنْ تو ہے حرفِ جرّ اور یہ دونوں بھی حرفِ جرّ ہیں۔ تو اِن دونوں پر تو مِنْ داخل نہیں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن جب اِن دونوں پر مِنْ داخل ہوتا ہے تو اِس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں اِسم ہیں۔ کیونکہ حرفِ جرّ ہمیشہ اسم پر داخل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر: جلستُ مِنْ عَنْ یَّمِیْنِکَ: اور مِنْ تو حرفِ جرّ ہے اور حرفِ جرّ تو اسم پر داخل ہوتا ہے۔ تو "عَنْ" یہاں پر اسم کے معنیٰ میں ہے۔ تو گویا اصل عبارت یوں

ہے، "جلستُ مِنْ جانبِ یَمِیْنِکَ: میں تیرے دائیں جانب میں بیٹھا۔" تو یہاں پر عَنْ جانب کے معنیٰ میں ہوا۔

اور علیٰ فوق کے معنیٰ میں ہوگا۔ جیسے آپ کہتے ہیں، نَزَلْتُ مِنْ عَلَی الْفَرَسِ: تو یہاں "علیٰ" پر مِنْ داخل ہوا تو اسکا مطلب ہوا کہ "علیٰ" اسم ہے۔ اور یہ "فَوْق" کے معنیٰ میں ہے۔ تو عبارت یوں بنے گا، "نَزَلْتُ مِنْ فَوْقِ الفرسِ": میں گھوڑے کے اوپر سے اُترا۔

و الکافُ لِلتَّشْبِیْهِ اور کاف کبھی تشبیہ کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ، "زیدٌ کَالْاَسَدِ: زید شیر کی طرح ہے"۔ تو یہاں پر کاف کے ذریعے آپ نے تشبیہ دی۔ و زائدةٌ اور کبھی کبھار یہ کاف زائدہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ، "لیسَ کَمِثْلِهٖ شَیْئٌ:" دیکھو! کاف بھی آیا اور مثل بھی آیا۔ اب علماءؒ فرماتے ہیں یہ کاف زائدہ ہے۔ اور اسکا معنیٰ "لیسَ مِثْلَهٗ شَیْئٌ " ہے۔ اور ترجمہ، "اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔"

بھئی اِس کاف کو زائدہ کیوں بنایا؟ اگر اِس کاف کو زائدہ نہ بنایا جائے تو پھر معنیٰ خراب ہو جاتا ہے۔ معنیٰ کیسے خراب ہوتا ہے؟ کہتے ہیں کہ اگر کاف بھی مثل کے معنیٰ میں لیا جائے اور مثل خود بھی آرہا ہے، تو اب دونوں رکھئے ذرا، تو معنیٰ ہو جائے گا، " اللہ کے مثل کا مثل نہیں۔" تو اگر کاف کو زائدہ نہ مانے تو اِس سے تو معنیٰ خراب ہو جاتا ہے۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا مثل تو ہے لیکن آگے اِس مثل کا کوئی مثل نہیں۔ اور حالانکہ یہ مقصد یہاں پر بتلانا مقصد نہیں ہے۔ تو معنیٰ خراب ہو جاتا ہے اِس لئے علماء اِس کاف کو زائدہ بناتے ہیں۔

لیکن علماء محققین فرماتے ہیں کہ یہ کاف کو زائدہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ اور یہ دراصل کنایة ہے۔

کنایة: یاد رکھو! کنایة اس کو کہتے ہیں کہ ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا۔ مثلاً میں صراحةً آپ کو بتلاتا ہوں کہ زید لمبے قد والا ہے۔ تو یہ تو میں نے آپ کو صراحةً بتایا کہ زید کا قد لمبا ہے۔ ابھی میں کنایة کے طریقے پر آپ کو بتلاتا ہوں، زید لمبی قمیص والا ہوں۔ اور میں بتلانا یہ چاہتا ہوں کہ زید لمبی قد والا ہے۔ تو یہ میں نے کنایةً کہا۔ مطلب یہ کہ میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ زید لمبے قد والا ہے اور کنایةً یہ بتلایا کہ زید لمبی قمیص والا ہے۔ تو یہاں پر میں نے ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کیا۔ یعنی لمبی قمیص ملزوم ہے اور اسکے ساتھ لازم ہے لمبی قد والا ہونا۔ یعنی قمیص جب بھی لمبی ہوگی تو لازمی بات ہے کہ قد بھی لمبا ہوگا۔

ہاں اِس سے وہی ملزوم کا ارادہ کرنا بھی صحیح ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ قمیص لمبی ہے۔ تو یہ ارادہ بھی صحیح ہے۔ تو آپ یہ ارادہ بھی لے سکتے ہیں لیکن یہاں پر میرا یہ ارادہ نہیں کہ قمیص لمبی ہے بلکہ قد لمبا ہے۔ تو ملزوم بول کر لازم کا ارادہ کرنا کنایة کہلاتا ہے۔ تو یہاں پر قمیص ملزوم ہے اور لمبا قد لازم ہے۔

تو علماء فرماتے ہیں کہ "لیسَ کَمِثْلِہٖ" میں بھی کنایۃ ہے۔ اور کنایۃ کس طرح ہے؟ کہ اللہ کے مثل کا مثل نہیں۔ تو یہ کہا گیا کہ "ذاتِ باری تعالیٰ کے مثل کا مثل نہیں"۔ اور ارادہ یہ ہے کہ "ذاتِ باری تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں"۔

یہاں پر یہ ارادہ کیا گیا کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں۔ تو یہ صراحۃً نہیں کہا گیا۔ بلکہ یہ کہا گیا کہ "ذاتِ باری تعالیٰ کے مثل کا مثل نہیں"۔ اور ارادہ اس کلام سے یہ ہے کہ "ذاتِ باری تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں"۔ تو یہ کنایۃ کے انداز میں ادا کیا گیا۔

ھاں ایک قیمتی بات یاد رکھو! یہ جو کنایۃ ہوتا ہے "اَلْکِنَایَۃُ اَبْلَغُ مِنَ الصَّرِیْحِ" مشہور ضابطہ ہے۔ یعنی کنایۃ اعلیٰ اور افضل ہوتا ہے صریح سے۔ ایک ہوتی ہے سیدھی بات اور ایک ہوتی ہے کنایۃ کی انداز میں بات۔ تو کنایۃ اعلیٰ ہے۔ کنایۃ اس وجہ سے اعلیٰ ہے کہ اِس میں دعوے کے ساتھ ساتھ دلیل بھی آجاتی ہے۔ بھئی میں صراحۃً کہہ دیتا کہ زید لمبے قد والا ہے۔ یہ تو دعویٰ ہے اور ساتھ میں کوئی دلیل نہیں۔ لیکن جب میں نے کہا زید لمبی قمیص والا ہے تو اب دعوے کے ساتھ ساتھ دلیل بھی آگئی۔ دعویٰ یہ تھا کہ زید لمبے قد والا ہے اور دلیل بھی آگئی کہ زید اس لئے لمبے قد والا ہے کہ اُس کی قمیص بھی لمبی ہے۔ تو کنایۃ اعلیٰ ہوتا ہے صراحۃً سے۔ کیونکہ کنایۃ میں دعوے کے ساتھ ساتھ دلیل بھی ہوتا ہے۔

تو یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میرا کوئی مثل نہیں۔ لیکن اسی بات کو کنایۃ کے انداز میں ذکر کیا گیا۔ کہ میرے مثل کا کوئی مثل نہیں۔

جیسے دیکھئے! زید ہے، آپ کہنا یہ چاہتا ہے کہ زید کا بھائی نہیں۔ تو صراحۃً آپ اس طرح کہہ سکتے ہوں کہ زید کا بھائی نہیں۔ اور ایک کنایۃ کے انداز میں کہے کہ زید کے بھائی کا بھائی نہیں۔ تو اِس میں دعوے کے ساتھ دلیل بھی آگئی۔

تو یہاں بھی اسی انداز میں قرآن مجید میں کنایۃ ہے کہ اللہ کے مثل کا مثل نہیں اور اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کا مثل نہیں۔ اس لئے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کا اگر کوئی مثل ہوتا تو اُس کے مثل بھی خود اللہ تعالیٰ ہوتے۔ تو یہ دعوے کے ساتھ دلیل بھی آگئی۔ اللہ کا کوئی مثل نہیں، یہ دعویٰ ہے۔ اور دلیل ساتھ یہ آگئی کہ اللہ کا مثل کوئی ہوتا تو اُس مثل کا بھی کوئی مثل ہوتا۔ لیکن اُس مثل کا تو کوئی مثل نہیں تو معلوم ہوا کہ اللہ کا بھی کوئی مثل نہیں۔

و قد تکونُ اسْمًا اور کبھی کبھار کاف اسم بھی آجاتا ہے۔ جب اس پر کوئی حرفِ جرّ داخل ہو جائے تو پھر یہ کاف اسم ہوتا ہے۔ جیسا کہ "یَضْحَکْنَا عَنْ کَالْبَرَدِ الْمُنْھَمِّ:" تو یہاں کاف پر عن داخل ہوا تو اِس کا مطلب یہ ہے کہ کاف حرف نہیں بلکہ اسم ہے۔

و تُختَصُّ بالظَّاھِرِ اور یہ کاف خاص ہے اسم ظاہر کے ساتھ۔ یعنی یہ ضمیر پر داخل نہیں ہوتا۔

و مُذْ و مُنْذُ للزمان اور مُذْ اور مُنْذُ زمانے کے لئے آتے ہیں۔ مُذْ اور مُنْذُ کبھی اسم کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں اور مبتدا بنتے ہیں۔ ظروف کے بحث میں ہم نے پڑھا تھا۔ تو یہ پانچ یعنی، "عن، علی، کاف، مُذْ اور مُنْذُ" کبھی حرف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اور کبھی اسم کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ **لِلاِبتداء فی الماضی** ماضی میں ابتداء کے لئے۔ یعنی مُذْ اور مُنْذُ زمانہ ماضی میں کسی فعل کی ابتدا بتلانے کے لئے آتے ہیں۔ بھئی میں کہتا ہوں، ما رأیتُ زیدًا مُنذُ یومِ الجمعةِ: یعنی میرے نہ دیکھنے کی ابتدا جمعة کے روز سے ہو رہی ہے۔

تو یہاں یہ مُنْذُ جارّہ ہے کیونکہ اسکے بعد یہ جرّ دے رہا ہے۔ پس اگر مُذْ اور مُنْذُ جرّ دے رہے ہیں تو یہ حروفِ جارّہ میں سے ہیں اور اگر اِن دونوں کا مابعد مرفوع ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ حروفِ جارّہ نہیں بلکہ یہ دونوں اسم ہیں۔ **و الظرفیة فی الحاضر** اور نیز یہ مُذْ اور مُنْذُ ظرفیة کے لئے بھی آتے ہیں زمانہ حاضر میں۔ **نحوُ ما رایتُهُ مُذْ شَهْرِنا** میں نے اُس کو نہیں دیکھا اپنے مہینے سے۔ یعنی جس میں، میں اس وقت موجود ہوں۔ یعنی میں نے اُس کو اِس مہینے سے نہیں دیکھا جب سے یہ مہینہ شروع ہوا ہے۔ تو یہ عدمِ رؤیت اِس حاضر مہینے کے اندر اندر ہے۔ تو یہ ظرفیة کے لئے آیا۔ یعنی عدمِ رؤیت کے لئے یہ مہینہ ظرف ہے۔ یعنی میرا نہ دیکھنا اسی مہینے کے اندر سے ہے۔ تو نہ دیکھنے کے لئے ظرف یہی حاضر موجود زمانہ ہوا۔ **و منذُ یومِنا** یا میں نے نہیں دیکھا اُس کو اپنے دن سے۔ یعنی یہ دن جن میں ہم موجود ہے یعنی آج کے دن سے۔

و حاشا و عدا و خلا لِلاِسْتِثْنَاءِ اور حاشا، عدا اور خلا اِسْتِثْناء کے لئے آتے ہیں۔ مثلاً، جاءَنِی القومُ حاشا زیدٍ: آئی میرے پاس قوم سوائے زید کے۔ تو دیکھو! حاشا نے آگے جرّ دیا ہے۔ یاد رکھو! یہ "حاشا، عدا اور خلا" جیسے حرف کے طور پر استعمال ہیں تو کبھی فعل کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جب یہ تینوں فعل کے طور پر استعمال ہوں گے تو اِن کا مابعد منصوب ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں، جاءَنِی القومُ حاشا زیدٍ ، میں یہ حاشا حرفِ جرّ ہے۔ اور میں کہتا ہوں، جاءَنِی القومُ حاشا زیدًا، تو یہاں پر یہ حاشا حرف جرّ نہیں بلکہ فعل ہے، اور مابعد کو نصب دے رہا ہے مفعول ہونے کی بناء پر۔

نیز اگر حاشا، عدا اور خلا جملے کے شروع میں آئے، تو یاد رکھو! یہ ہمیشہ فعل کے معنیٰ میں استعمال ہوں گے۔ اور پھر اِن کا مابعد مجرور نہیں ہوگا بلکہ منصوب ہوگا۔ اور جب اِن پر "ما" داخل ہو جائے جیسا کہ "ما عدا" اور "ما خلا" تو پھر بھی یہ فعل کے طور پر استعمال ہوں گے اور پھر یہ جرّ نہیں دیں گے۔

درس 108۔

اَلْحُرُوفُ الْمُشَبَّهَةَ بِالْفِعْلِ وَهِیَ اِنَّ و اَنَّ و کَاَنَّ ولٰکِنَّ و لیت و لعلَّ

آج ہم حروف مشبہ بالفعل کی بحث پڑھیں گے۔ یہ چھ حروف ہیں۔ فعل کے ساتھ اِن کی مشابہت لفظًا بھی ہے اور معنًی بھی ہے۔ لفظًا مشابہت اِس طور پر ہے کہ جیسے فعل ماضی کا آخر مبنی علَی الفتْحَ ہوتا ہے اِسی طرح اِن سب کا آخر بھی مبنی علَی الفَتْحَ ہے۔ نیز لفظی مشابہت اِس لحاظ سے بھی ہے کہ جس طرح فعل ثلاثی بھی ہوتا ہے رُباعی بھی ہوتا ہے خُماسی ہوتا ہے، اِسی طرح یہ بھی کچھ ثلاثی ہیں، کچھ رُباعی ہیں اور کچھ خماسی ہیں۔ دیکھئے! اِنَّ، اَنَّ اور لیتَ یہ تینوں ثلاثی ہیں، کَاَنَّ اور لَعَلَّ یہ دونوں رُباعی ہیں اور لٰکِنَّ یہ خماسی ہے۔ تو یہ بھی لفظی مشابہت ہوئی۔

یہاں فعل کو ہم نے ثلاثی، رباعی اور خماسی کہا، اس سے مراد یہ ہے کہ جس کے ماضی میں اگر تین حروف ہوں تو یہ ثلاثی کہلاتا ہے، ماضی میں اگر چار حروف ہوں تو رباعی اور اگر ماضی میں پانچ حروف ہوں تو خماسی۔ اس سے وہ اصطلاحی ثلاثی مجرد اور رباعی مجرد مراد نہیں۔ جیسے ضربَ کے اندر تین حروف ہیں، اَکْرَم کے اندر چار حروف ہیں، تَصَرَّفَ کے اندر پانچ حروف ہیں۔ تو حروف کے اعتبار سے ضربَ ثلاثی ہوا، اکرم رباعی ہوا اور تَصَرَّف خماسی ہوا۔

نیز فعل متعدّی جیسے ایک فاعل کو چاہتا ہے اور ایک مفعول کو چاہتا ہے، اور فاعل کو رفع دیتا ہے اور مفعول کو نصب دیتا ہے۔ اسی طرح یہ حروف بھی دو اسم چاہتے ہیں۔ ایک اسم کو نصب دیتا ہے اور ایک اسم کو رفع دیتا ہے۔ جیسا کہ، اِنَّ زیدًا قائمٌ۔ تو دیکھو فعل کے ساتھ تین مشابہتیں لفظی آگئی۔

اور معنوی لحاظ سے بھی اِن کی فعل کے ساتھ مشابہت ہے۔ اس لئے کہ یہ سارے کسی نہ کسی فعل کا معنیٰ ادا کرتے ہیں۔ جیسے اِنَّ اور اَنَّ تاکید کے لئے آتے ہیں تو یہ اَکَدُّ کا معنیٰ ادا کرتے ہیں۔ اَکَدُّ ، یہ اکَدَّ یُاَکِّدُ سے متکلم کا صیغہ ہے۔ اسی طرح کَاَنَّ شَبَّہْتُ فعل کے معنیٰ میں ہے۔ لٰکِنَّ یہ اِسْتَدْرَکْتُ کے معنیٰ میں ہے۔ لیتَ، تَمَنَّیْتُ کے معنیٰ میں ہے اور لَعَلَّ یہ تَرَجَّیْتُ کے معنیٰ میں ہے۔

تو حروفِ مشبّہ بالفعل، لفظوں میں بھی فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور معنیٰ کے لحاظ سے بھی فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ تو اِس وجہ سے اِن کو حروفِ مشبّہ بالفعل کہتے ہیں۔

و لها صدرُ الکلامِ اور اِن کے لئے صدرِ کلام ہے۔ یعنی یہ صدارتِ کلام کو چاہتے ہیں۔ اِس لئے کہ اِن میں سے ہر ایک جو ہے کسی نہ کسی نوعِ کلام پر دلالت کرتا ہے۔ اِنَّ کلامِ مؤکَّد کے لئے آتا ہے۔ کَاَنَّ تشبیہ کے لئے آتا ہے۔ لٰکِنَّ، اِسْتِدْرَاک کے لئے آتا ہے۔ لیتَ، تَمَنِّی کے لئے آتا ہے، اور لَعَلَّ، تَرَجِّی کے لئے آتا ہے۔ تو لہٰذا اِن کے لئے صدارتِ کلام چاہئے تا کہ اوّلِ امر ہی سے پتہ چل جائے کہ یہ کس نوع کا کلام ہے۔

سِوٰی اَنَّ سِوائے اَنَّ کے **فَهِيَ بِعَكْسِهَا** یہ اِن کے عکس ہے۔ یعنی اَنَّ اِن پانچوں کے عکس ہیں۔ باقی پانچ جو ہیں وہ صدارتِ کلام کو چاہتا ہے اور اَنَّ عدَمِ صدارت کو چاہتا ہے۔ اَنَّ چاہتا ہے کہ اِس کو شروع میں نہ لایا جائے۔ اِس لئے کہ اِسم اور خبر پر داخل ہوتا ہے اور اُس کو مفرد کی تاویل میں کر دیتا ہے۔ دیکھئے میں نے کہا! اِنَّ زیدًا قائمٌ: تو دیکھئے یہ پورا جملہ ہے، کوئی آپ سے اِس کا ترجمہ اور مفہوم

پوچھئے۔ تو آپ کہیں گے، یقیناً زید کھڑا ہے۔ لیکن اگر آپ سے کوئی پوچھے که اَنَّ زیدًا قائمٌ اسکا کیا معنیٰ ہے؟ تو آپ اسکا یه معنیٰ نہیں کرنا که، "یقیناً زید کھڑا ہے"۔ یه تو پورا جمله ہو گیا اور بات پوری ہو گئی اور دوسرے کو مفہوم پورا سمجھ میں آگیا۔ جبکه اَنَّ مابعد جملے کو مفرد کی تاویل میں کر دیتا ہے۔

اور اسکا طریقه یه ہے که مضمونِ جمله کو نکالو۔ مضمونِ جمله یه ہے که خبر کے مصدر کو نکال کر اِن کے اسم کی طرف مضاف کر دو۔ تو اَنَّ زیدًا قائمٌ میں قائمٌ خبر ہے اور اسکا مصدر قیام آتا ہے۔ جبکه اَنَّ کا اسم زید ہے۔ تو مصدر کی اضافت اسم کی طرف کرو تو "قِیامُ زیدٍ" مضمونِ جملة بن جاتا ہے۔ تو یه "اَنَّ زیدًا قائمٌ" قیامُ زیدٍ کے معنیٰ میں ہے۔ تو اب اگر کوئی آپ سے پوچھے که "اَنَّ زیدًا قائمٌ" کا کیا معنیٰ ہے؟ تو آپ کہیں گے که قیامُ زید یعنی زید کا قیام۔ اور اس سے بات پوری نہیں ہوئی۔ سُننے والے کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ کیونکه "زید کا قیام" جملے کا ایک جُز بنتا ہے اور پورا جمله نہیں بنتا۔ اور اِس کے لئے پھر دوسرا جُز چاہئے تا که کلام سمجھ میں آئیں۔

تو یه جملے کا جُز بنتا ہے اور اس کے لئے ایک اور جُز چاہئے۔ پس اگر یه صدارت کلام میں آجائے، پھر اَنَّ کا التباس اِنَّ کے ساتھ آئے گا اور پته ہی نہیں چلے گا که یه اَنَّ ہے یا اِنَّ ہے۔ پس لہٰذا جب اِنَّ نے صدارتِ کلام کا تقاضا کیا تو اَنَّ نے عدمِ صدارت کا تقاضا کیا۔

اور یاد رکھنا! بنو تمیم والے اَنَّ کے ہمزہ کو عین سے بدل کر پڑھتے ہیں۔ مثلاً ہے "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدَالرَّسُوْلُ اللّٰهِ" تو بنی تمیم والے اسکو "اَشْهَدُ عَنَّ مُحَمَّدَالرَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھتے ہیں۔ اسکو عَنْعَنَۂ بنو تمیم کہتے ہیں۔

و تَلْحَقُهَا مَا اور اِن کے ساتھ "ما" مل جاتا ہے۔ اسی کو "یَلْحَقُها ما" بھی پڑھ سکتے ہیں۔ فَتُلْغیٰ تو یه لغو ہو جاتے ہیں عمل سے۔ یعنی یه عمل نہیں کرتے۔ عَلَى الْاَفْصَحِ اَفْصَحِ لُغت کے مطابق۔ "ما" اس کے ساتھ آخر میں مل جائے گا۔ جیسا که "اِنَّمَا، اَنَّمَا، کَاَنَّمَا، لٰکِنَّمَا، لَیْتَمَا اور لَعَلَّمَا "۔ تو جب ان کے ساتھ "ما" جاتا ہے تو "ما" اِن کے عمل کو باطل کر دیتا ہے۔ اور یه اَفصح لغت ہے۔ جبکه بعض علماء "ما" کے آنے کے بعد بھی اِن کو عامل بناتے ہیں۔ لیکن "لیتَ" کے اندر اِعمال بھی جائز ہے۔ جیسا که "لیتَمَا زیدًا قائمًا"۔ یہاں پر "لیتَ" عمل کر رہا ہے "ما" کے داخل ہونے کے بعد بھی۔

اِسکو "ما کافّة" کہتے ہے۔ کَفَّ یَکُفُّ کا معنیٰ ہوتا ہے "روکنا"۔ تو اِس "ما" نے بھی اِن حروف کو عمل سے روک دیا۔

تو یه حروف ایک اسم چاہتا ہے اور ایک خبر چاہتا ہے۔ یعنی یه مبتدا اور خبر پر داخل ہوں گے۔ یعنی یه دو اسموں پر داخل ہوں گے۔ لیکن جب "ما" نے اِن کو عمل سے روک دیا۔ تو اب یه فعل پر بھی داخل ہو سکتے ہیں۔

وَ تَدْخُلُ حینئذٍ علَى الْاَفعالِ اور اُس وقت یه افعال پر بھی داخل ہوتے ہیں۔ فَاِنَّ لا تُغَیِّرُ مَعْنَی الْجُمْلَةِ اِنَّ جو ہے، جمله کے معنیٰ کو بدلتا نہیں۔ اور اِنَّ صرف تاکید پیدا کرتا ہے۔ یعنی زیدٌ قائمٌ یه

مبتدا خبر یعنی پورا جملہ ہے۔ اِس پر اَنَّ بھی داخل ہوتا ہے اور اِنَّ بھی داخل ہوتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اِنَّ اِس کے معنیٰ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کریگا۔ یعنی جیسا زیدٌ قائمٌ پہلے پورا کلام اور جملۃ تھا اب بھی پورا کلام اور جملۃ ہے۔ لیکن اَنَّ اسکو مفرد کی تاویل میں کر دیگا۔ وَ اَنَّ مَعَ جُمْلَتِهَا فِی حُكْمِ الْمُفْرَدِ اور اَنَّ اپنے جملے کے ساتھ مفرد کے حکم میں ہوتا ہے۔ اسکا طریقہ اوپر گزر گیا کہ خبر کے مصدر کو اِس کے اسم کی طرف مضاف کر دو۔

اب آپ کو صاحب کافیہؒ یہ بتلا رہے ہیں کہ اِنَّ کہاں پڑھنا ہے اور اَنَّ کہاں پڑھنا ہے۔ تو بتلا رہے ہیں کہ جو جملے کا مُقام ہو وہاں پر اِنَّ پڑھو اور جو مفرد کا مقام ہو تو وہاں پر اَنَّ پڑھو۔ وَ مِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے وَجَبَ الْكَسْرُ فِی مَوْضِعِ الْجُمَلِ اور اسی وجہ سے کسرہ واجب ہے جملوں کی جگہ میں۔ یعنی ہمزہ پر کسرہ پڑھنا۔ یعنی اِنَّ پڑھنا جملہ کے شروع میں واجب ہے۔ و الفتحُ اور فتحة واجب ہے۔ فِی مَوْضِعِ الْمُفْرَدِ مفرد کے مقام میں۔ یعنی مفرد کے مقام میں اَنَّ پڑھنا ہے۔

دیکھئے! اب صاحبِ کافیہ کچھ جگہیں بھی فرمائیں گے کہ کونسی جگہیں جملوں والی ہے اور کونسی جگہیں مفرد والی ہے۔

اب وہ جگہیں بتلا رہے ہیں جو کہ جملے ہیں۔ اور وہاں پر ہمزہ کو مکسور پڑھنا یعنی اِنَّ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ فَكُسِرَتْ اِبْتِدَاءً ای فَكُسِرَتْ وَقْتَ اِبْتِدَاءٍ: وقت مضاف یہاں محذوف نکالو اور یہ ظرف واقع ہوگا۔ پس کسرہ دیا جائے گا ابتدا کے وقت میں۔ یعنی اگر ابتدائے کلام کی جگہ پر آجائے تو پھر اس کے ہمزہ کو مسکور پڑھیں گے۔ یعنی ابتدائے کلام میں اِنَّ پڑھا جائے گا۔ وَ بعدَ الْقَوْلِ اور اسی طرح قول کے مادّے کے بعد بھی اِنَّ پڑھیں گے۔ جیسا کہ، قالَ اِنَّ زیدًا قائمٌ۔ تو قالَ کے بعد اِنَّ پڑھا کیونکہ قالَ کا مقولہ جملہ ہوا کرتا ہے۔ اور قول کا مادّہ چاہیے مصدر کی شکل میں ہو، ماضی کی شکل میں ہو یا مضارع کی شکل میں، یعنی جس بھی شکل میں ہو تو قول کے مادّے کے بعد اِنَّ پڑھیں گے۔ و الموصولِ ای بعدَ الْمَوْصُوْلِ: اسی طرح اسمِ موصول کے بعد بھی اِنَّ پڑھیں گے۔ کیونکہ اسم موصول کا صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے۔

اب وہ جگہیں بتلا رہے ہیں جو کہ مفرد ہیں۔ اور وہاں پر ہمزہ کو مفتوح پڑھنا یعنی اَنَّ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ وَ فُتِحَتْ اور اسکے ہمزہ کو فتحة دیا جائے گا۔ یعنی اَنَّ پڑھا جائے گا۔ فاعلةً اس حال میں کہ یہ فاعل بنے۔ بھئی دیکھو! میں کہتا ہوں، زیدٌ عالمٌ: زید عالم ہے۔ اب اس پورے جملے کو میں فاعل بنانا چاہتا ہوں، اور فاعل مفرد ہوا کرتا ہے تو میں اِس پر اَنَّ لے آؤں گا، تو اب میں کہوں گا، بَلَغَنِیْ اَنَّ زیدًا عالمٌ: پہنچی ہے مجھے یہ بات کہ زید عالم ہے۔ بَلَغَنِیْ: مجھے پہنچی ہے۔ اس میں "یا" متکلم کی ضمیر ہے اور مفعول ہے۔ اور جو بات پہنچی ہے وہ ہے فاعل۔ اور وہ بات "اَنَّ زیدًا عالمٌ: زید کا عالم ہونا" ہے۔ یعنی

مجھے زید کے عالم ہونے کی خبر پہنچی ہے۔ تو یہاں پر اِنَّ نہیں پڑھنا، کیونکہ یہ "زیدٌ عالمٌ" پورا جملہ جو آگے آرہا ہے یہ فاعل واقع ہو رہا ہے۔ اور فاعل مفرد ہوا کرتا ہے۔

و مفعولَةً اور اسی طرح اگر وہ مفعول بنے۔ یعنی اگر وہ جملہ مفعول بنے تو پھر بھی اَنَّ پڑھنا ہے۔ جیسے دیکھو! کَرِهْتُ اَنَّکَ قائمٌ: ای کَرِهْتُ قِیَامَکَ: میں نے نا پسند کیا آپ کے قیام کو۔ تو دیکھو یہ مفعول بن رہا ہے اور مفعول مفرد ہوا کرتا ہے تو اِس لئے یہاں پر اَنَّ پڑھا۔ ترکیب: کرهتُ فعل با فاعل، اور اَنَّک قائمٌ پورا جملہ بتاویل مفرد یہ مفعول بنا۔

و مبتدأً اور اسی طرح اگر یہ مفرد واقع ہو۔ کیونکہ مبتدا بھی مفرد واقع ہوتا ہے۔ پس اگر اَنَّ اپنے مدخول کے ساتھ مبتدا واقع ہو رہا ہو تو یہاں بھی شروع میں اَنَّ لے کر آئیں گے۔ **و مُضَافًا اِلَیْهَا** اور اسی طرح اگر مضافٌ الیه ہو تو پھر بھی اَنَّ پڑھیں گے۔ کیونکہ مضافٌ الیه بھی مفرد ہوا کرتا ہے۔

آگے مصنف رح "لَوْلَا اِمْتِنَاعِیّة" کے بارے میں بتلا رہا ہے۔ یہاں پر ہم "لَوْلَا اِمْتِنَاعِیّة" اور "لَوْلَا تحضیضیة" دونوں کی وضاحت کر رہے ہیں۔

یاد رکھو! یہ "لَوْلَا" دو قسم پر ہے۔ ایک "لَوْلَا تحضیضیة" ہے۔ تحضیض کا معنیٰ ہوتا ہے کسی کو اُبھارنا۔ اور دوسرا "لَوْلَا اِمْتِنَاعِیة" ہے۔ یاد رکھو! "لَوْلَا تحضیضیة" فعل پر داخل ہوتا ہے۔ اور تحضیض کا معنیٰ ہوتا ہے اُبھارنا۔ تو یہ کسی کام پر اُبھارنے کے لئے آتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "لَوْ لَا تَضْرِبُ زیدًا: تو زید کی پٹھائی کیوں نہیں کرتا"۔ یعنی تجھے اُس کی پٹھائی کرنی چاہیئے۔ تو یہ اُبھارنے کے لئے آیا۔ اور یہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ تو لہٰذا اگر اِس "لَوْلَا" کے بعد اِنَّ، اَنَّ والی صورت والا صیغه آئے تو اُس کو اَنَّ پڑھنا ہے۔ اس لئے کہ اگر "لَوْلَا تحضیضیة" ہو تو اُس کے بعد فعل آیا کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ فعل یہاں محذوف ہے۔ اور یہ جو آگے پورا جملة آرہا ہے یہ اُس فعل کے لئے فاعل بنے گا۔ اور فاعل مفرد ہوا کرتا ہے۔ اور مفرد پر اَنَّ داخل ہوتا ہے۔ تو کلام یوں ہوگا، ""لَوْلَا ثَبَتَ اَنَّکَ"۔ تو ثَبَتَ کے لئے یہ فاعل بنے گا۔

اور اگر یہ "لَوْلَا اِمْتِنَاعِیّة" ہو، تو پھر بھی اَنَّ پڑھیں گے۔ بھئی یاد رکھو! یہ جو "لَوْلَا تحضیضیة" پڑھا۔ یہ ایک جملے پر داخل ہوتا ہے۔ جیسا کہ "لَوْلَا تَضْرِبُ زیدًا: تو زید کی پٹھائی کیوں نہیں کرتا"۔ یہ "تَضْرِبُ زیدًا" آگے ایک جملہ ہے۔ اگر یہ "لَوْلَا اِمْتِنَاعِیّة" ہو تو پھر یہ دو جملوں پر داخل ہوتا ہے۔ اور یہ آتا ہے اِنْتِفائے ثانی کے لئے بوجه وُجودِ اوّل کے لئے۔ جیسے مثلاً، "لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ"۔ یہ حضرت عمر رض کا قول ہے۔ ایک حاملة عورت کی رجم کا اُنہوں نے حکم دیا۔ تو حضرت علی رض نے فرمایا کہ عورت تو حاملہ ہے، عورت کا تو قصور ہے لیکن اس کے بچے کا کوئی قصور نہیں۔ اگر عورت کو رجم کیا جائے تو اُس کا بچہ جو اُس کے پیٹ میں ہے وہ بھی مر جائے گا۔ تو حضرت عمر رض نے فوراً اپنے فیصلے کو تبدیل کیا۔ تو اُس موقع پر حضرت عمر رض نے فرمایا کہ "لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ"۔ تو یہاں پر "لَوْلَا" کے بعد عَلِیٌّ مبتدا آرہا ہے اور اُسکے خبر کو حذف کیا جاتا ہے وُجوبًا۔ کلام یوں ہوگا کہ، "لَوْلَا عَلِیٌّ مَوْجُوْدٌ: اگر علی رض موجود نه

ہوتے"۔ لَهَلَکَ عُمَرُ: تو عمر^رض تو البتہ ھلاک ہی ہو گئے تھے۔ تو یہاں پر دو جملے آئے۔ ایک "علیٌّ موجودٌ" اور دوسرا "لَهَلَکَ عُمَرُ"۔ تو یہ "لَوْلَا اِمْتِنَاعِیّة" دو جملوں پر داخل ہوا۔

اور "لَوْلَا" کے بعد جو پہلے جملے کا خبر آیا اِسکو حذف کرنا واجب ہے۔ تو یہاں پر ہم "لَوْلَا علیٌّ موجودٌ" نہیں کہتے بلکہ "لَوْلَا علیٌّ" کہتے ہیں۔ تو اِس کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ اس لئے کہ آگے جو جوابِ "لَوْلَا" ہے اُس کو ہم نے اِس خبر کا قائم مقام بنا دیا۔ تو اب وہ موجودٌ محذوف ہے اِسکو ذکر کرنا جائز نہیں ہے۔

اور میں نے آپ کو بتلایا کہ یہ "لَوْلَا" انتفائے ثانی کے لئے آتا ہے بوجہ وُجودِ اوّل کے۔ یہاں پر ثانی، "لَهَلَکَ عمرُ" ہے۔ اور اسکا مضمونِ جملة ھلاکتِ عمر^رض ہے۔ اور یہ "لَوْلَا" چونکہ انتفائے ثانی کے لئے آتا ہے یعنی ھلاکتِ عمر^رض منتفی ہے۔ یہ ھلاکتِ عمر^رض کیوں مُنتفی ہے؟ جواب۔ یہ وجودِ اوّل کی وجہ سے مُنتفی ہے۔ اور وجودِ اوّل اِس مثال میں وُجودِ علی^رض ہے۔ تو حضرت عمر^رض نے فرمایا کہ اگر حضرت علی^رض نہ ہوتے تو میں تو ھلاک ہو گیا تھا۔ لیکن میری ھلاکت مُنتفی ہے کیونکہ علی^رض موجود ہے۔ تو "لَوْلَا" آتا ہے اِنْتفائے ثانی کے بوجہ وُجودِ اوّل کے۔ تو یہ "لَوْلَا" امتناعیة ہے۔ کہ ثانی مُنتفع ہے بوجہ وُجودِ اوّل کے۔

تو یہ "لَوْلَا امتناعیة" کے بعد ہمیشہ مبتدا آتا ہے۔ اور اِسکی خبر محذوف کرنا واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا جب "لَوْلَا امتناعیة " آئے تو اِس کے بعد بھی اَنَّ پڑھنا ہے۔ کیونکہ "لَوْلَا اِمْتِنَاعِیّة" کے بعد مبتدا آتا ہے اور مبتدا مفرد ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ "لَوْلَا تحضیضیة" کے بعد میں اَنَّ پڑھنا ہے۔ کیونکہ "لَوْلَا تحضیضیة" فعل پر داخل ہوتا ہے اور آگے پورا جملة اسکے لئے فاعل بنتا ہے۔ اور فاعل مفرد ہوتا ہے اور مفرد کے مقام پر اَنَّ پڑھنا ہے۔ اور "لَوْلَا اِمْتِنَاعِیّة" کے بعد بھی اَنَّ پڑھنا ہے۔ اس لئے کہ "لَوْلَا اِمْتِنَاعِیّة" کے بعد بھی مبتدا آتا ہے اور مبتدا مفرد ہوتا ہے اور مفرد پر اَنَّ داخل ہوتا ہے۔

و قالوا لَوْلَا اَنَّکَ اور عرب یوں کہتے ہیں کہ "لَوْلَا اَنَّکَ" یعنی "لَوْلَا" کے بعد اَنَّ پڑھتے ہیں۔ **لِاَنَّهُ مُبْتَدَأٌ** اس لئے کہ "لَوْلَا" کے بعد مبتدا ہے۔

وَ لَوْ اَنَّکَ اسی طرح "لَوْ" کے بعد بھی اَنَّکَ پڑھتے ہیں۔ **لِاَنَّهُ فاعلٌ** اس لئے کہ یہ "لَوْ" کے بعد فاعل ہے۔

"لَوْ" کے بعد یہ "اَنَّکَ" کیوں پڑھتے ہیں؟ اس لئے کہ یہ "لَوْ" حرفِ شرط ہے۔ اور حرفِ شرط ہمیشہ فعل پر داخل ہوتے ہیں یہ اسم پر داخل نہیں ہوتے۔ اِس لئے کہ حروفِ شرط آتے ہیں تعلیق کے لئے۔ اور تَعلیق ہوتی ہے زمانے کے اندر۔ اور زمانہ ہوا کرتا ہے فعل کے اندر۔ تو لہٰذا یہ حروف فعل پر داخل ہوتے ہیں۔ لیکن کبھی اگر آپ دیکھے کہ "لَوْ" کے بعد اِنَّ اور اَنَّ والی صورت والا صیغہ آجائے تو پھر آپ اَنَّ

پڑھیں گے۔ یہ اَنَّ کیوں پڑھیں گے؟ "لَوْ" تو حرفِ شرط ہے اور ابھی ضابطہ آپ نے پڑھا کہ "لَوْ" ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے۔ اور یہاں تو "لَوْ" فعل پر داخل نہیں ہوا۔ لیکن ضابطہ نہیں توڑ سکتے۔ اس لئے یہاں پر فعل کو محذوف نکالیں گے۔ اور یہ جو آگے پورا جملہ ہوگا یہ اُس فعل کے لئے فاعل بنے گا۔ اور فاعل مفرد ہوا کرتا ہے اس لئے یہاں اَنَّ پڑھیں گے۔

تو "لَوْ اَنَّکَ" میں "لَوْ" کے بعد ثَبَتَ نکالیں گے۔ اور یہ "اَنَّکَ" پورا جملہ آگے اس "ثَبَتَ" کے لئے فاعل بنے گا۔ اور فاعل چونکہ مفرد ہوا کرتا ہے اور مفرد پر اَنَّ داخل ہوتا ہے۔

فَاِنْ جازَ التَّقديرانِ جازَ الْاَمْرَانِ اگر دونوں تقدیریں جائز ہوں تو دونوں امر جائز ہیں۔ بھئی اگر کوئی ایسا مقام ہو کہ تقدیرِ مفرد بھی جائز ہو اور تقدیرِ جملۃ بھی جائز ہو۔ تو پھر وہاں پر اَنَّ پڑھنا بھی جائز اور اِنَّ پڑھنا بھی جائز۔ نحوُ مَنْ یُّکْرِمْنِیْ فَاِنِّیْ اُکْرِمُہٗ فَاَنِّیْ اُکْرِمُہٗ بھی پڑھ سکتے ہے۔ مَنْ یُّکْرِمْنِیْ: جو میرا اکرام کرے گا، فَاِنِّیْ اُکْرِمُہٗ: ترکیب میں یہ جزا ہے۔ اِنَّ: حرف از حروف مشبہ بالفعل، یا ضمیر اسکا اسم، اُکْرِمُہٗ: جملہ فعلیہ اِنَّ کے لئے خبر، اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ جزا ہوا۔

اور اگر آپ چاہے تو اَنَّ پڑھے یعنی فَاَنِّیْ اُکْرِمُہٗ پڑھے۔ تو پھر یہ مفرد کی تاویل میں ہو جائے گا۔ اور جزا تو جملہ ہوا کرتی ہے۔ تو اس صورت میں اِس کی خبر کو مخذوف نکالیں گے۔ تو اَنَّ کا اسم یہاں پر یا ضمیرِ متکلّم ہے۔ اور اَنَّ کی خبر اُکْرِمُہٗ ہے۔ اب اسکا مضمونِ جملہ اِکْرَامِیْ ہے۔ اَنَّ کے خبر اُکْرِمُہٗ سے مصدر اِکْرَام کی اضافت اَنَّ کی اسم یعنی "یا" ضمیرِ متکلم کی طرف کر دی تو اِکْرَامِیْ مضمونِ جملہ بن گیا۔

اِکْرَامِیْ کا معنیٰ ہے میرا اکرام کرنا۔ "لَکَ" آگے وہ مفعول ذکر کر دو ۔ اِکْرَامِیْ لَکَ: میرا تمہارا اکرام کرنا۔ تو اِس کلام سے بات پوری نہیں ہو رہی۔ تو خبر "ثابت" اب مخذوف نکالو۔ تو کلام یوں بن جائے، فَاِکْرَامِیْ لَکَ ثابتٌ۔ تو یہاں پر دونوں تقدیریں جائز۔ اَنَّ بھی پڑھنا ٹھیک اور اِنَّ پڑھنا بھی ٹھیک۔

وَعِ یہ جیسے کہ مصرعہ ہے۔ اذا اَنَّہٗ عبدُالْقَفَا وَ اللَّهَازِمِ اسکو، "اِذَا اِنَّہٗ" بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ ایک شعر ہے۔ پہلا مصرعہ یوں ہے، "اُرٰیْ زیدًا کما قیلَ سَیِّدًا اذا اَنَّہٗ عبدُالقفا و اللهازِمِ "۔

یاد رکھو! رؤیت کا مادّہ اگر گمان کے معنیٰ میں آئے تو پھر اِس سے مضارع مجہول بنائیں گے۔ یعنی اگر آپ مضارع لانا چاہتے ہے باب رؤیت سے اور گمان کے معنیٰ میں لانا چاہتے ہیں تو پھر معروف کبھی نہیں لائیں گے بلکہ مجہول لائیں گے۔ اس لئے یہاں ہم نے اَرٰیْ نہیں پڑھا بلکہ اُرٰیْ پڑھا۔

اُرٰیْ: میں گمان کرتا ہوں، زیدًا: زید کے بارے میں، کما قیلَ: جیسے کہا گیا ہے، سَیِّدًا: سردار ہونے کا: میں زید کے بارے میں سردار ہونے کا گمان کرتا ہوں جیسے کہ کہا گیا ہے۔ لوگ اسکو سردار کہتے ہیں تو میں بھی اس بارے میں گمان کرتا ہوں کہ زید سردار ہے۔

اذا اَنَّہٗ عبدُالقفا و اللَّهازِمِ: قَفَا: گردن کا پچھلا حصّہ، گُدّی، پُشت، لَهازم یہ جمع ہے لِهْزَمَۃٌ کی۔ اور لِهْزَمَۃٌ: جبڑے کی ابھری ہوئی هڈی، دونوں کانوں کے درمیان یہ ابھری ہوئی هڈی جو ٹھوڑی تک آئی ہوئی

ہے۔ اِذَا اَنَّہٗ: یہ اِذا مفاجاتیہ ہے۔ اچانک وہ، عبدُالْقَفَا و اللھازِمِ: وہ گُدّی کا اور جبڑے کا بندہ تھا، یعنی گُدّی اور جبڑے کا غلام تھا۔ اسکا معنیٰ یہ ہے کہ بس کھانے پینے والا آدمی ہے۔ یعنی میں تو سمجھتا تھا کہ بڑا سردار ہوگا، سرداروں والی عادات ہوگی، لیکن پتہ چلا کہ یہ تو صرف کھانے پینے والا آدمی ہے۔ یہ خوب کھاتا پیتا ہے تا کہ گُدّی خوب موٹی ہو جائے اور جبڑے خوب مضبوط ہو جائیں۔ تو دیکھا! یہاں اَنَّ پڑھنا بھی جائز اور اِنَّ پڑھنا بھی جائز۔

اگر اس کو اِنَّ پڑھیں گے تو پھر یہ پورا جملہ ہو جائے گا۔ اور اگر اِس کو اَنَّ پڑھیں گے تو پھر اِس کے خبر کو مخذوف نکالیں گے۔

اِنَّ کی صورت میں ترکیب۔ اذا اِنَّہٗ عبدُالقفا و اللھازم: اِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، ھا ضمیر اسکا اسم منصوب محلاً، عبدُ: مضاف، القفا:معطوفٌ علیہ، واو حرفِ عطف، اللَّھازِمِ: معطوف، معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے ملکر، معطوفٌ علیہ اپنے معطوف سے ملکر یہ مضافٌ الیہ ہوا اپنے مضاف عبدُ کے لئے، مضاف اپنے مضافٌ الیہ سے ملکر اِنَّ کی خبر۔ اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے ملکر پورا جملہ بن گیا۔

اَنَّ کی صورت میں یہ مفرد کی تاویل میں کیسے ہوگا؟ اسکی وضاحت:یہ "عبدُالقَفا و اللھازِمِ" یہ اَنَّ کی خبر ہے۔ عَبد سے مصدر عَبودیۃ بنے گا۔ اور عبودیۃ کی اضافت کرو ھا ضمیر کی طرف تو "عَبُوْدِیَّتُہٗ" بن جائے گا۔ تو " اذا اَنَّہ عبدالقفا و اللھازم " سے "اذا عَبُوْدِیَّتُہٗ" بن جائے گا۔ "اذا عَبُوْدِیَّتُہٗ: اُسکا غلام ہونا"، آگے القفا و اللھازم مفعول جو ہے اُس کو ذکر کرے تو "اذا عَبُوْدِیَّتُہٗ للقَفَا و اللھازِمِ" بن جائے گا، اور خبر "ثابتَۃٌ" محذوف نکالو۔ تو پورا کلام یوں بن جائے گا، اذا عَبُوْدِیَّتُہٗ للقَفَا و اللھازِمِ ثابتَۃٌ: میں تو زید کو سردار سمجھتا تھا، تو اچانک اُسکی غلامی اُسکی گُدّی کے لئے اور جبڑوں کے لئے ثابت تھی۔

وَ شِبْھِہٖ: اور اِسکے مشابہ کلام جو ہوں۔ تو اِس میں اِنَّ پڑھنا بھی جائز اور اَنَّ پڑھنا بھی جائز۔

وَلِذٰلِکَ جازَ الْعَطْفُ عَلَی اسْمِ الْمَکْسُورَۃِ لفظًا اَوْ حُکْمًا بِالرَّفْعِ دُوْنَ الْمَفْتُوْحَۃِ

اس عبارت کو سمجھنے کے لئے بطور تمہید درج ذیل عبارت کو سمجھ لیجئے۔

بھئی اب تک میں نے آپ کو بتلایا کہ اِنَّ جملے پر داخل ہوتا ہے اور اَنَّ بھی جملے پر داخل ہوتا ہے۔ لیکن اِنَّ جملے کے معنیٰ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ اور جملۃ اُسی طرح جملۃ رہتا ہے۔ جبکہ اَنَّ جملے کو مفرد کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ تو یہ جو اِنَّ ہے، یاد رکھو! یہ اِنَّ لفظًا تو موجود ہے لیکن معنًی نہیں موجود۔ بھئی لفظًا موجود ہے اسکا کیا معنیٰ ؟ اور معنًی موجود نہیں ہے اِسکا کیا معنیٰ؟ بھئی لفظًا موجود ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ لفظوں میں تو یہ عمل کر رہا ہے۔ لفظوں کے اعتبار سے تو موجود ہے اور اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور اپنے خبر کو رفع دیتا ہے۔ جیسا کہ اِنَّ زیدًا قائمٌ میں اِنَّ لفظوں کے اعتبار سے تو موجود ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے موجود نہیں۔ معنیٰ کے اعتبار سے اس لئے موجود نہیں کیونکہ اِس نے جملہ کے معنیٰ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی۔ پہلے بھی وہ جملۃ تھا اب بھی وہ جملۃ ہے۔

صرف جملے کے اندر تاکید آگئی اور کوئی تبدیلی نہیں آگئی۔ تو لفظًا گویا اِنَّ موجود ہے اور معنًی گویا اِنَّ معدوم ہے۔

جبکہ اَنَّ جو ہے وہ لفظًا بھی موجود ہے اور معنًی بھی موجود ہے۔ لفظًا اس لئے موجود ہے کہ یہ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع دیتا ہے۔ یعنی لفظوں میں باقاعدہ یہ عمل کر رہا ہے۔ اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی اَنَّ موجود ہے۔ اِس لئے کہ اِس نے پورے جملے کو اُٹھا دیا اور مفرد میں بدل دیا۔ تو لفظوں کے اعتبار سے بھی یہ موجود ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی یہ موجود ہے۔

خلاصہ یہ کہ اِنَّ لفظوں کے اعتبار سے تو موجود ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے موجود نہیں ہے۔ اور اَنَّ لفظوں کے اعتبار سے بھی موجود ہے اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی موجود ہے۔

اب ایک اور بات یاد رکھو! یاد رکھو! میں عطف کرتا ہوں اِنَّ کے اسم پر۔ یعنی اِنَّ زیدًا قائمٌ میں اِنَّ کے اسم زیدًا پر عطف کر رہا ہوں اور آگے عمرو کا لفظ لاتا ہوں۔ تو میں یوں کہوں گا، اِنَّ زیدًا قائمٌ و عمرًوا۔ تو یہاں پر عمرًوا کا عطف میں نے اِنَّ کے اسم زیدًا پر کیا۔ اِنَّ کا اسم منصوب تھا تو یہ بھی منصوب پڑھا۔ لیکن میں یوں بھی کہہ سکتا ہوں، اِنَّ زیدًا قائمٌ و عمرٌو۔ یعنی عمرٌو پر رفع پڑھوں اور اسکا عطف اِنَّ کے اسم ہی پر کروں۔ تو اِنَّ کے اسم پر عطف کرنا رفع کے ساتھ بھی جائز ہے اور نصب کے ساتھ بھی جائز ہے۔

جبکہ اَنَّ کے اِسم پر جب آپ عطف کرتے ہیں تو وہاں نصب ہی پڑھ سکتے ہیں وہاں رفع پڑھنا جائز نہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں، بَلَغَنِیْ اَنَّ زیدًا قائمٌ وَ عمرًوا۔ تو یہاں پر عمرًوا کا نصب اَنَّ کے اسم زیدًا پر کیا گیا۔ اور اَنَّ کا اسم منصوب ہے تو عمرًوا کو بھی منصوب پڑھا۔ کیونکہ معطوف اور معطوفٌ علیہ کا اعراب ایک ہوا کرتا ہے۔ لیکن اگر میں یہاں پر عمرٌو پڑھنا چاہوں تو یہ کہنا جائز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اِنَّ کے اسم پر عطف کرتے ہوئے نصب پڑھنا بھی جائز اور رفع پڑھنا بھی جائز جبکہ اَنَّ کے اسم پر عطف کرتے ہوئے صرف نصب پڑھنا جائز ہے اور رفع پڑھنا جائز نہیں۔

سوال: اَنَّ کے اسم پر عطف کرتے ہوئے رفع پڑھنا کیوں جائز نہیں؟

جواب۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اِنَّ لفظوں کے اعتبار سے تو موجود ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے گویا معدوم ہے۔ لیکن اَنَّ لفظوں کے اعتبار سے بھی موجود اور معنیٰ کے اعتبار سے بھی موجود ہے۔

تو اِنَّ کبھی لفظوں کے اعتبار سے موجود ہوتا ہے تو ہم لفظوں کی رعایت کرتے ہوئے، چونکہ اِنَّ کا اسم منصوب ہے تو معطوف کو بھی ہم منصوب لے آئے۔ اور اِنَّ معنیٰ کے اعتبار سے معدوم ہوتا ہے تو معنیٰ کی رعایت کرتے ہوئے، جیسے اِنَّ کا اسم پہلے مرفوع تھا تو گویا کہ اب بھی مرفوع ہے، اور اس لئے اس کے محل پر عطف کرتے ہوئے معطوف پر ہم رفع پڑھتے ہیں۔

تو اِنَّ کی صورت میں اگر لفظوں کی رعایت رکھی جائے تو معطوف منصوب پڑھا جائے گا اور اگر اِنَّ کی صورت میں معنیٰ کی رعایت رکھا جائے یعنی محل کی رعایت کی جائے تو معطوف کو مرفوع پڑھیں گے۔ خلاصہ یہ کہ اِنَّ کی صورت میں معطوف کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

اب تک جو اِنَّ پڑھا اس میں اِنَّ لفظوں کے اعتبار سے بھی اِنَّ ہے۔ جیسا کہ اِنَّ زیدًا قائمٌ و عمرًوا یا اِنَّ زیدًا قائمٌ و عمرٌو۔ تو یہاں ہم لفظوں میں اِنَّ پڑھ رہے ہیں۔ اور کبھی اِنَّ لفظوں میں نہیں ہوتا لیکن حُکمًا اِنَّ ہوتا ہے۔ یہ اِنَّ حُکمًا کیسے ہوتا ہے؟ بھئی جیسے عَلِمَ کے بعد اَنَّ آ جائیں۔ عَلِمَ افعالِ قلوب میں سے ہے۔ اور افعال قلوب دو مفعول چاہتے ہیں۔ جیسا کہ عَلِمْتُ زیدًا عالمًا۔ تو یہ افعال قلوب بھی مبتدا خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ اصل میں زیدٌ عالمٌ تھا۔ اس پر عَلِمْتُ داخل ہوا تو اب یہ دونوں مفعول بن گئے اور عَلِمْتُ زیدًا عالمًا پڑھیں گے۔ اور پھر آپ نے پڑھا ہے کہ عَلِمَ کے بعد اکثر اَنَّ آیا کرتا ہے۔ تو کلام یوں ہوا، علمتُ اَنَّ زیدًا عالمٌ۔ اب اَنَّ نے اس پورے جملے "زیدٌ عالمٌ" کو مفرد کے حکم میں کر دیا۔ تو یہ علمَ کے لئے ایک مفعول ہوا۔ اور علمَ تو دو مفعولوں کو چاہتا تھا۔ تو اب کیا کریں گے؟ تو ایسے موقع پر کہتے ہیں کہ یہ اَنَّ اپنے اسم اور خبر سے ملکر قائم مقام ہوا علمَ کے دو مفعولوں کے۔ اور علمَ کے وہ دو مفعول دراصل مبتدا اور خبر تھے۔ تو یہاں پر ہم اَنَّ پڑھ رہے ہیں لیکن اَنَّ کے باوجود یہ دونوں مبتدا اور خبر دو مفعولوں کے حکم میں ہے۔ اگر چہ اَنَّ نے مبتدا اور خبر دونوں کو مفرد یعنی ایک بنایا تھا۔ لیکن ہم یہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ دو مفعولوں کے حکم میں ہے۔ تو یہاں پر اَنَّ آیا ہے لیکن یہ اَنَّ بھی حکمًا اِنَّ ہے۔ تو لفظوں میں اِنَّ نہیں ہے لیکن حُکمًا اِنَّ موجود ہے۔ اِس لئے کہ اَنَّ کا اپنے مدخول کے ساتھ یہ دو مفعولوں کے قائم مقام بن رہا ہے۔ ایک کا نہیں ہے۔ اَنَّ ہے تو خود۔ لیکن اگر اسکا پورا اثر ہوتا تو یہ ایک مفعول بنتا۔ لیکن یہ اب بھی دو کے قائم مقام ہے۔ تو دیکھنے میں ہے اَنَّ اور حکمًا ہے اِنَّ۔ اِنَّ کے بعد جو دو اسم آتے ہیں وہ دو ہوتے ہیں اور دو ہی کے حکم میں ہوتے ہیں۔ اور ہمیں بھی علمَ کے بعد دو مفعول چاہیئے ہی ہوتا ہے۔ تو یہاں پر پڑھتے تو اَنَّ ہے لیکن حکمًا یہ اِنَّ ہے۔

توکہتے ہیں کہ اِنَّ کبھی لفظوں میں موجود ہوگا اور کبھی اِنَّ لفظوں میں موجود نہیں ہوگا، لفظوں میں تو اَنَّ ہوگا، لیکن یہی اَنَّ حُکمًا اِنَّ ہوگا۔ اِن دونوں صورتوں کے اندر اِنَّ کے لفظوں پر حمل کرتے ہوئے معطوف پر نصب پڑھنا بھی جائز اور اِنَّ کے اسم کے محل پر حمل کرتے ہوئے رفع پڑھنا بھی جائز۔ لیکن اس کے لئے ایک شرط ہے یاد رکھنا! وہ بات میں آگے بتلاتا ہوں۔ - - -

اب اس تفصیل کو صاحب کافیہؒ اپنے لفظوں میں بیان فرما رہے ہیں۔

وَلِذٰلِکَ جَازَ الْعَطْفُ عَلَی اسْمِ الْمَکْسُوْرَۃِ اور اسی وجہ سے عطف جائز ہے مکسورۃ کے اسم پر۔ یعنی اِنَّ کے اسم پر۔ **لَفْظًا اَوْ حُکْمًا** چاہیے وہ مکسورۃ لفظًا ہو یا چاہیے وہ مکسورۃ حکمًا ہو۔ یعنی اِنَّ چاہیے لفظًا ہو یا اِنَّ چاہیے حکمًا ہو۔ اِنَّ لفظًا اور اِنَّ حکمًا کی تفصیل اوپر گزر گئی۔ **بِالرَّفْعِ** رفع کے

ساتھ۔ نصب کے ساتھ تو جائز ہی ہے لیکن رفع کے ساتھ بھی جائز ہے۔ اسکی تفصیل اور مثالیں اوپر گزر گئی۔ دُوْنَ الْمَفْتُوْحَةِ لیکن جو مفتوحہ والا ہے یعنی جس کا ہمزہ مفتوح ہے یعنی اَنَّ کے اسم پر عطف کرتے ہوئے معطوف کو مرفوع پڑھنا جائز نہیں۔ اس کی تفصیل بھی مثالوں کے ساتھ اوپر گزر گئی۔

لیکن جب آپ رفع کے ساتھ عطف کر رہے ہو تو پھر اس میں ایک شرط ہے۔ کہ اِس اِنَّ کی خبر پہلے لفظًا گزر چکی ہو یا تقدیرًا گزر چکی ہو۔ اور اگر اس اِنَّ کی خبر پہلے نہ لفظًا گزر گئی ہو اور نہ ہی تقدیرًا گزر گئی ہو تو اس صورت میں اِنَّ کی اسم پر عطف کرتے ہوئے رفع پڑھنا جائز نہیں۔ جبکہ اس صورت میں بھی معطوف پر نصب پڑھنا جائز ہے۔

مثلاً دیکھئے! میں کہنا چاہتا ہوں، اِنَّ زیدًا قائمٌ و عمرٌو۔

اِنَّ زیدًا قائمٌ و عمرٌو کی ترکیب۔ اِنَّ حرف از حروف مشبہ بالفعل، زیدًا منصوب لفظًا اسکا اسم، قائمٌ مرفوع اسکی خبر، واؤ حرفِ عطف، عمرٌو مرفوع ہے اور یہ عطف ہے زیدًا کے محل پر، چونکہ زیدًا محل کے اعتبار سے مبتدا ہے اور مبتدا مرفوع ہوتی ہے۔ اور آگے اسکی خبر "قائمٌ" محذوف نکالیں گے۔ اور قائمٌ کا عطف ماقبل کے قائمٌ پر ہے۔ تو دونوں کے لئے الگ خبروں کا ہونا ضروری ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر دونوں کے لئے ایک ہی خبر نکالے تو خرابی لازم آئیگی۔

دیکھو بھئی میں ایک ہی خبر نکالتا ہوں اور عطف کرتا ہوں رفع کے ساتھ۔ اِنَّ زیدًا و عمرٌو قائمانِ۔ تو عمرٌو کا عطف زیدًا پر ہے۔ اور آگے دونوں کی خبر ایک ہی ہے۔ ترجمہ: یقینًا زید اور عمرو دونوں کھڑے ہیں۔ اب قائمانِ میں نے ایک ہی خبر نکالی اور یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اِنَّ کے اسم کے محل پر عطف کرتے ہوئے معطوف پر رفع پڑھنا اُسی وقت جائز ہے جب اِنَّ کی خبر لفظًا یا تقدیرًا پہلے گزر گئی ہو۔ اور یہاں پر دونوں کی خبر قائمانِ آگے آرہی ہے۔ تو خبر نہ ہی لفظًا گزری ہے اور نہ ہی تقدیرًا پہلے گزری ہے۔ تو اِنَّ زیدًا و عمرٌو قائمانِ کہنا جائز نہیں۔ اور اس لئے جائز نہیں کہ اس سے خرابی لازم آتی ہے۔ تو ترکیب یوں ہوگی۔ اِنَّ کا اسم زیدًا ہے۔ تو زیدًا کے اندر عامل اِنَّ ہوا۔ اور آگے قائمانِ بھی اِنَّ کی خبر ہے تو اس میں بھی عامل اِنَّ ہے۔ کیونکہ اِنَّ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کو رفع دیتا ہے۔ تو قائمانِ مرفوع ہے تو اس میں بھی عامل اِنَّ ہوا۔ اور عمرٌو کا عطف ہم نے اِنَّ کے اسم کے محل پر کیا۔ اور محل کے اعتبار سے اِنَّ کا اسم یعنی زید مبتدا مرفوع ہے اور اس وجہ سے عمرٌو مرفوع پڑھا۔

چونکہ مبتدا کے اندر عامل ابتدا ہوا کرتی ہے تو عمرٌو کے اندر بھی عامل ابتدا ہوا۔ اس لئے کہ عمرو کا عطف ہم نے مبتدا کے محل پر کیا۔ اور آگے قائمانِ ہے مبتدا کی خبر۔ اور مبتدا کی خبر میں بھی عامل ابتدا ہوتی ہے۔ تو اس جملے میں جو میں نے ذکر کیا، اِنَّ زیدًا و عمرٌو قائمانِ میں یہی قائمانِ خبر ہے اِنَّ کی اور اس صورت میں اسکے اندر عامل اِنَّ ہے۔ اور یہی قائمانِ خبر ہے عمرٌو کی اور اس صورت میں اسکے اندر

عامل ابتدا ہے۔ تو معمول ایک ہی ہے اور عامل دو ہو گئے اور یہ جائز نہیں۔ یعنی دو عاملوں کا ایک ہی معمول پر اکھٹے ہونا جائز نہیں۔ تو لہٰذا اس صورت میں نحوی حضراتؒ نے شرط لگائی کہ اِنَّ کی خبر پہلے مقدَّم ہونا چاہئے لفظًا یا تقدیرًا۔ تو پہلے خبر کے اندر اِنَّ عامل ہے اور دوسرے خبر کے اندر ابتدا عامل ہوگی۔ تو لہٰذا یہ کہنا " اِنَّ زیدًا و عمرٌو قائمَانِ" جائز نہیں۔ ھاں یہ کہنا جائز ہے کہ "اِنَّ زیدًا قائمٌ و عمرٌو قائمٌ"۔ اب دونوں کی الگ الگ خبر گئی۔ ایک قائمٌ کے اندر اِنَّ عامل ہے اور ایک قائمٌ کے اندر ابتدا عامل ہے۔

جبکہ کوفہ والے نحوی حضراتؒ فرماتے ہیں کہ نہیں بھئی یہ کہنا " اِنَّ زیدًا و عمرٌو قائمَانِ" بھی جائز ہے۔ کوفہ والے نحوی فرماتے ہیں کہ اِنَّ کے اسم کے محل پر عطف کرتے ہوئے رفع پڑھیں گے اور خبر کا مقدَّم ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ اُن کے نزدیک " اِنَّ زیدًا و عمرٌو قائمَانِ " جائز ہے۔ سوال: یہ کیوں جائز ہے؟ جواب۔ یاد رکھو! کہ کوفہ والوں کا مذہب ہی الگ ہے۔ بصرہ والے نحوی تو فرماتے تھے کہ اِنَّ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور اپنی خبر کو رفع دیتا ہے۔ جبکہ کوفہ والے نحوی فرماتے ہیں کہ نہیں، اِنَّ صرف اسم میں عمل کرتا ہے اور خبر میں کوئی عمل نہیں کرتا۔ یعنی اِنَّ اپنے اسم کو نصب دیتا ہے اور خبر کے اندر کوئی عمل نہیں کرتا جبکہ خبر کے اندر پہلے سے ہی ابتدا عامل ہے اور اب بھی خبر کے اندر ابتدا عامل ہے۔ تو کوفہ والے نحوی حضرات کا مذہب پہلے سے یہی تھا کہ وہ خبر کے اندر اِنَّ کو عامل نہیں بناتے تھے بلکہ خبر کے اندر ہر حال میں ابتدا کو عامل بناتے تھے۔ تو " اِنَّ زیدًا و عمرٌو قائمَانِ" میں کوفہ والوں کے نزدیک قائمَانِ کے اندر ابتدا ہی عامل ہے۔ تو اُن کے نزدیک یہ کہنا جائز ہوا۔

وَ يُشْتَرَطُ مُضِيُّ الْخَبَرِ اور شرط لگائی جائے گی خبر کے گزرنے کی **لفظا** یا تو لفظوں میں یہ خبر پہلے گزر گئی ہو۔ جیسا کہ اِنَّ زیدًا قائمٌ و عمرٌو۔ تو دیکھو قائمٌ لفظوں میں گزر گئی۔ **او تقديرا** اور یا خبر تقدیرًا گزری ہو۔ جیسا کہ اِنَّ زیدًا و عمرٌو قائمٌ۔ اب ہم اِس قائمٌ کے عمرٌو کی خبر بنا دیں گے۔ اور زیدًا کے لئے ماقبل میں قائمٌ محذوف نکالیں گے۔ تو کلام یوں ہوگا، اِنَّ زیدًا قائمٌ و عمرٌو قائمٌ۔ **خلافًا لِلْكُوفِيِّيْنَ** خلاف کوفہ والوں کے۔

اگر اِنَّ کا اسم مبنی ہو تو پھر اِنَّ کے اسم پر رفع کی عطف کرتے ہوئے کیا کریں گے۔ اس عبارت کو سمجھنے کے لئے اِنَّکَ و زیدٌ ذاھبانِ پر نظر رکھئے۔ ترکیب۔ اِنَّ حرف از حروفِ مشبہ بالفعل، کاف ضمیر اسکا اسم معطوفٌ علیہ، واؤ عاطفہ، زیدٌ معطوف، ذاھبانِ ان دونوں کے لئے خبر۔ بھئی امام مبرِّد اور امام کسائی بھی یہی فرماتے ہیں۔ وہ بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ اِنَّ کے اسم پر عطف رفع کے ساتھ جب بھی کرو تو اُس کے خبر کا پہلے گزرنا شرط ہے۔ لیکن یہ دونوں فرماتے ہیں اگر اِنَّ کا اسم مبنی آگیا تو پھر شرط نہیں ہے۔ جیسا کہ "اِنَّکَ و زیدٌ ذاھِبانِ" ابھی ہم نے پڑھا، اس کے اندر اِنَّ کا اسم کاف ضمیر مبنی ہے۔ لہٰذا جب اِنَّ کا اسم مبنی آجائے تو پھر یہ دونوں بزرگ خبر کے پہلے گزرنے کا شرط نہیں لگاتے۔ اب سوال یہ

ہے کہ یہ دونوں بزرگ خبر کے پہلے گزرنے کا شرط کیوں نہیں لگاتے؟ یہ دونوں فرماتے ہیں کہ پہلے وہ جو خرابی لازم آتی تھی اب وہ خرابی لازم نہیں آرہی۔ پہلے خرابی یہ لازم آرہی تھی کہ آگے آنے والے خبر کے اندر اِنَّ بھی عامل بن رہا تھا اور ابتدا بھی عامل بن رہا تھا۔ کہتے ہیں اب وہ خرابی لازم نہیں آتی۔ اِس لئے کہ اب اِنَّ کا اسم مبنی ہے۔ اور مبنی کے اندر لفظوں میں عامل کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اور جب مبنی کے اندر عامل کا اثر ظاہر ہی نہیں ہوا تو گویا یوں ہوا کہ گویا اِنَّ نے عمل ہی نہیں کیا۔ اور جب اِنَّ نے اپنے اسم میں ہی عمل نہیں کیا تو اپنے خبر میں بھی عمل نہیں کریں گے۔ تو اب وہ خرابی لازم نہیں آئی، کیونکہ اب اِنَّ عامل ہے ہی نہیں اور اب صرف ابتدا عامل ہے۔

تو امام مبرد اور امام کسائی اختلاف فرماتے ہیں جب اِنَّ کا اسم مبنی ہو۔ اور اپنی رائے اوپر ذکر فرمائی۔ لیکن صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ آپ دونوں کی بات درست نہیں۔ چاہے اِنَّ کا اسم مبنی ہو چاہے اِنَّ کا اسم غیر مبنی ہو دونوں صورتوں میں خبر کا پہلے گزرنا شرط ہے۔ تو آگے صاحب کافیہؒ یہ بات فرما رہے ہیں۔

وَ لا اَثَرَ لِکَوْنِہٖ مَبْنِیًّا اور کوئی اثر نہیں اُس اِنَّ کے اسم کے مبنی ہونے کا۔ **خِلافا للمبرد و الکسائی** بخلاف امام مبرِّد اور امام کسائی کے۔ اِن دونوں حضرات کی رائے اوپر گزر گئی۔ **فی مثل انک و زیدٌ ذاھبانِ** اس قسم کی مثالوں میں، " اِنَّکَ و زیدٌ ذاھِبانِ" میں۔

و لٰکِنَّ کَذٰلِکَ اور وَلٰکِنَّ بھی اسی طرح ہے۔ یعنی لٰکِنَّ بھی اِنَّ کی طرح ہے۔ جیسے اِنَّ کے اسم پر عطف کرے تو نصب کے ساتھ ساتھ رفع بھی جائز۔ تو اسی طرح لٰکِنَّ کے اسم پر عطف کرے تو نصب کے ساتھ ساتھ رفع بھی جائز ہے۔

بھئی صاحبِ کافیہؒ نے آپ کو پیچھے بتایا۔ کہ اِنَّ جس جملے پر داخل ہوتا ہے اُس جملے کے معنیٰ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا۔ وہ پہلے جملۃ تھا اور اب بھی جملۃ رہے گا۔ تو اِنَّ آتا ہے جملے کی تاکید کے لئے۔ یاد رکھو! اسی طرح جملے کی تاکید کے لئے ایک لام بھی آیا کرتا ہے۔ اور اُسے لامِ ابتداء کہتے ہیں۔ تو کہتے ہیں کہ اِنَّ کے داخل ہونے کے بعد بھی جملۃ جملۃ ہی رہتا ہے تو لھٰذا اُس پر لام تاکید کا لانا جائز ہے۔ لیکن اَنَّ کے ساتھ لامِ تاکید کا لانا جائز نہیں۔ کیونکہ اَنَّ کے داخل ہونے کے بعد جملۃ جملۃ نہیں رہتا بلکہ مفرد بن جاتا ہے۔ اور لام چونکہ جملے کی تاکید کے لئے لایا جاتا ہے۔ تو لھٰذا اَنَّ کے داخل ہونے کے بعد لام تاکید نہیں لایا جا سکتا۔ تو اَنَّ اور لامِ تاکید کو جمع کرنا جائز نہیں جبکہ اِنَّ اور لامِ تاکید کو جمع کرنا جائز ہے۔

اور یاد رکھو! لامِ تاکید اِنَّ کی اسم پر بھی داخل ہو سکتا ہے، اِنَّ کی خبر پر بھی داخل ہو سکتا ہے اور خبر کے علاوہ کسی اور اسم پر بھی درمیان میں داخل ہو سکتا ہے۔ مثلاً جملہ ہے زیدٌ قائمٌ۔ اس جملے کی میں تاکید لانا چاہتا ہوں، تو میں یوں کہہ سکتا ہوں، "اِنَّ زیدًا قائمٌ"۔ میں اِس جملے میں صرف لام کے

ذریعے بھی تاکید لا سکتا ہوں اور یوں کہہ سکتا ہوں، "لَزَیْدٌ قائمٌ"۔ اور کبھی دونوں کو اکھٹا کر دیتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں یاد رکھو! اِنَّ اور لام دونوں کو اکھٹے مت لانا۔ لام پہلے زیدٌ پر داخل تھا اب اِنَّ کے آنے کے بعد لام کو قائمٌ پر داخل کرو اور یوں کہو، "اِنَّ زَیدًا لَقَائِمٌ"۔ اِس لئے کہ دونوں حرفِ تاکید کا اکھٹے ہونا پسندیدہ نہیں۔

اور اگر اِنَّ کا اسم اِنَّ سے دور چلا جائے اور درمیان میں خبر پہلے آجائے۔ تو اِس صورت میں پھر لامِ تاکید اِنَّ کے اسم پر بھی داخل ہو سکتا ہے۔ اور یوں کہہ سکتے ہیں، اِنَّ فی الدّارِ لَزَیْدًا۔ تو دیکھو یہ "فی الدار" جار مجرور ہے۔ اور جار مجرور کبھی بھی مبتدا نہیں بنتے بلکہ ہمیشہ خبر بنتے ہیں۔ تو جب اِنَّ کے بعد جار مجرور آیا تو یہ اِنَّ کی خبر بنے گا۔ اور آگے جو آیا زیدًا وہ اِنَّ کا اسم ہے۔ تو اب چونکہ اِنَّ میں اور اِنَّ کے اسم میں فصل آگیا۔ اور یہ فصل اِنَّ کے خبر کے ذریعے آگیا۔ تو اب اِنَّ کے اسم پر لامِ تاکید کا لانا جائز ہے اور یوں کہہ سکتے ہیں، "اِنَّ فی الدَّارِ لَزیدًا"۔

اور کبھی کبھار اِنَّ کے اسم اور اِنَّ کے خبر کے درمیان کوئی اسم آجاتا ہے تو لامِ تاکید اُس اسم پر بھی داخل ہو سکتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، اِنَّ زیدًا لَطَعَامَکَ اٰکِلٌ : یقیناً زید جو ہے کھانے والا ہے تیرے طعام کو۔ یعنی زید تیرے طعام کو کھانے والا ہے۔ تو طَعَامَکَ یہ مفعول ہے اٰکِلٌ کے لئے۔ اٰکِلٌ اسم فاعل ہے۔ اور اسم فاعل جس طرح فاعل چاہتا ہے اسی طرح مفعول بھی چاہتا ہے۔ اور آپ نے پڑھا ہے کہ مفعول کو کبھی فعل پر مقدّم بھی کرتے ہیں۔ تو اسمِ فاعل پر بھی مفعول مقدّم ہو سکتا ہے۔ تو طَعَامَکَ مفعول یہ مقدَّم ہوا اٰکِلٌ اسم فاعل پر۔ تو جملہ یوں بنا، "اِنَّ زیدًا طَعَامَکَ اٰکِلٌ"۔ اب دیکھو اِنَّ کے بعد اِنَّ کا اسم آرہا ہے، آخر میں اِنَّ کا خبر آرہا ہے اور درمیان میں مفعول آرہا ہے۔ اور یہ مفعول جو درمیان میں آیا تو اس پر بھی لام تاکید کا داخل کرنا جائز ہے۔ تو کلام یوں بنتا ہے، " اِنَّ زیدًا لَطَعَامَکَ اٰکِلٌ "۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ اِنَّ کے خبر پر بھی لامِ تاکید آسکتا ہے، اگر اِنَّ کے اسم اپنے خبر سے جدائی پر ہو تو پھر اِس اِنَّ کے اسم پر بھی لامِ تاکید آسکتا ہے اور اگر اِنَّ کے اسم اور خبر کے درمیان کوئی اسم آجائے تو اُس اسم پر بھی لامِ تاکید کا لانا جائز ہے۔ اب یہی تین صورتیں صاحب کافیہؒ اپنے الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں۔

وَ لِذٰلِکَ اور اسی وجہ سے، اِنَّ کے داخل ہونے کے بعد بھی جملۃ جملۃ رہتا ہے۔ **دَخَلَتِ اللَّامُ** لام داخل ہو سکتا ہے۔ لام سے مراد لامِ تاکید ہے۔ **مَعَ الْمَکْسُوْرَۃِ** مکسورۃ کے ساتھ۔ یعنی اِنَّ کے ساتھ۔ **دُوْنَھا** ای دونَ الْمَفْتُوْحَۃِ: ای دونَ اَنَّ: نہ کہ اَنَّ کے ساتھ۔ یعنی مفتوحۃ کے ساتھ لامِ تاکید داخل نہیں ہو سکتا۔ **عَلَی الْخَبَرِ** اِنَّ کے خبر پر بھی داخل ہوتا ہے لام، **اَوِ الْاِسْمِ اِذَا فُصِّلَ بینَہُ و بینَھَا** اور اِنَّ کے اسم پر بھی لام داخل ہوتا ہے جب اِنَّ کے اسم اور اِنَّ کے خبر کے درمیان فصل کر دیا جائے۔ **اَوْ علٰی**

ما اور یا لامِ تاکید اُس اسم پر بھی داخل ہو سکتا ہے۔ بینَہُما جو اُن دونوں کے درمیان ہو۔ یعنی اِنَّ کے اسم اور اِنَّ کے خبر کے درمیان کوئی اور اسم ہو تو اُس پر بھی لامِ تاکید داخل ہو سکتا ہے۔ اِن تینوں صورتوں کی مثالیں اوپر گزر گئی۔

وَ فِی لٰکِنَّ ضعیفٌ اور لٰکِنَّ کے اندر بھی لام کو کبھی لے آتے ہیں۔ لیکن لٰکِنَّ کے ساتھ لام کا لانا ضعیف ہے۔

یاد رکھو! یہ جو اِنَّ اور اَنَّ ہیں۔ یہ دونوں مُشَدَّدَۃ ہیں۔ اور شَدّ کے اندر ثِقَل ہے۔ تو اِن دونوں کو مُثَقَّلَۃ کہتے ہیں۔ کبھی کبھار ان میں تخفیف کرتے ہیں۔ اور ایک نون کو حذف کر دیتے ہیں۔ اور اِنَّ کو اِنْ پڑھتے ہیں اور اَنَّ کو اَنْ پڑھتے ہیں۔ تو اس کو اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ اور اَنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ کہتے ہیں۔ تو اسی طرح ایک اِنْ شرطیۃ آتا ہے، ایک اِنْ ناصبۃ آتا ہے۔ اگر کہیں یہ اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ آ جائے۔ آپ فورًا سمجھیں گے کہ یہ دراصل اِنَّ ہے۔

اسی طرح اَنْ ناصبۃ بھی آتا ہے، لیکن اگر کبھی یہ اَنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ آ جائے۔ تو فورًا سمجھ جائے کہ یہ دراصل اَنَّ ہے۔

اب یاد رکھو! یہ جو اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ ہے یہ عمل کریگا یا عمل نہیں کریگا۔ یاد رکھو! اس کو عمل دینا بھی جائز اور اسکو عمل نہ دینا بھی جائز۔ اِنَّ اپنے اسم کو نصب دیتا تھا اور اپنے خبر کو رفع دیتا تھا۔ اب جب آپ نے اِنَّ کو اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ بنایا۔ اور ایک نون کو حذف کر دیا۔ تو اب بھی جائز ہے کہ اِس اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ کے اسم کو نصب دے اور خبر کو رفع دے۔ اور اِس اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ کے عمل کو باطل کرنا بھی جائز۔ تو وہ اسم اور خبر جو پہلے مبتدا اور خبر ہونے کی بناء پر مرفوع تھے تو اب بھی اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ کے داخل ہونے کے بعد بھی مرفوع ہی رہیں گے۔

تو لہٰذا اب جب یہ عمل نہیں کریگا تو ہمیں پتہ نہیں چلے گا کہ یہ کونسا اِنْ ہے۔ اِنْ نافیۃ ہے یا اِن شرطیہ ہے وغیرہ۔ تو اب اس صورت میں لامِ ابتدا اس کے ساتھ لازم ہے۔ اگر اس کے بعد ایک اسم منصوب اور دوسرا مرفوع آئے گا تو ہمیں فورًا پتہ چلے گا کہ یہ اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ ہے۔ لیکن اگر آپ نے اسکو عمل ہی نہیں دیا، جیسا کہ اِنْ زیدٌ قائمٌ ۔ تو اب تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ اِنْ نافیہ ہے یا اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ ہے۔ تو اِس صورت کے اندر لامِ ابتدا کا لانا واجب ہے۔ تو آپ یوں کہیں گے، اِنْ زیدٌ لَقائمٌ۔ تو یہ لامِ ابتدا بتلا دیگا کہ یہ اِنْ، اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ ہے۔

خلاصہ یہ کہ جب اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ کو عمل نہیں دیں گے تو پھر لامِ ابتدا کا لانا لازم ہے۔ اور وہ صورتیں جن میں آپ اِنْ مُخَفَّفَۃ مِنَ الْمُثَقَّلَۃ کو عمل دیں، پھر بھی آپ لامِ ابتدا کو لے کر آئیں گے تا کہ دونوں کا ایک ہی حکم ہو جائے۔

اور جب اِنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة کو لغو کرنا جائز ہے تو اب یہ فعل پر بھی داخل ہو سکتا ہے۔ پہلے یہ فعل پر داخل نہیں ہوتا تھا صرف مبتدا اور خبر پر داخل ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ فعل پر بھی داخل ہو سکتا ہے کیونکہ اس کے عمل کو ہم نے لغو کیا ہے۔ لیکن ہر فعل پر داخل نہیں ہوگا۔ ایسے فعل پر داخل ہوگا جو خود آگے مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں جیسے افعال ناقصة ہیں، افعالِ قلوب ہیں وغیرہ۔
جبکہ کوفہ والے نحوی فرماتے ہیں کہ یہ اِنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة ہر قسم کے فعل پر داخل ہو سکتا ہے۔

وَ تُخَفَّفُ الْمَكْسُوْرَةُ اور مُخَفَّفَة کیا جاتا ہے مکسورة کو۔ یعنی اِنَّ کو مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة کیا جاتا ہے۔ فَيَلْزِمُهَا اللَّامُ تو اسکے ساتھ لام لازم ہے۔ تاکہ وہ لام دلالت کرے اور بتلائے کہ یہ اِنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة ہے۔ ويجوزُ اِلْغَاءُهَا اور اِنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة کو لغو کر دینا بھی جائز ہے۔ یعنی اِنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة کو عمل نہ دینا بھی جائز ہے۔ ويجوزُ دُخولها اور جب اِنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة کے عمل کو لغو کر دیا تو جائز ہے اِس کا داخل ہونا، عليٰ فعلٍ مِّنْ اَفعالِ الْمُبتدَأ مبتدا کے افعال میں سے کسی فعل پر۔ یعنی جو افعال مبتدا پر داخل ہوتے ہیں اُن افعال پر اسکا داخل ہونا پھر جائز ہے۔ خلافًا للكوفيين بخلاف کوفہ والوں کے فی التَّعْمِيْمِ تعمیم کے اندر۔ یعنی کوفہ والوں کے نزدیک یہ اِنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة ہر فعل پر داخل ہو سکتا ہے۔

اسی طرح جب اَنَّ کو مُخَفَّفَة بنائے تو پھر وہ اَنَّ ضرور بالضرور عمل کریگا۔ اور اسکا اسم ضمیرِ شان ہمیشہ محذوف ہوگی۔ میں کہتا ہوں، "بَلَغَنِیْ اَنْ زیدٌ قائمٌ"۔ اب آپ کہیں گے کہ یہ کونسا اَنْ ہے۔ تو یہ اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَّة ہے۔ اور جب بھی اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَّة ہو تو اسکا اسم ضمیرِ شان ہمیشہ محذوف ہوگی۔ تو عبارت یوں ہوگی، " بَلَغَنِیْ اَنَّهُ زیدٌ قائمٌ "۔ تو یہ اَنَّ ھا ضمیرِ شان کو نصب دے رہا ہے۔ اور یہ ھا ضمیر محلاً منصوب ہے۔ اور زیدٌ قائمٌ آگے پورا جملة اس ضمیر شان کی خبر ہے۔

تو اِنَّ کے اندر عمل دینا بھی جائز تھا اور عمل نہ دینا بھی جائز تھا۔ لیکن اَنَّ کے اندر عمل کو باطل کرنا جائز نہیں۔ اور اَنَّ کا اسم ضمیر شان ہمیشہ محذوف ہوگا۔ اور آگے جو پورا جملة ہے وہ اسکی خبر ہوگی۔ تو اسکا اسم محلاً منصوب ہوگا اور خبر محلاً مرفوع ہوگا۔

سوال۔ بھئی کیا وجہ ہے کہ اس کے لئے ہمیشہ ضمیر شان ہی محذوف نکالتے ہیں؟ جواب۔ وجہ یہ، یاد رکھو! کہ یہ جو اَنَّ ہے اور اِنَّ ہے ان کی مشابہت فعل کے ساتھ ہے۔ اور ان دونوں میں اَنَّ کی مشابہت فعل سے زیادہ ہے اور اِنَّ کی مشابہت فعل کے ساتھ کم ہے۔ اَنَّ کی مشابہت اس لئے زیادہ ہے کہ اَنَّ کے اندر ہمزہ مفتوح ہے اور فعل کے اندر فعلِ ماضی کا پہلا حرف بھی مفتوح ہوتا ہے۔ جبکہ اِنَّ

کے اندر ہمزہ مکسور ہے اور فعل میں فعل ماضی کے اندر پہلا حرف کبھی بھی مکسور نہیں ہوتا۔ تو اس وجہ سے اَنَّ کی مشابہت زیادہ ہو گئی فعل کے ساتھ۔

اور یہ جو اِنَّ ہے۔ علماء نحو نے اس کے بارے میں تحقیق کی۔ جب عرب اس کو مُخَفَّفَة بناتے ہے تو پھر نحویوں نے دیکھا کہ یہ عمل کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ تو معلوم ہوا کہ عرب اس کو دونوں طرح استعمال کرتے ہیں۔ تو کبھی اسکو عمل دیتے ہیں اور اسکا اسم منصوب بن جاتا ہے اور کبھی اس کو عمل نہیں دیتے اور جیسے اس کا اسم پہلے مرفوع تھا تو اب بھی مرفوع ہی لاتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اِنَّ جب مُخَفَّفَة ہو جاتا ہے تو کبھی عمل کرتا ہے اور کبھی عمل نہیں کرتا۔

اور یہ جو اَنَّ ہے۔ علماء نحو نے اس کے بارے میں تحقیق کی۔ جب عرب اس کو مُخَفَّفَة بناتے ہیں تو پھر نحویوں نے دیکھا کہ یہ عمل کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ تو علماء نحو نے دیکھا کہ یہ کہیں پر بھی عمل نہیں کرتا۔ کہیں بھی اسکا اسم آگے مرفوع نہیں آتا۔ تو نحوی حضرات بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیا ہے؟ اَنَّ کی مشابہت تو اِنَّ کے بنسبت فعل کے ساتھ زیادہ ہے اور اِنَّ مُخَفَّفَة ہونے کی صورت میں پھر بھی عمل کرتا ہے جبکہ اَنَّ مُخَفَّفَة ہونے کی صورت میں عمل ہی نہیں کرتا۔ حالانکہ اَنَّ کی مشابہت فعل سے زیادہ ہے۔ تو اَنَّ کو زیادہ عمل کرنا چاہئے۔ تو اب وہ مجبور ہو گئے کہ چونکہ اَنَّ کی مشابہت فعل کے ساتھ زیادہ ہے لہٰذا اسکا عمل ضرور ہونا چاہئے۔ تو پھر اَنَّ کے لئے ضمیرِ شان محذوف نکالتے ہیں۔

اب بات بن گئی۔ اب اَنَّ کا اسم ضمیرِ شان بن گئی۔ اور آگے کوئی اسم منصوب نہیں آرہا تھا۔ تو علماء کہتے ہیں کہ کوئی بات نہیں اگر کوئی اسم منصوب نہیں آرہا، وہ پورا جملة ہے۔ مبتدا خبر ملکر وہ پورا جملة اس ضمیر شان کے لئے خبر بن جائے گی۔ تو اب اَنَّ کے اندر عمل واجب ہوا۔ یعنی اَنْ کے اندر عمل واجب ہوا اور اِنْ کے اندر عمل جائز ہوا۔ یعنی اِنْ کو کبھی عمل دیتے ہے اور کبھی عمل نہیں دیتے لیکن اَنْ کو ہمیشہ عمل دیتے ہے۔ تو اَنْ کے اندر عمل واجب ہونے کی وجہ سے اَنْ کا رتبہ بڑھ گیا بنسبت اِنْ کے۔ آگے صاحب کافیہؒ یہی بات فرما رہے ہیں۔

وَ تُخَفَّفُ الْمَفْتُوْحَةُ اور مُخَفَّفَة کیا جاتا ہے مفتوحة کو۔ یعنی اَنَّ کو مُخَفَّفَة کیا جاتا ہے۔

فَتَعْمَلُ فِی ضَمِیْرِ شانٍ مُّقَدَّرٍ تو یہ اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة عمل کرتا ہے ایسے ضمیرِ شان کے اندر جو کہ مقدَّر ہوتی ہے۔ **وَ تَدْخُلُ عَلَی الْجُملِ** اور یہ اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة داخل ہوتا ہے جملوں پر **مطلقًا** چاہے جملہ اسمیہ ہو چاہے جملہ فعلیہ ہو۔ بھئی اِنْ مُخَفَّفَة کے اندر انہوں نے کہا تھا کہ یہ ایسے فعل پر داخل ہوتا ہے جو آگے وہ فعل خود ہی مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں۔ اور یہ اَنْ مُخَفَّفَة مطلقًا جملوں پر داخل ہوتا ہے۔ چاہے وہ جملة اسمیہ ہے چاہے جملہ فعلیہ ہو۔ نیز فعل جیسا بھی ہو اَنْ مُخَفَّفَة کے لئے کوئی قید نہیں۔ اور اَنْ مُخَفَّفَة اس لئے ہمیشہ جملوں پر داخل ہوتا ہے کیونکہ اسکا اسم تو

ہمیشہ محذوف ہوتا ہے اور آگے پورا جملۃ چاہے جملہ اسمیہ ہو اور چاہے جملہ فعلیہ ہو وہ اَنْ کے لئے خبر بنے گا۔

وَ شَذَّ اِعْمَالُهَا فی غيرِه اور شاذ ہے اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة کا عمل غیرِ ضمیر شان میں۔ غیرِہ کی ھا ضمیر، ضمیرِ شان کو راجع ہے۔ یعنی ضمیرِ شان کے علاوہ کسی اور اسم کو یہ باقاعدہ نصب دے یہ اَنْ کا یہ عمل بڑا شاذ ہے۔ جیسا کہ یوں کہنا، بَلَغَنِيْ اَنْ زیدًا قائمٌ کہنا بڑا ہی شاذ ہے۔ ایسا نہایت ہی قلیل آیا ہے کلامِ عرب میں۔ وَ یَلْزَمُهَا اور لازم ہے اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة کے ساتھ مَعَ الْفِعْلِ فعل کے ساتھ السينُ او سوفَ او قدْ او حرفُ النَّفْي سین کا آنا یا سوفَ کا آنا یا قَدْ کا آنا یا حرف النفی کا آنا۔ بھئی انہوں نے کہا کہ یہ اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة جملہ اسمیہ پر بھی داخل ہوسکتا ہے اور جملہ فعلیہ پر بھی داخل ہوتا ہے۔ اور جملہ فعلیہ کے اندر ہر قسم کے فعل پر داخل ہو سکتا ہے۔ چاہے وہ فعل مبتدا خبر پر داخل ہونے والا ہو یا ایسا فعل نہ ہو۔ تو اس صورت کے اندر اب اشتباہ لازم آئے گا، مثلاً میں کہتا ہوں، بَلَغَنِيْ اَنْ یَّضْرِبُ زیدٌ عمرًوا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ زید عمرو کی پٹھائی کرتا ہے۔ اب یہ اَنْ کونسا اَنْ ہے۔ اگر اس کو بنائے اَنْ مصدریة، تو پھر تو یَضْرِبُ نہیں پڑھیں گے بلکہ یَضْرِبَ پڑھیں گے۔ اور اگر ہم اس کو بنائے اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة، تو پھر اَنْ یَّضْرِبُ پڑھیں گے۔ تو یَضْرِبُ پورا جملۃ اس اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة کی خبر ہے۔ کیونکہ ضمیرِ شان جو اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة کا اسم ہے وہ محذوف ہے۔ تو اب التباس لازم آئے گا اَنْ مصدریة اور اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة کے درمیان۔ تو فرق کرنے کے لئے علماء نے فرمایا کہ جب اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة جملہ فعلیہ پر داخل ہو جائے تو پھر اَنْ اور فعل کے درمیان سین یا سوفَ یا قَدْ یا حرفِ النَّفْي کو لائیں گے۔ تو یہ ہمیں بتلائے گا کہ یہ اَنْ مُخَفَّفَة مِنَ الْمُثَقَّلَة ہے۔ تو لہذا یہ نصب نہیں دیگا فعل کو۔

لیکن یہ یاد رکھو! یہ فعلِ متصرِّف ہونا چاہئے۔ تب سین، سوفَ، قد یا حرف النفی کا لانا لازم ہے۔ یعنی ایسا فعل ہونا چاہئے کہ جس میں گردان ہوتی ہو۔ اگر اُس میں گردان نہ ہوتی ہو تو پھر ان چیزوں کا لانا ضروری نہیں۔

وَ کَاَنَّ لِلتَّشْبِيْهِ اور کَاَنَّ تشبیہ کے لئے آتا ہے۔ جیسا کہ کَاَنَّ زیدًا اسدٌ: زید گویا کہ شیر ہے۔ تو میں نے زید کی تشبیہ دی شیر کے ساتھ۔ وَ تُخَفَّفُ اور کَاَنَّ کو کبھی مُخَفَّفَة بناتے ہیں۔ تو پھر کَاَنَّ کو کَاَنْ پڑھتے ہے۔ فَتُلْغٰى تو پھر اسکے عمل کو لغو کیا جائے گا۔ یعنی یہ اپنے اسم کو نصب اور خبر کو رفع نہیں دیگا۔ عَلَى الْاَفْصَحِ افصح لغت کے مطابق۔

وَ لٰكِنَّ لِلْاِسْتِدْرَاكِ اور لٰكِنَّ اِسْتِدْرَاک کے لئے آیا کرتا ہے۔ اِستدراک کہتے ہیں کہ ماقبل کلام سے جو وہم پیدا ہوتا ہو اُس وہم کو دور کرنا۔ مثلاً میں نے کہا، جاءَنِي زيدٌ: میرے پاس زید آیا۔ مُخاطَبْ نے سنا

تو اُس کے ذہن میں وہم پیدا ہو سکتا ہے کہ جب زید آیا ہوگا تو امید ہے کہ عمرو بھی آیا ہوگا کیونکہ عمرو زید کا بڑا گہرا دوست ہے۔ دونوں اکھٹے گھومتے پھرتے ہیں۔ تو جب زید آیا ہے تو امید ہے عمرو بھی آیا ہوگا۔ تو جاءنِی زیدٌ سے عمرو کے آنے کا وہم بھی پیدا ہوا۔ اور لٰکِنَّ کے ذریعے میں نے مخاطب کے اس وہم کو دور کر دیا اور کہا، "جاءنی زیدٌ لٰکِنَّ عمرًوا لَمْ یَجِئْ": میرے پاس زید آیا لیکن عمرو نہیں آیا۔ تو استدراک اِسے کہتے ہیں کہ ماقبل کلام سے جو وہم پیدا ہوتا ہو یا وہم پیدا ہونے کا احتمال ہو، تو اِس وہم یا وہم کے احتمال کو دور کرنا استدراک کہلاتا ہے۔ اور اسکے لئے لٰکِنَّ آتا ہے۔

تَتَوَسَّطُ بینَ کلامینِ مُتَغایِرَیْنِ مَعْنًی اور لٰکِنَّ دو مختلف کلاموں کے وسط میں آئے گا۔ یعنی ایک کلام مُثبت ہوگا تو دوسرا منفی ہوگا۔ مثلاً دیکھو! میں نے کہا، جاءَنی زیدٌ، تو یہ مثبت کلام ہے۔ اور لٰکِنَّ کے بعد، عمرًوا لَمْ یَجِئ، یہ منفی کلام ہے۔ تو لٰکِنَّ مثبت اور منفی کلام کے درمیان آیا۔ پس اگر ماقبل میں مثبت کلام ہو تو مابعد میں منفی کلام ہوگا اور اگر ماقبل میں منفی کلام ہو تو مابعد میں مثبت کلام ہوگا۔ لیکن یہ دونوں کلام معنیٰ کے اعتبار سے مُتغایر ہوں گے جبکہ لفظوں کے اعتبار سے دونوں کلاموں کا متغایر ہونا ضروری نہیں۔ مثلاً کبھی دونوں کلام مثبت ہوں گے۔ جیسا کہ میں کہتا ہوں، زیدٌ حاضرٌ و لٰکِنَّ عمرًوا غائبٌ: زید حاضر ہے لیکن عمرو غائب ہے۔ تو دیکھو! ہے تو دونوں مثبت لفظوں کے اعتبار سے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے ایک منفی ہے۔ یہ "عمرو غائب ہے۔" یہ "عمرو حاضر نہیں ہے۔" کے معنیٰ میں ہے۔

و تُخَفَّفُ اور کبھی کبھار لٰکِنَّ کو مُخَفَّفَة بناتے ہے۔ **فَتُلْغیٰ** تو پھر اسکے عمل کو لغو کیا جائے گا۔

و یجوزُ مَعَهَا الْواوُ اور اسکے ساتھ واؤ کا لانا بھی جائز ہے۔ چاہے لٰکِنَّ مُخَفَّفَة ہو یا چاہے لٰکِنَّ مُثَقَّلَة ہو اسکے ساتھ واؤ کا لانا جائز ہے۔ جیسا کہ، "وَ لٰکِنَّ عمرًوا لَمْ یَجِئْ" اور "وَ لٰکِنْ عمرٌو لَمْ یَجِئْ"۔ تو واؤ کا مُثَقَّلَة پر لانا بھی صحیح اور مُخَفَّفَة پر لانا بھی صحیح۔ بعض علماء کے نزدیک یہ واؤ عاطفہ ہوگا اور بعض علماء کے نزدیک یہ واؤ اعتراضیة ہوگا۔

و لَیْتَ لِلتَّمَنِّی اور لیتَ تَمَنِّی کے لئے آیا کرتا ہے۔ **وَ اَجازَ الْفَرَّاءُ لیتَ زیدًا قائمًا** اور "لیتَ زیدًا قائمًا" کو امام فرّاءؒ نے جائز قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ وہ فرماتے ہے کہ لیتَ تمنّی کے لئے آتا ہے۔ تو یہ لیتَ بمعنیٰ "اَتَمَنّٰی" کے ہوا۔ "اَتَمَنّٰی" متکلِّم کا صیغه ہے جسکا معنیٰ، "میں تمنّی کرتا ہوں" ہے۔ اور "اَتَمَنّٰی زیدًا قائمًا:میں تمنّیٰ کرتا ہوں کہ زید کھڑا ہو۔" لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ٹھیک ہے "لیتَ زیدًا قائمًا" جائز ہے ہم نے عربوں سے سنا ہے۔ لیکن یہ قائمًا، لیتَ کی خبر نہیں ہے۔ بلکه یہ حال واقع ہو رہا ہے۔ اور لیتَ کی خبر، "ثبتَ یا ثابتٌ" یہاں پر محذوف ہے۔ تو یوں کہیں گے، لیتَ زیدًا ثبتَ، اور اس ثبتَ کے اندر ھو ضمیر ہے اور یہ قائمًا اُس ھو ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے۔ یا ثابتٌ یہاں نکال لیں۔ اور اس ثابتٌ کے اندر ھو ضمیر ہے اور قائمًا اُس ھو ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے۔ تو جمہور کہتے ہیں کہ یہ

قائمًا خبر ہی نہیں۔ اور یہ تو حال ہے خبر سے آگے۔ اور خبر یہاں محذوف ہے۔ اور یہ اُن مقامات میں سے ہے جہاں پر خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔ اور حال کو ہم نے خبر کا قائم مقام بنایا۔ اور جب حال کو ہم نے خبر کا قائم مقام بنایا تو اب خبر کو حذف کرنا واجب ہے۔

وَ لَعَلَّ لِلتَّرَجِّیْ اور لَعَلَّ تَرَجِّی کے لئے آتا ہے۔ یعنی اُمید کے لئے آتا ہے۔ وَ شَذَّ الْجَرُّ بِهَا اور شاذ ہے لَعَلَّ کے ذریعے جرّ دینا۔ بھئی لَعَلَّ کبھی جرّ بھی دیتا ہے۔ جیسا کہ لَعَلَّ زیدٍ قائمٌ۔ لیکن یہ جرّ دینا شاذ ہے۔ جیسے لَوْلَا بھی کبھی جرّ دیتا ہے۔ جیسا کہ "لَوْ لَا زیدٍ"۔ لیکن یہ جرّ دینا اسکا شاذ ہے۔ اور یاد رکھئے یہ "لَعَلَّ، لَوْلَا، حروفِ زائدہ" جب جرّ دیں دے تو افصح قول کے مطابق پھر یہ کسی سے متعلّق نہیں ہوتے۔

درس 109۔ آگے صاحب کافیہؒ حروف عاطفة کی بحث شروع فرما رہے ہیں۔ حروفِ عاطفة دس ہے۔ اور یہ چار قسم پر ہے۔ کچھ حروفِ عاطفة وہ ہے کہ معطوف اور معطوفٌ علیه دونوں کے لئے اِس میں حکم ثابت ہوتا ہے۔ کچھ وہ ہے جس میں معطوفٌ علیه کے لئے حکم ثابت ہوتا ہے اور معطوف سے حکم کی نفی ہوتی ہے۔ کچھ میں معطوف کے لئے حکم ثابت ہوتا ہے اور معطوف علیه سے حکم کی نفی ہوتی ہے۔ اور کچھ میں دونوں کے لئے کسی ایک کے لئے حکم ثابت ہوتا ہے بغیر تعیین کے مُبہم طور پر۔

دیکھو! یہ واؤ، فاء، ثُمَّ اور حتّیٰ یہ چاروں معطوف اور معطوفٌ علیه دونوں کے لئے حکم کو ثابت کرتے ہیں۔ جیسا کہ، "جاءنی زیدٌ فعمرٌو" تو مجیئت زید اور عمرو دونوں کے لئے ثابت ہے۔

"لا" کے اندر معطوفٌ علیه کے لئے تو حکم ثابت ہوتا ہے لیکن معطوف سے حکم کی نفی ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں، "جاءَنِی زیدٌ لا عمرٌو": تو یہاں مجیئت زید کے لئے ثابت ہے اور عمرو کے لئے ثابت نہیں۔

جبکہ "بل اور لٰکِنْ" کے اندر معطوف کے لئے حکم ثابت ہوگا اور معطوفٌ علیه سے حکم کی نفی ہوگی۔ جیسا کہ، "جاءنی زیدٌ بل عمرٌو: آیا میرے پاس زید بلکہ عمرو"۔ تو اسکا معنیٰ یہ ہے کہ عمرو آیا۔

اور جبکہ "اَوْ، اِمَّا اور اَمْ" یہ معطوف یا معطوفٌ علیه میں سے کسی ایک کے لئے مُبہم طریقے پر حکم کو ثابت کرتے ہیں۔ یعنی تعیین نہیں ہوتی۔ جیسا کہ، "جاءَنی زیدٌ او عمرٌو: میرے پاس زید یا عمرو آیا"۔ اب مجیئت ثابت ہے زید یا عمرو کے لئے، لیکن مُبہم طریقے پر۔ کیونکہ پتہ نہیں چلتا کہ مجیئت زید کے لئے ثابت ہے یا عمرو کے لئے ثابت ہے۔

اَلْحُروفُ الْعَاطِفَةُ وَهِیَ الواؤُ و الفاءُ و ثمَّ و حتّٰی و اَوْ وَ اِمَّا وَ اَمْ وَ لا وَ بَلْ و لٰکِنْ حروفِ عاطفة دس ہیں۔

فَالْاَرْبَعَةُ الْاُوَلِ لِلْجَمْعِ اُوَل جمع ہے اُولیٰ کی۔ پہلے چار یعنی واؤ، فاء، ثمّ اور حتیّٰ جمع کے لئے آتے ہیں۔ یعنی معطوف اور معطوفٌ علیہ دونوں کو حکم میں جمع کرتے ہیں۔ جیسا کہ، "جاءنی زیدٌ و عمرٌو" تو معلوم ہوا کہ مجیئت میں دونوں جمع ہے۔ یعنی زید بھی آیا ہے اور عمرو بھی آیا ہے۔

فالواوُ لِلْجَمْعِ مُطْلَقًا لا ترتیبَ فیھا واؤ جمع مطلق کے لئے آتی ہے اور اس میں کوئی ترتیب نہیں ہوتی۔ بھئی میں نے کہا، "جاءنی زیدٌ و عمرٌو"، اس واؤ نے جمع کا فائدہ دیا کہ زید بھی آیا ہے اور عمرو بھی آیا ہے۔ لیکن واؤ یہ نہیں بتلاتا کہ کون پہلے آیا ہے۔ یہ بھی نہیں بتلاتا کہ دونوں اکھٹے آئیں ہیں یا الگ الگ آئیں ہیں۔ نیز یہ بھی نہیں بتلاتا کہ پہلے کے آنے کے بعد دوسرا کب آیا۔ یہ کہ دوسرا پہلے کے آنے کے فورًا بعد آیا یا ایک دن بعد آیا یا ایک ہفتے بعد آیا۔ اگر عمرو پہلے آئے اور زید بعد میں آئے تب بھی آپ یہ "جاءنی زیدٌ و عمرٌو" کہہ سکتے ہیں۔ تو واؤ تمام صورتوں کو شامل ہے۔

و الفاءُ لِلتَّرتیبِ اور فاء ترتیب کے لئے آتی ہے۔ اور فاء یہ بھی بتلاتا ہے کہ ایک کے آنے کے بعد دوسرا فورًا آیا۔ فورًا کا یہ مطلب نہیں کہ بس ایک یا دو سیکنڈ کے بعد دوسرا آیا۔ اس فورًا سے عرف کا فورًا مراد ہے۔ چاہیے ایک دو منٹ گزرے ہوئے یا چاہیے چار پانچ منٹ گزرے ہوں۔ مثلاً آپ ایک محفل میں بیٹھے ہیں۔ وہاں پر زید آیا پھر چار پانچ منٹ بعد عمرو آیا۔ اور آپ کسی کو بتلاتے ہیں کہ میں وہاں بیٹھا تھا کہ زید آیا اور پھر فورًا عمرو آیا۔ تو آپ یوں کہیں گے "جاءنی زیدٌ فعمرٌو": پہلے زید آیا اور پھر فورًا عمرو آیا۔

اور اس میں ہر فعل کو عرف کے مطابق دیکھیں گے۔ مثلاً قرآن مجید میں آتا ہے، "اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ ماءً فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا"۔ دیکھو! یہاں پر فاء آیا۔ حالانکہ بارش کے فورًا بعد پھل وغیرہ نہیں آتے۔ اور درمیان میں ایک وقت لگتا ہے۔

و ثُمَّ مِثْلُھا اور ثُمَّ بھی فاء کی طرح ہے یعنی ترتیب کے لئے آتا ہے۔ بِمُھْلَۃٍ لیکن مُہلت کے ساتھ۔ مثلاً، "جاءنی زیدٌ ثُمّ عمرٌو" : زید آیا پھر عمرو آیا۔ تو درمیان میں مہلت ہوگی۔ اور یہ مہلت کتنی ہوگی۔ بھئی جسے عرف میں مہلت کہتے ہیں۔

و حتّیٰ مِثْلُھا اور حَتّٰی بھی ثُمَّ کی مثل ہے۔ یعنی یہ بھی ترتیب اور مُہلت کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہ حتّٰی کی مہلث ثُمَّ کی مُہلت سے کم ہوتی ہے۔ نیز ثُمَّ جو آتا ہے یہ بتلاتا ہے ترتیب خارج میں۔ اور حتّیٰ بتلاتا ہے ترتیب ذہن میں۔ مثلاً، "جاءنی زیدٌ ثمّ عمرٌو": تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خارج میں زید کا آنا پہلے ہے اور عمرو کا آنا بعد میں ہے۔ لیکن حتّٰی جو ترتیب دیتا ہے وہ ذہن میں ہوتا ہے۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "ماتَ النّاسُ حتَّی الْاَنْبِیَاءُ: لوگوں کا انتقال ہوا یہاں تک کہ انبیاء کا بھی انتقال ہوا"۔ تو یہ ترتیب صرف ذہن کے اندر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے تمام لوگوں کا انتقال ہوا ہے اور بعد میں انبیاءؑ کا بھی

انتقال ہوا ہے۔ بلکه اس کا یه مطلب ہے که لوگ بھی مرتے رہے اور انبیاء بھی وفات ہوتے رہے۔ یعنی لوگ پہلے بھی انتقال کرتے رہے اور انبیاءؑ کے بعد بھی لوگوں کا انتقال ہوتا رہتا ہے۔ تو یہاں پر ترتیب صرف ذہن کے اندر ہے اور خارج کے اندر ترتیب نہیں۔

نیز اس میں کہتے ہیں **وَ مَعْطُوْفُها** اور حتّٰی کا معطوف جو ہوتا ہے **جزءٌ مِنْ مَّتْبُوْعِه** جُز ہوتا ہے اپنے متبوع کا، متبوع سے مراد وہی معطوفٌ علیه ہے۔ **لِيُفِيْدَ قُوَّةً اَوْ ضُعْفًا** تاکه یه حتّٰی کے ذریعے جو عطف کیا جائے یه قوت یا ضعف کا فائدہ دے دیں۔ دیکھو! حتیّٰ عاطفه کا مابعد، ماقبل کا جز ہونا یا ماقبل کے افراد میں سے ہونا ضروری ہے۔ مثلاً، " ماتَ النّاسُ حتَّى الاَنْبِيَاءُ"۔ تو یہاں پر دیکھئے! یه حتیّٰ کا مابعد "اَلْانْبِيَاء" جو ہے وہ حتیّٰ کے ماقبل یعنی "النَّاس" میں شامل ہے۔ یعنی مابعد کا ماقبل کے افراد میں سے ہونا یا ماقبل کا جز ہونا ضروری ہے۔ یه اس لئے تا که یه قوّت یا ضُعف کا فائدہ دے دیں۔

بھئی یه حتّٰی جو آتا ہے یه عموم کے لئے آتا ہے۔ تو یه حکم کو عام کردیتا ہے تا که حکم شامل ہو جائے تمام افراد کو یا تمام اجزاء کو۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "اَكَلْتُ السَّمَكَةَ حتّٰی رَأْسَهَا: میں نے مچھلی کھائی یہاں تک که اسکا سر بھی کھا لیا۔" تو دیکھو! یه رَأْسِ سمکة، سَمَکَة کا جز ہے۔ اور نیز حتیّٰ نے عموم کا فائدہ دیا۔ یعنی که پوری مچھلی کھا گیا یعنی سارے اجزاء کھا لئے۔ تو پته چلا که مَأکول "پوری مچھلی" ہے۔ اور حتّٰی نے مَأکول کے اندر عموم پیدا کر دیا۔ یا میں کہتا ہوں، " قَدِمَ الحاجُّ حتَّى الْمُشَاةُ: حاجی آ گئے یہاں تک که پیدل بھی آ گئے۔" یه پیدل بھی حاجی کے افراد میں سے ہے۔ حاجی پیدل بھی ہے اور سوار بھی ہے۔ تو دیکھو مابعد ماقبل کا جُز ہے۔ اور نیز حتّٰی نے عموم کا بھی فائدہ دیا۔ که حاجی آ گئے یہاں تک که پیدل بھی آ گئے۔ یعنی سارے حاجی آ گئے ہیں۔

نیز یه بتلایا که مابعد حتّٰی کے ماقبل کا جُز ہوتا ہے یا ماقبل کے افراد میں سے ہوتا ہے تا که یه قوّت یا ضعف کا فائدہ دے۔ اس لئے که حتّٰی جو ترتیب بیان کرتا ہے وہ ترتیبِ ذہنی ہوتا ہے اور ترتیبِ خارجی کو بیان نہیں کرتا۔ اور ذہن میں جو ترتیب ہوتی ہے وہ قوّۃ یا ضعف کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ تو جب میں نے کہا، " ماتَ النّاسُ حتَّى الاَنْبِيَاءُ"۔ تو یہاں ترتیب کس قوّۃ کے اعتبار سے ہے۔ تو سب سے پہلے آپ لوگوں کا ذکر کیا، که لوگ تو مر گئے اور لوگوں میں سے جو سب سے اعلیٰ ہیں یعنی اَنْبِيَاء کا بھی انتقال ہوا۔ تو ترتیب قوّۃ کے اعتبار سے قائم کی۔ تو پہلے ضعیف کو ذکر کیا اور بعد میں قوّی کو ذکر کیا۔ تو ترتیب یہاں پر ضعیف سے قوّی کی طرف آ گئی۔

اور کبھی ترتیب قوّی سے ضعیف کی طرف ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں، "" قَدِمَ الحاجُّ حتَّى الْمُشَاةُ: حاجی آ گئے یہاں تک که پیدل بھی آ گئے۔"

تو حتّٰی فائدہ دیتا ہے عموم کا۔ کہ حکم تمام افراد یا تمام اجزاء کو شامل ہو جائے۔ اور ترتیب کا فائدہ دیتا ہے۔ لیکن یہ ترتیب ذہن میں ہوتی ہے اور خارج میں نہیں ہوتی۔ اور ثمّ کے اندر جو ترتیب ہوتی ہے وہ خارج میں ہوتی ہے اور ثمّ کے اندر مابعد کا ماقبل کا جز ہونا ضروری نہیں۔

ایک حتّٰی جارّہ بھی ہوتا ہے۔ اور ایک حتّٰی عاطفہ ہوتا ہے۔ ان میں یاد رکھو! حتیّٰ جارّہ اصل ہے۔ اور حتیّٰ جارّہ میں عموم ہے۔ حتّٰی جارّہ کے اندر چاہے مابعد ماقبل کا جز ہو یا نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں وہ حتیّٰ جارّہ استعمال ہوتا ہے۔ لیکن حتّٰی عاطفہ کے اندر یہ بات ضروری ہے کہ مابعد کا ماقبل کا جز ہونا ضروری ہے۔

نِمْتُ البَارِحَةَ حَتَّى الصَّبَاحِ: میں سویا ساری رات یہاں تک کہ صبح تک۔ اب دیکھئے "صباح" جُز بارحۃ نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا یہاں حتّٰی جارّہ ہی پڑھیں گے۔ اور حتّٰی عاطفۃ نہیں پڑھ سکتے۔ جبکہ باقی مقامات پر حتّٰی آئے تو چاہے آپ اسے جارّہ بنائیں یا عاطفۃ بنائیں۔ لیکن عاطفۃ کے اندر ضروی ہے کہ مابعد ماقبل کا جز ہے اور جارّہ عام ہے چاہے جز ہو یا جز نہ ہو۔

وَ اَوْ وَ اِمَّا وَ اَمْ لِاَحَدِ الْاَمْرَیْنِ اَوْ، اِمَّا اور اَمْ جو ہیں وہ کسی ایک امر کے لئے یا دو امور میں سے کسی ایک کے لئے یا دو امور سے زیادہ کسی ایک کے لئے حکم کو ثابت کرنے کے لئے آتے ہیں۔ **مُبْہَمًا** اس حال میں کہ وہ ایک مُبہم ہو۔ مثلاً میں نے کہا، جاء زیدٌ او عمرٌو: آیا زید یا عمرو۔ تو دیکھو! مجیئت ثابت ہے زید یا عمرو میں سے ایک کے لئے، لیکن مُبہم طریقے پر ثابت ہے۔ یہ پتہ نہیں کہ زید کے لئے ثابت ہے یا عمرو کے لئے ثابت ہے۔

پھر اَمْ دو قسم پر ہے۔ ایک اَمِ متَّصلہ ہے اور ایک اِمِ منفصلۃ ہے۔ اَمِ متَّصلۃ اُس کو کہتے ہیں کہ جس میں آپ سوال کرتے ہیں دو چیزوں میں سے کسی ایک کی تعیین کے لئے۔ اور یہ ہمزہ استفہام کے ساتھ آئے گا۔ جیسا کہ، " ءَ رَجُلٌ فی الدارِ اَمِ امْرَءَۃٌ "۔ تو دیکھو دو مُبہم چیزوں میں سے کسی ایک کی تعیین چاہتا ہوں۔ یعنی مجھے اتنا پتہ ہے کہ یا تو رجل گھر کے اندر ہے یا امرءۃ گھر کے اندر ہے۔ لیکن اب تعیین نہیں کہ اِن دونوں میں سے ہے کون؟ البتہ اتنا ہی مجھے یقین ہے کہ ان دو میں سے کوئی ہے اور کوئی تیسری چیز نہیں ہے۔

اور اَمِ متَّصلہ کے اندر صاحب ہدایۃ النحو نے تین شرائط ذکر فرمائی ہے۔

پہلا شرط: ہمزہ استفہام آئے گا۔

دوسرا شرط: جس قسم کا کلمہ اَمْ کے بعد ہو اُس قسم کا کلمۃ ہمزہ استفہام کے بعد بھی ہو۔ اگر اَمْ کے بعد اسم ہو تو ہمزہ کے بعد بھی اسم ہوگا۔ جیسا کہ میں نے کہا، " اَرَجُلٌ فی الدَّارِ اَمِ امْرَءَۃٌ "۔ تو اس میں ام کے بعد اسم ہے اور ہمزہ کے بعد بھی اسم آرہا ہے۔ اسی طرح اگر اَمْ کے بعد فعل ہو تو ہمزہ کے بعد بھی فعل ہوگا۔

تیسرا شرط: تیسرا شرط یہ ہے کہ دونوں میں سے کوئی ایک ثابت ہونا چاہیئے۔ یعنی آپ کو اتنا پتہ ہونا چاہیئے کہ دونوں میں سے کوئی ایک ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیئے کہ آپ کو پتہ ہی نہ ہو۔ بلکہ آپ کو پتہ ہونا چاہیئے لیکن صرف آپ تعیین کے لئے پوچھیں گے۔

اسی لئے اس کے جواب میں "نعم" یا "لا" نہیں کہیں گے۔ کیونکہ آپ نے کہا، " اَرَجُلٌ فی الدّارِ اَمِ امْرَءَۃٌ " اور جواب میں وہ کہے کہ "نعم یا لا"۔ بھئی "نعم یا لا" اسکا جواب نہیں بن سکتا۔ بلکہ اسکا جواب تعیین کے ساتھ دیا جائے گا۔ کہ رجل ہے یا امرءۃ ہے۔

اچھا یہ دوسری شرط جو انہوں نے ذکر کی کہ اَمْ کے بعد جو کلمۃ ہوگا وہی کلمۃ ہمزہ کے بعد بھی ہوگا۔ یہ شرط صاحب کافیہؒ بھی ذکر کریں گے۔ تو فرماتے ہیں کہ یہ شرط ٹھیک نہیں۔ اس کی وضاحت صاحبِ کافیہؒ آگے فرمائے گا۔

وَ اَمِ الْمُتَّصِلَۃُ لازمۃٌ لھمزۃِ الِاستفھامِ اور اَمِ متَّصلۃ لازم ہے ھمزہ استفہام کے ساتھ۔ یہ پہلی شرط ہے۔ یَلِیْھَا یَلیھا کی ھا ضمیر اَمْ کو راجع ہے۔ اَمْ کے ساتھ مِلی ہوئی ہو۔ اَحَدُ الْمُسْتَوِیَیْنِ دو مساوی اُمور میں سے ایک۔ وَ الْاٰخَرُ الْھَمْزَۃَ اور دوسرا ھمزہ کے ساتھ ملا ہوا ہو۔ بعدَ ثُبُوْتِ اَحَدِھِما دونوں میں سے کسی ایک کے ثبوت کے بعد ہوگا لِطَلَبِ التَّعْیِیْنِ اور طلبِ تعیین کے لئے ہوگا۔ آپ کو اتنا تو پتہ ہے کہ اِن دونوں میں سے کوئی ایک ہے۔ صرف آپ تعیین کے لئے پوچھتے ہیں۔

و مِنْ ثَمَّ اسی وجہ سے۔ لم یَجُزْ یہ کہنا جائز نہیں ہے۔ اَرَأیْتَ زیدًا اَمْ عمرًوا کیا تو نے زید کو دیکھا ہے یا عمرو کو دیکھا ہے۔ یہ کہنا جائز نہیں ہے۔ کیوں بھئی یہ جائز کیوں نہیں ہے؟ اس لئے کہ یہاں پر دوسری شرط پائی نہیں جاتی۔ کیونکہ ہمزہ کے بعد فعل ہے اور اَمْ کے بعد اسم ہے۔ اور ہم نے دوسری شرط میں پڑھا تھا کہ جس قسم کا کلمۃ اَمْ کے بعد ہو وہی قسم کا کلمۃ ہمزہ کے بعد بھی ہونا چاہیئے۔

لیکن صاحب کافیہؒ کی یہ بات درست نہیں۔ امام سیبویہؒ وغیرہ ذکر فرما رہے ہیں کہ کہنا بھی جائز ہے۔ البتہ اگر یوں ہوتا، اَ زیدًا رَأیتَ اَمْ عمرًوا، تو یہ اَفْصَح ہوتا۔ اور اگر اس طرح ہو جیسا کہ یہاں پر ہے یعنی اَرَأیْتَ زیدًا اَمْ عمرًوا، تو پھر یہ فصیح ہے۔ معلوم ہوا یہ کلام اَرَأیْتَ زیدًا اَمْ عمرًوا بھی صحیح ہے اور فصیح ہے اور ہاں اگر شرط کے مطابق ہوتا یعنی اَ زیدًا رَأیتَ اَمْ عمرًوا ہوتا تو پھر یہ افصح ہوتا۔

لہٰذا یہ کلام، " اَرَأیْتَ زیدًا اَمْ عمرًوا " کلامِ فصیح ہے اور صاحب کافیہؒ کا اس کو غیرِ جائز کہنا صحیح نہیں ہے۔

و مِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے کانَ جوابُھا بالتعیین اسکا جواب تعیین کے ساتھ آئے گا۔ دونَ نعم اَوْ لا نَعم یا لا کے ساتھ نہیں۔

و مِنْ ثَمَّ اور اسی وجه سے كانَ جوابُها بالتعيين اسكا جواب تعيين كے ساتھ آئے گا۔ دونَ نعم اَوْ لا نَعم يا لا كے ساتھ نہيں۔

اب صاحب كافيهؒ اَم كى دوسرى قسم اَمِ مُنْقَطِعَة كے بارے ميں بيان فرما رہے ہيں۔ ياد ركھو! اَمِ منقطعة وه ہے كه جس ميں اَمْ سے ماقبل ميں خبر دى جائے، اور پھر اُس خبر كو چھوڑ كر آپ سوال شروع كر دے۔ يا كبھى كبھار اَمِ منقطعة سے پہلے سوال پوچھا جائے گا اور بعد ميں بھى سوال پوچھا جائے گا۔ يعنى اَمِ منقطعة سے پہلے ايك بات پوچھى اور پھر اُس بات كو چھوڑ كر دوسرى بات پوچھى۔ جيسے ديكھئے بھئى! آپ كو دور سے كوئى چيز نظر آتى ہے صحرا كے اندر۔ آپ نے اپنے ساتھى سے كہا۔ "اِنَّها لَاِبِلٌ": وه جو ريوڑ حركت كر رہا ہے وه اونٹ ہيں۔ تو ديكھا آپ نے اپنے ساتھى كو خبر دى كه وه جو حركت كر رہا ہے وه اونٹ ہے۔ اور بڑے يقين كے ساتھ آپ خبر دے رہے ہيں۔ كيونكه جملة اسميه لے كر آئے، اِنَّ لے آئے، اور لام تاكيد لے كر آئے۔ تو آپ نے تين تاكيدات پيدا كر كے آپ نے بڑے يقين كے ساتھ كہا كه يه اونٹ ہے۔ پھر وه چيز ذرا قريب آئى، تو آپ نے ديكھا كه وه تو بہت چھوٹى چيز ہے اور معلوم ہوا كه يه بكرياں ہے يا كوئى اور چيز ہيں۔ تو اب آپ نے سوال كيا، "اَمْ شاءٌ : بلكه كيا وه بكرياں ہيں۔" يعن آپ كو يه بھى يقين نہيں كه وه بكرياں ہيں يا كوئى اور چيز ہے۔ اور اُس كے بارے ميں آپ سوال كر رہے ہيں۔ شاءٌ جمع ہے شاةٌ كى۔ يہاں پر "اَمْ" "بَل يا ہمزه" كے معنىٰ ميں ہے۔ تو اصل عبارت يوں بن گئى، "بَل اَهِى شاءٌ: بلكه كيا يه بكرياں ہيں"۔ تو اَمِ منقطعة "بل اور ہمزه استفهام" كے معنىٰ ميں ہوتا ہے۔ تو اس لئے ميں نے كہا "بَلْ اَهِىَ شاءٌ"۔

وَالْمُنْقَطِعَةُ اَم كى دوسرى قسم اَمِ منقطعة ہے۔ كَبَلْ وه "بَلْ" كى طرح ہے۔ جيسے "بَلْ" آتا ہے اعراض كے لئے، اسى طرح اَمْ كے ذريعے بھى آپ ماقبل سے اعراض كر رہے ہيں۔ يعنى آپ ماقبل كے خبر يا ماقبل كے سوال سے اعراض كر رہے ہيں۔ و الهمزةِ اور همزة كى طرح ہے۔ يعنى جيسے همزه كے ذريعے سوال كيا جاتا ہے اسى طرح اِس اَمْ كے ذريعے بھى سوال كيا جاتا ہے۔ مثلُ اِنَّها لَاِبِلٌ اَمْ شاءٌ يہاں پر انّها كى ها ضمير "قَطِيْعَةٌ" كو راجع كرے يعنى وه ريوڑ جو دكھائى ديتا ہے وه اونٹ ہيں۔ يا ها ضمير "صورت" كو راجع ہے۔ وه صورت جو دكھائى ديتا ہے وه اونٹ ہيں۔ ليكن پھر آپ كو شك ہوا تو آپ نے كہا "اَمْ شاءٌ: كيا بكرياں ہيں"۔ ديكھا "بل" كا لفظ آيا اور اس كے ذريعے آپ نے ماقبل سے اعراض كيا۔ اور يه خبر چھوڑ دى اور سوال شروع كيا۔ تو يه "اَمْ" يہاں پر "بل اور همزه استفهام" كے معنىٰ ميں ہوا۔ يعنى "بَلْ اَ هِى شاءٌ"۔ تو يه اَمِ منقطعة كا مثال ہوا جس كے ماقبل ميں خبر آيا اور مابعد ميں سوال آيا۔ اور كبھى ماقبل ميں بھى سوال ہوتا ہے اور مابعد ميں بھى سوال ہوتا ہے۔ جيسے آپ كسى سے پوچھتے ہيں،

"اَزَیدٌ عندَکَ اَمْ عمرٌو عندَکَ"۔ پہلے آپ نے پوچھا، "کیا زید آپ کے پاس ہے؟" پھر آپ نے فورًا اِس سوال کو چھوڑ کر عمرو کے بارے میں سوال شروع کر دیا کہ "کیا عمرو آپ کے پاس ہے؟"

یاد رکھو! عطف کے لئے ایک اِمَّا بھی آتا ہے۔ اب وہ صاحب کتاب بتلا رہے ہیں۔ لیکن اِمَّا عطف کے لئے تب آئے گا جبکہ اِس اِمَّا سے پہلے ایک اور اِمَّا آیا ہو۔ یعنی اِس اِمَّا عاطفہ سے پہلے جو معطوفٌ علیہ ہے اُس سے پہلے ایک اور اِمَّا لانا پڑے گا۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "جاءنی اِمَّا زیدٌ وَ اِمَّا عمرٌو: میرے پاس زید یا عمرو آیا"۔ تو یہاں پر زیدٌ یعنی معطوفٌ علیہ کے بعد جو اِمَّا آیا ہے یہی عطف کے لئے آیا ہے۔ اور معطوفٌ علیہ زیدٌ سے پہلے جو اِمَّا آیا ہے یہ عطف کے لئے نہیں۔ لیکن اس پہلے اِمَّا نے ہمیں پہلے سے بتایا کہ مجیئت یا تو زید کے لئے ثابت ہے یا عمرو کے لئے ثابت ہے لیکن مبہم طریقے پر۔

اور یاد رکھو! یہ اِمَّا عاطفہ جو آتے ہیں تو اس کے ساتھ واؤ ضرور لاتے ہیں۔ جیسا کہ " جاءنی اِمَّا زیدٌ وَ اِمَّا عمرٌو"۔ تو اِمَّا عاطفۃ سے پہلے یہ واؤ کس لئے ہوتا ہے؟ کہتے ہیں کہ یہ واؤ زائد ہے اور یہ عطف کی تاکید کے لئے لاتے ہیں۔ اور یاد رکھو! اِمَّا سے پہلے ایک اِمَّا کا لانا واجب ہے لیکن اَوْ عاطفہ سے پہلے اِمَّا کا لانا جائز ہے واجب نہیں۔ جیسا کہ "جاءنِی زیدٌ اَوْ عمرٌو" تو یہاں پر اَوْ کے ذریعے عطف کیا اور اِمَّا کو نہیں لایا۔ اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں "جاءنِی اِمَّا زیدٌ اَوْ عمرٌو"۔ تو صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں۔

وَ اِمَّا قَبْلَ الْمَعْطُوْفِ عَلَيْهِ اور اِمَّا معطوفٌ علیہ سے پہلے لانا **لازمةٌ** یہ لازم ہے **مَعَ اِمَّا** اِمَّا عاطفۃ کے ساتھ۔ یعنی معطوفٌ علیہ سے پہلے ایک اور اِمَّا کا لانا واجب ہے۔ **جائزةٌ مع اَوْ** اور اَوْ کے ساتھ اِمَّا کا لانا جائز ہے۔

وَ لَا وَبَلْ وَ لٰكِنْ لَا، بَلْ اور لٰكِنْ **لِاَحَدِهِمَا مُعَيَّنًا** دو چیزوں میں سے کسی ایک مُعَیَّن چیز کے لئے آتی ہے۔ اِن میں "لَا" معطوفٌ علیہ کے لئے حکم کو ثابت کرتا ہے۔ اور اِن میں "بَلْ اور لٰکِنْ" معطوف کے لئے حکم کو ثابت کرتا ہے۔ **وَ لٰكِنْ لَازِمَةٌ لِلنَّفْيِ** اور لٰکِنْ لازم ہے نفی کے ساتھ۔ لٰکِنْ سے پہلے یا بعد میں نفی کا آنا ضروری ہے۔ جیسا کہ، " ما جاءَنِی زیدٌ و لٰکِنْ عمرٌو جاءنی" یا " جاءنِی عمرٌو لٰکِنْ زیدٌ لَمْ یَجِئْ"۔ تو لٰکِنْ سے پہلے یا بعد میں نفی کا ہونا ضروری ہے۔

حروفُ التنبيهِ حروف تنبیہ جو ہیں۔ **اَلَا وَ اَمَا وَ هَا** یہ تین ہیں۔ اَلَا آتا ہے تنبیہ کے لئے۔ یعنی کسی کو مُتَنَبَّہ کے لئے۔ اسی طرح اَمَا بھی اور ھَا بھی۔ لیکن اَلَا اور اَمَا جملے پر داخل ہوتے ہیں۔ چاہے جملہ اسمیہ ہو یا جملہ فعلیہ ہو۔ جیسا کہ "اَلَا زیدٌ قائمٌ" اسی طرح "اَمَا زیدٌ قائمٌ" ترجمہ: اگر وہ زید کھڑا ہے۔ اور یہ جو ھَا ہے یہ مفرد پر بھی داخل ہوتی ہے اور جملے پر بھی داخل ہوتی ہے۔ آپ اسم اشارہ ذَا پر ھَا کو داخل کرتے ہیں۔ تو ھٰذَا پڑھتے ہیں۔ تو ھٰذَا کے اندر یہ ھَا حرفِ تنبیہ ہے۔ اور ذَا اسم اشارہ مفرد

کے لئے ہے تو یہ ھَا اُس پر داخل ہوئی۔ اسی طرح حرف تنبیہ ھَا جملے پر بھی داخل ہوتی ہے۔ جیسا کہ، "ھَا زیدٌ قائمٌ":

خلاصہ یہ کہ یہ تینوں حروف تنبیہ جملے پر داخل ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں صرف ھَا ایسا حرفِ تنبیہ ہے جو مفرد پر بھی داخل ہو سکتا ہے جبکہ "اَلَا اور اَمَا" یہ دونوں حروفِ تنبیہ مفرد پر داخل نہیں ہو سکتے۔

حروفُ النِّداءِ یا اَعَمُّهَا حروفِ ندا میں سے حرفِ ندا "یا" سب سے عام ہے۔ اسی طرح لفظِ اللہ پر صرف "یا" داخل ہوگی اور کوئی حرفِ ندا نہیں۔ اسی طرح معرَّف باللام کو جب ندا دیں گے تو صرف "یا" لے کر آئیں گے، جیسا کہ " یَا اَیُّهَا الرَّجُلُ " **و ایا و هیا لِلْبَعِیْدِ** "اَیَا اور هَیَا" بعید کے لئے ہیں۔ **وَ اَیْ وَالْهَمْزَةُ لِلْقَرِیْبِ** اَیْ اور هَمزة قریب کے لئے ہیں۔ تو اَیَا اور هَیَا بعید کے لئے ہیں کیونکہ اِن میں حروف زیادہ ہے۔ کیونکہ ایک شخص جب دور ہو تو دوسرا چاہتا ہے کہ ندا لمبی ہونی چاہئے۔ اور اَیْ اور همزة قریب کے لئے ہے تو ندا بھی تھوڑی چاہتا ہے اور اس میں حروف بھی کم ہے۔

درس 110۔ **حروفُ الْاِیْجَابِ نَعَمْ وَ بَلٰی وَ اِیْ وَ اَجَلْ وَ جَیْرِ وَ اِنَّ** یہ حروفِ ایجاب ہیں۔ ان میں جَیْر کو جَیْرِ اور جَیْرَ دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے۔ **فَنَعَمْ مُقَرِّرَةٌ لِمَا سَبَقَهَا** نَعَمْ ثابت کرنے والا ہے اُس چیز کو جو اُس سے پہلے ہے۔ اگر نَعَمْ سے پہلے مُثبت ہے تو مُثبت کو ثابت کریگا اور اگر نَعَمْ سے پہلے منفی ہے تو منفی کو ثابت کریگا۔ مثلاً کسی نے کہا، "اَقَامَ زیدٌ" تو میں نے کہا "نَعَمْ"۔ تو اسکا معنیٰ یہ ہے کہ "قَامَ زیدٌ"۔ اگر کسی نے کہا، "اَمَا قَامَ زیدٌ" تو میں نے کہا "نَعَمْ" تو اب معنیٰ ہے "مَا قَامَ زیدٌ"۔ تو استفہام اثبات کے ساتھ ہے تو نعم اثبات کو ثابت کریگا اور اگر استفہام نفی کے ساتھ ہے تو نفی نفی کو ثابت کریگا۔ اسی لئے کہا کہ نعم ثابت کرنے والا ہے جو اُس سے پہلے آئے۔

و بلٰی مُخْتَصَّةٌ بِاِیْجَابِ النَّفْیِ اور "بلیٰ" خاص ہے نفی کے اثبات کے ساتھ۔ ایجاب بمعنیٰ اِثبات۔ بھئی استفہام کے اندر تو نفی ہوگی لیکن بلیٰ اسکو اثبات کے ساتھ بدل دیگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو اکھٹا فرما کر فرمایا، " اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ: کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟" تو تمام روحوں نے جواب دیا، "بلیٰ: کیوں نہیں: یعنی آپ ہمارے ربّ ہیں۔" تو استفہام میں جو نفی تھی تو "بلیٰ" اُسکو اثبات سے بدل دیتا ہے۔ اسی لئے مفسِّرین حضرات لکھتے ہیں کہ اگر اس موقع پر "نَعَمْ" کہہ دیا جائے تو یہ کفر ہے۔ کیونکہ نَعَمْ تو ماقبل کو ثابت کرتا ہے چاہے مثبت کلام ہو یا منفی کلام ہو۔ اور ماقبل میں نفی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا، "کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟" اور اگر جواب "نعم" سے دیتے تو معنیٰ یہ ہوتا کہ آپ تو ہمارے ربّ نہیں ہے۔ تو یہ تو کفر ہو جاتا۔

وَاِیْ اِثْبَاتُ بعدَ الْاِسْتِفْھَامِ اِیْ کا معنیٰ بھی ہاں ہے۔ لیکن یہ استفہام کے بعد اثبات کے لئے آتا ہے
و یلزمُھَا الْقَسَمُ اور اس کے ساتھ قسم لازم ہے۔ کسی نے پوچھا، اَزَیْدٌ فِی الدَّارِ: کیا زید گھر میں ہے؟
میں نے کہا، "اِیْ واللّٰہِ: ہاں واللہ" ۔ تو یہ اِیْ استفہام کے جواب میں آتا ہے اور اس کے ساتھ قسم لازم ہے۔

وَ اَجَلْ وَ جَیْرِ وَاِنَّ تَصْدِیْقٌ لِلْمُخْبِرِ اَجَلْ، جَیْرِ اور اِنَّ مُخْبِر کی تصدیق کے لئے آتے ہیں۔ کسی نے خبر دی آپ اُسکی تصدیق کرنا چاہتے ہیں۔ کسی نے کہا، زید کھڑا ہے۔ آپ اردو میں کہیں گے، "بالکل جناب" ۔ تو آپ نے اُس مُخبر کی تصدیق کی۔ اسکے لئے عربی میں اَجَلَ، جَیْرِ اور اِنَّ ہیں۔ یعنی اگر کسی نے کہا، "قَامَ زیدٌ" اور آپ نے کہا "اِنَّ" ۔ تو یہاں پر "اِنَّ" کا مطلب ہے یقیناً ایسا ہی ہے میں آپکی تصدیق کرتا ہوں۔

حروفُ الزِّیَادَۃِ یہ حروف کلام میں کبھی زائدہ استعمال ہوتے ہیں۔ اِنْ وَ اَنْ وَ مَا وَ لَا وَ مِنْ و الباءُ و اللامُ یہ حروف، کبھی زائد ہوتے ہیں۔ زائد ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر کلام میں سے اِن کو نکال دیں، تو اصلِ معنیٰ پر پھر بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ حروفِ زائدہ بیکار نہیں۔ انکا فائدہ لفظًا بھی ہے اور معنًی بھی ہے۔ معنًی یہ فائدہ کہ کلام میں اِنکی وجہ سے تاکید پیدا ہوجاتی ہے۔ اور لفظوں کے اندر اسکا فائدہ یہ ہے کہ کلام حسین بن جائے گا۔ اور اس لفظ کے بغیر کلام اتنا حسین نہیں تھا۔ لیکن یہ جو زائد حرف آپ لائے تو اسکی وجہ سے کلام حسین ہوا۔ نیز شعروں کا اپنا خاص وزن ہوتا ہے۔ تو کبھی کبھی یہ حرفِ زائد لا کر وزن کو برابر کر لیا جاتا ہے۔ تو اب یہ بالکل بے کار نہیں۔ اگر اس کو ہم نکال دیتے ہیں تو شعر کا وزن ہی سارا خراب ہو جاتا ہے۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ حرفِ زائد ہو اور اس میں نہ لفظی فائدہ ہو اور نہ معنوی فائدہ ہو۔ اگر حروفِ زائدہ لفظی فائدہ بھی نہ دیں اور معنوی فائدہ بھی نہ دیں تو پھر یہ تو بیکار لفظ ہوا۔ اور بے کار لفظ کا لانا فصیح لوگوں کا کام نہیں۔ خاص طور پر اس قسم کے کلمات قرآن مجید میں بھی واقع ہیں۔ تو وہاں انکو عبث کہنا جائز نہیں۔

آگے صاحبِ کافیہؒ بتلا رہے ہیں کہ کون کہاں پر زائد استعمال ہو رہے ہیں۔

فَاِنْ مَعَ مَا النَّافِیَۃِ اِنْ زائدہ مَائے نافیۃ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ آپ کہتے ہیں، "مَا زیدٌ قائمًا: زید کھڑا نہیں۔" کبھی اِس مَا کے بعد اِنْ بڑھا دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں، "مَا اِنْ زیدٌ قَائِمًا" ۔ یہ اِنْ بھی نفی کے لئے آتا ہے اور یہ مَا بھی نفی کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہاں پر یہ اِنْ زائد ہے۔ اس لئے کہ اگر اسکو زائد نہ مانا جائے تو پھر نفی پر نفی داخل ہوگی اور اِثبات کا فائدہ دے گا۔ اور پھر معنیٰ ہوگا کہ زید کھڑا ہے۔ حالانکہ یہ بتلانا مقصد نہیں۔ وَ قَلَّتْ مَعَ مَا الْمَصْدَرِیَّۃِ اور بڑا قلیل ہے اِنْ کا زائدہ کرنا مائے مصدریۃ کے

ساتھ۔ مائے مصدریۃ وہ ہوتا ہے جو فعل پر داخل ہوتا ہے اور اُس کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ مثلاً، مَا یَضْرِبُ میں یہ مَا مصدریۃ ہے۔ اس نے یَضْرِبُ کو ضَرْب کے معنیٰ میں کر دیا۔ لیکن کبھی کبھار اس کے بعد اِنْ بڑھا دیتے ہیں۔ جیسا کہ "مَا اِنْ یَّضْرِبُ"۔

وَ لَمَّا اسی طرح لَمَّا کے بعد بھی کبھی اِنْ بڑھا دیتے ہیں۔ جیسا کہ "لَمَّا اِنْ جَلَسْتَ جَلَسْتُ"۔ تو یہ اِنْ زائد ہے۔ وَ اَنْ مَعَ لَمَّا اور لَمَّا کے بعد کبھی اَنْ زائد آجایا کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کا یہ قول ہے۔ "فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ"۔ اس میں یہ اَنْ زائد ہے۔ زائد ہونے کہ مطلب یہ ہے کہ اگر اس کو نکال بھی دیا جائے تو معنیٰ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وَ بینَ لَوْ وَ الْقَسَمِ اسی طرح اَنْ زائدہ کبھی لَوْ اور قَسَمْ کے درمیان میں بھی آجاتا ہے۔ جیسے، "واللہِ اَنْ لَّوْ قُمْتَ قُمْتُ"۔ وَ قَلَّتْ مَعَ الْکَافِ اور اَنْ زائدہ بڑا قلیل آیا ہے کافِ تشبیہ کے ساتھ۔ آپ نے کہا، "زیدٌ کَاَسَدٍ" تو اس کافِ تشبیہ کے بعد کبھی اَنْ آجاتا ہے۔ یعنی "زیدٌ کَاَنْ اَسَدٍ"۔ تو یہ اَنْ زائدہ ہوتا ہے لیکن یہ بڑا قلیل آیا ہے کلامِ عرب میں۔

وَ مَا مَعَ اِذَا اور مَا زائدہ اِذَا کے ساتھ آتا ہے۔ و متیٰ اور مَا زائدہ متیٰ کے ساتھ آتا ہے۔ وَ اَیٍّ اور مَا زائدہ اَیٌّ کے ساتھ آتا ہے۔ و اَیْنَ اور مَا زائدہ اَیْنَ کے ساتھ آتا ہے۔ و اِنْ اور مَا زائدہ اِنْ کے ساتھ آتا ہے۔ شرطًا اس حال میں کہ یہ "اِذا، متیٰ، اَیٌّ، اَیْنَ اور اِنْ" شرط کے لئے ہو۔ تو پھر انکے ساتھ مَا زائدہ آتا ہے۔ تو اِذا میں کہتے ہیں، اِذَا مَا، اور متیٰ میں کہتے ہیں، متیٰ مَا، اور اَیٌّ میں کہتے ہیں، اَیٌّ مَّا، اَیْنَ میں اَیْنَمَا، اور اِنْ میں اِنْمَا کہتے ہیں۔ اِنْمَا کو پھر اِمَّا پڑھتے ہیں۔ کیونکہ نونِ ساکن کے بعد حروف یرملون میں سے میم آیا ہے۔ تو نون کو میم کیا اور پھر میم کا میم میں ادغام کیا تو اِمَّا ہوا۔ مثلاً، "اِذَا ما تَجْلِسْ اَجْلِسْ"، "متیٰ ما تَجْلِسْ اَجْلِسْ"، "اَیْنَ مَا تَجْلِسْ اَجْلِسْ" اسی طرح باقی سب میں۔

اسی طرح قرآن مجید میں آیا ہے اَیٌّ کی مثال، "اَیًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنیٰ"۔ تو دیکھو یہ جو اَیًّ کے بعد مَا آئی ہے یہ زائد ہے۔

وَ بعضِ حُرُوْفِ الْجَرِّ یہ بعض کا عطف ہو رہا ہے اِذَا پر۔ ای وَ مَا مَعَ بَعْضِ حُرُوْفِ الْجَرِّ: اور بعض حروفِ جارّہ کے بعد بھی "مَا" کو بڑھاتے ہیں۔ جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللہِ: اللہ کی رحمت کے سبب سے"۔ تو فَبِمَا میں با جارّہ کے بعد یہ مَا زائدہ ہے۔ کیونکہ بَا "مَا" کے بعد جا کر رَحْمَةٍ میں عمل کر رہا ہے اور رَحْمَةٍ کو جرّ دے رہا ہے۔

وَ قَلَّتْ مَعَ الْمُضَافِ اور زیادۃِ مَا مضاف کے ساتھ بڑا ہی قلیل ہے۔ جیسے "لَاطِیَ مَا" یا "لَاطِیَّ مَا"۔ یہ کلام استعمال ہوتا ہے ایک چیز کو دوسرے چیز پر ترجیح دینے کے لئے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں، "لَا طِیَّ ما زیدٌ"، "لَا طِیَّ ما زیدًا"، "لَا طِیَّ مَا زیدٍ"۔ تو اسکے بعد تینوں اعراب پڑھ سکتے ہیں۔ اور یہاں پر ہماری بحث

جرّ والی حالت سے ہے۔ تو یہاں پر "لَا طِيَّ ما زيدٍ" سے ہمارا بحث ہے۔ یہ طِيَّ مضاف ہے۔ اور زیدٍ مضافٌ الیہ ہے۔ اور یہ "مَا" درمیان میں زائد ہے۔

وَ لَا مَعَ الْوَاوِ بعدَ النَّفْيِ اور "لا" کو کبھی بڑھاتے ہے واؤ کے ساتھ نفی کے بعد۔ آپ کہتے ہیں، "ما جاءَنِي زيدٌ وَ لا عمرٌو": میرے پاس نہ تو زید آیا اور نہ تو عمرو۔ تو یہ "لا" زائدہ ہے یاد رکھنا۔ اس لئے کہ اگر اس "لا" کو زائد نہیں مانیں گے تو یہ تو نفی پر نفی آگئی۔ اور نفی پر نفی داخل ہو تو اثبات کا فائدہ دیتی ہے۔ پھر معنیٰ بن جائے "زید نہیں آیا اور عمرو آیا ہے"۔ حالانکہ یہ معنیٰ مراد نہیں۔ لہٰذا یہ کہنا پڑے گا کہ یہ "لا" زائد ہے۔

یاد رکھو! نفی کا لفظوں میں ہونا ضروری نہیں۔ معنیٰ کے لحاظ سے نفی ہو تو بھی ٹھیک ہے۔ جیسے قرآن میں آیا ہے، "غيرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ط" یہ الضَّآلِّيْنَ کا عطف الْمَغْضُوْبِ علیھم پر ہو رہا ہے۔ اور یہ "لا" زائد ہے۔ اس لئے کہ غیرَ نے معنیٰ میں نفی پیدا کر دی۔ غيرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ : نہ کہ وہ جن پر آپکا غضب نازل ہوا ہے۔ اور آگے وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ط ہے۔ غیرَ نے معنیٰ میں نفی پیدا کر دی۔ اب اگر وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ط میں "لا" کو زائد نہیں مانیں گے تو پھر معنیٰ میں خرابی لازم آئے گا۔ اس لئے کہ نفی پر نفی داخل ہو جائے گا اور نفی پر نفی کا داخل ہونا اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔ لہٰذا یہاں لفظوں میں تو نفی نہیں ہے لیکن معنیٰ میں نفی ہے اسی وجہ سے اس "لا" کو زائد ماننا پڑیگا اور یہ واؤ کے بعد آتا ہے۔

وَ بَعْدَ اَنِ الْمَصْدَرِيَّةِ اور اَنِ مصدریۃ کے بعد بھی کبھی "لا" کو زائد لایا جاتا ہے۔ جیسے قرآن میں آیا ہے۔ "مَا مَنَعَکَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ: کس چیز نے تجھے روکا سجدہ کرنے سے۔" یہ "لا" زائد ہے۔ یہاں یہ معنیٰ نہ کرنا کہ "کس چیز نے تجھے روکا سجدہ نہ کرنے سے۔" تو یہاں پر اَنْ مصدیّۃ کے بعد یہ "لا" زائد ہے۔

و قلَّتْ قَبْلَ اُقْسِمُ اور بڑا قلیل ہے "لا" کا زائد ہونا اُقْسِمُ سے پہلے۔ کبھی کبھار اُقْسِمُ فعل آتا ہے اُس سے پہلے "لا" کے لفظ کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں آتا ہے، "لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ"۔ یہ "لا" زائد ہے اور کلام کے اندر حسن کو پیدا کرنے کے لئے ذکر کیا گیا۔ یا اسی طرح قرآن میں آتا ہے، "لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ: میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی"۔اگر "لا" کو زائد نہ مانے تو پھر معنیٰ ہوگا، "میں قیامت کے دن کی قسم نہیں کھاتا۔" اور یہ معنیٰ نہیں ہے۔ تو یہ "لا" زائد ہے۔ اور یہ عبارت کو حسین بنانے کے لئے ذکر کیا گیا۔

اس کے اندر بلاغت کا نُکتہ یہ ہے۔ اس میں اشارہ ہوتا ہے اس بات کی طرف، کہ یہ جو آگے جوابِ قسم آرہا ہے یہ اتنی ظاہر بات ہے کہ اُس پر قسم کھانے کی ضرورت ہی نہیں اور بڑی ظاہر بات ہے۔ تو قَسَمْ پر "لَا" داخل کر دیا گیا۔ تو بتلا دیا کہ جس بات پر قسم کھائی جاتی ہے یہ اتنی ظاہر بات ہے کہ اِس پر قسم کھانے کی ضرورت ہی نہیں۔ مثلاً آپ کہتے ہیں، "لَآ اُقْسِمُ بِاللّٰهِ اِنَّ زيدًا لَعَالِمٌ: میں قسم کھاتا ہوں کہ یقیناً زید عالم ہے۔" اب اس "لا" زائد کو کیوں لایا گیا؟ جواب۔ یہ بتلانے کے لئے کہ میں جس چیز پر

قسم کھاتا ہوں یعنی میں زید کے عالم ہونے پر قسم کھا رہا ہوں یہ اتنی ظاہر بات ہے کہ اس پر قسم اُٹھانے کی ضرورت ہی نہیں۔

و شَذَّتْ مَعَ الْمُضَافِ اور "لا" کو مضاف کے ساتھ زائد لانا شاذ ہے۔ یعنی مضاف اور مضافٌ الیہ کے درمیان میں کبھی "لا" کو زائد لایا جاتا ہے لیکن یہ شاذ ہے۔ جیسا کہ "غلامُ زیدٍ" میں کبھی کبھار "غلامُ لا زیدٍ" کہتے ہے۔ یہ "لا" زائدہ ہے اور بڑا ہی قلیل آیا ہے۔

وَ مِنْ وَ الْبَاءُ وَ اللَّامُ اور مِنْ بھی کبھی زائدہ آتا ہے، باء بھی کبھی زائدہ آتا ہے، اور لام بھی کبھی زائدہ آتا ہے، **تَقَدَّمَ ذِكْرُهَا** اِن تینوں کا ذکر گزر چکا ہے حروفِ جارّہ میں۔ وہاں پر مِنْ کا ذکر بھی آیا تھا، باء کا ذکر بھی آیا تھا اور لام کا ذکر بھی آیا تھا۔

حَرْفَا التفسيرِ ای حرفانِ التَّفْسِيرِ: نونِ تثنیہ اضافت سے گر گیا۔ تفسیر کے دو حروف ہیں۔ **اَیْ و اَنْ** اَیْ اور اَنْ ہیں۔ اَیْ کے ذریعے مفرد کی تفسیر بھی ہو سکتی ہے اور جملے کی تفسیر بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ فرماتے ہیں، "وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ"، مفسِّرین وہاں لکھتے ہیں، اَیْ اَهلَ القريةَ۔ القرية کی تفسیر اَهْلَ الْقَرْيَةَ کے ساتھ کر دیتے ہیں۔ اور یہاں الْقَرْيَةَ سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ تو یہاں پر مفرد کی تفسیر اَیْ کے ذریعے کی گئی۔

اور کبھی جملے کے ساتھ جملے کی تفسیر کی جاتی ہے۔ جیسا کسی شخص نے کہا، "قُطِعَ رِزْقُهُ": فلاں کا رزق قطع کر دیا گیا۔ بھئی اسکا کیا معنیٰ؟ پھر آگے اسکے تفسیر کرتے ہے، اَیْ ماتَ: یعنی کہ وہ مر گیا۔ تو اَیْ کے ساتھ ماقبل میں پورے جملے کی تفسیر کی پورے جملے کے ساتھ۔

اب صاحب کافیہؒ اَنْ کے بارے فرماتے ہیں۔ **فَاَنْ مُخْتَصَّةٌ بِما فِی مَعْنَی الْقَوْلِ** اَنْ خاص ہے اُس فعل کے ساتھ جو قول کے معنیٰ میں ہو۔ "مَا" سے مراد فعل ہے۔ بھئی اَنْ کے ساتھ بھی تفسیر کریں گے لیکن قول کی تفسیر نہیں کریں گے۔ اور قالَ کی تفسیر اَنْ کے ساتھ نہیں ہوگی۔ اور ایسے فعل کی تفسیر بھی نہیں ہوگی اَنْ کے ساتھ جس میں قول کا معنیٰ نہ پایا جائے۔ تو اَنْ کے ذریعے صرف اُس فعل کی تفسیر ہوگی جن میں قول کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، " وَ نَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰاِبْرَاهِيْمُ": وَ نَادَيْنٰهُ : اور ہم نے اُنہیں ندا دی، اَنْ: یہ تفسیر ہے، کیا ندا دی، يّٰاِبْرَاهِيْمُ : یعنی کہ اے ابراھیمؑ تو دیکھو ندا کی تفسیر کر دی گئی يٰاِبْرَاهِيْمُ کے ساتھ۔ تو اَنْ نے تفسیر کی۔ اور اَنْ ایسے فعل کی تفسیر کے لئے آتا ہے جس کے اندر قول کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ اور ندا کے اندر قول کا معنیٰ ہوتا ہے کیونکہ ندا ہمیشہ قول کے ساتھ ہوتی ہے۔

حُرُوْفُ الْمَصْدَرِ حروفِ مصدر جو ہیں۔ مَا وَ اَنْ وَ اَنَّ مَا، اَنْ اور اَنَّ ہیں۔ فَالْاَوَّلَانِ لِلْفِعْلِيَّةِ وَ اَنَّ لِلْاِسْمِيَّةِ ان میں سے جو "ما اور اَنْ" ہے یہ جملہ فعلیہ پر داخل ہوتے ہیں۔ اور جملے کو مصدر یعنی مفرد کے معنیٰ میں کر دیتے ہیں۔

حروفِ مصدریَّة میں سے جو اَنَّ ہے یہ وہی اَنَّ ہے جو ہم نے حروفِ مشبّہ بالفعل میں پڑھا ہے۔ اور اَنَّ مابعد کے جملے کو مصدر کے حکم میں کر دیتا ہے۔ اور اُسکا طریقہ یہ تھا کہ خبر کے مصدر کو مضاف کر دے اسم کی طرف۔

حُرُوْفُ التَّحْضِيْضِ هَلَّا وَ اَلَّا وَ لَوْلَا وَ لَوْمَا تحضیض کے معنیٰ ہے اُبھارنا، یہ حروف بھی اُبھارنے کے لئے آتے ہیں۔ مثلاً میں کہتا ہوں، "هَلَّا تَضْرِبُ زيدًا: تو زید کی پٹھائی کیوں نہیں کرتا؟" اسکا معنیٰ ہے کہ تجھے زید کی پٹھائی کرنی چاہیئے۔ اسی طرح "لَوْلَا تَضْرِبُ زيدًا: تو زید کی پٹھائی کیوں نہیں کرتا؟" اسکا معنیٰ ہے کہ تجھے زید کی پٹھائی کرنی چاہیئے۔ لها صدرُ الكلامِ اِن کے لئے صدارتِ کلام ہے۔ یعنی کلام کے شروع میں آئیں گے۔ و تَلْزَمُ الْفِعْلَ لفظًا او تقديرًا اور اِن کے ساتھ فعل لازم ہے، فعل لفظوں میں ہوگا یا تقدیرًا ہوگا۔ جیسا کہ هَلَّا تَضْرِبُ زيدًا میں هَلَّا کے بعد فعل آیا۔ اور یا کبھی فعل تقدیرًا ہوگا، جیسا کہ هَلَّا زيدًا : ای هَلَّا تَضْرِبُ زيدًا۔

یہ لَوْلَا تحضیضیة ہے اور ایک لَوْلَا امتناعیة بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ "لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَکَ عمرُ"۔ یہ لَوْلَا امتناعیة ہے۔ یہ لَوْلَا امتناعیة جملہ اسمیہ پر داخلہ ہوتا ہے اور اسکا خبر محذوف ہوتا ہے۔اور یہ آتا ہے امتناعِ ثانی کے لئے بوجہ وجودِ اوّل کے۔ اسکی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

حرفُ التوقُّعِ قَدْ حرفِ تَوَقُّع قَدْ ہے۔ توقع کا معنیٰ ہے امید۔ بھئی اس کو حرفِ توُقع اس لئے کہتے ہیں کہ جس کے لئے آپ یہ قَدْ لائے ہیں (قد تو بعض اوقات ماضی پر داخل ہوتا ہے اور بعض اوقات مضارع پر) لیکن جس کو آپ خبر دے رہے ہیں اُس کو خبر کے ملنے کی توقع تھی۔ مثلاً ایک شخص ہے وہ اس انتظار میں ہے کہ زید کب اٹھتا ہے؟ آپ اِسے کہتا ہے، "قد قامَ زيدٌ: تحقیق زید کھڑا ہو چکا ہے۔" تو دیکھو اُس کے انتظار میں خبر کی امید تھی۔

حرفِ توقع "قد" ماضی میں تحقیق اور تقریب کا فائدہ دیتا ہے۔ بھئی ضَرَبَ کا معنیٰ ہے "اُس نے پٹھائی کی"۔ یہ پٹھائی کس وقت کی؟ بس زمانۂ ماضی میں پٹھائی کی۔ چاہے قریب کی ماضی ہو یا بعید کی ماضی ہو۔ لیکن جب آپ نے کہا "قد ضَرَبَ" تو اس نے یہ بتلایا کہ ابھی قریب کے ماضی میں یہ بات ہوئی ہے۔ تو یہ قد جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو یہ حال کے قریب کر دیتا ہے۔ یعنی اسکو ماضی قریب بنا دیتا ہے۔ کہ ابھی قریب میں یہ بات گزری۔ اور نیز قَدْ تحقیق کا بھی فائدہ دیتا ہے۔

و هى فى المضارع للتقليل اور مضارع کے اندر قَدْ تقلیل کے لئے آیا کرتا ہے۔

ھاں مضارع کے اندر آئے گا تو پھر یہ تقلیل کا بھی فائدہ دیگا۔ جیسے آپ کہتے ہیں، "قَدۡ یَضۡرِبُ زیدٌ: کبھی کبھار زید پٹھائی کرتا ہے۔" تو یہ تقلیل یعنی کبھی کبھار والا معنیٰ قَدۡ سے آیا۔

تو خلاصہ یہ کہ قَدۡ ماضی کے اندر تحقیق اور تقریب کا فائدہ دیتا ہے جبکہ مضارع کے اندر تقلیل کا فائدہ دیتا ہے۔

نحو میر میں ہے کہ قَدۡ کبھی کبھار مضارع پر تحقیق کے لئے بھی آجاتا ہے۔ جیسے قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰہُ: یقیناً اللہ جانتے ہیں۔

حَرۡفَا الۡاِسۡتِفۡہَامِ استفہام کے دو حروف الھمزۃُ و ھلۡ ھمزۃ اور ھل ہیں۔ لھما صدرُ الکلامِ اور انکے لئے صدارتِ کلام ہے۔ یہ کلام کے ابتدا میں آئیں گے۔ تاکہ ابتدا ہی سے پتہ چلے کہ اس کلام میں استفہام ہوگا۔ تقولُ آپ کہتے ہیں اَ زیدٌ قائمٌ یہاں جملہ اسمیہ پر ہمزہ داخل ہوا۔ و اَقامَ زیدٌ اور جملہ فعلیہ پر بھی ہمزہ داخل ہوسکتا ہے۔ تو ہمزہ، استفہام کے لئے جملہ اسمیہ پر بھی داخل ہوتا ہے اور جملہ فعلیہ پر بھی داخل ہوتا ہے۔ و کَذٰلِکَ ھل اور اسی طرح ھَلۡ ہے۔ ھَلۡ جملہ فعلیہ پر بھی داخل ہوتا ہے اور جملہ اسمیہ پر بھی داخل ہوتا ہے۔ جیسا کہ "ھَلۡ زیدٌ قائمٌ، اور ھَلۡ قَامَ زیدٌ"۔

وَ الۡھَمۡزَۃُ اَعَمُّ تَصَرُّفًا اور ھمزۃ تصرُّف کے اعتبار سے عام ہے۔ دونَ ھَلۡ نہ کہ ھَلۡ: یعنی ہمزہ اور ھل دونوں میں ہمزہ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ دیکھو! چند جگہیں ایسی ہیں جہاں پر ہمزہ کو تو استعمال کرسکتے ہیں لیکن ھَلۡ کو استعمال نہیں کرسکتے۔ تقولُ آپ کہتے ہیں۔ اَ زَیدًا ضَرَبۡتَ کیا زید کی تو نے پٹھائی کی ہے؟ اور یہ کہنا، ھَلۡ زیدًا ضَرَبۡتَ جائز نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس جملے میں آرہا ہے فعل، اور ھَلۡ جو ہے یہ اصل میں قَدۡ تھا۔ اور قَدۡ فعل کے علامتوں میں ہے۔ یہ صرف فعل پر داخل ہوتا ہے۔ اور ھَلۡ بھی اصل میں قَدۡ ہی تھا بعد میں یہ استفہام کے لئے استعمال ہونے لگا۔ بس جب جملے کے اندر فعل موجود ہو تو قَدۡ فعل پر ہی داخل ہونا چاہتا ہے اور فعل کے بغیر یہ رہ نہیں سکتا۔ اسی طرح ھَلۡ بھی اصل میں قَدۡ کے معنیٰ تھا تو یہ بھی فعل پر ہی داخل ہونا چاہتا ہے۔ لہٰذا اگر جملہ میں فعل نہ ہو سرے سے پھر تو بات ٹھیک ہے آپ کہہ سکتے ہیں، ھَلۡ زیدٌ قائمٌ کہہ سکتے ہو۔ لیکن اگر جملہ میں فعل ہو تو ھَلۡ فعل پر ہی داخل ہوں گا۔

وَ اَ تَضۡرِبُ زیدًا وَ ھوَ اَخُوۡکَ کیا تو زید کی پٹھائی کرتا ہے؟ اس حال میں کہ وہ تیرا بھائی ہے۔ یہ جملہ ہمزہ کے ساتھ کہنا تو صحیح لیکن ھَلۡ کے ساتھ کہنا صحیح نہیں۔ یہ ہے استفہام انکاری۔ کسی کو کسی کام سے روکنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ بھئی ایک شخص ہے وہ اپنے بھائی کی اکثر پٹھائی کر رہا ہے۔ اور آپ نے کہا، "کیا تو زید کی پٹھائی کرتا ہے؟ اس حال میں کہ وہ تیرا بھائی ہے۔" یعنی تجھے اُس کی

پٹھائی نہیں کرنی چاہئے۔ تو یہ انکار کے لئے ہے، روکنے کے لئے ہے، منع کرنے کے لئے ہے۔ اور انکار کے لئے ہمزہ تو آتا ہے لیکن ہَلۡ کو نہیں لایا جا سکتا۔

وَ اَ تَضۡرِبُ زیدًا وَ ھوَ اَخُوۡکَ کیا تو زید کی پٹھائی کرتا ہے؟ اس حال میں کہ وہ تیرا بھائی ہے۔ یہ جملہ ہمزہ کے ساتھ کہنا تو صحیح لیکن ہَلۡ کے ساتھ کہنا صحیح نہیں۔ یہ ہے استفہام انکاری۔ کسی کو کسی کام سے روکنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ بھئی ایک شخص ہے وہ اپنے بھائی کی اکثر پٹھائی کر رہا ہے۔ اور آپ نے کہا، "کیا تو زید کی پٹھائی کرتا ہے؟ اس حال میں کہ وہ تیرا بھائی ہے۔" یعنی تجھے اُس کی پٹھائی نہیں کرنی چاہئے۔ تو یہ انکار کے لئے ہے، روکنے کے لئے ہے، منع کرنے کے لئے ہے۔ اور انکار کے لئے ہمزہ تو آتا ہے لیکن ہَلۡ کو نہیں لایا جا سکتا۔

وَ اَ زَیۡدٌ عِنۡدَکَ اَمۡ عَمۡرٌو کیا زید ہے تیرے پاس؟ یا عمرو ہے۔ یہ تیسرا مقام ہے جہاں آپ ہمزہ استفہام کو تو لا سکتے ہو لیکن ہَلۡ کو نہیں لا سکتے۔ یہ اَمِّ متَّصِلہ ہے۔ اور ام متصلہ کے ساتھ ہم نے شرط لگائی تھی کہ ام متصلہ کے ساتھ ہمزہ آئے گا۔ اس لئے کہ دو متعیِّن چیزوں کے بارے میں آپ سوال کر رہے ہیں۔ تو اس کے لئے آپ ہمزہ کو لا سکتے ہیں اور ہَل کو نہیں لا سکتے۔

وَ اَ ثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ **وَ اَ فَمَنۡ کَانَ** **وَ اَ وَ مَنۡ کَانَ** یہاں پر صاحب کافیہؒ نے تین مثالیں ذکر کی۔ یہ صاحب کافیہؒ بتلانا چاہتے ہیں۔ پہلی مثال، "اَ ثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ" میں دیکھئیں، ہمزہ استفہام ہے اور حرفِ عطف پر داخل ہو رہا ہے۔ اور حرفِ عطف تو معطوفٌ علیہ چاہیے گا۔ کیونکہ حرفِ عطف معطوفٌ علیہ کے بغیر نہیں آسکتا۔ کیونکہ وہ عطف کے لئے آرہا ہے۔ اور ما بعد کا عطف کر رہا ہے ماقبل پر۔ تو ہمزہ استفہام جو ہے ہو حرفِ عطف پر داخل ہو جائے گا لیکن ہَلۡ حرفِ عطف پر داخل نہیں ہوگا۔ تو یہاں معطوفٌ علیہ محذوف ہے ہمزہ کے بعد۔ دیکھئے اَ ثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ میں یہ ہمزہ ثُمَّ پر داخل ہوا۔ دوسری مثال "اَ فَمَنۡ کَانَ" میں ہمزہ فائے عاطفہ پر داخل ہوا۔ اور تیسری مثال "اَ وَ مَنۡ کَانَ" میں ہمزہ واؤ عاطفہ پر داخل ہوا۔ تو ثُمَّ، فاء، واؤ یہ حروفِ عاطفہ ہیں۔ اس پر ہمزہ تو داخل ہو سکتا ہے لیکن ہَلۡ داخل نہیں ہو سکتا۔

وَ اَ زَیۡدٌ عِنۡدَکَ اَمۡ عَمۡرٌو کیا زید ہے تیرے پاس؟ یا عمرو ہے۔ یہ تیسرا مقام ہے جہاں آپ ہمزہ استفہام کو تو لا سکتے ہو لیکن ہَلۡ کو نہیں لا سکتے۔ یہ اَمِّ متَّصِلہ ہے۔ اور ام متصلہ کے ساتھ ہم نے شرط لگائی تھی کہ ام متصلہ کے ساتھ ہمزہ آئے گا۔ اس لئے کہ دو متعیِّن چیزوں کے بارے میں آپ سوال کر رہے ہیں۔ تو اس کے لئے آپ ہمزہ کو لا سکتے ہیں اور ہَل کو نہیں لا سکتے۔

وَ اَ ثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ **وَ اَ فَمَنۡ کَانَ** **وَ اَ وَ مَنۡ کَانَ** یہاں پر صاحب کافیہؒ نے تین مثالیں ذکر کی۔ یہ صاحب کافیہؒ بتلانا چاہتے ہیں۔ پہلی مثال، "اَ ثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ" میں دیکھئیں، ہمزہ استفہام ہے اور حرفِ

عطف پر داخل ہو رہا ہے۔ اور حرفِ عطف تو معطوفٌ علیه چاہیے گا۔ کیونکه حرفِ عطف معطوفٌ علیه کے بغیر نہیں آسکتا۔ کیونکه وہ عطف کے لئے آرہا ہے۔ اور ما بعد کا عطف کر رہا ہے ماقبل پر۔ تو ہمزہ استفہام جو ہے ہو حرفِ عطف پر داخل ہو جائے گا لیکن ہَلۡ حرفِ عطف پر داخل نہیں ہوگا۔ تو یہاں معطوفٌ علیه محذوف ہے ہمزہ کے بعد۔ دیکھئے اَ ثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ میں یه ہمزہ ثُمَّ پر داخل ہوا۔

دوسری مثال "اَ فَمَنۡ کَانَ" میں ہمزہ فائے عاطفه پر داخل ہوا۔ اور تیسری مثال "اَ وَ مَنۡ کَانَ" میں ہمزہ واؤ عاطفه پر داخل ہوا۔ تو ثُمَّ، فاء، واؤ یه حروفِ عاطفه ہیں۔ اس پر ہمزہ تو داخل ہو سکتا ہے لیکن ہَلۡ داخل نہیں ہو سکتا۔

صاحبِ نحو میر نے حروفِ استفہام میں "مَا" کا ذکر بھی کیا ہے۔ اُن کے نزدیک حروفِ استفہام تین ہیں۔ یعنی "مَا، ہمزہ اور ہَلۡ"۔ جیسا که مَا قالَ زیدٌ: کیا کہا زید نے؟

ہَلۡ کبھی قَدۡ کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں الله تعالیٰ فرماتا ہے، " هَلۡ اَتیٰ عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ"۔ ای قَدۡ اَتیٰ عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ--

درس 111۔ **حُرُوۡفُ الشَّرۡطِ اِنۡ وَ لَوۡ وَ اَمَّا** حروفِ شرط اِنۡ، لَوۡ اور اَمَّا ہیں۔ **لها صدرُ الکلامِ** اور یه صدارتِ کلام کو چاہتے ہیں۔ اس لئے که یه ایک نوعِ کلام پر دلالت کرتے ہیں۔ تاکه ابتدائے کلام سے پته چل جائے که یه کس قسم کا کلام ہے۔ **فَاِنۡ لِلۡاِسۡتِقۡبَالِ** اِنۡ استقبال کے لئے آتا ہے۔ **وَ اِنۡ دَخَلَ عَلَی الۡمَاضِی** اور اگر چه یه داخل ہو جائے ماضی پر۔ بھئی اِنۡ جس فعل پر بھی داخل ہوگا اُس کو زمانه مستقبل میں کر دیگا۔ چاہے وہ فعل ماضی ہی کیوں نه ہو۔ اور یه اِنۡ اپنے فعل کو جزم بھی دیگا۔ مثلاً، اِنۡ تَضۡرِبۡنِیۡ اَضۡرِبۡکَ: اگر تم میرے پٹھائی کرو گے تو میں بھی تمہاری پٹھائی کروں گا۔ تو اس کے اندر مستقبل والا زمانه آیا۔ مضارع کے اندر تو حال کا بھی احتمال تھا لیکن اِنۡ نے آکر حال کے احتمال کو ختم کر دیا۔ اور اب یه صرف مستقبل کے ساتھ خاص ہے۔

اسی طرح اگر یه ماضی پر بھی داخل ہو جائے، دیکھئے میں کہتا ہوں، "اِنۡ ضَرَبۡتَنِی ضَرَبۡتُکَ: اگر تو میری پٹھائی کریگا تو میں بھی تیری پٹھائی کروں گا"۔ تو دیکھا شرط اور جزا دونوں ماضی کے صیغ ہیں لیکن ترجمه میں مستقبل والا کر رہا ہوں۔ کیونکه یہاں پر اِنۡ نے عمل کیا اور ماضی کو بھی مستقبل کے معنیٰ میں کر دیا۔ تو اِنۡ شرطیه کی صورت میں مضارع کے صیغه کا بھی مستقبل والا معنیٰ کریں گے اور ماضی کے صیغوں کا بھی مستقبل والا معنیٰ کریں گے۔

وَ لَوۡ عَکۡسُهُ اور لَوۡ اسکا یعنی اِنۡ کا عکس ہے۔ لَوۡ ماضی کے لئے آتا ہے اگر چه یه مضارع پر کیوں داخل نه ہو جائے۔ یه مضارع کو بھی ماضی کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ مثلاً آپ کہتے ہیں، "لَوۡ جِئۡتَنِیۡ لَاَکۡرَمۡتُکَ: اگر تو میرے پاس آیا ہوتا تو میں نے تیرا اکرام کیا ہوتا"۔ دیکھو یہاں صیغ بھی ماضی کے ہیں

اور میں ماضی کی بات بھی کر رہا ہوں تو یہ فائدہ لَوْ دے رہا ہے۔ اگر صیغیں مضارع کے لے آئے تب بھی ماضی کا معنیٰ ہی کرنا ہے۔

یاد رکھو! یہ جو لَوْ ہے۔ لَوْ حرفِ شرط ہے اور اسکے بعد دو جملے آتے ہیں۔ ایک کو شرط اور دوسرے کو جزا کہتے ہیں۔ یاد رکھو! یہ جو دو جملے ہوتے ہیں اِن میں پہلا جملہ علّت اور سبب ہوتا ہے اور ثانی جملہ معلول اور مُسبَّب ہوتا ہے۔

بھئی صاحب کافیہؒ کے آنے سے پہلے تمام نحوی یہ بات ذکر کرتے تھے کہ لَوْ آتا ہے انتفائے ثانی کے لئے بوجہ اِنتفائے اوّل کے۔ یعنی ثانی مُنتفی ہے کیونکہ اوّل منتفی ہے۔ کیونکہ اوّل علّت ہے۔ جب علّت ہی نہیں تو معلول بھی نہیں۔

صاحب کافیہؒ آئے فرمانے لگے، نہیں یہ بات یوں نہیں ہے۔ لَوْ آتا ہے اِنتفائے اوّل کے لئے بوجہ اِنتفائے ثانی کے۔ یعنی قدیم نحویوں کا عکس فرمایا۔

تو حاصلِ کلام پھر یہ ہوا کہ لَوْ دراصل دو قسم پر ہے۔ کبھی اس کے ذریعے انتفائے ثانی کا پتہ چلے گا بوجہ انتفائے اوّل کے اور کبھی اس کے ذریعے انتفائے اوّل کا پتہ چلے گا بوجہ انتفائے ثانی کے۔ تو یاد رکھئے! لَوْ کے ذریعے یا تو کسی چیز کے منتفی ہونے کی علّت ذکر کی جاتی ہے یا اس کے ذریعے کسی چیز کی انتفاء پر دلیل پکڑی جاتی ہے۔ تو لَوْ دو قسم پر ہوا۔

اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ جب لَوْ کے ذریعے کسی چیز کی انتفا کا سبب ذکر کیا جاتا ہے تو مخاطَب کو اوّل اور ثانی دونوں معلوم ہوتے ہیں۔ یعنی مخاطَب کو شرط اور جزا دونوں معلوم ہوتے ہیں۔ اور جب لَوْ کے ذریعے استدلال کیا جاتا ہے تو مخاطَب کے نزدیک اوّل مجھول ہوتا ہے اور ثانی معلوم ہوتا ہے۔ یعنی مخاطَب کو اوّل کا علم نہیں ہوتا اور ثانی کا علم ہوتا ہے۔

لَوْ کے استعمال کا پہلا طریقہ: مثال: لَوْ جِئْتَنِيْ لَاَکْرَمْتُکَ:اگر تو میرے پاس آیا ہوتا تو میں تیرا اکرام کرتا۔ تو دیکھئے مخاطَب کو دونوں معلوم ہیں۔ یعنی مخاطَب کو عدمِ اکرام بھی معلوم ہے اور عدمِ مجیئت بھی معلوم ہے۔ لیکن اب آپ اُسکو عدمِ اکرام کا سبب بتلانا چاہتے ہیں۔ اور آپ نے اُن کو بتلایا کہ عدمِ اکرام کا سبب عدمِ مجیئت ہے۔ دیکھا آپ نے اُس کو عدمِ اکرام یعنی اکرام کے مُنتفی ہونے کا سبب بیان کیا اُسکو لَوْ کے ذریعے۔ کہ اکرام کے منتفی ہونے کا سبب عدمِ مجیئت یعنی تمھارا نہ آنا ہے۔ تو دیکھا یہ لَوْ کسی چیز کی منتفی ہونے کا سبب بتلانے کے لئے آیا۔ اور اس میں مخاطَب کو دونوں جُز معلوم ہیں۔ یعنی عدمِ اکرام اور عدمِ مجیئت دونوں معلوم ہیں۔

اور کبھی لَوْ آتا ہے استدلال کے لئے۔ اس صورت میں اُس کو اوّل کا علم نہیں ہوتا۔ یعنی اوّل مجھول ہوتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں آتا ہے، " لَوْ کَانَ فِیهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا: اگر زمین اور آسمان میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو دونوں میں خرابی آجاتی"۔ یعنی انکا نظام خراب ہو جاتا۔ اور ان کا نظام اس طرح حسن و

جمال کے ساتھ جاری نہیں رہتا۔ تو اوّل یہاں پر یہ ہے کہ "اگر زمین اور آسمان میں اور اٰلِهَة ہوتے" ، اور جزا یہ ہے کہ "ان کا نظام خراب ہو جاتا"۔ یہ لَوْ آیا استدلال کے لئے۔ تو مُخَاطب یعنی مشرکین کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اٰلِهَة زیادہ نہیں ہے۔ اللہ معبود حقیقی صرف ایک ہے۔ تَعَدُّدِ اٰلِهَة مُنتفی ہے۔ اس کا اُنہیں علم نہیں تھا۔ اس پر استدلال کیا گیا عدمِ فساد کے ذریعے۔ دیکھو! اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اس کائنات کے اندر فساد نہیں، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اسکے اندر معبود اللہ کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔

تو اوّل یہ تھا کہ مخاطَبین کو تعدُّدِ اٰلِهَة کا مُنتفی ہونا معلوم نہیں تھا۔ اُس پر استدلال کیا گیا عدمِ فساد کے ذریعے۔ اور مخاطَبین کو عدمِ فساد معلوم تھا۔ تو ثانی معلوم تھا اوّل معلوم نہیں تھا۔ اور ثانی کے ذریعے استدلال کیا گیا اوّل پر۔ یعنی فساد نہیں تو معلوم ہوا کہ تعدُّدِ اٰلِهَة بھی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ لَوْ کے استعمال کے دو طریقے ہیں۔ یا تو کسی چیز کی انتفا کا سبب بتلانے کے لئے آئے گا اور اس صورت میں دونوں مخاطَب کو معلوم ہوں گے۔ اور کبھی لَوْ کے ذریعے ایک معلوم چیز کے ذریعے استدلال کیا جائے گا ایک مجہول چیز پر۔ تو اس صورت میں ثانی معلوم ہوگا مخاطَب کو اور اوّل معلوم نہیں ہوگا۔

وَ تَلْزَمَانِ الْفِعْلَ اور یہ دونوں لازم ہیں فعل کے، یعنی اِنْ اور لَوْ دونوں کے ساتھ فعل لازم ہے۔

لفظًا او تقدیرًا یا لفظوں میں فعل ہوگا یا تقدیرًا فعل ہوگا۔ اگر اِنْ اور لَوْ کے بعد عبارت میں فعل ہے تو فَبِهَا اور اگر اِنْ اور لَوْ کے بعد عبارت میں فعل نہیں تو پھر فعل کو محذوف نکالنا پڑے گا۔ اس لئے کہ یہ اِنْ اور لَوْ شرط کے لئے ہیں اور شرط میں تعلیق ہوتی ہے اور تعلیق زمانے کے اندر پایا جاتا ہے اور زمانہ فعل میں پایا جاتا ہے۔

وَ مِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے **قیلَ** کہا گیا ہے **لَوْ اَنَّکَ بالفَتْحِ** اگر لَوْ کے بعد اَنَّ یا اِنَّ صورت والا صیغہ آجائے تو اسکو اَنَّ پڑھنا ہے یعنی ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا ہے۔ کیونکہ لَوْ تو حرفِ شرط ہے اور ابھی ہم نے پڑھا کہ لَوْ کے بعد فعل لفظًا آئے گا یا تقدیرًا آئے گا۔ تو یہاں فعل محذوف ہے یعنی لَوْ ثَبَتَ، اور ثبتَ کے بعد یہ اَنَّ آگے پورا جملہ ثبتَ کے لئے فاعل بنے گا۔ اور فاعل مفرد ہوا کرتا ہے۔ اور مفرد کی صورت میں اَنَّ پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ اَنَّ اُس جملے کو مفرد کی حکم میں کر دیگا۔ **لِاَنَّهُ فاعلٌ** اس لئے کہ یہ فاعل ہے۔ یعنی اَنَّ اپنے معمولوں ساتھ یہ فاعل بن جائے گا فعلِ محذوف کے لئے۔

وَ انْطَلَقْتَ ای وَ قیلَ اِنْطَلَقْتَ: اور اِنْطَلَقْتَ کہا گیا ہے۔ **بِالْفِعْلِ** فعل کے ساتھ۔ یعنی فعل کے لفظ کے ساتھ خبر کو بولا جائے گا۔ **مَوْضِعَ مُنْطَلِقٍ** مُنطلقٌ کی جگہ پر اِنْطَلَقْتَ پڑھیں گے **لِیَکونَ** **کَالْعِوَضِ** تا کہ یہ فعل عِوض جیسا ہو جائے۔ اسکی وضاحت چند سطروں کی نیچے درج ہے۔

دیکھو بھئی! آپ یہ کہنا چاہتے ہیں، کلام ہے آپ کے سامنے، لَوْ اَنَّکَ مُنْطَلِقٌ، تو دیکھو! لَوْ حرفِ شرط ہے۔ اور حرفِ شرط فعل پر داخل ہوتا ہے۔ اور آگے " اَنَّکَ منطلقٌ " پورا جملہ فعلِ محذوف ثبتَ کے لئے فاعل بنے گا۔

لیکن صاحبِ کافیہ؅ فرما رہے ہیں جب لَوْ کے بعد اَنَّ لے آئیں اور فعل نہ لائیں فعل کو محذوف کر دیں تو اس صورت میں مُنْطَلِقٌ نہ لاؤ۔ یعنی اَنَّ کی خبر اسم نہ لے کر آؤ۔ بلکہ اَنَّ کی خبر فعل لے کر آؤ۔ مُنْطَلِقٌ کی جگہ اِنْطَلَقْتَ کہو۔ یعنی "لَوْ اَنَّکَ اِنْطَلَقْتَ" کہو۔

بھئی خبر میں اصل تو یہ ہے کہ خبر مفرد ہونی چاہئے۔ اور اِنْطَلَقْتَ مفرد نہیں بلکہ مُنْطَلِقٌ مفرد ہے۔ کیونکہ اِنْطَلَقْتَ میں فعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ بن جایا کرتا ہے اور مُنْطَلِقٌ اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ بن جایا کرتا ہے۔ لیکن جب آپ لَوْ کے بعد فعل کو حذف کر کے اَنَّ لے آئیں، تو پھر یہ پورا جملہ فعل محذوف کے لئے فاعل بنے گا، اور اس صورت میں فرماتے ہیں کہ اَنَّ کی خبر مفرد نہ لے کر آؤ بلکہ فعل کی صورت میں لے کر آؤ۔ تو پورا کلام " لَوْ ثَبَتَ اَنَّکَ اِنْطَلَقْتَ " بنے گا۔

فعل عوض جیسا ہو جائے اسکی وضاحت: دیکھو! لَوْ کے بعد ہم نے ثَبَتَ فعل کو حذف کیا۔ اور ثبتَ فعل ثبوت اور تحقُّق پر دلالت کرتا ہے۔ بھئی آپ نے کہا، ثَبَتَ مَطَرٌ: بارش ہوئی۔ تو اس سے بارش کا تحقُّق ہوا۔ تو یہ ثبتَ فعل ہے اور یہ ثبوت اور تحقُّق پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی ایک چیز کے پائے جانے اور یقینی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا اب اس ثبتَ کو آپ نے حذف کر دیا، اب ثبتَ میں دو چیزیں ہیں۔ ایک ہے اس کا لفظ اور ایک ہے اسکا معنیٰ۔ لفظ کا بھی ہم عوض لے آتے ہیں اور معنیٰ کا بھی عوض لے آتے ہیں۔

لفظوں کا عوض یہ کہ ہم نے ثبتَ فعل کو حذف کیا ہے تو اَنَّکَ کی خبر بھی فعل لے کر آؤ۔ ثَبَتَ بھی لفظوں میں فعل ہے اور اِنْطَلَقْتَ بھی لفظوں میں فعل ہے۔ تو اِنْطَلَقْتَ فعل لفظوں کے اعتبار سے ثَبَتَ فعل کا عوض بن گیا۔ اور معنیٰ کے اعتبار سے ثَبَتَ فعل دلالت کرتا تھا ثُبوت اور تحقُّق پر۔ تو ثَبَتَ کے معنیٰ کے عوض میں ہم اَنَّ لے کر آئے۔ کیونکہ اَنَّ بھی تحقُّق اور یقین کے لئے آتا ہے۔

صاحب کافیہ؅ نے متن میں فرمایا تھا " لِيَكُونَ كَالْعِوَضِ" تا کہ یہ عوض جیسا ہو جائے۔ صاحب کافیہ؅ یہ نہیں فرما رہے کہ یہ اُسکا عوض ہو جائے حقیقتاً۔ اور حقیقتاً یہ اُس کا عوض نہیں۔

حقیقتاً تو عوض یہ ہے کہ جو آپ اسکا عوض لے کر آئیں ہیں اُس کو لفظًا بھی عوض ہونا چاہئے اور معنًی بھی عوض ہونا چاہئے۔ حالانکہ آپ یہاں پر معنًی عوض اور لائے ہیں اور لفظًا عوض اور لائے ہیں۔ لفظًا عوض اِنْطَلَقْتَ لائے ہیں اور معنیٰ کا عوض اَنَّ لے کر آئے ہیں۔ یعنی دو الگ چیزیں لے کر آئیں ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ایک ہی چیز لفظًا بھی عوض ہو اور معنًی بھی عوض ہو۔

فَاِنْ کان جامدا اور اگر اَنَّ کی خبر اسمِ جامد تھی۔ انہوں نے فرمایا کہ جب آپ لَوۡ کے بعد اَنَّ لے کر آئے، فعل کو حذف کر دے تو آگے اَنَّ کی خبر کو فعل لے کر آئے اور مفرد نہ لے کر آئے۔ تو کہتے ہیں کہ یہ اُس وقت ہے کہ جب خبر مشتق ہو تو اُس سے فعل بنانا آسان ہے۔ لیکن اگر اَنَّ کی خبر اسمِ جامد آرہی ہے اور اسمِ جامد تو وہ ہے جو نہ خود کسی سے بنا ہے اور نہ آگے اُس سے کوئی بنتا ہے۔

لہٰذا اگر اَنَّ کی خبر اسم جامد آئے تو پھر اُس سے فعل بنانا ممکن ہی نہیں۔ تو پھر اُس صورت میں اَنَّ کی خبر اسم جامد ہی ہم لے آئیں گے۔ کیونکہ اس صورت میں فعل کا لانا ممکن ہی نہیں۔ جازَ تو پھر جائز ہے۔ یعنی اُس اسم جامد کا خبر کی جگہ واقع ہونا جائز ہے۔ لِتَعَذُّرِہٖ بوجہ وقوعِ فعل کے مُتَعَذِّر ہونے کے۔ یعنی اسم جامد کی صورت میں وقوع فعل ممکن ہی نہ رہا۔

یہاں ایک اور نیا مسئلہ بتلا رہے ہیں صاحب کافیہؒ دیکھو! اِنْ جو ہے یا لَوۡ وغیرہ شرط کے لئے آتے ہیں۔ اگر یہ اِنْ سے پہلے قسم آجائے یعنی ابتدائے کلام میں قسم آجائے، جیسا کہ، "واللهِ اِنْ تَضرِبْنِی اَضرِبْکَ"۔ اگر ایسا صورت آجائے۔ تو پھر صاحب کافیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو قسم ہے اسکے ساتھ ماضی لفظًا یا معنًی لازم ہے۔

وضاحت:

اب جب شروعِ کلام میں اس پر قسم آئی۔ تو یاد رکھو! پہلے یہ بات سمجھو۔ یہ جو جملہ شرطیہ ہوتا ہے، اس کو جملہ انشائیہ کہیں گے یا جملہ خبریہ کہیں گے۔ بھئی دراصل یہ تو دو جملے ہیں۔ ایک شرط ہے اور ایک جزا ہے۔ تو حرفِ شرط نے دونوں جملوں کو جوڑ دیا۔ اب اس کو جملہ انشائیہ کہیں گے یا جملہ خبریہ کہیں گے؟ یاد رکھنا! اس کا سارا دارومدار جزا پر ہے۔ اصل کلام ہے جزا۔ یہ شرط تو اُس کے لئے ایک قید کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔ اگر اس کے اندر جزا جملہ خبریہ ہوا تو شرط جزا ملکر جملہ شرطیہ خبریہ ہوگا، اور اگر جزا جملہ انشائیہ ہوا تو پھر جملہ شرطیہ انشائیہ کہیں گے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ اصل جزا ہے۔ اور یہ جو شرط ہے یہ اُس کے لئے قید کے طور پر بڑھائی جاتی ہے۔ تو اصلِ کلام جزا ہوا۔

اب یہ جو جزا ہے۔ اب شروعِ کلام میں قسم آگئی۔ اب سوال پیدا ہوا کہ یہ جو شروع میں قسم آرہی ہے اور قسم، جواب چاہتی ہے۔ یعنی قسم کے لئے جوابِ قسم چاہئے۔ یعنی کس چیز کی قسم اٹھائی ہے کس باپ پر قسم اٹھائی ہے۔ اور اِنْ حرفِ شرط جو آیا وہ چاہتا ہے کہ یہ میرے لئے جزا بنے۔ تو اِنْ اگلے جملے کو اپنے لئے جزا بنانا چاہتا ہے اور قسم اُس کو اپنے لئے جوابِ قسم بنانا چاہتی ہے۔ تو اِنْ اور قسم کا ثانی جملے میں جھگڑا آگیا۔ تو کہتے ہیں کہ جب قسم ہوگی تو اِس جزا کو جوابِ قسم بنائیں گے۔ اور جوابِ قسم کے اندر جو شرائط تھی اب اُن شرائط کا یہاں بھی لحاظ رکھنا پڑے گا۔ یعنی جواب قسم اگر جملہ مثبت ہو تو لامِ تاکید کا لانا ضروری تھا، چاہے جملہ اسمیہ ہو یا جملہ فعلیہ ہو۔ جیسا کہ، "واللهِ

لَاَضْرِبَنَّکَ"۔ اور جملہ اسمیہ ہو تو کبھی اِنَّ بھی لے آتے ہیں، "واللهِ اِنَّ زیدًا لَقائمٌ"۔ تو لہٰذا یہاں پر جو جزا آ رہی ہے اُسکو ہم نے قسم کی وجہ سے جوابِ قسم بنا دیا، اور جوابِ قسم کے اندر جن چیزوں کا ہونا ضروری تھا، جزا کے اندر بھی اُن چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اور چونکہ اب یہ جزا نہیں ہے تو لہٰذا اب جزا والی شرائط ان کے اندر پوری کرنا ضروری نہیں ہے۔ جزا تو ہوتی ہے مجزوم اور جوابِ قسم ہوتا ہے غیرِ مجزوم۔ تو یہ غیرِ مجزوم ہوگا اور مجزوم نہیں ہوگا۔

تو جب جزا کو ہم نے جوابِ قسم بنا دیا۔ تو اس صورت میں حرفِ شرط اس کو جزم نہیں دے رہا۔ تو معلوم ہوا کہ حرفِ شرط جب جزا میں عمل نہیں کر رہا تو شرط بھی ایسا صیغہ لے کر آؤ جس میں حرفِ شرط کا اثر ظاہر نہ ہو۔ اور اگر یہ مضارع لے کر آتے ہیں تو حرفِ شرط اسکو فورًا جزم دیتا ہے۔ لہٰذا مضارع نہیں لائیں گے بلکہ شرط کو بھی ماضی لائیں گے۔ اور ماضی تو مبنی ہوتی ہے تو حرفِ شرط اُس میں عمل نہیں کریگا۔

وَ اِذَا تَقَدَّمَ الْقَسَمُ اَوَّلَ الْکَلَامِ اور جب مقدَّم ہو جائے قسم اوَّلِ کلام میں۔ **عَلَی الشَّرْطِ** شرط پر۔ یعنی قسم مقدَّم ہو جائے شرط پر۔ **لَزِمَهُ الماضِی** ای لَزِمَ الْقَسَمَ الماضی: لازم ہو جائے گا قسم کے ساتھ ماضی۔ **لفظا او معنیً** یا وہ ماضی لفظًا ہونی چاہیئے یا معنیً ہونی چاہیئے۔ یعنی وہ شرط لفظًا یا معنیً ماضی ہونی چاہیئے۔ دیکھو! ضَرَبَ لفظًا ماضی ہے۔ اور لَمْ یَضْرِبْ معنیٰ کے اعتبار سے ماضی ہے کیونکہ یَضْرِبُ تو مضارع ہے۔ تو اب جب قسم شرط پر مقدَّم ہو جائے اور ابتدائے کلام میں آ جائے تو پھر اس قسم کے ساتھ ماضی لازم ہے۔ یعنی شرط کو ماضی کی صورت میں لائیں گے۔ چاہے وہ ماضی لفظًا ہو چاہے وہ ماضی معنیً ہو۔ **فَیُطَابِقُ** تاکہ شرط، جوابِ قسم کے مُطابِق ہو جائے۔ یعنی جزا کو ہم نے جوابِ قسم بنایا اور حرفِ شرط اب اُس میں عمل نہیں کر سکتا۔ تو شرط بھی ایسا صیغہ لانا چاہیئے تاکہ حرفِ شرط اُس میں عمل نہ کرے۔ تو شرط لفظًا یا معنیً ماضی ہونا چاہیئے تاکہ حرفِ شرط کا اثر ظاہر نہ ہوجائے۔ تو اس صورت میں پھر شرط اور جوابِ قسم میں مطابقت آ جائے گا۔ **وَ کَانَ الْجَوابُ لِلْقَسَمِ** **لفظا** اور جواب، قسم کے لئے ہوگا باعتبار لفظوں کے۔ یعنی اُسے صرف جوابِ قسم بنائیں گے اور جزا نہیں بنائیں گے۔ اس لئے کہ جوابِ قسم غیرِ مجزوم ہوا کرتا ہے اور جزا مجزوم ہوا کرتی ہے۔

دیکھو بھئی! اصل میں کلام، " اِنْ تَضْرِبْنِی اَضْرِبْکَ " تھا۔ یہاں پر " اِنْ تَضْرِبْنِی " شرط ہے۔ اور " اَضْرِبْکَ " یہ جزا ہے۔ اور اِنْ جزم دیتا ہے۔ اِنْ تَضْرِبْنِی میں آپ نے دیکھا کہ تَضْرِبْ مجزوم ہے۔ اَضْرِبْکَ میں بھی مجزوم ہے۔

پس اگر جزا کو شرط کے لئے جزا بنائیں گے اور قسم کے لئے جوابِ قسم بنائیں گے۔ تو پھر اس صورت میں ایک ہی وقت میں اس کا مجزوم ہونا بھی لازم آئے گا اور غیرِ مجزوم ہونا بھی لازم آئے گا۔ اور ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں مجزوم بھی ہو اور غیرِ مجزوم بھی ہو ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو لہٰذا وہ لفظوں کے اعتبار سے صرف قسم کے لئے جوابِ قسم بنیں گی۔ اور اُس کے اندر اُن چیزوں کی رعایت رکھنا پڑے گی جن کی رعایت جواب قسم میں رکھتے ہیں۔ یعنی اگر جملہ مثبت ہے تو پھر لامِ تاکید کا لانا ضروری ہوگا۔ جیسے "واللہِ لَزیدٌ قائمٌ" یا "واللہِ لَاَفْعَلَنَّ کذا"۔ یعنی جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ دونوں میں لام تاکید کا لانا ضروری ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ شرط کی جزا کدھر گئی؟ کیونکہ شرط کے لئے بھی تو جزا چاہئے ہوتا ہے۔ اور ہم نے تو اسکو جوابِ قسم بنا دیا۔ تو فرماتے ہیں کہ یہ لفظوں کے اعتبار سے جوابِ قسم ہے اور شرط کے لئے دال بالجزا ہے۔ یعنی جزا نہیں ہے بلکہ جزا پر دلالت کر رہا ہے۔ تو یہ "دالٌّ بِالْجزاءِ" یا "دالٌّ عَلَى الْجَزَاءِ" ہے۔

خلاصہ اس بحث کا یہ کہ صاحب کافیہؒ نے فرمایا تھا کہ شرط پر اگر قسم مقدَّم ہو جائے تو اس صورت میں قسم کے ساتھ ماضی لازم ہے۔ اور یہ ماضی لفظًا یا معنًی ہونا چاہئے۔ مثلاً، "اِنْ ضَرَبَنِي" یا "اِنْ لَمْ يَضْرِبْنِي" لے آؤ۔ تو اِنْ ضَرَبَ میں کوئی عمل نہیں کر سکتا کیونکہ ضَرَبَ لفظًا ماضی ہے اور ماضی مبنی ہوتی ہے اور مبنی کے اندر عامل کا عمل ظاہر نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح " اِنْ لَمْ يَضْرِبْنِي" میں بھی اِنْ کا کوئی عمل ظاہر نہیں ہوگا کیونکہ "لَمْ يَضْرِبْنِي" معنیٰ کے لحاظ سے ماضی ہے۔ اور یہاں پر يَضْرِبْ کو جزم "لَمْ" نے دیا ہے جبکہ اِنْ نے نہیں دیا ہے۔

مثلُ مثال کے طور پر وَاللہِ اِنْ اَتَيْتَنِي اَتَيْتَ لفظًا ماضی کا صیغہ ہے۔ اِنْ لَّمْ تَأْتِنِي یہاں پر لَمْ تَأْتِ معنیٰ کے اعتبار سے ماضی ہے۔ لَاَكْرَمْتُكَ یہ دو مثالیں ہیں۔ دونوں کو الگ الگ کرو۔ صاحبِ کافیہؒ نے مختصر کلام کیا۔ پہلا جملہ: واللہِ اِنْ اَتَيْتَنِي لَاَكْرَمْتُكَ: دوسرا جملہ: واللہِ اِنْ لَّمْ تَأْتِنِي لَاَ كْرَمْتُكَ: تو یہاں دیکھئے دونوں جملوں میں شرط پر قسم مقدَّم ہو گئی ہے۔ اور جب قسم مقدَّم ہو گیا تو آگے لَاَكْرَمْتُكَ کو ہم نے جوابِ قسم بنایا۔ اور جوابِ قسم جب مثبت ہو تو اس پر لام کا لانا ضروری ہے۔ تو دیکھو! لَاَكْرَمْتُكَ میں اس پر لام آیا۔ اور جب لَاَكْرَمْتُكَ کو ہم نے جوابِ قسم بنایا تو اِنْ حرفِ شرط نے اس کے اندر کوئی عمل بھی نہیں کیا۔ اور اسی مناسبت سے ماقبل میں جو شرط ہے "اَتَيْتَنِيْ" یا "لم تَأْتِنِي" اس کو ہم ضرور بالضرور لفظًا یا معنًی ماضی لے کر ائیں گے۔ جس طرح اِنْ حرفِ شرط نے جزا میں کوئی عمل نہیں کیا تو ہم شرط بھی ماضی لے کر آئیں گے تا کہ اِنْ اس میں عمل نہ کرے۔ ماضی چاہے لفظًا ہو یا معنًی ہو۔

دیکھو بھئی! ابھی تک تو بات یہ آئی تھی کہ قسم شرط پر بھی مقدَّم ہو اور ابتدائے کلام میں بھی ہو۔

لیکن اگر قسم پر کوئی چیز مقدَّم ہو جائے یعنی قسم وسَط میں آجائے، چاہے صرف شرط اُس پر مقدَّم ہو، چاہے شرط تو مؤخر ہے لیکن غیرِ مقدَّم یعنی مبتدا وغیرہ اس پر مقدَّم ہو جائے۔ تو ان دونوں صورتوں میں قسم درمیان میں آگئی۔ اب جب قسم درمیان میں آجائے تو اس صورت میں آپ قسم کا اعتبار کرے اور آگے جزا کو جوابِ قسم بنائے اور پھر جوابِ قسم میں اُنہی امور کا لحاظ رکھا جائے جو جوابِ قسم میں رکھا جاتا ہے۔ اور اگر آپ چاہے تو قسم کو لغو کرے۔ یعنی قسم کا اعتبار ہی نہ کرے۔ اور آگے جو جزا آ رہی ہے اُس کو جوابِ قسم نہ بنائے۔ تو پھر جزا کے اندر حرفِ شرط اِنْ عامل بن جائے گا۔ اور اِنْ حرفِ شرط جزا کو جزم دے دیگا۔

اب جزا کے اندر اُن چیزوں کا لحاظ رکھا جائے گا جو جزا کے اندر رکھا جاتا تھا۔

وَاِنْ تَوَسَّطَ اور اگر قسم وسَط میں آجائے بِتَقْدِيمِ الشَّرْطِ شرط کے مقدَّم کرنے کے ساتھ اَوْ غَيْرِهِ یا غیرِ شرط کے مقدَّم کرنے کے ساتھ۔ جَازَ جائز ہے اَنْ يُّعْتَبَرَ کہ قسم کا اعتبار کیا جائے وَاَنْ يُّلْغىٰ اور جائز ہے کہ قسم کو لغو کیا جائے۔

كَقَوْلِكَ جیسا کہ آپ کا یہ قول ہے اَنَا وَاللهِ اِنْ تَاْتِنِی اٰتِکَ تو یہاں دیکھئے قسم پر مبتدا "اَنَا" مقدَّم ہوا۔ تو اس صورت میں قسم کے لئے جوابِ قسم لانا بھی درست ہے۔ اور قسم کو لغو کرکے اُس کو جزا بنانا بھی صحیح ہے۔ تو یہاں پر دیکھئے کہ کیا کیا ہے؟ دیکھو "اِنْ تَاْتِنِیْ" میں۔ اَتیٰ يَاْتِیْ سے تَاْتِیْ "یا" کے ساتھ آتا ہے۔ تو دیکھو اِنْ حرفِ شرط نے تَاْتِیْ سے یاء کو گرا دیا۔ یعنی جزم دیا۔ اور آگے جزا "اٰتِکَ" میں بھی اِنْ حرفِ شرط نے عمل کیا۔ اٰتِکَ بھی اصل میں اٰتِيْكَ تھا۔ اِنْ نے جزم دے کر "یا" کو گرایا تو اٰتِکَ ہوا۔

تو دیکھو! اِنْ حرفِ شرط نے شرط میں بھی عمل کیا اور جزا میں بھی عمل کیا۔ معلوم ہوا کہ قسم کے عمل کو لغو کر دیا گیا اور "اٰتِکَ" کو جزا بنایا گیا ہے۔ اور "اٰتِکَ" کو جوابِ قسم نہیں بنایا گیا۔ کیونکہ اگر "اٰتِکَ" جواب قسم ہوتا تو پھر اس پر لام تاکید کا لانا واجب ہوتا۔ اور پھر تَاْتِنِی کو بھی ماضی لے کر آتے۔

وَاِنْ اَتَيْتَنِي وَاللهِ لَاٰتِيَنَّكَ یہ دوسری مثال ہے۔ اس میں بھی قسم درمیان میں ہے لیکن اس میں شرط " اِنْ اَتَيْتَنِي " مقدَّم ہے۔ اور دیکھو! اس میں قسم کا اعتبار کیا گیا ہے۔ لَاٰتِيَنَّكَ یہ جزا بن رہی تھی۔ " اِنْ اَتَيْتَنِي " یہ ہے شرط۔ اور " لَاٰتِيَنَّكَ " یہ جزا ہے۔ لیکن ہم نے " لَاٰتِيَنَّكَ " کو جوابِ قسم بنایا۔ کیونکہ ہم نے اس پر لامِ تاکید لے کر آئے ہے۔ اور جب ہم نے " لَاٰتِيَنَّكَ " کو جواب قسم بنایا تو اب اِنْ حرفِ شرط نے اس میں عمل نہیں کیا۔ اور جب " لَاٰتِيَنَّكَ " میں اِنْ نے عمل نہیں کیا تو صاحبِ کافیہؒ نے اس صورت میں فرمایا تھا کہ اس صورت میں شرط بھی ایسے لے کر آؤ کہ اس کے

اندر اِنْ کا عمل ظاہر نہ ہو جائے۔ یعنی ماضی لفظًا ہو یا ماضی معنًی ہو۔ اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اِنْ کے بعد اَتَیْتَ لفظًا ماضی لے کر آئے ہے۔ تو اِنْ حرفِ شرط نے " لَاٰتِیَنَّکَ" میں عمل نہیں کیا تو شرط " اَتَیْتَنِی" بھی ایسا لے کر آئے کہ جس میں حرفِ شرط عمل نہیں کر سکتا۔

اور یاد رکھو! کہ اگر آپ دوسرے جملے کو جوابِ قسم بنانا چاہتے ہیں۔ تو یہ لفظوں کے اعتبار سے جوابِ قسم ہوتا ہے اور "دال علی الجزاء" ہوتا ہے۔ یعنی جزا پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ہمیں جزا بھی چاہئے۔ اور اگر آپ اس دوسرے جملے کو جزا بناتے ہیں تو پھر قسم کا جواب رہ گیا۔ تو اس صورت میں پھر اس کو "دال علی الجواب" کہتے ہیں۔ تو کبھی یہ دوسرا جملہ "دال علی الجزاء" ہوگا اور کبھی یہ "دال علی الجواب" ہوگا۔

وَ تَقْدِیْرُ الْقَسَمِ کاللفظِ اور تقدیرِ قسم بھی لفظ کی طرح ہے۔ یعنی تَلَفُّظ کی طرح ہے۔ یعنی قسم پر تلفُّظ کرے یا نہ کرے پھر بھی یہ تلفُّظ ہی کی طرح ہے۔ گویا آپ نے اس پر تلفظ کیا ہے۔ بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ کبھی کبھار کلام کے اندر قسم کو ذکر کرتے ہیں اور کبھی کبھار قسم کو ذکر نہیں کرتے۔ یعنی قرائن وغیرہ موجود ہوتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قسم محذوف ہے۔

مثلُ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ لَئِنْ اُخْرِجُوْا:اور اگر وہ نکالے جائیں۔ لَا یَخْرُجُوْنَ: تو وہ نکلیں گے نہیں۔ دیکھئے بھئی! لام آیا۔ تو اس لام نے بتلایا کہ قسم محذوف ہے۔ تو قسم لفظوں میں موجود نہیں بلکہ مقدَّر ہے۔ اور ضابطہ ہے کہ "اَلْمُقَدَّرُ کَالْمَلْفُوْظ"۔ اور یہاں قسم حرفِ شرط اِنْ پر مقدَّم ہو گئی ہے۔ اور اس صورت میں ہم نے پڑھا ہے کہ آگے جو جزا آئے گی اُس کو جوابِ قسم بنانا ضروری ہے۔ تو " لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ" میں یہ اُخْرِجُوْا شرط ہوئی۔ اور آگے لَا یَخْرُجُوْنَ جزا ہوئی۔ لیکن قسم جب مقدَّم ہو گئی تو اب ہم " لَا یَخْرُجُوْنَ" کو جزا نہیں بنائیں گے بلکہ جوابِ قسم بنائیں گے۔ اور جوابِ قسم غیرِ مجزوم ہوتا ہے۔ تو دیکھو یہ " لَا یَخْرُجُوْنَ" غیرِ مجزوم آیا۔ اور کلامِ منفی ہے اور جب جوابِ قسم منفی ہو تو "ما یا لا" کا لانا ضروری ہوتا ہے۔

ورنہ اگر اس کو جزا بناتے اور اِنْ اسکے اندر عمل کرتا۔ تو پھر " لَا یَخْرُجُوْنَ" کا نونِ اعرابی حالت جزم میں گر جاتا اور " لَا یَخْرُجُوْا" رہ جاتا۔ لیکن " لَا یَخْرُجُوْنَ" کا نونِ اعرابی تو باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ " لَا یَخْرُجُوْنَ" جزا نہیں بلکہ جوابِ قسم ہے۔ کیونکہ جوابِ قسم غیرِ مجزوم ہوتا ہے۔

تو یاد رکھو! اگر صرف جزا فعل مضارع ہو، تو اُس پر جزم پڑھنا بھی جائز اور اُسکو مرفوع پڑھنا بھی جائز۔ تو " لَا یَخْرُجُوْنَ" کو اگر ہم اِنْ حرفِ شرط کے لئے جزا بنائیں تو اِنْ حرفِ شرط کے لئے یہ جزا بن سکتی ہے۔ کیونکہ اِنْ شرط اور جزا دونوں کو جزم دیتا ہے بشرطیکہ اگر دونوں مضارع ہو۔ اور اگر صرف جزا مضارع ہو تو پھر اِنْ حرفِ شرط کو عمل دینا بھی صحیح اور عمل نہ دینا بھی صحیح۔ تو مجزوم لانا بھی صحیح اور مجزوم نہ لانا بھی صحیح۔

اور یہاں پر دیکھئے شرط تو ماضی ہے اور اِنْ ماضی میں عمل نہیں کرتا اور جزا چونکہ مضارع ہے تو جزا کے اندر عمل دینا بھی جائز اور عمل نہ دینا بھی جائز۔ لیکن عمل دینا اَوْلیٰ ہے۔ جزم آنا چاہیئے، بہتر یہ ہے۔ اور یہاں پر " لَا یَخْرُجُوْنَ " کے اندر جزم نہیں آیا، تو معلوم ہوا یہاں اس کو جوابِ قسم بنایا گیا ہے۔ اور جب اِنْ حرفِ شرط نے " لَا یَخْرُجُوْنَ" کے اندر عمل نہیں تو شرط "اُخْرِجُوْا" کو ماضی مجہول کا صیغہ لایا گیا۔

وَ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ یہ دوسری مثال ہے۔ اَطَعْتُمُوْهُمْ نے شرط بننا تھا اور اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ نے جزا بننا تھا۔ لیکن یہاں پر قسم محذوف ہے۔ اور جب اِنْ سے پہلے قسم محذوف ہو تو پھر " اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ" کو جزا نہیں بنائیں گے بلکہ جوابِ قسم بنائیں گے۔ اور جوابِ قسم جب مثبت ہو تو پھر لام کا لانا ضروری ہے۔ اور کبھی اِنَّ بھی ساتھ آجاتا ہے تو " اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ" میں اِنَّ بھی آگیا اور لام بھی آگیا۔ اور جب " اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ" کو جوابِ قسم بنایا گیا تو اِنْ حرفِ شرط نے اسکے اندر عمل نہیں کیا۔ تو پھر اس صورت میں اِنْ حرفِ شرط کے ساتھ لفظًا یا معنًی ماضی کا آنا ضروری ہے۔ اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اِنْ کے ساتھ ماضی کا صیغہ " اَطَعْتُمْ" لایا گیا ہے۔

آگے " اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ" کو ہم نے جوابِ قسم قرار دیا۔ تو اس کی دلیل کیا ہے کہ یہ جوابِ قسم ہے؟ بھئی اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ اور جملہ اسمیہ جب بھی جزا بنتا ہے تو اُس پر فاء کا لانا واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ فاء شرط اور جزا کے درمیان ربط کے لئے آتی ہے۔ اور یہاں پر " اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ" کے ساتھ فاء نہیں آیا ہے۔ اور حالانکہ اگر " اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ" جزا ہوتی تو پھر تو فاء کا لانا واجب ہوتا۔ لیکن یہاں پر فاء نہیں تو معلوم ہوا کہ " اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ" کو جزا نہیں بنایا گیا۔

وَ اَمَّا لِلتَّفْصِيْلِ اور اَمَّا تفصیل کے لئے آیا کرتا ہے۔ یاد رکھو! اَمَّا سے پہلے کبھی اجمال ہوگا۔ اور اَمَّا اُسکی تفصیل بیان کریگا۔ مثلاً میں آپ کو کہتا ہوں، جاءَنِي اِخْوَتُكَ: آپ کے بھائی میرے پاس آئے۔ اور آپ کے بھائیوں میں زید بھی ہے، عمرو بھی ہے اور بکر بھی ہے۔ اور یہاں پر میں نے اِجمالاً اکھٹا ذکر کیا۔ آگے میں تفصیلاً ہر ایک کی بات بیان کر رہا ہوں۔ یعنی میں یوں کہتا ہوں، جاءَنِي اِخْوَتُكَ اَمَّا زيدٌ فَأَكْرَمْتُهُ وَ اَمَّا عمرٌو فَأَهَنْتُهُ وَ اَمَّا بكرٌ فَأَعْرَضْتُ عنهُ۔ آپکے بھائی میرے پاس آئے، زید جو ہے اُس کا میں نے اکرام کیا، عمرو جو ہے اُسکی میں نے اِہانت کی، بکر جو ہے اُس سے میں نے اعراض کیا۔

تو دیکھا ماقبل میں ایک چیز اِجمالاً آئی تھی اور اَمَّا کے ذریعے آگے اُسکی تفصیل آگئی۔

اور یاد رکھو! اَمَّا کبھی اِستیناف کے لئے بھی آتا ہے۔ یعنی ماقبل میں اجمال نہیں ہوتا جس کی تفصیل کے لئے اَمَّا آئے۔ جیسے کتابوں کے شروع میں آتا ہے، " اَمَّا بعدُ"۔ اور اس اَمَّا سے ماقبل میں کوئی اجمال نہیں ہوتا جسکی یہ تفصیل بیان کرے۔ تو یہ اَمَّا اِستیناف کے لئے ہے۔

اور اَمَّا جہاں تفصیل کے لئے ہوگا تو اُس کی نشانی یاد رکھنا! تو پھر اَمَّا کا تکرار ہوگا۔ جیسا کہ اس مثال " جاءَنِی اِخوَتُکَ اَمَّا زیدٌ فَأَکرَمتُہُ وَ اَمَّا عمرٌو فَأَھَنتُہُ وَ اَمَّا بکرٌ فَأَعرَضتُ عنہُ" میں ہے۔ اور جہاں اَمَّا استیناف کے لئے ہوگا تو وہاں اَمَّا کا تکرار نہیں ہوگا جیسا کہ " اَمَّا بعد" ایک ہی دفعہ آتا ہے۔

چاہے اَمَّا اجمال کے لئے ہو چاہے اَمَّا استیناف کے لئے ہو، علماء نحو اسکو حرفِ شرط کہتے ہیں۔ تو اسکو حرفِ شرط کیوں کہتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ اس لئے اَمَّا کو حرفِ شرط کہتے ہیں کہ اس کے جواب میں فاء لازم ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرط ہے۔ یعنی شرط کا معنیٰ اسکے اندر ہے۔ اس لئے اسکے ساتھ فا کا لانا لازم ہے۔ دیکھو! ہر جگہ " اَمَّا بعدُ" کے آگے "فاء" آتی ہے۔ تو ایک وجہ یہ ہوا کہ اَمَّا کے بعد فا کا لانا لازم ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سببیت کی وجہ سے علماء نحو اسکو حرفِ شرط کہتے ہیں۔ کہ اوّل سبب ہوتا ہے ثانی کے لئے۔ جیسا کہ اَمَّا زیدٌ فَمُنطَلِقٌ: فاء کے اندر تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہ فاء عاطفہ ہے، دوسرا یہ کہ یہ فاء زائدہ ہے تیسرا یہ کہ یہ فاء سببیہ ہے۔ تو یہاں " اَمَّا زیدٌ فَمُنطَلِقٌ " میں فاء کو عاطفہ نہیں بنا سکتے۔ اسلئے کہ زید مبتدا ہے اور منطلقٌ خبر ہے۔ اور خبر کا عطف مبتدا پر نہیں ہوا کرتا۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ فاء عاطفہ نہیں۔

اسکو فاء زائدہ بھی نہیں بنا سکتے۔ اگر یہ فاء زائدہ ہوتی تو کبھی آتی اور کبھی نہ آتی۔ لیکن یہ تو لازم ہے اور ہمیشہ آتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ فاء زائدہ نہیں۔

تو پھر تیسری صورت رہ گئی سببیت والی۔ تو یہ فاء یہاں " اَمَّا زیدٌ فَمُنطَلِقٌ" میں سببیت کے لئے آئی ہے۔ اور یہ بتلاتی ہے کہ اوّل سبب ہے ثانی کا۔ اور شرط اور جزا میں بھی اس طرح ہوتا ہے کہ اوّل سبب ہوتا ہے ثانی کا۔ جیسا کہ، "اِنْ دَخَلْتِ الدَّارَ فَأَنْتِ طَالِقٌ" تو یہاں پر دخولِ دار سبب ہے وقوع طلاق کا۔

تو علماء نحو دو وجہوں سے اس پر حرفِ شرط کا حکم لگاتے ہیں۔ ایک فاء کے لُزوم کی وجہ سے اور دوسرا سببیت کی وجہ سے، کہ اوّل ثانی کا سبب ہوتا ہے۔

پھر جب یہ اَمَّا حرفِ شرط ہے۔ تو حرفِ شرط کے بعد آپ نے ہمیں بتلایا تھا کہ فعل کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ اور اَمَّا کے بعد تو فعل نہیں آتا۔ اور اَمَّا کے بعد جب بھی آتا ہے تو اس کے ساتھ اسم آتا ہے۔ تو اسکا وجہ یہ ہے کہ فعل کو حذف کر دیا گیا ہے۔ اصل میں کلام یوں تھا، "مَھْمَا یَکُنْ مِّنْ شَيْئٍ فَزَیْدٌ مُنْطَلِقٌ" ۔ یاد رکھو! یہ مَھْمَا کلمہ شرط ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ اسم ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حرف ہے۔ مَھْمَا: کچھ بھی ہو، اور "مِنْ شَيْئٍ" آگے اسکی صفت ہے۔ مِنْ شَيْئٍ: کسی بھی چیز میں سے، یَکُنْ: یہ شرط ہے۔ کانَ تامّہ ہے، اور یہ ثبتَ کے معنیٰ میں ہے یا یَثْبُتُ کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی کوئی بھی چیز ثابت ہے۔ یعنی کوئی بھی چیز پائی جائے، فَزَیْدٌ مُنْطَلِقٌ: تو زید چلنے والا ہے۔ یعنی کوئی بھی

چیز پائی جائے تو زید چلنے والا ہے۔ اور چیزوں کا پایا جانا تو یقینی ہے۔ اور دنیا تو کروڑوں، اربوں، کھربوں چیزیں ہیں۔ اور اُس نے کہا کوئی ایک بھی چیز پائی جائے، تو زید کا چلنا یقینی ہے۔

لیکن پھر کیا کیا گیا؟ مَهْمَا کلمہ شرط تھا اسکو اور یَکُنْ شرط کو حذف کر لیا گیا۔ اور مِنْ شَيْئٍ بھی ساتھ حذف ہوا۔ اور ان کا قائم مقام اَمَّا کو بنایا گیا۔ اور کلام، " اَمَّا فَزَیْدٌ مُنْطَلِقٌ" رہ گیا۔ اب دیکھو! خرابی لازم آگئی۔ اَمَّا شرط کے لئے ہے۔ اور آگے "فاء" آئی ہے۔ اور فاء جزا کے لئے آتی ہے۔ اور حرفِ شرط اور جزا اکھٹے مل جائے تو یہ پسندیدہ نہیں ہے۔ یعنی حرفِ شرط کے بعد پہلا شرط آنا چاہئے اور اس کے بعد پھر جزا آنا چاہئے یہ پسندیدہ ہے۔ تو پھر اس صورت میں وہ کلمہ جو فاء کے ساتھ ہو اُس کو اٹھا کر اَمَّا اور فاء کے درمیان میں لاتے ہیں۔ تو " اَمَّا فَزَیْدٌ مُنْطَلِقٌ" میں فاء کے بعد زیدٌ کو اٹھا کر اَمَّا اور فاء کے درمیان میں لایا تو " اَمَّا زیدٌ فَمُنْطَلِقٌ" بن گیا۔ اور زید جیسے پہلے مبتدا تھا تو اب بھی مبتدا ہے اور منطلقٌ جیسے پہلے اُسکی خبر تھی تو اب بھی خبر ہے۔ اور اب زیدٌ کی وجہ سے اَمَّا اور فاء میں فصل آگئی۔

تو خلاصہ یہ کہ اَمَّا کے فعل کو حذف کرنا لازم ہے۔ یعنی اسکے فعل کو ہمیشہ حذف کر لیا جاتا ہے۔ اور پھر اُس فعل کا عوض ہم لے آتے ہیں۔ یعنی فاء کے بعد کسی کلمے کو اٹھا کر اُس فعل کی جگہ رکھتے ہیں اور اُس کلمہ کو اُس فعل کا قائم مقام بناتے ہیں۔ اور عِوَض اور مُعَوَّض کبھی اکھٹا نہیں ہوتے۔ اس لئے فعل کا لانا جائز نہیں اس لئے فعل کو حذف کر لیتے ہیں۔ آگے صاحب کافیہؒ اس تفصیل کو اپنے الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں۔

وَالْتُزِمَ حَذْفُ فِعْلِهَا اور لازم پکڑا گیا ہے اسکے فعل کو حذف کرنا۔ یعنی التزام کیا گیا ہے اِس اَمَّا کے فعل کے حذف کرنے کا۔ **وَ عُوِّضَ بَيْنَهَا و بينَ فائِهَا** اور عوَض لایا گیا ہے اُس اَمَّا اور فاءِ اَمَّا کے درمیان، بینھا کی ھا ضمیر اَمَّا کو راجع ہے۔ فائِهَا ای فَاءِ اَمَّا۔ **جزءٌ** کوئی ایک جز **مِمَّا** اُن اجزاء میں سے **فی حَيِّزِهَا** ای فِي حَيِّزِ فاء:جو فاء کے حَیِّز میں ہو۔ یعنی فاء کے بعد ہو۔ حَیِّز: مکان۔ جیسے ہم نے اَمَّا اور فاء کے درمیان زید کو لایا۔

صاحب کافیہؒ یہاں سے ایک نئی بات بتلانا چاہتے ہیں۔ بھئی یاد رکھو! یہ جو فاء کے حَیِّز میں ہوتا ہے اُس کو فاء پر مقدَّم کرنا جائز نہیں ہوتا۔ فاء اپنے سے مابعد کو اپنے سے ماقبل میں عمل نہیں کرنے دیتا۔ یعنی جو فاء کے حَیِّز میں ہو فاء اُس کو اپنے مقدَّم نہیں ہونے دیتی۔ اب یہ جو اَمَّا اور فاء کے درمیان میں کلمہ آگیا، جیسا کہ مثال میں زیدٌ آگیا تھا۔ اب اس کلمہ کے اندر عامل کون ہوگا۔ مثلاً میں نے کہا، " اَمَّا يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ"۔ یہ مثال آگے متن میں ذکر ہے۔ اب یہاں پر دیکھئے، "فاء" سے پہلے يَوْمَ الْجُمُعَةِ ہے۔ اور یہ " يَوْمَ الْجُمُعَةِ" ظرف ہے۔ اور ظرف کے لئے ہمیشہ عامل چاہئے۔ اس لئے کہ اس نے مفعول فیہ بننا ہے۔ اب یہ " يَوْمَ الْجُمُعَةِ" کس کے لئے مفعول فیہ ہے اور اسکے اندر عامل کون ہے؟ تو اب اسکے اندر اختلاف ہے۔

اختلاف سے پہلے یہ سمجھ لو! دیکھو! یہ فاء اپنے مابعد کو ماقبل میں عمل نہیں کرنے دیتا۔ کبھی صرف یہ فاء آتی ہے۔ کبھی کوئی اور مانع بھی ساتھ آجاتا ہے۔ مثلاً، " اَمَّا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّ زیدًا مُنْطَلِقٌ"۔ دیکھو! فاء کے ساتھ اِنَّ بھی آگیا۔ تو فاء بھی مابعد کو ماقبل میں عمل نہیں کرنے دیتی۔ اور اِنَّ بھی اپنے مابعد کو اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرنے دیتی۔ اس لئے کہ اِنَّ صدارتِ کلام کو چاہتا ہے۔ اگر مابعد کو ماقبل میں عمل کرنے دیں تو معلوم ہوا کہ کوئی جُز کلام کا اس پر مقدَّم ہو چکا ہے۔ اور اس طرح تو اِنَّ کی صدارت فوت ہو جائے گی۔

تو کبھی کبھار اَمَّا کے بعد صرف فاء آتی ہے جو مابعد کو ماقبل میں عمل نہیں کرنے دیتی، اور کبھی فاء کے ساتھ کوئی اور مانع بھی ہوتا ہے یعنی دو مانع آجاتے ہیں اور وہ دوسرا مانع بھی اپنے مابعد کو اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرنے دیتے۔ تو اب یہاں تین مذاہب ہیں۔

سوال یہ تھا کہ اَمَّا اور فاء کے درمیان یہ جو معمول آگیا اس میں عامل کون ہے؟ تو اب یہاں پر تین مذاہب ہیں۔

پہلا مذہب امام سیبویہؒ کا ہے۔ مطلقًا سے اسکی تفصیل ہے۔

مطلقًا ہر وقت میں چاہے صرف فاء مانع ہو چاہے فاء کے علاوہ کوئی اور بھی مانع ہو۔

امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ اس کے اندر فاء کا مابعد عامل ہے۔ تو یہاں پر، " اَمَّا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَزَیْدٌ مُنْطَلِقٌ " میں وہ فرماتے ہیں کہ "یومَ الجمعۃِ " کے اندر عامل "مُنْطَلِقٌ" ہے۔ اس لئے کہ " مُنْطَلِقٌ" اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اسم فاعل بھی فعل کی طرح عمل کرتا ہے۔ جس طرح فعل مفعول فیہ کو نصب دیتا ہے تو اسی طرح اسم فاعل بھی مفعول فیہ کو نصب دیتا ہے۔ تو "یومَ الجمعۃِ" کے اندر عامل "مُنْطَلِقٌ" ہوا۔ صاحب کافیہ نے متن میں **مطلقًا** کا لفظ ذکر کیا ہے۔ تو امام سیبویہؒ کے نزدیک اَمَّا کے بعد جو معمول آئے گا اُس میں فاء کا مابعد مطلقًا عامِل ہوگا۔ مطلَقًا کا معنیٰ یہ ہے کہ صرف مانع فاء ہو یا فاء کے علاوہ کوئی اور مانع کیوں نہ آجائے پھر بھی فاء کا مابعد فاء کے ماقبل میں عمل کریگا۔ مثلاً " اَمَّا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَزَیْدٌ مُنْطَلِقٌ " میں "یومَ الجمعۃِ" کے اندر عامل منطلقٌ ہے۔ اور یہاں مانع صرف فاء ہے۔ اور کبھی دوسرا مانع بھی آجائے گا جیسا کہ، " اَمَّا یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّ زَیْدًا مُنْطَلِقٌ " میں فاء کے ساتھ اِنَّ بھی آگیا۔ پھر بھی وہ فرماتے ہیں کہ یومَ الجمعۃِ کے اندر عامل فاء کا مابعد مُنطلقٌ ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہ اَمَّا کی خصوصیت ہے کہ فاء کا مابعد بھی اپنے ماقبل میں عمل کرتا ہے۔

اب صاحب کافیہؒ دوسرا مذہب ذکر فرما رہا ہے۔

و قیلَ ھوَ معمولُ الْمَحْذُوْفِ اور امام مبرّدؒ فرماتے ہیں کہ یہ معمول ہے محذوف کا۔ مطلقًا ہر وقت میں۔ چاہے صرف فاء مانع ہو یا فاء کے ساتھ کوئی اور مانع ہے۔ مثلُ مثال کے طور پر اَمَّا یومَ الجمعةِ فزیدٌ مُنْطَلِقٌ

دوسرا مذہب امام مُبرَّد کا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ فاء کا مابعد کبھی بھی فاء کے ماقبل میں عامل نہیں بن سکتا۔ اسی طرح یہاں بھی مابعد ماقبل میں عامل نہیں بنے گا چاہے کوئی اور مانع ہو چاہے کوئی اور مانع نہ ہو۔ دونوں صورتوں میں فاء کا مابعد عامل نہیں بنے گا بلکہ ماقبل میں وہ "یَکُنْ" جو محذوف کیا تھا وہ "یومَ الجمعَةِ" کے اندر عمل کر رہا ہے۔ تو امام مبرد صاحب امّا کی کوئی خصوصیت نہیں مانتے۔ تو امام مبرّد کے نزدیک جو ماقبل ہے تو اس میں ماقبل عامل ہوگا اور جو مابعد ہے اُس میں مابعد عامل ہوگا۔

تو دیکھو امام سیبویہؒ کے نزدیک تقدیرِ کلام یوں ہوا، " مَهْمَا يَكُنْ مِّنْ شَيْئٍ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ یومَ الجمعةِ" ۔ تو یومَ الجمعةِ کے اندر عامل مُنْطَلِقٌ تھا۔ تو " يَكُنْ مِّنْ شَيْئٍ" کو جب حذف کیا گیا اور اس کی جگہ اَمَّا لے کر آئے، اب اسی یومَ الجمعةِ کہ جس کے اندر عامل مُنْطَلِقٌ ہے اُس کو اٹھا کر فاء پر مقدَّم کر دیا۔ تو عامل تو وہی مُنْطَلِقٌ رہے گا جو پہلے تھا۔

جبکہ امام مبرَّد فرماتے ہیں کہ نہیں بھئی یہ کلام یوں تھا ہی نہیں۔ کلام اصل میں یوں تھا، " مَهْمَا يَكُنْ مِّنْ شَيْئٍ يَوْمَ الْجُمْعَةِ فَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ "۔ تو امام مبردؒ کے نزدیک یہ یومَ الجمعةِ پہلے بھی مقدَّم تھا اور اسکے اندر عامل يَكُنْ تھا۔ تو امام مبردؒ کے نزدیک یہ مؤخر تھا ہی نہیں۔

اب صاحبِ کافیہ تیسرا مذہب جو کہ امام مازنیؒ کا ہے وہ ذکر فرما رہے ہیں۔

اور تیسرا مذہب امام مازنیؒ کا ہے۔ امام مازنیؒ فرماتے ہیں کہ اس مقام پر تفصیل ہے۔ دیکھو! مانع صرف فاء ہے یا فاء کے علاوہ کوئی اور مانع بھی موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر صرف فاء ہے تو پھر مابعد فاء کے ماقبل میں عمل کر سکتا ہے۔ اور یہ امّا کی خصوصیت ہے۔ کہ امّا کی جگہ پر آکر فاء کا مابعد فاء کے ماقبل میں عمل کر سکتا ہے۔ لیکن اگر فاء کے علاوہ کوئی اور مانع ہوا پھر فاء کا مابعد فاء کے ماقبل میں عامل نہیں ہوگا۔

و قیل اور امام مازنیؒ فرماتے ہیں اِنْ کان جائزَ التَّقْدِیم اگر وہ جُز جو مذکور تھا، اگر اُس کی تقدیم جائز تھی، یعنی فاء کے علاوہ اور کوئی مانع نہیں تھا فَمِنَ الْاَوَّلِ تو وہ قسم اوّل میں سے ہے۔ یعنی اُس کو فاء پر مقدَّم کر سکتے ہیں اور فاء کا مابعد فاء کے ماقبل میں عامل ہوگا۔ وَ اِلَّا اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی فاء کے مابعد کو فاء پر مقدَّم کرنا جائز نہ ہو۔ یعنی فاء کے علاوہ کوئی اور مانع بھی کلام کے اندر

ہو۔ فَمِنَ الثانِیْ تو یہ دوسرے قسم میں سے ہے۔ یعنی فاء کا مابعد فاء کے ماقبل میں عامل نہیں بلکہ اب وہ جو محذوف ہے یعنی یَکُنْ وہ عامل ہوگا۔

درس 112۔ حَرْفُ الرَّدْعِ کَلَّا حرفِ ردع کلّا ہے۔ رَدَعْ: ڈانٹنا، روکنا، کسی کو ڈانٹنے، روکنے یا منع کرنے کے لئے عربی میں کَلَّا آتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص آپ سے کہتا ہے، زیدٌ یُبْغِضُکَ: زید آپ سے بُغض رکھتا ہے۔ آپ فوراً کہتے ہیں، "کَلَّا: ہرگز نہیں"۔ یعنی ڈانٹ کے طور پر اُنہیں کہتے ہیں، "ہرگز نہیں"۔ یعنی تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ اور کبھی کبھار امر کا جواب نفی کے ساتھ دینے کے لئے بھی کَلَّا کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً آپ کو کوئی شخص کہتا ہے، "اِضْرِبْ زیدًا: زید کی پٹھائی کرو۔" اور جواب میں آپ کہتے ہیں، "کَلَّا: ہرگز نہیں"۔ یعنی ایسا میں نہیں کروں گا۔ تو دیکھا، یہاں پر جوابِ امر، نہی کے ساتھ دینے کے لئے "کَلَّا" آیا۔ وَ قَدْ جاءَ بِمَعنیٰ حَقًّا اور کبھی یہ حقًّا کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ یعنی جملے میں تاکید پیدا کرنے کے لئے آتا ہے۔ جیسے اِنَّ ہے، آپ نے کہا، زیدٌ قائمٌ: زید کھڑا ہے۔ اس پر آپ اِنَّ لے کر آئے۔ تو اِنَّ نے تاکید کا فائدہ دیا۔ اِنَّ زیدًا قائمٌ: یقیناً زید کھڑا ہے۔ اسی طرح کبھی کبھار کَلَّا بھی لے آتے ہیں۔ یہ کَلَّا بھی تحقیق اور تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے قرآن میں آتا ہے، "کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ۝ ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ۝ تو یہ کَلَّا، حقًّا کے معنیٰ میں ہے اور اِنَّ والا معنیٰ ادا کر رہا ہے۔ اور جملے میں تاکید پیدا کر رہا ہے۔ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ: یقیناً عنقریب وہ جان لیں گے۔ ثُمَّ کَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ: پھر یقیناً عنقریب وہ جان لیں گے۔

تاءُ التَّانِیْثِ اَلسَّاکِنَۃُ الساکنۃُ مرفوع ہے اور تاء کی صفت ہے۔ تاء مرفوع ہے تو الساکنۃُ بھی مرفوع۔ اور التانیث مجرور ہے۔ تاءُ التَّانِیْثِ: وہ تائے تانیث، اَلسَّاکِنَۃُ: جو ساکن ہو۔ تَلْحَقُ الْمَاضِیَ ماضی کے ساتھ ملتی ہے۔ لِتَانِیْثِ الْمُسْنَدِ اِلَیْہِ مسند الیہ کی مؤنث ہونے کی وجہ سے۔دیکھو بھئی! میں کہتا ہوں، ضربَ زیدٌ، یہاں ضربَ کا اسناد میں نے زید مذکر کی طرف کیا۔ لیکن اگر اس ضربَ کا اسناد میں ھندٌ مؤنث کی طرف کرنا چاہوں تو پھر "ضربَتْ ھندٌ" کہوں گا۔ تو یہ جو تائے تانیث جو میں نے ماضی کے ساتھ ملا دی یہ حرف ہے۔ یہ تائے تانیث اسم یا ضمیر نہیں۔ یہ صرف یہ بتلانے کے لئے لائی جاتی ہے کہ یہ جو فعل ہے آگے اس کا اسناد مؤنث کی طرف ہو رہا ہے۔ پس ضربتْ کی تاء نے صرف یہ بتلایا کہ اسکا مسند الیہ مؤنث ہے۔

فان کان ظاھرا اگر وہ اسم ظاہر ہوا۔ یعنی وہ مسند الیہ اسم ظاہر ہوا۔ غیرَ حقیقِیٍّ ایسا اسم ظاہر جو کہ غیرِ حقیقی ہے۔ یعنی ایسا مؤنث اسم ظاہر جو کہ غیر حقیقی ہو۔ فَمُخَیَّرٌ ای فَأَنْتَ مُخَیَّرٌ: پھر آپ مُخَیَّر ہے۔ یعنی آپ کو اختیار ہے۔ یہاں پر مبتدا "انتَ" محذوف ہے۔ یعنی آپ کو اختیار ہے، چاہے تو تائے تانیث لائے اور اگر چاہے تو تائے تانیث نہ لے آئے۔ دیکھو میں کہنا چاہتا ہوں، "طَلَعَ الشَّمْسُ: سورج طلوع ہوا۔" اب فعل کا اسناد میں اسم ظاہر "الشمس" کی طرف کر رہا ہوں۔ اور یہ اسم

ظاہر "الشمس" کا لفظ عربی میں مؤنث مستعمل ہے۔ لیکن یہ مؤنث غیر حقیقی ہے۔ اس لئے کہ اس کے مقابلے میں کوئی مذکر حیوان نہیں۔ اور جب فعل کا اسناد مؤنث غیرِ حقیقی کی طرف کی جائے تو پھر آپ کو اختیار ہے آپ چاہے تو فعل کو مؤنث لائے اور اگر آپ چاہے تو آپ فعل کو مذکر لائے۔ یعنی وہ تائے تانیث کو ساتھ ملائے یا تائے تانیث کو ساتھ نہ ملائے۔ تو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں، "طَلَعَ الشمسُ" اور آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ "طَلَعَتِ الشَّمْسُ"۔

وَ اَمَّا اِلْحَاقُ علامةِ التَّثْنِيَةِ اور باقی ملانا تثنیہ کی علامت کا وَ الْجَمْعَيْنِ اور دونوں جمعوں کی علامتوں کا ملانا، (ایک جمع مذکر اور ایک جمع مؤنث) فَضَعِيْفٌ یہ ضعیف ہے۔ اس کی تفصیل آگے ملاحظہ فرمائیں۔

بھئی آپ نے پڑھا ہے کہ فعل کا فاعل جب بھی اسم ظاہر آئے گا، تو فعل کو ہمیشہ مفرد رکھیں گے۔ ضربَ کا فاعل زیدٌ اسم ظاہر آرہا ہے تو ضَرَبَ زَيْدٌ کہیں گے۔ اور اگر ضرَبَ کا فاعل تثنیہ الزیدانِ آرہا ہے تو اس صورت میں فعل کو تثنیہ نہیں رکھیں گے بلکہ فعل مفرد ہی آئیں گا اور ضَرَبَ الزَّيْدَانِ کہیں گے۔ اور اگر اسم ظاہر جمع آجائے تو پھر بھی فعل کو مفرد ہی رکھیں گے یعنی ضَرَبَ الزَّيْدُوْنَ کہیں گے۔

صاحبِ کافیہ یہاں فرماتے ہیں کہ اگر ضربَ فعل کا اسناد تثنیہ کی طرف ہو رہا ہو اور فعل بھی آپ کو ایسا نظر آرہا ہو کہ جس کے ساتھ تثنیہ کی ضمیر ملی ہوئی ہو تو سمجھ لینا کہ یہ الف جو ضربَ کے ساتھ ملا ہوا ہے یہ اب ضمیر نہیں بلکہ صرف تثنیہ کی علامت ہے۔ یعنی ضربَا الزیدانِ کے اندر "ضربَا" میں ضربَ کے ساتھ جو الف ملا ہوا ہے یہ تثنیہ کی ضمیر نہیں بلکہ صرف تثنیہ کی علامت ہے۔ اور اگر ویسے "ضَرَبَا" کہو تو پھر یہ الف تثنیہ کی ضمیر ہے۔ لیکن آگے جب فاعل اسم ظاہر بھی رہا ہو تو پھر "ضَرَبَا" کے اندر یہ الف تثنیہ کی ضمیر نہیں بلکہ تثنیہ کی علامت ہے۔

اگر ضربَا الزیدَانِ میں ضربا کی الف کو تثنیہ کی ضمیر مان لے تو پھر اِضمار قبلَ الذِّکر کی خرابی لازم آئیگی۔ یعنی یہ الف تثنیہ کی ضمیر اُسی الزیدانِ کو لوٹ رہی ہے جو بعد میں آرہی ہے۔ تو مسند الیہ بعد میں آرہا ہے اور ضمیر پہلے آگئی اور یہ اضمار قبلَ الذکر ہے جو کہ جائز نہیں۔

اسی طرح آپ کہتے ہیں، ضَرَبُوْا الزَّيْدُوْنَ۔ تو یہاں پر بھی دیکھئے واؤ پہلے آیا اور واؤ جمع کی ضمیر ہے اور آگے اسم ظاہر الزیدونَ بعد میں آرہا ہے۔ پس اگر واؤ کو ہم جمع کی ضمیر مان لیں تو یہاں پر بھی اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئیگی۔ تو لہٰذا اگر کہیں پر ایسا آجائے تو آپ سمجھ جانا کہ یہ واؤ جمع کی ضمیر نہیں بلکہ صرف جمع کی علامت ہے۔ یہ واؤ صرف یہ بتلا رہا ہے کہ یہ جو ضربَ کا اسناد ہو رہا ہے یہ جمع مذکر کی طرف ہو رہا ہے۔

اسی طرح ضَرَبْنَ النِّسَاءُ میں ضَرَبْنَ کے ساتھ یہ نونِ جمع ملا ہوا ہے۔ اور آگے النساءُ فاعل بھی ساتھ آ رہا ہے۔ حالانکہ ہم نے پڑھا ہے کہ جب فاعل اسمِ ظاہر آجائے تو فعل کو مفرد رکھتے ہیں۔ تو یہاں نون

جمع مؤنث کی ضمیر بھی ساتھ ہے۔ تو ایسے موقع پر یہ ضربنَ کا نون صرف جمع مؤنث کی علامت ہے اور جمع مؤنث کی ضمیر نہیں ورنہ اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آتی۔ تو یہاں پر جمع مؤنث کی نون نے صرف یہ بتلا دیا کہ اس فعل کا اسناد جمع مؤنث کی طرف ہو رہا ہے۔ جیسے ضربتْ کی تاء نے صرف یہ بتلا دیا کہ اس فعل کا اسناد مؤنث کی طرف ہو رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کبھی کبھار عربی کے اندر آپ کو ملے گا کہ تثنیہ کی صورت میں فاعل آگے اسم ظاہر آ رہا ہے اور فعل کے ساتھ بھی بظاہر تثنیہ کی ضمیر ملی ہوئی ہوگی، اور اسی طرح کبھی فعل کا اسناد جمع مذکر یا جمع مؤنث کی طرف ہوگا اور فعل کے ساتھ جمع مذکر یا جمع مؤنث کی ضمیر بظاہر ملی ہوئی ہوگی۔ تو ایسے موقع پر اس کو صرف تثنیہ یا جمع مذکر یا جمع مؤنث کی علامت بنانا ہے اور ضمیر نہیں بنانا ورنہ پھر اضمار قبل الذکر کی خرابی لازم آئے گی۔

اور نیز اگر ایسا کبھی آ بھی جائے تو یہ لغتِ ضعیف ہے۔ فصیح لغت یہ ہے کہ اسم ظاہر کی صورت میں فعل کو صورتًا بھی مفرد لایا جائے۔

اَلتَّنْوِیْنُ تنوین جو ہے **نونٌ ساکنۃٌ** وہ نونِ ساکن ہے۔ **تَتْبَعُ حَرْکَۃَ الاٰخِرِ** جو کلمے کے آخری حرکت کے تابع ہوتا ہے۔ مثلاً، جاءنِی رجلٌ۔ رجلٌ پر رفع آ رہا ہے۔ تو رفع کے تابع ایک نون ہے۔ یعنی رجلٌ کے آخر میں جو نونِ ساکن ہم پڑھ رہے ہیں یہ تنوین ہے۔ یہ آخری حرکت کے تابع ہوگا۔ اسی طرح ضَرَبْتُ رَجُلاً میں تنوین نصب کے تابع ہو گیا۔ اور مَرَرْتُ بِرَجُلٍ میں تنوین جرّ کے تابع ہوگیا۔ **لَا لِتَاکِیْدِ الْفِعْلِ** نہ کہ تاکیدِ فعل کے لئے۔ اور یہ نونِ تنوین تاکید کے لئے نہیں ہوگا۔ اس کے ذریعے صاحبِ کافیہ دراصل احتراز کر رہے ہیں نونِ تاکید سے۔ نونِ ثقیلہ اور نونِ خفیفہ دونوں نونِ تاکید ہیں۔ تو نونِ خفیفہ بھی نونِ تاکید ہے اور ساکن بھی ہے۔ جیسا کہ اِضْرَبَنْ میں نونِ خفیفہ ہے اور ساکن بھی ہے۔ تو صاحب کافیہؒ فرما رہے ہیں کہ نونِ تنوین سے یہ نونِ خفیفہ مراد نہیں۔

وَ هُوَ لِلتَّمَکُّنِ وَ التَّنْکِیْرِ وَ الْعِوَضِ وَالْمُقَابَلَۃِ وَالتَّرَنُّمِ اور یہ نونِ تنوین پانچ قسم پر ہے۔ یعنی یا تَمَکُّنْ کے لئے ہوگی، یا تنکیر کے لئے ہوگی، یا عِوَض کے لئے ہوگی، یا مقابلۃ کے لئے ہوگی یا ترنّم کے لئے ہوگی۔ ان میں سے یاد رکھو! یہ پہلے چار جو ہیں یعنی تنوینِ تَمَکُّن، تنوینِ تنکیر، تنوینِ عوض اور تنوینِ مقابلۃ یہ خاص ہے اسم کے ساتھ۔ یہ چار صرف اسم کے ساتھ آئیں گی فعل اور حرف کے ساتھ نہیں آئیں گی۔ آخری جو تنوینِ ترنُّم ہے وہ فعل کے ساتھ بھی آسکتی ہے، اسم کے ساتھ بھی آسکتی ہے اور حرف کے ساتھ بھی آسکتی ہے۔

تنوینِ تمکُّن: یہ بعض اوقات اسم کے آخر میں یہ بتلانے کے لئے آتی ہے کہ یہ اسم مقتضائے اسمیت کے اندر خوب پختہ ہے۔ یعنی غیرِ منصرف نہیں ہے۔ یعنی منصرف ہے۔ غیر منصرف پر کسرۃ اور تنوین اس لئے نہیں آتی کیونکہ اس کی مشابہت فعل کے ساتھ آتی ہے فرعیّت کے اندر۔ اور جس اسم پر تنوینِ تمکُّن

آتا ہے تو یہ بتلاتا ہے کہ یہ اسم مقتضائے اسمیت میں بڑا پختہ ہے۔ یعنی اسمِ متمکّن کے فعل کے ساتھ کسی بھی طور پر مشابہت نہیں۔ جیسے زیدٌ پر جو تنوین آئی ہے یہ تنوین تَمَکُّن ہے۔ اس تنوین نے بتلایا کہ زید غیر منصرف نہیں بلکہ منصرف ہے۔ کیونکہ غیرِ منصرف پر تو تنوین نہیں آتا۔

تنوینِ تنکیر: تنوینِ تنکیر وہ ہے جب کسی اسم پر آئے تو یہ بتلائے کہ یہ اسم نکرۃ ہے اور معرفۃ نہیں۔ یہ اسمِ فعل کے اندر آیا کرتی ہے۔ جیسے صَح اور اسی پر کبھی تنوین لے کر آتے ہیں صَح۔صَحٍ کا معنیٰ ہے خاموش ہو جاؤ۔ اور صَح جب بغیر تنوین کے ہو تو یہ معرفۃ ہوتا ہے اور صَحٍ جب تنوین کے ساتھ ہو تو یہ نکرۃ بن جاتا ہے۔ اور جب صَح معرفۃ ہو بغیر تنوین کے تو اسکا معنیٰ ہے، "ابھی چُپ کر جاؤ"۔ یعنی فی الحال خاموش ہو جاؤ۔ اور اگر صَحٍ ہے تو اسکا معنیٰ ہے "خاموش ہو جاؤ کسی بھی وقت"۔ یعنی یوں کہو، "کہ کبھی تو خاموش ہو جاؤ"۔

نوٹ: رجلٌ کی تنوین تنوینِ تمکن ہے اور تنوینِ تنکیر نہیں۔ کیونکہ اگر ہم رجلٌ کسی کا نام رکھے۔ تو اب یہ رجلٌ معرفۃ بن گیا۔ اور معرفۃ ہونے کی وجہ سے اس سے تنوین نہیں گرا حالانکہ اسمِ فعل کے اندر معرفۃ سے تنوین گر جاتا ہے۔

تنوینِ عِوَض: کبھی کبھار مضافٌ الیہ کے عوض میں تنوین لاتے ہیں۔ جیسے دیکھو بھئی! آپ عربی میں پڑھتے ہیں، "حِینَئِذٍ"۔ حِینَئِذٍ اصل میں " حِینَئِذْ کانَ کذا " تھا۔ تو یہ "کانَ کذا" پورا جملہ مضافٌ الیہ تھا "اِذْ" کی طرف ۔ اور پھر پورے جملے "کانَ کذا" کو حذف کر دیا گیا اور اس کے عوض "اِذْ" کو تنوین دے دی گئی۔ اور پھر اسکو " حِینَئِذٍ " پڑھا۔ اسی طرح " یَوْمَئِذٍ" اصل میں "یَوْمَئِذْ کانَ کذا" تھا۔ "کانَ کذا" پورا جملہ مضافٌ الیہ تھا اور "اِذْ" مضاف تھا۔ تو اس "کانَ کذا" کو حذف کر کے اس کے عوض "اِذْ" کو تنوین دے دی گئی۔ اور ہم "یَوْمَئِذٍ" پڑھتے ہیں۔

قیمتی نکتہ: تنوینِ عوَض ہر جگہ نہیں آتی بلکہ یہ صرف چار جگہ آتی ہے۔ یا تو یہ "کُلٌّ" کے ساتھ آئے گی۔ یا "بَعْضٌ" کے ساتھ، یا "اَیٌّ" کے ساتھ، یا یہ "بعضِ حروف" کے ساتھ آئیگی۔ بھئی عبارتوں کے اندر آپ اکثر "کُلٌّ یا کُلاًّ " وغیرہ پڑھیں گے۔ تو آپ فورًا سمجھ لینا کہ یہ کُلٌّ پر جو تنوین آئی ہے یہ تنوین عوض ہے۔ اس لئے کہ کُلُّ ہمیشہ مضافٌ الیہ چاہتا ہے۔ اور جب کُلٌّ پر تنوین آیا تو اس کا مطلب ہے کہ مضافٌ الیہ کو حذف کر لیا گیا اور اس کے عوض کُلٌّ پر تنوین آیا۔ اور اکثر "واحد" کا لفظ آگے محذوف ہوتا ہے۔ یعنی "کُلُّ واحدٍ"۔ اور کبھی ضمیر ساتھ محذوف ہوگی یعنی "کُلُّهُمْ یا کُلُّهَا" وغیرہ۔

اسی طرح بعض اوقات عبارتوں کے اندر آپ کو بعضٌ، بعضًا، یا بعضٍ کا لفظ نظر آئے گا۔ بھئی بعضُ تو ہمیشہ مضافٌ الیہ چاہتا ہے۔ لیکن جب بعضٌ تنوین کے ساتھ آئے تو آپ فورًا سمجھ لینا کہ یہاں مضافٌ الیہ کو حذف کیا گیا ہے اور اس کے عوض تنوین لایا گیا۔ اور یہاں مضافٌ الیہ محذوف ہے یعنی "بعضُهم یا بعضُها" وغیرہ۔

اسی طرح بعض اوقات "اَیٌّ یا اَیًّا یا اَیٍّ " استعمال ہوتا ہے۔ تو اپ فورًا سمجھ جائے کہ یہ تنوین عوض کی ہے۔ اور اصل میں "اَیُّھُمْ یا اَیَّھُم" وغیرہ تھا۔

اور اسی طرح بعضِ حروف کے ساتھ بھی یہ تنوین آتی ہے۔ جیسا کہ "اِذٍ" ظروف میں سے ہے۔ اور آپ نے "حِیْنَئِذٍ یا یَوْمَئِذٍ" پڑھا۔

تنوینِ مقَابَلَۃ: اور تنوینِ مقابلۃ آتی ہے صرف جمع مؤنث سالم میں۔ جیسا کہ مُسْلِمَاتٌ یا مُسْلِمَاتٍ۔ اور اسکو تنوینِ مقابلۃ کیوں کہتے ہیں۔ کہتے ہیں اس لئے کہ دیکھو! مسلمات جمع مؤنث سالم ہے اور اسکے مقابلے میں جمع مذکر سالم آتے ہیں۔ تو ایک ہے مسلمون اور ایک ہے مسلمات۔ تو مسلمون کے اندر یہ واؤ جمع کی بھی علامت ہے اور یہ تذکیر کی بھی علامت ہے۔ اور مسلمات کے اندر یہ جو الف ہے یہ جمع کی علامت ہے اور یہ جو تاء ہے یہ مؤنث کی علامت ہے۔ تو مسلمونَ کے اندر یہ واؤ دونوں کام کر رہا ہیں یعنی تذکیر اور جمع دونوں کا کام کر رہا ہیں۔ اور مسلمات کے اندر الف جمع والا کام کر رہا ہے اور تاء تانیث کی کام کر رہا ہے۔

لیکن مسلمونَ کے اندر ایک نون بھی تو آرہا ہے۔ وہ نون زائد ہے اور اس کے مقابلے میں مسلمات کے اندر کچھ بھی نہیں آیا۔ تو مسلمونَ کے نون کے مقابلے میں بھی مسلمات کے اندر کچھ آنا چاہئے تھا۔ تو مسلمونَ کے نون کے عوض میں مسلمات میں تنوین لے آئے۔ تو مسلمونَ میں بھی نون اور مسلماتٍ میں نون ساکن ہم لے آئے۔

اچھا! اس کو الگ قسم کیوں بنایا۔ اس لئے کہ یہ نہ تو تنوینِ تمکن بن رہی تھی، نہ تنوین تنکیر، نہ تنوین عوض اور نہ ہی تنوین ترنم بن رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ تنوینِ تمکن تو وہ ہے جو یہ بتلائے کہ اسم مقتضائے اسمیت میں بڑا پختہ ہے۔ یعنی فعل کے ساتھ اس کی مشابہت کسی بھی لحاظ سے نہیں۔ یعنی یہ غیر منصرف نہیں بلکہ منصرف ہے۔ اور اگر ہم مسلمات کسی کا نام رکھ دے۔ اب بھی اس پر آپ تنوین پڑھیں گے۔ جیسا کہ، جاءنی مسلماتٌ، رأیتُ مسلماتٍ، مررتُ بمسلماتٍ۔ کیونکہ مسلمات کے اندر ایک تائے تانیث ہے اور ایک علمیت ہے۔ تو اسباب منع صرف میں سے دو سبب مسلمات کے اندر آ گئے۔ تو مسلمات کو غیر منصرف بننا چاہئے تھا اور اس پر تنوین نہیں آنا چاہئے تھا۔ لیکن اس پر تنوین آ گئی۔ تو معلوم ہوا کہ تنوین تمکن والی نہیں۔ اگر یہ متمکن والی تنوین ہوتی تو علمیت کی صورت میں تنوین گر جانا چاہئے تھا۔ جیسا کہ عَرَفَات بھی اسی کی مثل ہے۔ کیونکہ یہ ایک جگہ کا نام ہے اور عَلَم ہے۔ تو اس پر بھی تنوین نہیں آنا چاہئے تھا۔ لیکن پھر بھی اس پر تنوین پڑھتے ہیں۔ تو معلوم ہوا یہ تنوین تمکن نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ یہ تنوینِ مقابلہ ہے۔

اب اگر مسلماتٍ کی تنوین کو تنوین تمکن نہیں بنا سکتے تو چلو تنوینِ تنکیر ہی بنا لو۔ کہتے ہیں کہ نہیں بھئی ابھی تو بتایا ہے۔ مسلماتٍ فی الحال نکرۃ ہے، لیکن اگر کسی کا نام رکھ دو تو پھر بھی اس پر تنوین

آئے گی۔ اگر یہ تنوین تنکیر والی ہوتی تو معرفۃ بنتے وقت پھر اس پر تنوین نہیں آنا چاہئے تھا۔ لیکن یہ تنوین پھر بھی آرہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ تنکیر والی تنوین نہیں۔

اور مسلماتٍ کی تنوین، تنوینِ عوض بھی نہیں ہے۔ اور تنوینِ عوض تو مضافٌ الیہ کے عوض میں آتی ہے۔ اور مسلماتٍ کا کوئی مضافٌ الیہ محذوف نہیں۔ اور تنوین عوض تو صرف چار جگہوں پر آتی ہے، کُلٌّ، بعضٌ، ایٌّ اور بعض ظروف میں سے۔ اور مسلمات نہ کُل ہے، نہ بعض ہے، نہ اَیٌّ ہے اور نہ ظروف میں سے ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا مسلماتٍ کی تنوین، تنوینِ عوض بھی نہیں۔

یہ تنوین ترنُّم بھی نہیں۔ تنوین ترنُّم اشعار کے آخر میں آواز کو حسین بنانے کے لئے لاتے ہیں۔ کیونکہ شعر کے آخر میں جب نونِ ساکن آئے گا تو گانے والا اُس کو ناک میں لے جائے گا، تو اس سے آواز حسین بن جاتا ہے۔ اور تنوین ترنُّم، اسم، فعل اور حرف تینوں کے ساتھ آسکتا ہے۔ تو مسلمات کی تنوین، تنوینِ ترنم بھی نہیں۔ تو پھر نحویوں نے اسکا الگ نام تنوینِ مقابلہ رکھا۔

یاد رکھو! یہاں سے صاحب کافیہؒ قیمتی ضابطہ بیان فرما رہے ہیں۔ کہ اِبَن کا لفظ کبھی دو علمین کے درمیان آتا ہے۔ جیسا کہ زیدُ بْنُ بَکْرٍ۔ کلامِ عرب میں بہت کثرت سے استعمال ہوتا ہے جب بیٹے کا ذکر ہو تو باپ کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ اور کثرت تخفیف چاہتی ہے۔ لہٰذا یہاں پر ابن سے پہلے جو علم تھا یعنی زیدٌ تو اس سے تنوین کو گرا دیتے ہیں اور زیدُ پڑھتے ہیں۔ یاد رکھو! یہ جو ابن کا لفظ آتا ہے یہ ماقبل کے لئے صفت ہوتا ہے اور مابعد کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ مثلاً زید کا لفظ مرفوع ہے تو ابن کا لفظ صفت ہے تو یہ بھی مرفوع ہوگا، اور آگے بکر کا لفظ مضافٌ الیہ کی وجہ سے مجرور ہوگا تو زیدُ بْنُ بَکْرٍ پڑھیں گے۔ چونکہ اِبن کا لفظ کثیر الاستعمال ہے، تو جب بھی اِبن کا لفظ دو علمین کے درمیان آئے تو پہلے علم سے تنوین کو تخفیفًا گرا دو۔ ورنہ اصل میں زیدٌ اِبْنُ بَکْرٍ تھا۔ پھر اِبْن کا ہمزہ وصل گر گیا، تو نونِ ساکن اوربائے ساکنہ کے درمیان التقائے ساکنین آیا۔ اور اس صورت میں پہلے ساکن کو کسرہ کی حرکت دینا چاہئے تھا اور "زیدُنِ بْنُ بکرٍ" پڑھنا چاہئے تھا۔ لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیفاً پہلے اسم کے نون ساکن کو گرا دیتے ہیں اور "زیدُ بْنُ بکرٍ" پڑھتے ہیں۔

اور اسی طرح یاد رکھو! اِبَن کا جو ہمزہ وصلی ہے وہ درجِ عبارت میں گر جاتا ہے۔ لیکن یہ جو ہمزہ ہے یہ تلفُّظ سے گرتا ہے کتابت میں آپ نے لکھنا ہے ہاں پڑھنا نہیں۔ لیکن یہاں پر یہ جو دو علمین کے درمیان میں آجاتا ہے تو اس کو کثرت استعمال کی وجہ سے تلفُّظ سے بھی گراتے ہیں اور کتابت سے بھی گراتے ہیں۔ یعنی کتابتًا بھی ابن کا ہمزہ یہاں پر نہیں لکھتے۔ تو یہاں پر زیدُ بْنُ بکرٍ کے اندر اِبَن کا ہمزہ بھی نہیں لکھیں گے۔

اسی طرح اِبْنَۃٌ کا لفظ بھی ہے۔ یہ اِبْنَۃٌ تانیث ہے ابنٌ کی۔ اگر اِبْنَۃٌ کا لفظ بھی دو علَمین کے درمیان آجائے جیسا کہ هندُ ابْنَۃُ عمرٍو۔ تو اس صورت میں پہلے علم سے تنوین کو گرا دیں گے اور اِبْنَۃٌ کی الف کو

رسمُ الخط سے نہیں گرائیں گے اور اِبنَۃٌ کی تلفُّظ سے ہمزہ گرائیں گے۔ اِبنَۃٌ کی کتابت سے ہمزہ اس لئے نہیں گرائیں گے کیونکہ پھر التباس لازم آئے گا۔ پھر یہ پتہ نہیں چلے گا کہ یہ اِبنَۃٌ کا لفظ تھا کہ بِنۃٌ کا لفظ تھا۔

لیکن اگر ابن کا لفظ دو علمین کے درمیان نہیں تو پھر ایسا نہیں ہوگا، مثلاً ماقبل میں رجلٌ کا لفظ ہے اور مابعد میں زید کا لفظ ہے۔ تو پھر رَجَلُ بْنُ زیدٍ نہیں پڑھیں گے بلکہ رَجَلُنِ ابْنُ زیدٍ پڑھیں گے۔ اور اگر ماقبل میں علَم ہو اور مابعد میں علَم نہیں، جیسا کہ ماقبل میں زیدٌ ہے اور مابعد میں عالمٌ ہے تو پھر اسکو زَیْدُ بْنُ عالِمٍ نہیں پڑھ سکتے بلکہ زَیْدُنِ ابْنُ عالِمٍ پڑھیں گے۔

آگے صاحب کافیہؒ اسکو اپنے الفاظ میں بیان فرما رہے ہیں۔

وَ يُحْذَفُ مِنَ الْعَلَمِ اور حذف کیا جائے گا تنوین کو عَلَم سے۔ مَوْصُوْفًا اس حال میں کہ وہ علم موصوف ہو۔ بِاِبْنٍ ابن کے لفظ ساتھ۔ یعنی ماقبل وال علَم موصوف ہوا اور یہ اِبَن صفت ہوا۔ یہاں پر اِبْن کا ہمزہ وصلی نہیں بلکہ قطعی بن چکا ہے۔ یہاں اِبن سے اِبَن کا لفظ مراد ہے۔ اور پورا لفظ مراد ہے تو یہ ہمزہ اب قطعی بن چکا ہے۔ اور یہاں آپ نے اِبَن کے لفظ کا معنیٰ بھی نہیں کرنا کیونکہ یہ علَم ہے۔ مُضَافًا اِلٰی عَلَمٍ اٰخَرَ اس حال میں کہ یہ اِبَن کا لفظ کسی دوسرے عَلَم کی طرف مضاف ہو۔

درس 113۔ نونِ تاکید دو قسم پر ہے۔ ایک نونِ خفیفہ ہے اور ایک نونِ ثقیلہ ہے۔ تو یہی بات صاحبِ کافیہؒ آپ کو بتلا رہے ہیں۔ نونُ التَّاکیدِ نونِ تاکید جو ہے خَفِیْفَۃٌ ساکِنَۃٌ خفیفۃ ساکنۃ ہے۔ وَ مُشَدَّدَۃٌ اور ایک نونِ تاکید مُشَدَّدَہ ہے۔ مَفْتُوحَۃٌ مَعَ غیرِ الْاَلِفِ یہ مفتوح ہوتا ہے غیرِ الف کے ساتھ۔ جیسے اِضْرِبَنَّ، اِضْرِبُنَّ، دیکھئے نون پر فتحۃ پڑھتے ہیں۔ ہاں الف کےعلاوہ کے ساتھ یہ مفتوح ہوتا ہے۔ اگر الف ساتھ آجائے تو پھر یہ نونِ تاکید مشدَّدَۃ مکسور ہوگا۔ جیسا کہ تثنیہ میں اِضْرِبَانِّ ہے۔ تو دیکھا یہاں نون پر ہم نے کسرۃ پڑھا۔ یعنی بغیر الف کے یہ نونِ مشدَّد مفتوح ہوگا اور الف کے ساتھ یہ نونِ مشدَّد مکسور ہوگا۔

یہ نونِ مشدَّدَۃ الف کے ساتھ مکسور اس لئے ہوگا کہ اب اس نونِ مشدَّدَۃ کی مشابہت آگئی نونِ تثنیہ کے ساتھ۔ جیسے نونِ تثنیہ الف کے بعد ہوتا ہے تو اسی طرح یہ نونِ مشدَّدَۃ بھی الف کے بعد آرہا ہے۔ اور نونِ تثنیہ مکسور ہوتا ہے تو یہ نونِ مشدَّدَۃ بھی مکسور ہوتا ہے۔ اسی طرح جمع کے اندر اِضْرِبْنَانِّ میں بھی نونِ مشدَّدَۃ سے پہلے الف آیا تو اس نونِ مشدَّدَۃ کو بھی مکسور پڑھا۔

تُخْتَصُّ بِالْفِعْلِ الْمُسْتَقْبِلِ اور یہ خاص ہے فعلِ مستقبل کے ساتھ۔ فی الامر و النَّهِیِ و الاستفهام و التمنی والعرْض والقسم یہ امر میں آئے گا، نہی میں آئے گا، استفہام، تَمَنِّی، عرَض اور قسم میں آئے گا۔ وجہ اس کی یہ کہ یہ سارے جو ذکر ہوئے یعنی امر، نہی، استفہام، تمنی، عرض اور قسم یہ

سارے طلَب کے لئے آتے ہیں۔ جیسا کہ اِضرِبْ امر ہے۔ اس میں کسی کام کا طلب ہے، لَا تَضرِبْ میں کسی سے فعل کے ترک کو طلب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح استفہام، تمنی، عرض اور قسم میں بھی طلَب ہے۔ اور نونِ تاکید کی یہ دونوں قسمیں یعنی نونِ ثقیلہ اور نونِ خفیفہ یہ بھی طلب میں تاکید پیدا کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اور طلب کے لئے یہ چیزیں آتی ہے تو اسکے ساتھ نونِ تاکید آئے گا۔

امر کی مثال:نونِ ثقیلہ کی مثال: اِضْرِبَنَّ، نونِ خفیفہ کی مثال: اِضْرِبَنْ۔

نہی کی مثال: نونِ ثقیلہ میں لَا تَضْرِبَنَّ اور نونِ خفیفہ میں لَا تَضْرِبَنْ۔

استفہام کی مثال: نونِ ثقیلہ میں "هَلْ تَفْعَلَنَّ" اور نونِ خفیفہ میں "هَلْ تَفْعَلَنْ"۔

تمَنّی کی مثال: نونِ ثقیلہ میں "لیتکَ تَخْرُجَنَّ" اور نونِ خفیفہ میں "لیتکَ تَخْرُجَنْ"۔

عرض کی مثال: نونِ ثقیلہ میں "اَلَا تَنْزِلَنَّ بِنَا فَتُصِیْبَ خیرًا" اور نونِ خفیفہ میں " اَلَا تَنْزِلَنْ بِنَا فَتُصِیْبَ خیرًا "۔

قسم کی مثال: نونِ ثقیلہ میں، "واللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ كَذَا"۔

وَ قَلَّتْ فِي النَّفْيِ اور بڑا تاکید ہے نون تاکید نفی کے ساتھ۔ بھئی نفی کے اندر طلب تو نہیں لیکن اس میں بھی نونِ تاکید آجاتا ہے۔ اور نفی میں نونِ تاکید اس لئے آتا ہے کیونکہ نفی کی مشابہت نہی کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ لَا تَضْرِبْ یہ نہی ہے اور لَا تَضْرِبُ یہ نفی ہے۔ تو نفی کی مشابہت ہے نہی کے ساتھ۔ لہٰذا نفی کے اندر بھی نون تاکید لاتے ہے اگر چہ نفی کے اندر طلب نہیں ہوتا۔

وَلَزِمَتْ فِی مُثْبَتِ الْقَسَمِ اور لازم ہے مثبت قسم کے اندر۔ اگر مُثبت قسم کے اندر آگے جوابِ قسم فعل آرہا ہو تو اس میں نونِ تاکید کا لانا لازم ہے۔ جیسا کہ جوابِ قسم کے اندر جب جوابِ قسم مُثبت ہو تو اُس میں لام تاکید لاتے ہیں۔ اسی طرح اگر جوابِ قسم جملہ فعلیہ ہو تو اس میں نونِ تاکید لانا واجب ہے۔ جیسا کہ آپ "واللّٰہِ لَاَضْرِبَنَّ زیدًا" کہتے ہیں۔ وجہ یہ کہ قسم کے ذریعے فعل میں تاکید پیدا کی جاتی ہے۔ آپ کہنا چاہتے ہیں کہ میں زید کی پٹھائی کروں گا۔ اب اس میں آپ نے قسم کے ذریعے تاکید پیدا کر دی۔ "کہ میں ضرور بالضرور ایسا کروں گا"۔ اور قسم فعل کے ساتھ منسلک نہیں بلکہ الگ آرہا ہے۔ یعنی قسم امرِ منفصل ہے۔ تو جب امرِ منفصل کے ساتھ فعل میں تاکید پیدا کر دی تو یہ ناپسندیدہ ہے کہ امرِ منفصل کے ذریعے تاکید پیدا کرے اور امرِ متصل کے ساتھ تاکید پیدا نہ کرے۔ تو جب امرِ منفصل کے ساتھ تاکید پیدا کر دی اور اگر امر متصل کے ساتھ تاکید پیدا کرنا ممکن ہو تو اُس امرِ متصل کو بھی ساتھ لانا چاہئے۔ اور "واللّٰہِ لَاَضْرِبَنَّ" کہیں گے۔

خلاصہ یہ کہ جب امر منفصل "واللّٰہِ" کے ذریعے اَضْرِبُ میں تاکید پیدا کر دی تو اب امر متصل کے ساتھ بھی تاکید پیدا کرنا ضروری ہے۔

وَ كَثُرَتْ فِي مِثْلِ اِمَّا تَفْعَلَنَّ اور کثیر ہے اس قسم کے مثالوں "اِمَّا تَفْعَلَنَّ" میں۔ اِمَّا تَفْعَلَنَّ اصل میں "اِنْ مَا تَفْعَلَنَّ" ہے۔ اِمَّا میں "اِنْ" شرطیہ اور "مَا" تاکید کے لئے ہے۔ یعنی کبھی تاکید پیدا کرنے کے لئے "مَا" لاتے ہیں۔ اور یہاں " اِمَّا تَفْعَلَنَّ" میں " اِمَّا " غیرِ مقصود ہے۔ اور " تَفْعَلَنَّ " مقصود ہے۔ جب غیرِ مقصود کے اندر تاکید لایا گیا تو اب ضروری ہے کہ مقصود کے اندر بھی تاکید لایا جائے۔ تاکہ کہیں مقصود کا درجہ غیرِ مقصود سے کم نہ ہو جائے۔ تو جب "اِنْ" کی تاکید "مَا" کے ساتھ لائے ہیں تو آگے فعل جو مقصود ہے اسکی بھی تاکید، نونِ تاکید کے ساتھ لاتے ہیں۔ اسی طرح اِمَّا تَفْعَلَنْ بھی ہے۔

وَ مَا قَبْلَهَا اور نونِ تاکید کا ماقبل **مَعَ ضَمِيرِ الْمُذَكَّرِيْنَ** جمع مذکر کی ضمیر کے ساتھ۔ مُذَكَّرِيْنَ سے جمع مذکر مراد ہے۔ **مَضْمُومٌ** وہ مضموم ہوگا۔ کہتے ہیں جمع مذکر کے ضمیروں کے ساتھ نونِ تاکید کا ماقبل جو ہے وہ مضموم ہوگا۔ دیکھو! اِضْرِبْ، اِضْرِبَا، اِضْرِبُوْا میں اِضْرِبُوْا کے اندر واؤ جمع مذکر کی ضمیر ہے۔ اگر اس واؤ جمع مذکر کے بعد نونِ ثقیلہ یا نونِ خفیفہ لے آؤ تو اس نونِ ثقیلہ یا نونِ خفیفہ کا ماقبل مضموم ہوگا۔ تو نونِ خفیفہ کی صورت میں اِضْرِبُنْ پڑھیں گے اور نونِ ثقیلہ کی صورت میں اِضْرِبُنَّ پڑھیں گے۔

نونِ ثقیلہ یا نونِ خفیفہ کا ماقبل جمع مذکر کے ضمیروں میں مضموم اس لئے ہوگا، تا کہ یہ اس بات پر دلالت کرے کہ یہاں پر واؤ حذف ہوا ہے۔ یہ ضمة بتلائے گا کہ یہاں پر واؤ گرایا گیا ہے۔ تو اِضْرِبُنْ یا اِضْرِبُنَّ پڑھیں گے۔

وَ مَعَ الْمُخَاطَبَةِ مكسورٌ اور واحد مؤنث مخاطبة کی ضمیر کے ساتھ، نونِ تاکید کا ماقبل مکسور ہوگا۔ جیسا کہ گردان میں اِضْرِبْ، اِضْرِبَا، اِضْرِبُوْا، اِضْرِبِيْ میں اِضْرِبِيْ واحد مؤنث مخاطبة کا صیغہ ہے۔ اور اِضْرِبِيْ میں واحد مؤنث مخاطبة کی ضمیر آرہی ہے۔ اِضْرِبِيْ: تو ایک عورت پٹھائی کر۔ تو اب اگر یہاں پر نونِ خفیہ یا ثقیلہ لاتے ہیں تو "اِضْرِبِنْ" اور "اِضْرَبِنَّ" پڑھیں گے۔ یہاں نونِ تاکید کا ماقبل مکسور اس لئے ہے تا کہ یہ دلالت کرے کہ یہاں پر یاء محذوف ہے۔

اِضْرِبِنْ اور اِضْرِبِنَّ میں یاء التقائے ساکنین کی وجہ سے گری ہے۔ اسی طرح اِضْرِبُنَّ میں بھی واؤ التقائے ساکن کی وجہ سے گرا تھا۔

وَ فِيْمَا عَدَا ذٰلک مَفْتُوْحٌ اور اس کے علاوہ کے اندر نونِ خفیفہ یا نونِ ثقیلہ کا ماقبل مفتوح ہوگا۔ لیکن سب کے اندر نونِ خفیفہ یا نونِ ثقیلہ کا ماقبل مفتوح نہیں ہوگا۔ آگے صاحب کافیہؒ استثنیٰ کر رہے ہیں۔ یہاں تک نونِ خفیفہ اور نونِ ثقیلہ دونوں کی بات فرمائی۔

اب صاحب کافیہؒ صرف نونِ ثقیلہ کی بات فرما رہے ہیں۔ **وَ تَقُوْلُ فِي التَّثْنِيَةِ** اور آپ تثنیہ کے اندر کہیں گے۔ **وَ جَمْعِ الْمُؤَنَّثِ** اور جمع مؤنث کے اندر کہیں گے۔ **اِضْرِبَانِّ وَ اِضْرِبْنَانِّ** تثنیہ میں

اِضۡرِبَانِّ کہیں گے اور جمع مؤنث میں اِضۡرِبۡنَانِّ کہیں گے۔ تثنیہ کا صیغہ اِضۡرِبَا ہے۔ اسکے ساتھ نونِ ثقیلہ ملائے تو اِضۡرِبَانِّ بن جائے گا۔ اور جمع مؤنث کا صیغہ اِضۡرِبۡنَ ہے۔ اسکے ساتھ نونِ ثقیلہ ملائے تو اِضۡرِبۡنَنَّ ہوا۔ اور تین نون اکھٹے ہو گئے۔ اور تین نونوں کا جمع ہونا ثقیل ہے۔ اور یہ نا پسندیدہ ہے۔ تو درمیان میں الف بڑھا دیا تو اِضۡرِبۡنَانِّ بن گیا۔ تو اِن دونوں صیغوں میں نونِ تاکید کی ماقبل میں الف آرہا ہے۔ جبکہ ان کے علاوہ جو باقی صیغیں ہیں اُن میں نون ثقیلہ مفتوح آئے گا۔

دیکھو! کون کون سے صیغیں نکل گئے۔ جمع مذکر میں انہوں نے فرمایا کہ نونِ تاکید کا ماقبل مضموم ہوگا، اور واحد مؤنث کے اندر انہوں نے فرمایا تھا کہ نونِ تاکید کا ماقبل مکسور ہوگا۔ اور تثنیہ کے اندر اِضۡرِبَانِّ کہیں گے اور جمع مؤنث کے صیغے میں اِضۡرِبۡنَانِّ کہیں گے۔ باقی جتنے صیغے رہ گئے اُن سب میں نونِ تاکید کا ماقبل مفتوح ہوگا۔

اچھا بھئی اِضۡرِبَانِّ اور اِضۡرِبۡنَانِّ پر اشکال ہوتا ہے۔ کہ یہاں تو اجتماعِ ساکنین علیٰ غیرِ حدّہٖ لازم آتا ہے۔ اِضۡرِبَانِّ میں الف بھی ساکن اور نونِ مشدَّد کا پہلا نون بھی ساکن تو اجتماع ساکنین آیا۔ اسی طرح اِضۡرِبۡنَانِّ میں الف بھی ساکن اور نونِ مشدَّد کا پہلا نون بھی ساکن تو یہاں بھی اجتماع ساکنین علیٰ غیرِ حدِّہٖ آیا۔ تو جواب یہ کہ اِضۡرِبَانِّ میں ہم مانتے ہیں کہ اجتماع ساکنین آرہا ہے۔ لیکن اگر ہم اس الف کو گرا دے تو پھر اِضۡرِبَنَّ رہ جائے گا۔ تو پھر تثنیہ کے صیغے کا واحد کے صیغے کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ اور التباس سے بچنا بھی بڑا ضروری ہے۔ اس لئے یہاں پر اجتماع ساکنین جائز ہے۔ اور اسی طرح اِضۡرِبۡنَانِّ میں بھی ہم مانتے ہیں کہ اجتماع ساکنین آرہا ہے۔ لیکن اگر اِضۡرِبۡنَانِّ میں الف درمیان میں نہ لائے تو پھر تین نونوں کا جمع ہونا لازم آئے گا۔ اور تین نونوں کا جمع ہونا ثقیل ہونے کی وجہ سے پسندیدہ نہیں۔ تو لہٰذا اِضۡرِبۡنَانِّ میں بھی اجتماع ساکنین کی اجازت دے دی گئی۔

نیز اس لئے بھی کہ یہ جو مشدَّد حرف ہوتا ہے، یہ حرفِ واحد کی طرف ہوتا ہے۔ یعنی جو حرفِ مشدَّد ہے وہ زبان کے ایک ہی حرکت سے ادا ہو جاتے ہیں۔ جیسے ابٌ میں باء پر شد نہیں اور باء کو ادا کرنے کے لئے ایک ہی مرتبہ ہونٹوں کو ملانا پڑا۔ اب اسی باء پر شد لے آئے تو اَبٌّ بن جائے گا، تو اب بھی باء مشدَّدہ پر ایک ہی مرتبہ ہونٹ ملانا پڑتا ہے۔ اسی طرح مَدٌ میں دال کی ادائیگی کے لئے زبان کو ایک ہی مرتبہ حرکت دیا گیا۔اب اسی دال پر شد لے آؤ تو مَدٌّ میں بھی دال مشدد کی ادائیگی کے لئے زبان کو ایک ہی مرتبہ حرکت دیا گیا۔

تو جیسے حرفِ واحد زبان کی ایک ہی حرکت سے ادا ہوتا ہے اسی طرح حرفِ مشدَّد بھی زبان کی ایک ہی حرکت سے ادا ہوتا ہے۔ تو گویا حرفِ مشدَّد، حرفِ واحد کے حکم میں ہوا۔

اِضۡرِبَانِّ اور اِضۡرِبۡنَانِّ میں پہلے نون تو ساکن ہے لیکن ثانی نون پر آپ کسرۃ پڑھ رہے ہیں۔ تو جب دونوں نون ایک ہی حرکت سے ادا کئے گئے تو گویا یہاں ساکن ہے ہی نہیں۔ اور یہ نون ہی گویا ایک ہی نون ہے

اور متحرک ہے۔ تو گویا یہ ایک ہی نون کے حکم میں ہو گیا۔ اور وہ نون متحرک ہے تو گویا اِضْرِبَانِّ اور اِضْرِبْنَانِّ دونوں میں اجتماع ساکنین آیا ہی نہیں۔ تو یہ اجتماع ساکنین بھی "لا اجتماع" کی طرح ہے۔

وَ لَا تَدْخُلُهُمَا الْخَفِيْفَةُ اور ان دونوں پر یعنی تثنیہ اور جمع مؤنث پر نونِ خفیفہ داخل نہیں ہوتا۔ یعنی اِضْرِبَانِّ اور اِضْرِبْنَانِّ دونوں ثقیلہ ہیں خفیفہ نہیں پڑھ سکتے اسکو۔ یعنی تثنیہ اِضْرِبَا میں اگر نونِ خفیفة بڑھا دیں تو اِضْرِبَان ہو گیا اور یہاں پر اجتماع ساکنین لازم آیا اور یہ تو جائز نہیں۔ اسی طرح جمع صیغِ اِضْرِبْنَ میں نونِ خفیفة ملائے تو اِضْرِبْنَنْ بن جائے گا۔ پھر دونوں نونوں کے درمیان الف بڑھا دیا گیا تو اِضْرِبْنَان بن گیا۔ تو یہاں پر اجتماع ساکنین لازم آیا اور یہ تو جائز نہیں۔

اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اِضْرِبَان اور اِضْرِبْنَان سے الف ھٹا دو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم یہاں سے الف کو نہیں ھٹا سکتے۔ کیونکہ نونِ ثقیلہ ہے اصل اور نونِ خفیفہ ہے اسکی فرع۔ اور جب نونِ ثقیلہ میں ہم نے الف کو نہیں گرایا تھا یعنی اصل میں الف کو نہیں گرایا تھا تو فرع کے اندر بھی الف کو نہیں گرائیں گے۔

تو لہٰذا جب الف لے کر آیا تو اس سے اجتماع ساکنین لازم آیا۔ تو اب ان صیغوں میں نون خفیفہ لا ہی نہیں سکتے۔

خلافًا لِيُونُسَ خلاف امام یونسؒ کے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تثنیہ اور جمع کے اندر بھی نونِ خفیفہ آ سکتا ہے۔ وہ اسکو قیاس کرتے ہیں حالتِ وقف پر۔ جیسے حالتِ وقف میں اجتماع ساکنین جائز ہے اسی طرح یہاں پر بھی اجتماع ساکنین جائز ہے۔ جیسا کہ حالتِ وقف میں ہم "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنْ" پڑھتے ہیں۔ تو دیکھا آخر میں یاء بھی ساکن اور نون بھی ساکن۔ تو امام یونسؒ کے مطابق جیسے وقف کے وقت اجتماع ساکنین جائز ہوتا ہے اسی طرح یہاں نونِ خفیفہ کے اندر بھی اجتماع ساکنین جائز ہے۔ لہٰذا امام یونسؒ کے مطابق آپ اِضْرِبَان اور اِضْرِبْنَان پڑھ سکتے ہیں۔

یہ بحث ذرا مشکل ہے متن سے پہلے یہ غور سے پڑھئے۔

تو یہاں سے اصل میں صاحب کافیہؒ مُعْتَلّ کا حکم بتلانا چاہتے ہیں۔ اور معتل سے نحوی معتل مراد ہے۔ یعنی جس کے آخر میں حرفِ علّت آئے۔ کہ اگر معتل کے ساتھ نونِ خفیفہ یا نونِ ثقیلہ ملائے تو کیسے ملائیں گے۔ کیونکہ معتل میں کبھی آخر میں الف آئے گا کبھی واؤ اور کبھی یاء آئے گا۔ تو اسکے ساتھ نونِ خفیفہ اور نونِ ثقیلة کیسے ملائیں گے۔ کہاں پر واؤ، الف، یاء گرے گی اور کہاں پر نہیں گرے گی۔ اور کہاں اُن پر کونسی حرکت پڑھیں گے۔ تو صاحب کافیہ اُس کو بیان فرما رہے ہیں۔

تثنیہ اور جمع مؤنث کے علاوہ معتل کے صیغیں دو قسم پر ہیں۔ یا تو اُن کے ساتھ ضمیر بارز ملی ہوگی یا ضمیر بارز نہیں ملی ہوگی۔

تثنیہ اور جمع مؤنث کے علاوہ معتل کے صیغیں	
ضمیر بارز	ضمیر مستتِر
يَضْرِبُوْنَ: جمع مذکر غائب تَضْرِبُوْنَ: جمع مذکر حاضر تَضْرِبِيْنَ: واحد مؤنث مخاطبہ	يَضْرِبُ: واحد مذکر غائب تَضْرِبُ: واحد مؤنث غائبہ تَضْرِبُ: واحد مذکر حاضر اَضْرِبُ: واحد متکلم نَضْرِبُ: متکلم مع الغیر

تو اب یاد رکھو! جن صیغوں کے آخر میں ضمیرِ بارز ہے اُن کے ساتھ جب نونِ ثقیلہ یا نونِ خفیفہ جوڑیں گے تو ضمیرِ بارز کے ساتھ ایسا معاملۃ کریں گے جیسے نونِ ثقیلہ یا نونِ خفیفہ کو کسی الگ کلمے سے ملا کر معاملۃ کیا جاتا ہے۔

اور اگر ضمیر مستتر ہے تو پھر اُس کے ساتھ وہ معاملۃ کیا جائے گا جیسے کہ اُسی کلمۃ کے جز کو ساتھ جوڑتے ہوئے کیا جاتا ہے۔

تو یاد رکھو! نونِ خفیفہ یا نونِ ثقیلہ جب ضمیر بارز ہو تو یہ منفصل کلمے کی طرح ہے۔ اور جب ضمیرِ مستتر ہو تو پھر نونِ خفیفہ یا نونِ ثقیلہ متصل کلمے کی طرح ہے۔

اب ہم اس کی مثالیں بناتے ہیں۔ اس سے بات سمجھ میں آئیگی۔

تثنیہ اور جمع مؤنث کے علاوہ معتل کے صیغیں			
ضمیر بارز		ضمیر مستتِر	
جمع مذکر غائب	واحد مؤنث مخاطبہ	واحد مذکر	
اُغْزُوْا : اِرْمُوْا: اِخْشَوْا:	اُغْزِیْ اِرْمِیْ اِخْشَیْ	اُغْزُ اِرْمِ اِخْشَ	

گردان: اُغْزُ، اُغْزُوَا، اُغْزُوْا، اُغْزِیْ، اُغْزُيَا، اُغْزُيْنَ، اسی طرح باقی گردانیں ہیں۔ یہاں صرف امر کے صیغیں ہیں باقی آپ اس پر قیاس کریں۔

اب ان صیغوں کے ساتھ "الرَّجل" ملا دے ساتھ۔ تو" اُغْزُوا الرَّجُلَ" پڑھیں گے۔ تو دیکھا الگ کلمے کو آپ نے اُغْزُوْا کے ساتھ ملایا تو واؤ کو آپ نے اجتماع ساکنین کی وجہ سے گرایا۔ اسی طرح اگر آپ ضمیر بارز والے صیغوں کے ساتھ نونِ ثقیلہ یا نونِ خفیفہ ملاؤ تو اس طرح جوڑنا ہے جس طرح منفصل کلمے کو آپ اس سے جوڑتے ہیں۔ تو جس طرح منفصل کلمہ کے جوڑنے کے وقت آپ نے اُغْزُوْا سے واؤ کو گرایا تو جب آپ ان صیغوں کے ساتھ نونِ ثقیلہ یا نونِ خفیفہ ملا دیں گے تو اِن صیغوں سے بھی واؤ کو گرا

دیں گے۔ تو ہم " اُغْزُنَّ" ثقیلہ میں پڑھیں گے اور "اُغْزُنْ" خفیفہ میں پڑھیں گے۔ اور دیکھو اُغْزُوْا کے ساتھ جب الرَّجُل کو جوڑا تو " اُغْزُوا الرَّجُلَ" بن گیا۔ تو دیکھا واؤ کو ہم نے تلفُّظ سے گرایا لیکن کتابت سے نہیں گرایا۔ لیکن یہاں پر " اُغْزُنَّ" میں ہم واؤ تلفظ سے بھی گرائیں گے اور کتابت سے بھی گرائیں گے۔

اگلا صیغہ اِرْمُوْا ہے۔ اس کے ساتھ ذرا الرَّجُل ملائے تو " اِرْمُوا الرَّجُلَ" پڑھیں گے۔ اور اگر نونِ ثقیلہ ملائیں گے تو اِرْمُنَّ پڑھیں گے اور اگر نونِ خفیفة ساتھ ملائیں گے تو اِرْمُنْ پڑھیں گے۔

اگلا صیغہ اِخْشَوْا ہے۔ اسکے ساتھ ذرا الرَّجُل ملائے تو "اِخْشَوُ الرَّجُلَ" پڑھیں گے۔ اب واؤ اجتماع ساکنین کی وجہ سے نہیں گرے گا کیونکہ واؤ سے ماقبل فتحہ ہے۔ اور جب واؤ سے ماقبل فتحہ ہو اور اجتماع ساکنی آجائے تو پھر واؤ کو حرکت دے دیتے ہیں۔ اور اگر واؤ سے ماقبل ضمة ہو تو پھر واؤ کو اجتماع ساکنین کی وجہ سے گرائیں گے جیسا کہ اوپر کے صیغوں میں ہوا۔ تو جس طرح اِخْشَوْا کے ساتھ الرَّجُل کو جوڑا تو اسی طرح نونِ خفیفہ اور نونِ ثقیلہ کو بھی جوڑیں گے۔ تو نونِ ثقیلہ کی صورت میں اِخْشَوُنَّ پڑھیں گے اور نونِ خفیفة کی صورت میں اِخْشَوُنْ پڑھیں گے۔

اب آگے واحد مؤنث مخاطبہ کے صیغھوں میں آئے۔ پہلا صیغہ اُغْزِیْ ہے۔ اس کے ساتھ ذرا الرَّجُل کلمہ منفصل جوڑو۔ تو " اُغْزِی الرَّجُلَ" پڑھیں گے۔ یاء التقائے ساکنین کی وجہ سے تلفُّظ سے گر گئی لیکن کتابت میں باقی ہے۔ اور جب نونِ ثقیلہ ملائے تو اُغْزِنَّ پڑھیں گے اور جب نونِ خفیفة ملائیں تو اُغْزِنْ پڑھیں گے۔ تو نونِ ثقیلہ اور نونِ خفیفة کے ملانے سے یاء لفظًا بھی گر جائے گی اور کتابةً بھی گر جائے گی۔

اس کے آگر "اِرْمِیْ" ہے اس کے ساتھ ذرا "الرَّجُل" جوڑے۔ تو "اِرْمِی الرَّجُلَ" پڑھیں گے۔ تویہاں بھی یاء التقائے ساکنین کو وجہ سے تلفظ سے گر گئی لیکن کتابت میں ابھی بھی باقی ہے۔ اور نونِ ثقیلہ کی صورت میں "اِرْمِنَّ" پڑھیں گے جبکہ نونِ خفیفہ کی صورت میں "اِرْمِنْ" پڑھیں گے۔ تو اس صورت میں یاء لفظًا اور کتابتًا بھی گر گئی۔

اس کے آگے اِخْشَیْ ہے۔ اس کے ساتھ ذرا " الرَّجُل" ملاؤ تو "اِخْشَیِ الرَّجُلَ" پڑھیں گے۔ یہاں یاء کا ماقبل مفتوح ہے اس لئے التقائے ساکنین کی وجہ سے یاء نہیں گرے گی بلکہ اس پر کسرة پڑھیں گے۔ اب اس کے ساتھ ذرا نونِ ثقیلہ ملائیں گے تو بھی اسی طرح پڑھیں گے یعنی "اِخْشَیِنَّ" اور خفیفہ کی صورت میں "اِخْشَیِنْ" پڑھیں گے۔

اب آگے ضمیر مستتر کے اندر نونِ ثقیلہ اور نونِ خفیفة کیسے ملائیں گے۔ اُس کی طرف ذرا آؤ۔ کہتے ہیں اُس کے ساتھ ویسا معاملة کرتے ہیں جیسا مُتَّصِل کے ساتھ معاملة کیا جاتا ہے۔ یعنی جیسا معاملة جُزِ کلمة کے ساتھ کرتے ہیں تو ویسا معاملة کریں گے۔

بھئی دیکھو! پہلا صیغہ اُغْزُ ہے۔ اور اُغْزُ کا تثنیہ اُغْزُوَا ہے۔ اُغْزُوَا میں یہ الف تثنیہ کی ضمیر ہے اور جُز کلمہ کی طرح ہے۔ تو جب آپ نے اُغْزُ کے ساتھ الف جوڑا تو وہ واؤ جو حذف ہوا تھا وہ واپس آیا۔ اور اُغْزُوَا بن گیا۔ اسی طرح اِرْمِ کی تثنیہ اِرْمِیَا آئیں گی۔ دیکھا یہ الف جو تثنیہ کی ضمیر ہے اور جُزِ کلمة کی طرح شمار ہوا تو وہ یاء جو حذف کیا گیا تھا وہ واپس لایا گیا۔ اسی طرح اِخْشَ کا تثنیہ اِخْشَیَا ہے۔ تو یہاں بھی الف تثنیہ کی علامت جُز کلمہ کی طرح ہے۔ تو جب آپ نے اِخْشَ کے ساتھ الف ملایا تو وہ یاء جو حذف کیا گیا تھا وہ واپس آیا۔

تو جیسے یہاں پر جُزِ کلمة یعنی الف تثنیہ کے لانے کی وجہ سے جو معاملة کیا جاتا تھا تو نونِ خفیفہ اور نونِ ثقیلہ کے لانے سے بھی ویسا ہی معاملة کیا جائے گا۔ یعنی وہ جو حرفِ محذوف تھا اُس کو واپس لایا جائے گا۔ تو اب اُغْزُ کے ساتھ جب نونِ ثقیلہ ملائیں گے تو "اُغْزُوَنَّ" پڑھیں گے اور نونِ خفیفہ کی صورت میں "اُغْزُوَنْ" پڑھیں گے۔ یعنی وہ واؤ جو محذوف تھا وہ واپس آیا۔ اور اسی طرح اِرْمِ کے ساتھ جب نونِ خفیفہ یا نونِ ثقیلہ ملائیں گے تو یائے محذوفة واپس آئے گا اور ثقیلہ کی صورت میں "اِرْمِیَنَّ" اور خفیفة کی صورت میں "اِرْمِیَنْ" پڑھیں گے۔ اور اِخْشَ کے ساتھ جب نونِ ثقیلہ ملائیں گے تو اِخْشَیَنَّ پڑھیں گے اور نونِ خفیفة کی صورت میں اِخْشَیَنْ پڑھیں گے۔ یعنی وہ یائے محذوفة واپس آئے گی۔

خلاصہ یہ کہ جن کے ساتھ ضمیر بارز ہے اُن کے ساتھ نونِ ثقیلة اور نونِ خفیفة جوڑتے ہوئے ایسا معاملة کیا جائے گا جیسے کوئی منفصل کلمة ساتھ جوڑا جاتا ہے۔ اور جن میں ضمیر مستتر ہے اُن کے ساتھ نونِ ثقیلہ اور نونِ خفیفہ جوڑتے ہوئے ایسا معاملة کیا جائے گا جیسے کوئی متصل کلمة ساتھ جوڑا جاتا ہے۔

وَ هُمَا اور یہ دونوں نونِ تاکید جو ہیں یعنی نونِ خفیفة اور نونِ ثقیلة۔ فِی غیرِهِما اِن دونوں کے علاوہ میں۔ یعنی تثنیہ اور جمع مؤنث کے علاوہ میں مَعَ الضَّمیرِ البَارِزِ ضمیر بارز کے ساتھ کَالْمُنْفَصِلِ لفظِ منفصل کی طرح ہے۔ فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ اور اگر ضمیرِ بارز نہ ہو۔ فَکَالْمُتَّصِلِ تو یہ نونِ ثقیلہ اور نونِ خفیفہ کلمة مُتَّصِل کی طرح ہے۔

وَ مِنْ ثَمَّ اور اسی وجہ سے قِیْلَ کہا گیا ہے۔ اب صاحب کافیہ؂ کچھ مثالیں ذکر فرما رہے ہیں۔ هَلْ تَرَیَنَّ تَرَیَنَّ اصل میں تَرَ تھا۔ تَرَ واحد مؤنث غائبہ کا صیغہ بھی ہے اور واحد مذکر مخاطبة کا بھی صیغہ ہے۔ تَرَ کے اندر ضمیر مستتر ہے۔ اور ضمیر مستتر کی صورت میں متصل کلمہ والا معاملہ کیا جاتا ہے۔ تَرَ کی تثنیہ تَرَیَا ہے۔ تو الف تثنیہ کی ضمیر جُڑنے سے یاء بھی واپس آگئی۔ تو اب نونِ ثقیلہ اور نونِ

خفیفہ کے جڑنے سے بھی وہی متصل کلمہ والا معاملۃ کیا جائے گا۔ تو نون مشدّد کی صورت میں تَرَيَنَّ پڑھیں گے اور نونِ خفیفہ کی صورت میں تَرَيَنْ پڑھیں گے۔

وَ تَرَوُنَّ ای وَ هَلۡ تَرَوُنَّ۔ یہ جمع ہے اور اصل میں تَرَوْنَ تھا۔ جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ نونِ اعرابی جزم آنے سے گرے گا، تو "لَمۡ تَرَوۡا" بن جائے گا۔ پھر لَمۡ تَرَوۡا کے اندر ضمیر بارز ہے۔ اور ضمیر بارز کی صورت میں منفصل والا معاملۃ کیا جاتا ہے۔ اور جب اس کے ساتھ نونِ ثقیلۃ مل جائے گا تو یہ "لَمۡ تَرَوُنَّ" بن جائے گا۔ یہاں واؤ کا ماقبل مفتوح ہے اس لئے التقائے ساکنین کی وجہ سے واؤ نہیں گرا۔ اور نونِ خفیفۃ کی صورت میں "لَمۡ تَرَوُنۡ" پڑھیں گے۔

وَ تَرِيِنَّ یہ واحد مؤنث مخاطبہ کا صیغہ ہے۔ اس میں ضمیر بارز ہے۔ اصل میں تَرَيۡنَ تھا۔ نونِ اعرابی کو جزم کی وجہ سے گراؤ تو "لَمۡ تَرَیۡ" بن جائے گا۔ اب اگر اس کے ساتھ الرَّجُل کو جوڑے تو "لَمۡ تَرَيِ الرَّجُلَ" کہیں گے۔ تو یہاں پر یاء نہیں گری۔ اسی طرح نونِ ثقیلہ یا نونِ خفیفہ ملانے سے بھی یاء نہیں گرے گی اور " لَمۡ تَرَيِنَّ" اور "لَمۡ تَرَيِنۡ" پڑھیں گے۔

وَ اُغۡزُوَنَّ یہ اصل میں اُغۡزُ امر سے بنا ہے۔ اور یہ واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ اور اسکے اندر ضمیر مستتر ہے۔ تو اس کے ساتھ کلمہ متصل والا کام کیا جائے گا یعنی جو حرف حذف کیا گیا تھا وہ کلمہ متصل کے ملانے کے بعد واپس آجائے گا۔ جیسا کہ اُغۡزُ کا تثنیہ اُغۡزُوَا ہے۔ تو الف کے جڑنے سے وہ حذف شدہ واؤ واپس آجائے گا۔ تو اسی طرح جب اس کے ساتھ نونِ خفیفہ یا نونِ ثقیلہ ملائیں گے تو وہ واؤ جو کہ محذوف تھا وہ نونِ خفیفہ یا نونِ ثقیلہ کے ملانے کے بعد واپس آئے گا۔ اور ثقیلہ کی صورت میں "اُغۡزُوَنَّ" پڑھیں گے جبکہ خفیفہ کی صورت میں "اُغۡزُوَنۡ" پڑھیں گے۔

وَ اُغۡزُنَّ یہ جمع مذکر کا صیغہ ہے۔ اصل میں اُغۡزُوۡا تھا۔ اس کے اندر ضمیر بارز ہے۔ اور اسکے ساتھ کلمۂ منفصل والا معاملۃ کیا جائے گا۔ تو نونِ ثقیلہ اور نونِ خفیفہ کے ملانے کی وجہ سے اسکا واؤ التقائے ساکنین کی وجہ سے لفظًا اور کتابتًا گر جائے گا اور ثقیلہ کی صورت میں "اُغۡزُنَّ" پڑھیں گے اور "اُغۡزُنۡ" پڑھیں گے خفیفۃ کی صورت میں۔

وَ اُغۡزِنَّ یہ واحد مؤنث مخاطبۃ سے بنا ہے۔ یہ اصل میں اُغۡزِيۡ تھا۔ اس کے اندر ضمیر بارز ہے۔ کیونکہ یہ یاء ضمیر ہے۔ اور بارز کی صورت میں اس کے ساتھ کلمۂ منفصل والا معاملۃ کیا جائے گا۔ تو نونِ ثقیلہ اور نونِ خفیفہ کے ملانے کی وجہ سے اسکا واؤ التقائے ساکنین کی وجہ سے لفظًا اور کتابتًا گر جائے گا اور ثقیلہ کی صورت میں "اُغۡزِنَّ" پڑھیں گے اور "اُغۡزِنۡ" پڑھیں گے خفیفۃ کی صورت میں۔

درس 114۔

وَ الْمُخَفَّفَةُ اور نونِ خفیفة جو ہے۔ تُحْذَفُ لِلسَّاكِنِ اُس کو حذف کر لیا جائے گا ساکن کی وجہ سے۔ یعنی اگر نونِ خفیفه کے بعد کو ساکن آ جائے، تو پھر اجتماع ساکنین آ جائے گا۔ اور اس صورت میں نون کو حذف کر دیں گے۔ یاد رکھو! اس نونِ خفیفه کو ہم کسی بھی صورت میں حرکت نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ اس کے اندر اصل ہی ساکن ہونا ہے۔ اور اگر ہم اس کو حرکت دے دیں گے تو یہ اپنے اصل سے ہٹ جائے گا۔ تو اس کو حرکت نہیں دینی اس کو حذف کر دیں گے۔ جیسے دیکھئے آپ اپنے ساتھی سے کہتے ہیں، اِضْرِبَنْ رجلاً۔ اب رجلاً مفعول ہے اگر اس پر الف لام لے آئے تو اب کیا کریں گے۔ اِضْرِبَنْ کا نون بھی ساکن اور آگے الرَّجُل میں لام بھی ساکن۔ تو کہتے ہیں کہ نونِ خفیفه کو حذف کر لو اور "اِضْرِبَ الرَّجُلَ" پڑھو۔ اِضْرِبَ میں باء کا فتحه بتلا رہا ہے کہ یہاں سے نونِ خفیفه حذف ہوا ہے۔ کیونکہ اگر یہ صرف اِضْرِبْ ہوتا اور ہم اسکو الرَّجُل سے ملاتے تو ہم "اِضْرِبِ الرَّجُلَ" پڑھتے۔

وَ فِي الْوَقْفِ ای تُحْذَفُ فِی الْوَقْفِ: اور نونِ خفیفه کو وقف کی صورت میں بھی حذف کیا جائے گا۔ یاد رکھو! یہ نونِ خفیفه، نونِ تنوین کی طرح ہے۔ تنوین جس طرح نونِ ساکن ہے اسی طرح نونِ خفیفه بھی نونِ ساکن ہے۔ تو تنوین جیسے وقف کے اندر حالتِ رفعی اور جرّی میں گر جاتی ہے۔ مثلاً درج عبارت میں "جاءَنِی زیدٌ" پڑھتے ہیں۔ اور اگر ہم زید پر وقف کرنا چاہے تو پھر "جاءَنِی زید" پڑھیں گے۔ تو زید سے تنوین گر جائے گا ۔ اور مررتُ بزیدٍ میں اگر ہم اس پر وقف کرے تو مَرَرْتُ بِزَیْد پڑھیں گے۔ تو دیکھا کہ حالت رفعی میں بھی تنوین گر جاتی ہے اور حالت جرّی میں بھی تنوین گر جاتی ہے۔

اب حالت نصبی ذرا لاؤ، جیسا کہ ضَرَبْتُ زیدًا۔ اب اگر اس پر وقف کرو تو ضَرَبْتُ زَیْدَا پڑھیں گے۔ اب تنوین "الف" سے بدل گیا۔ اسی طرح یاد رکھو! یہ نون خفیفه جو تاکید کے لئے آیا، اس میں بھی اگر ماقبل میں ضمه ہو وقف کے وقت تو یہ نون خفیفة بھی گر جائے گا۔ اور اگر ماقبل میں کسرة ہو تو بھی یہ نونِ خفیفة گر جائے گا۔ اور اگر ماقبل میں فتحة ہو تو پھر اس نونِ خفیفة کو الف سے بدل دیں گے۔

لیکن تنوین اور نونِ خفیفه میں ایک فرق ہے۔ تنوین جب گرتی تھی تو تنوین کی وجه سے جو حرف گرا ہوتا تھا وہ واپس نہیں آتا تھا۔ جبکه نونِ خفیفه کی وجه سے جب نونِ خفیفه گرے گا، تو جو حرف حذف ہوا تھا وہ واپس آئے گا۔

دیکھے بھئی، "قاضٍ"۔ جاءَنِی قاضٍ جو کہ اصل میں "جاءَنِی قَاضِیٌ" تھا۔ یاء پر ضمة ثقیل تھا۔ تو ضمّه کو گرا دیا۔ تو پھر یاء بھی ساکن اور نون بھی ساکن۔ پھر اجتماع ساکنین کی وجه سے یاء گر گئی تو قاضٍ پڑھتے ہیں۔ تو تنوین کی وجه سے یاء گر گئی۔ اب اگر ہم "جاءَنِی قاضٍ" پر وقف کرے تو "جاءَنِی قاض" پڑھیں گے۔ تو وہی یاء جو تنوین کی وجه سے گری تھی واپس نہیں آئے گی۔

لیکن نونِ خفیفه کو جب گراتے ہیں تو جو حرف محذوف ہوتا ہے وہی حرف واپس آئے گا۔ جیسا که اُغْزُ، اُغْزُوَا، اُغْزُوْا میں اگر اُغْزُوْا کے ساتھ نونِ خفیفه ملائیں تو اُغْزُنْ پڑھیں گے۔ تو اُغْزُوْا کے اندر آخر

میں واؤ جو ضمیر تھی وہ نونِ خفیفہ کی وجہ سے گر گئی۔ اب اُغْزُنْ کے اندر "زاء" کا ضمہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ یہاں سے واؤ حذف ہوا ہے۔ اب آخر میں جب ہم وقف کریں گے تو یہ نونِ خفیفہ گر جائے گا۔ اور جب نونِ خفیفہ گرے گا تو وہ جو واؤ گر گیا تھا وہ واپس آئے گا۔ اور "اُغْزُوْا" پڑھیں گے۔

اسی طرح اُغْزِیَنْ کے ساتھ جب نونِ خفیفہ ملائے تو اُغْزِنْ پڑھتے تھے۔ نونِ خفیفہ کے ملانے سے یاء ضمیر گر گئی۔ اب جب وقف کی صورت میں نونِ خفیفہ گرے گا تو یہ یاء واپس آئے گی اور "اُغْزِیْ" پڑھیں گے۔

خلاصہ یہ کہ تنوین میں محذوف واپس نہیں آتا اور نونِ خفیفہ میں محذوف واپس آتا ہے۔

فَيُرَدُّ پس واپس لوٹایا جائے گا مَا اُس حرف کو حُذِفَ جسکو حذف کیا گیا تھا۔

وَ الْمَفْتُوْحُ اَيِ الْمُخَفَّفَةُ الْمَفْتُوْحُ: وہ نونِ خفیفة جو مفتوح ہو ما قبلَها ماقبل اُس کا مفتوح ہے۔

یعنی نونِ خفیفہ کا ماقبل مفتوح ہو۔ تُقْلَبُ اَلِفًا فَقَطْ تو بدل جائے گا یہ نونِ خفیفہ الف کے ساتھ صرف۔ :: تمت بالخیر

دعا۔ شروع میں الحمدُ للہ پڑھے، پھر درود شریف پڑھے۔ آخر میں بھی درود شریف ہو اور آمین ہو۔ تو اس سے دعا قبولیت کے قریب ہوجاتی ہے۔

15 مئی 2025 بروز جمعرات

17 ذو القعدة 1446 هجری

الكافية

فهرس الموضوعات

الموضوع	صفحة	الموضوع	صفحة
تعريف الكلمة و تقسيمها		خبر إِنَّ و اخواتها	
تعريف الكلام و تقسيمة		خبر لا التى لنفى الجنس	
تعريف الاسم		المنصوبات	
الاعراب		المفعول المطلق	
العامل		المفعول بهٖ	
جمع المذكر السالم		المنادىٰ	
غير المنصرف		توابع المنادىٰ	
العدل		ترخيم المنادىٰ	
الوصف		التحذير	
التانيث		المفعول فيه	
المعرفة		المفعول له	
العجمة		المفعول معه	
الجمع		الحال	
التركيب		التمييز	
الف والنون		المستثنىٰ	
وزن الفعل		خبر كان و اخواتها	
المرفوعات		اسم انّ و اخواتها	
و اذ انتفى الاعراب		المنصوب بلا التى لنفى الجنس	
و اذا تنازع الفعلان		خبر ما و لا المشبهتين بليس	
مفعول ما لم يسم فاعله		المجرورات	
المبتدأ		التوابع، النعت	
الخبر		العطف	

الموضوع	صفحة	الموضوع	صفحة
التاكيد		نواصب المضارع	
البدل		جوازم المضارع	
عطف البيان		الامر	
المبنى		فعل ما لم يسم فاعله	
المضمر		المتعدى و غير المتعدى	
متصل و منفصل		افعال القلوب	
اسماء الاشارة		الافعال الناقصة	
الموصول		افعال المقاربة	
اسماء الافعال		فعل التعجب	
الاصوات		افعال المدح و الذم	
المركبات۔ الكنايات		الحرف	
الظروف		حروف الجر	
المعرفة		الحروف المشبهة بالفعل	
النكرة		الحروف العاطفة	
اسماء العدد		حروف التنبيه ۔ حروف النداء	
المذكر و المؤنث		حروف الايجاب	
المثنى		حروف الزيادة	
المجموع		حرف التفسير	
المؤنث		حروف المصدر۔ حروف التحضيض	
جمع التكسير		حرف التوقع۔ حرفا الاستفهام	
المصدر		حروف الشرط	
اسم الفاعل		حرف الردع	
اسم المفعول		تاء التانيث	
صفة المشبه		التنوين	
اسم التفضيل		نون التاكيد	
الفعل			
الماضى			
المضارع			